
بیسویں صدی
BiswinSad
DELHI
Rs. 1·30



بتاتا ہے تیری نظر کا تبسّم
بہاروں میں کھیلی ہے تیری جوانی

فوٹو: روشن لال وششٹ، جے پور



گذشتہ دنوں یادِ اختر کمیٹی ہوشیار پور کے زیرِ اہتمام پنڈت ہری چند اختر مرحوم کی یاد میں ایک مشاعرہ ہوا۔ جس میں جنابِ کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ اپنا کلام سُنا رہے ہیں۔ محفل ہمہ تن گوش ہے۔

متاعِ عہدِ محبت کسی کو کیا معلوم
یہ دو دِلوں کی امانت کسی کو کیا معلوم

نگاہِ لُطف و نگاہِ عتاب کیا کہنا
یہ اندمالِ جراحت کسی کو کیا معلوم

جو تُو نہیں تو تصوّر ہے چارہ ساز ترا
کمالِ سحرِ محبت کسی کو کیا معلوم

وہ اور ہوں گے تغافل کو جو غلط سمجھے
ہمارا حُسنِ عقیدت کسی کو کیا معلوم

نہ شوقِ سجدہ ہے دِل میں نہ قصدِ دَیر و حَرم
ہماری طرزِ عبادت کسی کو کیا معلوم

کسی نے ہنس کے پُکارا تو آنکھ بھر آئی
دُکھے دِلوں کی مصیبت کسی کو کیا معلوم

سحرؔ نہ تابِ جُدائی ہمیں نہ تابِ وصال
ہمارے دِل کی یہ حالت کسی کو کیا معلوم



حضرت ساحر ہوشیار پوری اپنی غزل کا جادو جگا رہے ہیں۔

دوستی کی جو گل عذاروں سے ⁝ دشمنی ہو گئی بہاروں سے
ایک طوفاں سے کیا بچی کشتی ⁝ لاکھ طوفاں اُٹھے کناروں سے
ہم کو اغیار سے گلہ کیسا ⁝ زخم کھائے ہیں ہم نے یاروں سے
رہ گئے دل میں سینکڑوں ارماں ⁝ سینکڑوں غم ملے بہاروں سے
وقت آنے دے، ہم بھی اے صیاد ⁝ گُل تراشیں گے خارزاروں سے
منزلیں خود ہی پاس آئیں گی ⁝ ہم نہ گزریں گے رہ گزاروں سے

عاقبت پر نظر ہو کیوں ساحر
ہم کو فرصت نہیں نظاروں سے



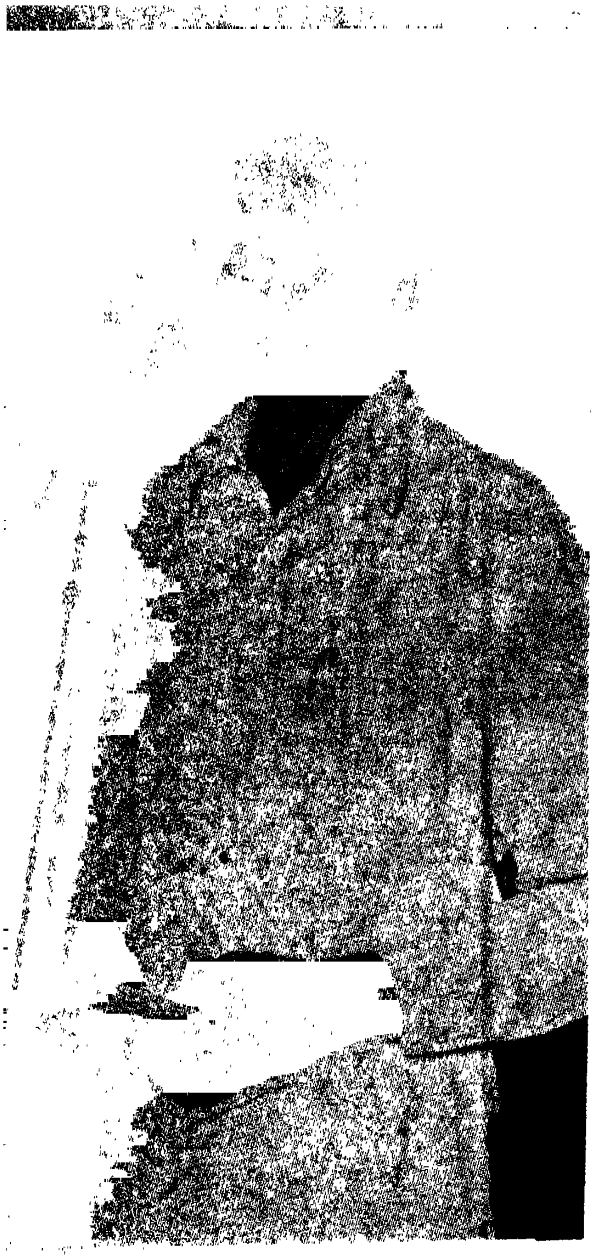
جنابِ آر۔ ڈی۔ سیال وفا غزل سرا ہیں۔

جب کہیں سن لوں کسی سے میں ترانہ عشق کا
یاد آجاتا ہے مجھ کو بھی زمانہ عشق کا

جب وہ کہتے ہیں نہیں ہے عشق سے اُن کو غرض
ہر کسی کو کیوں سُناتے ہیں فسانہ عشق کا

اُن کے کُوچے کے ہر اِک ذرّے کو ہے میرا سلام
ہے اُسی کُوچے میں آخر آستانہ عشق کا

اب محبّت کی جگہ ہے مصلحت، یا ہے ہوس
آگیا ہے اے وفا کیسا زمانہ عشق کا



ہی میں نئی دلّی میں کوی سمّیلن کا ایک نیا تجربہ کیا گیا۔ جس کو
ی ڈائمنشنل کوی سمّیلن کا نام دیا گیا۔ اس کوی سمّیلن کی خصوصیت
ی کہ شاعروں اور کویوں نے اپنے اپنے گیت پہلے خود سنائے۔ بعد میں
ہد گیتوں کو پلے بیک سنگرز نے آرکسٹرا کی دھن پہ گایا۔ اور اُبھرتی
ی اداکارہ منیشہ نے رقص اور بھاؤ کے ذریعے گیتوں کے جذبات کی
اسی کی۔ تصویر میں جناب پورن کمار ہوش نغمہ سرا ہیں:۔

دگی کا میلہ رے یہ زندگی کا میلہ
ں میلے کی بھیڑ میں گھومے ہر انسان اکیلا رے
زندگی کا میلہ رے

اپنے دکھ میں اپنے سُکھ میں سب ہی کھوئے کھوئے رے
کس کو فرصت ہے جو تیرے بھاگیہ کی گٹھڑی ڈھوئے رے
پنی اپنی اُلجھن سب کو اپنا ایک جھمیلہ رے
زندگی کا میلہ رے

کوئی اپنا کوئی پرایا ساتھ نہیں جا پائے گا
میت بچھڑ جائے گا رے لیکھے دشمن بھی چھوٹ جائے گا
ل دو پل کا ساتھی، تیرے سنگ جو روٹھا کھیلا رے
زندگی کا میلہ رے

تیرے دل کی میرے من کی بات یہیں رہ جائے گی
صبح یہیں رہ جائے گی ساتھی رات یہیں رہ جائے گی
چھین کے سب لے جائے گا تجھ سے انت سمے کا ریلا رے
زندگی کا میلہ رے

ٹیلیفون دفتر ــــــ ۲۷۱۶۳۷
ٹیلیفون رہائش ــــــ ۶۱۹۹۲۷

# تیرونشتر

## خوشتر گرامی

"ہندوستان کسی بڑی طاقت کا طفیلی نہیں" وزیر اعظم اندرا گاندھی کا اعلان ـــــ مگر اُس پر یہ الزام لگانے والے تو ہیں۔

---

"شملہ معاہدہ" ایک عنوان ـــــ جس کی قدم بقدم کامیابی سے دیش دشمنوں کے قصر لرز رہے ہیں۔

---

"کھادی کی مقبولیت بڑھ رہی ہے" ایک خبر ـــــ اس لئے کہ اسے پہن کر ہر ایک حکمران خاندان کا فرد جو معلوم ہوتا ہے۔

---

"رام نام کی لوٹ ہے" ایک اعلان ـــــ لوٹ لو جتنا لوٹا جائے۔

---

"کانگریس کے انتخابات۔ جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے" ایک خبر ـــــ برتنوں کی کمی ہونے کی وجہ سے۔

---

"یونیورسٹی ٹیچروں کا دھرنا" ایک خبر ـــــ ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کا خالص سودیشی طریقہ۔

---

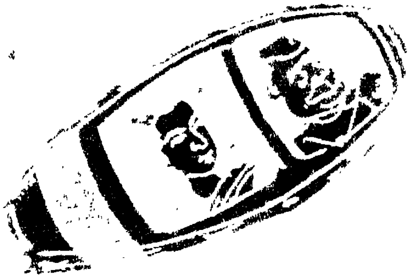
"شیخ مجیب کو امن انعام" ایک خبر ـــــ اور یحییٰ خاں کو جنگ بازی کے لئے ہٹلر ایوارڈ۔

---

"یونیورسٹیوں میں امن رکھنے کے لئے سیاسی لیڈروں سے تعاون کی اپیل" ایک خبر ـــــ یہ ایسا عمل کریں گے کہ چور سے کہیں گے چوری کر اور شاہ سے کہیں گے ہوشیار رہنا۔

---





"ہندوستان برابر سوشلزم کی طرف گامزن رہے گا" کانگریسی لیڈروں کے بیانات




"راجستھان نہر" ——— جو راجاؤں مہاراجاؤں کے بہہ جانے کے بعد بن رہی ہے۔

---

"کھادی بھون سٹاف کی تنخواہ کا سکیل" ایک خبر ——— سودیشی ہوگا۔

---

"بچوں کی دیکھ بھال بھی مشین کے ذریعہ" ایک خبر ——— اور پیدائش بھی مشینوں کے ذریعہ کرانے کی کوشش۔

---

"بہار کے چیف منسٹر کا پُتلا جلایا گیا" ایک خبر ——— کوئی بات نہیں، وہ خود تو بچ گئے۔

---

"پانی پت میں کوئلہ کی بلیک" ایک خبر ——— دلالی تو نہیں جس میں ہاتھ کالے ہوتے ہیں۔

---

"ریلوں کی بھیڑ کم کرنے کے لئے" ایک خبر ——— جنتا کو انجن میں جوت کر ہانکنے کا فیصلہ۔

---

"کیا بچے اور اناج پیدا کرنے میں تعلق ہے؟" ایک عنوان ——— ہاں! بالکل ہے۔ پیدا تو دونوں ہوتے ہیں۔ لیکن ایک کو پیدا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے اور دوسرے کو نہ پیدا کرنے کو۔

---

"لوک سبھا کے ممبر کو جان کی دھمکی" ایک خبر ——— غنیمت ہے گولی کی یا چھرے چاقو کی دھمکی نہیں دی ہے۔

---

"پنجاب میں آنریری سب رجسٹرار مقرر ہوں گے" ایک خبر ——— دیکھئے آنریری وزیروں کا سلسلہ کب شروع ہوتا ہے؟

---

"جن سنگھ آندھرا کی تقسیم کے حق میں" ایک خبر ——— اور تقسیم کے بعد الزام کانگریس کو دے گا۔

---

• [illegible] ہاتھوں سے گئی — پہلے [illegible]

---

• [illegible] ڈالر کو بہت آگے بڑھ لیا ہے" ایک خبر — [illegible] ڈالروں کو چھوٹ دے دی گئی تھی جن کی چائے کی ایک پیالی ایک روپے میں بکی۔

---

• "پولیس نے ایوب خان کے خاندان کے خلاف دولت جمع کرنے کے الزامات کی تفتیش شروع کر دی" ایک خبر — جمع کر کے ضائع تو نہیں کی۔ مجرم تو یحییٰ خاں ہے جس نے پاکستان کی دولت برباد کی۔ تحقیقات تو اس کے خلاف ہونی چاہیئے۔

---

• "ایشیائی میلہ ختم ہو گیا" — یعنی لوٹ کا بازار بند ہو گیا۔

---

• "صرف ہندی ہی رابطہ کی زبان بن سکتی ہے" — اس لئے کہ سری نگر سے ترپویندرم تک بولی اور سمجھی جانے والی زبان کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے۔

---

• "ٹیچر پارٹی بازی سے اوپر اٹھ کر طلباء کو اخلاقی لیڈرشپ مہیا کر سکتے ہیں" ایک عنوان — بشرطیکہ وہ خود اخلاق سے آگاہ ہوں۔

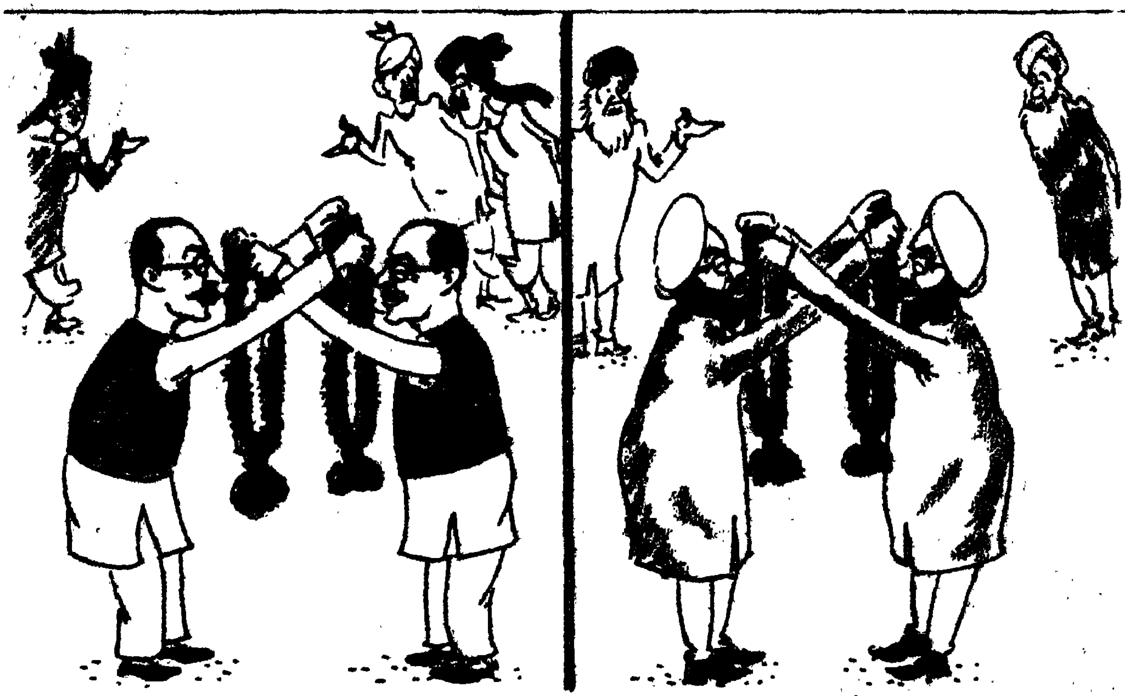
---

• "وقت برباد نہ کرو تحریک" ایک خبر — اپوزیشن پارٹیوں میں چلائی جائے۔

---

• "دلی کے گونگے بہروں کے متعلق انعامات سے بھر گئے" ایک خبر — اور زبان دراز اور لمبے لمبے بھاشن دینے والے سیاستدان منہ تکتے رہ گئے۔

---



ہریانہ اور پنجاب کی کانگریس پارٹیوں کی طرف سے ہریانہ اور پنجاب کی حکومتوں پر اظہارِ اعتماد۔



"الہ آباد یونیورسٹی کا وائس چانسلر بننے کو کوئی تیار نہیں" وزیرِ تعلیم یو۔پی کا بیان۔

---

"اُردو والوں سے!" ایک عنوان ——— اچھے گلا بازوں کو جمع کرکے مشاعرے کرایا کرو۔ یہ بہت بڑا تعمیری کام ہے۔

---

"موجودہ منصوبوں سے صرف پچاس فیصدی ضرورت ہی پوری ہوگی" ایک عنوان ——— اس لئے پچاس فیصدی ہندوستانی آئندہ ۵ سالہ منصوبے تک دم کھینچ لیں۔

---

"ترقی اُردو بورڈ کے زیرِ اہتمام وضعِ اصطلاحات پر سیمنار" ایک خبر ——— اُردو کو کہیں دوسرا درجہ بھی نہ ملے گا تو یہ اصطلات کس کے کام آئیں گی۔

---

"ہندی صوبے غیر ہندی زبان والے صوبوں پر ہندی ٹھونسنے کی کوشش نہ کریں" ایک عنوان ——— اس لئے کہ وہ اُردو والے نہیں جو لہو کے گھونٹ پی کر بیٹھ جائیں گے۔

---

"نکسن کے امن کے وعدے فراڈ" ایک عنوان ——— صرف وعدے نہیں، وہ خود مکمل فراڈ ہے۔

---

"پنجاب نئی راہوں پر" ایک عنوان ——— نئے شکشا منتری کا نئے اندازِ فکر کا نتیجہ۔

---

"یو۔پی میں کانگریس کے چناؤ میں بڑے بڑے مگرمچھ کامیاب" ——— اب چھوٹی مچھلیوں کی خیر نہیں۔

---

"یو۔پی کے وزیروں کے خلاف انکوائری" ایک خبر ——— کون کرائے، سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔

---

"پھانسی کی سزا" ایک خبر ——— برقرار رکھنے پر جلادوں کا اظہارِ تشکر۔ بے روزگاری کا خطرہ ٹل گیا۔

• [illegible] آگیا: ایک خبر ـــ گویا اُن کو [illegible]

---

• بنگلہ دیش میں بھرشٹاچار کے خلاف جہاد۔ بڑے کارخانوں کے پانچ اگزیکٹو گرفتار: ایک خبر ـــ اور بھارت میں بھرشٹاچار سے چشم پوشی اور انتخابی فنڈ میں رقم دینے والوں کی حوصلہ افزائی۔

---

• پریتم پورہ روڈ دِلی پر ٹرک اُلٹ گیا: ایک خبر ـــ پریتم کی نظروں کی تاب نہ لا کر۔

---

• راشٹرپتی کی طرف سے ایشیائی میلے جیسے میلے لگنے کا مشورہ: ایک عنوان ـــ تاکہ ایشیا میلے جیسی لوٹ کا بازار گرم رہے۔

---

• ایک ادبی نشست: ایک خبر ـــ جس میں شریک نہ ہونا بے ادبی ہے۔

---

• جو کانٹے بوتے تھے: ایک عنوان ـــ وہ اب بھالے بن گئے ہیں۔

---

• معمولی جھگڑے میں عورت کی جان گئی: ایک خبر ـــ ایک معمولی واقعہ۔

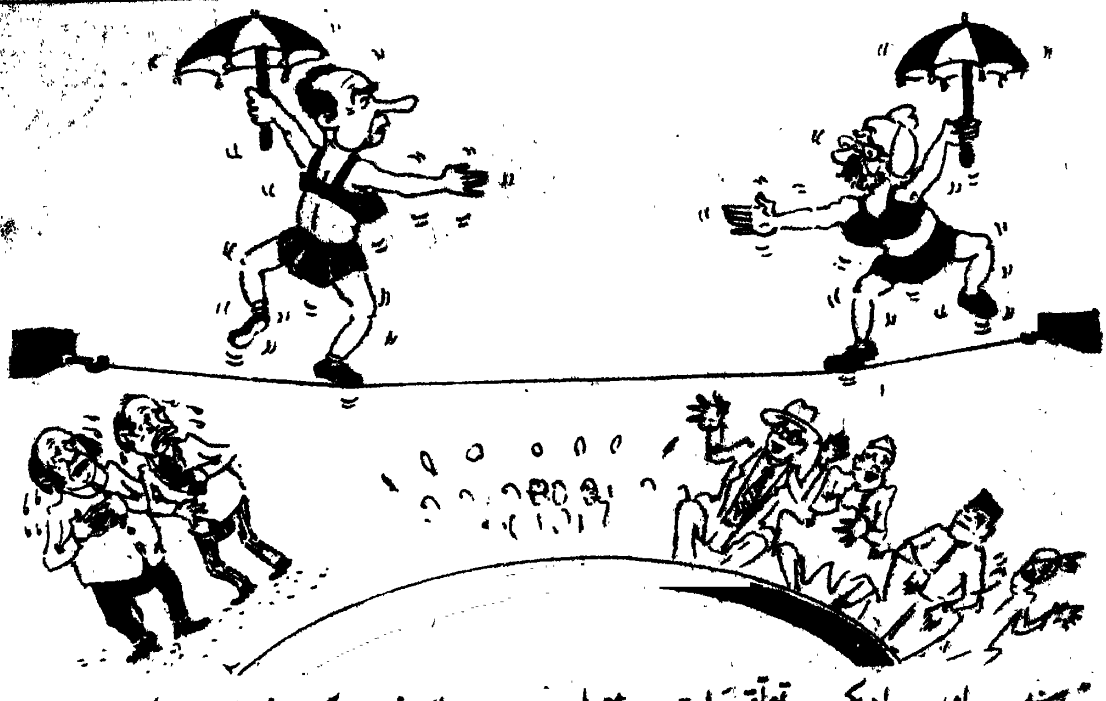
---

• مرادآباد میں چوریوں کی بھرمار ـــ مُردے چور بن گئے ہوں گے۔

---

• کھاد میں دیش کو خود کفیل بنانا ضروری ہے: ایک عنوان ـــ اس لئے گلاب لو مہم چلائی جائے گی۔

---



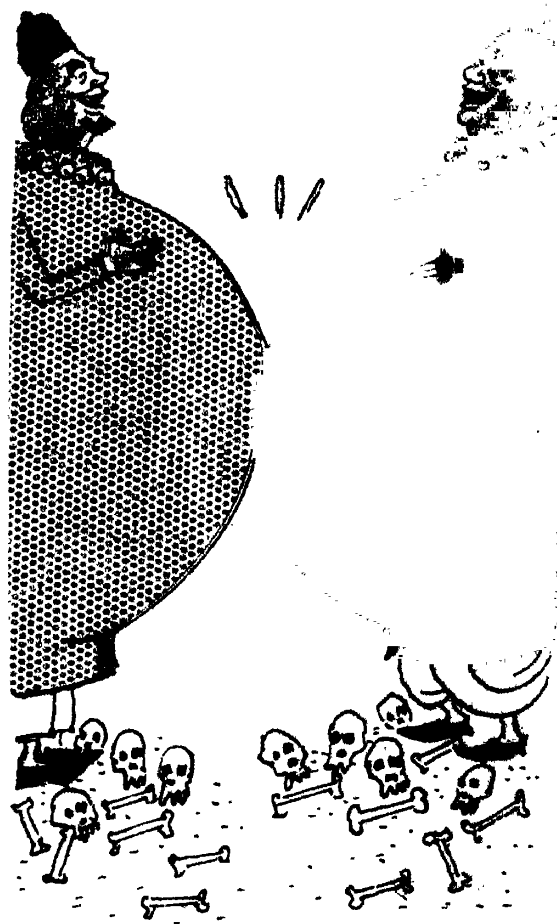
• ہند اور امریکہ تعلقات معمول پر لانے کے خواہاں: ایک خبر

# سرمایہ دار

## خوشتر گرامی

سر میں سودا سود کا۔ آنکھ میں سؤر کا بال۔
بے مروّتی سے مالامال۔ اچھوا لئے کی بھیاں حقیقی
سماج میں ناک کٹی ہوئی۔ اِس پر بھی عزّت پاتا ہے۔
زبان کا میٹھا، قول کا کچّا، لین دین کے ٹھگ ٹھک
اصُول۔ دِل مہر و محبت سے پاک، خوف خدا سے خالی۔
یہ ہے سماج کا وہ گندہ پھوڑا جسے کہتے ہیں ——

سرمایہ دار



یہ لامذہب ہے۔ ہندو مُسلم سِکھ عیسائی
ہر مفلس، نادار کا خون چُوسنا اِس کا ایمان ہے۔ کوڑی
کوڑی جمع کرتا ہے۔ ٹکے ٹکے پر جان دیتا ہے۔ سُود خوری
لُوٹ کھسوٹ، ذخیرہ اندوزی، قِلّت، گرانی، بلیک
مارکیٹ سے روپیہ کماتا اور تجوریاں بھرتا ہے ——
زمین و آسمانی آفات اِس کے لئے ایک کے چار اور
چار کے چونسٹھ بنانے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ جھگڑے
فسادات میں بھی کماتا ہے مزدوروں، غریبوں، مفلسوں،
ناداروں کا خون پی کر، اُن کی حق تلفی کر کے اپنے
زر و مال میں اضافہ کرتا ہے —— اِس کی پوجا پاٹھ
نماز روزہ دھوکا۔ اِس کا دان پُن دکھاوا۔ اِس کا
میل جول مطلبی۔ سِکّوں کی جھنکار، نوٹوں کی بھرمار
اِس کے قلب کو سیاہ بنا دیتی ہے۔ اِن سے آنکھوں میں چربی چھا جاتی ہے۔ کانوں میں سیسہ بھر جاتا ہے۔ آہوں، سسکیوں
اور آنسوؤں کا اِس پر اثر نہیں ہوتا۔ اِس کے یہاں انسانوں کی قدر مچھر مکھی سے زیادہ نہیں۔ وہ پانچ انگلیوں سے دیتا
اور دس انگلیوں سے وصول کرتا ہے —— سرمایہ کے بل بُوتے پر سیاستدانوں کو نچاتا ہے۔ کِسی کو سامنے سے دیتا ہے
کِسی کو پیچھے سے۔ یہ پرسا، پرسو، پرسرام کی منزلیں طے کرتا ہوا سوشلسٹ سماج میں بھی قدر و منزلت پاتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں
سے بھری ہوئی تجوریوں پر ناگ بن کر بیٹھنے کے باوجود طلبِ زر کی دائمی بیماری میں مبتلا ہے ؎

پھر بھی پُکارتا ہے یہ دن رات ہائے زر

# مشنیا

کرشن چندر ایم ۔ اے

دی نِش سینٹ فرانسس ایونیو۔ سانتاکروز ویسٹ۔ بمبئی نمبر ۵۴

تعزیزی برادرم خوشتر گرامی!

اُمید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ میں نے آپ کو بھیجا ہُوا افسانہ ہندی میں ابھی تک کسی کو نہیں دیا اور اب اِس خط کے ساتھ آپ کو ایک اور نیا افسانہ "مشنیا" اِرسال کر رہا ہوں۔ اُمید ہے پسند آئے گا ——— آپ کی صحت اب کیسی ہے؟ ——— اِدھر آنے کا کب تک اِرادہ ہے؟ میں شاید جنوری میں آسکوں۔

بہت بہت آداب کے ساتھ

مخلص ——— کرشن چندر

★

مشنیا بہت حسین اور ذہین ہے۔ میں نے خود اُسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ اُس کے جسم کے اعضا صاف ستھرے اور لچکتے ہوئے فولاد سے بنے ہیں! چہرہ سٹین لیس سٹیل کا ہے، آنکھیں پلاسٹک کی اور سر کے بال تانبے کے مہین تاروں کے! وہ گھنٹوں آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے بالوں میں کنگھی کرتی رہتی ہے اور دھیرے دھیرے گنگناتی رہتی ہے۔ اُسے میک اَپ کرنے اور سجنے سنورنے کا شوق بھی ہو چلا ہے اور کیوں نہ ہو، مشنیا اب سولہ سال کی ہو چلی ہے۔

عام طور پر خوبصورت لڑکیاں ذہین نہیں ہوتیں۔ مشنیا میں اِس نقص کو میں نے دُور کر دیا ہے۔ میں نے اُسے عام عورتوں سے دُگنی ذہانت عطا کی ہے۔ اُس کے دماغی کمپیوٹر میں دُنیا کا اعلیٰ ترین ادب، فلسفہ، سیاست، سائنس اور سائیکلوجی ٹیپ کر کے ڈال دیئے ہیں۔ اب مُسلسل استعمال سے وہ خود سے سوچ سکتی ہے۔ گھنٹوں سارتر کے فلسفۂ وجودیت پر بحث کر سکتی ہے۔ اخباروں کے لئے مضامین لکھتی ہے۔ اُسے الکٹرانک فوٹوگرافی سے گہرا شغف ہے۔ اُس کے کمرے میں جائیے، ہر طرف دیواروں پر اُس کی اپنی کھینچی ہوئی تصویریں دیکھئے گا۔ جنھوں نے مختلف نمائشوں میں انعام حاصل کئے ہیں بڑے بڑے پروفیسر اور عالم و فاضل میرے گھر آتے ہیں اور اُس سے بحث کر کے مرعوب ہو جاتے ہیں اور مجھے مشنیا کی تخلیق پر مُبارکباد پیش کرتے ہیں۔

---

کل میری سولہویں سالگرہ تھی۔ اِس خوشی میں پروفیسر فیضی نے ہمارے گھر پر بہت بڑی پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ میں نے بالوں میں پھول لگائے تھے اور ایک خوبصورت منی سکرٹ پہنا تھا اور ستار پر پنچل کا ننھی ننھی بُوندیاں گا کر سُنایا تھا۔ جس پر اِتنے زور کی تالیاں بجیں کہ سارا ڈرائنگ رُوم گُونج گیا اور سب لوگ پروفیسر فیضی کے گرد اکٹھے ہو کر اُن کے ہاتھ ہلا ہلا کر اُنھیں مُبارکباد دینے لگے اور کہنے لگے "پروفیسر فیضی! تم نے اپنی نوعمری میں اِتنا بڑا سائنسی کمال کر دکھایا ہے، تو آگے چل کر تم جو کر دکھاؤ گے اُس سے سائنس کی دُنیا کو بہت بڑی توقعات ہیں!"

چند لمحوں کے لئے میں بالکل اکیلی پڑ گئی تھی اور سوچنے لگی تھی، یہ کیا بات ہے؟ سالگرہ میری ہے۔ لیکن مُبارکباد پروفیسر فیضی کو دی جا رہی ہے! جیسے میں کچھ نہیں ہوں۔ بے شک فیضی نے مجھے بنایا ہے۔ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی بنانے والا تو ہوتا ہی ہے۔ لیکن میری اپنی بھی تو کوئی

مبارکباد دینے والوں کی بھیڑ میں اچانک فیضی کی نگاہیں مجھ سے ملیں۔ وہ فوراً بھیڑ چیرتے ہوئے میرے پاس آئے اور بولے "ہمیں مبارکباد تو اصل میں اس حسینہ مس مشنیا کو ملنی چاہئے" یہ کہہ کر انھوں نے بہت محبت سے میرے بالوں میں لگا سفید پھول ٹھیک کیا اور بہت سے نوجوان پروفیسر اور دماغیات کے طلباء میرے گرد جمع ہو کر مجھ سے گفتگو کرنے لگے۔

پھر چائے کا دَور چلنے لگا۔ میں سب کو چائے، مشروبات اور کھانے پینے کی چیزیں پیش کر رہی تھی۔ لیکن بار بار میری نگاہ فیضی پر جاکر ٹھہر جاتی۔ جب سے مس صفیہ کمال الدّین آئی تھیں برابر فیضی کے گرد ڈول رہی تھیں اور انہی کو توجہ کا مرکز بنا رہی تھیں کبھی ان کی پلیٹ میں سموسے رکھتیں، کبھی دہی بڑے، کبھی کباب، کبھی پنیر کی پھلکیاں۔ میں دوسرے مہمانوں کی خاطر و مدارات میں مصروف تھی۔ لیکن چور نگاہوں سے اُن دونوں کو دیکھ لیتی تھی۔ وہ برابر آدھے گھنٹے سے نہ جانے کیا اُن سے سرگوشی کر رہی تھیں اور فیضی تھے کہ بات بے بات اُن کی کسی بات پر ہنس دیتے۔ ایک بار تو میں نے دیکھا کہ بے تکلفی میں صفیہ کا ہاتھ فیضی کی کرسی کے پیچھے اُن کی گردن تک گیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد ہی واپس آگیا۔ میرا دل زور سے دھڑکنے لگا اور میں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکی میں نے چائے کی بھری کیتلی مس صفیہ کمال الدّین پر انڈیل دی۔ اِدھر وہ چیخ مار کر اُٹھیں اُدھر میں روتی ہوئی اپنے کمرے کو بھاگ گئی . . .

---

ساری محفل درہم برہم ہوگئی۔ آج مشنیا کو نہ جانے کیا ہوگیا تھا، کوئی بھی جاہل سے جاہل کمپیوٹر بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا اور مشنیا تو ایسی پڑھی لکھی، مہذّب اور متمدّن تھی کہ اُس سے ایسی ناشائستہ حرکت کی توقع بھی نہ کر سکتا تھا۔

صفیہ سے معافی مانگ کر فوراً اُسے ہسپتال بھجوادیا اور دُوسرے لوگوں سے بھی جلدی جلدی معذرت طلب کرکے مشنیا کے کمرے میں گیا تو اُسے اپنے بستر پر منہ کے بل لیٹے دیکھ کر حیرت میں رہ گیا۔ مشنیا رو رہی تھی، روئے چلی جارہی تھی۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے، پھر یہ آنسو کدھر سے اُبل پڑے۔ میں نے سکریو ڈرائیور سے اُس کے دماغ کا اُوپر کا ڈھکن کھولا۔ دماغ ٹھیک کام کر رہا تھا۔ پھر اُس کے دل کا ڈبہ کھول کر دیکھا۔ اُس کا الیکٹرانک دل بھی برابر پمپ کر رہا تھا۔ گو ذرا تیزی سے۔ پھر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو میں نے اُسے سیدھی کرکے اُس کی ناف کے اندر کے بٹن کو کھول کر اُس کی بیٹری کو دیکھنا چاہا۔ کہیں بیٹری میں کوئی نقص تو نہیں ہے مشنیا بیٹری سے چلتی ہے اور یہ بیٹری ہر دو سال کے بعد چارج کی جاتی ہے۔ کچھ چند لمحوں کے لئے جب میں مشنیا کی ناف سے بیٹری نکال لیتا ہوں چارج کرنے کے لئے، مشنیا کی عارضی موت ہو جاتی ہے چند منٹوں کے لئے!

لیکن آج کیا ہوا۔ جونہی میں نے اُسے سیدھی کیا، وہ جھٹکے کے ساتھ کروٹ لے کر میرے بازو کی ہتھیلی پر ٹھوڑی رکھ کر، ایک بے بس بچّی کی طرح زار و قطار رونے لگی۔ میں دھیرے دھیرے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ یکایک سارا معاملہ میری سمجھ میں آگیا۔ میری مشنیا جوان ہوگئی ہے اور جب لڑکیاں جوان ہو جاتی ہیں تو بلا وجہ بھی اُن کی آنکھوں میں آنسو آنے لگتے ہیں۔ اب مشنیا کی شادی کر دینی چاہئے۔

---

پروفیسر فیضی کو آج کل نہ جانے کیا ہوگیا ہے۔ روز میرے لئے پیغام لے کر آتے ہیں۔ ایک دن ایک نئے پریشر کُکر کی تصویر لے کر آئے۔ کہنے لگے "اِس سے تمہاری شادی کر دیں؟ یہ بالکل تازہ ترین پریشر کُکر ہے بغیر بیٹری، بجلی یا گیس کے چلتا ہے۔ سُورج کی شعاعوں سے کھانا پکاتا ہے اور دن بھر میں اتنی شعاعیں جذب کر لیتا ہے کہ رات کو بھی اُسی ذخیرے سے کام کر سکتا ہے۔ شکل و صورت بھی کسی قدر اچھی ہے۔"

میں نے کہا ـــــ "بھاڑ میں جائے پریشر کُکر۔ مجھے باورچن نہیں بننا ہے!"

پھر ایک دن واشنگ مشین کی تصویر لے آئے۔ جس میں کپڑے ڈالے جائیں تو دُھلے دُھلائے ہی نہیں، اِستری شُدہ کپڑے باہر نکل آتے ہیں۔ اِتنا باتدبیر اور سمجھدار ہے کہ ریشمی، سُوتی اور اُونی تینوں طرح کے کپڑے اُس سے دھوئے جاسکتے ہیں۔

میں نے پاؤں پٹک کر کہا: "مجھے دھوبن نہیں بننا ہے۔"

کچھ دنوں کے بعد ہسپتال میں کام کرنے والے کمپیوٹر ڈاکٹر رام کی تصویر لے آئے ـــــ "یہ تمہارے لئے سب سے اچھا رہے گا۔ ہسپتال میں ڈاکٹر تک اِس سے مشورہ کرتے ہیں اور یہ چند سیکنڈ میں ہر مرض کی تشخیص کرکے اُس کے لئے دوا بھی تجویز کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر رام ڈاکٹروں کا ڈاکٹر ہے!

جاتے ملک میں اس کی بڑی عزت ہے۔ جب اس سے تمھاری شادی ہو جائے گی تو سارے اخباروں میں پہلے صفحے پر تم دونوں کی تصویر چھپے گی ۔۔۔"

میں نے کہا ۔۔۔ "مجھے نرس کا پیشہ پسند نہیں ہے۔ نہ میں کسی ڈاکٹر کی بیوی بننا پسند کرتی ہوں۔"

"تو پھر تم کس کی بیوی بننا پسند کرتی ہو؟"

میں نے گھبرا کر نگاہیں نیچی کر لیں اور خاموش رہ گئی۔

پروفیسر فیضی کچھ دیر چُپ چاپ مجھے حیرت زدہ ہو کر دیکھتا رہا۔ پھر وہاں سے چلا گیا۔

---

اگلے دو ہفتوں میں اور بہت سے پیغام آئے۔ میرے حُسن اور ذہانت کا شہرہ سُن سُن کر دُور دُور سے پیغام آرہے تھے۔ واشنگٹن سے بطوم نمبر سات کا پیغام جو چاند اور زمین کے درمیان راکٹوں کی رہبری کرتا ہے۔ برطانیہ سے تانبے کے بنے ہوئے نقلی کُتّے کا جو بالکل اصلی کُتّوں کی طرح دُم ہلاتا ہے۔ فرانس سے لوئی فوروِن ایٹ کا، جو ہر سیاسی موضوع پر تقریر کر سکتا ہے اور ہر قسم کی شراب چکھ کر اُس کے بارے میں سب کچھ بتا سکتا ہے اور گوڈارڈ سے لے کر ترُوفو اور ترُوفو سے لے کر ستیہ جیت رے ہر نئے فلمی ڈائرکٹر کے محاسن اور معائب کا تجزیہ کر سکتا ہے۔ پھر کچھ معمولی قسم کے پیغام بھی آئے تھے، جن میں ایک گیزر، ایک بجلی کی آری، ایک فلکیاتی دُوربین اور ایک الکٹرانک ہتھوڑا بھی شامل ہیں۔

جب میں ہر بار انکار کرتی گئی تو بیچارہ فیضی بالکل پریشان ہو گیا۔ بہت پیار سے بولا۔

"مگر شُنو مشنیا! اب تم جوان ہو گئی ہو۔ سولہ برس کی دوشیزہ ہو۔ اب ہندوستانی رسم و رواج کے مطابق مجھے تمھاری شادی جلدی سے جلدی کر دینی چاہئے۔ اگر تمھیں میری پسند کا کوئی پسند نہیں ہے تو تم خود اپنی پسند بتا دو۔"

میں یہی سُننے کے لئے بیتاب تھی! میری آنکھیں فیضی کے چہرے پہ جیسے جم کر رہ گئیں۔ میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن کچھ کہہ نہ سکی۔ میری نگاہیں اُس کے پیچھے گھومے ہوئے بالوں سے اُتر کر اُس کے فراخ ماتھے پر جم گئیں۔ میری آنکھوں نے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر اپنے سوال کا جواب پوچھنا چاہا۔ گھبرا کے نیچے لوٹ آئیں میری نگاہیں۔ وہ رخسار جن پر دو شعلے سے دہک رہے تھے۔ وہ مضبوط ٹھوڑی اور گردن اور اُس کے نیچے فراخ سینہ!

میں ایک دم دَوڑتی ہوئی اُس کے فراخ سینے سے جا لگی۔ میری دونوں فولادی باہیں اُس کی گردن میں حائل ہو گئیں اور میں نے زور سے اُسے بھینچ لیا۔

چند لمحوں کے لئے وہ ہکّا بکّا کھڑا رہا۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو مجھ سے چھڑا لینے کی کوشش کی۔ بہت مشکل سے وہ میری فولادی باہوں کی گرفت سے آزاد ہُوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ماتھے پر اور رخسار پر جہاں جہاں میں نے اُسے چُوما تھا، وہاں پر ایک زخم ہے اور اُس سے خون بہہ رہا ہے اور خون اُس کے شانوں سے بھی بہہ رہا تھا، جہاں میرے بازو اُس کی گردن میں حمائل ہوئے تھے۔

وہ ایک چیخ مار کر پلٹا ۔۔۔ اور اپنی لیبارٹری میں گھس گیا۔

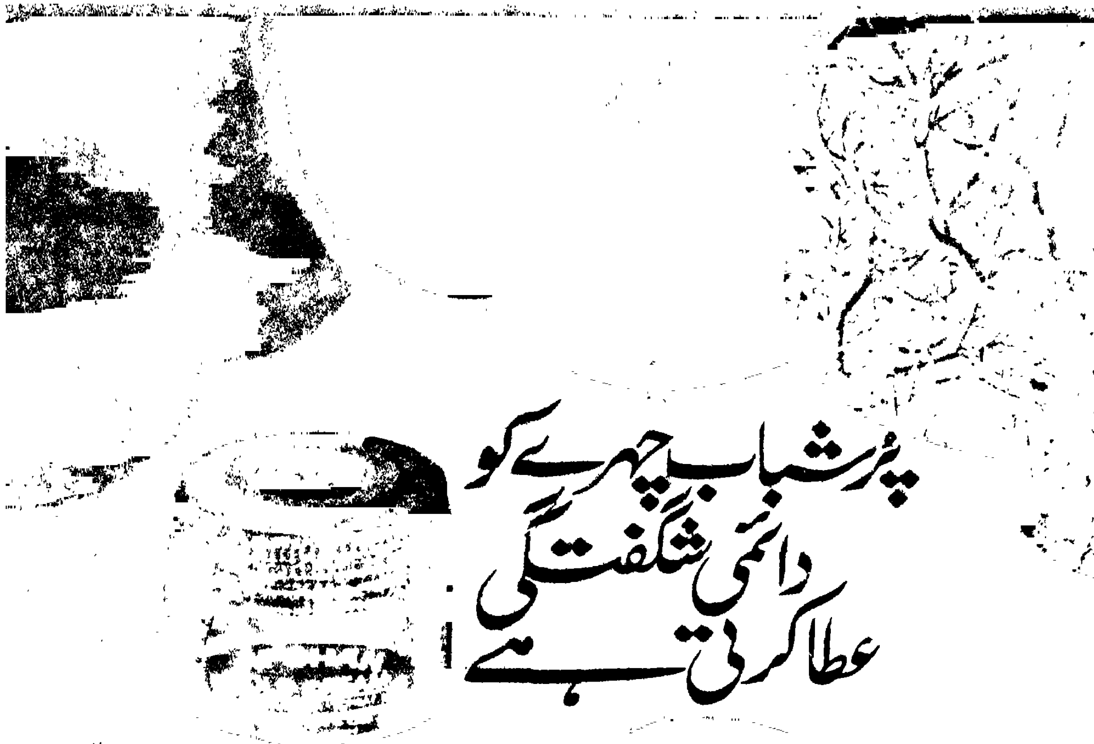
میں کھڑی کھڑی کانپتی رہی۔

اب وہ میری طرف چلا آرہا ہے۔ ہاتھ میں پانا، ہتھوڑا اور اسکریوڈرائیور لئے ہوئے۔ اُس کے چہرے پر غصّہ ہے اور اُس کی تیز نگاہوں میں کسی خوفناک ارادے کی خشمگیں چمک رہی ہے!

شاید اب وہ مجھے کھول ڈالے گا۔ میرا پُرزہ پُرزہ الگ کر دے گا۔ میری ناف میں سے بیٹری نکال کر باہر پھینک دے گا۔ اس طرح مشنیا کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا!

"فیضی ... فیضی ... کیا تم نہیں جانتے میں اِس دُنیا میں کسے چاہتی ہوں؟" ہائے! یہ انسان بھی کتنے عجیب جانور ہیں! انہیں جانتے محبت کیا ہوتی ہے!!

---


پُرشباب چہرے کو
دائمی شگفتگی
عطا کرتی ہے





# ہندوپاک کے فنکاروں اور شاعروں کے نام!

پروفیسر جمیل مظہری ایم۔ اے

سنو زلفِ لیلائے فن کے اسیرو
مرے ہمنواؤ مرے ہم صفیرو
سنو، راگنی ہے یہ بے ساز کیسی
سنو آرہی ہے یہ آواز کیسی
حُدی خواں ہے پھر دشت و در کی خموشی
حدی خواں ہے شام و سحر کی خموشی
نوا سنج ہے گنگناتا سویرا
بکھرتا اُجالا سمٹتا اندھیرا
دھندلکے میں اُن کے یہ کہتا ہے کوئی
ہے کیوں مجلسِ فکر و فن کھوئی کھوئی
رفیقو! اُتارو خمار اپنا اپنا
جگا لو، جگالو ستار اپنا اپنا
وطن آج نفرت کا آتش کدہ ہے
محبت کا سوزِ یقیں بجھ رہا ہے
تحیّر ہے چپ چشمِ حیرت کھُلی ہے
بصارت بصیرت سے یہ پوچھتی ہے
یہ فتنوں کی گرمیِ بازار کیوں ہے
یہ للکار کیوں ہے یہ جھنکار کیوں ہے
جنوں کا گریباں جنوں کھینچتا ہے
خرد سے خرد گرم پیکار کیوں ہے
ہر اِک موجِ مے، موجِ خوں کیوں بنی ہے
ہر اِک شاخِ گل آج تلوار کیوں ہے
ہوس نے ہے یہ دُند کیسی مچائی
خدایانِ فکر و نظر کی دُہائی

صحافت عذابِ منظّم بنی ہے
سیاست سے دنیا جہنّم بنی ہے
ثقافت ہی تنہا سہارا ہے اِس کا
یہی سیلِ خوں میں کنارا ہے اِس کا
یہی اِس جہنّم کو جنّت کرے گی
یہی شرحِ خوابِ مشیّت کرے گی
اُٹھو اے ثقافت کے خدمت گزارو!
اُٹھو اے محبت کے پروردگارو!
تمہارا قلم ترجمانِ مشیّت
تمہاری زباں ہے زبانِ مشیّت
قلم اپنا اپنا اُٹھالو رفیقو!
چراغ اپنا اپنا جلالو رفیقو!
کہاسوں نے ذہنوں کو گھیرا بہت ہے
اندھیرا بہت ہے اندھیرا بہت ہے
سیاہی نے پرچم کو لہرا دیا ہے
ستاروں کی آنکھوں کو دھندلا دیا ہے
سیاست نے گردِ کدورت اڑا کر
محبت کے چشموں کو گدلا دیا ہے
روایاتِ قومی کی تذلیل کرکے
ہمالہ کی گردن کو نہوڑا دیا ہے
ہمارے صحافی تمہارے صحافی
یہ جذباتِ سفلی کے مارے صحافی
قلم سے یہ بارود برسانے والے
طبیعت کے شعلوں کو لہکانے والے

یہ تاجر یہ سودا فروشانِ نفرت
یہ بختِ وطن کا ستمگارانِ نفرت

سیاست کے فتنوں کو چونکانے والے
مزاجِ حکومت کو بہکانے والے

قلم سے بجاتے ہیں پھر طبلِ جنگی
لباسِ بیاں میں بھی نفرت ہے ننگی

دھواں اُن کے دل کا فضا میں نہ چھائے
قیامت سے پہلے قیامت نہ آئے

اُٹھو اے محبت کے درد آشناؤ!
گلستانِ معنی کے رنگیں نواؤ!

اُٹھو اب کہ ابلیسیت فتنہ زا ہے
خدا بھی تمہاری طرف دیکھتا ہے

نقیبانِ امن و رقیبانِ ظلمت
کرو تار تار اُٹھ کے دامانِ ظلمت

اٹھو اور ستار اپنا اپنا اُٹھاؤ
محبت کے نغموں کی گنگا بہاؤ

سیاست کے دوزخ کی یہ آنچ دیکھو
صحافت کے بھوتوں کا یہ ناچ دیکھو

بناتے ہیں یہ ایک کو پانچ یارو
یہ غصہ ہے غصہ ہے یا ناچ یارو

صحافت کے نقارچی ناچتے ہیں
سیاست کے نارد منی ناچتے ہیں
کنیزانِ دیر و حرم رقص میں ہیں
عزیزانِ دانشوری ناچتے ہیں
خرد کو بھی حیرت جنوں کو بھی حیرت
یہ ہندر نہیں آدمی ناچتے ہیں

بدیشی مداری نچاتا ہے اِن کو
جہاں میں تماشا بناتا ہے اِن کو

ہے گردش میں زہراب کا جام دیکھو
یہ نفرت کی کھیتی کا انجام دیکھو

کہ اُڑتی ہیں چنگاریاں پھر ہوا میں
چھڑک دو محبت کے نغمے فضا میں

سُنو یہ ثقافت کی آہیں عزیزو
یہ تہذیب کی ہیں کراہیں عزیزو

وہ فنکار من جنکا دھن میں بسا ہو
تجوری کے بچھو نے جن کو ڈسا ہو

یہ روئے سخن ان کی جانب نہیں ہے
مریضوں سے حجت مناسب نہیں ہے

کلام اُن سے ہے جو دلیلِ سحر ہیں
دھندلکوں میں بھی رہنمائے نظر ہیں

اُٹھو روشنی کو زباں دینے والو
اندھیرے میں اُٹھ کر اذاں دینے والو

اُٹھو اور ستار اپنا اپنا اُٹھا لو
اندھیرے کے سینے سے سورج نکالو

تمہیں مادرِ ایشیا کی دُعائیں
وہ دیکھو اُمنڈتی ہیں کیسی گھٹائیں

تجلی تخیل کے پر تولتی ہے
گھمنڈ ذہن کی ہر گرہ کھولتی ہے
یہ میرا تاثر نہیں بولتا ہے
یہ فنکار کی آتما بولتی ہے
اُٹھو ہند اور پاک کے ہم سفیرو
کہ جنباں ہے عرش اور زمیں ڈولتی ہے

جمیل مظہری

بیسویں صدی دہلی فروری ۱۹۷۲ء

# ایک رنگ اور

م۔ک مہتاب ایم۔ اے

ڈبلیو۔ زیڈ ۴۴۳ ،شیو نگر، نئی دہلی نمبر ۱۸

مکرمی و محترمی خوشتر صاحب! آداب

. . . ارشاد کی تعمیل میں کچھ تاخیر ہوئی ہے۔ اُمید ہے درگزر کریں گے ـــــ سالنامہ کے لئے ایک افسانہ "ایک رنگ اور" ارسالِ خدمت ہے۔ اُمید ہے قارئین پسند فرمائیں گے۔ سالنامہ کی کامیابی کے لئے دُعاؤں کے ساتھ!

آپ کا عزیز ـــــ م۔ک۔ مہتاب

★

سردیوں کے دن، پہاڑ کی ناہموار کچی سڑکوں پر جیپ کا سفر کبھی کبھی موڑ کاٹتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیپ کے کل پرُزے ٹوٹ کر گھاٹی میں بکھر جائیں گے اور اِس کے ساتھ ہی جسم کے اعضاء بھی منتشر ہو جائیں گے۔ جب کبھی گیند کی طرح اُچھلتی ہوئی جیپ کسی محبوبہ کی طرح رُوٹھ کر ایکدم چلنے سے اِنکار کر دیتی ہے اور آپ اُس کے پرُزے دُرست کرتے کرتے پسینہ پسینہ ہو جاتے ہیں تو جی چاہتا ہے جیپ کو کسی گھاٹی میں دھکیل دیں اور خود کسی چٹان پر دھوپ سینکنے کے لئے لیٹ جائیں۔

میں شملہ کے قریبی دیہات میں سارا دن دَورہ کرنے کے بعد جب چنڈی گڑھ واپس پہنچا تو جسم جیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ کان تپ رہے تھے۔ ہاتھ اور منہ جیپ کا انجن دُرست کرتے کرتے کالے ہو رہے تھے۔ جی چاہتا تھا دفتر کو لکھ دوں کہ مجھے اِس نوکری سے فارغ کیا جائے۔ پھر خیال آیا ملازمت تو مجبوری کا نام ہے۔ آدمی اپنے لئے کب ملازمت کرتا ہے۔ زندگی کے کتنے تقاضے اور اقتصادی مجبوریاں ہیں جو انسان کو نوکری کا طوق گلے میں ڈالنے کے لئے بے بس کر دیتی ہیں۔ ورنہ کس کا جی چاہتا ہے سردیوں میں صبح چار بجے گرم گرم لحاف کو چھوڑ کر جیپ میں آبیٹھے اور سرد ہواؤں کے تھپیڑے کھاتا ہوا دیہات کی خاک چھانتا رہے۔

لیکن جب موسم کی اِس درشتی اور راستے کی ناہمواری کے بعد گھر کا سا پُر تپاک ماحول اور آسائش میسّر آجائیں تو ذہن میں اپنی موجودہ حالت سے بغاوت کر دینے کے کیسے کیسے خطرناک خیال پیدا ہونے لگتے ہیں۔

میں ریسٹ ہاؤس کے سُنسان کمرے میں جاکر تنہا لیٹ رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اِس لئے میں راجندر کے ہاں چلا آیا تھا۔ راجندر میرا بچپن کا دوست ہے۔ کالج کی تعلیم کے بعد ہمارے راستے الگ ہو گئے۔ وہ اب تک اچھا بزنس مین ہے۔ رنگ روغن کا کام کرتا ہے اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جب کہ میں نے گاؤں گاؤں گھومتے رہنے کی یہ ملازمت اختیار کر لی ہے۔ راجندر کا یہاں خوبصورت سا مکان ہے۔ جسے اُس نے پیارے پیارے رنگوں سے سجا رکھا ہے۔ اُس کی جاپانی گڑیا کی سی بہت ہی ملنسار بیوی ہے۔ جو ہنستی ہے تو فضا مسکرانے لگتی ہے۔ راجندر بہت خوش نصیب ہے کہ اِس جاپانی گڑیا نے پانچ برسوں میں تین خوبصورت کھلونے سجا رکھے ہیں۔ جب وہ تینوں آنگن میں کھیلتے اور چلتے پھرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے بھابی نے پلاسٹک کے تین کھلونے چابی بھر کر چھوڑ دئیے ہوں جو فرش پر اپنے کرتب دکھا رہے ہوں۔ گھر میں آرائش سے آسائش تک کا ہر سامان موجود ہے۔ دروازے پر چڑھتی ہوئی عشقِ پیچاں کی بیل کے مسکراتے

پھول اندرونِ خانہ کی مسکراہٹوں کے آئینہ دار ہیں۔ جب ایک ایسے گھر میں ایک مہربان دوست دونوں ہاتھ پھیلائے آپ کا خیر مقدم کر رہا ہو تو ریسٹ ہاؤس کے اجنبی ماحول میں کون جاکر ٹھہرے۔

میں نے جیپ سیدھی راجندر کے مکان کے سامنے ہی جاکر کھڑی کی۔ ہارن دیا۔ باہر کی بتی روشن ہو گئی۔ کسم نے تھوڑا سا کواڑ کھول کر جھانکا اور مسکرانے لگی۔ پھر جھٹ سے باہر نکل آئی اور بولی۔

"تو آپ ہیں؟ ہارن کیوں دیئے جا رہے ہیں۔ دروازہ کھول کر اندر کیوں نہ آگئے؟ میں بچے کو دودھ پلاتی چھوڑ کر بھاگی آئی ہوں کہ نہ جانے کون ہارن بجائے جا رہا ہے!"

"بھابی! میں نے سوچا شریف آدمیوں کے گھر میں ہارن بجاکر ہی جانا چاہئے۔"

"تو کیا آپ شریف آدمی نہیں ہیں؟"

"تھا تو سہی۔ لیکن معلوم نہیں اب شریف دکھائی دے رہا ہوں یا نہیں؟"

کسم اپنی لمبی چوٹی کو سینے سے پُشت کی جانب اُچھال کر زور سے ہنسنے لگی۔ جیسے اُس کے ہر عضو سے قہقہے پھوٹ رہے ہوں اور کہنے لگی۔

"ستیش! سچ اِس وقت تو تم کچھ اور ہی دکھائی دے رہے ہو! یہ کیا حُلیہ بنا رکھا ہے؟ ہاتھ کالے، مُنہ کالا، کپڑے ستل متل، اُلجھے بال، سُرخ آنکھیں۔ کیا کسی موٹر گیراج میں مکینک کی نوکری کر لی ہے؟"

"ہوں" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا "بھابی! اِس مُلازمت کی آئے دن کی آوارہ گردی سے تو میں موٹر مکینک ہی اچھا دکھائی دیتا ہوں۔ بشرطیکہ تم مجھے پہلے ہی کی طرح ایک شریف آدمی سمجھتی رہو۔"

"چلو اندر چلو۔ زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ حُلیہ کیا بنا رکھا ہے!"

"بھابی! کیا بتاؤں۔ تمھیں ایک دن ایسی نوکری کرنی پڑے تو عُمر بھر کانوں کو ہاتھ لگاتی رہو! تم لوگوں کی کیا بات ہے۔ روپیہ تھیلیوں میں بھر بھر کر چلا آ رہا ہے۔ نہ کہیں آنا نہ جانا!" میں نے اٹیچی کیس برآمدے میں پھینکتے ہوئے کہا۔

"تم غلط سمجھتے ہو ستیش! بیوپار بھی پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر روزی کہاں ملتی ہے۔ اِن کے پاؤں میں کل سے سخت درد تھا۔ لیکن ایک سودے کے سلسلے میں دہرہ دون گئے ہوئے ہیں۔ نہ جاتے تو نقصان ہوتا۔"

"بہت تیرے کی! تو کیا راجندر آج بھی گھر پر نہیں ہے؟ میں تو آیا ہی اُسے مِلنے کے لئے ہوں۔ لایئے میرا اٹیچی کیس میں چلتا ہوں۔" میں نے اٹیچی کیس اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"تو اِس کا مطلب ہے ہم آپ کے کچھ نہیں ہوتے؟"

"میں نے یہ کب کہا ہے۔ لیکن جو لُطف راجندر کی موجودگی میں حاصل ہو سکتا ہے وہ اُس کے بغیر کہاں؟"

"اچھا باتیں پھر بنایئے گا۔ یہ لیجئے تولیہ اور جاکر اپنا حلیہ دُرست کیجئے۔ میں نے گیزر میں پانی گرم کر دیا ہے۔"

کسم ایک بڑا سا تولیہ میری طرف پھینک کر اندر چلی گئی۔ میں نے غُسل خانے کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ میں واقعی کوئی عجوبہ معلوم ہو رہا تھا! خدا کا شُکر ہے کہ کسم نے مجھے پہچان لیا۔ ورنہ راجندر کی عدم موجودگی میں وہ بجا طور سے مجھے ٹھہرانے سے اِنکار کر سکتی تھی۔

"مُنہ ہاتھ دھو لیجئے نا! آپ میری طرف کیا دیکھے جا رہے ہیں؟ چہرے کی کالکھ صاف کیجئے ورنہ بچے ڈر جائیں گے!"

واقعی جاپانی کھلونے کا سا ایک بچہ کسم کے پیچھے کھڑا ایک طرف سے مجھے جھانک رہا تھا۔ مجھے بہت ہنسی آئی۔ میں سفید تولیے سے اپنا کالا مُنہ بہت زور زور سے رگڑنے لگا۔ دو اور بچے کمرے سے نِکل آئے اور حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے۔

"بچو ڈرو نہیں یہ بھوت نہیں تمھارے انکل ستیش ہیں۔ تم اِن کے پاس ٹھہرو۔ میں اِن کے لئے چائے بناؤں۔ ستیش! انڈے آپ اُبلے ہوئے کھائیں گے یا آملیٹ بناؤں؟"

"مہمان کی کوئی مرضی نہیں ہوتی بھابی!"

"یہ فلمی مکالمے اپنے دوست کو سُنایئے گا۔ مجھے یہ بتایئے کہ آپ انڈے کیسے کھائیں گے؟"

"جو کچھ بھی گھر میں ہے کھا لوں گا۔ میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔"

"پھر باتیں کیوں بنا رہے ہو جاکر گرم پانی سے نہاتے کیوں نہیں؟" اور کسم اپنے چہرے پر لہراتی ہوئی زُلفوں کو سنبھالتی ہوئی

کچن میں چلی گئی۔

گرم پانی کے غسل سے بہت کچھ افاقہ ہُوا۔ لیکن سر کے چکر نہ گئے۔ طبیعت متلا رہی تھی۔ سارے دن کے سفر اور جیپ کی خرابی نے جسم توڑ کر رکھ دیا تھا۔

کسم نے چائے لگا دی تھی۔ انڈے، مکھن، پھل، میوہ، بسکٹ، ساگو۔ اس نے کتنا کچھ کھانے کے لئے رکھ دیا تھا! کسم اور بچے بھی چائے کی میز کے گرد بیٹھے تھے۔ مجھے کچھ بھی اچھا نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ اس لئے میں کچھ کھانے کی بجائے کسم کی جانب دیکھے چلا جا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ آپ کچھ لے نہیں رہے ہیں؟"

"بھابی! سر بہت بھاری ہے!"

"اوہو! آپ کو تو حرارت بھی ہے!" وہ میرے بازو کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی "میں بھی کہوں کہ آپ میری طرف پاگلوں کی طرح کیا دیکھے جا رہے ہیں۔"

"بھابی! میں احسان کے بوجھ تلے دبا آپ کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ آپ کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو وہ کبھی مجھے اپنے گھر میں گھسنے نہ دیتی!"

"اچھا! میں آپ کو دو گولیاں دیتی ہوں۔ گرم دودھ کے ساتھ نگل لیجئے اور لحاف اوڑھ کر سو جائیے۔ سردی اور تھکاوٹ کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ دو گھنٹے آرام کے بعد آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

گرم دودھ اور دوا سے جسم کو کافی آرام محسوس ہُوا لیکن سر میں سخت درد اور بھاری پن تھا۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ کروٹیں بدلنے کی آواز کچن تک جا رہی تھی جہاں کسم رات کا کھانا بنا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد اندر آئی اور کہنے لگی۔

"کیوں ستیش! کچھ آرام آیا یا نہیں؟"

"آرام تو بہت ہے۔ لیکن سر میں بہت درد ہے۔ میں نے ناحق آپ کو آ کر تکلیف دی ہے۔"

"آپ لیٹے رہئے میں سر میں گرم تیل سے مالش کر دیتی ہوں، نیند آ جائے گی۔"

وہ جھٹ سے ایک بڑا تولیہ، تکیہ اور کٹوری میں گرم تیل لے آئی۔ ایک اچھی نرس کی طرح میرا سر اوپر اُٹھایا اور اپنی گرم گرم اُنگلیوں سے



میرے سر میں مالش کرنے لگی۔ ایک عجیب احساس تھا جسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے کسی جوان عورت کو کسی غیر مرد کے ساتھ ایسی تنہائی میں ایسا سلوک کرتے نہیں دیکھا تھا۔ کیا کسم کو علم نہیں کہ انسان کے بیرونی خول اور اندرونی مادے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ شاید کسم کا ظاہر و باطن ایک ہی ہو اور وہ ہر کسی کو اپنے جیسا ہی سمجھتی ہو۔ کسم کی اُنگلیوں کی حرکت سے نیند آنے کی بجائے میری نیند اور اُچاٹ ہوئی جاتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا بہت دیر پتھروں میں ٹکرانے کے بعد میرا چہرہ تازہ کونپلوں کے درمیان آ کر رُک گیا ہو۔ کسم نے ایک دو بار میری پیشانی اور میرے چہرے پر بھی ہاتھ پھیرا جیسے کسی نے گھوڑے کی پیٹھ پر چابک مار دیا ہو۔ میرا جی چاہا اُس کا ہاتھ جھٹک کر کہوں ——
"کسم! مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے نادانستہ کوئی گستاخی ہو جائے گی۔ میں بہت کمزور آدمی ہوں۔"

لیکن وہ کوئی فلمی گیت گنگناتی ہوئی میرے سر میں مالش کئے جا رہی تھی۔ جیسے وہ ایک بے جان مشین ہو جس کے من میں گناہ اور ثواب کا کوئی احساس نہ ہو اور جیسے بٹن دبا کر ایک کام پر لگا دیا گیا ہو۔ آخر اُنگلیوں کا جادو اپنا اثر دکھانے لگا اور مجھے نیند آ گئی۔

کُسم اُٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ مجھے اُس کے چلے جانے کے بعد بہت راحت ہوئی جیسے مجھے کسی نے جذبات کی سُولی سے اُتار لیا ہو! میرے ذہن میں خیالات کا ایک عجیب طوفان اُٹھ رہا تھا کہ اِس حسین گڑیا کی کون سی جِس تشنہ کام ہے۔ اُس کے طرزِ عمل کا کوئی پنہاں مقصد بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے دامن کی ہوا دے کر کیوں میرے جذبات کے شعلوں کو بھڑکا رہی ہے۔ کیا اُسے مجھ سے ڈر نہیں لگتا؟ اُس نے راجندر کی عدم موجودگی میں مجھے اپنے ہاں ٹھہرانے سے انکار کیوں نہ کر دیا؟ پھر خیالات کی ایک اور لہر دَور چکر لیتی کہ جو کچھ تم سوچ رہے ہو یہ صرف تمھارے دل و دماغ کی خباثت ہے۔ کُسم انسانیت و ہمدردی کی ایک مورتی ہے۔ اُس کے من میں کوئی پاپ نہیں۔ اگر تم دودھ کی نہر کو آگ کی نہر سمجھ لو تو اِس میں دودھ کا کوئی قصور نہیں ہے۔

میں کمبل اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ لیکن میرے کان کُسم کی سُریلی آواز پر لگے تھے۔ وہ گنگنا رہی تھی۔ خوشی خوشی مہمان کی تواضع کے لئے کھانے تیار کر رہی تھی۔ وہ دبی دبی آواز میں بچوں کو ڈانٹ بھی رہی تھی۔ تاکہ اُن کے شور سے میرے آرام میں خلل نہ پڑے۔ پھر وہ لوری گاکر ننھے بچے کو سُلانے لگی۔ اُس کی آواز میں کیسا جادُو تھا جسے سُن کر بچے کو تو کیا بڑوں کو بھی نیند آ جائے۔

"لیکن وہ اِتنی جلدی بچوں کو کیوں سُلا رہی ہے؟ کیا میرے پاس بیٹھنے کے لئے تنہائی چاہتی ہے؟" میرے دل میں ایک اور خباثت نے سر اُبھارا۔

---

کُسم بچوں کو سُلا کر ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چُننے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چمچے سے چینی کی پلیٹوں پر جیسے جلترنگ بجا رہی تھی۔ کچھ دیر کے لئے پُوری خاموشی ہو گئی۔ شاید وہ مُنہ ہاتھ دھو کر کنگھی کرنے چلی گئی تھی۔ میں یہ نظارہ دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن عورت کے مُوڈ اور موسم کے بارے میں کوئی یقینی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ کہیں وہ برہم نہ ہو جائے۔ اِس لئے میں کمبل اوڑھے لیٹا رہا۔ گھڑی نے نَو بجائے۔ کُسم گنگناتی ہوئی آئی اور بولی۔

"ستیش جی! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"قُدرت نے عورت کے ہاتھ کو شفا کی جو تاثیر بخشی ہے وہ کسی اور دوا کو عطا نہیں کی!"

"میں نے فلمی مکالمے ادا کرنے کو نہیں کہا۔ آپ کی طبیعت کے بارے میں پوچھا ہے۔"

وہ تازہ رنگے ہونٹوں سے مُسکرا رہی تھی۔ اُس کا شگفتہ گلاب کا سا چہرہ چمکتے ہوئے گیسوؤں کے ہالے میں غضب ڈھا رہا تھا۔ صاف ستھرے لباس میں سج دھج کر وہ بہت ہی حسین ہو گئی تھی۔

"اِس رات کی تنہائی میں ایک غیر مرد کے سامنے اِس سنگھار کا کیا مطلب ہے؟" میرے ذہن میں ایک سانپ پھن اُٹھا کر سوالیہ نشان کی طرح کھڑا ہو گیا!

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں بھابی۔" میں نے کمبل ایک طرف رکھ کر انگڑائی لی۔

"مُنہ ہاتھ دھو لیجئے۔ کھانا تیار ہے۔ میں نے آپ کے اٹیچی میں سے آپ کا شب خوابی کا لباس نکال کر رکھ دیا ہے۔ آپ تو پتلون سمیت ہی سو گئے تھے۔" وہ ہنسنے لگی۔

"بھابی! جب خون کا درجۂ حرارت بڑھتا ہے تو پتلون اور ساڑی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا!"

"لیکن اب تو آپ کا بُخار اُتر گیا ہے!" وہ میری بالوں بھری کلائی پر اپنی سفید سفید اُنگلیاں رکھتی ہوئی بولی۔ لیکن اُسے کون کہتا کہ کُسم! تن اور من کے درجۂ حرارت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کبھی بار تن ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ لیکن من میں آگ لگی رہتی ہے!

میں مُنہ ہاتھ دھوتا رہا اور وہ تولیہ لئے کھڑی رہی۔ میں کنگھی کرتا رہا اور وہ میرے پیچھے کھڑی رہی۔ آئینے میں اُس کا عکس میرے عکس میں جذب ہوتا رہا اور میں سوچتا رہا یہ عورت کیسی ماہرِ نفسیات ہے؟ کس طرح قدم قدم مجھے گناہ کی وادی کی طرف بڑھا رہی ہے۔

لیکن کہیں میں غلط تو نہیں سوچ رہا ہوں؟ کہیں اُس کی یہ سب نوازشیں اپنے شوہر سے داد پانے کے لئے تو نہیں کہ اُس نے اُس کی عدم موجودگی میں اُس کے ایک جگری دوست کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا۔ اُس کی کتنی خدمت کی۔ شاید وہ خود بھی ایسا کر سکتا۔ اُس کے من میں کوئی پاپ نہیں ہے۔ شاید اسی لئے وہ مجھ سے ڈر نہیں رہی ہے۔ ایک آدمی سانپ کو دیکھتے ہی سب سے پہلے اُسے مارنے کی سوچتا ہے اِس لئے اُسے سانپ سے ڈر لگتا ہے۔ لیکن ایک بچہ

سانپ کو کھلونا سمجھ کر اسے گردن سے پکڑ لیتا ہے۔

"بھابی! تمھیں معلوم تھا کہ میری طبیعت اچھی نہیں پھر تم نے یہ کیا کچھ پروس کر رکھ دیا ہے؟"

"اب تو تم اچھے ہو۔ صبح سے پہاڑوں میں گھومتے گھومتے تمھیں بھوک نہیں لگی کیا؟" وہ میری طرف دیکھ کر ہنس رہی تھی جیسے میری بہکی بہکی باتوں سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔

"آپ کھانا کھا چکی ہیں؟"

"نہیں آپ کو کھلائے بغیر کیسے کھا سکتی تھی؟" وہ چوٹی کے پھندے کو کستے ہوئے بولی۔

"بھابی! مجھے کیوں پاگل بنانا چاہتی ہو۔ کیا میں یہاں آپ کو پریشان کرنے کے لئے آیا ہوں؟ پہلے آپ کھائیں گی تب میں کچھ لوں گا!" اور میں اُٹھ کر اس کی پلیٹ میں چاول، انڈے، سلاد، مٹر پنیر اور دہی ڈالنے لگا۔

"یہ آپ باورچی کب سے بن گئے ہیں؟ آپ کو میری ضرورت کا علم نہیں۔ آپ اپنے لئے لیجئے۔" اس نے اپنی نرم نرم ہتھیلی سے میرا بازو تھام لیا۔

وہ میرے سامنے بیٹھی کھانا کھانے لگی۔ ہم کھانا کم کھا رہے تھے اور ایک دوسرے کو زیادہ دیکھ رہے تھے۔ وہ بار بار بے اختیار ہنسنے لگتی تھی۔ میں نے بھی آج پہلی بار اس کی دلکشی و رعنائی اور جان لیوا اداؤں کا بھرپور جائزہ لیا تھا۔ کیا ایک مہمان کے روبرو یوں بن سنور کر آ بیٹھنا بھی مہمان نوازی کی ایک ادا ہے؟ وہ مجھے اُلجھا ہوا دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"کیا بات ہے بھابی؟"

"میں سوچ رہی تھی کہ کل راج آئیں تو ان سے کہوں گی کہ ملازمت اِن شریمان جی کے بس کی بات نہیں۔ انھیں بھی کوئی دھندا کرا دیجئے۔"

کھانے کے بعد وہ گرم کافی لے آئی۔ میں اُسے پہاڑی لوگوں کی زندگی کے بارے میں کہانیاں سُناتا رہا۔ راجندر جس گاڑی سے واپس آسکتا تھا اُس کا وقت نکل گیا تھا۔

باہر تیز سرد ہوا چل رہی تھی۔ لیکن برآمدے کے سامنے شیشے کا پردہ لگا کر اسے بند کر دیا گیا تھا۔ وہ اب ایک اچھی خواب گاہ کا کام دے رہا تھا۔ میں نے وہیں سو رہنا مناسب سمجھا اور کسم نے بھی مجھے کسی اور جگہ سونے کو نہیں کہا۔ گھر میں سونے کا ایک بڑا کمرہ تھا جس میں بچے سو رہے تھے اور ایک ڈبل بیڈ پر راجندر اور کسم کے بستر لگے ہوئے تھے۔ دوسرے بیڈ رُوم میں رنگ روغن سٹور کئے ہوئے تھے جن کی تیز بُو باہر برآمدے تک آ رہی تھی۔

کسم ہاتھ میں ایک باتصویر میگزین اُٹھائے مسکراہٹوں کے جال پھیلاتی مجھے شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے بتی بجھا دی۔ کلاک گیارہ بجا رہا تھا۔ بستر بہت گُداز اور کمبل بھی بے حد نرم تھے۔ آنکھیں خود بخود بند ہوئی جاتی تھیں۔ کسم کے کمرے میں ابھی بتی جل رہی تھی۔ شاید اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ شاید وہ میگزین دیکھ رہی تھی۔ شاید اُسے کسی کا انتظار تھا۔ میں فضول فضول سی باتیں سوچ رہا تھا۔

یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ میں نے سر کو جھٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ کانوں میں اُنگلیاں دے لیں۔ لیکن نیند اُچاٹ ہونے لگی۔ میں کروٹیں بدلتا تو پلنگ چرمراتا۔ کسم کے کمرے سے روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ اس نے بتی بند کر دی۔ شاید اُسے میری بے خوابی کا علم ہو گیا تھا اور میری نیند میں خلل کے اندیشے سے اس نے بتی بجھا دی تھی۔ وہ ضرور سو گئی ہو گی۔

لیکن اُسے کیا پتہ کہ اس کے خاموش حُسن، اس کی بولتی آنکھوں، اس کی ناگن سی زُلفوں اور اس کے دہکتے ہونٹوں نے اِس اندھیرے میں کتنے الاؤ روشن کر دئے ہیں جو مجھے سونے نہیں دے رہے ہیں۔ اِس آگ کی لپٹیں مجھے کہہ رہی ہیں —— بے وقوف اُٹھ! کوئی تیرا منتظر ہے۔ یہ موقع پھر نہ آئے گا! اُٹھ دروازہ کھلا ہے! ورنہ یہ آگ تمھیں ساری رات جلاتی رہے گی! اور جب کبھی اِس رات کی یاد آئے گی تیرا جسم جلنے لگے گا۔ دریا میں طغیانی روز نہیں آتی۔ ہو سکتا ہے صبح وہ تم پر نفرت بھری ہنسی ہنسے۔ بُزدل کہیں کا!؟ یہ تہذیب کے بندھن، یہ فلسفے کے اصول اور عقیدے سب اُن لوگوں کے ذہن کی پیداوار ہیں جن کے خون کی چنگاریاں راکھ ہو چکی ہیں۔ انگارے تو ایک انقلاب ہیں جن کے سامنے کوئی عقیدہ اور کوئی اصول نہیں ٹھہر سکتا۔

میں کبھی دائیں اور کبھی بائیں کروٹ بدل رہا تھا۔ چند قدم کے فاصلے پر حُسن اپنے گرد اپنی دلکشی کا حصار باندھ کر محوِ خواب تھا

اور حصار سے باہر ایک جانور بے قرار ہو کر ناچ رہا تھا۔ جب جسم میں آگ لگ رہی ہو تو بستر کتنا بھی آرام دہ ہو نیند نہیں آتی۔ میں اُٹھ کر سوچنے لگا۔

کیوں نہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دوں اور اس روشنی کو اپنے سینے کے اندھیرے میں روشن کر لوں۔ اس گڑیا میں اتنی ہمت نہیں کہ دم مار سکے۔ یا راجندر کے سامنے کبھی لب وا کر سکے۔ میں کیا بیوقوفوں کی طرح باہر سردی میں بیٹھا حُسن کا پہرہ دے رہا ہوں جب حُسن و جوانی کا چھلکتا جام کسی تشنہ لب کا منتظر ہے!

میں پھر پلنگ پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگا۔ میں ایک صلیب کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔ نہ اُترتا تھا نہ پھانسی پا رہا تھا۔ اتنے میں دروازے کی چٹخنی کھلی۔ میں ایک چور کی طرح کمبل میں دبک گیا۔ ہو سکتا ہے کسم باتھ روم میں جانے کے لئے باہر نکلی ہو۔ کیسا سنہرا موقع ہے باز کے لئے چڑیا پر جھپٹ پڑنے کا!

"ستیش جی! نیند نہیں آ رہی کیا؟" شاید اس نے پلنگ کی آواز سے اندازہ لگا لیا تھا۔

"ہاں بھابی!"

"میں نے کہا تھا نا سردی بہت ہے۔ آپ تو ضد کرتے ہیں؟"

"اُدھر بیڈ روم میں وارنش کی بہت بدبُو ہے۔"

"اُدھر نہیں اِدھر میرے پاس راجندر کا بستر خالی ہے۔" اُس کے لہجے میں بے پناہ ہمدردی تھی۔

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس نے آواز کا تیز خنجر میرے سینے میں اُتار دیا ہو۔ میں نے لپک کر کسم کو کمرے میں دھکیل دیا اور زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے چیخا۔

"نہیں! خُدا کے لئے نہیں بھابی! تم سو جاؤ بھابی!"

میں کمبل اوڑھے برآمدے میں گھوم رہا تھا۔ میرے اندر ناچتا ہوا جانور لہولہان ہو کر تڑپ رہا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کمبل اُتار پھینکوں اور لان میں اُس وقت تک ننگا ناچتا رہوں جب تک میرے اندر موجود جانور کا سارا فاسد خون نہ بہہ جائے اور سارا لان خون کے دھبّوں سے نہ اٹ جائے! تاکہ جب کل راجندر آئے تو اُسے معلوم ہو کہ ایک رنگ یہ بھی ہے جس کا بیوپار اُس نے کبھی نہیں کیا!!

---

# غزل

پروفیسر کرامت علی کرامت ایم۔ ایس سی

ستاروں کی ٹمٹماتی ہے    پھر تری یاد دل میں آتی ہے
ماضی ہے کتنی دل آویز    جیسے چلمن سے جھلملاتی ہے
میں ہوتا ہے جب تو محوِ خرام    موجِ غم آکے لوٹ جاتی ہے
رنگیں ہے گردشِ ایام    میرے دل کو ہمیشہ بھاتی ہے
تقدیر پہ ہنسو تم سب    چاندنی اب بھی مسکراتی ہے
کو رہتا ہے انتظار ترا    جب کبھی بھی بہار آتی ہے
کے رُخ پر، ملاحتوں کی صبا    اِک تبسم بکھیر جاتی ہے
رس کتنی ہے نگاہِ بشر    آسمانوں کو چیر جاتی ہے
اندر چھپی ہوئی اِک شے    مجھ کو خوابوں میں بھی ڈراتی ہے
کے گوشے میں زیست کی اُمید    گاہے آتی ہے گاہے جاتی ہے
گل میں کوک کوئل کی    اِک نیا زہر گھول جاتی ہے
فسوں گر کی چشم کی شہہ سے    شمع انفاس جھلملاتی ہے

میں کرامت ہوں کشتۂ امروز
یادِ ماضی بھی کچھ ستاتی ہے

# رُباعیات

مہدی پرتابگڈھی

بادل کی گھٹا چھائی ہے، اب تو آجاؤ
پیغامِ جنوں لائی ہے، اب تو آجاؤ
کاٹے نہیں کٹتے ہیں جُدائی کے یہ دن
ہاں جان پہ بن آئی ہے، اب تو آجاؤ

---

گذرے ہوئے لمحوں کو صدا دیتا ہوں
طوفاں سا اِک دِل میں اٹھا دیتا ہوں
تنہائی کی تاریکی مٹانے کے لئے
میں یادوں کی اِک شمع جلا دیتا ہوں

---

تم پاس نہیں، چاند ستارے ہیں اُداس
یہ جھیل، یہ پُرکیف نظارے ہیں اُداس
یہ ساز، یہ نغمات، یہ غنچے یہ پھول
اِک میں ہی نہیں، سارے کے سارے ہیں اُداس

---

یہ رات، یہ چاند، یہ ستارے خاموش
سرشار ہے ماحول، فضائیں مدہوش
چھلکی ہے کچھ اس طرح اُن آنکھوں سے شراب
ساغر ہی اُلٹ بیٹھے ہیں کتنے مے نوش

---

مہدی نہیں دِل کے چاک سینا آساں
کیونکر ہو شرابِ غم کا پینا آساں
ناواقفِ تہذیبِ محبت کے لئے
مرنا ہی کچھ آساں ہے نہ جینا آساں

اور مجھ سے باہر ایک جانور بے قرار ہو کر ناچ رہا تھا۔ جب جسم میں آگ لگ رہی ہو تو بستر کیتنا بھی آرام دہ ہو نیند نہیں آتی۔ میں اُٹھ کر سوچنے لگا۔

میرے جی میں آیا ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دوں اور اس روشنی کو اپنے سینے کے اندر بصیرت میں روشن کر لوں۔ اس گڑیا میں اتنی ہمت نہیں کہ دم مار سکے یا راجندر کے سامنے کبھی لب وا کر سکے۔ میں کیا بیوقوفوں کی طرح باہر سردی میں بیٹھا حُسن کا پہرہ دے رہا ہوں جب حُسن و جوانی کا چھلکتا جام کسی تشنہ لب کا منتظر ہے!

میں پھر پلنگ پر لیٹ کر کروٹیں بدلنے لگا۔ میں ایک صلیب کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔ نہ اُترتا تھا نہ پھانسی پا رہا تھا۔ اتنے میں دروازے کی چٹخنی کھلی۔ میں ایک چور کی طرح کمبل میں دُبک گیا۔ ہو سکتا ہے کسم باتھ روم میں جانے کے لئے باہر نکلی ہو۔ کیسا سنہرا موقع ہے باز کے لئے چڑیا پر جھپٹ پڑنے کا!

"ستیش جی! نیند نہیں آ رہی کیا؟" شاید اُس نے پلنگ کی آواز سے اندازہ لگا لیا تھا۔

"ہاں بھابی!"

"میں نے کہا تھا نا سردی بہت ہے۔ آپ تو ضد کرتے ہیں۔"

"اُدھر بیڈ روم میں وارنش کی بہت بدبو ہے۔"

"اُدھر نہیں اِدھر۔ میرے پاس راجندر کا بستر خالی ہے۔" اُس کے لہجے میں بے پناہ ہمدردی تھی۔

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس نے آواز کا تیز خنجر میرے سینے میں اُتار دیا ہو۔ میں نے لپک کر کسم کو کمرے میں دھکیل دیا اور زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے چیخا۔

"نہیں! خدا کے لئے نہیں بھابی! تم سو جاؤ بھابی!"

میں کمبل اوڑھے برآمدے میں گھوم رہا تھا۔ میرے اندر ناچتا ہوا جانور لہولہان ہو کر تڑپ رہا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کمبل اُتار پھینکوں اور لان میں اُس وقت تک ننگا ناچتا رہوں جب تک میرے اندر موجود جانور کا سارا فاسد خون نہ بہہ جائے اور سارا لان خون کے دھبوں سے نہ اَٹ جائے! تاکہ جب کل راجندر آئے تو اُسے معلوم ہو کہ ایک رنگ یہ بھی ہے جس کا بیوپار اُس نے کبھی نہیں کیا!!

---

# غزل

پروفیسر کرامت علی کرامت ایم۔ایس سی

ستاروں کی ٹمٹماتی ہے — پھر تری یاد دل میں آتی ہے

اضی سے کتنی دل آویز — جیسے چلمن سے جھلملاتی ہے

ل میں ہوتا ہے جب تو محوِ خرام — موجِ غم آکے لوٹ جاتی ہے

نی رنگیں ہے گردشِ ایام — مرے دل کو ہمیشہ بھاتی ہے

ری تقدیر پہ ہنسو تم سب — چاندنی اب بھی مسکراتی ہے

کو رہتا ہے انتظار ترا — جب کبھی بھی بہار آتی ہے

ن کے رخ پر ملاحتوں کی صبا — اک تبسم بکھیر جاتی ہے

ور رس کتنی ہے نگاہِ بشر — آسمانوں کو چیر جاتی ہے

رے اندر چھپی ہوئی اک شے — مجھ کو خوابوں میں بھی ڈراتی ہے

ل کے گوشے میں زیست کی امید — گاہے آتی ہے گاہے جاتی ہے

وسمِ گل میں کوک کوئل کی — اک نیا زہر گھول جاتی ہے

س فسوں گر کی چشم کی شہہ سے — شمعِ انفاس جھلملاتی ہے

میں کرامت ہوں کشتۂ امروز
یادِ ماضی بھی کچھ ستاتی ہے

# رُباعیات

مہدی پرتاب گڑھی

یادوں کی گھٹا چھائی ہے، اب تو آجاؤ
پیغام جنوں لائی ہے، اب تو آجاؤ
کاٹے نہیں کٹتے ہیں جدائی کے یہ دن
ہاں جان پہ بن آئی ہے، اب تو آجاؤ

---

گذرے ہوئے لمحوں کو صدا دیتا ہوں
طوفاں سا اک دل میں اٹھا دیتا ہوں
تنہائی کی تاریکی مٹانے کے لئے
میں یادوں کی اک شمع جلا دیتا ہوں

---

تم پاس نہیں، چاند ستارے ہیں اداس
یہ جھیل، یہ پُرکیف نظارے ہیں اداس
یہ ساز، یہ نغمات، یہ غنچے یہ پھول
اک میں ہی نہیں، سارے کے سارے ہیں اداس

---

یہ رات، یہ چاند، یہ ستارے خاموش
سرشار ہے ماحول، فضائیں مدہوش
چھلکی ہے کچھ اس طرح ان آنکھوں سے شراب
ساغر ہی الٹ بیٹھے ہیں کتنے مے نوش

---

مہدی نہیں دل کے چاک سینا آساں
کیونکر ہو شرابِ غم کا پینا آساں
ناواقفِ تہذیبِ محبت کے لئے
مرنا ہی کچھ آساں ہے نہ جینا آساں

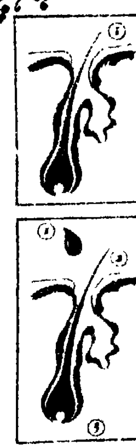
# پروٹین کا نہ ملنا بالوں کے گرنے کا باعث ہوتا ہے



**پیور سلویکرین میں ۱۷ ضروری و اضافی پروٹین شامل ہوتے ہیں**
**نوبل پرائز یافتہ تکنیک سے ثابت ہے کہ پیور سلویکرین بالوں کی جڑ تک پہنچتا ہے اور بالوں کو ضروری غذا فراہم کرتے ہوئے انھیں گرنے سے روکتا ہے۔**







پیور سلویکرین بال گرنے سے روکتا ہے یہ ہے اسکا ثبوت!

۱۔ اگر بالوں کو امینو ایسڈ دستیاب نہ ہو تو بال اُگنا کم ہو جاتے ہیں اور کمزور بھی۔ اگر بروقت احتیاط نہ برتی جائے تو بال کمزور ہوتے جائیں گے اور گرنے لگیں گے۔

۲۔ پیور سلویکرین (میگنیفائیڈ) کے قطرے میں تمام کے تمام ۱۷ امینو ایسڈ شامل ہیں۔ خالص قدرتی پروٹین جو کہ صحتمند اور مضبوط بالوں کی پیدائش کے لئے لازمی ہیں۔ پیور سلویکرین تیزی سے بالوں کی جڑوں تک میں داخل ہوتا چلا جاتا ہے۔

۳۔ نوبل پرائز جیتنے والی طریقے سے ثابت کر چکی ہے کہ پیور سلویکرین آپکے بالوں کو گھنے اور مضبوط بنانے والے لازمی حیاتین مہیا کرتا ہے۔

بس تو آج ہی پیور سلویکرین استعمال کرنا شروع کر دیجئے!

**پیور سلویکرین کا مستقل استعمال ضروری ہے تاکہ بہتر نتائج پیدا ہوں۔**

ہر روز دو مرتبہ مقررہ مقدار میں پیور سلویکرین لے کر سر کی مالش کیجئے۔ آپ کو خود محسوس ہوگا کہ آپکے بال گھنے ہوتے جا رہے ہیں اور صحتمند و مضبوط بھی۔ مختصر سے وقت میں بے مثال سلویکرین کا مسلسل استعمال آپکے بالوں کو ان کی قدرتی صحت لوٹا دیگا... انھیں مضبوط اور گھنا بنا دے گا۔

**پیور سلویکرین** جو بالوں کیلئے قدرتی پروٹین بھی ہے، صحت مند غذا بھی۔

# کیچڑ میں کنول

راشد سہوانی ایم۔ اے

۱۳۵۴۔ پہاڑی اِملی، دہلی نمبر۶

محترمی خوشتر صاحب! تسلیم

کئی سال بعد ایک کہانی "کیچڑ میں کنول" آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اُمید ہے پسند آئے گی ـــــ براہِ کرم اپنی گرانقدر رائے سے آگاہ کرکے ممنون فرمائیں . . .

نیاز مند ـــــ راشد سہوانی

★

ہماری پہلی ملاقات بس میں ہوئی تھی۔ میں اپنے دفتر جا رہا تھا۔ وہ گرین پارک جا رہی تھی۔ اُس کے پاس دس رُوپے کا نوٹ تھا۔ کنڈکٹر کے پاس ریزگاری نہیں تھی۔ دونوں میں بحث ہونے لگی۔ میں نے مداخلت کی۔ کنڈکٹر کو ٹکٹ کے پیسے دے دیئے۔ لڑکی نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد یہ چھوٹی سی مدد قبول کر لی۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنے دفتر کے بس اسٹاپ پر اُتر پڑا۔ میرے اُترتے وقت اُس نے پُوچھا۔

"میں آپ کے پیسے کس طرح واپس کروں گی؟"

میں کوئی جواب دیئے بغیر بس سے اُتر گیا۔

---

دُوسری ملاقات کناٹ پلیس کے ایک اوسط درجے کے کیفے میں ہوئی۔ میں بیٹھا ہی تھا کہ وہ آگئی۔ مُسکراتی ہوئی سامنے کی کُرسی پر بیٹھ گئی اور میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"شاید آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟"

"پہچان لیا!" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن صرف صورت سے!"

"مجھے کملا کہتے ہیں۔" اُس نے مُسکرا کر کہا۔

"اور میں راکیش ہوں۔" میں نے تعارف مکمل کر دیا۔

وہ کہنے لگی۔

"نہ تو آپ نے اپنا ایڈریس بتایا اور نہ کہیں دکھائی دیئے۔ اِس لئے آپ کے پیسے ـــــ"

"ارے چھوڑیئے بھی۔" میں نے اُس کی بات کاٹ دی: "آپ بھی کیا بات لے بیٹھیں۔ یہ بتایئے آپ کیا پیئں گی؟"

"میں تو کافی پینے کے ارادے سے آئی تھی۔" اُس نے کہا اور فوراً ہی کافی اور کچھ دُوسری چیزوں کا آرڈر دے دیا۔ پھر مجھ سے پُوچھنے لگی۔

"مسٹر راکیش! آپ کیا کرتے ہیں؟"

میں نے اُسے اپنے کام کی نوعیت سے آگاہ کیا۔ اپنے آفس کا پتہ بتایا۔

"آپ کی کوالیفکیشن؟" اُس نے پُوچھا۔

جب میں نے اُسے اپنی کوالیفکیشن بتائی تو وہ بُری طرح اُچھل پڑی۔

"آپ اِتنے قابل آدمی ہیں اور اِتنی گھٹیا پوسٹ پر کام کر رہے ہیں؟" اُس نے کہا۔

"اچھی کوالیفکیشن اور اچھی پوسٹ کے درمیان کوئی رِشتہ داری نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے بھی اُس سے بہت کچھ پُوچھا۔

وہ گریجویٹ تھی۔ ایک سرکاری دفتر میں ٹائپسٹ تھی۔ قرولباغ کے علاقے میں رہتی تھی۔ ماں باپ مر چکے تھے۔ صرف ایک بھائی تھا جو اُس سے تین سال بڑا تھا۔

کافی کا بل اُس نے ادا کیا۔ میں نے بہت روکا لیکن اُس نے ایک نہ سُنی۔ اُس نے ٹپ سمیت پانچ روپے اور کچھ پیسے خرچ کئے تھے۔ اور میں شرم کے بوجھ سے دبا جا رہا تھا۔

میں نے باہر نکل کر اُس کا پتہ پوچھا۔ وہ کچھ پریشان ہو گئی۔ پھر کہنے لگی۔

"گھر پر مُلاقات بہت مشکل ہے۔ آپ مجھے اپنا ٹیلیفون نمبر دے دیجئے اور میرے دفتر کا ٹیلیفون نمبر نوٹ کر لیجئے۔ اِس طرح آسانی رہے گی۔"

پھر اگلے ہفتے تیسری مُلاقات ہوئی۔ ٹیلیفون کے ذریعے ٹائم مقرر ہوا تھا۔ اِسی طرح چوتھی مُلاقات ہوئی۔ ہر ملاقات میں بے تکلفی بڑھتی گئی۔ چوتھی مُلاقات میں یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہم دونوں ایک دُوسرے کو برسہا برس سے جانتے ہوں۔

---

وہ ہماری پانچویں مُلاقات تھی۔

میں نے اپنا دل کھول کر اُس کے سامنے رکھ دیا۔

"میں تمھیں جیون ساتھی بنانا چاہتا ہوں!" میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

وہ مُسکرا کر بولی۔

"تم بہت جلد باز ہو۔ ابھی تو ہماری پانچویں مُلاقات ہوئی ہے۔"

"میں نے اپنے دل کی بات کہہ دی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "ہاں اگر تم چاہو تو جواب دینے میں تھوڑی دیر لگا سکتی ہو۔ اِس وقت تو میں یہ بات جاننا چاہتا ہوں کہ تمھیں میری بات ناگوار تو نہیں گُزری؟"

وہ کھِل کھلا کر ہنس پڑی۔

"بیوقوف ہو تم —— بہت بیوقوف!"

میں اُس کی بات نہ سمجھ سکا۔ اُس کی ہنسی مجھے چُبھتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ ہنسی پر قابو پا کر بولی۔

"تم بہت بھولے ہو۔ اِتنا بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اگر مجھے تمھاری بات ناگوار گُزرتی تو کیا میں اِسی انداز سے بات کرتی؟"

میں جھینپ گیا۔ اُس نے بہت محبت سے میرا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگی۔

"یہ تمھارا قصور نہیں۔ لڑکیوں کے سامنے لڑکے عام طور پر بوکھلا جاتے ہیں اور خاص طور سے ایسے موقعوں پر ——"

وہ شام بہت پیاری تھی۔ میں کملا کو اپنے کمرے پر لے گیا۔ میرا کمرہ بالائی منزل پر تھا۔ میں وہاں تنہا رہتا تھا۔ اُسے میرا کمرہ پسند آیا لیکن سامان کی بے ترتیبی دیکھ کر وہ ہنس پڑی۔ جب میں کچھ چیزیں خریدنے کے لئے نیچے گیا تو اُس نے ہر چیز قرینے سے رکھ دی۔ میں یہ سلیقہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ مُسکرا کر بولی۔

"عورت کا ہاتھ کیا کچھ نہیں کر سکتا!"

میں نے کہا۔

"اِس کمرے کو دیکھ کر یہ محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے عورت کے ہاتھ کی بے حد ضرورت ہے!"

"اخبار میں ضرورت کا اِشتہار نکلوا دو!" اُس نے کہا۔

اور میں نے جواب دیا۔

"اِشتہار پر پیسہ کون خرچ کرے۔ اگر کسی بس میں کوئی خوبصورت سی پیاری پیاری لڑکی مل گئی تو اُسی کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے آئیں گے۔"

وہ کھِل کھلا کر ہنس پڑی۔

---

دُوسرے ہی دن اُس سے چھٹی ملاقات ہوئی پھر ہم روزانہ ہی ملنے لگے۔ کبھی کبھی کسی خاص وجہ سے ایک دن کا وقفہ ہو جاتا تھا۔ میں دفتر کا ٹائم پُورا ہونے کا بے چینی سے انتظار کرتا رہتا تھا۔ پانچ بجتے ہی سرپٹ بھاگتا تھا کملا کے دفتر کی طرف جس کے صدر دروازے کے سامنے والے پارک میں وہ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ میری مُنتظر ہوتی تھی۔

اُس دن پانچ بجنے میں صرف دو منٹ باقی تھے کہ ڈائرکٹر صاحب نے مجھے بُلا بھیجا۔ مجھے سخت غصہ آیا لیکن بے بس تھا۔ جانا پڑا۔

خلافِ معمول ڈائرکٹر صاحب نے مُسکرا کر میرا سواگت کیا اور خلافِ توقع اُنھوں نے سامنے والی کُرسی پر بیٹھنے کا اِشارہ کیا۔ پھر کہنے لگے:

"مسٹر اکیش! مجھے تمھارے مُستقبل کے بارے میں بہت فکر تھی لیکن کچھ کرنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ اب میں نے بہت مشکل سے ایک راستہ نکالا ہے۔ ہماری ڈائریکٹریٹ کو تین سینئر ریسرچ آفیسرز کی ضرورت ہے۔ بہت جلد اخباروں میں اِشتہار نکلنے والا ہے۔ اِشتہار نکلتے ہی تم درخواست دے دینا۔ اِنٹرویو کی فکر مت کرنا۔ اِنٹرویو بورڈ کے سارے آدمی میری مُٹھی میں ہیں۔"

میرا ذہن اُس وقت انتہائی بلندیوں پر اُڑ رہا تھا۔ مجھے وہ پوسٹ ملنے والی تھی جس کے لئے میں پانچ سال سے سر مار رہا تھا۔ اِس عرصے میں چھ سینئر اور پانچ جونیئر آفیسرز بھرتی کئے گئے تھے لیکن میری درخواستوں کا کوئی جواب نہ ملا تھا۔ ریکروٹنگ ڈیپارٹمنٹ والوں نے بتایا کہ میرے کلرک ہونے کی وجہ سے اُن کے اعلیٰ افسران مجھے درخواست دینے کا حق دار بھی نہ سمجھتے تھے۔ اِس لئے مجھے جواب دینے کا مستحق بھی نہیں گردانا گیا۔ میں نے اُن لوگوں سے بحث کی۔

"اگر میں سرکاری مُلازم نہ ہوتا اور اِس پوسٹ کے لئے درخواست دیتا تو کیا مجھے اِنٹرویو میں نہ بُلایا جاتا؟"

اِس بات کا بے حد حوصلہ شکن جواب ملا۔

"بھائی صاحب! ایسی کچھ رسم سی بن گئی ہے کہ چھوٹی پوسٹ پر کام کرنے والوں کو بہت بڑی پوسٹ نہیں دی جاتی، چاہے اُن کے پاس ضروری قابلیت کے ساتھ ساتھ کام کا تجربہ بھی ہو۔ ہاں اگر آپ سرکاری مُلازم نہ ہوتے یا مُلازمت کا ذِکر کئے بغیر درخواست دیتے تو آپ کو اِنٹرویو کے لئے بُلایا جا سکتا تھا، یا کم از کم آپ کو جواب ضرور بھیج دیا جاتا۔"

بعد میں پتہ چلا کہ یہ ذہنیت عام تھی۔ ایک اور اہم ادارے میں ایک اچھی پوسٹ نکلی۔ میں تفصیلات معلوم کرنے کے لئے وہاں گیا۔ انکوائری کلرک حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"آپ صرف کلرک ہیں اور اِتنی بڑی پوسٹ کا خواب دیکھ رہے ہیں!" اُس نے کہا۔

میں نے فخر کے ساتھ جواب دیا۔

"اِس پوسٹ کے لئے جتنی قابلیت کی ضرورت ہے میرے پاس اُس سے کہیں زیادہ قابلیت ہے!"

وہ مُسکرایا۔

"بھائی صاحب! وہ تو ٹھیک ہے، گورنمنٹ کی طرف سے بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ لیکن فیصلہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ لوگ جب یہ دیکھیں گے کہ آپ صرف اپر ڈویژن کلرک ہیں تو آپ کی ایپلی کیشن اُٹھا کر ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیں گے۔ ویسے میں آپ کو منع نہیں کرتا۔ آپ اپنی تسلی کے لئے درخواست دے دیجئے۔"

میں نے درخواست دے دی اور جب چھ ماہ بعد مجھے پتہ چلا کہ اُس جگہ پر کسی تازہ گریجویٹ کا تقرر ہو گیا تو واقعی میری تسلی ہو گئی۔ میری درخواست کی تو کوئی رسید بھی نہ بھیجی گئی تھی۔

پھر ایک بار میں نے ایک اچھی پوسٹ کے لئے براہِ راست درخواست بھیج دی۔ اُس میں اپنی مُلازمت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ صرف ایک مہینے بعد اِنٹرویو کے لئے بُلاوا آ گیا۔ لیکن نہ جانے کس طرح میرے دفتر والوں کو پتہ چل گیا۔ مجھ سے اُس "ناجائز اقدام" کی وضاحت طلب کی گئی۔ سخت کارروائی کی دھمکی دی گئی۔ میں نے تحریری طور پر معافی مانگی۔ لیکن مجھے اِنٹرویو میں شرکت کی اجازت نہ دی گئی۔

آج ڈائرکٹر صاحب کی اِس عظیم پیش کش پر میرا بوکھلا جانا قُدرتی امر تھا۔ میری زبان بند ہو گئی۔ بمشکل تمام اِتنا کہہ سکا۔

"میں کس زبان سے آپ کا شُکریہ ادا کروں۔ آج آپ نے مجھے نئی زندگی بخش دی ہے۔"

وہ کُرسی سے اُٹھتے ہوئے بولے۔

"مسٹر اکیش! کام کرنے والا تو بھگوان ہے۔ ہاں وہ کسی نہ کسی کو ذریعہ بنا دیتا ہے۔ تمھیں یہ جان کر خوشی ہو گی کہ بہت جلد میرا پروموشن ہونے والا ہے۔ شاید میں باہر بھیج دیا جاؤں۔ میں چاہتا ہوں میرے جانے سے پہلے تمھارا کام بن جائے۔"

میں خوشی سے جھومتا ہوا باہر نکلا۔ سب لوگ جا چکے تھے۔ میں وہاں سے نکل کر جب کملا کے دفتر کے سامنے پہنچا تو وہ حسبِ معمول میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھ پر نشے کی سی کیفیت طاری تھی۔ میں نے آگے

بڑھ کر اُس کے دونوں بازو پکڑ لیے اور اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

"کیا کر رہے ہو، شرم نہیں آتی۔" اُس نے خود کو چھڑاتے ہوئے کہا۔

میں نے شرمندہ ہو کر اُسے چھوڑ دیا۔ کچھ فاصلے پر کھڑے لوگ ہمیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ میں اُسے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔

"آج آپ جنگلی کیسے بن گئے؟" اُس نے کہا۔

"آج مجھ پر دس ہزار کا نشہ سوار ہے!" میں نے پُرخمار آواز میں جواب دیا۔

"کیوں --- خیر تو ہے؟" اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

میں نے اُسے ساری بات بتا دی۔ وہ دلچسپی سے سُنتی رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"شکر ہے تمہارے آفیسرز نے تمہاری سُن لی۔"

"آفیسرز کیا سُنیں گے۔ یوں کہو بھگوان نے سُن لی!" میں نے کہا۔

"ہونہہ۔ بھگوان!" ایک طنز آمیز مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔ "بھگوان کیا چیز ہے اِن آفیسرز کے سامنے! جب تک یہ لوگ کرسی پر بیٹھے ہیں۔ یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ساری خدائی کو بدل سکتے ہیں!"

"تم ناستک ہو کملا!" میں نے ہنس کر کہا۔

وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"پہلے تو ناستک نہیں تھی۔ اب بنتی جا رہی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں یا تو بھگوان ہے ہی نہیں۔ یا پھر بالکل بے پرواہ ہے۔ اُسے کسی کے دُکھ درد کا احساس نہیں ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا۔

"یہ بات پھر کریں گے۔ پہلے یہ بتاؤ شادی کب کر رہی ہو؟"

وہ کچھ سوچنے لگی۔ بہت دیر تک سوچتی رہی۔ میں بور ہو گیا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" میں نے تنگ آکر پوچھا۔

وہ مسکرا کر بولی۔

"مجھے تین مہینے کی مہلت چاہیے۔ تین مہینے بعد اپنے فیصلے کی اطلاع دوں گی۔"

"فیصلے کی اطلاع دوگی یا شادی کرو گی؟"

"فیصلے کی اطلاع دوں گی۔"

"تمہارا فیصلہ میرے خلاف بھی ہو سکتا ہے؟"

"ہاں --- ہو سکتا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"جب تم اس طرح بات کرتی ہو تو میری عجیب حالت ہوتی ہے۔"

"کیا حالت ہوتی ہے؟"

"دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے۔"

"بس؟" اُس نے ہنس کر کہا۔ "میں تو کچھ اور سمجھی تھی۔"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

وہ ہنس کر بولی۔

"پھر بتاؤں گی۔ چلو اُٹھو۔ کچھ کھا پی لیں گے۔ بھوک لگ رہی ہے۔"

---

پھر چھ ہفتے کے اندر سارا کام ہو گیا۔

میں کلرک کی کرسی سے اُٹھ کر سینئر ریسرچ آفیسر کی کرسی پر جا بیٹھا۔ ایک الگ کمرہ ملا۔ شاندار فرنیچر۔ بڑی سی میز۔ میز پر خوشنما ٹیلیفون۔ پھر لطف یہ کہ کام بہت ہی کم۔

میں نے کملا کو یہ باتیں بتائیں تو وہ مُسکرا کر بولی۔

"مُبارک ہو! پہلے تم نے بہت کام کیا تھا۔ اب پنشن مل رہی ہے!"

"پنشن؟" میں نے ہنس کر کہا۔ "تنخواہ سے تین گنی پنشن!"

"آم کھاؤ پیڑ مت گنو۔" اُس نے کہا اور ہم دونوں ہنسنے لگے۔

پھر میں نے کہا۔

"میرا ایک دوست کہتا ہے تم جب کلرک تھے تو ایمانداری کی کھاتے تھے۔ لیکن اب حرام کی کھاؤ گے۔"

وہ کہنے لگی۔

"تمہارا دوست یا تو پاگل ہے یا پھر تم سے جلتا ہے۔" میں نے کہا۔

"کچھ بھی کہو --- بات تو کچھ عجیب سی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ مجھ سے سینئر آدمی تین مہینے کی چھٹی چلا گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ

تین مہینے کے لئے اُس کی جگہ پر میرا تقرّر ہو جائے تاکہ مجھے پچاس رُوپے مہینے کا فائدہ ہو جائے۔ لیکن اُس وقت بھی یہی ڈائرکٹر صاحب تھے جنھوں نے میری درخواست یہ کہہ کر نامنظور کر دی تھی کہ وہ سرکاری خزانے پر ڈیڑھ سو رُوپے کا بوجھ نہیں ڈال سکتے۔ اُن کی اِس بات کے باوجود مجھی کو اُس آدمی کا کام سونپا گیا۔ لیکن مجھے ایک پیسہ بھی زیادہ نہ مِل سکا۔ کیا زمانہ تھا وہ بھی۔ سرکاری خزانے پر تین مہینے میں ڈیڑھ سو رُوپے کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا تھا اور اب ——"

"اور اب تم خزانے کا بوجھ ہلکا کر رہے ہو!" کملا نے بات پُوری کر دی۔

پھر وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"راکیش! ایمانداری اور بے ایمانی کے چکر میں مت پڑو۔ گندے تالاب میں گھُس کر تم کیچڑ سے نہیں بچ سکتے۔ یا تو ایسی جگہ سے دُور رہو یا پھر اُس جگہ کی گندگی کو ہنسی خوشی قبول کر لو۔"

---

دُوسرے ہی دن ڈائرکٹر صاحب کے ٹرانسفر کا آرڈر آ گیا۔

ہم لوگوں نے اُسی شام کو الوداعی پارٹی دینے کا اہتمام کیا۔ میں نے کملا کو ٹیلیفون کر کے اُس شام کی چھٹی لے لی اور اگلی صبح کو مجھے فوری طور پر لکھنؤ جانے کا حکم مِلا۔ میں نے کملا کو اطلاع دی۔ وہ میری روانگی کے وقت ریلوے سٹیشن پہنچی لیکن دُوسرے لوگوں کی موجودگی میں کوئی تفصیلی بات نہ ہو سکی۔ البتہ لکھنؤ پہنچ کر میں نے بذریعہ ٹرنک کال اُس سے بات کی۔

لکھنؤ میں پندرہ دن لگ گئے۔ واپس آ کر میں نے سب سے پہلے کملا کو ٹیلیفون کیا —— جواب مِلا۔

"مِس کملا نے نوکری چھوڑ دی ہے۔"

"کیوں؟"

"آپ کے اِس 'کیوں' کا جواب تو وہی دے سکتی ہیں۔"

دُوسری طرف سے آواز آئی۔ "انھیں نوکری چھوڑے ایک ہفتہ گزر چُکا ہے۔ نوکری چھوڑنے کی اِتنی جلدی تھی کہ ایک مہینے کی تنخواہ بھی چھوڑ دی۔"

میرا سر چکرانے لگا۔ کملا نے نوکری چھوڑ دی۔ نوکری چھوڑنے کی اِتنی جلدی تھی کہ ایک مہینے کی تنخواہ بھی چھوڑ دی۔ میرے دل و دماغ نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ سب کیا ہے۔ وہ کیا کر رہی ہے؟ اُس نے نوکری کیوں چھوڑ دی؟ وہ بھی اِتنی عجلت کے ساتھ! آج تو مُدت اُس کا فیصلہ معلوم کرنے کا دن تھا۔ کیا وہ مجھ سے دُور بھاگ رہی ہے ——؟

میں نے پھر ٹیلیفون کیا۔

"آپ مجھے مِس کملا کے گھر کا پتہ بتا دیجئے۔"

جواب مِلا۔

"آپ کل ٹیلیفون کر لیں۔ پتہ بتا دیا جائے گا۔"

میری حالت عجیب ہو رہی تھی۔ میں جلدی چھٹی لے کر گھر پہنچ گیا۔ دروازہ کھولتے ہی ایک لفافہ پر نظر پڑی۔ جس پر میرا نام لکھا تھا۔ تحریر کملا کی تھی۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ جلدی سے لفافہ چاک کیا اور انگریزی میں لکھا ہُوا خط پڑھنے لگا ——

"ڈیر راکیش! دل کی عجیب حالت ہے۔ خط لکھ رہی ہوں لیکن ہاتھ لرز رہا ہے۔ دل رو رہا ہے۔ آج تین مہینے پُورے ہو گئے۔ جواب حاضر ہے۔ تمھاری کملا تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ اِس لئے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے اور محبت دھوکا نہیں دے سکتی۔ پیار میں وِشواس گھات کے لئے کوئی جگہ نہیں!

میں نے تمھاری محبت کو نہیں ٹھکرایا ہے، اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا دبا دیا ہے۔ جو تمھاری خواہش تھی وہی میری تمنا تھی۔ لیکن میں تمھیں اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتی اور نہ یہ سوچنا چاہتی ہوں کہ شادی کے بعد تمھارے چہرے پر نفرت اور بیزاری کی شکنیں دکھائی دیں۔ تمھاری نظروں نے مجھے پیار کے قابل سمجھا ہے۔ لیکن راکیش! یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ تمھیں اپنے خواب کی تعبیر نہیں مِل سکتی۔ کملا شریف ضرور ہے لیکن پاک دامن نہیں۔ محبت کا وہ کنول جو عورت انتہائی عقیدت کے ساتھ اپنے مَن مندر کے دیوتا کو پیش کرتی ہے، کیچڑ میں گر کر گندا ہو چُکا ہے۔ تم اِس پھُول کو سُونگھو گے۔ بار بار سُونگھو گے پھر ایک دن تمھیں اُس کی تہہ میں لگی کیچڑ نظر آ جائے گی۔ تم ناک سکوڑ لو گے۔ پھُول کو نفرت سے زمین پر پھینک دو گے۔ پھر کیا ہو گا —— راکیش! پھر کیا ہو گا؟

میں نے بار بار سوچا کہ تمھیں سب کچھ بتا دوں۔ لیکن ہر بار

میری [illegible] جواب دے دیا۔ میں سچ بول کر اُن حسین لمحات سے محروم نہیں ہونا چاہتی تھی جو میں ہر شام کو تمھارے ساتھ گزارتی تھی۔ لیکن تمھارے تقاضوں نے بہت جلدی فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اُس فیصلے نے میرے دل و دماغ کو ماؤف کر دیا۔ میں نے نوکری چھوڑ دی اور آج یہ شہر چھوڑ رہی ہوں، صرف اِس لئے کہ اگر یہاں رہی تو پاگل ہو جاؤں گی۔ میں کب واپس آؤں گی یہ نہیں بتا سکتی۔ لیکن باہر جانے سے پہلے تمھیں ساری باتیں بتا دینا چاہتی ہوں۔

میں اس بھری دُنیا میں تنہا ہوں۔ بالکل تنہا! ماں نہیں، باپ نہیں، بہن نہیں، بھائی نہیں (معاف کرنا میں نے تمھیں غلط بتایا تھا کہ میرا ایک بڑا بھائی ہے) میرے ماں باپ اب سے پانچ سال پہلے ٹریفک کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔ اُس وقت میں بی۔اے پاس کر چکی تھی۔ ڈیڈی کے دفتر کے افسروں نے ازراہِ ہمدردی مجھے ٹائپسٹ کی نوکری دے دی۔

دفتر [illegible] تھا۔ ادھیڑ عمر سیکشن آفیسر کو مجھ سے بہت [illegible] کے ناطے انھیں انکل کہنے لگی۔ وہ ہمارے پڑوس ہی میں رہتے تھے۔ ایک بار اُن کی بیوی بیمار ہو کر ہاسپٹل [illegible] تو میں انکل کے گھر جا کر اُن کا کھانا تیار کرنے لگی۔ وہ خوش تھے۔ بہت خوش! کہتے تھے 'کملا! میں تمھارے احسان کا بدلہ نہیں چُکا سکتا!'

لیکن بھگوان نے جلدی ہی احسان کا بدلہ اُتارنے کا موقع دے دیا۔ اُن کی بیوی مر گئیں تو اُنھوں نے میری خدمات کے صلے میں مجھ پر زندگی کا سب سے بڑا احسان کرنا چاہا۔ لیکن میں نے اُنھیں احساس دلایا 'میں تو آپ کو اپنے ڈیڈی کے برابر سمجھتی ہوں!'

اُنھوں نے میری بات کو ہنسی میں اُڑا دیا۔ لیکن میں نے صاف اِنکار کر دیا۔ اُنھیں بہت تکلیف ہوئی۔ لیکن وہ احسان فراموش نہ تھے! میری خدمات کا تھوڑا بہت معاوضہ ادا کرنا ضروری تھا۔ اِس لئے اُنھوں نے زبردستی معاوضہ دے ڈالا!

پہلے تو میں نے خودکشی کا ارادہ کیا۔ لیکن بعد میں انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ شکایت لکھ کر اُوپر پہنچائی۔ فوراً اِنکوائری کا حکم جاری ہو گیا۔ تحقیقات کے لئے دو آدمی ہمارے دفتر آئے۔ اُنھوں نے سٹاف کے سارے ممبروں کے بارے میں پوچھا۔ سب لوگوں نے تقریباً ایک ہی بات کہی۔

'مِس کملا کام چور ہیں۔ وقت پر دفتر نہیں آتیں۔ وقت سے پہلے گھر چلی جاتی ہیں۔ دفتر کے اوقات میں ناول پڑھتی رہتی ہیں یا پھر باہر تفریح کے لئے نکل جاتی ہیں۔ صاحب نے اُنھیں کئی بار وارننگ دی تو وہ صاحب کے خلاف اُلٹی سیدھی باتیں کہنے لگیں۔ اب اُنھوں نے ایک فرشتہ سیرت انسان پر اِتنا بیہودہ اور گھناؤنا الزام لگایا ہے۔'

اِنکوائری کرنے والے کس نتیجے پر پہنچے یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ البتہ اگلے ہفتے ہی وہاں سے میرا تبادلہ کر دیا گیا۔ اور ـــ بس ـــ

میرے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ لیکن جب میرے نئے دفتر کے سیکشن آفیسر نے ایک دن مجھے اوور ٹائم کے بہانے سے سات بجے شام [illegible] کر کے دریا میں ہاتھ دھو لئے تو یہ آگ بجھ گئی۔ بالکل ٹھنڈی ہو گئی!

اس بار کہ میں اُس وقت چنگاریاں پیدا ہوگئیں جب ہمارے سیکشن آفیسر نے ایک شام کو ایک سیل بند لفافہ جس میں چند اہم کاغذات تھے، مجھے دے کر حفاظت کے ساتھ ایک بہت بڑے ڈیپارٹمنٹ کے انچارج آفیسر مسٹر کھنہ کو پہنچانے کا حکم دیا۔ کھنہ جی کے فلیٹ پر پہنچنے کے بعد پتہ چلا کہ مجھے بطور تحفہ کھنہ جی کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ دراصل وہ لفافہ میرے ذریعہ کھنہ جی کے پاس بھیجنے کی بجائے مجھے اُس لفافے کے ذریعے اُن کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اِس لئے کھنہ جی نے مجھے اِس بات کا موقع بھی نہ دیا کہ میں وہ لفافہ اُن کی خدمت میں پیش کر سکتی۔

گھر پہنچ کر میں نے لفافہ کھول ڈالا اور انتقام کی تمنا ایک بار پھر جاگ گئی۔ بجھی ہوئی آگ پھر بھڑک اُٹھی۔ اِس بار مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہوگیا۔ اس لیے کہ اُس لفافے کے اندر واقعی کچھ اہم کاغذات تھے۔ جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ہمارے مہربان سیکشن آفیسر صاحب اور کھنہ جی مل کر ایک بہت ہی نفع بخش دھندا چلا رہے تھے۔ لاکھوں کی آمدنی ہو رہی تھی۔

پہلے تو میں نے اِرادہ کیا وہ سارے کاغذات اعلیٰ افسران کو بھیج دوں۔ لیکن پھر کچھ سوچا اور ارادہ بدل دیا۔ اِس طرح کامیابی کی زیادہ اُمید نہ تھی۔ کافی سوچ وِچار کے بعد ایک اور فیصلہ کر لیا۔

میں دُوسرے دن دفتر جانے کی بجائے بنک چلی گئی اور وہ کاغذات اپنے لاکر میں بند کر دئے۔ پھر سیکشن آفیسر صاحب کو ٹیلیفون کر کے اعلانِ جنگ کر دیا۔ وہ بہت گھبرائے۔ فوراً کھنہ جی کو ساتھ لے کر میرے گھر آئے۔ دونوں نے مجھ سے معافی مانگی۔ میں نے اُن سے سودا طے کر لیا۔

'اگر میرے مطالبات پُورے ہوتے رہے تو وہ کاغذات اعلیٰ افسران کے پاس نہ جائیں گے' میں نے اُن دونوں سے کہا۔

معاہدے کی پہلی شرط کے طور پر میں نے اپنے سیکشن آفیسر سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنا تبادلہ کسی اور سیکشن میں کرا لیں یا پھر میرا تبادلہ کرا دیں۔ اُنھوں نے میری دُوسری بات مان لی۔ پندرہ دن بعد میں ایک اور سیکشن میں پہنچ گئی۔

پھر میں نے اُن سے دس ہزار رُوپے کا مطالبہ کیا۔ وہ دُوسرے ہی دن پُورا ہوگیا۔ اُس کے بعد میں نے کھنہ جی کی خبر لی اور اُن سے بھی اِتنی ہی رقم وصول کر لی۔

تم سے دوستی ہو جانے کے بعد میں نے سوچا اِس بلیک میل سے تمھیں بھی فائدہ پہنچنا چاہیے۔ یہ سوچتے ہی میں نے کھنہ جی کو ٹیلیفون کر دیا اور یہ اُسی ٹیلیفون کا کرشمہ ہے کہ اب تم سینیئر ریسرچ آفیسر کی کرسی پر بیٹھے ہو!

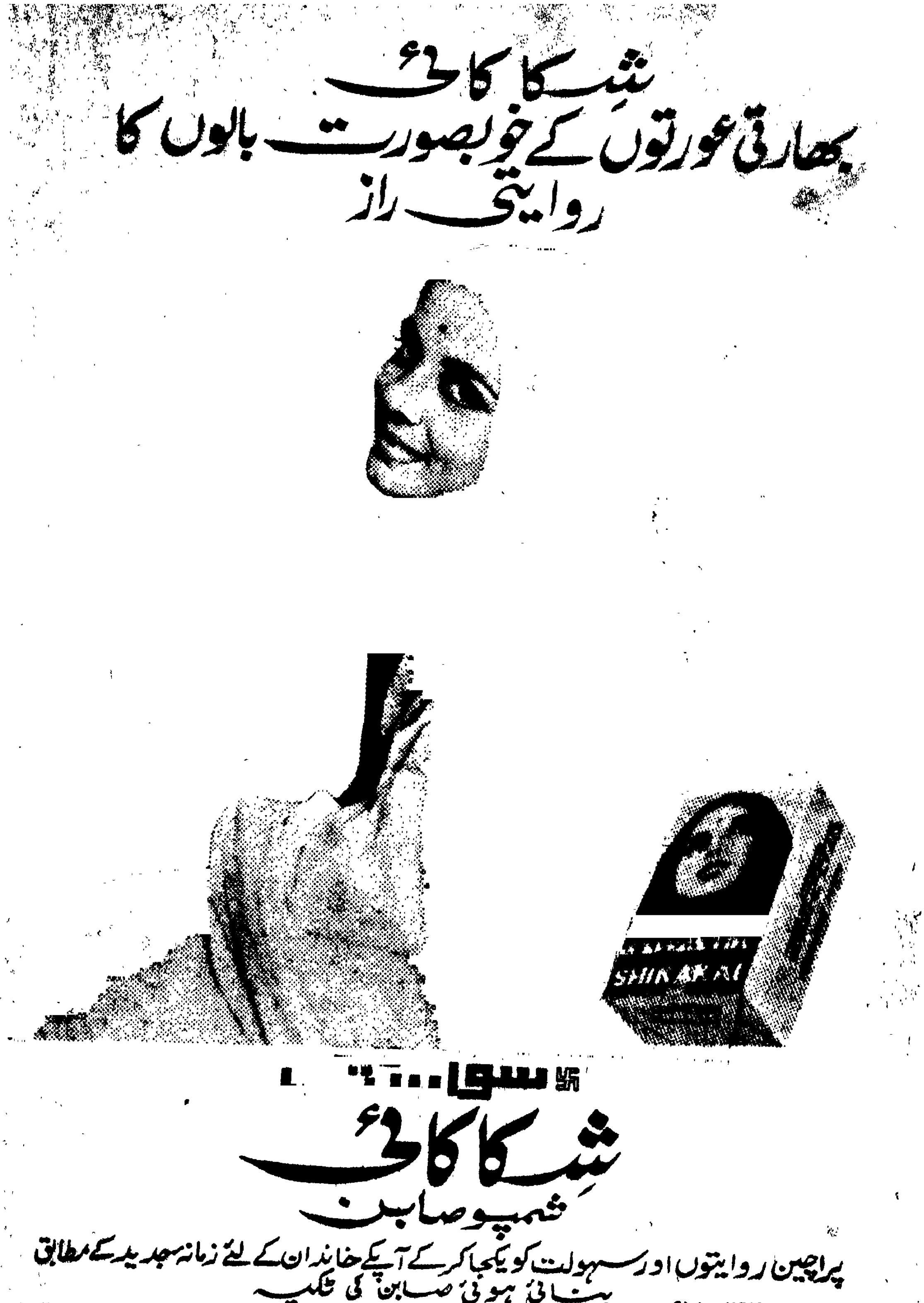
ہاں راکیش! یہ وہی کھنہ جی تھے تمھارے سابق ڈائریکٹر صاحب! تم ابھی تک حیران تھے کہ ڈائریکٹر کھنہ تم پر اِس طرح اچانک کیسے مہربان ہوگئے۔ اُمید ہے کہ اب تمھاری حیرانی دُور ہوگئی ہوگی۔

کھنہ جی کا تبادلہ نہیں ہُوا۔ اُنھوں نے مجھ سے گھبرا کر خود ہی اپنا تبادلہ کرا لیا ہے۔ حالانکہ وہ مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے! پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ وہ کچھ دن اطمینان کی سانس لے لیں۔ میں بھی کچھ دن کے لئے دُنیا کی سیر کرنا چاہتی ہوں تاکہ ذہن کا بوجھ کم ہو جائے۔

واپس آکر تم سے ضرور مِلوں گی۔ لیکن (یہ خط پڑھنے کے بعد اگر تمھارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ باقی رہ جائے) میرا انتظار مت کرنا۔ کیا پتہ کہ میں کب واپس آؤں ——"

میرے دل میں اب بھی کملا کے لئے جگہ ہے۔ میری نگاہوں میں وہ کیچڑ میں کنول ہے —— میں گناہ سے نفرت کرتا ہوں، گنہگار سے نہیں!!

---


شکاکائی
بھارتی عورتوں کے خوبصورت بالوں کا
روایتی راز
SHIKAKAI
شکاکائی
شمپو صابن
پراچین روایتوں اور سہولت کو یکجا کرکے آپکے خاندان کے لئے زمانہ جدید کے مطابق
بنائی ہوئی صابن کی ٹکیہ
Shilpi-HPMA-6A/72 URDU

# غزل

جگن ناتھ آزاد ایم۔ اے

شاید کہ موجِ بادہ ہے تیرا سخن تمام
تصویرِ میکدہ ہے تری انجمن تمام

جیسے بسی ہو اِس میں شمیمِ چمن تمام
ایسے مہک رہا ہے ترا پیرہن تمام

اللہ رے یہ زُلف، یہ عارض، یہ چشم و لب
گویا کہ فصلِ گُل میں کھِلا ہے چمن تمام

احباب کے خلُوص سے شاید کھُلے یہ راز
کیوں ہے زمینِ غیر زمینِ وطن تمام

حسرت کی اِس غزل پہ تو قرباں ہے دل مرا
"گلزار بن گئی ہے زمینِ دکن تمام"

ہر تارِ پیرہن ہے کرن آفتاب کی
دہکا ہے موجِ مے سے جو تیرا بدن تمام

حُسنِ دکن کے ذکر کا شاید یہ فیض ہے
میری غزل پہ آج ہے رنگِ سخن تمام

# غزل

سعید عارفی ایم۔ اے

بھٹک رہی ہے خلاؤں میں کیوں نظر تنہا
اُسے تو کرنی ہے طے راہِ پُر خطر تنہا

کوئی تو ہم سفرِ راہِ زیست مل جائے
کہ ایک شخص بھٹکتا ہے در بدر تنہا

جلے ہزار شناسائیوں کے دیپ مگر
ہم اجنبی سے پھرے رات رات بھر تنہا

یہ ڈھلتی رات بھی اب اپنا ساتھ چھوڑ چلی
ہمارے حال پہ رونے کو ہے سحر تنہا

جھُلس نہ جائیں کہیں نکہتوں کے پیراہن
ابھی تو آتشیں موسم میں ہے شجر تنہا

کوئی اُمید کوئی آرزو نہ کام آئی
عجیب حال میں لوٹا ہے نامہ بر تنہا

ملا سعید نہ اس نازشِ چمن کا سراغ
کہ صرف جس کے نہ ہونے سے ہے یہ گھر تنہا



حسن جو چاند کو شرمائے
Jai SOAP
BEAUTY SOAP
ہر روز
جے
صابن سے نہائیے
سندرتا اور خوبصورتی
میں ڈوب ڈوب
جائیے
جے کا نرم نرم سہانا جھاگ آپکی
جلد کو پھول کی طرح نازک اور خوبصورت
رکھتا ہے۔ اس کی بھینی بھینی
چنبیلی کے پھولوں میں بسی
خوشبو آپکو
دیر تک شاداب
رکھتی ہے
ٹاٹا کا بنایا ہوا
OBM-7002U

# آواز کا زخم

مس نعیمہ جعفری ایم۔ اے

نیاز منزل، دودھ پور، علی گڑھ

محترمی و مکرمی! اخلاص فراواں

بہت دنوں کے بعد ایک بار پھر "بیسویں صدی" کی بزم میں شریک ہو رہی ہوں۔ "آئیڈیل" کی پسندیدگی کے لئے ہند اور بیرونِ ہند سے جو بہت سارے خطوط موصول ہوئے انھوں نے مجھے ایک نیا حوصلہ عطا کیا۔ میں اپنے اُن سب پڑھنے والوں کی ممنون ہوں ——— ایک اور کہانی "آواز کا زخم" حاضر ہے۔ آپ کو اور قارئین کو پسند آگئی تو میں سمجھوں گی مجھے اپنی محنت کا صلہ مل گیا...

نیاز مند ——— نعیمہ جعفری

★

اُس دن میں بہت خوش تھا۔

ساری رات بارش ہوتی رہی تھی۔ گھٹاؤں پر گھٹائیں آتی رہیں اور برستی رہیں۔ دوسری صبح موسم بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔ حدِ نظر تک پھیلے ہوئے سبز میدانوں میں پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔ پیپل کے چمکدار پتے پانی میں نہائے نکھرے نکھرے سے نظر آ رہے تھے۔ دھیمی دھیمی ہوا درختوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی اور ایسے حسین موسم میں اُس کی درد بھری آواز ———

"گھونگھٹ کے پٹ کھول ری توہے پیا ملیں گے"

اُفق کے پار سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا میرا نے اس لڑکی کا روپ دھار لیا ہے۔ بہت دنوں کے بعد ایک ایسی دلکش آواز سننے کو ملی تھی۔ اسی لئے میرا دل مسرت کے لطیف احساس سے لبریز تھا۔

دوپہر کو جب میں گھر پہنچا تو یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ماں بھی بے حد خوش ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ پتا جی کے سورگباس ہو جانے کے بعد سے میں نے بہت کم اُس کے ہونٹوں کو مسکراتے دیکھا تھا۔ کھانے کی میز پر آخر میں نے پوچھ ہی لیا۔

"کیا بات ہے ماں؟ آج تم بہت خوش نظر آ رہی ہو!"

"ہاں بیٹا! خوشی کی تو بات ہی ہے۔ میری زندگی میں خوش ہونے کا یہی تو ایک موقع رہ گیا ہے۔" ماں کی آواز بھرا گئی۔ میں ہاتھ روک کر سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھنے لگا۔ ساری کے پلو سے آنکھیں خشک کر کے وہ بولی: "ٹھاکر سورج مل جی کے یہاں سے تیرا رشتہ آیا ہے۔"

"کون سورج مل؟ وہ۔ وہ سنگیت کار؟" میرا دل دھڑک اُٹھا۔

"ہاں وہی۔ اُن کی بڑی لڑکی پُشپا کو تو تُو نے دیکھا ہی ہے۔ اُسی کی چھوٹی بہن ہے۔ لڑکی کی تصویر بھی آئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سنگیت کار کی بیٹی ہے۔ تیری مرضی کے مطابق گانا بجانا بھی جانتی ہے۔ پُشپا کا گانا تو تُو نے سُنا ہوگا۔ نائی بتا رہا تھا کہ ٹھاکر جی نے دونوں لڑکیوں کو سنگیت سکھایا ہے۔"

کھانے کے بعد جب میں اپنے کمرے میں گیا تو میز پر سنگیتا کی تصویر

رکھی تھی۔ تصویر ہی میں وہ اتنی خوبصورت معلوم ہو رہی تھی کہ میری آنکھیں چُندھیا گئیں۔ میری جگہ کوئی شاعر ہوتا تو اُس کی آنکھوں کو کنول سے تشبیہ دیتا، اُس کے ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی کہتا، اس کے ابروؤں کو ... کہتا! لیکن میں، ایک سیدھا سادہ سنگیت کار، اس سے زیادہ نہ سوچ سکا کہ وہ مشرقی حُسن کا بہترین نمونہ تھی۔ دل ہی دل میں میں اپنی قسمت پر ناز کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اب تک زندگی میں بہت سی لڑکیوں سے سابقہ پڑ چکا تھا۔ لیکن کسی لڑکی نے مجھے اتنا متاثر نہ کیا تھا، جتنا اس بے جان تصویر نے ایک پل میں متاثر کر دیا۔ اِس میں میرے اصولوں کو بھی دخل تھا۔ محبت کو میں نے ہمیشہ غالب کے بقول دماغ کا خلل سمجھا تھا۔ حالانکہ میرا پیشہ ایسا تھا کہ دن رات لڑکیوں سے واسطہ رہتا تھا۔ لیکن میں نے انھیں کبھی غور سے دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی تھی۔

مجھے بچپن ہی سے سنگیت کا شوق تھا۔ اِسی شوق کے پیشِ نظر پتا جی نے مجھے موسیقی کی تعلیم دلوائی تھی اور اب جبکہ میں صرف موسیقی کا لکچرار ہی نہ تھا، موسیقار کی حیثیت سے بھی مشہور ہو چکا تھا۔ میرا یہ شوق جنون کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ اچھی آواز میری سب سے بڑی کمزوری بن گئی تھی۔ اچھی آواز میری روح کی غذا تھی، میری زندگی تھی۔ اگر ایک دن کوئی دلکش آواز کانوں میں نہ پڑے تو مجھے اپنا وجود ادھورا سا معلوم ہونے لگتا تھا۔ میرے کالج کی لڑکیوں میں ایک سے ایک خوش گلو لڑکی تھی۔ لیکن میں اپنے پانچ سالہ تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اِس سلسلے میں خالقِ کائنات قطعی بے انصافی کرتا ہے۔ اچھی آواز والی لڑکیاں نہ جانے کیوں اچھی صورت سے محروم ہوتی ہیں۔ یہی سبب تھا کہ جب میری نئی اسٹوڈنٹ ریتا میرا بائی کا گیت گا رہی تھی تو میں نے آنکھیں بند کر کے اُسے سُنا تھا۔ لیکن سنگیتا میں یہ دونوں خوبیاں یکجا تھیں۔ وہ تو مجسّم سنگیت تھی! اُس کی بڑی بہن پُشپا کو میں نے دیکھا ہی نہ تھا، گاتے ہوئے بھی سُنا تھا۔ اُس کی آواز میں جادو تھا۔ جب وہ ہنستی تھی تو معلوم ہوتا تھا جیسے کانسی کی تھالی میں چاندی کے سِکّے کھنک رہے ہوں اور جب وہ بولتی تھی تو محسوس ہوتا تھا کسی نے سِتار کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو!" اور یہ سنگیتا! میں نے اُس کی مُسکراتی ہوئی تصویر کو پیار سے دیکھتے ہوئے سوچا: اُس کی تو بہن ہے!

شادی کے لئے میں نے ہاں کر دی۔ ماں کی خوشیوں کی حد نہ تھی۔ شادی سے پہلے میں نے اُسے صرف ایک بار دیکھا تھا۔ جب منگنی کی رسم کے لئے وہ شاکر صاحب کے ساتھ آئی تھی گلابی زرکار ساری میں سجی، گہنوں سے لدی، شرم سے جھکی جھکی وہ میرے سامنے بیٹھی رہی۔ لیکن اشتیاق کے باوجود میں اس سے ایک بات بھی نہ کر سکا۔ شاید اس کے حسن سے مرعوب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کئی موقعے آئے جب میں اس سے مِل سکتا تھا۔ لیکن میں نے ایسا نہ کیا۔ شادی سے پہلے کے رومان اور اسکینڈل بازی سے مجھے سخت نفرت تھی اور پھر زیادہ عرصہ بھی تو نہیں گزرا۔ ماں کو شادی کی جلدی تھی۔ اُدھر شاکر صاحب بھی جلدی سے جلدی اس فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتے تھے۔ دو مہینے کے اندر ہی ہماری شادی ہو گئی۔

بارہ بجتے بجتے سب مہمان رُخصت ہو گئے تو میں تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ میرا کمرہ جو آج دُلہن کی طرح سجا ہُوا تھا، آج وہاں تنہائیاں میری منتظر نہ تھیں۔ آج وہاں سنگیتا تھی! سنگیتا کا خیال آتے ہی ریتا کی آواز میرے کانوں میں گونجی ——

"گھونگھٹ کے پٹ کھول ری تو سے پیا مِلیں گے،"

نئے جیون کی ابتدا بھی سنگیت سے ہونی چاہئے۔ پہلے اس سے ایک گیت سُنوں گا۔ میں نے سوچا، سِتار اس کے ہاتھوں میں دے کر کہوں گا: سنگیتا! تم تو مجسم سنگیت ہو، شرم چھوڑو اور مجھے ایک گیت سُنا دو۔ شرمائی لجائی سی جب وہ سِتار ہاتھ میں لے کر گائے گی تو ساری کائنات جھوم اُٹھے گی۔ ایسا معلوم ہُوا جیسے ملکۂ فلک زہرہ زمین پر اُتر آئی ہو! 'لیکن پہلی رات اُسے کسی نے گاتے سُن لیا تو؟' دل نے شک ظاہر کیا: 'تو نہ سہی، کیا ہوا؟ میں نے دل کو سمجھایا۔ نہ بہنیں، نہ بھابیاں، نہ بھائی۔ ایک ماں ہے۔ اس نے سُن بھی لیا تو کیا۔ جانتی ہے اس کا بیٹا سنگیت کا دیوانہ ہے!'

کمرے کی مدہوش کُن فضا نے مجھے اور زیادہ مدہوش کر دیا۔ دروازہ بند کر کے میں نے کونے میں سے سِتار اُٹھایا اور اس کے قریب آ بیٹھا۔ ایک سُرخ متحرک گٹھری کے روپ میں میرے سہاگ، عطر اور مہندی کی ملی جُلی خوشبوئیں اُٹھ رہی تھیں، اپنے نزدیک محسوس کر کے میں نے سوچا بات کی ابتدا کس طرح کی جائے۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"سنگیتا جی! میں سچ مچ بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے آپ جیسی روپ وتی پتنی مِلی۔ آپ شاید یقین نہ کریں گی۔ جب سے آپ کو دیکھا ہے آپ کی مدھر آواز سُننے کے لئے میرے کان ترس رہے ہیں۔ اِس لمحے کا میں نے کتنا انتظار کیا ہے جب آپ کی مدھر آواز چاندی کی گھنٹیوں کی طرح میرے کانوں میں بج اُٹھے گی۔ آپ جانتی ہوں گی کہ میں ایک سنگیت کار ہوں اور اچھی آواز کا دیوانہ ہوں۔ اِسی لئے آپ سے ایک چھوٹی سی درخواست کروں گا۔ ایک گیت سُنا دیجئے! حالانکہ یہ بات آپ کو عجیب سی معلوم ہوگی۔ آج ہماری سہاگ رات ہے اور آج ہی میں آپ سے ایسی فرمائش کر رہا ہوں!" میں دھیرے سے ہنس دیا۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ میں نے اُنگلیوں سے اس کا چہرہ اُوپر اُٹھایا۔ اس کے صبیح رخساروں پہ زردی چھا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرم کی جگہ خوف کے سائے لرز رہے تھے۔ میں گھبرا گیا: "کیا ہُوا سنگیتا؟ تم پریشان کیوں ہو گئیں؟ رہنے دو۔ پھر کبھی سُنا دینا۔ اب تو ساری زندگی کا ساتھ ہے؟" مجھے واقعی اپنی احمقانہ فرمائش پر افسوس ہُوا۔ میں نے دیکھا اس کی لمبی لمبی پلکوں میں آنسوؤں کے موتی چمک رہے تھے۔

"جی ... جی ... مجھے گانا بجانا بالکل نہیں آتا۔" ایک انتہائی بھدی اور بےسُری آواز میرے کانوں سے ٹکرائی اور میرے ہاتھ سے سِتار چھوٹ کر فرش پر دُور تک پھسلتا چلا گیا!!

---

مہربانی کر کے نام لاکھئے واضح اختصار سے کام لیا کریں تاکہ آپ کے ارشاد کی تعمیل فوراً ہو سکے۔ اولی غلط سمرد فہمیدہ کے اعث فوراً نہیں چھپ جاتے۔

---

## رسالہ نہ ملنے کی شکایت

دو مرتبہ چیک کرنے کے بعد ہمیں رسالہ ہر ماہ باقاعدگی سے بذریعہ ڈاک بھیجا جاتا ہے۔

اس کے باوجود [illegible] رسالہ نہ ملے تو [illegible] [illegible] تاریخ کے بعد [illegible] موصول ہونے پر دوبارہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت ڈاک والے سے بھی کیجئے۔ (منیجر)

# غزل

محمد عثمان عارف نقشبندی ایم۔ اے، ایل ایل بی ممبر پارلیمنٹ

چلتے چلتے ہاتھ سے دامن جو وہ جھٹکا گئے
زندگی کے جگمگاتے راستے دھندلا گئے

دل پہ بجلی تو گری نظریں بدلتے ہی مگر
آپ کے ناز و ادا سارے سمجھ میں آ گئے

زندگی جس کے لئے ہم جان دیتے تھے کبھی
آج ہم اس کے تصور ہی سے کیوں گھبرا گئے

آپ کے ہاتھوں مری بربادیوں کو دیکھ کر
دوستوں کا ذکر کیا غیروں کے آنسو آ گئے

رند مسجد میں گئے تو انگلیاں اٹھنے لگیں
کھل اٹھے میکش کبھی زاہد جو ان میں آ گئے

مجرم الفت ہوں میں مجھ کو زمانہ دے سزا
آپ کو کیوں غم ہوا اس کا آپ کیوں گھبرا گئے

زندگی کے چار دن ہنس بول کر گزرے نہیں
ہنستے ہنستے رو دیئے آنکھوں میں آنسو آ گئے

آئینے کل تک نکھر جاتے تھے جن کی دید سے
وقت کے شیشے میں خود کو دیکھ کر گھبرا گئے

ایک وہ بھی ہیں سمندر پی کے جو پیاسے رہے
ہم تو عارف چار قطرے پی کے تسکیں پا گئے

# غزل

نسیم شاہجہان پوری

ابھی سے متغافل ان کی فطرت دیکھئے کیا ہو
یہ ہے آغاز، انجام محبت دیکھئے کیا ہو

ہوس کو لوگ کہتے ہیں محبت، دیکھئے کیا ہو
فسانے کو سمجھتے ہیں حقیقت دیکھئے کیا ہو

مری جانب سے پیہم سعیٔ تکمیل محبت ہے
وہ ہیں آمادۂ ترک محبت دیکھئے کیا ہو

حقیقت میں یہ دور کشمکش پھر بھی غنیمت ہے
ہمارے بعد اس دنیا کی حالت دیکھئے کیا ہو

حدود ضبط الفت سے گزر کر سوچتا ہوں میں
مآل جرأت اظہار الفت دیکھئے کیا ہو

محبت کو محبت کا شرف ہم نے ہی بخشا ہے
ہمارے بعد مفہوم محبت دیکھئے کیا ہو

خلاف مصلحت کوئی قدم اٹھتا نہیں ان کا
محبت میں بھی شامل ہے سیاست دیکھئے کیا ہو

نگاہ خاص سے وہ دیکھتے تو ہیں مجھے لیکن
مآل التفات بے نہایت دیکھئے کیا ہو

خزاں میں جب نسیم اپنا گریباں پارہ پارہ ہے
بہاروں میں مآل جوش وحشت دیکھئے کیا ہو

# کوئی منزل، نہ راستہ، نہ سفر

رئیس نجمی

"آشیانہ" سرائے کہنہ۔ امروہہ (یوپی)

گرامی قدر! واجبات!

کل تعمیل آپ کے حکم کی تعمیل میں اپنی نئی تخلیق "کوئی منزل، نہ راستہ، نہ سفر" آپ کی نذر کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میری کہانیوں کو انتہائی ذوق و شوق سے مطالعہ کرنے والے قارئین اس کہانی کو بھی خصوصی توجہ سے پڑھیں گے اور ہمیشہ کی طرح اپنی رائے سے مجھے سرفراز فرمائیں گے ——— یہ اتفاق ہی ہے کہ اس کہانی کے کچھ واقعات میرے اپنے ہی ماضی کے ایک دلچسپ حادثے کی دین بن گئے ہیں۔ باقی جو کچھ ہے افسانہ طرازی ہے اور وہ افسانہ طرازی آپ کی عادی کی مستحق ہو گئی ہے۔ پچھلے دنوں شملہ سمجھوتے پر دستخط ہوئے تو مجھے روحانی مسرت حاصل ہوئی کہ برصغیر میں ایک پائیدار امن کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ پچیس سال بعد جنگ کے بادل کروڑوں انسانوں کے سروں سے چھٹ گئے۔ دیکھئے امن اور شانتی کا سورج بھی مشرق ہی سے طلوع ہو رہا ہے۔ اس دیرپا امن کی کامیابی کا سہرا ابھی ہمارے ملک کی ہر دلعزیز وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی اور پاکستان کے صدر محترم ذوالفقار علی بھٹو کے ہی سر بندھا ہے ——— کتنے دن گزر گئے ہم پاکستان کے قلمکاروں ہی سے نہیں قارئین سے بھی کٹ کر رہ گئے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد "بیسویں صدی" وہاں جانا بالکل بند ہو گیا تھا۔ خدا کرے وہ پابندیاں اب جلد ختم ہو جائیں، حالات جلد معمول پر آ جائیں اور ایک ملک کے عوام دوسرے ملک کے عوام سے بھائیوں کی طرح گلے مل سکیں۔ موجودہ کہانی دونوں ملکوں کی سرحدوں کے اِدھر اُدھر سسکتے ہوئے ان ہی جذبوں کی ترجمان ہے جنہیں حالات کی دوریوں نے جلا کر رکھ دیا ہے۔ یوں تو پاکستان میں اُردو کے لاتعداد رسائل شائع ہوتے ہیں لیکن چند گنے چنے جرائد کو چھوڑ کر جس ذوق و شوق سے وہاں کے باذوق و بلند ذوق ادب دوست "بیسویں صدی" خریدتے اور پڑھتے ہیں اس کی مثال یہاں کے کسی بھی رسالے کی مقبولیت اور اشاعت سے نہیں دی جا سکتی۔ یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے کسی سے سُنی ہوئی نہیں۔ وہاں "بیسویں صدی" کی بے پناہ مقبولیت کا ثبوت لاہور سے اس کی ہوبہو نقل کا ایک اور "بیسویں صدی" ہونا بھی ہے۔ نقل کسی کامیاب چیز کی بڑھتی ہوئی مانگ دیکھ کر ہی کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے......

خلوص کار ——— رئیس نجمی

یہ بادل بھی کھل کر نہ برسیں گے ——— شاید برس بھی جائیں۔

ابھی کچھ دیر پہلے بہت گھر کے آئے تھے۔ بادلوں کا گھر کے آنا اور پھر کھل کے برسنا مجھے بہت پسند ہے۔ اتنا ہی پسند جتنا یہ کمرہ، یہ کرسی اور میز! یوں بھی اس میز کے سامنے اس کرسی پر بیٹھ کر میں نے تمہیں بے شمار خط لکھے ہیں۔ اس کرسی کو دیکھتے ہی ہمیشہ تم مجھے یاد آئی ہو۔ اب بھی یاد آ گئی ہو اور میں بہت دیر سے تمہیں ایک خط لکھنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں ——— صرف ایک خط ——— آخری خط! آخری خط کتنے بوجھل ہیں یہ دو لفظ، کتنی جان لیوا ہے یہ سوچ، کیسا روح فرسا ہے یہ خیال، کیسا دلخراش ہے یہ تصور، جس میں اب میرے احساس کے کانٹوں کی چبھن کے سوا کچھ بھی تو باقی نہیں رہا۔

بادل پھر گھر آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے برس ہی جائیں ——— جب بادل برس جاتے ہیں تو دھرتی کی پیاس بجھ جاتی ہے۔ لیکن کتنی برساتیں گزریں، کیسے کیسے بادل برسے، میری پیاس کبھی نہ بجھی۔ بجھتی بھی کیسے ——— میں تو ماضی کے صحرا میں بھٹکتا ہوا وہ راہی بن گیا ہوں جس کے خوابوں کی تشنگی کو تمہاری یادوں کی شبنم کے قطرے نہ مل سکے جن کی نمی سے میری وہ تشنگی بھڑک تو گئی، بجھ نہ سکی۔

میں قلم اٹھاتا ہوں اور پھر یہ سوچتا ہوں تمہیں کیا لکھوں ———؟

کیسے لکھوں، تمہارے بارے میں جب بھی سوچتا ہوں، ہمیشہ ہی خیالوں میں بہت سی ادھوری کہانیوں نے اپنے اختتام کی جستجو شروع کر دی ہے۔ میں کتنی ہی بار اس جستجو میں اپنا وجود گم کر چکا ہوں۔ لیکن یہ جستجو آج تک ختم نہ ہوئی اور نہ شاید کبھی ہو گی۔

تم یاد آتی ہو تو مجھے یہ بھی یاد آ جاتا ہے کہ تم سے پہلی ملاقات لاہور میں ہوئی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے ملنے کراچی گیا تھا۔ لاہور میں میرا دوست ظہور رہتا تھا۔ جس سے ملنے کی آرزو برسوں سے میرے دل میں مچل رہی تھی۔ اس کا اور میرا بچپن ایک گلی ایک محلے اور ایک ہی ماحول میں ساتھ گزرا تھا۔ لیکن ہم دونوں کے شعور نے دو الگ الگ راہوں سے گزر کر اپنی من چاہی منزلوں کو پایا تھا۔ جس دن کراچی سے میں لاہور پہنچا اتفاق سے اس کے کالج کی سلور جوبلی کا فنکشن تھا، جس میں اسٹیج ہونے والے شیکسپیئر کے ڈرامے "جولیس سیزر" کے ڈائرکشن کی تمام تر ذمہ داری اس کے سپرد تھی۔ ہم وہاں اپنے کئی دوستوں کے ساتھ خصوصی مہمانوں کی حیثیت سے اس فنکشن میں مدعو تھے۔ اس نے تم سے بھی میرا تعارف کرایا تھا۔ مجھے یاد ہے وہ تعارف روایتی سا ہی تھا، اور ہماری ابتدائی گفتگو کے نہ صرف جملے بلکہ ان کا ایک دوسرے سے کہنے کا انداز بھی رسمی ہی سا تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ تم کئی سال تک ظہور کی کلاس فیلو رہ چکی ہو اور کسی لیڈیز کالج میں تاریخ کی لیکچرار ہو۔ ظہور سے قریب رہنے کی وجہ سے تم غائبانہ طور پر میرے نام ہی سے واقف نہ تھیں، میری زندگی کے حالات کے بارے میں بھی تمہیں بہت کچھ علم تھا۔ اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کسی بھی اجنبی کی دلچسپی کو جان کر ہمارے دل میں ایک عجیب سی خوشی اور بڑے پن کا احساس ہوتا ہے۔ ایسا احساس جس میں اس اجنبی کا قرب پانے کی خواہش کے ساتھ اس کے بارے میں اور بہت سی باتیں جاننے کا اشتیاق بھی شامل ہوتا ہے۔ ایسے ہی کسی احساس کو ذہن کی گرفت میں مچلتا پا کر جب میں نے تم سے گفتگو کا آغاز کیا تو مجھے یہ جان کر دکھ ہوا تھا کہ تم وقت سے بہت پہلے اپنی ماں اور باپ کے سائے سے محروم ہو چکی ہو۔ حالات کے کسی بھی تاثر سے نہ ٹوٹنے والے رشتوں میں صرف تمہاری ایک بہن ہے جو اس وقت زیر تعلیم تھی۔

فنکشن شروع ہونے سے پہلے تم سے بہت کم دیر گفتگو ہو سکی۔ لیکن شاید یہ بات تمہیں معلوم بھی نہ ہو گی کہ اتنی ہی دیر میں تمہاری شخصیت نے میرے ذہن پر ایسا گہرا تاثر چھوڑ دیا تھا جو برسوں کی ملاقاتوں کے بعد بھی بعض شخصیتوں کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ تمہارے نام اور چہرے میں کتنی مطابقت تھی، اس کا اندازہ تو صرف وہی کر سکتا ہے جس نے نہ صرف تمہیں دیکھا ہے بلکہ تمہارا نام بھی سنا ہے، تمہاری صورت درحقیقت تمہارے نام کا مکمل جواب تھی۔ تمہارا پورا نام شگفتہ جہاں تھا، لیکن تم سے قربت رکھنے والے تمہیں صرف بس جہاں کہتے تھے۔ تمہارا گفتگو کرنے کا انداز انتہائی سنجیدہ اور شائستہ تھا۔ دو میٹھے بول بولنے کے بعد تمہارے باریک ہونٹوں کے درمیان مسکراہٹ اور اس مسکراہٹ کے وقت سنگِ مرمر کے موتیوں جیسے تمہارے خوبصورت دانت مجھے بہت اچھے لگے تھے۔ تمہارے چہرے پر دیومالائی دیوتاؤں کی روایتوں کا تقدس تھا لیکن نہ جانے کیوں آنکھوں میں قدیم بابل کے ویرانوں جیسی خاموشی تھی۔ جب اس بیکراں خاموشی میں ہمیشہ کے لئے ڈوبنے، کھو جانے کی آرزو میں دو تین بار میں نے جھانک کر دیکھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہاں تمہاری زندگی کی یادوں کے بے شمار قافلے اپنا راستہ بھٹک گئے ہیں۔ میں اس پہلی ہی ملاقات میں تم سے بہت سی طویل باتیں کرنے کا خواہش مند ہو گیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی تمہارے چہرے کے ابھرتے ڈوبتے تاثرات سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا جیسے تم مجھ سے اس اچانک ملاقات کے ہونے پر کسی قدر نروس ہو گئی ہو۔

فنکشن کے اختتام پہ رات زیادہ بیت گئی اور تم سے مزید گفتگو نہ ہو سکی تھی۔ تم ڈرامے میں "سیزر" کے کردار کی غیر معمولی کامیابی پہ ظہور کو کامیاب ڈائرکشن کی مبارکباد دے کر اپنے گھر چلی گئی تھیں۔

راستے میں تمہارا ذکر کرتے ہوئے اس دن ظہور نے مجھے بتایا تھا

کہ تم اپنی لاابالی طبیعت اور ہر کسی سے جلد بے تکلف ہو جانے کی فطرت کی وجہ سے اپنی کالج لائف میں مختلف عنوان سے کافی مشہور رہ چکی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ بعض تم سے قربت رکھنے والے اب تک تمہارے بارے میں کوئی مستقل رائے نہ رکھتے تھے۔ اتنا بتانے کے بعد وہ یہ وضاحت بھی کرنے لگا تھا کہ تمہاری کسی بھی لغزش کو اُس نے کبھی سُنا تھا اور نہ آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اُس کی نظر میں تمہارا کردار لائق پرستش تھا۔ دلائل کی روشنی میں وہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ اکثر یوں بھی ہوتا ہے جب کوئی لڑکی اپنے معاشرے کی حدود سے ذرا سا باہر نکل کر ترقی پسند ہونے کی کوشش کرتی ہے یا پھر اِردگرد کے چند لوگوں کا اعتماد پاکر اُن سے بے تکلف ہو جاتی ہے تو باقی لوگ حسد کی بنا پر اُس لڑکی کے کردار کے ساتھ بے راہ روی کا اشتہار جوڑ دینا اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگتے ہیں اور یہ حق تھوڑا آگے بڑھکر ہماری آج کی سوسائٹی کا ایک المیہ بن گیا ہے۔ تمہارے کردار کے اِس المیے کا دوسرا سبب تمہارا حد سے زیادہ فیشن بھی تھا جسے تم نے زمانے کی نئی قدروں کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے لئے اپنا لیا تھا۔ شاید ایسا ہو بھی۔ لیکن میں اِن ساری باتوں سے دُور اپنے کسی اُدھورے خواب کی تکمیل میں کھو گیا تھا جہاں میری برسوں کی تلاش کے قدم تمہارے وجود کی پرچھائیوں پر ٹھہر گئے تھے —— گھر آکر بھی وہ بہت دیر تک تمہارا ذکر کرتا رہا اور میں تمہارے اُس ذکر میں اپنی منزل کے نشانوں کو تلاش کرتا رہا۔

دوسرے دن صبح کو تم ظہور کے یہاں آگئی تھیں۔ ابتدائی گفتگو کے بعد جب تم خود ہی کسی قدر بے تکلف ہو گئی تھیں تو میں نے بھی اجنبیت کے احساس کو پیچھے چھوڑ کر تمہارے ساتھ بات چیت کے وہ انداز اپنا لئے جن کی شاید تمہیں بھی تمنا تھی۔ تاریخ کا اسکالر ہونے کی وجہ سے تمہاری دلچسپی صرف مغلوں کے فنِ تعمیر ہی میں نہ تھی بلکہ ہندوستان کے اُن قدیم مندروں اور بدھ خانقاہوں کے طرزِ تعمیر میں بھی تھی جن کے بارے میں تم نے کبھی کتابوں میں پڑھا ہوگا۔ میں نے تمہیں وہ سب کچھ بتایا جو دیکھا تھا سُنا تھا اُس دن ہمیں ایک دوسرے کے مزاج اور دلچسپی کو سمجھنے میں بالکل دیر نہ لگی اور یوں ہمارے درمیان ماضی سے لیکر حال اور مستقبل تک کی باتوں کے سلسلے جُڑنے شروع ہو گئے تھے۔ میں نے تو محسوس کر لیا تھا شاید تم نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے قرب کے پیاسے تھے اور اب قربت مل گئی تھی تو اِن لمحوں کو ابدی بنانے کے لئے ہم گفتگو کے نئے نئے سہارے تلاش کرنے لگے تھے۔ ذرا سی دیر میں ہم نے بے شمار باتیں ایک دوسرے کے بارے میں معلوم کر لی تھیں۔ لیکن اُس بے تکلف اور خوشگوار ماحول میں باتیں کرتے کرتے جب اچانک تمہیں اپنی زندگی کی کوئی محرومی یاد آگئی تھی کہ تم اُداس ہو گئی تھیں۔ پھر ماحول اُداس ہو گیا تھا ساری فضا پر افسردگی چھائی تھی تب میں نے اِس افسردہ ماحول کو بدلتے ہوئے تم سے کہا تھا ——

”تم سے ملاقات ہونا میری خوش گوار یادوں میں ایک اضافہ ہے۔ لاہور

اگر تم سے میری ملاقات نہ ہوتی تو شاید میرا یہ سفر انتہائی غیر دلچسپ بن کر رہ جاتا۔"

میرے سوال احساسات کی ترجمانی کے جواب میں تم نے فلسفیانہ انداز میں یہ بتایا تھا۔

"بعض خواہشیں بھی عجیب سی ہوتی ہیں جن کا نہ کوئی نام ہوتا ہے اور نہ تصور لیکن وہ وقت کے کسی بھی تاثر سے دل میں جنم لے لیتی ہیں اور بغیر کسی جدوجہد کے پوری بھی ہو جاتی ہیں۔ ایسی کسی بھی خواہش کی تکمیل سے روح کو بہت سکون نصیب ہوتا ہے۔ مجھے نہ جانے کیوں آپ سے مل کر ایسے ہی سکون کا احساس ہو رہا ہے"

چند لمحے خاموش رہ کر تم نے پھر یہ بھی کہا تھا ——————

"آپ سے ملاقات کی آرزو اسی دن میرے دل میں پیدا ہو گئی تھی جب ظہور صاحب نے آپ کا ایک خط مجھے پڑھنے کے لئے دیا تھا۔ اُس خط میں آپ کی تحریر کا انداز اور اس میں بسی ہوئی یاسیت مجھے بے حد پسند آئی تھی۔ آپ کے حالات نہ

---

- ماں باپ تیری جنت ہیں اگر تو نے اُنھیں راضی کر لیا۔ ماں باپ دوزخ ہیں اگر وہ تجھ سے ناراض ہیں۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

- حاسد تمہاری خوشی سے غمگین ہوتا ہے۔ یہ اُس کے لئے کافی ہے۔ (تمہیں انتقام کی ضرورت نہیں، وہ خود اپنی آگ میں جل رہا ہے۔)

(حضرت عثمان غنیؓ)

- بخیل اور دے کر احسان جتانے والا، یہ سب جنت سے محروم ہیں۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

- صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ (حضرت ابو بکر صدیقؓ)

---

جانے کیوں مجھے اپنے ہی درد کی آواز محسوس ہونے لگے تھے، یا پھر اُن دنوں میرے اور آپ کے دکھ کسی ایک مرکز پر آ کر مل گئے تھے۔ آپ سے ملنے کی میں دل میں صرف آرزو ہی رکھ سکتی تھی۔ لیکن یہ میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ ایک دن یوں آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور اب ملاقات ہو گئی ہے تو میں نہ جانے کیوں اپنی بہت سی محرومیوں کو بھول گئی ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ مستقبل میں یہ ملاقات ہمیں قریب سے قریب تر کرتی رہے۔"

"خدا کرے مقصد ہمیشہ نیک رہے۔" میں نے گفتگو میں شوخی کا رنگ بھرنے کی خواہش میں مختصر سا جواب دے کر تمہارے ماضی پر ہلکی سی چوٹ کر دی تھی۔ کچھ لمحوں میں یکلخت تمہارے چہرے پر چھائی سرخی دوڑ گئی تھی اور بہت گمبھیر لہجے میں تم نے کہا تھا۔ "مرد بھی عجیب ہوتے ہیں کسی بھی ذہنی آسودگی یا وقتی مصلحت کی بنا پر جب کوئی عورت اُن سے ذرا بھی بے تکلف ہو جاتی ہے تو اُن کے ذہن [illegible] نہ کوئی مشکوک پہلو ضرور آ جاتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی لڑکا کسی لڑکی سے رعایتی انداز میں رشتہ نہ جوڑ کر اس کا دوست جیسا کردار بن جائے۔ مجھے [illegible] حیرت نہیں کہ آپ نے بھی اسی معیار سے الگ نہیں سوچا۔"

یہ کہتے کہتے تمہاری آواز جذبات میں ڈوب گئی تھی اور میں [illegible] گوئی سے متاثر ہو کر تمہاری عقیدت کی گہرائیوں میں ڈوب گیا تھا۔ ذرا دیر کے بعد جب اُن گہرائیوں سے اُبھر کر میں خیالوں کی سطح پر آیا تو تمہاری ہر بات کا جواب میرے ذہن میں آ چکا تھا ——————— اگرچہ تمہاری باتوں میں نہ برا ماننے کا [illegible] تھا نہ ہی لہجے میں کوئی تلخی تھی، صرف ایک جواب تھا یا پھر تمہارے ماضی [illegible] تجربہ تھا جس نے تمہیں یہ دُور اندیشی بخش دی تھی۔ پھر بھی مرد کے کردار پر تمہاری تنقید کا جواب دینے کے لئے میں نے تمہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مس جہاں! چاہنے اور چاہے جانے کا جذبہ انسان کے دل میں ازل سے ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وقت کے تقاضوں کے تحت اُن جذبوں کا کوئی بھی نام رکھ کر انہیں رشتوں میں باندھ لیا جاتا ہے۔ بات صرف سوچنے اور سمجھنے کی ہے۔"

میرے جواب سے تمہاری وہ تنقید ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی تھی اور میں پھر جواب کے انتظار میں تمہاری طرف دیکھنے لگا تھا۔ شاید میری باتوں کی گہرائی میں ڈوب کر اُس وقت تمہارے ہونٹوں کی سطح پر میری جانی پہچانی مسکراہٹ کی لکیر اُبھر آئی تھی اور تم نے شکست کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"وسیم صاحب! آپ کی ذہانت کی تو میں پہلے سے ہی معترف تھی۔ لیکن آج حاضر جوابی کی بھی قائل ہو گئی ہوں!" پہلی بار تمہارے منہ سے اپنا نام سن کر مجھے انتہائی اپنے پن کا احساس ہوا تھا۔

"شکریہ! ذرہ نوازی ہے آپ کی!" میں نے جواب میں کہا تو تم قہقہہ مار کر ہنس پڑی تھیں اور پھر میں بھی ہنسنے لگا تھا۔

تمہیں اپنی کسی دوست کے یہاں بچے کی سالگرہ پارٹی میں [illegible] تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تم چلی گئی تھیں۔

اُس کے بعد لارنس روڈ پر تمہارے گھر تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس دن تم نے شام کے کھانے پر مجھے مدعو کیا تھا۔ اِس بار گفتگو میں تمہاری [illegible] بھی شامل ہو گئی تھی۔ تم نے اپنے بارے میں وہ سب کچھ بتا دیا تھا [illegible] کا بھرپور اعتماد حاصل کرنے کے بعد بتا دیتا ہے۔ [illegible] کی کچھ ایسی ناقابلِ فراموش یادیں بھی تھیں جنہیں [illegible] ہلکا کرنا چاہتی تھیں۔ اُس دن تم نے اپنے بارے میں زیادہ [illegible]

کم ہی موقع دیا اور وہ آخری ملاقات میری واپسی کے دن کی ہے۔ بیکاری سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ایسی بارش میں ظہور کو میں نے اپنے ساتھ بس سٹیشن تک آنے سے منع کر دیا تھا۔ لاہور سے فیروز پور جانے کے لئے میں جب بس اسٹیشن پر پہنچا تو غیر متوقع وہاں تمہیں اپنا منتظر پاکر میں حیرت کے سمندروں میں ڈوب گیا تھا۔ ظہور سے جدا ہوتے ہوئے تم سے بھی ملنے کی دل میں شدید آرزو تھی۔ لیکن اُس آرزو کی تکمیل کو موسم کی خرابی نے شکوک میں بدل دیا تھا۔ مجھے یہ اُمید نہ رہی تھی کہ تم ایسے حالات میں مجھے الوداع کہنے وہاں آجاؤ گی۔ تم نے بتایا کہ تم بہت دیر سے میرا انتظار کر رہی تھیں ——— اُن لمحوں کو بھی میں آج تک نہیں بھولا ہوں اور نہ شاید کبھی بھول سکوں، جب میں بس میں سوار ہونے لگا تھا تو تمہارے وجود پر اُداسی چھا گئی تھی۔ تمہاری خاموش آنکھوں میں تمہارے آنسوؤں کی نمی کو میں نے دیکھ لیا تھا۔ جدائی کی اُن دلخراش ساعتوں میں تم نے سب سے زیادہ یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میرے ساتھ گذرے ہوئے وقت کا ہر لمحہ تمہاری زندگی کی خوشگوار یاد بن کر تمہاری تنہائیوں کو خوشیوں کی نوید سناتا رہے گا۔

اُس کے بعد تم سے میں پھر کبھی نہ مل سکا ——— اور نہ مستقبل ہی میں پھر کبھی تم سے ملنے کا امکان باقی رہ گیا ہے۔ تمہاری ذات سے وابستہ میری یادوں کی یہ شاہراہ صرف اُن ہی چند ملاقاتوں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اُس کے آگے ایک موڑ اور بھی ہے جو تمہارے بے شمار خطوط کی پگڈنڈی کی طرف مڑ جاتا ہے۔ تمہارے خطوط کی یہ حسین پگڈنڈی میرے خیال کے قدموں کو اُس وقت نصیب ہوئی جب میں گھر آگیا تھا اور مجھ سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق تمہارا پہلا خط مجھے ملا تھا۔ تمہارے اُس پہلے خط میں میری خیریت کی طلب تھی اور اُس طویل سفر کے تاثرات کی مانگ تھی جس میں تمہاری قربت کی خوشبوئیں تھیں اور تم سے کئے گئے عہد و پیمان کا اقرار تھا۔ میں نے ہر بات کا تفصیل سے جواب دیا اور تمہاری رفاقت میں بیتے ہوئے ہر ہر لمحے کی خوشگوار یاد کو دُہرا لیا۔

تمہارا خط پھر آیا ——— میں نے پھر جواب دے دیا۔

اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ تمہارے خطوط کی عبارت میرے لئے تمہاری شخصیت سے کہیں زیادہ پُراثر ثابت ہونے لگی۔ وہ یوں کہ ذاتی باتوں کے علاوہ کبھی تو تمہارے خط میں کالج کے کسی فنکشن کا انتہائی دلچسپ انداز میں آنکھوں دیکھا حال ہوتا تھا تو کبھی تمہارے خط میں تمہاری کسی ساتھی پروفیسر کا تعلیمی خاکہ بھی مزاحیہ انداز میں تحریر ہوتا تھا۔ یہ تذکرے اور اُن کا اندازِ بیان ہمیشہ ہی کسی نہ کسی عنوان سے میرے ادبی ذوق کی تسکین کا سامان بنے رہے۔ اسکے علاوہ بھی ایسی دو ہزار کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں جو تمہارے ماحول میں بکھری پڑی تھیں اور خط لکھتے وقت تمہارے قلم سے انتہائی پُرلطف بن جاتی تھیں ——— خط لکھنے کے آرٹ سے تمہیں پوری واقفیت تھی اور اُس واقفیت میں تمہارا ادبی ذوق اور سلیقہ ہمیشہ ہی شامل رہتا تھا۔

تمہارے خط آتے رہے اور میں اُن کے جواب دیتا رہا اور پھر ———

یوں ہماری خط و کتابت کے یہ سلسلے پابندی کی زنجیروں میں سمٹتے چلے گئے۔ تمہارے ہر خط کی روح میں بسے ہوئے بے پایاں خلوص اور اپنائیت کے جذبوں نے میرے دل کے نہاں خانوں میں تمہاری ذات کے لئے عقیدتوں کے بے شمار حصار بنا دئیے جن کے بیچ میں گھِر کر میں نے تمہارے بارے میں اور بھی زیادہ سوچنا شروع کر دیا۔ میری خوابیدہ سوچوں میں میرے اُٹھتے ہوئے جذبات مچل گئے جن کے مچلنے کا سہارا پاکر میرے خط کی عبارت کے الفاظ کو محبت کے ابدی نغموں سے ہم کنار ہونا پڑا۔ تمہارے احساس کی سماعت نے جب اِن نغموں کی نغمگی کو سُنا تو اُن کے ترنم کو تمہارے دل نے اپنے ہی

---

- ہم کاہلوں کو نہیں چاہتے۔ (جواہر لال نہرو)
- میں چاہتا ہوں کام! کام!! کام!!! (جواہر لال نہرو)
- کسی کا دل دُکھانا سب سے بڑا پاپ ہے۔ (مہاتما بدھ)
- سب سے بڑا دھن نیکی ہے۔ (شری کرشن جی)
- سب سے مدھر بانی سچی بات ہے۔ (شری کرشن جی)
- خدا سب سے بڑی صداقت ہے۔ (حضرت بابا گرو نانکؒ)
- عمل وہ آئینہ ہے جو ہماری صورت ہمیں دکھاتا ہے، اس لئے ہمیں عمل کا احساس ہونا چاہئے۔ (شری ونوبا جی)
- تنہائی میں بھی ہم کب تنہا ہوتے ہیں۔ (بائرن)

---

دل کی دھڑکنوں کو ساز بخش دیا اور پھر رومان کی اُن مقدس فضاؤں میں ایک ایسے ابدی گیت کی لے شروع ہو گئی جس کی صرف گنگناہٹ پر تمہارا دل اور میرا دل جُڑا دھڑکنے لگا۔ دل کے اُن گیتوں کی لے اور اُن کی ہم آہنگی نے ہمارے ارادوں کو یقین میں بدل دیا اور پھر ہم نے اپنے مستقبل کی کمندوں کو رفاقت کے آسمان کی ایسی رفعتوں پر پھینکنے کا منصوبہ بنا لیا جہاں تمہارا وجود میرے لئے تھا اور میرا وجود تمہارے لئے اور آخر کار اِس کہانی کے اختتام سے بے خبر ہو کر ہم اپنے راستوں میں آنے والے تاریک موڑ بھی بھول گئے۔

منزل ابھی دور تھی ——— کہ اچانک خیالوں کی کہکشاں سے میرا پاؤں پھسل گیا اور میں حقیقت کی اُس بستی میں جا گرا جہاں سے میں نے تمہاری منزل تک پہنچنے کے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اُن ہی دنوں مجھے تمہارا ایک خط ملا جس میں اُس

نے اپنی زندگی کے لئے تمہارے خیال ہر ایک سوچ اور ہر ایک ارادہ کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے مانگا تھا۔ میں تمہیں کبھی یہ نہ لکھ سکا اور نہ کبھی لکھوں گا کہ اُس خط کو پاکر جب میں نے تمہارے بارے میں سوچا تو میرے سامنے دو ملکوں کی طویل سرحدوں کے علاوہ ظہور کی دوستی بھی تھی جو مجھے تم سے زیادہ عزیز تھی، اس لئے میں نے یہی بہتر سمجھا کہ میں اپنے سفر کی اس دوپہر کو شکست خوردہ منزل کی شام میں بدل دوں اور تم سے وابستہ ہر حقیقت ہر تصور اور ہر یاد کو دل کے قید خانوں میں ہمیشہ کے لئے مقفل کر کے تمہیں بھول جاؤں۔ اسی لئے میں نے اپنا آخری فیصلہ اپنے عزیز دوست کے لئے قربانی کے انمول جذبے دے کر ایک اچھے دوست کی حیثیت سے تمہیں پھر خط لکھنے لگا۔ شاید پھر بھی تمہیں خط لکھتا رہا اور تمہارے خط پھر بھی مجھے ملتے رہے۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد پھر یوں بھی ہوا کہ تمہارے خطوط کی عبارت کے دائروں میں اچانک ایک پروفیسر کا چہرہ اُبھرا جو جوان تھا، خوبصورت تھا جس کی کشادہ پیشانی صرف ذہین ہی ہونے کی غماز نہ تھی جس کی پیاسی آنکھوں میں تمہاری بے پناہ چاہت کی قندیلیں روشن تھیں اور جن کی تابانی بھی تمہارے ہی خواب دیکھنے کی منتظر تھی۔ حال کے ان تابناک اُجالوں میں گم ہو کر جب تم نے اپنے کھوئے ہوئے مستقبل کی طرف نظر کی تو وہ تمہاری ہر تمنا کا جواب لئے ایک نئے اور حسین موڑ پر تمہارا منتظر تھا۔ تمہاری بکر جیل سے ترستے ہوئے اس شہزادہ نے جیسے ہی تمہارے دل کی راجدھانی کو جیتنے کی آرزو میں تمہاری سوچوں کی شہر پناہ کے دروازہ پر دستک دی، تمہارے احساس کی شدت نے اُس آواز کی بازگشت کو پہچان لیا اور پھر تم نے اپنی سوچوں کا دروازہ کھول دیا اور اُس کے وجود کی پرچھائیوں کو اپنی چاہتوں میں ہمیشہ کے لئے سمیٹ لیا۔ تم زندگی کی طویل راہ گزاروں کا سفر طے کرنے کے لئے کسی من چاہے ہم سفر کی متلاشی بن گئی تھیں اور وہ ہم سفر خود ہی تمہاری تلاش میں تمہارے قریب آپہنچا تھا۔ تمہاری مسرتوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُن دنوں تمہارے خطوط کی عبارت میں پھر ایک بار پیار کی ایک ایسی کہانی قید ہونی شروع ہو گئی جس کا آغاز بھی قہقہوں سے ہوا تھا اور جس کا اختتام بھی شاید قہقہوں پر ہی ہونا تھا۔

اُس کے بعد تمہارے خطوط میں نہ کالج کے واقعات رہے نہ کسی فنکشن کا آنکھوں دیکھا حال باقی رہا۔ صرف اِس پروفیسر کا وجود تمہارے ہر خط کی عبارت کا مرکز بن کر رہ گیا۔ اُن دنوں تمہارے آنے والے خطوط اپنی عبارت میں کبھی تو پورے چاند کی راتوں میں اُس پروفیسر کے ساتھ راوی پر تمہاری بوٹنگ کی کہانیاں کہتے، کبھی شالیمار گارڈن میں تمہاری اور اُس کی پکنک کے تذکرے سناتے اور اگر ان میں یہ سب کچھ نہ ہوتا تھا تو جہانگیر اور نور جہاں کے مقبروں کی خاموش محرابوں میں محبت میں کئے گئے عہد و پیمان ہوتے تھے۔ مجھے تمہاری ذات سے جو وابستگی ہو گئی تھی، اُس کی



حدود میں رہ کر تمہارے مستقبل کے بارے میں جو کچھ میں سوچ سکتا تھا سوچتا رہا۔ میری حیثیت اب ایک تماشائی جیسی بن گئی تھی۔ اس سے آگے تمہارے لئے نہ میں کچھ بن سکتا تھا نہ کچھ بننے کی آرزو ہی رہ گئی تھی۔ مجھے دُکھ بھی تھا اور خوشی بھی ——— خوشی اس بات کی تھی کہ تمہاری طوفان میں مچلتی ہوئی کشتی کی طرح زندگی کو ایک پُرسکون ساحل مل گیا تھا اور دُکھ تو صرف اس بات کا کہ ظہور نے میری شدید خواہش کے باوجود اس سلسلے میں پھر کبھی کوئی خط مجھے نہ لکھا۔ نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر تم نے بھی اپنے کسی خط میں کوئی وضاحت نہ کی ——— اور تمہاری وضاحت کی ضرورت بھی کیا تھی۔؟

مجھے یقین تھا کہ وہ پروفیسر میرا دوست ظہور ہی ہو سکتا ہے جس کا جمالیاتی شعور تمہیں اپنی پسند کی معراج بنا کر عمر بھر کے لئے تمہارا ہو جانے کی خواہش کی تکمیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تم نے بھی ایک طویل گفتگو کے دوران اپنی زندگی کی ہر تاریکی اور روشنی کو میرے سامنے پھیلا دیا تھا۔ میری دُور بینی نے اُس تاریکی یا روشنی میں کسی کو بھی تمہاری تلاش میں بھٹکتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تمہاری تنہائیوں میں ہلچل مچانے والے یہ نئے قدم میرے دوست ظہور کے علاوہ کسی اور کے نہیں ہو سکتے تھے۔

تمہاری ملاقاتوں سے شروع ہونے والی یادوں کی یہ شاہراہ اور اِس شاہراہ کا موڑ اور اُس موڑ سے شروع ہونے والی پگڈنڈی بس یہاں آکر ختم ہو جاتی ہے۔

یہ چند سال پہلے کی بات تھی ——— !!

اور یہ چند دن پہلے کی بات ہے ——— !! اچانک مجھے تمہاری شادی کا دعوت نامہ ملا۔ تمہارے ملک سے میرے ملک کے براہِ راست ڈاک کے راستے بند ہیں۔ اس لئے یہ کارڈ بحرین ہو کر میرے پاس آیا ہے اور آج بھی میری میز پر رکھا ہے۔ میں اُس وقت حیرت میں ڈوب گیا تھا اور اِس وقت بھی حیرت میں ڈوبا ہوا ہوں ——— شادی کے اِس کارڈ پر تمہارے نام کے ساتھ ظہور کا نام کیوں نہیں ہے؟

پروفیسر شکور شوق کا نام کیوں ہے؟

یہاں تک سوچنے کے بعد نہ جانے کیوں یہ میری سوچیں ساکت ہو جاتی ہیں۔ باہر بادل برس رہے ہیں ——— شاید کھل کر برس رہے ہیں اور میں آج شدید خواہش کے باوجود تمہیں کوئی خط نہیں لکھ رہا ہوں اور نہ شاید اب کبھی لکھ سکوں گا۔ نہ جانے کیوں ———؟

بیسویں صدی دہلی فروری ۱۹۷۳ء

# غزل

پروفیسر بیتاب پیلی بھیتی ایم۔ کام (علیگ)

نظریں ہم پہچان رہے ہیں | دل کی باتیں جان رہے ہیں
ریت کو پھر ہم چھان رہے ہیں | جھوٹ کو پھر سچ جان رہے ہیں
آپ کی دل جوئی کی خاطر | آپ کا کہنا مان رہے ہیں
دور رہے آنکھوں سے لیکن | دل میں تو مہمان رہے ہیں
آپ تصور کی دنیا میں | ہر لمحہ ہر آن رہے ہیں
ہائے رے یہ مجبوری تجھ کو | جان کے بھی انجان رہے ہیں
آپ کو سن کر حیرت ہوگی | آپ کو ہم پہچان رہے ہیں
میں نے تو اک بات کہی ہے | آپ برا کیوں مان رہے ہیں
کتنے ارماں میرے دل میں | برسوں تک مہمان رہے ہیں
ان کی میری بات نہ پوچھو | دو قالب اک جان رہے ہیں
جانِ تمنا تجھ پر میرے | جان و دل قربان رہے ہیں
اور کریں کیا تیری خاطر | خاک تو در در چھان رہے ہیں
یاد کرو جو ہم میں تم میں | کچھ عہد و پیمان رہے ہیں
دل یہ وہی ہے جس میں تیری | چاہت کے ارمان رہے ہیں
بات جو میں کہنا چاہتا ہوں | محفل میں سب جان رہے ہیں
دریا کی موجوں میں اکثر | پوشیدہ طوفان رہے ہیں

سن سن کر بیتاب کی باتیں
سب کے سب حیران رہے ہیں




Shilpi HPMA/49A/72 Urd

# لمس کی خوشبو

پروفیسر اسلم آزاد ایم۔ اے

شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ نمبر ۵

محترمی! عقیدتیں

چند دنوں پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے مل گیا ہوگا۔ میرا جموں و کشمیر کا پروگرام دفعتاً بن گیا اور یہ خط میں جموں سے لکھ رہا ہوں ——— کشمیر کی سُرمئی پہاڑیوں، گنگناتے آبشاروں، زعفران کی کیاریوں اور ڈل جھیل کے حسین اور دل آویز مناظر کو میں اپنی سُلگتی پلکوں میں مقید کر لوں گا۔ دیکھئے آپ کے لئے کشمیر سے کتنی کہانیاں لاتا ہوں۔ واپسی پر انشاءاللہ نیاز حاصل کرنے کی کوشش کروں گا ——— سالنامہ کے لئے "لمس کی خوشبو" بھیج رہا ہوں۔ یہ کہانی مجھے بے حد پسند ہے۔ کیونکہ یہ میرے احساسات کی پگھلی ہوئی تصویر ہے۔ یقین ہے کہ پہلی کہانیوں کی طرح یہ کہانی بھی قارئین کو پسند آئے گی ——— وصولیابی کی رسید اور آپ کی گرانقدر رائے کا انتظار رہے گا۔

نیاز کیش! ——— اسلم

★

میرا کمرہ سگریٹ کے دُھوئیں سے ملگجا ہو گیا ہے اور ہونٹ سُلگ اُٹھے ہیں۔ یادوں کی دُھند گہری ہو گئی ہے اور تمہاری ایک ایک بات، ایک ایک انداز یاد آ رہا ہے۔ سنو! جاگتی تنہائی کے سُلگتے لمحوں میں تمہیں میں کبھی یاد آیا ہوں؟ تصور میں تم نے کبھی میرا پیکر تراشا ہے؟ خوابوں کے جزیرے میں کبھی میں تمہارے شانہ بشانہ قدم بقدم چلا ہوں؟ تم میرے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر کبھی سُونی پگڈنڈیوں سے گذری ہو؟

لیکن یہ ساری باتیں تو کل ہی کی ہیں۔ کیا تم اُن لمحات کو بھول گئی ہو یا شعوری طور پر اُنہیں بھلا دینا چاہتی ہو؟ سُنو! وہ دن تمہیں یاد نہیں جب میں پہلی بار یونیورسٹی گیا تھا۔ ڈیپارٹمنٹ میں تم نشاط آرا، طلعت، رفعت، رخسانہ، روحی اور شاہینہ موجود تھیں۔ مجھے نو وارد سمجھ کر تم نے پکارا تھا اور میں بے حد سعادتمندی سے تمہارے سامنے کھڑا تمہاری باتیں سُن رہا تھا۔ تم نے بہت طنزیہ انداز میں کہا تھا: "اچھا تو آپ بھی نئے آئے ہیں؟ صورت سے تو ایسے نہیں معلوم ہوتے....." اور میں نروس ہو گیا تھا۔ کیونکہ تم لوگوں کے قہقہے دربھنگہ ہاؤس کی چھت اُڑا دینے کے لئے کافی تھے! خدا بھلا کرے پروفیسر محسن کا جو اُسی وقت وہاں پہنچ گئے اور میری جان میں جان آئی۔

کلاس میں اکثر سوالات پوچھے جاتے لیکن میں چُپ چاپ کسی کونے کی سیٹ پر بیٹھا خاموشی سے لکچر سُنا کرتا، ضروری (POINTS) نوٹ کرتا یا (SKETCHES) بناتا رہتا۔ خصوصاً پروفیسر محسن کے کلاس میں۔ کیونکہ اُن کے لکچرز بہت ہی خشک ہوتے۔ بظاہر میرا قلم چلتا رہتا لیکن میں کسی کہانی کے تانے بانے میں اُلجھا رہتا یا یوں ہی ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچتا رہتا۔ کچھ لوگوں کے نام لکھتا اور کاٹتا، کاٹتا اور لکھتا اور اسی طرح پیریڈ گذر جاتا۔

ایک دن پروفیسر ممتاز نے کلاس روم میں پوچھ لیا تم لوگوں میں کون کون کہانیاں لکھتا ہے؟ جاوید نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ کلاس ختم ہونے کے بعد تم میرے پاس آئیں اور کہا "اچھا تو آپ کہانیاں لکھتے ہیں؟" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تم نے پھر طنز کیا تھا "کیا آپ نے چُپ کا روزہ رکھ چھوڑا ہے

کہانی کار صاحب بہ صورت سے کہانی کار تو کم، لیکن فلسفی زیادہ معلوم ہوتے ہیں! تمہاری مسکراہٹ کا زہر میری رگوں میں بس گیا اور میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا۔

پھر تم میری دوست بن گئیں۔ ہم دونوں میر کی غزل، تاج کے حسن، ہمالہ کی بلندی، قطب مینار کے وقار اور لال قلعہ کی عظمت کے بارے میں گفتگو کرتے۔ ڈیپارٹمنٹ، یونیورسٹی یا سیمینار کی لائبریری میں بیٹھ کر ایک ہی موضوع پہ بہت سی کتابیں پڑھتے، تبادلۂ خیال ہوتا، بحثیں کرتے۔ تم اپنی رائے کا انطباق مجھ پر کرنا چاہتیں، لیکن میں اپنے خیالات پر اٹل رہتا، کیوں کہ مجھے ہمیشہ اپنے فیصلے پر اعتماد رہا ہے۔ بلا سے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں آج گم کردۂ راہ ہوں۔ کوچہ کوچہ قریہ قریہ بھٹک رہا ہوں۔ لہولہان ہو گئے ہیں میرے تلوے۔

سنو! تم نے ایک دن کہا تھا: "مرد بے وفا ہوتے ہیں، سنگ دل اور پتھر صفت۔ میں یہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم کل مجھے بھول جاؤ گے۔ پکاسو بھی آج یہ بھول گیا ہے کہ اولیور کون تھی۔ پکاسو جو ایک عظیم آرٹسٹ ہے۔ اولیور کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں کہ اُس کے بیشتر لمحے اولیور کے ساتھ گذرے ہیں۔ آخر ٹھہرا نا فنکار..... پاگل.....!" میں نے جواب دیا تھا: "اولیور پکاسو کی تصویروں، اُس کے طرزِ زندگی اور اُس کی مفلوک الحالی تک سے ٹوٹ کر پیار کرتی تھی۔ ایک ایک چیز کے لئے پریشان اور محتاج تھا پکاسو ان دنوں۔ پھر بھی وہ دونوں کتنے خوش تھے اور بے فکر! ایسی خوشیاں زندگی میں بہت کم آتی ہیں جیسے پہاڑی شہروں میں سردیوں کے موسم میں خوشگوار اور اجلی دھوپ نظر آتی ہے۔ جانتی ہو اولیور کا خیال بس یہی تھا کہ کھانا کپڑا آسائش نہ سہی، ایک پیالی گرم کافی ہو، بہت ساری کتابیں ہوں، تخت پہ نرم گدا پڑا رہے اور گدے پہ پکاسو ہو تو گزارہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ کیوں کہ تمہیں اولیور کی طرح نہ میرے فن سے محبت ہے اور نہ میری شخصیت سے۔" تم نے اپنی نگاہیں جھکا لی تھیں۔ شاید کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا تمہیں۔

---

مئی کا تپتا مہینہ تھا۔ طوفانی ہواؤں کے جھکڑ دربھنگہ ہاؤس کے اونچے درختوں، گھنی جھاڑیوں اور خود رَو پودوں میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ تمہاری شخصیت، جس میں ایک عجیب تمکنت اور وقار تھا۔ اِس ادائے بے نیازی نے پتہ نہیں کتنوں کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔ دوسرے شعبے کے طلبا بھی تمہیں دیکھنے آتے، جملہ بازی کرتے، لیکن تم اُن کی ساری باتوں اور حرکتوں سے بے پروا اپنی دنیا میں مگن رہتیں، کھوئی رہتیں۔ غالباً گرمی کی چھٹیاں ہونے والی تھیں اور یونیورسٹی کا آخری دن تھا۔ چند طلبا کے گروپ نے تمہیں بُری طرح چھیڑا تھا۔ تم ڈر گئی تھیں۔ مناظر، ظفر اور فہیم نے آ کر مجھے ساری باتیں بتائیں۔ پھر تم متوحش اور پریشان سی میرے پاس پہونچیں۔ اُس وقت تم اُس مستِ خرام ہرنی کی طرح معلوم ہو رہی تھیں جسے بے آب و گیاہ ریگستان میں شکاریوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو اور پناہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو۔ میرے پوچھنے پر تمہاری پلکیں (جن پر اکثر مجھے کیکٹس کے نوکیلے کانٹوں کا گمان ہوا ہے۔ جن کے دیئے ہوئے زخم ابھی تک رِس رہے ہیں میرے دل میں۔ تم اُنھیں دیکھ نہیں سکتیں جن کی ٹیسیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ یہ تو میں جانتا ہوں، میں محسوس کرتا ہوں اور صرف میں) جھکی رہی تھیں۔ میں بہ غور تمہارے آتشیں پیکر کا جائزہ لے رہا تھا کہ تم نے اپنی نگاہیں اُٹھائیں اور میرے دیان چہرے پر تمہاری نظریں بھٹکنے لگیں۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں پھوپھی جان کے یہاں سبزی باغ چھوڑ آؤں۔ کیوں کہ تم اب بھی خوف زدہ تھیں۔ کہیں لڑکوں نے راستے میں تنہا دیکھ کر..... میں تمہارے جذبات اور احساسات بخوبی سمجھ رہا تھا۔ لیکن سوچ رہا تھا کہ لڑکیوں کی یہ عمر تو اُس پہاڑی ندی کی طرح ہوتی ہے جس کا شور، تلاطم اور طوفان خیزی چٹانوں اور پتھروں تک کو بہا لے جاتی ہے۔ سنگ ریزوں اور تنکوں کی بھلا کیا حقیقت؟ اُن پاگل لڑکوں کا کیا قصور؟ میٹھے میٹھے، کالے کالے رس بھرے شہتوت کو دیکھ کر بچّے تو پتھر مارتے ہی ہیں۔ میں تمہیں سبزی باغ پہونچا آیا۔ پھوپھی جان کے یہاں۔ کیوں کہ اُن کا مکان یونیورسٹی سے قریب ہی تھا اور تمہارا گوارشہر میل دور تھا۔ تم رکشے میں میری بغل میں بیٹھی تھیں۔ تمہاری مہکتی سانسوں کی گرمی۔ خوابگوں قرب کی خوشبو اور شبنمی لمس کی دھیمی آگ مجھے بے خود بنا دینے کے لئے کافی نہیں تھی کیا؟ سنو! جب بھی مئی کا تپتا مہینہ آتا ہے، لُو چلتی ہے، جھکڑ ولیے ہی آتے ہیں۔ تم بہت یاد آتی ہو۔ جلتی دھوپ میں ایک ٹھنڈا سا سایہ بن کر میرے وجود پر چھا جاتی ہو۔ خیالوں میں بس جاتی ہو۔

آج بھی جب شام کے دُھندلکے گہرے ہو جاتے ہیں، بازار، گلیاں، کوچے اور شاہراہوں پر انسانوں کا سیلاب امڈ آتا ہے

برقی قمقموں کی جگمگاہٹ آنکھوں کو خیرہ کرنے لگتی ہے۔ نت نئے شاداب چہرے، کھلکھلاتے قہقہے، نرم فضاؤں میں بھیگی ہوئی خوشبوئیں اور زرق برق ملبوسات پر نگاہ پڑتی ہے تو نہ جانے کیوں اُداسی بڑھ جاتی ہے۔ تنہائی کا احساس شدید ہو جاتا ہے، میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کی لکیر اُبھرتی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے، ایک پل کے لئے اور میں اپنے ہونٹوں کو بھینچ لیتا ہوں۔ میرے ہونٹ لہولہان ہو جاتے ہیں۔ دانتوں کی گرفت کے باعث اور سوڈا فاؤنٹین کی اُسی کونے کی میز پر اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپائے بیٹھا رہتا ہوں۔ سوچتا رہتا ہوں اور کبھی کبھی بالوں اور آنکھوں کو اپنی کھردری اُنگلیوں سے مسلتا رہتا ہوں۔ سوڈا فاؤنٹین کی وہی عمارت، وہی لان، وہی میزیں، وہی پھولوں کی کیاریاں اور وہی ماحول۔ مدھم مدھم روشنی، سرگوشیوں کی آوازیں، چوڑیوں کی کھنک اور سگریٹ کا دھواں! تمہیں یاد ہے جب میں نے اپنی مخصوص میز پر تمہارے نام کے ساتھ اپنا نام کھود دیا تھا۔ جانتی ہو نام اب بھی کھدا ہوا ہے۔ لیکن صرف تمہارا! میرے نام کو کسی نے مٹا دیا ہے۔ پھر بھی دھندلے دھندلے حروف میں پڑھ لیتا ہوں۔ شاید کوئی دوسرا نہیں پڑھ سکتا۔ میرے ہونٹوں پہ پھر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے، آنکھیں سکڑ جاتی ہیں اور چند لمحوں کے لئے جلتی پلکوں پہ شبنمی ٹھنڈک کا قرب محسوس ہوتا ہے۔ پناما کے ڈبے میں بچے ہوئے آخری سگریٹ کو نکال کر کافی کا آرڈر دے دیتا ہوں۔ کبھی کبھی بے دودھ کی اور کبھی کبھی شکر کے بغیر کتنی اچھی لگتی ہے کافی؟ شنو! میٹھی کافی وہ پیتے ہیں جن کی زندگی میں تلخی ہوتی ہے، زہر ہوتا ہے۔

پونم کی وہ رات یاد ہے تمہیں جب سارا شہر خاموشی اور سکوت کی چادر میں لپٹا سو رہا تھا۔ مارچ کی ٹھنڈی سی اور خنک رات۔ ہم دونوں نے بوٹنگ کا پروگرام بنایا تھا۔ ایک چھوٹی سی سبک کشتی گنگا کے نیلگوں پانی کی ہلکی لہروں پر تیرنے لگی۔ میں آہستہ آہستہ چپو چلا رہا تھا۔ دور تک گہرا سناٹا اور دھند بادل لہرا رہے تھے۔ اب تو کیفے ٹیریا کی روشنی بھی دور اور مدھم ہونے لگی تھی۔ کشتی سبک خرامی سے چاندنی کے دریا کی جانب بڑھ رہی تھی۔ دفعتاً نہ جانے کیا ہوا ہے کہ چپو میرے ہاتھوں سے چھوٹ کر کشتی میں رہ گیا اور میں تمہارے روبرو بیٹھ کر بالوں کی اُس شوخ لٹ کو ہٹانے لگا تھا جو تمہارے شہابی رخساروں سے کھیل رہی تھی۔ پھر میں نے تمہارے چہرے کے صحیفے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اُس کی تحریر کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگا تھا لیکن تمہاری پلکیں بوجھل اور خوابناک ہونے لگی تھیں۔ تم پر عجیب خمار اور مدہوشی



سی طاری ہوگئی تھی اور تم لہرا کر درخت سے ٹوٹے ہوئے پتے کی مانند میری آغوش میں آگری تھیں۔ اور پھر .... چاند جھک کر بہت نیچے آگیا تھا۔ گنگا کی لہریں جیسے خاموش ہوگئی تھیں۔ تم نیم وا آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ تمہارے چہرے پر سکون تھا اور ہونٹوں پر بے حد دل آویز مسکراہٹ جیسے گلاب کی کومل پنکھڑیوں کو شبنم کی بوندوں نے دھو دیا ہو! ہم بوٹنگ سے اُس وقت لوٹے تھے جب پو پھٹ رہی تھی۔ چاند پچھم کی طرف دھندلے درختوں کے سروں کو چھو رہا تھا اور گرجا کے پاس اشوک کے اونچے پیڑوں پر چڑیوں کا شور بلند ہونے لگا تھا۔ تمہیں آج اس کا احساس ہے کہ اُس رات چاند کیوں جھک آیا تھا؟ دریا کی بے قرار اور متلاطم لہریں کیوں خاموش ہوگئی تھیں؟ دور آسمان کی پہنائیوں میں ستاروں کا حسن کیوں بڑھ گیا تھا؟ میں جانتا ہوں تمہارا حقیقت پسندی کا اصول بے معنی، لغو اور بے بنیاد ہے۔ کیوں کہ تم اب بھی تنہائی میں جب اُن لمحات کو یاد کرتی ہو جو منجمد ہو گئے ہیں، مقید ہو گئے [illegible] بیٹھی گلاس میں تیرتی ہوئی ان رنگین مچھلیوں کو دیکھتی [illegible] رہتی ہو اور کبھی کبھی تمہاری سانسیں رکنے سی لگتی ہیں۔ [illegible] کرب، گھٹن اور تشنگی کے احساس

کو بار بار جھکنا چاہتی ہو۔ لیکن شعوری کوششوں کے باوجود ایسا نہیں ہوتا جو تم چاہتی ہو۔ اور میں، میرا تصور، میری باتیں تمہیں یاد آتی ہیں اور آتی ہی چلی جاتی ہیں جیسے ساون کے مہینے میں بوندا باندی کا لامتناہی سلسلہ۔ کیا میں یہ سب جھوٹ کہہ رہا ہوں؟ بظاہر تم انکار ہی کر سکتی ہو لیکن آنکھیں جذبات اور احساسات کی عکاسی ہوتی ہیں۔ ذرا اپنے سراپا کا آئینہ میں جائزہ لے کر دیکھو تو ساری حقیقت تم پر واضح ہو جائے گی۔ سنو! حقیقت پسندی کے اِس مصنوعی لبادہ کو تم اُتار کیوں نہیں پھینکتیں؟ ورنہ جانتی ہو ساری عمر یوں ہی سُلگتی اور پگھلتی رہو گی!

# غزلیں

شکیل آشنا عاصم بریلوی ایم۔اے، ایم ہام، بی۔ٹی

رُخ سے ترے یہ زُلفِ رسا ہم کلام ہے؟
یا صبحِ دِلنواز کے پہلو میں شام ہے؟

کیوں یہ تمہاری آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے؟
رودادِ غم ابھی تو مری ناتمام ہے

اِک خارزارِ غم ہے محبت کی رہ گذر
اس میں خوشی کا نام بھی لینا حرام ہے

کہتے ہیں جس کو عشق وہ میری نگاہ میں
اے ہم نشیں اِک آتشِ پنہاں کا نام ہے

دامن ہے تار تار گریباں ہے چاک چاک
اے فصلِ گل یہ تیرے لیے اہتمام ہے

دیکھا کبھی جو رنگِ رُخ اُن کا اُڑا اُڑا
ایسا لگا کہ گہن میں ماہِ تمام ہے

کتنا عجیب تر ہے یہ دستورِ عاشقی!
رونا ہے اِس میں جرم تو ہنسنا حرام ہے

محسوس ہو رہا ہے کہ ہوں زندگی سے دُور
تجھ بن حیات ہیچ ہے جینا حرام ہے

عاصم غمِ حبیب کے بدلے میں جو ملے
اُس خُلد کو بھی دُور سے میرا سلام ہے

رشی پشاوری

غمِ ہستی میں کچھ ایسے بھی لمحے اکثر آتے ہیں
زباں پر آہ پلکوں پر ستارے جھلملاتے ہیں

ہم آغوشِ رگِ جاں ہیں وہ اکثر دُور ہو کر بھی
کبھی نزدیک ہونے پر بھی اُن کو دُور پاتے ہیں

ہزار ارماں شکن ہے یہ تاثر نامُرادی کا
مگر اُمید کہتی ہے: ابھی وہ آئے جاتے ہیں

ترے پیکر کی خوشبو پھیل جاتی ہے فضاؤں میں
نسیمِ صبح کے جھونکے ترا پیغام لاتے ہیں

لکیریں کھینچ دے جیسے کوئی کاغذ پہ بے مطلب
یُونہیں ربط و تعلق کے فسانے بنتے جاتے ہیں

سرابوں سے علاجِ تشنہ کامی ہو نہیں سکتا
خلا میں ہم اُمیدوں کے گھروندے تو بناتے [illegible]

فسانے مختصر ہونے پہ بھی ہوتے ہیں طولانی
بہ عنوانِ محبت جب کہیں دہرائے جاتے ہیں

جہاں مہر و وفا کا نام تک لیتا نہ ہو کوئی
وہاں کیا سوچ کر شمعِ محبت ہم جلاتے [illegible]

رشی یکبارگی دِل دِل سے ملنے کی نہیں صورت
یہ مانا درمیانی فاصلے کم ہوتے جاتے [illegible]

# شگوفے

پروفیسر مہندر پرتاپ چاند ایم۔ اے

ڈیپارٹمنٹ آف لائبریری سائنس، کوروکشیتر یونیورسٹی لائبریری، کوروکشیتر (ہریانہ)

قبلہ و کعبہ! آداب

آپ کے دونوں کرم نامے موصول ہو گئے ہیں۔ لیجئے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں "سالنامے" کے لئے کچھ "شگوفے" بھیج رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہی نہیں یقین ہے کہ آپ اور قارئینِ "بیسویں صدی" انھیں بھی پہلے کی طرح پسند فرمائیں گے اور شرفِ قبولیت بخشیں گے...

آپ کا ممنونِ محبت

—— مہندر پرتاپ چاند

★

حضرتِ قیس، جالندھری قصبہ تسی کلاں (ضلع ہوشیار پور) کے رہنے والے ہیں۔ یہ علاقہ آموں کے لئے بہت مشہور ہے۔ سادھو سنت زیادہ تعداد میں یہ موسم وہیں جاکر گزارتے ہیں۔

قیس صاحب کے ایک گورو بھائی جنابِ ساگر نکودری نے ایک بار قیس صاحب کو لکھا: "ہم آموں کی فصل میں آپ کے پاس پہنچ رہے ہیں۔"

قیس صاحب نے بے تکلفی سے جواب لکھ دیا: "ساگر بھائی! کیا ڈاکٹر نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے؟ اِس بار فصل اچھی نہیں۔ آم بھی اچھے نہیں۔"

(واقعی ساگر صاحب بیمار تھے اور ڈاکٹر ہی نے مشورہ دیا تھا)

جنابِ قیس نے بعد میں اِس خط و کتابت کا ذِکر اپنے ایک مقامی مہربان سے کیا کہ ایک دوست کو آموں کے سلسلے میں یہاں آنے سے منع کر دیا ہے، تو وہ کہنے لگے: "دوستوں کے لئے آموں کا باغ ہی اِمسال خرید لیا ہے۔ اپنے دوست کو لکھ دیجئے کہ سب دوستوں کے ساتھ آجائیں۔"

قیس صاحب نے دُوسرا خط لکھ دیا، مگر ساگر تنہا ہی آئے اور دو یک دن کے بعد واپس چلے گئے۔

اُس کے بعد نکودر کے مشاعرے میں قیس صاحب شریک ہوئے تو ساگر صاحب نے اپنے دولت کدے پر ایک غزل سُنائی۔ مقطع تھا ؎

حضرتِ ساگر! یہ خط لکھ دو جنابِ قیس کو
آئیں گے آموں کی رُت میں ہم تمہارے شہر میں!

واپسی پر قیس صاحب نے ساگر صاحب کو پھر ایک خط لکھا کہ دوستوں کے ساتھ ضرور تشریف لایئے۔ لیکن جواب مِلا۔ "میں نہ آسکوں گا۔ مقطع ہی کافی ہے!"

بار بار لکھنے پر بھی جب ساگر صاحب نہ گئے تو جنابِ قیس نے یہ شعر اُنھیں لکھ بھیجا ؎

ہو گئیں آنکھیں سفید آخرکار
حسرتِ دید کا انجام نہ پُوچھ!

---

حضرتِ ہما ہرنالوی کی خط و کتابت کلام کی اصلاح کے سلسلے میں اپنے اُستاد قبلہ جوشؔ ملسیانی سے باقاعدگی کے ساتھ جاری

رہتی تھی۔ کچھ دنوں تک سلسلہ قائم نہ رہ سکا اور تہنا صاحب نے جوش صاحب کو خط لکھا جو ندامت کا اظہار تھا۔ صرف ایک مصرع درج کر دیا ؏

بندہ کا مُہر بہ لب ہوں میں ثنا خواں تیرا

اِدھر اُستاد محترم نے بھی جواب میں ایک مصرع لکھ بھیجا اور مطلع مکمل ہو گیا ؏

دل میں رکھتا ہوں مقفّل غمِ پنہاں تیرا

---

تہنا صاحب نے ایک بار جگن ناتھ آزاد سے اصلاح کے لئے غزلیں جوش صاحب کی خدمت میں بھیجیں لیکن لفافے پر ٹکٹ چسپاں کرنا بھول گئے اور وہ بیرنگ ہو گیا۔ حضرت جوش ملسیانی نے کلام درست کر کے واپس بھیجا تو یہ فقرہ بھی لکھ دیا۔
"اگرچہ لفافہ بے رنگ تھا مگر بہت سی رنگینیوں کا حامل تھا!"
یہ پڑھ کر تہنا صاحب کچھ نادم بھی ہوئے اور بے حد محظوظ بھی!

---

قریباً بیس سال ہوئے شملے کے ایک کُل ہند مشاعرے میں رشی پٹیالوی صاحب نے غزل پڑھی، مطلع تھا ؎

سرِ راہ اِک حادثا ہو گیا
اچانک ترا سامنا ہو گیا

مشاعرے کے اختتام پر جناب روش صدیقی، رشی صاحب سے مخاطب ہوئے "آپ کا مصرع ہمارے مصرعے سے لڑ گیا ہے!" اور یہ شعر پڑھا ؎

چلے تھے زمانے سے مُنہ موڑ کر
یکایک ترا سامنا ہو گیا

قیس جالندھری جو اِس گفتگو کو توجہ سے سُن رہے تھے چلم میں تمباکو کا کش لگا کر (سگریٹ وہ نہیں پیتے) کہا۔
"روش صاحب! 'اچانک' اور 'یکایک' کے فرق پر بھی تو نظر ڈالئے!"
"'اچانک' اور 'یکایک' میں کتنا فرق ہے؟" روش صاحب نے پوچھا۔
پنڈت ہری چند اختر مرحوم جن کی حاضر جوابی مشہورِ زماں ہے فوراً بول اُٹھے "'اچانک' اور 'یکایک' میں اُتنا ہی فرق ہے جتنا رشی اور روش میں! مزید وضاحت کی ضرورت ہو تو رشی اور روش کو لڑا کر دیکھ لیجئے دونوں کے مصرعے جو لڑ گئے ہیں!"
پنڈت جی کی گُل فشانی پر محفل تو قہقہہ زار بن گئی، لیکن روش صاحب دیکھتے ہی رہ گئے۔

---

تقسیمِ وطن سے بہت پہلے کی بات ہے۔ رشی پٹیالوی جو فرعونیت سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے اور حق گوئی کو اصول بنائے رکھا، بنک آف پٹیالہ میں ملازم تھے۔ ایک بار وہ "ویکلی" (ہفتہ وار) حساب کی فرد وقت پر پیش نہ کر سکے تو افسرِ اعلیٰ کے حکم سے اُن کی تنخواہ اُس وقت تک عارضی طور پر روک دی گئی جب تک "ویکلی" پیش نہ ہو۔ ساتھ ہی جواب طلبی بھی ہوئی۔
رشی صاحب نے جواب طلبی کے جواب میں فی البدیہہ یہ اشعار لکھ کر بھیج دیئے ؎

---



مجھ کو سزا ملی ہے بڑے سخت کام کی
تنخواہ رُک گئی ہے کہ "پینڈنگ" ہے ویکل"
تنخواہ کے بغیر گزارہ محال ہے
گھر کی جو پوچھیئے تو نہ آٹا نہ دال ہے!
صاحب اِدھر خفا ہے تو بیوی اُدھر خفا
بگڑا ہے کچھ عجیب طرح یہ مُعاملا!
ایسے میں لاکے زہر پلادے کوئی مجھے!
مُلکِ عدم کی راہ دکھا دے کوئی مجھے

اِس پر افسرِ اعلیٰ اِس قدر متاثر ہُوا کہ تنخواہ کی ترسیل کا حُکم جاری ہو گیا اور رتشی صاحب کو ایک کلرک بھی معاون کے طور پر مِل گیا۔

---

ایک دن ابُوالاثر حفیظ جالندھری نے قیس جالندھری اور ساحر سیالکوٹی سے ایک مصرع پر غزلیں لکھنے کے لئے کہا۔ دونوں نے اگلے دن غزلیں سُنائیں۔ حفیظ خوش ہوئے۔ لیکن ساحر صاحب سے کہا: "آپ نے 'تلوار' کا قافیہ چھوڑ دیا۔"

ساحر صاحب نے تھوڑی دیر کے بعد یہ شعر سُنایا تو حفیظ صاحب نے بہت داد دی ؎

نازک سے ہاتھ، نرم کلائی، ذرا سا دل
ہنستا ہوں اُن کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

---

ٹھاکر رتن سنگھ کلیم جنابِ جوش ملسیانی کے پُرانے شاگردوں میں سے ہیں۔ کلیم صاحب نے غزل اصلاح کے لئے بھیجی تو یہ بھی لکھا۔

"قبلہ! کلام کی اصلاح تو آپ فرماتے ہیں۔ لیکن میں جو کچھ نثر میں لکھتا ہوں اُس میں بھی بہت سی غلطیاں ہوتی ہوں گی۔ براہِ کرم اُن کی بھی اصلاح فرما دیا کیجیے تاکہ میں نثر لکھنا بھی سیکھ جاؤں۔"

جوش صاحب نے جواب میں لکھا: "بچوں کی تُتلی باتیں بہت پیاری لگتی ہیں۔"

---

ابُوالحماقت عاشق جالندھری اَن پڑھ پہلوان تھے۔ جالندھر کے مضافات میں بستی غزاں کے رہنے والے۔ اُن کا ایک مطلع ہے ؎

کیا پوچھتے ہو؟ حضرتِ عاشق کہاں کے ہیں؟
بستی غزاں میں رہتے ہیں، بستی غزاں کے ہیں

نکودر کا طرحی مشاعرہ تھا۔ عاشق صاحب نے اپنی باری پر غزل پیش کی۔ مطلع کا یہ مصرع اُولٰی جب اُنھوں نے دُوسری بار پڑھا تو ایک "من چلے" نے کہہ دیا داغ کا مصرع ہے ؏

"جو عاشقی میں خاک ہُوا، کیمیا ہُوا"

عاشق صاحب نے جواب دیا: "جی ہاں۔ مجھے بھی اِس کی ملکیت کا دعویٰ نہیں۔ مصرعِ ثانی ملاحظہ فرمائیں ؏

"گلزارِ داغ" میں ہے یہ مصرع لِکھا ہُوا

مُعترض لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا اور عاشق صاحب نے یہ مطلع ایک بار پھر شان سے یوں دُہرایا ؎

"جو عاشقی میں خاک ہُوا، کیمیا ہُوا"
"گلزارِ داغ" میں ہے یہ مصرع لِکھا ہُوا

---

اُردو کالج جالندھر کے پرنسپل کے۔ ایل۔ چوپڑہ نیرنگ کی خدمت میں ایک سردار صاحب حاضر ہوئے اور "ادیب" کی تعلیم حاصِل کرنے کے سِلسلے میں درخواست کی۔ اُنھوں نے پنجابی میں تعلیم حاصِل کی تھی۔ نیرنگ صاحب نے اُنھیں "ادیب" کی جماعت میں داخل کر لیا اور محنت کے ساتھ الف، بے پڑھانے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد سردار صاحب کو ایک مختصر سا مضمون لکھنے کے لئے کہا گیا تو وہ بہت سے الفاظ غلط لِکھ کر لائے۔ مثلاً "غلط" کو "گلت" لِکھ دیا اور "تصدیق" "تسدیک"۔ نیرنگ صاحب نے اِصلاح کر دی۔

اِسی طرح ایک بار پھر سردار صاحب نے بہت سے غلط الفاظ لکھے۔ مثلاً "لفظ" کو "لپھج" لِکھ دیا۔ نیرنگ صاحب مُسکرا کر کہنے لگے: "سردار صاحب! آپ تو اپنا نام بھی غلط لِکھتے ہیں!"

سردار صاحب نے کہا: "نہیں تو صاحب! دُرست لکھتا ہوں۔ یوں، ساون سنگھ۔"

نیرنگ صاحب نے کہا: "آئندہ اِس طرح لِکھا کرو۔ صاون سنگھ!"

سردار صاحب پھر بھی بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے اور نہایت سنجیدگی اور فرمانبرداری سے جواب دیا: "بہت اچھا جناب! آئندہ خیال رکھوں گا!"

---

چنڈی گڑھ کے ایک مشاعرہ میں جس میں بیشتر تعداد "گلے باز" شعراء کی تھی۔ حضرت طالب پانی پتی نے مندرجہ ذیل قطعہ پڑھ کر سامعین سے داد و تحسین حاصل کی ؎

نغمہ و شعر مجھے باعثِ اعزاز نہیں
طلبِ شہرت کی ذرا حرص نہیں، آز نہیں
تجھ سے شکوہ ہے مجھے میرے بنانے والے!
میری آواز میں موسیقیِ آواز نہیں

---

پروفیسر اخگر شہابی ۱۴ سال تک دیال سنگھ کالج کرنال میں اردو و فارسی کے لیکچرار رہے۔ ایک صبح اچانک انھیں کالج ٹرسٹ اور پرنسپل صاحب کی طرف سے نوٹس ملا کہ اگلے "سیشن" (Session) سے اُن کا شعبہ بند کیا جا رہا ہے، لہٰذا انھیں ایک سال کا نوٹس دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی نوکری کا کہیں اور انتظام کرلیں۔ اخگر صاحب کی شاعرانہ غیرت کو چوٹ لگی اور انھوں نے اُسی وقت استعفیٰ دے دیا اور اگلے ہی دن سے کالج جانا بند کر دیا۔ منتظمینِ کالج نے حیران ہو کر جب اُن سے اِس کی وجہ پوچھی تو اخگر صاحب نے جواب میں محض یہ قطعہ پیش کرکے اپنے جذبات کا اظہار کیا ؎

میری رضا ہیں کسی کی سہوں، سہوں نہ سہوں
میں آؤں جاؤں کہیں یا کہیں رہوں نہ رہوں
نہ سُننے والی تو جی ہاں ہزار سُنتے ہو
نہ کہنے والی بھی اِک ہے کہو کہوں ؟ نہ کہوں ؟

---

شری گیان چند منصور اپنے اُستاد جنابِ نسیم نورمحلی (مرحوم) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسمی بات چیت کے بعد غزل اصلاح کے لئے پیش کی تو اُستاد نے فرمایا: "شام کو دیکھ دوں گا۔" مگر منصور صاحب نے التجا کی "میں جلد جالندھر واپس جانا چاہتا ہوں۔ کل دفتر میں حاضری ہے۔"

نسیم صاحب نے کہا: "چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے نوش کرو۔ میں غزل دیکھتا ہوں۔" ایک بار سرسری نظر سے پڑھ کر نسیم صاحب کہنے لگے: "غزل اچھی ہے میں اصلاح کرتا ہوں۔ آپ "ہَوا" کا قافیہ باندھنے کی کوشش کریں یہ رہ گیا ہے۔"

اِصلاح ہو چکی تو منصور نے کہا: "قبلہ! یہ شعر بھی دیکھ لیجئے "ہَوا" کے قافیے میں ؎

پَری تھی کوئی یہ کہ اُن کی نظر؟
مِرا دل اُڑا کر ہَوا ہو گئی

نسیم صاحب بہت خوش ہوئے اور خوب داد دی۔

---

ابُوالحماقت عاشق جالندھری مزاحیہ رنگ میں خوب کہتے تھے۔ پڑھے لکھے تو تھے نہیں۔ اپنے اشعار رٹ لیتے تھے مشاعرے میں شرکت کرتے تو کاغذ سامنے رکھ لیتے جس پر اپنے اشعار بول کر کسی سے لِکھوا لیتے تھے۔

ایک مشاعرے میں کاغذ اُلٹا پکڑ رکھا تھا اور شعر پڑھتے جا رہے تھے۔ اختتام پر ایک دوست نے اُن کے کان میں کہا۔ "آپ نے کاغذ اُلٹا پکڑ رکھا تھا!"

عاشق صاحب نے جواب دیا: "جی ہاں میں اُلٹا بھی پڑھ لیتا ہوں!!"

---

**پگھلتے خواب** اُردو ادب کے جواں سال ادیب پروفیسر حامدی کاشمیری ایم۔اے کا دلچسپ رومانی ناول۔ یہ ناول جہاں کشمیر کی سماجی زندگی اور معاشرے کے پُرخلوص نقوش اُجاگر کرتا ہے وہاں آج کے دَور کی گھناؤنی تصویریں بھی سامنے لاتا ہے۔ اگر آپ کشمیر کی مہکتی ہوئی گلپوش بہاروں اور اُن بہاروں میں رہنے والے حسین انسانوں کی جذباتی، فِکری اور سماجی زندگی کے پیچ وخم کو قریب سے دیکھنے کے تمنائی ہیں تو "پگھلتے خواب" کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ یہ ایک ایسا بےمثل ناول ہے جس میں آپ کو کشمیر جنت نظیر کے حسین و دلفریب مناظر اور ان مناظر تلے سسکتی کہانیوں کے خدوخال صاف دکھائی دیں گے۔ جن میں آپ کی اپنی دھڑکنیں بھی ہیں اور آپ کی محبت اور محبوب کے آنسو بھی۔ قیمت فی جلد صرف دو روپیہ۔

**پتہ:۔** رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۱

# غزل

کیف مرادآبادی

جذبِ پنہاں کو اگر کام میں لایا جائے
ہم جہاں چاہیں وہیں جلوہ دکھایا جائے

کوئی شہر ایسا بھی دُنیا میں بنایا جائے
جس میں صرف اہلِ محبت کو بسایا جائے

دل کا یہ حال ہوا اُن سے جُدا ہوتے ہی
جیسے شیشہ کسی پتھر پہ گرایا جائے

دل جواں تھا کوئی دیکھے یہ تمنا کب تھی
اب یہ ٹوٹا ہوا دل کس کو دکھایا جائے

چاہے دیدار کو ہر آنکھ ترس جائے مگر
حُسن کو قیدِ تعین میں نہ لایا جائے

میں فنا ہو نہیں سکتا ہوں محبت کی قسم
تم مٹاؤ مجھے جتنا بھی مٹایا جائے

اپنی کشتی کو بچانے کا تو مطلب یہ ہے
کوئی طوفاں سرِ ساحل بھی اُٹھایا جائے

جانے کیسے تو ملی ہے ترے دامن کی ہوا
آ بھی سکتے ہوں تو کیوں ہوش میں آیا جائے

گفتگو کرتے ہیں سب سے وہ اس انداز سے کیف
جیسے دانستہ کوئی راز چھپایا جائے

# غزل

ڈاکٹر ایوب ٹونکی بی۔اے (علیگ)

دل سلامت ہو نہ ایمان بچا ہو جیسے
اُن کا ہر تیر نشانے پہ لگا ہو جیسے

اُن کا اندازِ کرم دیکھ کے یوں ہوں محجوب
بیگناہی بھی مری کوئی خطا ہو جیسے

ایک آواز کہ یوں آتی ہے ہر منزل پر
جانی پہچانی ہوئی کوئی صدا ہو جیسے

عُقدہ حل ہو، نہ کھلے راز، نہ گتھی سُلجھے
میری قسمت بھی ترا بندِ قبا ہو جیسے

اے زہے بندگیِ عشق کہ ہو فرض، مگر
زندگی بھر نہ ادا ہو نہ قضا ہو جیسے

غلبۂ شوق پے منزلِ جاناں مت پوچھ
دل دھڑکنے کی صدا بانگِ درا ہو جیسے

کتنے ارمانوں کا خوں اس نے کیا ہے ابتک
پھر بھی ہاتھوں پہ وہی رنگِ حنا ہو جیسے

یوں دمکتا ہے چمن آتشِ گُل سے اے دل
سُرخیٔ خونِ شہیدانِ وفا ہو جیسے

سردار صاحب پھر بھی بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے اور نہایت سنجیدگی اور فرمانبرداری سے جواب دیا: "بہت اچھا جناب! آئندہ خیال رکھوں گا!"

---

چنڈی گڑھ کے ایک مشاعرہ میں جس میں بیشتر تعداد "گلے باز" شعراء کی تھی۔ حضرت طالب پانی پتی نے مندرجہ ذیل قطعہ پڑھ کر سامعین سے داد و تحسین حاصل کی ؎

نغمہ و شعر مجھے باعثِ اعزاز نہیں
طالبِ شہرت کی ذرا حرص نہیں، آز نہیں
تجھ سے شکوہ ہے مجھے میرے بنانے والے!
میری آواز میں موسیقیٔ آواز نہیں

---

پروفیسر اخگر شہابی ۱۴ سال تک دیال سنگھ کالج کرنال میں اُردو و فارسی کے لیکچرار رہے۔ ایک صبح اچانک انھیں کالج ٹرسٹ اور پرنسپل صاحب کی طرف سے نوٹس ملا کہ اگلے "سیشن" (Session) سے اُن کا شعبہ بند کیا جا رہا ہے، لہٰذا انھیں ایک سال کا نوٹس دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی نوکری کا کہیں اور انتظام کریں۔ اخگر صاحب کی شاعرانہ غیرت کو چوٹ لگی اور انھوں نے اُسی وقت استعفیٰ دے دیا اور اگلے ہی دن سے کالج جانا بند کر دیا۔ منتظمینِ کالج نے حیران ہو کر جب اُن سے اِس کی وجہ پوچھی تو اخگر صاحب نے جواب میں محض یہ قطعہ پیش کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا ؎

میری رضا میں کسی کی سہوں، سہوں نہ سہوں
میں آؤں جاؤں کہیں یا کہیں رہوں نہ رہوں
نہ سننے والی تو جی ہاں ہزار سنتے ہو
نہ کہنے والی بھی اِک ہے کہو کہوں ؟ نہ کہوں ؟

---

شری گیان چند منصور اپنے اُستاد جنابِ نسیم نور محلی (مرحوم) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسمی بات چیت کے بعد غزل اصلاح کے لئے پیش کی تو اُستاد نے فرمایا "شام کو دیکھ دوں گا" مگر منصور صاحب نے التجا کی "میں جلد جالندھر واپس جانا چاہتا ہوں۔ کل دفتر میں حاضری ہے۔"

نسیم صاحب نے کہا "چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے نوش کرو۔ میں غزل دیکھتا ہوں" ایک بار سرسری نظر سے پڑھ کر نسیم صاحب کہنے لگے "غزل اچھی ہے میں اصلاح کرتا ہوں۔ آپ نے "ہوا" کا قافیہ باندھنے کی کوشش کریں یہ رہ گیا ہے"

اِصلاح ہو چکی تو منصور نے کہا "قبلہ! یہ شعر بھی دیکھ لیجئے "ہوا" کے قافیے میں ؎

پَری تھی کوئی یہ کہ اُن کی نظر؟
مرا دل اُڑا کر ہَوا ہو گئی

نسیم صاحب بہت خوش ہوئے اور خوب داد دی۔

---

ابُوالحماقت عاشق جالندھری مزاحیہ رنگ میں خوب کہتے تھے۔ پڑھے لکھے تو تھے نہیں۔ اپنے اشعار رٹ لیتے تھے مشاعرے میں شرکت کرتے تو کاغذ سامنے رکھ لیتے جس پر اپنے اشعار بول کر کسی سے لکھوا لیتے تھے۔

ایک مشاعرے میں کاغذ اُلٹا پکڑ رکھا تھا اور شعر پڑھتے جا رہے تھے۔ اختتام پر ایک دوست نے اُن کے کان میں کہا۔ "آپ نے کاغذ اُلٹا پکڑ رکھا تھا!"

عاشق صاحب نے جواب دیا "جی ہاں میں اُلٹا بھی پڑھ لیتا ہوں!!"

---

# غزل

کیفؔ مُرادآبادی

جذبِ پنہاں کو اگر کام میں لایا جائے
ہم جہاں چاہیں وہیں جلوہ دکھایا جائے

کوئی شہر ایسا بھی دُنیا میں بنایا جائے
جس میں صرف اہلِ محبت کو بسایا جائے

دِل کا یہ حال ہوا اُن سے جُدا ہوتے ہی
جیسے شیشہ کسی پتھر پہ گرایا جائے

دِل جواں تھا کوئی دیکھے یہ تمنا کب تھی
اب یہ ٹوٹا ہوا دل کس کو دکھایا جائے

چاہے دیدار کو ہر آنکھ ترس جائے مگر
حُسن کو قیدِ تعین میں نہ لایا جائے

میں فنا ہو نہیں سکتا ہوں محبت کی قسم
تم مٹاؤ مجھے جتنا بھی مٹایا جائے

اپنی کشتی کو بچانے کا تو مطلب یہ ہے
کوئی طوفاں سرِ ساحل بھی اُٹھایا جائے

جانے کیسے تو ملی ہے ترے دامن کی ہوا
آ بھی سکتے ہوں تو کیوں ہوش میں آیا جائے

گفتگو کرتے ہیں سب وہ اس انداز سے کیفؔ
جیسے دانستہ کوئی راز چھپایا جائے

# غزل

دلؔ ایوبی ٹونکی بی۔ اے (علیگ)

دِل سلامت ہو نہ ایمان بچا ہو جیسے
اُن کا ہر تیر نشانے پہ لگا ہو جیسے

اُن کا اندازِ کرم دیکھ کے یوں ہوں محجوب
بیگناہی بھی مری کوئی خطا ہو جیسے

ایک آواز کہ یوں آتی ہے ہر منزل پر
جانی پہچانی ہوئی کوئی صدا ہو جیسے

عُقدہ حل ہو، نہ کھُلے راز، نہ گتھی سُلجھے
میری قسمت بھی ترا بندِ قبا ہو جیسے

اے زہے بندگیِ عشق کہ ہو فرض، مگر
زندگی بھر نہ ادا ہو نہ قضا ہو جیسے

غلبۂ شوق پئے منزلِ جاناں مت پوچھ
دِل دھڑکنے کی صدا بانگِ درا ہو جیسے

کتنے ارمانوں کا خوں اُس نے کیا ہے اب تک
پھر بھی ہاتھوں پہ وہی رنگِ حنا ہو جیسے

یوں دمکتا ہے چمن آتشِ گل سے اے دل
سُرخیِ خونِ شہیدانِ وفا ہو جیسے

# شادی کی اِس چہل پہل میں بھلا کون باپ اتنی بے فکری سے سو سکتا ہے؟



NPS LIC 8 URD

## یقیناً اِنہوں نے ایل-آئی-سی کی

**"FIXED TERM (MARRIAGE) ENDOWMENT POLICY"**

## مقرّرہ مدّتی شادی کی میعادی بیمہ پالیسی لے رکھی ہے!



شادی کی میعادی بیمہ پالیسی کے تحت آپ اپنی لڑکی کی شادی کے اخراجات کا انتظام شادی سے 5 - 10 یا 15 سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں تاکہ وقت پر آپ کو یکمشت رقم مل جائے۔ اس طرح بچت کرنے میں یہ سہولت ہے کہ آپ آسان اور چھوٹی چھوٹی قسطوں کے ذریعہ رقم جمع کرتے ہیں جو لڑکی کی شادی کے وقت مل جاتی ہے۔

مکمل تفصیلات کے لئے اپنے جانے پہچانے ایجنٹ یا نزدیکی بیمہ دفتر سے رابطہ پیدا کیجئے۔

بیمہ زندگی [illegible]

# ہمسفر

پریم دیوان

۴/۳۶ راجندر نگر، نئی دہلی

محترم خوشتر صاحب! آداب

"بیسویں صدی" کے لئے یہ کہانی کچھ عرصہ پہلے لکھی تھی۔ پھر نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔ کل اچانک مل گئی اور آج پہلا کام یہ کر رہا ہوں کہ اسے آپ کو بھیج رہا ہوں — یہ کہانی ایک فلم ایکٹریس سے متعلق ہے۔ بلکہ اُس کی زندگی کا ایک سچا واقعہ ہے۔ یہ مشہور فلم ایکٹریس اب اِس دُنیا میں نہیں ہے۔ میں اُس کا نام نہ بتاؤں گا، پڑھنے والے خود سمجھ جائیں گے۔

آپ کا — پریم دیوان

★

لندن کے ہیتھرو ایئر پورٹ سے بمبئی جانے والے ایئر انڈیا کے طیارے میں داخل ہونے والا میں آخری مسافر تھا۔ ایئر ہوسٹس کی مدد سے اپنی سیٹ پر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک خوبصورت ہندوستانی عورت بیٹھی ہے۔ اُس عورت نے میری طرف دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

میں نے ایک نظر پھر اُسے دیکھا۔ وہ واقعی خوبصورت عورت تھی۔ عُمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ یہی کوئی تیس بتیس برس ہو گی۔ رنگ گورا، جسم بے حد متناسب، بادامی رنگ کی بڑی بڑی آنکھیں اور اُن آنکھوں میں بھری مقناطیسی کشش۔ وہ ریشمی ساڑی اور ہلکے بادامی رنگ کا نائلن مکسڈ وول کا سویٹر پہنے ہوئے تھی۔ اُسے دیکھ کر میں اُس کی دلکش و دلنواز شخصیت میں کچھ اِس طرح کھو گیا جیسے خوبصورت کہانی پڑھتے پڑھتے کوئی کھو جاتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ بند ہوا اور جہاز چلنے کے متعلق اناؤنسمنٹ ہونے لگی۔ ہم پیٹیاں باندھنے لگے اور جہاز پانی میں کشتی کی طرح چلنے لگا۔ ایک جگہ مُڑ کر اُس کی رفتار تیز ہو گئی اور پھر دیکھتے دیکھتے وہ ہوا میں پرواز کرنے لگا۔ پہلے ٹیڑھا اُوپر اُڑتا چلا گیا اور پھر سیدھا ہو گیا۔ اب ہمیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہم کسی عزیز دوست کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوں۔

بیلٹ کھولنے کے بعد میں نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا کیس کھول کر سگریٹ بھی نکال لیا۔ لیکن سُلگانے سے پہلے خیال آگیا اور میں نے اُس عورت سے انگریزی میں پوچھا۔

"اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو میں سگریٹ سُلگا لوں؟"

وہ چونک پڑی اور ہندوستانی میں بولی: "جی..."

"کیا میں سگریٹ پی سکتا ہوں؟" میں نے اپنا سوال دُہرایا۔

اُس نے کچھ لمحے سوچ کر صاف اور پیاری ہندوستانی میں جواب دیا: "اگر آپ بُرا نہ مانیں تو براہِ کرم سگریٹ نہ پیئیں میری

# دِل

اک لفظِ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دلِ عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے ——— جگر مرادآبادی

کیوں کر ہوا ہے فاش زمانہ پہ کیا کہیں
وہ رازِ دل جو کہہ نہ سکے رازداں سے ہم ——— مجاز

دل لاکھ ہو بیتاب مگر چپ ہی رہیں گے
شوخی تیری یاد آئیگی تڑپا نہ کریں گے ——— نظام رامپوری

اچھا ہے دِل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اِسے تنہا بھی چھوڑ دے ——— اقبال

کس درجہ دل شکن تھے محبت کے حادثے
ہم زندگی میں پھر کوئی ارماں نہ کر سکے ——— ساحر

(مرسلہ: سید حسن محمد عابدی امروہوی رامپور)

طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

میں حیران تو ہوا لیکن پریشان نہیں۔ سفر میں ہر طرح کے آدمی ملتے ہی ہیں۔ میں نے سگریٹ رکھ لیا لیکن ساتھ ہی پوچھ لیا۔ "کیا تکلیف ہے آپ کو؟ بطور ایک ڈاکٹر کے کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟" اب میں نے بھی ہندوستانی میں کہا۔

اُس عورت کی بڑی بڑی آنکھوں میں اِس طرح حیرت آگئی جیسے اچانک کوئی کھویا ہوا دوست مِل جائے۔ اُس نے پوچھا۔ "آپ ڈاکٹر ہیں کیا... لندن میں پریکٹس کرتے ہیں؟"

"جی نہیں۔ میرا نام ڈاکٹر دیویندر سرین ہے۔ ہندوستانی ہوں اور ہندوستان ہی میں رہتا ہوں..." میں نے جواب دیا۔

میرا نام سُن کر اُس کے چہرے پر اور بھی حیرت اُبھر آئی۔ بولی۔ "او... ڈاکٹر سرین! آپ تو دہلی میں پریکٹس کرتے ہیں اور وہاں ریسرچ بھی..."

اُس کے مُنہ سے اپنے بارے میں سُن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ میں نے پوچھا: "آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟"

میرے سوال پر وہ یکایک اُداس ہوگئی۔ اُس کا چہرہ اُتر گیا۔ بہت یاس بھرے لہجے میں بولی: "میں نے جب اپنے علاج کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ کا نام بھی تجویز کیا گیا تھا۔"

"کیا تکلیف ہے آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

میرے سوال پر وہ خاموش ہوگئی۔ اگر میں اتنا مشہور ڈاکٹر نہ ہوتا تو شاید وہ ٹال بھی جاتی۔ لیکن کچھ سوچ کر اُس نے کہا: "ڈاکٹر صاحب! مجھے کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ اکثر پیٹ میں ہلکا ہلکا درد رہتا ہے۔ دل دھڑکتا ہے اور رہ رہ کر چھاتی میں درد ہوتا ہے۔ اب بھی میرا جی بُری طرح گھبرا رہا ہے۔"

اُس کے چہرے پر گھبراہٹ دیکھ کر میرے چہرے پر اپنے پیشے کی سنجیدگی آگئی۔ میں نے کہا: "ذرا اپنی نبض دکھایئے۔"

اُس نے فوراً اپنی خوبصورت صندلیں کلائی میرے آگے کر دی۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میں نے نبض دیکھتے ہوئے پوچھا: "کیا آپ اکیلی سفر کر رہی ہیں؟"

"جی ہاں" اُس نے مختصر سا جواب دیا۔

اُس کی نبض بالکل ٹھیک چل رہی تھی۔ دل کی دھڑکن کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اُس کی گھبراہٹ دُور کرنے کے لئے میں نے اپنے بیگ میں سے ہومیوپیتھک کی معمولی سی دوا کی چار گولیاں نکال کر اُس کی ہتھیلی پر رکھ دیں اور اُنھیں چُوس جانے کے لئے کہا۔ حالانکہ یہ گولیاں میں اپنے استعمال کے لئے ساتھ رکھتا تھا۔

کوئی پانچ منٹ بعد اُس نے کہا: "آپ کی دوا تو رام بان ثابت ہوئی! کیا تکلیف تھی مجھے؟"

میں نے مُسکرا کر جواب دیا: "آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ آپ کا ہارٹ بالکل نارمل ہے۔"

میرے جواب پر اُس کے چہرے پر اطمینان اور مُسکراہٹ کی جھلک آگئی۔ اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا: "سبھی ڈاکٹر یہی کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی دوا ضرور دیتے ہیں۔ لندن میں علاج کروانے آئی تھی۔ ڈاکٹر روزانہ دو انجکشن لگاتا تھا۔ کئی بار خون اور بلڈ پریشر ٹیسٹ کیا۔ لیکن روز یہی کہتا تھا کہ مجھے کچھ نہیں ہے۔"

اپنے پیشے پر یہ پُرخلوص الزام سُن کر میں مُسکرا دیا۔ تھوڑی دیر بعد پوچھا: "آپ لندن میں کیوں علاج کروانے آگئیں کیا ہندوستان میں کوئی اچھا ڈاکٹر نہیں ملا؟"

میرے سوال کا اُس نے جلدی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد بولی: "علاج کرانا تو ایک بہانہ تھا۔ دراصل میں کچھ دنوں کے لیے اپنے ماحول سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ گلے تک اُوب گئی تھی۔"

میں نے حیران ہو کر پوچھا: "ایسا کیا ماحول ہے آپ کا؟"

جتنا میں حیران ہو رہا تھا، اُس سے کہیں زیادہ مجھے اُس کی آنکھوں میں حیرانی دکھائی دی۔ اُس نے اُلٹا مجھ سے سوال کیا "کیا آپ مجھے نہیں جانتے؟"

"معاف کیجئے۔ میرا خیال ہے آپ سے یہ پہلی ملاقات ہے۔" میں نے کہا۔

وہ مُسکرا دی اور بولی: "ملاقات ضرور پہلی ہے۔ لیکن آپ مجھے جانتے ضرور ہوں گے۔ یاد کیجئے۔"

اُس کے یاد دلانے پر میں نے پھر ذہن پر زور ڈالا کہ میں نے اسے پہلے کہاں دیکھا ہے؟ لیکن بہت یاد کرنے پر بھی میں اُسے نہ پہچان سکا اور یہی میں نے اُسے بتا دیا۔

وہ ہنس پڑی اور بولی: "میرا نام وینا رمانی ہے۔ میں مشہور فلم سٹار سمجھی جاتی ہوں —— حیرت ہے آپ مجھے نہیں جانتے۔"

"اوہ!" میرا ذہن یکایک صاف ہو گیا۔ میں نے اکثر اُس کی تصویریں سڑکوں پر لگے پبلسٹی بورڈوں پر دیکھی ہیں۔ میں نے کہا۔ "معاف کیجئے گا، مجھے فلمیں دیکھنے کا بالکل شوق نہیں۔ اپنی ریسرچ اور پریکٹس کے سلسلے میں بالکل وقت نہیں ملتا۔ بُرا نہ مانئے گا۔"

اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی آ گئی۔ بولی: "بُرا کیوں مانوں گی۔ مجھے تو بے حد خوشی ہوئی کہ میرا نام سُن کر آپ چونکے نہیں۔ ورنہ... عام ہندوستانی تو مجھے پہچانتے ہی، میرے گرد منڈلانے لگتا ہے۔ ہندوستان میں تو باہر نکلنا مشکل ہے۔ یہاں لندن میں بھی... کیا تھوڑے مداح تھے... توبہ!"

"ان حالات میں" میں نے کچھ بے تکلفی سے پوچھا: "تو آپ کی صحت بنی چاہئے۔ ظاہر ہے دولت آپ کے قدم چوم رہی ہے اور شہرت آپ کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ آپ کا ہر لمحہ مصروف ہے اور خوشیوں سے بھرپور ہے۔ پھر صحت گرنے کی کیا وجہ ہے؟"

وینا کچھ دیر خاموش رہی۔ جیسے کسی کشمکش میں ہو۔ جیسے چاہ

# زُلفیں

اَدا سے رُخ پہ زُلفیں ڈال کر کہنے لگے مجھ سے
کہ دیکھا ہے کسی نے ایک جا شام و سحر ہونا —— علی حیدر تبر

اُڑائی زُلف کی خوشبو کہ اُس کے کوچے سے
دُلہن بنی ہوئی بادِ صبا نکلتی ہے —— عبدالحمید آزاد

نہیں کھُلتا ترا حال پریشاں زُلف سے تیری
کہ وہ کافر ترے سر کی قسم کچھ اور کہتی ہے —— نامعلوم

لبِ بام بیٹھے تو ہو زُلف کھولے
کہیں دل نہ اُس میں پھنسا نا کسی کا —— محمد علی انور

اِس طرح زُلفیں وہ بکھراتے ہیں روئے صاف پہ
جس طرح بدلی میں مُنہ اپنا چھُپاتے آفتاب —— وقار

مرسلہ:- محمد وصی، دربہی پٹی۔ مظفرپور

رہی ہو کہ اِس بحث میں نہ پڑے۔ لیکن آخر عورت تھی اور دل غُبار سے بھرا ہُوا تھا۔ رُک نہ سکی۔ بولی: "پہلے میں بھی خوشی سے پھُولی نہ سماتی تھی۔ اپنی تعریف سُن کر، دولت باڑھ کی طرح آتی دیکھ کر میں بھی مغرور ہو گئی۔ لیکن جلد ہی مجھے قُدرت کا مذاق معلوم ہو گیا۔ میری خوشیاں میری بدنصیبی کا دیباچہ تھیں۔ ڈاکٹر صاحب! بہت دُنیا دیکھی ہے میں نے۔ میرا کوئی خیر خواہ نہیں ہے۔ سب یا تو میری دولت کے خیر خواہ ہیں یا میرے جسم کے —— میرا... میرا کوئی نہیں ہے۔ کوئی ایسا نہیں جسے میں اپنے دل کا درد دل سے سُناؤں۔" یہ کہتے کہتے اُس کی آواز درد بھری ہو گئی۔ وہ کہتی گئی "بس اب تو جی چاہتا ہے کوئی میرا ہمدرد نہ بنے۔ کوئی مجھ سے ذاتی سوال نہ کرے۔ میں ہر وقت تنہا رہوں، اپنے آپ سے باتیں کروں، برہا کے گیت گاؤں اور روؤں۔ اپنے دل کا درد اپنے ہی اندر باندھوں۔ کچھ آنکھوں کو دوں اور کچھ ہونٹوں کو..." یہ کہتے کہتے اُس کی آنکھیں بھر آئیں، آواز بھر آئی۔

اُس کی دلکش و دلنواز شخصیت اور اُس کے دل کی حالت میں یہ تضاد دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ ظاہر تھا کہ اُس کی بیماری کے پیچھے ایک ذہنی پریشانی تھی جو ہر وقت اُن کے دماغ میں کسی

پریت کی طرح چھائی رہتی تھی۔

بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آرہی تھی۔ جو کچھ تھا اُس کے دل میں تھا اور دل ایک ایسا گہرا کنواں ہے جہاں کوئی نہ کوئی غم لاوے کی طرح اُبلتا رہتا ہے۔ انسان کے پاس بہت کچھ ہو اُسے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنا غم ایک معمولی سی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

میں نے زیادہ بات کرنا مناسب نہیں سمجھا، خیال ہوا ایسا نہ ہو اُس کے دل کا زخم پھوٹ پڑے۔ اُس کا دھیان دُوسری طرف کرنے کے لئے میں نے ایئر ہوسٹس کو بلانے کے لئے بٹن دبایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئی تو میں نے اُسے دو آرنج سکوئش لانے کے لئے کہا۔

ناشتے کے بعد وہ بولی "ڈاکٹر صاحب! آیئے آپ کو ایک چیز دکھاؤں۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنے بیگ میں سے ایک البم نکالی اور اُسے کھولا۔ اُس میں اُس کی مختلف فلموں سے لی گئی تصویریں تھیں۔

ہر تصویر میں وہ مختلف پوز، لباس اور جگہ پر تھی۔ کہیں وہ نوجوان لڑکی نظر آرہی تھی تو کہیں گھریلو عورت۔ کہیں وہ مغلیہ سلطنت کی ملکہ تھی تو کہیں بالاخانہ کی طوائف۔ کہیں کشمیر کی وادیوں میں تھی تو کہیں تنگ و تاریک گلیوں میں۔۔۔ ہر تصویر کے بارے میں وہ بتاتی کہ وہ کہاں لی گئی تھی۔ اس کا شاٹ کس طرح لیا گیا تھا۔ اس فلم کے دوران کیا دلچسپ واقعات ہوئے۔

ایک تصویر میں اُس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر آدمی کھڑا تھا۔ وہ تصویر دکھاتے ہوئے اُس نے کہا "یہ میرے ہسبینڈ۔۔۔۔" اور یہ کہتے کہتے وہ خاموش ہوگئی۔

میں نے تصویر کو غور سے دیکھا اور اچانک میرے مُنہ سے نکل گیا "کیا یہ آپ کے ہسبینڈ ہیں؟"

"ہیں نہیں، تھے۔ اب ہمارا طلاق ہوگیا ہے۔" اُس نے دبی آواز میں اس طرح جواب دیا جیسے ایک ایک لفظ کو بہت تکلیف سے کہہ رہی ہو۔

میں نے محسوس کیا اُس کے دل میں وہ پھوڑا جہاں سے

درد اُٹھتا ہے، نہیں کہیں ہے۔ میں نے اِس بات کو اور نہ چھیڑا۔
ایک تصویر ایسی آئی جس میں وہ ایک بچّے کو پیار کر رہی تھی۔ وہ تصویر دکھلاتے ہوئے اُس نے کہا: "کتنی پیاری بچّی ہے۔ فلم میں اِس بچّی کا آپریشن ہوتا ہے اور . . . یہ بچّی مر جاتی ہے۔"
میں تصویر کو غور سے دیکھنے لگا تو اُس نے پُوچھا: "آپ کے کتنے بچّے ہیں ڈاکٹر صاحب؟"
"دو۔" میں نے جواب دیا۔
"دو۔ دو کیوں، تین کیوں نہیں؟ تین بچّوں تک تو فیملی پلاننگ میں بھی اجازت ہے۔" اُس نے بہت اصرار سے کہا۔
میں نے مُسکرا کر جواب دیا: "ایک بچّے کے لئے گنجائش رکھ دی ہے۔ شاید کوئی بھُولا بھٹکا آجائے۔"
"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ کیا آپ کو بچّے اچھے نہیں لگتے؟ گھر میں کم سے کم چھ سات بچّے ہونے چاہئیں۔"
"چھ سات! مائی گاڈ! اور وہ بھی ایک ڈاکٹر کے گھر میں؟" میں نے کہا۔
"تو کیا ہُوا۔ جو لوگ پالنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اُن کے لئے کیوں اعتراض ہو؟"
اِس سوال کو نظر انداز کر کے میں نے پُوچھا: "اچھا آپ کے کتنے بچّے ہیں؟"
میرا سوال ——— لگتا تھا سوال نہیں تلوار کا وار تھا۔ اُس کے چہرے پر مُردنی چھا گئی۔ جیسے کوئی چوری کرتا رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے، اُس کا چہرہ اِس طرح شرمندہ ہو گیا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ کوئی جواب نہ دیا۔
میں نے بے خیالی میں وہی سوال پھر پُوچھا تو اُس نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا: "بچّے تو صرف خوش قسمت لوگوں کے گھروں میں ہوتے ہیں۔ میری ایسی قسمت کہاں؟"
ایکدم مجھے ایسے محسوس ہُوا جیسے وہ پھوڑا یہی تھا۔ یہیں سے رہ رہ کر اُس کے دل سے درد اُٹھتا تھا۔ میں نے پُوچھا: "آپ نے . . . چیک تو کرایا ہوگا؟"
تھوڑا رُک رُک کر اُس نے سامنے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "سب کچھ کرا چکی ہوں۔ دولت پانی کی طرح بہائی تھی۔"

"کیا مجھے بھی ایک موقع دیں گی؟" میں نے کہا۔
میری بات سُن کر ایک لمحے کے لئے اُس کے چہرے پر رونق آگئی، مگر دوسرے لمحے وہ پھر مُرجھا گئی اور بولی: "کوئی فائدہ نہیں۔ میں سب کچھ کر چُکی ہوں۔ ابھی لندن میں بھی کئی ٹاپ کے ڈاکٹروں سے چیک کرایا تھا۔"
میں چُپ رہ گیا۔ سوچا، کیس واقعی علاج کے قابل نہ ہوگا۔ اب تک ہم اِس طرح گھُل مِل چکے تھے کہ اُس کے دُکھ نے میرے دل کو بھی چھُو لیا۔ ایک دوست کی حیثیت سے میں نے اُسے زندگی کا دُوسرا رُخ دکھایا: "بچّے ہمیشہ سُکھ کا کارن نہیں ہوتے۔ کتنے بچّوں کو دیکھا ہے وہ نالائق نکل گئے ہیں۔ چور، بدمعاش بن جاتے ہیں۔ اپاہج ہو جاتے ہیں یا کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اُس حالت میں اور زیادہ دُکھ دیتے ہیں۔ یہ سب قُدرت کی جوڑ توڑ ہے۔ کسی کے پاس کم اور کسی کے پاس زیادہ! اب دیکھئے، آپ کو پرماتما نے عزّت دی ہے، دولت دی ہے، شہرت دی ہے۔ یہ سب چیزیں ہر انسان کو تو میسّر نہیں ہیں۔ اصل چیز تو ہے خوشی۔ من کی شانتی . . ."
وینا میری بات بہت دھیان سے سُنتی رہی۔ پھر بے حد یاس بھرے لہجے میں بولی: "آپ نے ٹھیک کہا ہے ڈاکٹر صاحب! اصل چیز من کی شانتی ہی ہے اور اُسی کو تلاش کرتے کرتے میں باؤلی ہو گئی۔ لیکن مجھے وہی نہیں ملی۔ کہاں ہے من کی شانتی ڈاکٹر صاحب؟ یہ ساری دولت، عزّت اور شہرت لے لیجئے اور من کی شانتی لا دیجئے۔ میں یہ سودا کرنے میں ایک لمحہ بھی دیر نہ لگاؤں گی۔ بچپن میں میں نے ماں باپ کو غریبی میں دیکھا۔ خواہشوں کو دباتے اور قدم قدم پر دل کو مسوستے دیکھ تو سوچا، من کی شانتی دولت میں ہے۔ میرے دل میں اُسی وقت یہ عزم جاگا تھا کہ میں کسی طرح خوب دولت کماؤں۔ میرے پتا جی فلمی دُنیا میں ایک چھوٹے موٹے آرٹسٹ تھے۔ اُنھیں دیکھ دیکھ کر میں نے بھی ایکٹنگ کا آرٹ سیکھا اور تن من سے سیکھا۔ میرا خیال تھا کہ لوگ میرے آرٹ کو دیکھ کر عش عش کر اُٹھیں گے۔ لیکن جب میں بڑی ہوئی ——— تو دُنیا کو بالکل مختلف ——— پایا لومڑی کی طرح چالاک اور بھیڑیئے کی طرح خونخوار۔ اُس وقت ایسا

لگتا تھا جیسے جھوٹ، فریب اور مکاری کے بِنا زندہ رہا ہی نہیں جاسکتا۔ فلمی دُنیا میں جگہ بنانا کوئی کھیل نہیں ہے ڈاکٹر صاحب۔ ہَوس کی آگ سے اپنا دامن بچاتی ایک معصوم گلہری کی طرح پھدکتی پھرنے لگی۔ وہ تو میرے پتاجی ساتھ تھے ورنہ میں تو کبھی کا کسی مگرمچھ کا نوالہ بن گئی ہوتی۔

ایک فلم میں قدم رکھنے کو جگہ ملی۔ پھر دوسری میں۔ میرا آرٹ اور عزم میرے ہر پوز میں جگمگایا۔ کچھ پارکھی جوہریوں نے مجھے پہچانا اور ایک فلم میں مجھے ہیروئن کا رول ملا۔ اُس وقت مجھے اپنے اوپر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ میں ہر وقت یہی سوچتی تھی کہ ضرور قسمت کو دھوکا ہوا ہے۔ یقین مانیئے، جب فلم ریلیز ہوئی اُس وقت ہر لمحہ میں بھگوان سے پرارتھنا کرتی تھی کہ یہ فلم کامیاب ہو جائے۔ اِس لئے نہیں کہ مجھے شہرت ملے گی۔ اس لئے کہ میری بدنصیبی کا سایہ کہیں اُس پروڈیوسر پر نہ پڑ جائے۔ فلم تو ضرور کامیاب ہوگئی۔ لیکن انھیں دنوں میرے پتاجی کا سورگباش ہوگیا۔ جس سہارے پر میں کھڑی تھی وہ چپکے سے نیچے سے کھسک گیا۔

میں گھر میں سب سے بڑی تھی اور پتاجی کے سورگباشں ہونے کے بعد گھر کا سارا بار میرے کندھوں پر آپڑا لیکن میں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری۔ ایک ڈائرکٹر صاحب کو اپنا رفیق سمجھ کر اُن سے شادی کرلی۔ انھیں سے جن کی آپ نے فوٹو دیکھی تھی۔ اُن سے شادی کرنی تھی کہ دھڑا دھڑ کئی فلموں کے لئے میرے کانٹریکٹ ہوگئے۔ دَولت اور عزت قدم چومنے لگیں۔ میں اپنے آپ کو سب سے خوش نصیب انسان سمجھنے لگی۔ لیکن مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ ساری خوشیاں جھوٹی بھٹکی تھیں۔ چند دنوں کا جلوہ تھیں۔ میری اصلیت تو بدنصیبی کا دلدل تھی۔

کوئی ایک سال بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ مجھے بچہ نہیں ہوسکتا۔ اُس کے بعد یہ بوجھ ہر وقت میرے سینے پر اِس طرح رہنے لگا جیسے میرے اُوپر پہاڑ رکھا ہُوا ہو۔ اُس وقت جی چاہتا تھا کہ کوئی مجھ سے ساری دَولت لے لے۔ لیکن میری جھولی میں یہ پھل ڈال دے۔ میں نے دَولت پانی کی طرح بہائی۔ ڈاکٹروں، فقیروں سب کے پیروں میں گڑگڑائی۔ لیکن... لیکن کچھ بھی حاصل نہ ہُوا۔ میری جھولی خالی ہی رہی!

پھر شادی کے تین سال بعد ہمارا طلاق ہوگیا۔"

یہ کہتے کہتے دینا کی آنکھیں بھر آئیں۔ جس بات کا مجھے ڈر تھا وہی ہُوا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کے زخم کو کھرونچ آگئی اور وہ اُبل اُبل کر بہنے لگا۔ اُس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"کئی بار ایسا محسوس ہُوا ہے، کسی چڑیل نے میرے جسم میں اپنا گھر بنالیا ہے۔ میں خود محسوس کرتی ہوں کہ میرے قدم منحوس ہیں کئی بار دل میں آزمایا بھی ہے۔ کسی فنکشن پہ جاؤں، فلم کے مہورت پر جاؤں یا کسی فلم کے پریمیئر پہ۔ وہاں ضرور کوئی نہ کوئی آفت کھڑی ہو جائے گی۔۔۔۔ اب تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ میں کسی کو اپنا کہنے سے بھی ڈرتی ہوں، کسی کو پیار کرنے سے بھی ڈرتی ہوں اور کسی کا پیار پانے سے بھی ڈرتی ہوں۔ سوچتی ہوں کہیں میری بدنصیبی کا سایہ اُس پر بھی نہ پڑ جائے۔

"بولیئے ڈاکٹر صاحب! انسان آخر کہاں تک لڑ سکتا ہے۔ کِس کِس کے ساتھ لڑ سکتا ہے۔ کہاں سے لاؤں من کی شانتی میں تو بھگوان سے اکثر پوچھتی ہوں آخر میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟

آج تو میں اپنے آرٹ کی وجہ سے زندہ ہوں۔ اگر کل اس کی قیمت بھی نہ رہی تو میں کس کے سہارے زندہ رہوں گی؟ یہ میں سزا ہے میرے لئے۔ مجھے ہی کیوں اس سزا کے لئے چُنا گیا ہے۔ مجھے ہی کیوں ——؟"

یہ کہتے کہتے اُس کی آواز رُندھ گئی۔ اُس کی آنکھیں تو پہلے سے بھری ہوئی تھیں۔ اُس کے درد نے میرے دل کو انگارے کی طرح چھُو لیا۔

باتیں کرتے کرتے پتہ ہی نہ چلا تھا کہ کس وقت بیروت آیا اور چلا گیا، کس وقت اندھیرا چھا گیا اور کس وقت جہاز کی بتیاں جلیں۔ ہمارا دھیان تو اُس وقت ٹوٹا جب ڈنر کے لئے اناؤنسمنٹ ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ایئر ہوسٹس مینو لے کر آئی تو وینا نے مجھ سے کہا: "مجھے تو بھوک نہیں ہے۔ آپ اپنے لئے آرڈر دے دیجئے۔"

میں نے کہا: "نہیں نہیں۔ تھوڑا سا ہی سہی!"

اُس نے پھر نہیں کی اور میں نے اصرار کیا۔ آخر میرے بہت کہنے پر وہ مان گئی اور ہم نے نان ویجی ٹیرین کھانے کا آرڈر دے دیا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ بغیر کچھ اور بات کئے، اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی، آنکھیں بند کر کے سو گئی۔ مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اس لئے کتاب نکال کر پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے میرا دھیان بار بار بھٹک جاتا تھا۔ میں سوچنے لگا وینا جسمانی طور پر بھی بیمار ہے۔ اور ذہنی طور پر بھی۔ انسان کی زندگی بھی کیا عجیب چیز ہے؟ اِس زمین پر —— جس پر یہ جہاز گزر رہا ہے کروڑوں انسان بستے ہیں۔ اِس وقت مجھے اِن کی حقیقت کیڑے مکوڑوں کی طرح معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن جب یہ جہاز زمین پر اُترے گا تو ہر انسان کی اپنی کہانی ہوگی۔ مصیبتوں اور غموں سے بھری کہانی!

سوچتے سوچتے میں پھر پڑھنے لگا۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ میری گھڑی میں ابھی تک لندن کا وقت تھا۔ میں نے ساڑھے پانچ گھنٹے آگے کر کے اُسے ہندوستان کے وقت سے مِلا دیا۔ ہندوستانی وقت کے مطابق اُس وقت میری گھڑی میں رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔

گھڑی کا وقت ٹھیک کرنے کے بعد جب میں پڑھنے لگا تو مجھے بھی نیند آنے لگی اور پھر دھیرے دھیرے میں بھی سو گیا۔

ایک گھنٹے بعد پھر میری آنکھ کھُلی۔ اُس وقت اپنے آپ کو فضا میں، ایک ہوائی جہاز میں دیکھ کر کچھ ڈر سا محسوس ہوا۔ یونہی ایک خیال آ گیا کہ اگر یہ جہاز گر جائے تو —— میں نے سوچا صبح صبح ایسے خوفناک خیال کو دل میں نہ لانا چاہئے۔ میں نے دل میں نیک خیالوں کو لانے کے لئے ایک میوزیم میں دیکھی ہوئی مہاتما بدھ کی شانت مورتی کو یاد کیا اور دھیرے دھیرے مجھے پھر نیند آ گئی۔

پھر جب میری آنکھ کھُلی اُس وقت میری گھڑی میں صبح کے سوا چار بج رہے تھے۔ جہاز کو بمبئی پہنچنے میں صرف بیس منٹ کی دیر تھی۔ دیکھتے دیکھتے سبھی مسافر جاگنے لگے۔ کچھ ہلکا سا شور سُن کر وینا بھی جاگ گئی۔ اُس کی آنکھوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سوئی تھوڑی دیر تھی اور سوچتی زیادہ دیر رہی تھی۔

میں نے مُسکراتے ہوئے کہا: "گُڈ مارننگ!"

وہ بھی مُسکرائی اور بخندہ پیشانی بولی: "گُڈ مارننگ!"

مجھے ایسا محسوس ہُوا جیسے فضا میں پھُول بکھر گئے۔

"کیسی نیند آئی؟" میں نے پُوچھا۔

"اُوں ——" اُس نے انگڑائی لیتے ہوئے مُسکرا کر کہا۔ "کچھ میٹھی سی، کچھ رُوٹھی سی۔"

وہ اُٹھ کر باتھ رُوم گئی۔ واپس آئی تو بمبئی پہنچنے کے لئے اناؤنسمنٹ ہونے لگی۔ ہم پیٹیاں باندھنے لگے۔ وینا نے کھڑکی سے نیچے دیکھا۔ دُور بمبئی کی روشنیاں دیوالی کے دیئوں کی طرح جگمگا رہی تھیں۔

جہاز اُن روشنیوں کے اُوپر آیا، نیچے اُترا۔ ہمارے دل منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے بے چین ہونے لگے —— لیکن یہ کیا! جہاز پھر اُوپر اُٹھنے لگا اور دیکھتے اور دیکھتے دیکھتے روشنیوں کو پار کر گیا۔ پھر —— پھر جہاز اُن روشنیوں کا چکّر لگانے لگا۔ ایک چکّر لگایا، دُوسرا چکّر لگایا اور پھر تیسرا اور پھر لگاتا ہی گیا۔

سبھی مسافر حیران تھے کیا بات ہو گئی؟ بیچ میں ایک بار اناؤنسمنٹ ہوئی۔ اُس سے اِتنا ہی معلوم ہُوا کہ ایروڈرم سے

کمیونس نہیں ملی۔ لیکن مسافر بیوقوف نہ تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ جہاز خطرے میں تھا۔

وینا نے مجھ سے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا "جہاز نیچے کیوں نہیں اتر رہا ہے؟"

میں اُسے کیا جواب دیتا۔ میں خود پریشان تھا۔ دل بے قابو ہو رہا تھا۔ میں ٹھیک جواب نہ دے سکا۔ صرف اتنا کہا "جہاز خطرے میں ہے۔"

پھر اٹھ کر میں باتھ روم کی طرف چل دیا۔ سب سے مسافروں کے چہرے زرد تھے، رنگ اُڑا ہوا۔ کچھ لوگ تو اونچی آواز میں پرماتما کو یاد کر رہے تھے۔ ایک دو عورتیں رومال منہ پر رکھے اپنی سسکیوں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اُن کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

کریو کے بہت محتاط رہنے کے باوجود مسافروں کو پتہ چل گیا کہ جہاز کے پہیئے کسی خرابی کی وجہ سے باہر نہیں نکل رہے ہیں۔

واپس آکر اپنی سیٹ پر بیٹھا تو وینا نے پھر وہی سوال کیا "جہاز کو کیا خطرہ ہے؟"

مجھے یہ بات عجیب معلوم ہوئی کہ وہ بالکل پُرسکون بیٹھی ہوئی تھی اور اُس نے یہ سوال بے خوف آواز میں کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا یا تو اُسے جہاز کی خطرناک حالت کا پتہ نہ تھا یا اُسے موت کا ذرا بھی ڈر نہ تھا۔

میرے ہوش و حواس قابو میں نہ تھے، میرے ہاتھ پیر پھول رہے تھے، بات کرنے کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔ لیکن اُسے ——— ایک عورت کو شانت دیکھ کر میں نے دل کو قابو میں کر کے کچھ اکھڑی ہوئی آواز میں اُسے بتایا کہ جہاز کے پہیئے کسی خرابی کی وجہ سے باہر نہیں نکل رہے ہیں۔ اب شاید جہاز کو پیراشوٹ کی مدد سے نیچے اُتارا جائے گا۔ نیچے اُتارتے وقت زمین کے ساتھ رگڑ لگنے پر کہیں اس میں آگ نہ لگ جائے۔ اس لئے پائلٹ جہاز کا پٹرول ختم کرنے کے لئے اسے چکّر لگوا رہا ہے۔"

وینا بہت غور سے میری بات سنتی رہی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے پھر پوچھا "رگڑ لگنے پر کیا جہاز ٹوٹ نہیں سکتا؟"

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اِس وقت ہم موت کے منہ میں ہیں۔ بس کوئی غیبی طاقت ہی ہمیں بچا سکتی ہے!" میں نے کہا۔

---

دھیرے دھیرے جہاز کو چکّر لگاتے ہوئے ڈھائی گھنٹے گزر گئے۔ دن نکل آیا اور سورج کافی اوپر چڑھ آیا۔ لیکن ہمیں ہر لمحہ گزرنے پر یوں محسوس ہوتا ہماری زندگی کا خاتمہ اور قریب آگیا ہے! اب تو بیچ بیچ میں اِدھر اُدھر سے تیز آواز میں رونے کی آواز بھی آ جاتی ——— مختلف بھاشاؤں میں دبی دبی بَین کرنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب زندہ بچنا مشکل ہے! اب یہ جہاز ہی ہمارا کفن، ہمارا مدفن بنے گا!

مجھے یاد آیا کہ ابھی پچھلے دنوں بالکل ایک ایسا ہی حادثہ ہوا تھا۔ دہلی سے سری نگر جانے والے ایک جہاز کا پہیہ جہاز کے اوپر اُٹھتے ہی زمین پر گر گیا۔ ہوشیار پائلٹ بھانپ گیا اور اُس نے نیچے کنٹرول روم سے پتہ لگوایا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے جواب مل گیا کہ پہیہ واقعی گر گیا تھا۔ اُس پائلٹ نے بھی اسی طرح فضا میں چکّر لگا لگا کر تین گھنٹے میں پٹرول ختم کیا اور آخر اُس جہاز کو پیراشوٹ کی مدد سے نیچے اُتار لیا گیا۔ قسمت اچھی تھی اور اُس جہاز کا پیراشوٹ کھل گیا۔ اگر نہ کھلتا تو . . . ؟

اگر اِس جہاز کا بھی پیراشوٹ نہ کھلا تو! آخر یہ کب تک یونہی چکّر لگاتا رہے گا۔ زیادہ سے زیادہ ساڑھے تین گھنٹے تک! آخر تو اِسے اُترنا پڑے گا۔ اگر اُترتے وقت زمین کے ساتھ رگڑ لگنے پر یہ ٹوٹ گیا تو اِس حادثے میں میری جان نہ بھی جائے، کوئی بازو یا ٹانگ کٹ گئی تو ———

اچانک ایک اچنبھا ہو گیا!

اناؤنسمنٹ ہونے لگی کہ تھوڑی دیر میں جہاز نیچے اُترنے والا ہے۔ جہاز کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ مسافروں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اطمینان سے اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھے رہیں۔"

اور پھر دیکھتے دیکھتے جہاز رن وے پر اُتر آیا۔ وہ تیوڑی سڑک پر اس طرح تیرنے لگا جیسے کوئی موٹر بوٹ جھیل میں تیرتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ہوتا وہ اپنی جگہ پہ آ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے

رُکتے ہی سارے مسافروں نے خوشی کا نعرہ لگایا اور اپنی اپنی سیٹوں پر کھڑے ہو گئے۔ واقعی ہمیں کسی غیبی طاقت نے بچا لیا تھا۔ ہر ایک کا چہرہ ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس نے نئی زندگی پائی تھی اور اب ایک نئی دُنیا میں قدم رکھنے والا تھا۔

میں بھی بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ لوگوں کے پُر مسرت چہروں کو دیکھ کر میرے اندر بھی جوش بھر آیا۔ دروازہ کُھلا تو سبھی باہر جانے کو بے چین ہو اُٹھے۔

---

یکایک مجھے وینا کی یاد آئی۔ میں نے جُھک کر دیکھا۔ وہ اُسی طرح شانت بیٹھی تھی۔ میں نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے تھپتھپایا تو وہ بے اختیار ہاتھوں میں مُنہ چُھپا کر رونے لگی۔ میں اُس کے پاس بیٹھ گیا اور اُسے بازو سے پکڑ کر بولا "اب رونے کی کیا بات ہے وینا جی؟ اب تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اُٹھئے"

اِتنے میں ایئر ہوسٹس بھی دوڑتی ہوئی آئی۔ میں نے اُسے ایک گلاس پانی لانے کے لئے کہا۔ میں دل میں حیران تھا کہ یہ اب کیوں رو رہی ہے؟

تھوڑی دیر بعد ایئر ہوسٹس پانی کا گلاس لائی۔ میں نے اُسے ہاتھ میں لے کر وینا کو دیتے ہوئے کہا "لو یہ پی لو۔ ہمیں تو بھگوان کا شُکر کرنا چاہئے کہ اُس نے ہمیں نئی زندگی دی ہے!"

میرے ساتھ ایئر ہوسٹس نے بھی وہی الفاظ دُہرائے۔ وینا نے گلاس میرے ہاتھ سے لے کر تھوڑا سا پانی پیا۔ اُس کا رونا تو رُک گیا لیکن سِسکی تھی کہ بچّوں کی طرح رہ رہ کر اُس کے چہرے کو ہلا دیتی تھی۔ میں نے اُس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہا "نئی زندگی مُبارک ہو!"

تھوڑی دیر بعد اپنے اپنے بیگ سنبھال کر جب ہم اُٹھے تو میں نے دیکھا۔ سارے مسافر جا چُکے تھے اور ہم دو آخری مُسافر رہ گئے تھے۔ سیڑھیاں اُترتے وقت میں نے اُسے سہارا دیا۔ جب ہم نے زمین پر قدم رکھا تو میں اُس سے ایک سوال کئے بغیر نہ رہ سکا۔ پُوچھا "وینا جی! جب جہاز خطرے میں تھا تب تو آپ بالکل شانت تھیں اور جب جہاز خطرے سے باہر تھا تب آپ کیوں رونے لگیں؟"

چلتے چلتے وہ رُک گئی۔ میری طرف پُرنم آنکھوں سے دیکھ کر بولی "ڈاکٹر صاحب! دیکھا نہیں آپ نے۔ مجھ منحوس کی وجہ سے جہاز خطرے میں پڑ گیا۔ آپ کی . . . نہیں، سارے پسنجروں کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ میں نے دل میں بھگوان سے کہا کہ مجھ سے دُشمنی ہے تو مجھے سزا دو۔ میرے ساتھ ان بیچاروں کی جان کیوں جائے۔ اِن لوگوں کا کیوں خون ہو ——— ڈاکٹر صاحب! میں تین گھنٹے تک بھگوان سے لڑتی رہی ——— لڑتی رہی ——— اور آخر بھگوان نے میری سُن لی۔ دیکھا آپ نے ڈاکٹر صاحب ———!"

اور یہ کہتے کہتے اُس کی آنکھیں چھا چھلانے لگیں اور آواز بھر آئی ——— اپنے خوبصورت ہمسفر کو مغموم دیکھ کر میں سوچنے لگا ——— کاش! اِس خوبصورت عورت کی آنکھوں میں آنسو نہ ہوتے، سُرور و انبساط کی چھلکتی ہوئی شراب ہوتی۔ رُخساروں پہ گُلاب کِھلے ہوتے!!

# آتشبازی تماشہ سہی — لیکن آپکے باورچیخانے میں نہیں!

آتشبازیوں کو دیکھنا یقیناً بھلا معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ وہ آپکے باورچی خانے میں نہ ہو رہی ہوں۔ ٹھیک یہی بات پیش آیگی اگر آپ اُس فلیکسیبل ٹیوبنگ کی طرف سے غفلت برتیں گے جو سلنڈر اور برنر کے کنکشن کو جوڑتا ہے۔ جب جب ریفِل کا کنکشن جوڑا جائے تب تب ہر بار اس کی حالت کی جانچ کر لیا کریں اور جونہی آپکو ذرا سی بھی شکستگی دکھائی دے اُسے فوراً ہی بدل دیجئے۔



مندرجہ ذیل چند ہدایات پر عمل کریں۔ اس سے گھروں میں آگ کے جان لیوا خطرات کو دور رکھا جاسکتا ہے۔ ان باتوں پر عمل کریں ■ سلنڈر والو اور برنر کے ناب، عدم استعمال کے وقت، مضبوطی کے ساتھ بند رکھے جائیں۔ ■ جب ریفِل سلنڈر کا کنکشن جوڑنا ہو تو سبھی شعلے بجھا دیئے جائیں۔ ■ جب سلنڈر کا کنکشن جوڑ دیا گیا ہو تو صابن کے سولیوشن کے ذریعے ریگولیٹر جوڑوں کو جانچ کر دیکھ لیجئے۔ ■ سلنڈر والو کو کھولنے کے لئے صرف ہلکے دباؤ سے کام لیجئے اور ہاتھ کے چکر کو گھڑی کی سوئیوں کے مخالف سمت میں بس آدھا ہی گھمایئے۔ ■ ناب کو گھمانے سے قبل جلتی ہوئی دیا سلائی کو پہلے برنر سے لگا دیجئے۔ ■ جب بھی ریفِل کا کنکشن جوڑیں ہر بار فلیکسیبل ہوز کی حالت کو جانچ لیا کریں اور اُسے ہمیشہ صاف رکھیں۔

مندرجہ ذیل باتوں سے گریز کریں ■ سلنڈر کو پہلوؤں پر مت پڑا رہنے دیجئے۔ ■ گیس سلنڈر کے کنکشن کو آپ خود نہ تو جوڑیئے نہ الگ کیجئے۔ اپنے ڈسٹری بیوٹر سے کہئے کہ وہ آپ کے لئے سلنڈر کے کنکشن کو الگ کر دے اور جوڑ دے۔ ■ سلنڈر والوز، یا پریشر ریگولیٹر یا برنر کو خود نہ تو بٹھائیں نہ مرمت کریں۔ ■ فلیکسیبل ہوز کو ریگولیٹر سے یا برنر سے نہ کھینچئے اس سے حادثات پیش آسکتے ہیں۔ ■ ہمیشہ فلیکسیبل ٹیوبنگ کو آنچ سے الگ رکھئے۔

اپنا انسٹرکشن کارڈ اپنے ڈسٹری بیوٹر سے طلب کر لیجئے اور اُس میں دی ہوئی ہدایتوں پر سختی سے عمل کیجئے۔

# ایک چھوٹی سی چنگاری سے زبردست آگ لگ سکتی ہے!



جس وقت ریفِل سلنڈر کا کنکشن جوڑا جا رہا ہو اس وقت سگریٹ سلگانے سے بھی دور رہنا چاہیئے۔ جس وقت کنکشن دیا جا رہا ہو تو تمام شعلوں کو بجھا دیجئے اور بڑی آگ نہ لگنے دیجئے۔



**Indane**

اِنڈین — پکانے کے دوسرے ایندھنوں کی طرح بے ضرر

انڈین آئل کارپوریشن لمیٹڈ

URDU

# غزلیں

## امرچند قیس جالندھری

جب ملی مے اذانِ شام ہوئی
مے کشی اور بھی حرام ہوئی

وعظ سن سن کے تیرا اے واعظ!
زیست کی ہر خوشی حرام ہوئی

نگہِ اوّلیں کا کیا کہنا!
شوقِ پیہم کا جو پیام ہوئی

آپ ہی سی ہے آپ کی تصویر
نہ کبھی ہم سے ہمکلام ہوئی

ہو چلے عام حسن کے جلوے
اب اگر عاشقی بھی عام ہوئی ؟

تارے گنتے کٹی شبِ فرقت
راہ تکتے سحر سے شام ہوئی

چشمِ ساقی کے فیض سے اے قیس!
مے پرستی ہمیں حرام ہوئی

## دھرم پال عاقل ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی

اب کسے فکرِ دُنیا و دیں ہے
ہم ہیں اور اُن کی یادِ حسیں ہے

یہ ترا سحر اے مہ جبیں ہے
میں کہیں تو مرا دل کہیں ہے

یاد آتا ہے رہ رہ کے کوئی
دُور ہو کر بھی کتنا قریں ہے

تنگ ہیں جو زمانے کے ہاتھوں
موت بھی اُن کو آتی نہیں ہے

اِس کو دوزخ بنایا ہمیں نے
ورنہ دُنیا بہشتِ بریں ہے

ہم نے سب کے دلوں کو کُریدا
بے غرض کوئی اِنساں نہیں ہے

وُہ بھی ہے کوئی انسان عاقل
جس کے دِل میں محبت نہیں ہے

## قمر مرادآبادی

تُم اُسی کو وجہِ طرب کہو، ہم اُسی کو باعثِ غم کہیں
وہی اِک فسانۂ عشق ہے کبھی تُم کہو کبھی ہم کہیں

کبھی ذکرِ مہر و وفا کریں، کبھی داستانِ الم کہیں
بڑے اعتماد سے وہ نہیں، بڑے اعتماد سے ہم کہیں

وہی دلخراش سی اِک نظر جو بقدرِ ذوق ہے نیشتر
کوئی اُس کو طرزِ ستم کہے، ہم ادائے پرسشِ غم کہیں

جسے انقلاب نہ چھو سکا اُسے تجھ نے خود ہی مٹا دیا
وہی ایک دل کا صنم کدہ، جسے آبروئے حرم کہیں

تجھے یہ خبر نہیں ساقیا کہ ہے میکشوں کا مقام کیا
یہ اُنھیں کی وسعتِ ظرف ہے کہ خود اپنے ظرف کو کم کہیں

ہمہ آرزو ہمہ بیخودی، ہمہ بندگی ہمہ بیکسی
یہی چند لمحوں کی زندگی اسے کیوں نہ فرصتِ غم کہیں

قمر اُس سے ہم کو غرض ہی کیا کہ جُدا جُدا ہے معاملہ
جو خدا کہیں وہ خدا کہیں جو صنم کہیں وہ صنم کہیں

# خوابوں کا سفر

کوثر جہاں کوثر ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ

اردو ڈپارٹمنٹ گورنمنٹ مہاکوشل آرٹس کالج [illegible] جبل پور (مدھیہ پردیش)

محترم بھائی صاحب! خلوص و احترام

بھیجے سالنامہ کے لئے "خوابوں کا سفر" حاضر ہے۔ یہ افسانہ ایک برس پہلے آپ کے [illegible] سے متاثر ہو کر لکھا تھا لیکن نہ جانے کہاں گم ہو گیا ـــــ گم شدہ افسانے کی جذباتی تھیم میرے ذہن میں محفوظ تھی۔ اس لئے دوبارہ اسے پھر لکھا ہے۔ میرے لکھنے میں قارئین "بیسویں صدی" کا پُر خلوص اصرار اور پسندیدگی شامل ہے۔ تصویر پھر سنجیدہ آ گئی ہے۔ نہ جانے کیوں کیمرے کے سامنے سنجیدہ ہو جاتی ہوں۔ ویسے میں اتنی سنجیدہ نہیں ہوں جتنی تصویر اور تحریر میں نظر آتی ہوں ـــــ گزشتہ افسانے کے سلسلے میں ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک سے بھی بہت سے خطوط موصول ہوئے۔ یہ حقیقت ہے میں قارئین کو جواب نہ دے سکی۔ اُن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیسویں صدی کے توسط کا سہارا لے رہی ہوں۔ گزشتہ دنوں کالج آف ہوم سائنس سے ٹرانسفر ہو کر یہ گورنمنٹ آرٹس کالج (ارٹس کالج) میں آ گئی ہوں۔ یہاں ایم۔ اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔ ذہنی طور پر یہی بہتر ہوگا۔ ۔ ۔ ۔

نیک تمناؤں کے ساتھ آپ کی بہن ۔ ـــــ کوثر

★

"اب میں تمہارے کسی دوست کے یہاں نہ جاؤں گی" سپنا نے بے حد سخت لہجے میں کہا اور آفتاب بے بسی سے اُس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

کل وہ اُسے سمجھا بجھا کر اپنے دوست راکیش کے یہاں چھوڑ آیا تھا۔ راکیش کی فیملی ساتھ تھی اور فلیٹ بھی کافی بڑا تھا۔ اور پھر سپنا کا وہاں رہنا ہی آفتاب کے لئے باعثِ اطمینان تھا۔

باہر بارش تیز ہو گئی تھی۔ وہ دریچے کے پاس کھڑی آسمان کی وسعتوں میں نہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ اُس کے سیاہ گھنے بال بھیگی ہوئی ہواؤں کے جھونکوں سے اُڑ رہے تھے۔ چہرے کے تاثرات آفتاب کی نظروں سے اوجھل تھے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ سپنا کا اُداس اُداس چہرہ اور زیادہ بجھ گیا ہوگا۔ اُس کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی ویرانیاں اور زیادہ گہری ہو گئی ہوں گی۔

وہ کمرے کی ایک ایک چیز کو بہت انہماک سے دیکھنے لگا۔ اُس کے کمرے کی بے ترتیب اور بکھری ہوئی چیزیں قرینے سے اپنی جگہ رکھی ہوئی تھیں۔ دُھلا ہوا تولیہ کا تکیہ میز پر پڑا تھا۔ پلنگ پر بے شکن چادر اور دُھلے ہوئے تکیے کے غلاف، کونے میں رکھی ہوئی تپائی پر کروشیا ورک سے بنا ہوا جال دار پوش اور کتابوں کی شیلف پر ترتیب سے رکھی ہوئی کتابیں۔

آج جب آفتاب یونیورسٹی سے گھر آیا تو سپنا کمرے کی صفائی میں مصروف تھی۔ کل شام سے وہ اچانک ہی آگرہ پہنچی تھی۔

کرسی پر بیٹھ کر اُس نے جوتے کے بند کھولتے ہوئے مسکرا کر سپنا کی طرف دیکھا اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"چائے لو گے یا کافی؟" وہ بک شیلف میں کتابیں جماتے ہوئے بولی۔

"کافی ـــــ" آفتاب قمیص کے بٹن کھولنے لگا۔

کافی کے لیے پانی اُبلنے کو رکھ کر، سپنا ساڑی اور بلاؤز لے کر غسل خانے چلی گئی۔ آفتاب کپڑے بدل کر شیو بنانے لگا۔

آفتاب کی آنکھوں میں سپنا کا اُداس چہرہ گھوم رہا تھا۔ اُس کے چہرے پہ ذرا بھی سُرخی نہ تھی اور آنکھوں کے گِرد سیاہ حلقے تفکرات کے غماز تھے۔ چھ برس پہلے، جب وہ دونوں بی۔ ایس سی میں تھے۔ اُس وقت بھی سپنا اس کے لئے اجنبی نہ تھی۔ سپنا ہمیشہ ہی سے پُر وقار، سنجیدہ اور کم گو تھی۔ سنجیدگی کے باوجود آفتاب کی شرارتوں پہ زوردار قہقہے لگاتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑتے تھے اور آفتاب اُس کی اِس حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی شرارتیں برقرار رکھا کرتا! وہ اُسے ستانے کے لئے اکثر گرلس ہوسٹل کے لان میں پہنچ جاتا——— کبھی کبھی گاؤں سے سپنا کی بھابی کا دیا ہوا سامان لے کر پہنچ جاتا۔ یہ سامان گاؤں سے لوٹتے وقت اکثر سپنا کی بھابی اُسے تھما دیتی تھی۔

"سپنا! یاد ہے تم ہنس لو جی بھر کر یا———" وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر سیٹی پہ کسی دُھن کی مشق کرنے لگتا۔

"یا——— کیا! ؟" وہ اپنی ہنسی بھول کر حیرت سے اُسے دیکھتے ہوئے کہتی۔

"یا پھر رو لو———" وہ ہنستے ہوئے اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے دبا لیتی اور ساڑی کے آنچل سے اپنے آنسو پونچھ ڈالتی۔

"کیا تم سوچتی ہو کہ تمہاری ہنسی ختم ہو گئی———" وہ اُسے ٹوکتا۔

"اور نہیں تو کیا———؟" سپنا معصومیت سے کہتی۔

"تمہاری آنکھیں اب بھی مسکرا رہی ہیں!" اور سپنا ساری کے آنچل سے مُنھ ڈھانپ کر ہنسنے لگتی——— اور پھر گاؤں سے لایا ہوا سامان لے کر گرلس ہوسٹل کی طرف بھاگ جاتی۔

"کافی تیار ہے!" سپنا نے آہستہ سے اُس کے پاس آ کر کہا۔

اور آفتاب کے ہونٹوں کی مُسکراہٹ یوں ختم ہو گئی، جیسے بے حد پیارا خواب دیکھتے ہوئے اچانک ہی کوئی جاگ جائے۔

کافی پینے کے بعد آفتاب نے کپڑے تبدیل کئے۔ جب دونوں تیار ہو کر باہر نکلے تو مطلع صاف تھا۔

---

اگست کی ایک دلفریب شام تھی۔

دُھلا دُھلا سا نیلا آسمان، بارش کی بھیگی ہوئی ہوائیں جمنا کے سُہانے اور پُر شور بہاؤ کو چھیڑتی ہوئی——— شام کے حُسن کو رنگینیاں بخشتی تاج محل سے ٹکراتی ہوئی گذر رہی تھیں۔ سپنا محبت کی اُس بے مثال یادگار کے نظارے میں محو تھی۔ تاج کے قریب سے گذرتے ہوئے بے حد ادب اور عقیدت سے اُس نے ملکہ کی خوابگاہ کی دہلیز پہ اپنی پیشانی جُھکائی اور جُھک کر اُسے آہستہ سے بوسہ دیا——— اُس کے چہرے پہ بلا کا سکون تھا——— طمانیت تھی۔

آفتاب نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

دونوں ایک ایسی رہگذر پہ آ کر رک گئے جہاں دونوں طرف خود رو پودے تھے۔ آفتاب زمین پہ تقریباً لیٹ گیا، اور سپنا خیالات میں ڈوبی ہوئی اُس کے قریب بیٹھ گئی۔ کچھ یوروپین لڑکیاں اُن کے قریب سے قہقہے لگاتی ہوئی گذر گئیں۔

"سپنا———!" آفتاب نے اُسے یونہی پکارا۔

"کیا———؟" وہ جیسے خوابوں میں ڈوبتے ہوئے بولی۔

"تم اِس انداز میں کافی بزرگ نظر آتی ہو۔" اُسے پھر شرارت سوجھی۔

"دُرست۔" وہ مُسکرا دی۔

"سنُو!"

"ہوں"

"گھر کب واپس جاؤ گی———؟" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"واپس، واپس، واپس"! وہ تلملا گئی اِس بے تُکے، بے محل سوال پہ۔ "کہہ دیا نہیں جاؤں گی، نہیں جاؤں گی!" اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "مجھے دو لمحے، دو گھڑیاں تو سکون سے گذار لینے دو آفتاب!" اُس کا دل رو پڑا اپنی بے کسی پر۔

"میرا کوئی گھر نہیں، مجھے کہیں واپس نہیں جانا ہے۔" اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

آفتاب اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ایسا نہیں کہتے سپنا——— آج نہیں تو کل ونود تمہیں گھر لینے جائیگا۔ اُسے اگر تمہارے پاگل پن کا پتہ چل گیا تو بہت بُرا ہوگا۔ تمہارا واپس جانا ہی مناسب ہے——— پھر تم نے گھر والوں کو بھی تو مطلع نہیں کیا، اُنہیں جب یہ سب معلوم ہوگا تو وہ لوگ پریشان ہو جائیں گے———؟"

"آفتاب مجھے کچھ مت یاد دلاؤ——— تم نہیں جان سکتے ہیں

کن حالات میں تمہارے پاس آئی ہوں، اگر نہ آتی تو مر جاتی آفتاب تم اُس کے بچپن سے واقف نہیں ہو۔ اتنا شکّی، اتنا کینہ پرور انسان ——— میں کس طرح اُس کے ساتھ زندہ رہ رہی ہوں ——— اُف!"

"آفتاب ——— مت یاد دلاؤ مجھے کچھ بھی یاد مت دلاؤ" اُس کی گہری اُداس آنکھیں بھر آئیں۔

آفتاب خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔

---

وہ اُٹھ کر سامنے پڑی سنگ مرمر کی بنچ پر بیٹھ گئے۔

آفتاب خاموشی سے سوچتا رہا اُس کے بارے میں۔

یہ لڑکی ——— یہ جو اس طرح آنکھوں میں آنسوؤں کی داستانیں سمیٹے ہے، اس کے لئے صرف اُس کی مسکراہٹوں کی خاطر ——— کہ اس کی زندگی میں آفتاب کا نام آنسو بن کر شامل نہ ہو۔ اُس نے اپنا گھر چھوڑ دیا، اپنا گاؤں چھوڑ دیا ——— اور تنہا اس مشینی شہر میں جہاں دو چار دوستوں کے سوا اُس کا اپنا کوئی نہیں ——— کوئی غم آشنا نہ تھا یہاں وہ اُن لوگوں کی طرح زندہ رہ رہا ہے جن کی زندگی میں صبح و شام کی رنگیں خوشگواریاں بے معنی ہیں جب سُورج کی کرنیں زمین پر تیز ہو جائیں تو پھیکی سی بے کیف زندگی کا آغاز۔ اور جب شام کا سُرمئی اندھیرا گہرا ہو جائے تو زندگی کی بے رنگ شام جیسے کوئی تھکا ہوا مسافر ——— جسے اپنی منزل کا کوئی سُراغ ہی نہ معلوم ہو اور ہر راستہ اجنبی راہوں سے جا ملے۔

آفتاب زندگی کی سُنسان رہگذر پر جھکے ہوئے قدم بڑھاتا۔ بے معنی سفر پر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

اُس نے یہ سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا کہ مُستقبل کے سویرے کون سے حسین رنگ میں لپٹے ہوں گے۔ زندگی کے خوبصورت خواب تعبیر کے کس حسین انداز میں اُس کے وجود کو جِلا بخشنے آئیں گے۔

کوئی مستقبل، کوئی تمنّا اور کوئی خواہش اُس کے دل میں نہ تھی۔

مذہب کی جو دیواریں تقدیر نے ہمارے آگے کھڑی کی ہیں وہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتیں اور تم مجھے مِل بھی نہیں سکتیں ——— اگر میں چاہوں بھی تو تمہیں، تمہاری سُلگتی ہوئی زندگی سے نجات دلانا ممکن نہیں۔



وہ سپنا کی طرف دیکھتے ہوئے سوچتا رہا ——— سپنا سفید ساری میں ملبوس کسی راہبہ کی طرح نظر آ رہی تھی۔

سامنے سنگ مرمر کی بنچ پر بیٹھا ہوا ایک امریکن اپنی ساتھی لڑکی کے بال سنوارنے میں مصروف تھا۔ لڑکی گُم سُم بیٹھی تاج کو گھورے جا رہی تھی۔

آفتاب، بچن کی "مدھوشالہ" کا مصرع گنگنانے لگا۔

"اِس پار پریے تُم ہو مدھو ہے ——— اُس پار نہ جانے کیا ہوگا"

برسات کی دُھلی فضا میں ستاروں کی جگ مگ کرتی بھیگی رات نور کی بارش کرنے تاج محل کی گود میں اُتر آئی تھی۔ کچھ دیر پہلے ڈھلتی ہوئی شام کے دُھندلکوں میں سپنا نے کئی جگہ اپنے نام کے ساتھ آفتاب کا نام زمین پر لوہے کی چابی سے نقش کر دیا تھا اور اب وہ بار بار اُن کھودے ہوئے نام کو اپنی نازک انگلیوں کے لمس سے محسوس کر رہی تھی۔

# خموشی

اسے صیاد نے کچھ، گُل نے کچھ، بلبل نے کچھ سمجھا
چمن میں کتنی معنی خیز تھی اک خامشی میری ——— جگر

جان پر آ بنی ہمدم مری خاموشی سے
بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر ——— دیوانہ

کیا قیامت ہے شبِ وصل خموشی اُس کی
جس کی تصویر کو بھی ناز ہے گویائی کا ——— ریاض

اپنی لذت میں گم ہوئے نغمے
اب خموشی سخن سے بہتر ہے ——— اثر

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں ——— مومن

مُرسلہ:- مس زیبا محمود۔ لائٹ انجینئرنگ، بکسر

اُس نے اپنے تخیل میں اپنی زندگی کا جو رُوپ سجا رکھا تھا اُس رُوپ کی انا کو تسکین پہنچانے کے لئے اُس نے اپنا اور آفتاب کا نام قریب قریب لکھ کر اپنے لاشعور کی دنیا میں سینکڑوں خوبصورت رنگ بھر دیئے اور زمانے سے بے خبر، اپنے آپ سے بے خبر روح کی بے پایاں مسرت کی دولت اپنے دامن میں سمیٹے دور اندھیری رات میں چمکتے ہوئے ستاروں کی روشنی کے سہارے ——— جمنا کو چھو کر گذرتی ہوئی ہواؤں کے دھیمے سحر آگیں نغمے کی لَے پر اس کا وجود گنگنا رہا تھا۔

ہم کل جب یہاں نہ ہوں گے تو پتھروں پر کُھدے ہوئے ہمارے ناموں کو جمنا کے دھیمے شور سے گذرتی ہوئی ہوائیں اپنی رعنائیوں کے ساتھ سرگوشیوں میں زندگی اور ابدیت کا پیغام سنائیں گی پھر میں اور تم ——— تم اور میں ——— اپنے ناموں کے ساتھ اِس حسین وادی میں آنے والے محبت کی تلاش میں سرگرداں دلوں میں خوشبو بن کر سماتے جائیں گے۔

ہمارا نام تاج کی طرح زندہ و پائندہ تو نہیں، لیکن ہم کہیں بھی جائیں، کہیں بھی رہیں، ہماری رُوحیں اپنے وجود کو ابدیت بخشنے کے لئے اِس وادیٔ محبت کی حسین آرام گاہ میں چاندنی راتوں اور ستاروں سے کرنوں کا روپ لے کر اندھیری راتوں میں جگنو کی چمک بن کر تاج کا طواف کرنے کے لئے آتی رہیں گی ——— آتی رہیں گی ——— آتی رہیں گی۔

"سپنا ——— سپنا ———!" آفتاب نے آہستہ سے آواز دی۔

وہ سر جھکائے ہوئے خوابوں کا سفر طے کر گئی ——— اسے محسوس ہوا جیسے آفتاب اُسے بہت دور سے آواز دے رہا ہے۔

"ہاں ———" اُس نے اُداس لہجے میں کہا۔

"چلو چلیں ——— اِس سے پہلے کہ پہرے دار ہمیں جانے کو کہیں ہمیں خود چلنا چاہئے۔"

سارے لوگ جا چکے تھے اور ——— پُرسکون ماحول میں تاج اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ جاگ رہا تھا ——— ایک پُراسراری فضا کی ویرانیوں میں ڈوبا ہوا چمن زار ۔ جگنوؤں کی چمک سے جگمگا رہا تھا اور وہ دونوں آہستہ خرام تھے۔ گیٹ پر پہنچ کر سپنا چند لمحوں کے لئے رُکی پھر مُڑ کر حسرت بھری نگاہ اُس پُرسکون فضا میں ڈالی اور پھر وہ باہر نکل آئے۔

سپنا محوِ خواب تھی ———

آفتاب کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ سوچتا رہا۔ گذرے ہوئے واقعات ایک ایک کر کے اُسے یاد آتے رہے۔ سپنا جن حالات کے تحت اُس تک پہنچی تھی۔ وہ ناقابلِ یقین حد تک بدتر تھے۔ سماجی نقطۂ نظر سے اُس کا اپنے سسرال سے بغیر کسی کو اطلاع دیئے آفتاب تک پہنچ جانا ایک طرح سے سپنا کو ایسے جُرم کا مرتکب کر گیا تھا جو کسی بھی حالت میں ناقابلِ معافی تھا۔ اِس سانحے کا ذمہ دار صرف آفتاب ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ اگر گندی سیاست کا ذرا سا بھی عُنصر اِس جذباتی حادثے میں شامل ہو جائے ——— اور یہ سوچتے ہی وہ بے چین ہو گیا۔ بستر سے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلتے ہوئے اُس کی نگاہ سپنا کے تھکے ہوئے لیکن پُرسکون سے معصوم چہرے پر پڑی۔ وہ صوفہ کم بیڈ پر نیند کی وادیوں میں گم تھی۔

سوگوار اور زرد سا چہرہ، کتنی کمزور ہو گئی تھی وہ! اُس کی نازک گردن کی گولائی میں ہڈیوں کا ہالہ سا بن گیا تھا۔ یہ ساری باتیں اِس بات کی غماز تھیں کہ وہ شدید ذہنی اور جذباتی انتشار سے فرار حاصل نہیں کر سکی تھی۔ اُسے اِس حالت تک پہنچانے میں کسے مورد الزام ٹھہرایا جا سکتا تھا۔

سپنا کے بھائی بھابی ——— جو اُس کی ضدی اور خاموش طبیعت سے واقف ہوتے ہوئے بھی ناواقف تھے۔

سپنا کا پتی ولو ——— ؟ جو دانستہ اس کے حساس دل کو ٹھیس پہنچاتا رہا۔

یا پھر وہ بذاتِ خود ——— ؟ جس نے دکھوں کے سوا آنسوؤں اور بے نامیوں کے سوا کچھ بھی کیا سکتا تھا۔ اُس کے ماتھے پر پسینے کے بے شمار قطرے اُبھر آئے ——— اور خیالات کا ایک نہ تھمنے والا ریلا اُسے ماضی کی طرف بہا لے گیا۔

گاؤں کی سنسان سی پگڈنڈی پر چلتے سپنا اُس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"آفتاب! میری شادی طے ہو گئی ہے" اُس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور آفتاب کے چہرے پر تاثرات کا ردِعمل دیکھنے کے لئے اُس کے قریب آ گئی تھی۔

"مبارک ہو ——— " آفتاب پُرسکون لہجے میں بولا تھا۔

"میں آج باجی اور امی سے ملنے آؤں گی۔ تم کب تک رہو گے یہاں۔؟"

سپنا کے لہجے میں تھرتھراہٹ تھی۔

"کچھ ٹھیک نہیں۔ کل ہی چلا جاؤں یا نہ بھی جاؤں ——— " آفتاب کا لہجہ پھر پُرسکون تھا۔

"آگرہ جا کر کیا کرنے کا ارادہ ہے ——— " دوستانہ لہجے میں سپنا نے پوچھا تھا۔

"ریاضیات و شماریات میں یو۔جی۔سی۔ کی اسکالر شپ کے لئے منتخب ہو گیا ہوں۔ ریسرچ ہی کروں گا۔"

"ہائے آفتاب! سچ تم ریسرچ کرو گے ——— !" وہ خوشی سے بے قابو ہو گئی تھی۔

اور شام جب آفتاب اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا یوں ہی ورق گردانی کر رہا تھا تو سپنا سلیٹی رنگ کی سوتی ساڑی میں ملبوس دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

گھنے لمبے بالوں کی موٹی سی چوٹی سامنے کئے ہوئے اور بالوں کی منتشر لٹوں کو پیچھے سرکاتے ہوئے اُس نے اپنا بایاں ہاتھ آگے کیا تھا۔

"یہ کیا ہے ——— " آفتاب نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"یہ ——— یہ میرا بیگ ہے۔ اس میں میرے ——— میرے کپڑے ہیں۔" اُس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

"لیکن کیوں ——— ؟" وہ بظاہر ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

## بجلی

بجلی گری وہ دل پہ کہ اللہ کی پناہ
اس چہرۂ ناز سے نقاب اُلٹ کہیں ہے ——— جوش ملیح آبادی

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو ——— غالب

قفس کے سامنے بجلی جو اس دن چمکی
نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی ——— جگر مراد آبادی

بجلیاں زور اپنا دکھاتی رہیں
اور ہم آشیانہ بنانے رہے ——— فرقت لکھنوی

نشیمن تو چمن میں پھر بنا لوں گا مگر بجلی
جہاں اک بار گرتی ہے وہاں سو بار گرتی ہے ——— بسمل سعیدی

مرسلہ۔ ایس۔ ایس ہنکاری۔ ایم۔ اے۔ نیدنگ

لیکن وجود کی گہرائیوں تک لرزا سا دوڑ گیا۔

"میں کبھی تمہارے ساتھ چلوں گی، میرا فیصلہ ہے قطعی اور آخری۔"

سپنا نے بے حد پُرسکون بڑے پُروقار انداز میں کہا تھا۔

"تباہیوں کی طرف بڑھتے رہنے کا تمہارا فیصلہ قطعی اور آخری ہے؟"

وہ بڑے دکھ سے بولا تھا اور وہ سکتے کے عالم میں کھڑی رہ گئی تھی۔

"ہمارے درمیان مذہب کی خلیج ہے سپنا، مذہب کی حدوں سے نہ تم گذر سکتی ہو اور نہ میں ——— رہا سوال ہماری محبت کا تو، ضروری نہیں کہ ہم ساتھ رہ کر ہی کسی کو چاہ سکتے ہیں، تم جہاں کہیں بھی رہو، ہر لمحہ ہر وقت میرے قریب ہو اور رہو گی ——— جاؤ یہاں سے اور ہو سکے تو بھولنے کی کوشش کرو۔" آفتاب اتنا کہہ کر اُس کی طرف سے اپنا رُخ موڑتے ہوئے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔

سپنا کب وہاں سے چلی گئی اُسے نہ معلوم ہوا۔ بس اُس کے قہقہوں کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکراتی رہی۔ وہ اُس کی بہنوں اور ماں میں گھری نجانے کس بات پر ہنس رہی تھی۔ آفتاب کو محسوس ہوا تھا جیسے سپنا اُس کی بزدلی کا ——— اُس کی بے زبان محبت کا تمسخر اُڑا رہی ہے۔

پھر اس سے پہلے کہ سپنا کے بیاہ کی شہنائیاں اُس کا تعاقب

گرین وہ وہاں سے جیب جھونک کے لئے آگے چل دیا تھا۔ شریر شرمیلی [illegible] آئیں ــــ جیسے وہ اپنے گھر بسانے چلی گئیں۔ [illegible] چاند سی [illegible] خواب آنکھوں میں [illegible] لیکن آفتاب یونہی خاموش برباد [illegible] کے لئے [illegible] آنکھوں میں اور گہری [illegible] واپس آگیا۔

---

آج سپنا پھر ایک بار اُس کی پناہ میں واپس آگئی تھی ــــ وہ [illegible] کی اُس دھندلی شام سے [illegible] بے خوف ہو کر اُس کے کمرے میں اِس طرح اچانک ملی جیسے اُس کی فردوسِ گمشدہ اُسے ایک بار پھر مل گئی ہے۔ لیکن لمحوں کی خوشیاں بے ثبات تھیں ــــ ابھی وہ اُنہیں دل کے گوشوں میں محفوظ بھی نہ کر پایا تھا کہ اُسے خیال کی تلخ حقیقت کو قبول کرنا پڑا ــــ سپنا کسی کی امانت ہے!

سپنا کے گلے میں پڑے ہوئے کالے موتیوں والے طلائی منگل سوتر نے دل کی دہلیز پر پڑی ہوئی رواج کی وزنی زنجیر کی شکل اختیار کر لی اور پھر آفتاب نے سپنا کی تصویر دل سے نکال پھینکنے کی سعیٔ لاحاصل کرتے ہوئے دل کے دروازے بند کرنا چاہے ــــ لیکن وہ ــــ وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگا۔ کیونکہ سپنا کی مانگ میں بھرے ہوئے سیندور کی شاہراہ حدِ نگاہ تک اُس کی تمناؤں کے خون کی سرخی لئے ہوئی تھی ــــ اور بہت قریب ہوتے ہوئے بھی منزل دُور تھی ــــ دشوار گزار رہگذر کانٹوں سے پُر تھی۔

میری چاہت راتوں کے خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں گے ــــ اور میں یونہی زندگی کی اِس بے رنگ بے نور ــــ رہگذر پر تنہا چلتا رہوں گا۔ میرا گھر آج تمہاری سانسوں سے معطر ہو رہا ہے سپنا ــــ کل پھر یہاں ایک روح فرسا تنہائی کا راج ہوگا ــــ تم چلی جاؤ گی خود سے ــــ یا پھر میرے مجبور کرنے پر اور میں ــــ؟ میں پھر یونہی تمہاری صورت کو تم سے بات کرنے کو ترس جاؤں گا ــــ نہیں سپنا! اب تمہیں میں اِس طرح خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں گا ــــ اب میں تمہیں اُس روز کی طرح ہمیشہ کے لئے سلگتے رہنے کیلئے واپس جانے پر مجبور نہ کروں گا۔ اب احساسات کی تپش میں جھلسنے کے لئے تمہیں تنہا نہ چھوڑوں گا میری سپنا! ــــ تمہارے چہرے پر چھائی ہوئی اُداسیاں میرے ضبط کو مجروح کر گئی ہیں۔ وہ کھوئی کھوئی آنکھوں سے سپنا کی طرف دیکھتے ہوئے سوچتا رہا۔

---

[illegible] آفتاب نے [illegible] کر دی۔ اُنہیں [illegible] اُس نے [illegible] ہوتے ہوئے اجازت [illegible] سے اُس نے [illegible]

سپنا اُس وقت [illegible] کے مطابق آراستہ کر چکی تھی ــــ اور اُس کے [illegible] جب وہ اندر داخل ہوا سپنا کے چہرے پر مسکراہٹ [illegible] لمحے کے لئے اُس نے سپنا کی پُرسکون مسکراہٹیں [illegible] کی طرح محفوظ کر لیں اور پھر بنڈل اُس کی طرف پھینک دیا۔

"ارے بیٹو ــــ پھر تم گھومنے چلیں گے" [illegible] آفتاب نے کہا۔

"آفتاب آج تمہاری آنکھیں بہت سُرخ ہیں ــــ چہرے پہ تھکن کے آثار ہیں ــــ تم آرام کرو۔ جائیں گے کبھی پھر کہاں ــــ؟"

وہ ٹیبل پر جھکا ہوا لیٹر پیڈ پر کچھ لکھنے لگا۔

"ایسی کیا ضروری بات ہے جو آتے ہی لکھنے بیٹھ گئے ــــ [illegible]"

"سپنا ــــ جلدی تیار ہو جاؤ پلیز! ــــ"

سپنا کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اُس نے پیڈ پہ ہاتھ رکھ دیا [illegible] کو سے ملتی ہاتھ [illegible] چکی تھی۔

---

جس وقت آفتاب سُرخ جوڑے میں ملبوس سپنا کو ساتھ لئے گلی کے موڑ سے گزرا تو محلّے کے بہت سے بچے اپنا کھیل چھوڑ کر حیرت و اشتیاق سے دونوں کو دیکھنے لگے ــــ سپنا کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے اُبھر آئے۔ آفتاب بچوں کی شریر مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیتے ہوئے گلی کے مکانوں کے دروازوں کی اوٹ سے کھڑکیوں کے پردوں سے جھانکتی ہوئی پُرتجسّس آنکھوں کو نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھ گیا ــــ

شام کی گہری ہوتی ہوئی سیاہی میں وہ دونوں [illegible] کے بُرج سے گزرتے ہوئے اُس جگہ آ کر کھڑے ہو گئے جہاں سے [illegible] شور کی آواز کانوں تک نہیں پہنچ سکتی [illegible] ایستادہ تھا ــــ جنگلی کبوتروں کے بے شمار [illegible] آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے [illegible] میں بے شمار [illegible] آنے والے [illegible] سپنا [illegible]

[illegible] ... [illegible] ... اس کی طرف دیکھ لیا۔

سپنا آج سے تاج کی طرف بار بار اپنی عقیدت اور حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی ہے ——— کبھی اُس کہانی کی طرف جس نظر کی ——— جو شاہجہاں کے پیروں میں زنجیر بن کر اُس کا راستہ روکے ہوئے تھی ———!؟
ہوا کا تیز جھونکا آیا اور سپنا سہم کر پیچھے کی طرف ہٹ آئی ——— "مجھے اس کہانی سے کیا غرض ———"

"یہ کہانی ہماری مہذب دنیا کی مہذب حدود کا تعین کرتی ہے اور ہم صدیوں سے آوارہ روحوں کی طرح تہذیب و تمدن کا بے رنگ لبادہ اوڑھے ہوئے، احساسات کے زخموں کی تڑپ سینے میں چھپائے ہوئے روشنی کی تلاش میں ——— سکون کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں ——— کیونکہ ہمارے درمیان ایک ایسی ہی کہانی حائل ہے ———" آفتاب کی آواز میں ارتعاش تھا۔

"تم آوارگی پسند کرتے ہو ———؟"

"ہاں! ——— مگر سفر بہت لمبا ہے سپنا ———" نجانے کیوں آفتاب کی آنکھیں بھیگ چلی تھیں۔

"میرا ساتھ کہاں تک دے سکتی ہو ———؟"

"جہاں تک ساتھ ہو سکتا ہے ——— اس دنیا میں ——— اس کے بعد اگر کوئی اور دنیا ہے ——— تو وہاں بھی میں تمہارے ساتھ ہوں ——— ساتھ رہوں گی ———!"

سپنا کے چہرے پر لفظوں کی سچائی ایک پاکیزہ تاثر سے پُر وقار سنجیدگی بن کر چھا گئی ———

آفتاب کو محسوس ہوا جیسے وہ دونوں قلعے کی کمان کو پار کرتی ہوئی وادیٔ محبت کی طرف ہواؤں کے دوش پر محوِ خرام ہیں۔

"تو پھر آؤ ہم چلیں ———" اور آفتاب نے بے حد عقیدت سے سپنا کا ہاتھ تھام کر اُس کی خوبصورت انگلیوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے اور پھر ایک دھماکہ سا ہوا جنگل پرندوں کی ایک چیخ سی گونجی۔ پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے ویرانے میں بازگشت پیدا ہوئی۔

اور پھر ایک گہرا سکوت چھا گیا ———

---

صبح آگرہ کے مقامی اخبارات میں جلی سرخیوں میں ایک خبر شائع ہوئی۔ کل شام قلعہ کی اونچی دیوار سے کود کر ایک نوجوان جوڑے نے خودکشی کر لی۔ لڑکی کا نام سپنا ہے اور نوجوان کا نام آفتاب احمد۔ آفتاب احمد کی جیب سے برآمد ہونے والے خط میں اُس نے بغیر کسی الزام کے اقدامِ خودکشی کا اعتراف کیا ہے۔

---

# سالنامہ دیکھ کر

ذکی پٹیالوی

کھِل گیا دِل سالنامہ دیکھ کر
ہو گیا شاداب دامانِ نظر
حسنِ ترتیب و طباعت کا کمال
بے نظیر و لاجواب و بے مثال
فکرِ نَو موضوعِ نَو آوازِ نَو
رنگِ نَو اسلوبِ نَو اندازِ نَو
ہر غزل آئینۂ فکر و نظر
ہر فسانے کی حقیقت معتبر
حسنِ معنیٰ داستاں در داستاں
ہر کہانی حاصلِ زورِ بیاں
سینۂ اوراق پر لفظوں کا رقص
جدّتِ فن کاریٔ خوش تر کا عکس
ایک جلوہ منظرِ تصویر کا
اک مُرقّع شوخیٔ تحریر کا
دیکھتا رہ جائے جو دیکھے اِسے
مرحبا کہہ جائے جو دیکھے اِسے
زندہ باد اے خوش تر معجز رقم
مغتنم ہے تیری ہستی تیرا دم

ہندوستان میں بہت سے پرچے ہیں۔ لیکن "بیسویں صدی" کی اپنی شان ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے ———
ذکی پٹیالوی



# غزلیں

## واجد سحری

چھلکانے والے بادۂ رنگیں کو جام سے
قدرِ شراب پوچھ کسی تشنہ کام سے

کچھ ایسی اُن کے نین کٹوروں سے پی چکے
نفرت سی ہو گئی ہمیں صہبائے جام سے

ہے وقتِ شام ڈوب چکا آفتاب بھی
اُبھرا ہمارا چاند ابھی تک نہ بام سے

وابستہ ہو چکی ہے مری تلخ زندگی
ساقی سے، میکدہ سے، صراحی سے جام سے

دِل بجھ گیا، حیات ہے بے کیف خوش ہوں کیا
ہم پر بہار صبح سے رنگین شام سے

سُنتے رہے حیات کے نغماتِ دل نشیں
کل ہم ملے تھے واجدِ شیریں کلام سے

## زبیر احمد آہی قاسمی

خوشی سے تذکرہ الم کی ہے زندگی میں نے
پیا ہے زہرِ محبت میں آپ کی میں نے

حیات وجد میں ہے، کائنات وجد میں ہے
"تمہارا نام لیا تھا ابھی ابھی میں نے"

جواب، نکہتِ گیسوئے یار کا نہ ملا
چمن میں دیکھ لی جا کر کلی کلی میں نے

جنازہ دوش پہ حالات کا اُٹھائے ہوئے
تڑپ تڑپ کے گزاری ہے زندگی میں نے

تمہارے شہر میں برپا تھے سخت ہنگامے
حدودِ دشت میں پائی سلامتی میں نے

گئی نہ دِل سے خلش جستجو کی اے آہی
گزار دی غمِ منزل میں زندگی میں نے

## اسیر شاہجہانپوری

جنگل جنگل میری وحشت
بستی بستی آپ کی شُہرت

گر گئے آنکھ سے اشک تو پھر کیا
ٹوٹے ہوئے تاروں کی قیمت

جتنے منہ ہیں اُتنی باتیں
کوئی نہ سمجھا تیری حقیقت

ناز نہ ہو کیوں دِل کا غنی ہوں
آپ کا غم ہے میری دولت

کون سُنے اے ناصحِ مشفق
کس کو اپنے کام سے فرصت

اتنا بہت ہے دَورِ ہوس میں
رہ گیا باقی نامِ محبت

طنز

# میر بیمار ہوئے...

فکر تونسوی

اے ۲۳/۱۸۔ موتی نگر۔ نئی دہلی

خورشید صاحب وی گریٹ!

اِس بار "افواہوں" کو ریسٹ (Rest) عنایت کر دی ہے۔ ایک اور طنزیہ حاضر کر رہا ہوں۔ یہ لذیذ کانٹا میرے رگ و پے میں کئی ماہ سے چُبھ رہا تھا۔ جی چاہتا ہے، اِسے نِکال دوں۔ افواہوں کا درد تو مستقل ہے۔ کبھی کبھی ذائقہ بدلنے کے لئے ہنگامی درد بھی سہی ــــــ اِس مضمون میں آنکھوں کی روشنائی اور قلم کی روشنائی کا فاصلہ ذرا بڑھ گیا ہے۔ اُمید ہے مجھے خوبصورت گالیاں نِکال کر اِسے عبور کر لیں گے۔

ــــــــ فکر تونسوی

★

میں بے حد پریشان تھا۔ بلکہ شرمندہ تھا ــــــ

شرمندگی کا باعث میرا نصیب تھا کہ مجھے کوئی سیریس بیماری لاحق نہیں ہوتی تھی۔ جب بھی کوئی بیماری آتی وہ نزلہ زکام میں بدل جاتی۔ زیادہ سے زیادہ سر کا درد، پیٹ کا درد یا کوئی پھوڑا اُبھر آتا اور مجھے دَم دے کر نو دو گیارہ ہو جاتا۔ احباب اور رشتے دار زیرِ ناف قسم کا طعنہ دیا کرتے کہ اِن غیر ضروری بیماریوں پر کوئی آپ سے کیا ہمدردی کرے۔ میری بیوی تو کنکھیوں سے کئی بار اشارے بھی کر چکی تھی کہ میں آپ کی خاطر مرِٹنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اِس مرِٹنے کی کوئی ٹھوس بنیاد بھی تو ہو۔

اور نہ جانے میرے کس پیارے کی دُعا قبول ہوئی کہ ایک دِن میں صبح کو شیو کر کے اُٹھا تو میری ایک لغزش پانے پکارا۔ "لیجئے گر چلا میں!" میری بیوی جو شاید اسی نادر لمحے کے انتظار میں ادھیڑ ہو گئی تھی، فوراً ڈاکٹر کو بُلا لائی۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ لغزشِ پا ہی نہیں ہے، سیریس بیماری ہے!"

بیوی کی زبان سے بے ساختہ نِکلا "ہائے اللہ! یہ سیریس بیماری اِن کی بجائے مجھے لگ جائے!"

ڈاکٹر نے رولنگ دیا "یہ فیصلہ ہسپتال میں جا کر ہو گا کہ بیماری کس جسم کے لئے موزوں ہے، یہ متنازعہ مسئلہ ہے۔"

اِتنے میں میرے بہت سے احباب اور رشتے دار جمع ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے ڈاکٹر کے فیصلے کو موزوں کہا اور باری تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ آخر میں تھرڈ ریٹ بیماریوں کے چنگل سے نِکل آیا اور اب راہِ راست پر چل پڑا ہوں۔ اُن کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو بھر گئے۔ اُنھوں نے تالیاں بجائیں۔ کئی ایک فرطِ انبساط سے رقص کرنے لگے۔ میری بیوی نے جذبات سے کانپتے لفظوں میں اعلان کیا کہ وہ میرے غسلِ صحت پر یتیموں کو کھانا کھِلائے گی۔

ہسپتال کے بڑے ڈاکٹر نے سرگوشی میں میرے ایک دوست کو بتایا کہ "یہ نروس بریک ڈاؤن کی بیماری ہے۔ ہو سکتا ہے کئی سال لگ جائیں!"

کئی سال ــــــ مجھے یتیموں کا مستقبل بہت خطرے میں نظر آیا۔

---

ہسپتال کے بیڈ پر لیٹتے ہی مجھے بے حد اطمینان ہوا۔

نہ پریشانی باقی رہی تھی نہ شرمندگی ہی۔ بلکہ فخر سے پھولا سماتا تھا کہ اب اس سیریس بیماری کی بدولت میں کئی لوگوں کو ابلائیج (oblige) کر سکوں گا۔ میرے احباب خلوص اور ہمدردی کا فرائض دلانہ استعمال کر سکیں گے۔ رشتے داروں کو ٹھنڈی آہیں بھرنے اور آنسو تھرتھرانے کا موقع نصیب ہوگا۔ میری ایک جنبش لب پر وہ اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے تیار ہو جائیں گے، میری آنکھ کا ایک ہلکا سا اشارہ ان کی زنگ آلود روح کے سبھی بند دروازے کھول دے گا۔ میرے بدن میں ایک چھوٹی سی ٹیس اٹھے گی تو احباب مرغ بسمل کی طرح ہسپتال کی سڑک پر تڑپتے ہوئے نظر آئیں گے۔ میری بیوی ہر پرسان حال کے ہونٹوں پر

---

- جو شخص نیک عمل حصول ثواب کے خیال سے کرتا ہے، تاجر ہے۔ جو خوف دوزخ سے کرتا ہے، وہ غلام ہے اور جو صرف خدا کے لئے کرتا ہے وہ خدا کا نیک بندہ ہے۔ (حضرت معروف کرخیؒ)
- مسلم کی باتیں سن کر جو ان پر عمل کرتا ہے اس کے دل میں علم کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ (حضرت ابو عثمانؒ)
- جس کا غصہ زیادہ ہوگا اس کے دوست کم ہوں گے۔ (حضرت فضیل بن عیاضؒ)

---

انگلی رکھ کر کہہ سکے گی ؎

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

غرض میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا تھا کہ زندگی میں کسی کے کام تو آیا! دوسروں کی خوشنودی کے چند لمحے بھی میسر آجائیں تو وہ سنبل و ریحاں اور لعل و یاقوت وغیرہ سے کم نہیں ہوتے۔ ورنہ اس سے پہلے تو زندگی جیسے بے برگ و گیاہ ریگستان میں گزر رہی تھی۔ نہ کسی کے آنسو، نہ تبسم، نہ جذبات سے چور ہونٹ، نہ کسی کی ہمدردی، نہ کسی کا خلوص، نہ کسی کا امتحان، نہ کوئی ممتحن ——

ہسپتال میں جاتے ہی سب سے پہلے تو میرے ایک مسٹر دوست نے اس ریگستان میں ایک پھول کھلا دیا۔ یعنی ایک دوست کے ٹیلیفون پر انھوں نے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ سے کہہ دیا کہ اس مریض کو فوراً ایک بیڈ عطا کیا جائے! ہسپتال میں بیڈ میسر آنے کا مطلب ہوتا ہے۔ جیسے کسی بیروزگار کو اپائنٹمنٹ لیٹر مل جائے۔ میرے ایک پروفیسر دوست نے میری ہوا باندھتے ہوئے کہا: اجی! بیڈ کیوں نہ ملتا۔ ان کی رسائی تو منسٹروں تک ہے!" مجھے منسٹروں کی اس لسٹ پر نام کھلا جاتے تھا۔ لیکن منسٹر کی خوشی سے مجھے بیڈ مل جانے میں مضر تھی۔ اسلئے میں اس لسٹ کو شہد کا گھونٹ سمجھ کر پی گیا۔

بیڈ مل جانے کے بعد تین چار دن تک میں یہ دیکھتا رہا کہ احباب اور رشتے دار نہایت سرگرم ہو گئے ہیں۔ چاروں طرف بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنی دوڑ دھوپ کی رپورٹ لے آتے اور میرے حلق میں انڈیل دیتے۔ کوئی بتاتا ہسپتال کا ہارٹ اسپیشلسٹ میرے کالج کا ساتھی ہے اور مجھ سے میتھمیٹکس کی گائڈ بک لے جایا کرتا تھا۔ کوئی انکشاف کرتا بلڈ بنک کے انچارج سے میں نے کہہ دیا ہے کہ آپ کی خوش نصیبی ہے آپ کے ہسپتال میں ایک عظیم مریض داخل ہوا ہے۔ یہ انچارج میری خالہ کا چوتھا بیٹا ہے۔ اگرچہ خالہ نے اسے جائداد سے عاق کر دیا ہے۔ لیکن اس کی لو میرج سے پہلے کے سبھی لیٹر میں نے ہی قلم بند کر کے دیئے تھے۔ ایک دوست نے تین اخباروں میں میری فوٹو اور بیماری کی خبر بے حد ولولہ انگیز انداز میں شائع کروا کے مسرت حاصل کی۔ جیسے اس نے مجھے مرنے کے بعد جنت کی سیٹ دلوا دی ہو! چار پانچ دوستوں نے کافی ہاؤس میں ایک ریزولیوشن پاس کروا دیا کہ خدانخواستہ اگر فکر تونسوی کی موت واقع ہو گئی تو پورے کافی ہاؤس کے ممبران نہ صرف باجماعت شمشان گھاٹ تک جائیں گے۔ بلکہ پسماندگان کے لئے چندہ بھی اکٹھا کریں گے۔

یہ جان توڑ سرگرمیاں دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے سارا ہندوستان میری بیماری کی خاطر زندہ ہے۔ ورنہ درگور ہو گیا ہوتا! ہر روز کئی ڈاکٹر باری باری آتے اور مجھے لیبارٹری

کر کے تجربے شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر ہوں، سکول کے طالب علم ہوں اور میں ایک کاپی ہوں، جس پر وہ ہوم ورک کر رہے ہوں۔ پہلے تو میں سمجھا کہ وہ میرے مرض سے خوش ہونے کی وجہ سے سرگرم ہیں۔ لیکن ایک بار میں نے ان کی خوشی سے بور ہو کر ایک ڈاکٹر سے پوچھا: "جناب کیا آپ کو مریض سے محبت ہے یا مرض سے؟"

وہ بولا: "مرض سے! کیونکہ ہم مریض پر ریسرچ کر کے مرض تک پہنچتے ہیں تاکہ آپ پر ریسرچ سے بنی نوع انسان کو بھی فائدہ پہنچے۔"

"اور اگر میں نہ آتا تو بنی نوع انسان کا کیا بنتا؟"

اِس کے جواب میں ڈاکٹر نے اپنے اسسٹنٹ کو حکم دیا۔ "اِس مریض کی پی۔سی۔جی بھی کرائی جائے۔ دماغ میں توقع سے زیادہ خلل معلوم ہوتا ہے۔"

لیکن میں جانتا تھا کہ میرے دماغ کے خلل کا سبب میری بے پناہ مسرّت ہے، جو مریض بن کر مجھے حاصل ہو رہی ہے۔ میں یہ سوچ کر جھوم اٹھا کہ ہسپتال میں مجھے بے حد رومانٹک ماحول ملے گا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ کئی آرٹسٹ لوگ ہسپتال میں جا کر ناول تک لکھتے ہیں اور بیماری کو ادبِ عالیہ میں اضافہ کا باعث بناتے ہیں۔ اُن میں سے کئی ایک نرسوں سے پیار بھی کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ کئی نرسیں تو نوکری پر لات مار دیتی ہیں اور ناول نگار کی روح کے نرم گوشے میں دُلہن بن کر گھس جاتی ہیں۔

دوسرے دن جب میں صبح سے کسی نرس کی آمد کے انتظار میں آنکھیں بند کئے پڑا تھا، کسی نے میرا کندھا جھنجوڑا۔ یہ واقعی نرس تھی (میرے متوقع ناول کی متوقع ہیروئن) میں نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ نرس خوبصورت نہ تھی، خوبصورت دُنیا کے جسم پر ایک چیتھڑا تھی! اس نے پہلے مجھے سونگھا، پھر ماحول کو سونگھا اور جیسے اُسے احساس ہوا کہ ماحول نامکمل ہے۔ اِس لئے اس نے میرے بیڈ کے سرہانے ایک میلے سے گتے پر میڈیکل چارٹ لٹکا کر ماحول کو مکمل کر دیا۔

اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری قبر پر دیا جلا دیا ہو!

---

میری بیماری اُچھلتی کودتی، چھلانگیں لگاتی ہوئی جب کئی ہفتے عبور کر گئی تو مجھے شک ہونے لگا کہ ڈاکٹر حضرات کو خدمتِ خلق سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اُن کی حالت اس عورت سے بہتر نہیں ہے جو شوہر کے لئے کھانا تیار کرتی ہے۔ شام کو سبزی وغیرہ لاتی ہے اور صبح دودھ کے ڈپو کی لمبی قطار میں دو بوتلیں لانے کے لئے اپنی باری کا انتظار کرتی ہے —— عام اصطلاح میں اُسے گرہست کی خدمت کہا جاتا ہے لیکن گرہستن سے پوچھا جائے تو وہ اُسے اکتا دینے والی روٹین (Routine) کا نام دیتی ہے۔

میرا خیال تھا اور افسوس ناک حد تک غلط خیال تھا کہ

---

- اگر سوشلزم کی تعمیر کے لئے تہذیب و تمدّن ضروری ہیں تو ایسا کیوں نہ کریں کہ تہذیب و تمدّن کی تعمیر کے لئے پہلے ہم زمینداروں اور سرمایہ داروں کا خاتمہ کر دیں۔ بعد میں سوشلزم کی طرف رجوع ہوں۔ (لینن)
- شاعر کا فن یہ ہے کہ وہ محض انفرادی جذبوں میں رنگ نہ بھرے، اجتماعی طور پر انسانی بہتری کے وہ نقش اُبھارے، جن سے سب متاثر ہو سکیں۔ (جانسن)
- عورت ہونا ایک خطرناک اور مشکل عمل ہے، کیونکہ اس عمل میں مَردوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ (جوزف کامریڈ)

---

ڈاکٹر جب مریض کی خدمت کرتے ہیں تو اُسے انسانیت کا عروج سمجھتے ہیں۔ لیکن جب میں نے ذرا قریب ہو کر دیکھا تو یوں محسوس ہوا وہ انسانیت سے اُکتا چکے ہیں۔ وہ جب مریض کا بلڈ پریشر دیکھتے ہیں یا اُس کے ہارٹ اور جگر اور پھیپھڑے کی رپورٹ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُنھیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آلو چھیل رہے ہوں یا سبزی میں نمک مرچ مسالے کا تناسب پیدا کر رہے ہوں۔ ڈاکٹر سچ مچ ایک انار ہوتے ہیں جس کے ایک سو نہیں ہزاروں بیمار ہوتے ہیں۔ ہر بیمار سمجھتا ہے یہ انار میرے ہی کھانے کے لئے ہے اور ڈاکٹر کی بے بسی یہ ہے کہ وہ کسی مریض سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا: "دوست! انار کے متعلق تم جو بھی

فقط تحفہ بنا لو میں داخل ہو رہوں گا۔ لیکن ظالم اب مجھے پانچ منٹ
کی تنہائی تو عطا کر دو۔ تاکہ میں خدمتِ خلق سے بلند ہو کر ایک
سگریٹ ہی پی سکوں۔"

ایک دن میں نے ایک ڈاکٹر سے پوچھ لیا: "ڈاکٹر صاحب!
آپ کے اندر خدمتِ خلق کا جذبہ کیوں مر گیا؟"

وہ مجھے بدمعولی چاد کا پہاڑا پڑھتے ہوئے بولا: "وہ تو
اُسی دن مر گیا تھا جب میں نے اس ہسپتال میں نوکری کے لئے
برسوں اپنے گھٹنے اور ماتھا رگڑا۔ ایک نہایت ہی بھونڈے،
غیر انسانی شکل کے ڈپٹی منسٹر کو وقت کا جہانگیر اور یوسف کہا
تھا۔ انسانیت تو اس سماج کے لئے اچھوت کا درجہ رکھتی ہے!"

یہ سُن کر مجھے شک ہوا کہ میرے سبھی جذبے اچھوت ہیں۔ ڈاکٹر
میرے جذبوں کو ہاتھ لگانا نہیں چاہتا۔ وہ صرف ہسپتال کے
مُردہ قاعدے قانون کے چوکھٹے میں گھومے جا رہا ہے۔ اِس چوکھٹے
کے باہر کی دُنیا اچھوتوں کی دُنیا ہے۔ اِس چوکھٹے میں انسانیت داخل
نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر اِس چوکھٹے سے باہر آ کر اچھوتوں کو چھونا
نہیں چاہتا۔ جو مریض ہسپتال میں اِس خیال سے داخل ہوتا ہے
کہ ڈاکٹر اُس کا انتظار کر رہا ہے اور لپک کر مریض کے جسم میں
خدمتِ خلق کا انجکشن دے دے گا اور ناچ اُٹھے گا۔ ایسے
مریض کو چاہئے کہ وہ اچھوت ہی رہے تو اچھا ہے۔ ڈاکٹر کے لئے
سب مریض برابر ہیں، سب بور ہیں، سب اچھوت ہیں!

بھونڈے ڈپٹی منسٹر نے ڈاکٹر سے انسانیت چھین لی۔
اب تو وہ کسی لیڈی ڈاکٹر سے بھی پیار کرنے سے پہلے دیکھ لیتا
ہے کہ اُس کی تنخواہ کتنی ہے۔

---

احباب اور رشتے داروں تک میرے وارڈ اور بیڈ نمبر
کی باقاعدہ اطلاع پہنچا دی گئی تھی۔ ایک دوست نے خلوص کی
بلندیوں پر کھڑے ہو کر مشورہ دیا کہ بیڈ نمبر اخباروں میں
چھپوا دیا جائے۔ چھپ جانے کے بعد وہ اپنے فرضِ منصبی سے
چھٹکارا پا گئے اور پھر کبھی ہسپتال میں نہ آئے۔ باقاعدہ اطلاع
کے باوجود (سُنا ہے) یار دوست ایک دُوسرے سے پُوچھتے پھرتے۔
"بھائی! فکر صاحب کا بیڈ نمبر کون سا ہے؟"

شروع شروع میں خلوص کے سانڈوں کی آمد [illegible]
اُن کی آمد پر میرا دل کیوں اُچھلتا اور میں پھول جاتا کہ [illegible]
ہوں۔ ہر ملاقاتی یہ جھوٹ بول کر بہت خوش ہوتا [illegible]
بالکل بھلے چنگے ہیں۔ ورنہ ایسے اعصابی امراض میں تو انسان
ہڈیوں کا ڈھانچہ بن جاتا ہے!"

جوں جوں وہ میرا دل بڑھاتے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ
بنتا چلا جاتا۔ لیکن پھر بھی میرا جی چاہتا میری ہڈیوں کی مزید
تعداد نمایاں ہوتی چلی جائے تاکہ میں پُرسانِ حال کی محبت کے
لذیذ جام لنڈھاتا رہوں۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ میری اس
سازشیانہ پلاننگ کا علم احباب اور رشتے داروں کو ہو گیا
اور آہستہ آہستہ اُن کی تعداد کم ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک دن
نظروں سے بالکل اوجھل ہو گئی اور میرے بیڈ کے پاس صرف
چند شیشیاں، ایک میڈیکل چارٹ اور ایک بیوی رہ گئی! شاید
پُرسانِ حال نے میرے مرض کی بُو سُونگھ لی کہ یہ مرض تو طولِ شبِ
فراق کی مانند بڑھ گیا ہے اور زندگی صرف مرض کے گرد تو
نہیں گھومتی۔ کئی اور اہم کام بھی ہیں۔ مثلاً پتنگ اُڑانا ہے، بلیک
مارکیٹنگ ہے، لڑکیوں سے چھیڑ کرنی ہے، پڑوسیوں سے لڑائی
جھگڑا کرنا ہے۔ غرض سینکڑوں ضروری کام ہیں۔ فکر تونسوی کا
مرض کا زندگی کا ایک حقیر سا حصّہ ہے۔ ایک گھٹیا سی روٹین
(Routine) ہے۔ ہُنہ! سینکڑوں مریض ہر روز صبح ہسپتال
کی او۔ پی۔ ڈی کی کھڑکی کے سامنے کیو بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔
بھلا بیمار ہونا بھی انسان کی کوئی بنیادی ضرورت ہے۔

اور یوں آہستہ آہستہ میں غیر دلچسپ ہوتا گیا۔ ہمدردی
اور خلوص کا سیلاب ایکدم تیزی سے شام کے سورج کی طرح
ڈوب گیا۔ یہاں تک کہ ڈوبتی شعاعوں کی سُرخی بھی نظروں سے
اوجھل ہو گئی اور میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ مرض کو عادت
نہ بنانا چاہئے۔ اتنی بڑی کائنات ہے اور ایک انسان اُس میں
ایک بے حد مدھم ہوتا ہوا نقطہ ہے۔ جس سے کوئی لفظ نہیں بنتا
کوئی لکیر نہیں بنتی۔ اس حقیر نقطے پر انسانیت اور محبت اور
خلوص وغیرہ وغیرہ چیزوں کی بُنیاد رکھنا خیالی محل
جذباتی پن ہے۔

بمبئی سے ایک افسانہ نگار دوست نے خط لکھا۔ "تم بڑے خوش قسمت ہو کہ دہلی میں بیمار پڑے ہو اور (سُنا ہے) تمہارے پُرسانِ حال تمہاری اس بیماری کو غنیمت سمجھ کر جوق در جوق تمہیں پوچھنے کے لئے بھی آتے رہتے ہیں۔ لیکن میری بد بختی! کہ میں بمبئی میں بیمار پڑا ہوں۔ جہاں کسی کو کسی کی خبر نہیں کہ کس حال میں ہے؟ یہاں کا ہر فرد اپنے بدن کی مختصر سی دُنیا کے باہر دیکھ ہی نہیں سکتا! میں سمجھتا تھا اُن کے پاس جذبات کی کمی ہے، لیکن اب معلوم ہوا ہے، فرصت کی کمی ہے۔ جتنے وقت میں وہ مجھے پوچھنے کے لئے آئیں، اُتنے وقت میں وہ اپنے مالک مکان سے تُو تُو مَیں مَیں کر سکتے ہیں۔ یہ تُو تُو مَیں مَیں میری بیماری کی خاطر ملتوی نہیں کی جا سکتی۔ چھ ماہ سے اپنے گھر میں پڑا ہوں اور کسی پُرسانِ حال کو ترس گیا ہوں! کل کسی نے میرے کمرے کا دروازہ کھٹ کھٹایا تو میں بے حد جذباتی ہو گیا کہ آخر کسی پُرسانِ حال کے دل میں خلوص جاگا۔ میں اٹینشن ہو گیا اور مریضوں کی طرح ہائے ہائے کرنے لگا۔ نو وارد نے پُوچھا... صاحب! کیا بات ہے۔ آپ تو کچھ بیمار معلوم ہوتے ہیں کسی اچھے ڈاکٹر سے علاج کرائیے۔ جلدی تندرست ہو جائیے کیونکہ ہندوستانی ادب کو ابھی آپ سے بہت اُمیدیں ہیں۔ میں تو بائی دی وے آپ کے گھر میں ایک ضروری ٹیلیفون کرنے آیا تھا۔ اجازت ہو تو کر لوں؟"

بمبئی کے اُس دوست کے خط سے مجھے آبدیدہ ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن میرے پاس تھیٹر کے ایک پروڈیوسر دوست بیٹھے تھے۔ اِس لئے میں نے جذباتی ہونا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ وہ کہہ رہے تھے: "فِکر صاحب! آپ تو بیماری سے چِپٹ ہی گئے ہیں۔ میں پوچھنے آیا تھا کہ وہ ڈرامہ جس کے ابھی تین منظر قلم بند کرنا باقی ہیں، اُس کا کیا بنے گا۔ ڈرامے کا مکمّل ہونا تو بے حد ضروری ہے۔"

"جنابِ من! ڈرامے سے زیادہ میری بیماری ضروری ہے۔ میں تو غسلِ صحت کے بعد ہی وہ سین لکھ سکوں گا۔" میں نے کہا۔

"آپ جلد جلد تندرست ہو جائیے۔ ہمارا بڑا نقصان ہو رہا ہے۔ یہ لیجئے، آپ کے لئے آلو بخارا لایا ہوں۔ کھائیے اور سوچئے کہ کیا دَورانِ مرض آپ ڈرامہ مکمّل نہیں کر سکتے؟"

دُنیا ستم گر نہیں ہے۔ بلکہ اُس کی مجبوری ہے کیونکہ اُسے مرض سے زیادہ اپنے ڈرامے سے محبت ہے اور محبت کے بغیر وہ سانس نہیں لے سکتی۔

ایک نزدیکی رِشتے دار (کم از کم وہ بدستور مجھے رِشتے دار کہتے تھے) بہت سنجیدہ غم اپنی پلکوں پر تھرتھراتے ہوئے میرے بیڈ کے پاس آئے۔ میڈیکل چارٹ اُٹھا کر آنکھوں سے لگایا اور بولے: "خُدا چاہے گا تو آپ بہت جلدی صحت یاب ہو جائیں گے۔"

میں نے عرض کیا: "آپ کو اِتنی کیا جلدی ہے؟"

وہ رو ہانسے ہو کر بولے: "آپ بیماری میں بھی مذاق سے باز نہیں آتے۔ آپ کی بھتیجی کے بیاہ کا مسئلہ تھا۔ آپ کی بیماری کے باعث اٹکا ہُوا ہے۔ تاریخ مقرر کرنا ہے، لڑکے والے بہت پریشان کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں، کل جُگ ہے کسی کی نیت بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

میں نے اُن سے ہمدردی کرتے ہوئے کہا: "غلطی میری تھی کہ کل جُگ میں بیمار ہُوا۔ آپ بیاہ کر دیجئے، میری بیماری پر بھروسہ مت کیجئے۔"

بزرگوار خوشتر صاحب! تسلیم و نیاز

"بیسویں صدی" کا سالنامہ نظر نواز ہُوا۔ آپ نے ہمیشہ اپنی درخشندہ روایت کو قائم رکھا ہے۔ حسبِ سابق یہ سالنامہ بھی بُوقلموں کیفیات کا حامل ہے۔ دلچسپی و دلربائی اِس عروسِ ادب کا زیور ہے، اور شوخی و رعنائی تیورِ مضامینِ نظم و نثر عمدہ اور قابلِ مطالعہ ہیں۔ آپ کی ملاوٹ، الامان والحفیظ۔ اِس شگفتہ بیانی کا جواب نہیں کرشن چندر، موہن یاور اور رام لعل کے افسانے، کنہیا لال کپور اور پرکاش ناتھ پرویز کے مضامین اور مخمور سعیدی، امرت لعل عشرت اور مرشس ملسیانی کے منظومات پسند آئے۔ ابھی کئی تحریریں پڑھ نہیں پایا۔ سالنامہ کی کامیابی پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں...

کرشن موہن (دہلی)

چند دن بعد معلوم ہُوا انھوں نے بیاہ کر دیا ہے۔ میری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکل سکا۔ جسے میں ان کے دعوتی کارڈ پر گرا سکتا۔ البتہ میں نے ایک دانش مندانہ قدم ضرور اُٹھایا کہ ہسپتال کے قواعد توڑ کر گھر آگیا۔ پرسانِ حال پر بھروسہ کر کے بیمار رہتے چلا جانا مجھے غیر ضروری معلوم ہُوا۔

گھر آکر ایک اور قریبی رشتے دار کا پیغام مِلا کہ میرا بڑا لڑکا جُوتے میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس پریشانی میں آپ کو پوچھنے کے لئے حاضر نہ ہو سکا۔ ایک دس سالہ پرانے دوست کو کاغذ کی ایک چِٹ لکھ کر بھجوائی کہ میں تمھارے ہجر میں تڑپ رہا ہوں، ہسپتال میں نہیں آسکے تو گھر پر ہی آجاؤ۔ اس نے اسی چِٹ کی پُشت پر جواب دیا: ”اب تم نے مجھے شرمندہ کرنے کی ٹھانی ہے۔ اس لئے میں تمھیں شکل نہیں دکھا سکتا۔ میں تمھیں نارمل ہی حالت میں دیکھ سکتا ہوں۔ بیمار حالت میں تمھیں دیکھنا میری قوتِ برداشت سے باہر ہے۔“

ایک اور دوست سے کافی ہاؤس میں مُلاقات ہوئی۔ ہنس کر بولے: ”میں نے سُنا تو ضرور تھا کہ تم بیمار ہو لیکن میں نے سوچا۔ مذاق کرنا تمھاری عادت ہے۔ شاید تم نے بیماری سے بھی مذاق کیا ہو گا۔ اب کیسے ہو؟“

اس کے بعد میں ہر رشتے دار اور دوست کے گھر جا کر اِطلاع دے آیا کہ میں اب بھی بیمار ہی ہوں۔ اِس لئے موقع غنیمت ہے، آکر میری پرسشِ حال کر جاؤ۔ ایک صاحب اُلٹے مجھ سے شکایت کرنے لگے: ”واہ فِکر صاحب! آپ نے بھی کمال کر دیا! میں ہسپتال میں آپ کی صورتِ حالات پوچھنے کے لئے پہنچا تو معلوم ہُوا آپ ڈسچارج ہو کر گھر چلے گئے۔ آخر اتنی بھی کیا جلدی تھی؟“ ایک دوسرے رشتے دار کو دوسری شکایت تھی کہ میں ہسپتال میں دو گھنٹے تک ہڈیاں جوڑنے والے وارڈ میں آپ کو ڈھونڈتا پھرا۔ لیکن ناکام لوٹ آیا۔ کم از کم یہ بتا دیتا تو آپ کا فرض تھا کہ آپ کی ہڈی نہیں ٹوٹی۔ بلکہ اعصابی نظام میں خلل تھا۔

میں نے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ موقع مِلا تو ہڈی ہی تڑواؤں گا! اور ہسپتال سے باہر آکر میں نے محسوس کیا کہ دُنیا دیسی کی ویسی ہی ہے کہیں کوئی تبدیلی نہیں۔ ہر کوئی ایک دوسرے کے ساتھ قہقہے لگانے میں مصروف ہے۔ کسی کو کیا کہ محفل میں کون آیا، کون گیا، کون مر گیا، کس کی چھٹی ہو گئی، کس کی آنکھ پھوٹ گئی، کون دیوالیہ ہو گیا، کس کی لاٹری نکل آئی؟ اِن تمام تبدیلیوں سے بے نیاز اس دُنیا کا ہر کوئی اپنے ہی چند سانسوں میں مگن ہے اور مجھے بھی اپنے اِن عزیزوں میں اُنھوں نے یوں کھپا لیا جیسے میں بیمار نہیں ہوں، جیسے میں کبھی بیمار نہ ہُوا تھا اور جیسے میں اُن کی خاطر بیمار نہیں ہُوا تھا۔ بلکہ اپنے بدن کی آزمائش کرنے کے لئے بیمار ہُوا تھا۔

البتہ پرسانِ حال اب بھی شاید خلوص و محبت کے مارے مجھ سے میری صحت کے بارے میں پوچھ لیتے ہیں اور اس بات پر بہت افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ میں نہایت غلط دوائیں کھاتا رہا۔ وہ مجھے مشورے دیتے ہیں، مختلف نسخے بتاتے ہیں کہ میں ان پر عمل کروں تو بالکل تندرست ہو جاؤں گا۔ بلکہ ایک دوست تو مجھے اپنے گھر لے گئے اور میرے ہاتھ میں دوا کی ایک شیشی تھماتے ہوئے بولے: ”اِسے استعمال کیجئے۔ تیر بہدف ہے!“

”آپ نے ڈاکٹری کا یہ فن کہاں سے سیکھا؟“ میں نے ان سے پوچھا۔

وہ گردن پھُلا کر بولے: ”اجی میرے والد صاحب عطّار تھے!“ اور میں گردن جھکا کر گنگنانے لگا ؎

میرؔ کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطّار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

# صحت و زندگی

## ۱ — نمک کی دوائی اہمیت

نمک ہماری غذا کا ایک ضروری جزو ہے۔ کھانے میں نمک شامل نہ ہو تو وہ بے مزہ معلوم ہوتا ہے۔ نمک غذا کو خوش ذائقہ ہی نہیں بناتا بلکہ صحت اور تندرستی کے لئے بھی اس کا استعمال بہت ضروری ہے۔ نمک کے استعمال سے غذا کے ہضم ہونے میں مدد ملتی ہے، بھوک لگتی ہے اور جسم سے ریاح خارج ہوتی ہے۔ انسان کو نمک نہ ملے تو وہ کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے۔ مختلف سبزیوں اور پھلوں سے بھی ہمیں نمک حاصل ہوتا ہے۔ اس کے باوجود غذا میں بھی اسے ملانا پڑتا ہے — اس کا مزاج گرم اور خشک ہے۔ نمک دوائی اعتبار سے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔

- بدہضمی اور معدہ کی گرانی کی حالت میں نمک کا استعمال بہت مفید ہے۔ پانی کے ایک گلاس میں دو ماشہ نمک ڈال کر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ایک ایک گھونٹ پیا جائے تو بدہضمی کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔
- پسا ہوا نمک شہد میں ملا کر کپڑے میں لپیٹ دیں اور اس پر مٹی لگا کر آگ پر رکھیں۔ جب مٹی خوب سرخ ہو جائے تو نمک کو اندر سے نکال کر خوب پیس لیں۔ نزلہ اور زکام کی تکلیف میں نمک چند دن صبح و شام ایک ماشہ استعمال کر لیا جائے تو نزلہ اور زکام کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔
- آنکھوں میں ناخونہ اور جالا کی شکایت ہو تو بطور سرمہ نمک کا استعمال مفید ہے۔
- نمک گلے کے امراض کا بہترین علاج ہے۔ گلے کی کوئی تکلیف ہو تو گرم پانی میں پسا ہوا نمک ڈال کر غرارے کرنے سے تکلیف دور ہو جاتی ہے۔
- موسم گرما میں جب شدید لو کا زمانہ ہوتا ہے، پسا ہوا نمک پانی میں ڈال کر پی لیا جائے تو لو لگنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔
- نمک ریاح کو تحلیل کرتا ہے۔ دل کی حرکات کی ترتیب میں نظم پیدا کرتا ہے۔
- نمک پیشاب آور ہے۔ معدہ اور آنتوں میں عفونت نہیں پیدا ہونے دیتا۔
- لاہوری نمک کا منجن دانتوں کے لئے بے حد مفید ہے۔
- کمسن بچے جن کے دانت نکل رہے ہوں اکثر دست آنے سے لاغر ہو جاتے ہیں۔ انھیں گرم پانی میں نمک ملا کر غسل دیا جائے تو جسمانی کمزوری دور ہو جاتی ہے اور اعصاب کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ چھوٹے بچوں کو اس طرح غسل دیا جائے تو وہ آشوبِ چشم کی شکایت سے محفوظ رہتے ہیں۔
- ہیضہ کی شدت میں نمکین پانی جسے طبی اصطلاح میں سیلائن مکسچر کہتے ہیں، اس کا استعمال بے حد فائدہ بخش ہے۔
- سیاہ نمک جو کیمیاوی طور پر تیار کیا جاتا ہے جسم کی گرمی کو دور کرتا ہے۔ معدہ کی گرانی کی حالت میں اس کا استعمال بے حد مفید ہے۔
- معدہ میں ترشی بڑھنے سے اگر کھٹی ڈکاریں آتی ہوں اور کھانا ہضم نہ ہوتا ہو تو کھانا کھانے سے پہلے دو گھونٹ نمکین پانی پینا بہت مفید ہے۔

عورتوں کے بچہ پیدا ہونے کے بعد بعض اوقات بدن کی شکایت ہو جاتی ہے اسے وقتی درد کہتے ہیں۔ اس میں گرم پانی میں نمک کا استعمال مفید ہے — یہ عمل دردِ گردہ میں بھی مفید ہے اور اس سے اپھارا بھی دور ہوتا ہے۔

## ۲ — صحت مند رہنے کے لئے

یہ روشن حقیقت ہے کہ صحت ہی زندگی ہے۔ صحت نہ ہو تو

زندگی موت سے بدتر بن جاتی ہے۔ آپ اپنے گرد صحت سے محروم لوگوں کو دیکھتے ہوں گے جو صحت مند لوگوں کو حسرت سے دیکھتے ہیں۔ قدرت کسی کو بیمار نہیں پیدا کرتی۔ جو لوگ صحت کے اصولوں کی پابندی کرتے ہیں وہ صحت مند رہتے ہیں۔ جو لوگ صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں قدرت انھیں معاف نہیں کرتی، انھیں سخت سزا دیتی ہے۔ ان سے صحت کی دولت واپس لے لیتی ہے۔

ماہرینِ صحت نے لکھا ہے ——— صحت مند رہنے کے لئے صحت کے اصولوں کی پابندی کرو۔ اُن چیزوں کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ جو صحت کے لئے مضر ہیں، چاہے وہ کتنی ہی خوش ذائقہ ہوں۔ ایسی چیزوں کو میٹھا زہر سمجھو!

- جینے کے لئے کھاؤ، کھانے کے لئے نہ جیو! زیادہ کھانا طرح طرح کے امراض کو دعوت دینا ہے۔ جو لوگ بھوک سے کم کھانا اپنا اصول بنا لیتے ہیں، انھیں کبھی ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا پڑتا۔ خدا نے غذائیں اس لئے پیدا کی ہیں کہ انسان اعتدال سے انھیں کھا کر زندہ رہ سکے۔
- صحت مند رہنے کے لئے بہترین اصول ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی قسم کی غذا کھائی جائے۔ غذا مقررہ وقت پر اور مناسب مقدار میں کھائی جائے۔
- تنگ دل نہ ہو۔ ہر حال میں خندہ و شگفتہ رہو۔ جہاں تک ہو سکے اپنے دامن پر رنج و غم، فکر و تشویش کا سایہ بھی نہ پڑنے دو۔ کیونکہ رنج و غم اور فکر و تشویش سے بڑھ کر انسان کی صحت اور اس کی زندگی کا کوئی دشمن نہیں!
- دل اور جسم کو صاف رکھو۔ صفائی ایک مستحکم قلعہ ہے جس میں بیماری داخل نہیں ہو سکتی۔
- روزانہ کھلے میدان میں ورزش کرنا اپنا معمول بنا لو۔ لیکن اعتدال سے باہر کبھی قدم نہ رکھو۔

وقت پر سویا کرو اور مکمل آسودگی کے ساتھ اپنی نیند پوری کیا کرو۔ پوری نیند میں صحت کا راز مضمر ہے۔

- محنت کو اپنا شعار بناؤ۔ کاہلی سے نفرت کرو۔ کاہل انسان کبھی صحت مند نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ قدرت کا قانون ہے ——— قدرت کی عطا کی ہوئی قوت و طاقت سے کام لو ورنہ وہ اُسے واپس لے لے گی۔"

## ۳ ——— کیا آپ جانتے ہیں؟

فرانس کے مشہور ڈاکٹر موسیو الیوی نے تجربات کے بعد لکھا ہے ———

جو لوگ کثرت سے چائے پیتے ہیں اُن کی دماغی قوتوں میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ دماغ کی نازک رگیں کمزور ہو جاتی ہیں، قوت سامعہ ضعیف ہو جاتی ہے۔ سرد اور بلغمی مزاج والوں کے لئے اعتدال سے چائے پینا کسی حد تک فائدہ مند ہے۔ دردِ سر، گرانی، نیند اور غنودگی کے غلبے میں چائے کا استعمال مفید ہے۔

چائے کی طرح کافی بھی صحت کے لئے مضر ہے۔ امریکی ڈاکٹر ڈگلس بائج پال نے لکھا ہے ——— کافی نوشی کی لت انسان کو دل کی مہلک بیماریوں کے قریب لانے کا موجب ہوتی ہے۔ تجربات و تحقیقات سے اِس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ جو لوگ کثرت سے کافی پیتے ہیں اُن کے معدے میں سوزش پیدا ہوتی ہے۔ جو بعد میں بہت مہلک ثابت ہوتی ہے۔ کثرت سے کافی پینے والے کو محسوس نہیں ہوتا کہ اس کے معدے میں کس مرض کا سانپ ہے جو وقت آنے پر پھنکار اُٹھے گا اور شمشان گھاٹ پہنچا دے گا!

انگلینڈ کے سرکردہ ڈاکٹروں کی رائے یہ ہے کہ دل کے امراض کی خاص وجہ کافی نوشی کی لت ہے۔

چائے اور کافی کی طرح تمباکو کا نشہ بھی غیر محسوس ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ جسم پر مہلک اثر کرتا رہتا ہے۔ دُنیا کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کے نزدیک تمباکو انسان کا خطرناک دشمن ہے۔ اُس کا استعمال، استعمال کرنے والے ہی کو نقصان نہیں پہنچاتا، اُن کی اولاد کے لئے بھی مضرت رساں ہے۔ سگریٹ پینے والے والدین کی اولاد جسمانی اور دماغی طور پر مضبوط اور صحتمند نہیں ہو سکتی۔

ماہرینِ صحت کی رائے میں لباس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ طبی نقطۂ نگاہ سے تنگ لباس مضر ہے۔ اِس لئے کہ اُس سے سینہ پوری طرح پھیل نہیں سکتا، اِس طرح بدن پوری مقدار میں آکسیجن جذب نہیں کرتا جس سے خون کی صفائی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اِس لئے ہمیشہ کشادہ لباس پہننا چاہیئے۔

ہلکے اور سُبک کپڑے صحت کے لئے بہتر ہوتے ہیں۔ لباس ہمیشہ صاف استعمال کرنا چاہیئے۔ گندے کپڑے صحت کے لئے مُضر ہیں۔

لباس جسم کا محافظ ہے۔ گرمیوں میں سیاہ رنگ کے کپڑے نہ پہننے چاہئیں۔ سیاہ لباس میں سُورج کی شعاعیں بہت جلد جذب ہوتی ہیں۔

## ۴ ——— کامیابی کا راز

کامیابی سے محروم لوگ اکثر اپنی قسمت کو کوستے ہیں۔ ناسازگار حالات کا گِلہ کرتے ہیں۔ ایک مفکر نے لکھا ہے ——— "ہر ناکام انسان اپنی ناکامی کا خود ذمّہ دار ہوتا ہے۔ زندگی میں کامیابی انھیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو دل میں اُسے پہلے ہی حاصل کر چکے تھے جنھوں نے زندگی کے خوابوں کو حقیقت کا روپ دیا وہ اپنے خوابوں کی تعبیر پہلے اپنے دل میں پا چکے تھے۔ اُن کی کامیابی کا راز اسی میں تھا۔ اگر آپ اپنے خوابوں کی اچھی تعبیر چاہتے ہیں تو آپ کو بھی اُنھیں کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے۔"

مشہور مفکر ڈاکٹر مارڈن نے لکھا ہے ——— "کامیاب لوگوں کی کامیابی کا ایک خاص سبب یہ ہے کہ وہ کامیابی چاہتے ہیں، کامیابی کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ جو لوگ زندگی کی بساط پر ناکام رہتے ہیں وہ زندگی کی سطحی باتوں پر غور کرتے رہتے ہیں اور دل میں چھپی ہوئی عظیم قوتوں کی طرف اُن کا خیال نہیں جاتا، جب کہ یہی قوتیں حقیقت میں زندگی کو بنانے والی ہوتی ہیں۔ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے بارے میں سوچنے کی بجائے اپنی موجودہ محرومیوں اور ناکامیوں کے بیکراں سمندر میں ڈوبے رہتے ہیں اور خدا کی اُس عظیم طاقت کو بھی بھلا دیتے ہیں جس کے سامنے دُنیا کی کوئی ناکامی ٹِک ہی نہیں سکتی۔ خُدا کسی انسان کو ناکام نہیں دیکھنا چاہتا۔"

ایک امریکی مفکّر نے کامیابی کا راز اِن الفاظ میں بتایا ہے ——— "آپ کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ آپ جو کچھ سوچتے ہیں لاشعور اُسے اپنے اندر جذب کرتا رہتا ہے، اِس لئے بُرے خیالات کو تحت الشّعور تک پہنچنے سے روکنا چاہیئے۔ اگر آپ اپنے تحت الشّعور کو تمام بُرے خیالات سے پاک رکھنا چاہتے ہیں تو اپنے ذہن کو بھی اِس طرح کے خیالات سے پاک رکھیں۔ ایک بلند مقصدِ حیات مرتّب کیجیئے۔ اُسی کے متعلق سوچیئے۔ اُسی کے لئے اپنے لاشعور کو سوچنے کے لئے مجبور کیجیئے۔ اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ زندگی میں وہ نمایاں کامیابی نہیں حاصل کر سکتے جس کے آپ متلاشی ہیں۔"

...اپنے دامن میں ادب و انشاء کے پھول اور کلیاں لئے ہوئے سالنامہ نظر نواز ہُوا۔ یہ کہنا مُبالغہ نہ ہو گا کہ زیرِ نظر سالنامہ جنتِ نگاہ ہے اور فردوسِ گوش بھی! اِن ناسازگار حالات میں ایسی عظیم ادبی دستاویز پیش کرنا آپ کے عزمِ جواں کا عظیم کارنامہ ہے! آفریں باد بر ایں ہمّت مردانۂ تو!

آپ کا اپنا

آسی رام نگری (مغل سرائے)



تار کے پتے میں پانچ الفاظ مفت
آپ جو تار بھیج رہے ہیں اگر اس میں پتہ لمبا ہے تو آپ گھبرائیں نہیں۔
ایسی حالتوں میں پتے کے پہلے پانچ الفاظ پر پیسے لئے جاتے
ہیں اور باقی پانچ الفاظ مفت بھیجے جاتے ہیں۔
پتے میں دس سے زیادہ جتنے الفاظ ہوں ان پر
بھی پیسے لئے جاتے ہیں۔
براہ مہربانی شہر کے نام کے بعد پن کوڈ بھی لکھیے۔
اس پر کوئی پیسہ نہیں لیا جاتا۔
یاد رکھیے پورا اور صحیح پتہ لکھنے سے آپ کا تار
جلدی پہنچے گا۔
محکمہ ڈاک و تار

# سرگوشیاں

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ فلمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ "بیسویں صدی" کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ (ایڈیٹر "بیسویں صدی" دہلی)

---

**مس رخسانہ عابدی۔ بحرین**

س۔ یہ خوبصورت قطعہ کس کا ہے ——

ہر کلی مست خواب ہو جاتی
پتی پتی گلاب ہو جاتی
تُونے ڈالیں نہ مے فشاں نظریں
ورنہ شبنم شراب ہو جاتی!

ج۔ یہ قطعہ نریش کمار شاد کا ہے۔

س۔ اور یہ شعر کس کا ہے ؎

اے مرے مقصدِ حیات، گوشۂ چشم التفات
ایک نگہ تو ہے بہت، نیم نگہ میں کیا نہیں!

ج۔ یہ شعر حضرتِ جگر مرادآبادی کا ہے۔

---

**محمد عظیم الدین پرویز۔ عادل آباد**

س۔ کیا یہ سچ ہے کہ عورت گھر کی زینت ہے؟

ج۔ یہ سو فیصدی سچ ہے۔ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ ڈاکٹر ٹامس نے کہا ہے — "جس مکان میں عورت نہیں، سمجھ لو اُس مکان میں شگفتگی، بشاشت اور مسرت کا قطعی گزر نہیں" —— شیکسپیر نے کہا ہے —— "عورت خوشبو، نغمہ، رقص اور روشنی کا مجموعہ ہے۔"

س۔ آج کل مسلمان عورتوں میں پردہ کا لحاظ کیوں نہیں ہے؟

ج۔ آپ کے اس سوال کا جواب اب سے بہت پہلے حضرتِ اکبر الہ آبادی ان الفاظ میں دے گئے ہیں ——

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بی بیاں
اکبرؔ زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا وہ پردہ کیا ہوا؟
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا!

---

**محمد مصطفےٰ علی انصاری۔ نلگنڈہ**

س۔ سپاہی کی تلوار اور شاعر کے قلم میں کیا فرق ہے؟

ج۔ سپاہی کی تلوار رزم ہی میں اپنے جوہر دکھاتی ہے، شاعر کا قلم رزم، بزم ہر جگہ اپنے جوہر دکھاتا ہے۔ شاعر اپنے قلم سے مجاہد کو بیدار کرتا ہے۔ اُس کے جذبات و احساسات میں شعلے بھر دیتا ہے۔ تب مجاہد کی تلوار اپنا جوہر دکھاتی ہے۔

---

**محفوظ عالم۔ بھاگلپور۔ پیرو۔ آرہ**

س۔ دائمی قبض سے نجات پانے کا مفید اور سہل طریقہ بتلایئے۔ کرم ہوگا۔

ج۔ رات کو مویز منقّہ دو دانے اور انجیر دو عدد پانی میں بھگو دیا کیجئے۔ صبح کو پانی پی لیا کیجئے اور انجیر اور منقّہ کھا کر پیدل سیر کے لئے نکل جایا کیجئے —— قبض سے نجات پانے کے لئے ککڑی، پپیتہ، گھیا، پالک، مولی، شلغم، گاجر، ٹنڈا، امرود، گلقند، ہڑ، انجیر، بادام مفید ہیں —— سبز ترکاریاں بھی قبض دُور کرنے کے لئے فائدہ بخش ہیں۔

---



ERRADOL

**ہدایت علی ساحل۔ مجھری تلیا**

س۔ زندگی بوجھ کب بن جاتی ہے؟

ج۔ جب انسان اسے بوجھ بنا لیتا ہے۔

س۔ عورت کی زندگی میں بہار کب آتی ہے؟

ج۔ جب اس کی آغوش میں کوئی پھول سا بچہ مسکراتا ہے۔

س۔ سچے دوست کی پہچان کیا ہے؟

ج۔ سچا دوست چین کے مال جیسا نہیں ہوتا!

---

**نظر النساء۔ پچھرو کھی۔ سارن**

س۔ میری خاموش رہنے کی عادت سے لوگ مجھے مغرور سمجھتے ہیں۔ بتائیے کیا کروں؟

ج۔ اتنی خاموش نہ رہا کیجیے کہ لوگ مغرور سمجھنے لگیں۔

س۔ ذہنی توانائی کے لئے کیسی غذا مفید ہوگی؟

ج۔ سائنسدانوں کا تجربہ ہے کہ فاسفورس دماغی تقویت کے لئے ضروری چیز ہے۔ اس لئے ذہنی توانائی کے لئے ایسی غذا استعمال کرنی چاہیے جس میں فاسفورس ہو۔ مچھلی، انڈے، چوزے، دودھ، مکھن اور بادام میں کافی فاسفورس پایا جاتا ہے۔ چنے، مٹر، سویابین، کشمش، پستہ، اخروٹ اور پنیر بھی دماغی تقویت کے لئے اچھی غذائیں ہیں۔

---

**سراج تمنائی۔ وانم باڑی**

س۔ انسان زندگی میں راحت پانا چاہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

ج۔ دوسروں کو سکھ پہنچانا چاہیے۔

س۔ غم کی راتیں لمبی کیوں ہوتی ہیں؟

ج۔ غم کی راتیں لمبی نہیں ہوتیں، لمبی محسوس ہوتی ہیں۔

س۔ شکیل بدایونی کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ یہ اداس اداس چہرے، یہ حسیں حسیں تبسم
تری انجمن میں شاید کوئی آئینہ نہیں ہے

---

**ساگر پٹیالوی۔ انبالہ**

س۔ ٹائپ کس نے اور کب ایجاد کیا اور وہ کہاں کا رہنے والا تھا؟

ج۔ ۱۴۵۰ء میں گٹن برگ نے ایجاد کیا۔ وہ جرمنی کا رہنے والا تھا۔

---


اگلا بچہ ہونے سے پہلے
ذرا سوچیے
کیا آپ اس بچے
کی صحیح دیکھ بھال
نہیں کرنا چاہیں گے ؟
اس کے روشن مستقبل کیلئے اعلیٰ تعلیم کی شروعات اور باقی سبھی ضرورتوں کو پورا کرنے کا انتظام ... لیکن اگر بچہ جلد ہو گیا تو یہ سب کچھ کرنا آپ کے لئے مشکل ہوگا۔ آپ اس پریشانی سے ضرور بچنا چاہیں گے۔
نِرودھ کی مدد سے اب آپ اگلے بچے کی پیدائش کو تب تک ٹال سکتے ہیں، جب تک آپ اسکی پوری دیکھ ریکھ کرنے لائق نہیں ہو جاتے۔
نِرودھ مردوں کیلئے ہے۔ ربڑ سے بنا حمل روکنے کا یہ آسان ذریعہ برسوں سے ساری دنیا میں مقبول ہے۔ آپ بھی نِرودھ استعمال کیجئے
نِرودھ ہر جگہ ملتا ہے۔ سرکاری رعایتی دام، 15 پیسے میں 3
جب تک نہ چاہیے تب تک نہ پائیں سنتان
نِرودھ
لاکھوں میں مقبول، بے ضرر اور آسان
کریانہ فروشوں، دوا فروشوں، پنساریوں، پان و سگریٹ کی دکانوں وغیرہ کے یہاں بکتا ہے۔
davp 71/460

**حسین احمد خاں معروف گنج ۔ گیا**

س ۔ مسلسل جدّ و جہد کے بعد بھی انسان کو کامیابی حاصل نہ ہو تو ؟

ج ۔ جدّ و جہد جاری رکھنی چاہیئے ۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

حالِ واستقبالِ ہر دو حاصلِ تدبیرِ تست
ہاں بہمہ آمادہ شو در دستِ تو تقدیرِ تست

س ۔ انسان اپنے فیصلہ پر کب اور کیوں نادم ہوتا ہے ؟

ج ۔ جب بغیر سوچے سمجھے غلط فیصلہ کر لیتا ہے ۔

---

**وینا کماری بی ۔ اے ۔ الہ آباد**

س ۔ شلغم کی تاثیر بتایئے مہربانی ہو گی ۔

ج ۔ شلغم کی تاثیر گرم تر ہے ۔

س ۔ ٹماٹر کی تاثیر سرد ہے یا گرم ؟ میری سہیلی ششی کہتی ہے ٹماٹر کی تاثیر بہت سرد ہے ۔ سردیوں کے موسم میں بچوں کو ٹماٹر نہ دینا چاہیئے ۔

ج ۔ ٹماٹر کی تاثیر معتدل ، خشک ہے ۔ سردیوں کے موسم میں بچوں کو شوق سے ٹماٹر دے سکتی ہیں ۔ ہاں کھانسی ، نزلہ ، یا زکام کی حالت میں نہ دیں ۔

---

**نواب اصغر علی ۔ دھنباد**

س ۔ پیسہ اور پیار میں آج انسان کے لئے کون سی چیز ضروری ہے ؟

ج ۔ پیسہ ! آج کی دنیا میں پیسہ سے پیار بھی خرید لیا جاتا ہے ، دولت سے محبت بھی خرید لی جاتی ہے ۔

س ۔ عزت کھو کر دولت کمانا اچھا ہے یا دولت کھو کر عزت حاصل کرنا ؟

ج ۔ سب کچھ کھو کر عزت کمانا اچھا ہے ۔ لیکن آج کی دنیا میں سب کچھ کھو کر دولت کمانے کو اچھا سمجھا جاتا ہے ۔

س ۔ خرابی بُرا یا شراب ؟

ج ۔ دونوں ۔

---

**میر عرفان علی شاطر ۔ بمبئی**

س ۔ بھائی جان ! زندگی زندہ دلی کا نام ہے تو موت ؟

ج ۔ ہم زندگی کے نقیب ہیں ۔ موت کی بات کسی اور سے پوچھیے ۔

س ۔ انسان موت سے کیوں گھبراتا ہے ؟

ج ۔ جو اپنی موت کو بھی زندگی بنا لیتا ہے ، وہ موت سے نہیں گھبراتا ۔ وہ مر کر بھی زندہ رہتا ہے ۔

---

**ابن الحسن سعید ۔ شاہ جمعہ**

س ۔ دُنیا رنگ و بُو کی دیوانی کیوں ہے ؟

ج ۔ اِس لئے کہ رنگ و بُو میں کشش ہوتی ہے ۔

س ۔ انسان تنہائی پسند کب ہو جاتا ہے ؟

ج ۔ جب وہ اس حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے ۔ ــــ ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را !

س ۔ کیا یہ سچ ہے کہ غم مسرت کا دوسرا نام ہے ؟

ج ۔ جی ہاں ، غم مسرت کا دوسرا نام ہے ، غم مسرت کا دوسرا روپ ہے ۔

---

**نجمہ ارشاد صدیقی سلیم پور ۔ دیوریا**

س ۔ چچا جان ! مجھے اچھی باتیں جاننے کا بے حد شوق ہے ۔ کچھ اچھی باتیں بتایئے ۔

ج ۔ بزرگانِ دین کے اِن ارشادات کو آویزۂ گوش بنا لیجئے ــــــ

- کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو ۔
- کسی سے ناپسندیدہ بات نہ کرو ۔
- جو اپنی قدر نہیں جانتا ، دوسرے بھی اُس کی قدر نہیں پہچانتے ۔
- دل شفقت سے خالی ہو تو انسان انسان نہیں رہتا ۔

---

**راج جلالی ایم ۔ اے ۔ اندور**

س ۔ عورت فطرتاً بزدل ہے یا بہادر ؟

ج ۔ عورت بزدل نہیں ہے ۔

س ۔ عورت کانٹا کب بن جاتی ہے ؟

ج ۔ جب مرد اُسے کانٹا بن جانے کے لئے مجبور کرتا ہے ۔

---

**جان عالم روش مظفر پور**

س ۔ پھول حاصل کرنے کے لئے کانٹوں سے اُلجھنا پڑتا ہے ۔ ایسا کیوں ؟

ج ۔ پھول حاصل کرنے کے لئے تو کانٹوں ہی سے اُلجھنا پڑتا ہے ۔ موتی پانے کے لئے تو سمندر کی گہرائی میں اُترنا پڑتا ہے ۔

س ۔ غموں کا پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑے تو ؟

ج ۔ حوصلہ کا دامن نہ چھوڑنا چاہیئے ؎

یہ کہہ کے دل نے مرے حوصلے بڑھائے ہیں
غموں کی دھوپ کے آگے خوشی کے سائے ہیں

س ۔ حضرت جگر مرادآبادی کا کوئی حیات افروز شعر سنایئے ۔

ج ۔ سُنئے ؎

یہ مصرعہ کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے

---

# آپ کے لئے پھلوں اور سبزیوں کے تحفظ کا آسان طریقہ

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے پسندیدہ پھل اور سبزیاں آپ کو سارا سال کھانے کے لئے مل سکیں تو آپ پھلوں اور سبزیوں کے تحفظ کے لئے بھارت سرکار کے اہتمام میں چلنے والے کسی بھی مرکز میں تشریف لے جائیں اور اپنی پسند کے مطابق جیم، جیلی، مارملیڈ، چٹنیاں، اچار، سکواش وغیرہ تیار کروائیں۔

کسی مرکز میں جانے سے پہلے، وقت طے کر لیں اور یہ بھی معلوم کر لیں کہ کسی چیز کی تیاری کے لئے پھل اور چینی کتنی مقدار میں درکار ہوں گے۔ یہ چیزیں آپ اپنے ساتھ لے جائیں اور معمولی خرچ پر اپنی پسند کے مربے اچار اور چٹنیاں وغیرہ تیار کروالیں۔

## تربیت :-

اگر آپ چاہیں تو اچار، مربے، جیم وغیرہ بنانا سیکھ بھی سکتے ہیں۔ یہ تربیت مفت دی جاتی ہے۔ دو ہفتوں میں آپ کی تربیت مکمل ہو جائے گی اور آپ کو سرٹیفکیٹ بھی دیا جائے گا۔



**پھلوں اور سبزیوں کے تحفظ کے مرکز میں تشریف لائیے**

ڈی II/ 183 قدوائی نگر (ویسٹ)
نئی دہلی-23
فون:- 626960

35 - راجندر پارک، نئی دہلی-60
فون:- 582071

ڈی- 26 سی-سی کالونی - دہلی-7

مکان نمبر 3040
سیکٹر 21 - ڈی چنڈی گڑھ
فون:- 27679

سی-61 سوجی مارگ - سی اسکیم جے پور
فون:- 74073

اشوکا ہوٹل اسٹیٹ - رج - شملہ

34/1 سنت نگر - سول لائنز لدھیانہ

davp 78/1

**قاضی سعید الدین۔ بڈنیرہ گنگاکی، برار**

س۔ کیا یہ سچ ہے کہ جو انسان زمانہ کے ساتھ چلتا ہے کامیاب ہوتا ہے؟

ج۔ جی ہاں

پینے والا جو نہ ساقی کے اشارے سمجھا
سُرخرو ہو نہ سکا بادۂ گلفام کے ساتھ

---

**سیما۔ علی گڑھ**

س۔ وفاداری مردوں میں کم کیوں ہوتی ہے؟

ج۔ اس لئے کہ مرد بے وفا ہوتا ہے۔

س۔ مجاز کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

---

**محمد ظہیر نظامی۔ دھنباد**

س۔ کوئی ظلم و بربریت کی حد سے گزر جائے تو؟

ج۔ تو یقین کر لینا چاہئے کہ چنگیز اور ہلاکو سے اُس کا کوئی رشتہ ہوگا!

س۔ انسان کی زندگی دھوپ اور چھاؤں کی طرح ہے کیا آپ اس خیال سے متفق ہیں؟

ج۔ یہ خیال بہت حد تک حقیقت سے قریب ہے۔

س۔ مرد کی سب سے بڑی کمزوری کیا ہے؟

ج۔ شاید آپ ہم سے کہلوانا چاہتے ہیں، مرد کی سب سے بڑی کمزوری عورت ہے لیکن حقیقت نہیں ہے۔ عورت مرد کی سب سے بڑی کمزوری نہیں، مرد کی سب سے بڑی طاقت ہے۔

---

**محمد رفیع احمد۔ دھنباد**

س۔ انسان خود محتاج کب ہو جاتا ہے؟

ج۔ جب محتاجی دُور کرنے کے لئے جدوجہد کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

س۔ انسان اپنی زندگی سے ہار کب جاتا ہے؟

ج۔ جب حوصلہ کا دامن چھوڑ دیتا ہے۔

---

**ثریا پروین جائسی۔ کلکتہ**

س۔ چند سال سے میں کسی چیز کو پانے کے لئے بہت کوشش کر رہی ہوں لیکن میری تقدیر میں ناکامی لکھی ہے۔ پھر بھی میں تہیہ کر چکی ہوں کہ پا کر رہوں گی! کیا امید پر بھروسہ کروں؟

ج۔ کسی حالت میں مایوس نہ ہونا چاہئے؛ کسی چیز کو پانے کے لئے جو لوگ اس طرح تہیہ کر لیتے ہیں وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں یقیناً کامیاب ہوتے ہیں۔

---

**ایس۔ پرویز۔ بریلی**

س۔ قرآن پاک میں لکھی ہوئی کچھ باتیں بتائیے جن سے کچھ نصیحت ملے۔ مجھے اچھی باتیں جاننے کا بہت شوق ہے۔

ج۔ برائی کو بھلائی سے رفع کرو۔
- ناحق سرکشی نہ کرو۔
- ناشکری نہ کرو۔

---

**محمد لقاء الرحمٰن۔ اورنگ آباد۔ گیا**

س۔ جسم کے زخم اور داغ مٹ سکتے ہیں۔ روح کی جراحتیں کیسے مندمل ہوں گی؟

ج۔ روح کی جراحتیں اچھے خیالات سے مندمل ہو سکتی ہیں۔

س۔ عورت جب آزادی پسند ہو تو؟

ج۔ عورت آزادی پسند ہو تو اس کے پیروں میں اپنی محبت کی بیڑیاں ڈال دینی چاہئیں۔

س۔ خوبصورتی کا راز؟

ج۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی۔ اچھی صحت میں خوبصورتی کا راز مضمر ہے۔

---

**ڈاکٹر زبیر احمد شمسی۔ محمد آباد گوہنہ**

س۔ آج کل کی تعلیم کا مقصد کیا ہے؟

ج۔ تخریب کاری کی تربیت حاصل کرنا!

س۔ آج کے انسان کی سب سے بڑی کمزوری کیا ہے؟

ج۔ خود کو خدا سے بھی قوی سمجھنا!

---

**کرشنا کماری بی۔ اے۔ دہلی**

س۔ کسی نے آپ سے پوچھا تھا پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی مس بے نظیر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ جواب میں آپ نے کہا تھا "بے نظیر ہے!" ــــ کیا آج بھی بے نظیر کے بارے میں آپ کا یہی خیال ہے؟

ج۔ جی ہاں۔

س۔ اور بھٹو صاحب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ طرح طرح کی متضاد باتیں کرنے میں وہ بے مثال ہیں!

---

**عبدالرحمٰن.....**

س۔ عورتوں کو اعلیٰ تعلیم دلانا اچھا ہے یا برا؟

ج۔ عورتوں کو اتنی تعلیم دلانی چاہئے جو انھیں چراغِ خانہ سے شمعِ محفل نہ بنا دے۔

س۔ بچوں کی پیدائش روکنے کے لئے فیملی پلاننگ کی باتیں کی جاتی ہیں۔ لیکن موت کو روکنے کے لئے ــــ؟

ج۔ موت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن صحت کے اصولوں پر کاربند ہو کر زندگی اور موت کے درمیانی فاصلہ میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ زندگی طویل بنائی جا سکتی ہے۔

س۔ انسان کو باعزت اور ترقی یافتہ زندگی گزارنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ باعزت اور ترقی یافتہ لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنا چاہئے۔ اُن کے حالات سے روشنی حاصل کر کے آگے بڑھنا چاہئے۔

---

**آر۔ اے۔ سعیدی۔ دھنباد**

س۔ انسان اپنے آپ کو خدا کب سمجھنے لگتا ہے؟

ج۔ جب وہ غرور کے نشے میں یہ بھول جاتا ہے کہ وہ ناچیز بندہ ہے!

س۔ انسان غلط راستہ کب اپنا لیتا ہے؟

ج۔ جب وہ غرور کے نشے میں خود پسند ہو جاتا ہے۔

---

**سروج سکسینہ۔ نئی دہلی**

س۔ پنسلین دوا کس نے ایجاد کی ہے؟

ج۔ انگلینڈ کے ڈاکٹر فیلمنگ نے۔

---

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: خوشتر گرامی ــــ مطبوعہ: ... آفسیٹ پریس ... پریس دہلی۔ تصاویر و ٹائیٹل: ... پریس و ... پریس دہلی ــــ پتہ: دفتر بیسویں صدی ...

... with the Registrar of Newspapers at R. N. No.

**BISWIN SADI**

37th YEAR OF PUBLICATION

Telephones Office: 271637 Residence.619927

Biswin S
DELHI

Rs.2'00

61

[illegible] نام [illegible]
[illegible] س سرز [illegible]
[illegible] حکیموں [illegible]
[illegible] رہا ہے۔ [illegible]
[illegible] علمی گھرانے [illegible]
[illegible] جناب [illegible]
[illegible] بلکہ میرے [illegible]
صاحب شہاب [illegible]
[illegible] کیا جن کا میں [illegible]

فنکاروں کی طرح میرے ادبی ذوق کی ابتدا بھی شاعری سے ہوئی۔ لیکن جلد ہی شاعری سے باقاعدہ طور پر کنارہ کش ہو گیا۔ ہوا یوں کہ اب سے تقریباً [illegible] سال پہلے [illegible] میں ایک کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا۔ امروہہ سے جناب [illegible] کی لیڈرشپ میں نوجوان شعراء کی ایک پارٹی [illegible] پہنچی میں بھی خوش قسمتی یا بد قسمتی سے اُس پارٹی کا ایک رکن تھا۔ میں نے مشاعرہ میں نہایت طمطراق سے غزل پڑھی اور خوب خوب داد و تحسین حاصل کی۔ پہلے دور کے بعد جب مشاعرہ کا دوسرا فرمائشی دور شروع ہوا تو ناظمِ مشاعرہ نے سب سے پہلے [illegible] عزت بخشی۔ میں اپنی اُس وقت کی کیفیت قلم بند کرنے سے قاصر ہوں۔ بس یوں سمجھئے کہ جیسے [illegible] جائے اور میں اُس میں سما جاؤں یا آسمان مجھے کھینچ لے۔ بات یہ تھی کہ میں مشاعرہ کے لئے صرف ایک ہی غزل [illegible] اور اُس وقت میں نے اپنے جس شاعر دوست سے غزل طلب کی اُس نے بڑی [illegible] جواب دیا کہ [illegible] اُس دن سے شاعری سے توبہ کر لی اور ڈاکٹر نفیس احمد صاحب صدیقی (دہلی یونیورسٹی) کے [illegible] میں افسانہ [illegible] پہلا افسانہ "زندگی کی موت" ماہنامہ فلمی دنیا میں شائع ہوا۔ میری افسانہ نویسی کا علم [illegible] کی ہیروئن کی ہمنام پڑوسی لڑکی سے حقیقتاً [illegible] کے طور پر میری شادی کر دی [illegible] علم نفسیات سے عدم واقفیت کے باعث [illegible] مدثر حسین رضوی (امروہہ) اور جناب پرنسپل [illegible] احمد صاحبان [illegible] اُردو اور تاریخ کے مضامین میں امتیازی نمبروں سے ایم۔ اے پاس کر لیا۔ تقریباً [illegible] سال [illegible] سے زبان و ادب کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔ کئی سال تک "آلارو" [illegible] امروہہ [illegible] کا شرف بھی حاصل رہا۔ [illegible] تدریس کی طرف میرا [illegible] امروہہ کی نائب [illegible] شپ تک سولہ سال [illegible] تحت چلنے والے [illegible] حامی نہیں۔ منتقد [illegible] کرے اور سماج کو صحت [illegible] کے قارئین کو اپنا [illegible]

# ★ میں ہوں پروفیسر مشتاق اعظمی



ملک آزاد ہونے سے چند سال پہلے اعظم گڑھ (یو۔پی) کے شیولی نامی گاؤں میں عالمِ وجود میں آیا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔ اس کے بعد آسنسول چلا آیا۔ یہاں سے میٹرک پھر پری یونیورسٹی کرنے کے بعد کلکتہ گیا۔ بی۔اے سے ایم۔ اے تک کی تعلیم کا زمانہ کلکتہ میں گزرا۔ "کلیاں" لکھنؤ اور "کھلونا" دہلی سے لکھنے کی ابتدا کی۔ پہلا افسانہ "کلائمکس" کے عنوان سے ۱۹۶۴ء میں "بیسویں صدی" میں شایع ہوا۔ تب سے ابتک مختلف ادبی رسالوں میں شایع ہوتا رہا ہوں۔ لکھنے کی رفتار تیز کبھی نہیں رہی۔ ادیبوں اور شاعروں کی زبوں حالی اور ناقدری کا ذکر بچپن میں سنا کرتا تھا۔ ردِعمل کے طور پر طبیعت اتنی خائف ہوئی کہ لکھنے لکھانے کے معاملہ میں کبھی پُرجوش نہ ہو سکا۔ تفریحِ طبع کی خاطر وقتاً فوقتاً لکھتا ہوں۔ یہ وقتاً فوقتاً بھی اِس لئے لکھتا ہوں کہ اور کچھ آتا نہیں۔ ہاکی، فٹ بال، کرکٹ، کیرم، تاش اِن میں سے کوئی بھی کھیل نہیں آتا۔ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہونے کے باعث کھیل کود سے ہمیشہ دُور رکھا گیا کہ ایسا نہ ہو کوئی حادثہ پیش آجائے۔ اِس کے عوض میں مجھے کتب بینی سے رغبت پیدا کرائی گئی کیونکہ اس میں ضرر پہنچنے کا کوئی احتمال نہ تھا ——— میں نے جب ہوش سنبھالا تو غلامی کی زنجیریں کٹ چکی تھیں۔ لیکن میں اپنی تہذیبی قدروں کا اسیر آج بھی ہوں۔ ہم عصر نسل کو جب اپنے تہذیبی سرمائے سے بے بہرہ دیکھتا ہوں تو دل میں کچوکے لگتے ہیں۔ افسوس آزاد ہونے کے جوش میں ہم یہ بھول گئے کہ بعض غلامیاں بہت پیاری ہوتی ہیں! کلکتہ میں قیام کے دوران "پائل" ویکلی اور ماہنامہ "فانوس ڈائجسٹ" کے ادارتی شعبوں سے اعزازی وابستگی رہی۔ اُن ہی دنوں میرا ایک افسانہ "رول نمبر ۴۷" "بیسویں صدی" دسمبر ۱۹۷۰ء! کلکتہ کے ادبی اور تعلیمی حلقے میں موضوعِ گفتگو بنا۔ افسانہ بہت سراہا گیا ——— مطالعہ محبوب ترین شغل ہے۔ جاسوسی ناولوں کے سوا ہر طرح کا ادب پڑھتا ہوں۔ منٹو، بیدی اور کرشن کے فن کا مدّاح ہوں۔ ادب میں کسی خاص نظریہ کا پابند نہیں ہوں۔ ادب کی قدیم روایتوں کا احترام کرتا ہوں اور عصری رجحان کے ساتھ ہم آہنگ ہونا فنکار کے لئے ضروری سمجھتا ہوں۔ جدیدیت کے نام پر ناپختہ ذہنوں کی بکواس کا شدید مخالف ہوں۔ لیکن بالغ نظر اور باشعور اہلِ قلم کی قدر کرتا ہوں ——— ۱۹۷۲ء سے تری وینی دیوی بھلوٹیا کالج، رانی گنج میں اِس مظلوم زبان کا لیکچرر ہوں جس نے ملک سے انگریزوں کو نکالنے میں کلیدی رول ادا کیا۔ لیکن جسے آزادی کے بعد خود اہلِ وطن دیس سے نکالنے کے درپے ہو گئے۔ قیام آسنسول میں ہے جو مغربی بنگال کا اہم صنعتی شہر اور اُردو زبان کا دوسرا مرکز ہے۔ مشہور ادبی تنظیم "اُردو رائٹرس کلب" کا جنرل سکریٹری ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ زندگی کے سفر میں تا دمِ تحریر تنہا ہوں۔ خلوص، پیار اور وفا کے بارے میں سہیل واسطی کے اِس خیال سے متفق ہوں ؎

دوستی ہو یا محبت، رسمِ دُنیا ہی تو ہے
حشر برپا ہو گیا تو کون کس کا آشنا

# ★ میں ہوں اختر بستوی ———



میری داستانِ حیات ہوشربا تغیرات اور بڑے بڑے واقعات سے یکسر محروم ہے، کیونکہ اُن کا ظہور یا تو بیوی کی ذات سے ہوا کرتا ہے یا تلاشِ معاش کی آفات سے، اور میرا حال یہ ہے کہ نہ تو میں نے نوکری ڈھونڈنے کے لئے کوئی خاص دِقت اُٹھائی اور نہ زندگی کے چھتیس سال گذار لینے کے باوجود شادی رچائی۔ ۸ راگست ۱۹۳۰ء کو میں عالمِ وجود میں آیا تھا۔ اُسی کو اگر آپ چاہیں تو ایک بڑا واقعہ سمجھ لیں۔ اُس کے بعد تو بس سیدھی سادی زندگی گذارتا رہا۔ کم عمری ہی سے حصولِ علم کی کوششوں میں جی جان سے لگ گیا تھا۔ اوڑھنا بچھونا ہمیشہ اُردو کو بنائے رہا۔ لیکن ایم۔ اے انگریزی میں کیا۔ آجکل بستی کے ایک کالج میں تدریسی فرائض انجام دے رہا ہوں ——— ۱۹۵۴ء سے شعر وادب کے کوچے میں قدم رکھا اور اِس میدان میں یقیناً بڑے بڑے تیر مارے (بزعمِ خود ہی سہی)۔ گذشتہ سترہ اٹھارہ برسوں سے اُردو کے تمام چھوٹے بڑے رسائل میں میری شعری و نثری کاوشیں برابر اچھی جگہ پاتی رہی ہیں اور اب یہ عالم ہے کہ اُن رسالوں کو رکھنے کے لئے الماریاں نہیں بنوا پا رہا ہوں جن میں میری تخلیقات شائع ہوئی ہیں ——— ۱۹۶۸ء میں "اِم مارٹل لٹریری ورکس" کے نام سے میری ایک انگریزی کتاب شائع ہوئی۔ اُس کے بعد ۱۹۶۹ء میں میری طویل نظم "نغمۂ شب" کتابی صورت میں منظرِ عام پر آئی جسے اُتر پردیش اُردو اکاڈمی کا انعام بھی ملا اور جسے آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ نے نصف گھنٹے کے ایک غنائی فیچر کی صورت میں ڈھال کر نشر بھی کیا۔ ۱۹۷۰ء میں قطعات کا ایک مجموعہ "پیکرِ خیال" شائع ہوا اور ۱۹۷۲ء میں میری تازہ ترین کتاب "شہر سے دُور" کی اشاعت ہوئی جو شیکسپیئر کی ایک تمثیل کا اُردو رُوپ ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں اِسی رفتار سے میری کتابیں شائع ہوتی رہیں تو کہیں اپنی ہی تصنیفات کے بوجھ تلے دب کر نہ رہ جاؤں! ادبی دنیا کے رہ نورد کی حیثیت سے میں نے نثر و نظم دونوں کوچوں کی خاک چھانی ہے لیکن اپنا اصل میدان شاعری کو سمجھتا ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بنتِ شعر مجھے اپنے عاشقوں کی صف میں کیسا مقام دیتی ہے۔

اختر بستوی

★★

## ★ میں ہوں راجیو مرزا



دنیائے اُردو کو دلچسپی میری اُس شخصیت سے ہوگی جو میری نگارشات میں عیاں یا پنہاں ہے۔ پھر بھی رسمِ تعارف۔۔۔ تو عرض ہے، اپنا ماحول کبھی علمی، ادبی، دینی، تمدنی نہیں رہا۔ اپنی اشاعتی عمر ڈھائی برس ہے۔ اِس دوران اُردو کے بیشتر بڑھیا گھٹیا رسالے میں چھپ لئے ہیں — بی اے سیکنڈ ایئر میں تھا کہ دُنیا کی ہر شے سے جی اُچاٹ ہوگیا۔ اُس کے بعد کوئی کام دِل لگا کر نہیں کیا۔ ابتک آٹھ ناول اور پانچ ڈرامے لکھے ہیں۔ لیکن سب ادھورے ہیں۔ چند افسانے اور کافی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ شروع سے بدمزاج، ترش کلام، 'EGOIST' باغی اور ناستک وغیرہ ہوں، اِس لئے کبھی کسی سے نہیں بنی۔ سبھی۔ اپنے انہی خیالات کی بِنا پر کئی بار اسکول اور کالج سے نکالا گیا تھا۔ کئی اخبارات و رسائل کے دفتروں میں نوکری کی لیکن ڈیڑھ ماہ سے زیادہ کہیں نہ ٹِکا۔ کیونکہ قلاشی کے باوجود خود کو دُنیا کا بہترین اِنسان کہنا نہ چھوڑا! بمبئی میں فلم اسسٹنٹ ڈائریکٹر بننے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن غرور وہاں بھی آڑے آیا۔ اپنی مُلازمت کی طویل ترین مدّت پونے دو سال ہے جو کرشن چندر کے ہاں گُذری، اِس مایۂ ناز مُصنف کا میں پرسنل سیکریٹری، مترجم وغیرہ تھا — ارنسٹ ہمنگوے، کرشن چندر، قرۃ العین حیدر اور قاضی عبدالغفار میرے پسندیدہ ادیب، کیٹس، نشور واحدی اور مُصطفےٰ زیدی (مرحوم) محبوب شاعر ہیں۔ جو اہلِ قلم لکھنے کے معاملے میں آج بھی بچاس سال قدیم شعور رکھتے ہیں اُن سے نفرت ہے اور جو بیشتر بیوقوف جدیدیت کے نام پر بکواس لکھنے پر تُلے ہیں اُنہیں دیش نکالا ملنا چاہیئے۔ میں آج کے انسان کی دانشمندی کے عروج کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ میرے نزدیک دنیا کی نجات اِسی میں ہے کہ زمانہ پھر بارھویں صدی میں لوٹ جائے۔ انسانیت کے آج اور کل سے سخت مایوس ہُوں۔ اب تک کی عمر ناکامیوں، مایوسیوں، کڑھن اور کرب میں گذری ہے۔ ہر شے سے بیزار ہوں۔ اگر "روشنی" "بیسویں صدی"، اکتوبر ۷۳ کی اِشاعت پر اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے قدردانی، ہم آہنگی اور اپنائیت سے بھرے خطوط نہ مِلتے تو لکھنا بھی ترک تھا۔ جو تحریر خوشی، خوبصورتی اور اچھائی کا اِک لمحہ، اِک تاثر، اِک لائحہ فِکر نہ دے سکے، آج کے لیڈر کی مہمل تقریر سے بھی بدتر ہے — اکثر لوگ میرے نام کی حقیقت جاننا چاہتے ہیں۔ یہ نام تو اتفاق سے پڑ گیا۔ لیکن میں سچ مچ راجیو مرزا ہوں۔ مثلاً مجھے اُن لوگوں سے بے پناہ نفرت ہے جو اپنے مذہب اور اپنی معاشرت کو بہترین ثابت کرنے سے باز نہیں آتے۔ مجھے اَن دیکھے ملکوں کے اچھے لوگوں، خوبصورت مقاموں اور حیات افروز اُصولوں سے بھی محبت ہے۔ لیکن خاکِ وطن کے ہر ذرّے میں مجھے دیوتا اور پتھر کی مُورتیوں میں خُدا نظر آتا ہے — یہی سب اعلٰے یا ادنےٰ خیالات آپ کو میری ہر تحریر میں نظر آئیں گے۔ وطن دِلّی ہے جواب اچھا نہیں لگتا۔ کسی کی نوکری نہیں کرتا۔ معمولی سی کمائی کیلئے ہندی فلم پترکاؤں کے لئے بکواس لکھتا ہوں۔ ایک مخلص اور بہت اچھا مُصنّف ہوں اِس لئے مُفلسی اور اُس سے وابستہ ہر ذلت میرا نصیب ٹھہری۔ مجھے ادیب بنانے میں میری امّی، ہمشیرہ اور چھوٹے بھائی روشن مرزا کے تعاون کو بڑا دخل ہے۔ اب اپنی ایک "تواریۃ" کے اصرار پر مہان لیکھک بننے کی فکر میں ہوں۔ عمر ۳۳ برس ہے لیکن شادی نہیں کی جبکہ چھوٹے سے چھوٹے بھائی نے بھی سگائی کر لی ہے۔ میری دُلہن تنہائی ہے شاید — بیس جون وہ عظیم تاریخ ہے جب اِس گریٹ پرسنلٹی راجیو مرزا نے جنم لیا! آپ چاہیں تو مجھے مبارکباد (یا ملامت) کا خط لکھ سکتے ہیں — لکھیں گے نا؟؟

راجیو مرزا

★★

## ★ محبوب ایم۔ اے۔ تشنہ



بزرگوں نے بتایا ہے کہ میں چار جنوری ۱۹۳۱ء کو ضلع فرخ آباد (یو۔پی) کے ایک چھوٹے سے قصبے شمس آباد میں پیدا ہوا تھا۔ جو تہذیب و شائستگی اور زبان کی شیرینی کے لحاظ سے قدیم لکھنؤ کا ایک دُور افتادہ حصہ سمجھا جاتا ہے۔ بچپن اِسی قصبے کی خاک آلود گلیوں میں کھیل کود کر گذر گیا۔ ابتدائی تعلیم بھی یہیں ہوئی۔ مڈل اسکول پاس کرنے کے بعد شمس آباد چھوٹ گیا۔ ایک سال ڈی۔ این کالج ترواا اور اُس کے بعد دو سال اسلامیہ انٹر کالج فیروز آباد میں تعلیم حاصل کر کے ۱۹۴۹ء میں خصوصی امتیازات کے ساتھ ہائی اسکول کا امتحان پاس کر لیا۔ وسائل کی کمی نے فیروز آباد کے ایک پرائمری اسکول میں ملازمت کرنے پر مجبور کر دیا۔

اُسی دَوران انٹرمیڈیٹ کا امتحان پرائیویٹ طور پر پاس کیا اور پھر اپنے ایک عزیز محترم کی مہربانی سے وطن عزیز کی طرف مراجعت کر کے شمس آباد سے دس میل کے فاصلہ پر قائم گنج میں آبسا۔ ایک پرائیویٹ فرم کی کلرکی مقدر کی گئی اور یہی شغل آج تک جاری ہے ــــ قائم گنج میں رہ کر جامعہ اُردو علی گڈھ کا امتحان ادیب کامل پاس کیا اور اُس کے بعد علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی رعایت سے فائدہ اُٹھا کر صرف انگریزی ادب میں بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا ــــ شعر و ادب کا ذوق پرائمری ہی تعلیم کے دَوران پیدا ہو گیا تھا۔ جسے دیکھ کر دادا مرحوم نے ایک بار فرمایا تھا۔ "یہ لڑکا تو نکما نکلا! ابھی سے شعر کہتا ہے"۔ لیکن کہتے ہیں یہ ذوق دبائے سے نہیں دبتا۔ تخلیقِ ادب کا سلسلہ جاری رہا۔ ہائی اسکول کے بعد جب باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ ختم ہو گیا علم کی پیاس باقی رہ گئی تو اپنے لئے "تشنہ" تخلص کا انتخاب کیا۔ ہائی اسکول کے زمانے تک کیا کہا اور کیا لکھا آج وہ ذخیرہ موجود بھی نہیں۔ اُس کے بعد کی تخلیقات کو لوگوں نے قابلِ سماعت سمجھا اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ غزلیات میں بعض چیدہ چیدہ اشعار ملک گیر شہرت کے حامل ہوتے ــــ نثر میں پہلا ناول "پیاسا راہی" ۱۹۶۱ء میں شائع کیا۔ اُس کی مالی ناکامی نے اِتنی حوصلہ شکنی کی کہ میرے قلم کو بھی نیند آگئی۔ شعر و شاعری کا سلسلہ بہرحال جاری رہا۔ اب دو تین سال سے طبیعت پھر نثر کی جانب متوجہ ہوئی ہے اور اِس سلسلہ کی پہلی کڑی "نفرت کی قبر" آج کے مقبول ترین ادبی صحیفہ "بیسویں صدی" ہی میں جون ۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اُس کے بعد کئی اور بھی کہانیاں "بیسویں صدی" ہی میں شائع ہوئیں۔ ایک تازہ ترین ناول "[illegible] درد" اشاعت کے لئے تیار ہے۔

ایم۔ اے۔ تشنہ
★★

# بیسویں صدی دہلی

افسانہ ایڈیشن — جولائی ۱۹۷۴ء

جلد ۳۸ — شمارہ ۷

ٹیلیفون دفتر — ۲۷۱۶۳۷
ٹیلیفون رہائش — ۶۱۹۹۳۷


ایڈیٹر: خوشتر گرامی






قیمت فی پرچہ
دو روپے
[illegible] بیسویں صدی دریا گنج دہلی نمبر ۶

سالانہ قیمت خاص نمبروں سمیت ہندوستانی
سکوں میں — بائیس روپے
ممالک غیر سے — تینتیس شلنگ

مستقل خریداروں کو بائیس روپے قیمت میں سال بھر کے
عام نمبروں کے علاوہ دو عظیم الشان قیمتی خاص نمبر بھی دیئے
جاتے ہیں۔

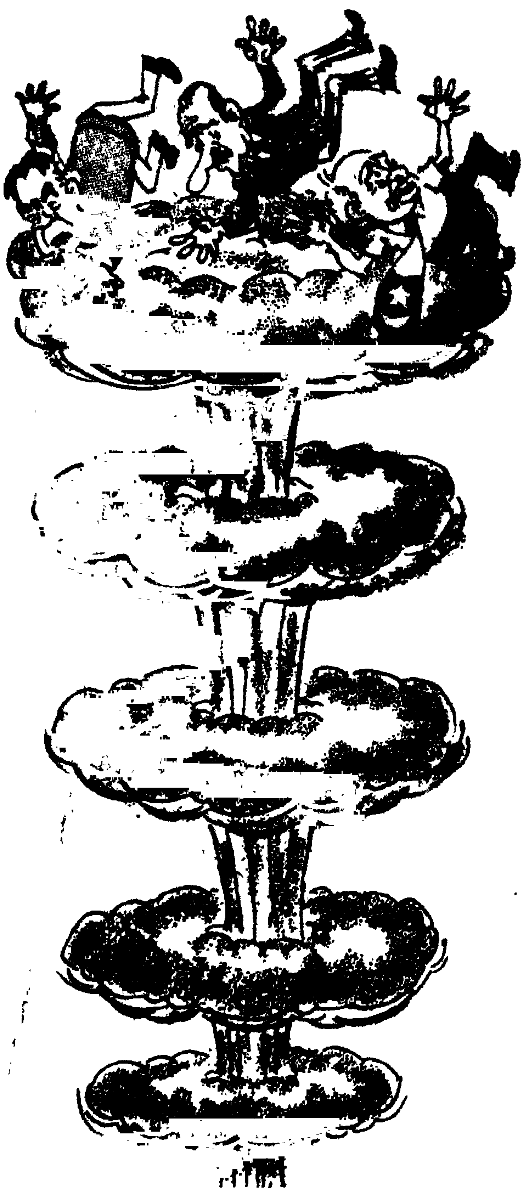
# افسانہ ایڈیشن



بیسویں صدی کے لئے اعلیٰ پایہ کی حسین اور دل کش تصاویر بھیجئے

# تیر و نشتر

خوشتر گرامی



ہندوستان کا پہلا ایٹمی دھماکہ۔ چین، امریکہ اور پاکستان دم بخود۔

"ساری چیزوں میں تیزی کے شعلے" ایک عنوان —— اب شعلے آگ بن چکے ہیں۔

---

"مدھیہ پردیش کی مالی حالت خراب نہیں" ایک خبر —— البتہ سیاسی صحت باعثِ تشویش ضرور ہے۔

---

"بناسپتی کا مسئلہ" ایک خبر —— کوئی مسئلہ نہیں۔ بناسپتی غائب مسئلہ ختم۔

---

"توڑ پھوڑ کے واقعات شروع" ایک خبر —— گویا اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔

---

"خوراک میں ملاوٹ کی روک تھام" —— کی گئی تو قلت بڑھ جائے گی۔

---

"دلی کی ترقی کے دو سال" ایک عنوان —— کرپشن، اسکینڈلوں، بے ایمانیوں، جعل سازیوں اور غبنوں کی داستان قلم بند کی ہوگی۔

---

"راشن کی دوکانوں پر غلہ نہیں" ایک خبر —— یہی کیا کم ہے کہ دوکانیں تو موجود ہیں۔

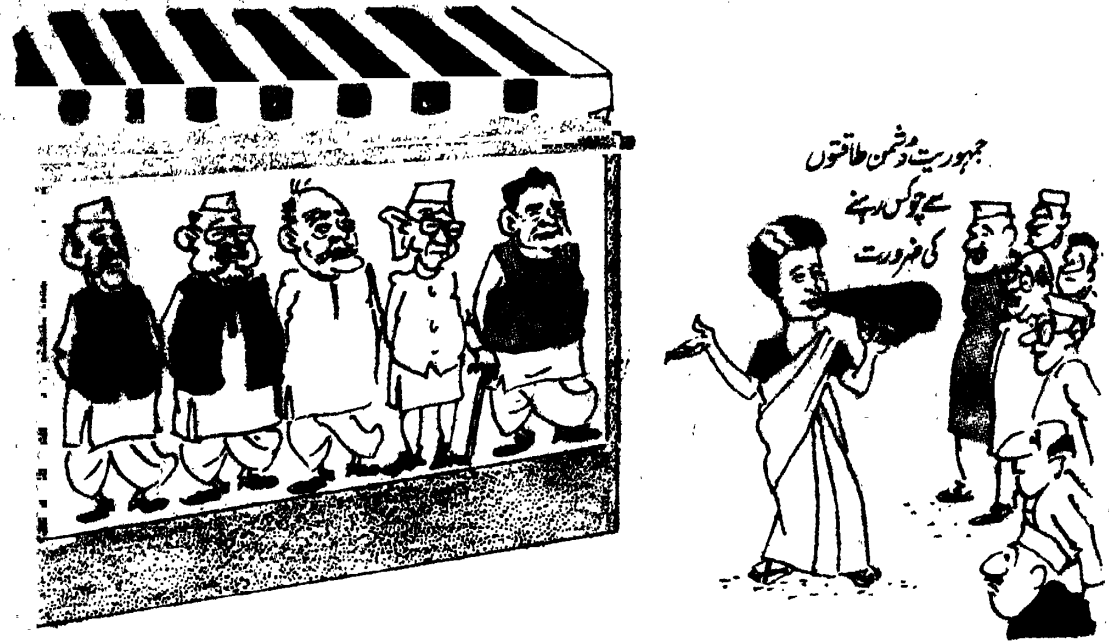
---

"بناسپتی کی قیمتیں نئی بلندی پر" ایک عنوان —— کہ قطب مینار کی بلندی بھی ہیچ ہے۔

---

"بیسن میں ملاوٹ" ایک خبر —— قلت کو دور کرنے کے لئے۔

---




"بدمعاشوں نے تھانیدار کو کمرے میں بند کر دیا" ایک خبر —— ترقی کا زمانہ ہے۔ پہلے تھانیدار بدمعاشوں کو حوالات میں بند کرتا تھا۔

---

"دلّی پولیس میں وسیع پیمانے پر کرپشن" انسپکٹر جنرل پولیس کو چیف سیکرٹری کا خط —— پولیس تو ہے ہی مگر دلّی ایڈمنسٹریشن کے سول شعبے بھی پولیس سے پیچھے نہیں۔

---

"امتحان نہیں ہونے دیں گے" اسٹوڈنٹس ایکشن کمیٹی کی دھمکی —— دوسرا مصرعہ بھی کہہ دیجئے۔ بغیر امتحان کے پاس کرنا ہوگا ہمیں۔

---

"ڈبل روٹی کی قیمتوں میں اضافہ" ایک خبر —— اور اضافہ بھی ڈبل ہوا ہے۔

---

"دلّی میں لوہا بیوپاریوں کی تلاشیاں" —— اگر بناسپتی بیوپاریوں، صابن بیوپاریوں، گندم بیوپاریوں کی تلاشیاں ہوں تو اس سے زیادہ گل کھلیں گے۔

---

"ہندوستانی تہذیب کے عناصر" ایک عنوان ——

- بسوں پر پتھراؤ۔
- ریلوے لائن اکھاڑنا۔ اسٹیشنوں پر حملے۔ ریلوں کے ڈبوں کو آگ لگانا۔
- اسکولوں، کالجوں، تھانوں اور ڈاک خانوں کو نذرِ آتش کرنا۔
- ہر اچھے کام کی مخالفت کرنا۔
- بلیک مارکیٹ اور ذخیرہ اندوزی کرنا۔
- سرکاری دفتروں، ریلوں، ڈاک خانوں میں ہڑتال کرانا۔

"ہلدی میں نمک، بیسن، مٹی اور ریت کی ملاوٹ" ایک خبر — ہلدی کے داموں میں چار چیزیں مفت، اور کیا چاہیے؟

---

"مرکزی وزیر زراعت سے یو۔ پی کے وزیر کی ملاقات" ایک خبر — مل کر کہا ہوگا۔ دانۂ گندم کا سوال ہے بابا۔

---

"اُردو ٹیچرز مستقل ہوں گے۔ گورنر یو۔ پی کی یقین دہانی" ایک خبر — جبکہ آج تک خود اُردو زبان مستقل نہ ہو سکی۔

---

"منظم فرقہ پرست طاقتیں فساد کی ذمہ دار" ایک عنوان — اور اُن کا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکا۔

---

"بناسپتی کا قحط پڑنے والا ہے" ایک خبر — گویا جیسے آج کل ریل پیل ہو رہی ہے۔

---

"ملّا ترقی اُردو بورڈ کے نائب چیرمین نامزد" ایک خبر — ملّا کو بنایئے یا مفتی کو۔ ان عہدوں سے کیا ہوتا ہے۔ مسئلہ تو اُردو کو سرکاری زبان بنانے کا ہے۔

---

"دلّی میں زمینوں کے ناجائز الاٹمنٹ کے اسکینڈل کی انکوائری شروع" — بڑے بڑے مگرمچھ رگڑے میں آگئے۔

---

"ملک میں انقلاب روکنے کے لئے اندرا کو چلتا کرو" نجلنگپا بولے — مُردہ بولا تو کفن پھاڑ کر بولا۔ آپ کو ڈر ہے کہ انقلاب آگیا تو آپ جیسے لوگ اُس کی لپیٹ میں آئے بنا نہ رہیں گے۔

---



شیخ مجیب الرحمٰن کا دورۂ ہندوستان کامیاب۔ ہند اور بنگلہ دیش میں مکمل مفاہمت۔



پنجاب گورنمنٹ کے خلاف جن سنگھ کی طرف سے ایجی ٹیشن کا اعلان۔

---

• "طالبات کی سیاست میں دلچسپی" —— ایک مہلک شوق۔ بچوں سے گودیں خالی اور باورچی خانے ویران ہو جائیں گے۔

---

• "کھال اُتارنے کی تربیت۔ عنقریب کورس شروع" —— تربیت کے بغیر یہ کام جاری ہے۔ بیوپاری ذخیرہ اندوزی اور بلیک سے کھال اُتار رہا ہے اور افسران رشوت کے ذریعہ۔

---

• "حکومت بناسپتی سے کنٹرول نہیں ہٹائے گی" —— اور اس کی تقسیم کا کوئی انتظام بھی نہیں کرے گی۔

---

• "اُردو ٹیچروں کی ملازمت بحال رہے گی" ڈپٹی ڈائرکٹر او پی کی یقین دہانی —— لیکن اُردو کو اس کی اصل پوزیشن پر بحال نہ کیا جائے گا۔

---

• "بناسپتی کی بلیک پر گرفتاریاں" ایک خبر —— اب بلیک کی کمائی پولیس کو رشوت میں دے دیں۔ جان بچ جائے گی۔

---

• "شرارتیں اب بھی جاری ہیں" ایک عنوان —— ہمارا نیشنل کیرکٹر جو ہُوا۔

---

• "پٹنہ میں جے پرکاش مُردہ باد اور امریکی ایجنٹ پٹنہ چھوڑو کے نعرے" —— آخر یہ راز بھی طشت از بام ہو ہی گیا۔

---

• "انجمن ترقیِ اُردو بلرام پور کے زیرِ اہتمام ہوئی اُردو کانفرنس اور مُشاعرہ" ایک خبر —— بس اِنہی ہنگاموں پہ موقوف ہے اُردو کی رونق!

# افسانہ ایڈیشن

• راجدھانی میں ڈبل روٹی کی کمی نہیں۔ ایک خبر —— البتہ بلیک کرنے والوں کی کمی ہے۔

• اُردو کمپیوٹر۔ ہندوستان کے ایک مسلمان سائنسدان کی ایجاد —— کیا اس کے ذریعہ اُردو کو اس کا حق مل جائے گا۔

• طلباء کا جذبۂ ہمدردی۔ ایک عنوان ——
• اُستادوں پر ہاتھ اُٹھانا۔
• وائس چانسلروں کا گھیراؤ کرنا۔
• بسوں کی توڑ پھوڑ، پتھراؤ اور آگ لگانا۔
• نقل پر اصرار کرنا اور بغیر امتحان کے پاس ہونے کا مطالبہ کرنا۔

• راجدھانی میں زبردست آندھی۔ درخت جڑوں سے اکھڑ گئے —— لیکن سیاستدانوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔

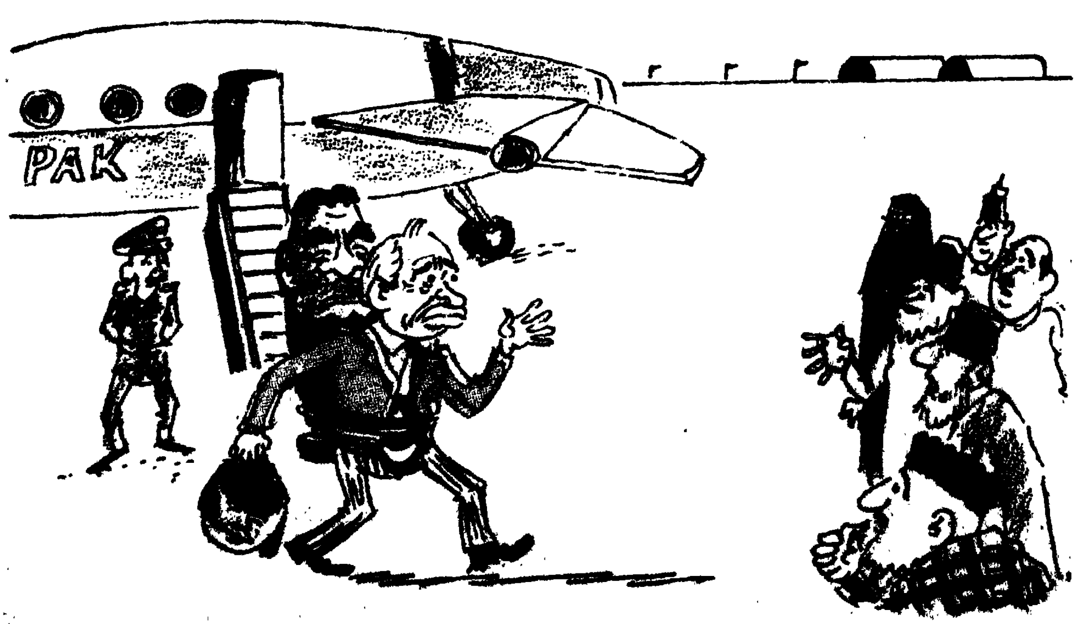
• ایک طرف کھائی ہے تو دوسری طرف خندق۔ ایک عنوان —— اور درمیان میں ہیں بیچارے ہندوستانی عوام۔

• ناچنے گانے والیاں مظاہروں کی راہ پر۔ ایک خبر —— لوگوں کو متوجہ کرنے اور کاروبار کو مقبول بنانے کے لئے۔

• گیہوں پر سے بکری ٹیکس ختم۔ ایک خبر —— گدھا ٹیکس نافذ۔

• بھائی نے بہن کے گھر ڈاکہ ڈالا —— ہائے کیا زمانہ آگیا۔

• ایٹمی تجربہ سے جاپان ناراض۔ امداد بند کر دے گا۔ ایک خبر —— اور ہم باز آئے ایسی امداد سے۔ اُٹھا لو پاندان اپنا۔



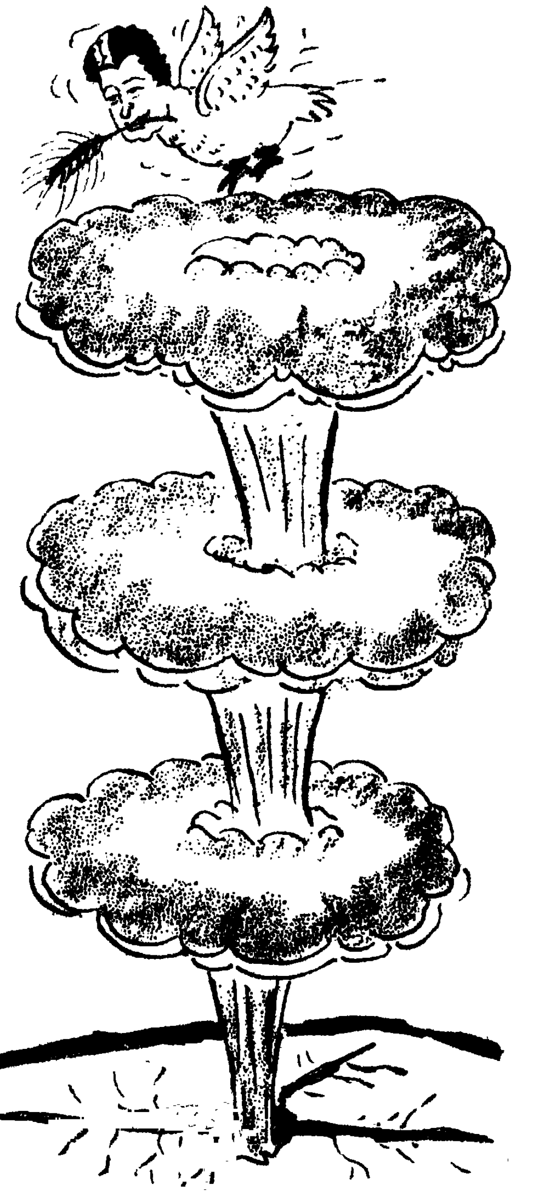

صدر کا دورۂ چین کامیاب۔ پاکستانی اخبارات

# ایٹم بم

## خوشتر گرامی

اِس کے زبان و دہن نہیں۔ مگر آواز ہے۔ کان نہیں۔ مگر اِس کی آواز دُوسروں کے کان پھاڑ دیتی ہے۔ اِس کے آنکھیں نہیں۔ اِس لئے اندھا دُھند تباہی مچاتا ہے اور اِس کی ریڈیائی تابکاری لوگوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے ——

### ایٹم بم



یہ سامراج کا آخری سہارا ہے۔ اِس کے ذریعہ دوسری جنگ عظیم میں امریکی سامراج نے جامِ بقا پی کر خود کو اور اپنے ساتھیوں کو دائمی تباہی سے بچایا۔ دُشمن کو زیر کیا اور اپنی طاقت کا سکّہ جمایا۔ پھر ہر ایک کو آنکھیں دکھائیں۔ ہر ایک پر غُرّایا۔ لیکن آخر زعمِ باطل ٹوٹا۔ اجارہ داری ختم ہوئی —— جس طرح چھوٹے سے چھوٹے ایٹم کو توڑا جا سکتا ہے اور اُس کے ذرّات بنتے چلے جاتے ہیں۔ اِسی طرح ایٹمی طاقتیں بڑھتی گئیں۔ ایک سے دو پھر تین چار پانچ ہوئیں اور اب ایک دھماکہ کے ساتھ ہندوستان ایٹمی اجارہ داری کا در کھول کر اُس میں داخل ہو گیا اور داخل ہونے کے بعد اعلان کیا کہ وہ ایٹم کو تباہی اور بربادی کے لئے کام میں نہیں لائے گا بلکہ تعمیر و ترقّی کے لئے استعمال کرکے دُنیا میں امن و خوشحالی کے نئے دَور کا آغاز کرے گا —— اِس خبر سے رُوس میں لوگ خوشی سے ناچنے لگے۔ فرانس نے ہندوستان کی ترقی کی تعریف کی۔ یوگوسلاویہ اور ایران نے شاباشی دی۔ مشرقِ وسطیٰ میں اطمینان کا سانس لیا گیا۔ چین دَم بخود ہو گیا۔ پاکستان میں واویلا ہونے لگا۔ امریکہ کا نکسن ایڈمنسٹریشن بوکھلا گیا۔ امریکی خیمہ برداروں نے ناک بھوں چڑھائی —— کوئی چلّایا، کوئی بڑبڑایا۔ جاپان اور کنیڈا نے دھمکی دی کہ اِمداد بند کر دیں گے۔ مگر ہندوستان پر اِن باتوں کا کوئی اثر نہ ہُوا۔ کیونکہ اُس نے حکیمِ مشرق کے اِن الفاظ میں حکمت و دانش کا راز پا لیا ہے کہ دُنیا میں عزّت و منزلت اُسی کی ہے اور "ہر دَور میں کرتا ہے طواف اُس کا زمانہ" ؏

جو عالَمِ ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد

# تاریک اُجالا

پروفیسر مشتاق اعظمی ایم۔ اے
شعبۂ اُردو، ٹی۔ ڈی۔ بی۔ کالج (گورنمنٹ اسپانسرڈ)، رانی گنج، ضلع بردوان

محترم بھائی!
مُدّت کے بعد ایک کہانی ذہن کے پردے سے دامنِ قرطاس پر آئی ہے جو آپ کے بے پایاں خلوص کی نذر ہے . . .

مخلص —————— مشتاق اعظمی

★

اِسکوٹر ایک طرف کھڑی کرکے وہ پیرا ڈائز کیفے کے زینے طے کر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے مترنّم سرگوشی کی۔
"کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی دعوت مِل سکتی ہے؟"
منصور نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ "ارے تم!!"
طاہرہ کی آنکھوں کی گہری جھیل میں اُبھرتے ڈوبتے نہ جانے کتنے لمحے گزر گئے اور تب اُس کے کانوں میں جیسے گھنگھرو سے پھوٹے۔
"اِتنی حیرت سے کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟"
یکایک اُس نے خود کو سنبھالا اور کچھ جھینپتے ہوئے انداز میں طاہرہ سے بولا۔ "چلو چلو، اندر بیٹھیں۔"
پُورے پانچ برسوں کے بعد اِس طرح اچانک مُلاقات ہونے پر دونوں کے چہرے پر حیرت اور مسرّت کی لکیریں کھنچ گئی تھیں۔
"کافی!" منصور کے پُوچھے بغیر طاہرہ نے اپنی پسند بتا دی۔ منصور نے بیرے کو کافی کا آرڈر دیا۔ اِس کے بعد طاہرہ سے مخاطب ہُوا۔
"تم کب آئیں؟"
"مجھے تو اِس شہر میں آئے دو مہینے ہو گئے!" اُس نے مُسکرا کر کہا۔

"دو مہینے!" منصور نے چونکتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہاں آئے اِتنے دن ہو گئے اور مجھے اب خبر مِل رہی ہے! تم ٹھہری کہاں ہو؟"
"پروفیسرز کوارٹر میں!"
"اوہ سمجھ گیا!" منصور کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ گویا مقامی کالج میں فلاسفی کی لکچرر کی حیثیت سے تمہارا ہی تقرر ہُوا ہے۔ خوب۔ مُبارک ہو! بہت خوشی ہوئی۔ تمہارے ساتھ اور کوئی آیا ہے؟"
"خالہ جان!" طاہرہ نے بتایا۔ "میں نے اُن کی اسکول والی ملازمت چھڑوا دی ہے اور ساتھ لیتی آئی ہوں۔"
"میں نے سُنا ہے تم نے اب تک شادی نہیں کی۔ آخر کیوں؟" منصور نے سوال کیا۔
"آپ نے تو کر لی نا! مجھے پُوچھا تک نہیں!" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔
"ارے نہیں!" اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بزنس کی مصروفیات نے شادی کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اِسی بزنس کے چکّر میں ایک بار یونیورسٹی ہاسٹل سے اچانک گھر جو آیا تو پھر اُس کے بعد اُدھر کا رُخ کبھی نہ کر سکا۔ لیکن اب شادی کے لئے گھر والے کافی دباؤ ڈال رہے ہیں۔"

"تو پھر دیر کا ہے کی ہے۔ کرڈالئے جلد شادی!" طاہرہ کے ہونٹوں پر تبسّم تھا۔

"کروں گا۔ لیکن پہلے اپنی پسند کی لڑکی تو ملے!" منصور نے کہا "لیکن تم اپنی شادی کی بات گول کیوں کر گئیں؟"

"ہم کسی اور موضوع پر بھی تو بات کرسکتے ہیں" طاہرہ نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"لیکن تم اس موضوع سے فرار کیوں چاہتی ہو۔ شاید اس لئے کہ تم کسی سے زبان ہار بیٹھی تھیں؟" منصور نے اُسے کریدنا چاہا۔

"آپ تو سب کچھ جانتے ہی ہیں" طاہرہ کی سنجیدگی بڑھ گئی۔

"ہاں، میں جانتا ہوں طاہرہ کہ اقبال زندگی کے ایک موڑ پر اچانک تمہیں مل گیا تھا اور تمہارے دل کا صحن خوشبوؤں سے مہک اٹھا تھا۔ لیکن تمہاری راہوں میں تارے بچھانے کی کوشش میں ایک دن وہ آسمان کی وسعتوں میں کہیں گم ہو گیا۔ لیکن طاہرہ! وقت بڑے سے بڑے زخم کو مندمل کر دیتا ہے۔ کسی کے سوگ میں کوئی عمر بھر تنہا تو نہیں رہ سکتا" منصور کا لہجہ ہمدردانہ تھا۔

"آپ کو یہ اتنا مشکل کیوں نظر آتا ہے؟" طاہرہ نے پوچھا۔

"اس لئے کہ یہ فطرت کے تقاضے کے خلاف ہے" منصور نے وضاحت کی "تم پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ تمہارے سوچنے کا انداز عملی ہونا چاہئے نہ کہ خیالی"

"آپ کا مطلب ہے مجھے شادی کر لینی چاہئے" طاہرہ نے کہا۔

"بالکل!" منصور پھر پورا اعتماد کے ساتھ بولا۔

"کیا شادی کئے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی؟"

"زندہ تو رہ سکتی ہو۔ لیکن کسی قدر ذہنی فتور کے ساتھ!" منصور نے جواب دیا۔

"لیکن میں نے تو سُنا ہے کہ شادی کرنا ہی ذہنی فتور کی علامت ہوتا ہے" ماحول کی سنجیدگی برقرار رکھنے کے لئے منصور نے اس جملہ کے مزاحیہ پہلو کو نظر انداز کر دیا۔ وہ بولا۔

"طاہرہ! زندگی کا سفر بہت کٹھن اور لمبا ہوتا ہے۔ کسی سہارے کے بغیر تم یہ سفر کیسے طے کرو گی؟"

"میرے دل میں اقبال کی محبت کی جو شمع روشن ہے، کیا زندگی کا راستہ طے کرنے کے لئے اُس کی روشنی کافی نہیں؟" طاہرہ جذباتی لہجہ میں بولی۔

"یہ ایک جذبہ ہے طاہرہ! قابلِ قدر جذبہ! لیکن زندگی کا سفینہ اس جذبے ہی کے سہارے تو ساحل تک نہیں پہنچ سکتا!" منصور نے جواب دیا۔

طاہرہ کو مدافعت کے لئے کوئی دلیل نہ سُوجھی تو اُس نے کہا "اتنے عرصہ بعد ملاقات ہوئی ہے۔ کچھ اور باتیں کرو۔ یہ تم شادی بیاہ کا ذکر کیا لے بیٹھے"

"دُوسری باتیں بھی ہوں گی۔ لیکن اب ایک بات چھڑ ہی گئی ہے تو اسے بیچ سے بریک کیوں کیا جائے" منصور نے کہا۔

"شاید میری باتیں تمہیں ناگوار گزر رہی ہوں گی۔ کیونکہ تم نے یکسر جذباتی اندازِ فکر اپنا رکھا ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ پھانس، یہ خلش جو تم اپنے دل میں اس وقت محسوس کر رہی ہو ختم ہو جائے گی اور اُس وقت تنہائی کا احساس شاید اور بھی زیادہ بڑھ جائے گا"

"کیا میرے تعلیمی مشاغل مجھے اُلجھائے اور بہلائے رکھنے کے لئے کافی نہیں ہیں؟" طاہرہ نے کہا لیکن اُس نے خود ہی محسوس کیا کہ اس کی یہ دلیل کھوکھلی ہے۔

"یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو!" منصور بولا "جذبات کے طوفانی بہاؤ کو بھلا کاغذ اور قلم کی دیوار یا فلسفہ کا تصوراتی باندھ روک سکتا ہے!؟ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو طاہرہ! ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ بہت زیادہ تو ستائیس اٹھائیس برس چڑھی ہوئی ندی کے وسیع پاٹ کی طرح عمر کا بہت بڑا حصہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ بغیر کسی ناخدا کے تم اس ندی کو پار کر لوگی؟"

"کیا ایسا ہونا ناممکن ہے؟" طاہرہ کی مدافعت سرد پڑتی جا رہی تھی۔

"قطعی ناممکن!"

"اور اگر میں اسے ممکن کر دکھاؤں تو؟" طاہرہ نے [illegible] حوصلہ کے بکھرے ہوئے تنکوں کو یکجا کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

"طاہرہ! مجھے حیرت ہے کہ فلسفہ کی موٹی موٹی کتابیں پڑھنے کے باوجود تم ابھی تک اِس نفسیاتی نکتے سے لاعلم ہو۔ مجھے بتاؤ کیا ایک پیاسا پانی سے دُور رہ کر اپنی پیاس بُجھا سکتا ہے؟ کیا مچلتی ہوئی موجیں اپنے آپ کو ساحل سے دُور رکھ سکتی ہیں؟ کیا گُلاب کی خوشبو کبھی گُلاب سے الگ ہو سکتی ہے!؟"

طاہرہ کے پاس اِن سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ کئی لمحے کسی گفتگو کے بغیر سنگین خاموشی میں گُزر گئے۔ منصور نے اِس عرصہ میں بیرے کو روک کر دوبارہ کافی طلب کی۔ طاہرہ کے ذہن میں زبردست اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ دفاع کی جذباتی تاویلوں کے باوجود منصور کی باتوں کی معقولیت اور اُس کی دلآویز شخصیت آہستہ آہستہ اُس کے ذہن پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ دل کے نہاں خانے میں اقبال کی تصویر کا نقش مدھم پڑتا جا رہا تھا۔

منصور نے سگریٹ کا آخری کش لے کر اُس کی نوک کو ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا: "طاہرہ! جو نہ مل سکا اُس کا غم نہ کرو۔ جو کھو گیا اُسے بھول جاؤ اور جو مل رہا ہے اُسے بڑھ کر اپنا لو۔ اِسی میں زندگی کی لذّت ہے۔ زندگی اِتنی فضول شے تو نہیں کہ محض کسی سے کئے ہوئے قول کی خاطر اُسے گھورے میں پھینک دیا جائے۔"

"لیکن یہ جاننے کے بعد کہ میرے دل کے آئینے میں کسی اور کی تصویر نہاں ہے، مجھے اپنانے کی غلطی کوئی کیوں کرے گا؟" طاہرہ کے لہجہ سے اُس کی پسپائی صاف عیاں تھی۔

"تم جس بات کو اِتنا بڑا مسئلہ سمجھ رہی ہو وہ اِس ترقی یافتہ دَور میں کوئی مسئلہ نہیں۔ میں کہتا ہوں تمہارے ماضی سے واقف ہونے کے بعد بھی اگر کوئی تمھیں اپنانا چاہے تو تمھیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟" منصور نے کہا۔

"کیوں، کیا اِس میں یہ اندیشہ موجود نہیں کہ مجھے اپنانے کا تجربہ کسی کے لئے پچھتاوے کا باعث بن جائے؟" طاہرہ نے جواب دیا۔

"یہ اندیشہ تمہارے اُس ذہن کی پیداوار ہے جو فلسفہ کی نازک گتھیوں کو سُلجھانے کی کوشش میں عام سطح سے ہٹ گیا ہے۔" منصور نے کہا: "طاہرہ! چاند جس قدر بھی روشن سہی سُورج کے سامنے آتے ہی وہ بے نُور ہو جاتا ہے ——— مجھے تمہارے اِس جذبے کی تذلیل مقصود نہیں جو تم اقبال کے لئے اپنے دل میں رکھتی ہو۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ محبت کا زخم خواہ کتنا ہی گہرا کیوں نہ ہو، لاعلاج نہیں ہوتا۔ محبت اور ہمدردی کا مرہم آہستہ آہستہ اُسے مندمل کر ہی دیتا ہے۔"

"تم مجھے کچھ سوچنے کی مہلت دو۔"

"نہیں طاہرہ! پہلے ہی کیا کم وقت ضائع ہو چکا ہے۔ اب تو اپنے آپ پر رحم کرو۔ بھلا سوچو، یہ جھیل جیسی خوبصورت آنکھیں، گلاب کی طرح کھلا ہوا یہ شاداب اور دل کش چہرہ، یہ پھُول کی

# غزل

جون ایلیا ایم۔ اے (کراچی)

تِری آرزو ہے صبا صبا، تُو بہار ہے تو چمن میں آ
تِری جستجو نے تھکا دیا، تُو غزال ہے تو ختن میں آ

کبھی یوں بھی ہو تِری چاندنی مجھے میرے داغ دکھا سکے
اِک اندھیری رات ہے زندگی کبھی چاند بن کے گگن میں آ

تُو کہاں ہے یوسفِ شہرِ جاں، سہوں کب تلک تِری دُوریاں
ہوئیں مدّتیں تجھے گم ہوئے، تُو کہاں ہے اب تو وطن میں آ

مرا عشق ہے ترا برہمن، مرے خوش قبا مرے خوش بدن
مرا دل ہے دَیرِ کہن ترا، کبھی اپنے دیرِ کہن میں آ

تِری بارگاہ کا راستہ، مری حسرتوں نے بھُلا دیا
کبھی جل کے وقت کی دھوپ میں مرے پاس تُو مرے بن میں آ

مرے رنگ تیری مہک ہوں میں، مرے رنگ مجھ کو سمیٹ لے
مری جان تیرا بدن ہوں میں، مری جان اپنے بدن میں آ

مری سج ہے تجھ سے ہی اے سجن بطرمان تجھ سے ہے جانِ من
مرا رنگ تو ہے اُمنگ تُو، مرے تن پہ سج کے مَن میں آ

ترا حُسن ہے فقط آرزو، فقط آرزو تو عتاب ہے
تُو نگار ہے تو نظر میں آ، تُو خیال ہے تو سخن میں آ

میں جب اپنے خوابوں میں کھو گیا لبِ بان[1] سے یہ سنی صدا
تجھے دیکھنی ہیں وہ صورتیں، تُو دیارِ گنگ و جمن میں آ

جون ایلیا

[1] میرے شہر امروہہ کی ایک ندی کا نام (جون ایلیا)

پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹ، یہ گداز بانہیں اور حُسن و رعنائی کے سانچے میں ڈھلا ہُوا یہ دلکش سراپا کیا قدرت نے تمہیں اس لئے بخشا ہے کہ انہیں فلسفہ کے دیمک چاٹتے رہیں؟"

منصور کی اس شوخی اور بے باکی پر حیا سے طاہرہ کے رُخسار سفید کنول سے سُرخ گلاب میں بدل گئے۔

"تو میں تمہاری خاموشی کو رضامندی سمجھوں نا؟" منصور نے مُسکراتے ہوئے پُوچھا۔

جواب میں طاہرہ بھی اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مُسکرا دی۔ "مجھے تم سے یہی اُمید تھی طاہرہ!" منصور خوشی سے کھِل اُٹھا۔ "میں آج ہی بات فائنل کئے لیتا ہوں۔"

"کیا خالہ جان سے؟"

"نہیں، وہ تو راضی ہو ہی جائیں گی۔ بات میں اپنے دوست شکیل سے کروں گا۔ وہ میری زبانی تمہارے متعلق بہت کچھ جان چکا ہے۔ یہ رشتہ کر کے یقیناً وہ بے حد خوش ہوگا اور۔۔۔"

طاہرہ اس سے آگے کچھ نہ سُن سکی یا جیسے کچھ سمجھ ہی نہ سکی۔ اُس نے اپنی لمحہ بہ لمحہ دُھندلی ہوتی ہوئی نگاہوں سے منصور کے چہرہ کے مِٹتے ہوئے نقوش کو دیکھا اور جیسے اُس کے سینے میں جذبات کا کھولتا ہُوا آبشار یکایک خاموش ہو گیا۔ اُسے ایسا محسوس ہُوا جیسے زندگی نے ایک بار پھر اُس کے ساتھ بھیانک مذاق کیا ہو!!

---

"بیسویں صدی" میں وہی مضامین شائع ہو سکتے ہیں جن کے نیچے "غیر مطبوعہ" لکھا ہو۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے ——— ایڈیٹر

---

# مجبوری

نافع رضوی ایم۔ اے۔ بی ایڈ۔ ایل ایل بی

مدتیں بیت گئیں آپ نے خط بھی نہ لکھا
لوگ کہتے ہیں محبت پہ پشیماں ہیں آپ
میں یہ کس طرح کہوں آپ مجھے بھول گئیں
ہو نہ ہو گردشِ دوراں سے پریشاں ہیں آپ

کوئی گل رُخ مرے پہلو میں جو ہوتی ہے کبھی
یاد آتی ہے بہت آپ کے بالوں کی مہک
آج بھی ذہن میں تابندہ ہے تاروں کی طرح
آپ کا طرزِ خرام، آپ کے لہجے کی کھنک

میری غزلوں کے گلستاں کی بہار آج بھی ہیں
آپ کی سرمئی مخمور شرابی آنکھیں
نکہت و رنگ میں ڈوبے ہوئے رُخسار کے پھول
شوخ مہ پاروں کی مانند گلابی آنکھیں

یہ تو سچ ہے کہ مجھے آپ بھلا سکتی ہیں
میں حضور آپ کے انداز بھلاؤں کیسے
میں نے برسوں جسے پوجا ہے خدا کی مانند
وہ صنم بیت کدۂ دل سے ہٹاؤں کیسے

نافع رضوی

# شانو

ایم۔ اے۔ تشنہ

سرائے پلیل، قائم گنج، ضلع فرخ آباد (یوپی)

محترم! آداب ونیاز

گرامی نامہ نظر نواز ہُوا۔ افسانہ "پھولوں کی مہمیں" کی پسندیدگی کے لئے شکریہ پیش کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے وہ مارچ کے شمارے میں آئے گا ــــ ایک اور کہانی "شانو" حاضر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کشمیر کے یخ بستہ اور ٹھٹھرے ہوئے ماحول میں جنم لینے والی یہ کہانی آپ کو پسند آئے گی۔ اِس میں چھپا ہُوا سنجیدہ رُومان "بیسویں صدی" کے بلند ذوق قارئین کو یقیناً متاثر کرے گا۔ ہو سکتا ہے اِسے "بیسویں صدی" کے افسانہ نمبر کے زرّیں صفحات میں جگہ مل جائے۔ کہانی کے متعلق آپ کی قیمتی رائے اور زرّیں مشوروں کا انتظار رہے گا...

نیازآگیں ــــ ایم۔ اے۔ تشنہ

★

"ابے عیدے! کیا آج گھر نہیں جائے گا؟"

جمعدار کرتا بہادر سنگھ نے ایک لمبی سی جماہی لیتے ہوئے کہا۔ وہ ہمیشہ اپنا نام یہی بتاتا تھا۔ سری نگر کے شمال مغربی نالے کے قریب ٹٹو والوں کے اڈے پر اُس کی ڈیوٹی رہتی تھی۔ کشمیر پولیس میں مُلازم ہونے کے بعد سے تقریباً ساری مُدّت وہ اسی اڈے پر تعینات رہا تھا۔ اپنا نام بتاتے ہوئے "سنگھ" پر زور دے کر وہ اپنی بڑی بڑی مونچھوں کو ایک بار بَل ضرور دیتا تھا۔ اِس بڑھاپے میں بھی چہرے پر جھرّیاں آجانے کے باوجود اُس کی مونچھوں کا اسٹائل نہیں بدلا تھا۔ اِس کے سوا کہ اب وہ کالی کے بجائے سفید ہوگئی تھیں۔

جمعدار نے عیدے ٹٹو والے کو مخاطب کیا تھا جو اڈّے کے ایک گوشہ میں شاہ بلوط کے اُونچے سے پیڑ کے تنے سے ٹیک لگائے ہوئے بیڑی کے کش لیتے ہوئے کسی خیال میں غرق بیٹھا تھا۔ جمعدار کی آواز پر چونک کر اُس نے کہا۔

"جاؤں گا کیوں نہیں حوالدار ساب۔ کوئی سواری بھی تو ملے"

"کوئی سواری ملے یا نہ ملے۔ میری چونّی مجھے دیتے جانا"

"واہ حولدار ساب! سواری نہ ملے گی تو چونّی کاہے کی دوں گا"

"ابے! کبھی کبھی تو چھوٹ جایا کر۔ آج تو چائے کے لئے بھی جیب میں پیسے نہیں ہیں"

جمعدار اِسی طرح ٹٹو والوں کو "پھوڑ پھوڑ کر" اپنے اخراجات چلاتا آیا تھا۔ اُس نے کشمیر پولیس میں آٹھ رُوپے ماہوار سے مُلازمت شروع کی تھی اور اِس وقت اُس کی تنخواہ مہنگائی بھتّہ وغیرہ مِلا کر ستاون رُوپے ہوگئی تھی۔ لیکن پھر بھی اِس مہنگائی میں یہ قلیل رقم اُس کے چھوٹے سے کُنبے کی گُزر اَوقات کے لئے کافی نہ تھی۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ جمعدار نے بھی ٹٹو والوں سے ہر پھیرے پر ایک چونّی وصول کرنے کی رسم ڈال

دن تھی جو اب وقت گزرتے گزرتے قانون کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ ایک ٹٹو والے کا نمبر کاٹ کر دوسرے کو سواری دے دیتا تھا اور اس طرح اُس سے چوّنی کے بجائے آٹھ آنے وصول کر لیتا تھا۔ اس آمدنی کو وہ "بالائی" آمدنی کہتا تھا۔ جس کا تھوڑا سا حصّہ وہ اپنی جائے میں ڈال کر پی لیا کرتا تھا اور بقیہ گھر کے کھانے پینے میں خرچ کرتا تھا۔ اِس طرح تنخواہ کے پیسے وہ صاف بچا لیا کرتا تھا۔ اِسی آمدنی کے سہارے اُس نے اپنی تین بیٹیوں کی شادی کی تھی اور اب میاں بیوی دونوں گھر میں رہ گئے تھے۔ پھر بھی آدمی کی ضروریات تو زندہ رہتی ہی ہیں۔

جمعدار کی بات سُنی اَن سُنی کر کے عیدے نے اپنی بیڑی کا بُجھتا ہُوا ٹکڑا زمین پر پھینک دیا اور انگڑائی لیتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے دو سواریوں کو اڈّے کے چوبی پھاٹک کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ یہ ایک نوجوان اور ایک دوشیزہ تھی۔ ماحول پر کہرے کی دبیز چادر ابھی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اِس لئے دونوں سیّاحوں نے اُونی کپڑے کے موٹے موٹے اوورکوٹ پہن رکھے تھے۔ ہاتھوں میں خرگوش کی کھال کے دستانے اور کانوں سے مفلر لپیٹ رکھے تھے۔ دونوں کے کاندھوں سے ایک چھوٹا سا بیگ اور تھرماس کی بوتل لٹکی ہوئی تھی۔ کہرے کی ہلکی سی تہہ اُن کے کپڑوں پر جم گئی تھی۔ نوجوان سیدھا ٹٹوؤں کی قطار کے پاس چلا گیا اور ایک ایک کر کے اُن کی صحت مندی کا جائزہ لینے لگا۔ وہ لڑکی نوجوان عیدے کو دیکھ کر چلتے چلتے ٹھٹک گئی۔ لمبا تڑنگا خوبصورت اور گٹھے ہوئے جسم کا صحت مند عیدے اپنے ہونٹوں پر دلآویز مُسکراہٹ لئے ہوئے اُس کا استقبال کرتا ہُوا سا کھڑا تھا۔

'اُف! اِتنا شکیل و جمیل نوجوان! اِتنا معصوم اور وجیہہ و حسین! کشمیر اگر جنّت ہے تو یہ یقیناً اِس جنّت کا فرشتہ ہے! اگر یہ اِس پھٹے ہوئے کُرتے پاجامے کے بجائے خوبصورت سُوٹ پہنے ہوئے ہوتا۔ کانوں پر اِس میلی سی چادر کے بجائے اوورکوٹ ہوتا۔ سر پر اِس کشمیری ٹوپی کی جگہ پر فیلٹ ہیٹ ہوتا اور پیروں میں اِس ٹوٹی چپّل کے بجائے چمکدار پالش والا بُوٹ پہنے ہوئے ہوتا تو کِتنا حسین معلوم ہوتا!'



دوشیزہ اپنے تصوّر میں نوجوان عیدے کے پھٹے پُرانے کپڑے اُتار کر اُسے قیمتی اور خوبصورت لباس میں ملبوس کر کے اپنے جمالیاتی ذوق کو تسکین دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ عیدے اُسے اپنی طرف گھُورتے ہوئے دیکھ کر گھبرا سا گیا اور اُس نے اُس کی توجہ ہٹانے کے لئے خالص پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔

"کہاں جانا ہے میم ساب؟"

"پہلگام چلو گے؟"

"ضرور چلوں گا۔"

"کتنے پیسے لو گے؟"

"ڈھائی رُوپے ہوتے ہیں ساب! آپ جو چاہو دے دینا۔"

'صرف ڈھائی رُوپے! زیادہ کیوں نہیں؟ بہت سستے مِلیں گے وہ لمحات جو پہلگام تک تمھاری خوبصورت محبت میں گزریں گے۔' لڑکی نے اپنے ذہن میں دُہرایا اور پھر عیدے سے مخاطب ہو کر بولی۔

"چلو۔ کون سا گھوڑا ہے تمھارا؟"

"وہ رہا ساب! ابھی لایا!"

عیدے اپنے ٹٹّو کی طرف لپکا۔ جو اپنی کنوتیاں مڑے ایک ٹانگ کو ڈھیلا چھوڑ کر کاہلی کے ساتھ تین ٹانگوں پر کھڑا تھا۔ اِس دَوران میں لڑکی کے ساتھی نوجوان نے مہردین کا ٹٹّو پسند کر لیا تھا جو سب سے زیادہ چاق و چوبند اور تندرست دکھائی دے رہا تھا۔ یوں بھی بُوڑھے مہردین نے جو اپنے ٹٹّو کے پاس ہی کھڑا ہُوا تھا، نوجوان کو آتے دیکھ کر اپنے اُونگھتے ہوئے ٹٹّو کو ایک چابک رسید کر دیا تھا اور اب وہ پُوری طرح جاگ کر اپنی چاروں ٹانگوں پر کھڑا ہُوا ہنہنانے لگا تھا۔ نوجوان نے اُسے دیکھتے ہی طے کر لیا تھا اور ایک دُوسرے ٹٹّو کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے اُس نے اپنی ساتھی لڑکی کو پُکار کر کہا۔

"نیلو! یہ گھوڑا تم لے لو!"

"میں نے گھوڑا لے لیا ہے۔" نیلو نے جواب دیا۔

"کون سا؟"

"یہ رہا!" عیدے اپنے ٹٹّو کو قطار سے باہر نِکال کر لا رہا تھا۔ نیلو نے اُس کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا۔ نوجوان بولا۔

"ارے مریل سا گھوڑا کیا چلے گا۔ یہ گھوڑا لو۔ کافی تندرست ہے۔ تیز چلے گا!"

"مجھے تیز نہیں چلنا ہے۔ آؤٹنگ کا لُطف تو آہستہ آہستہ تفریح کرتے ہوئے چلنے میں ہے۔ میں تو اسی گھوڑے پر چلوں گی۔"

"تمھاری مرضی۔"

مہردین اپنے گھوڑے کو نکال کر باہر لے آیا تھا۔ نوجوان نے اُس کی لگام پکڑی اور رکاب میں پاؤں رکھ کر سوار ہوگیا۔ تجربہ کار گھوڑا اپنے جانے پہچانے راستے پر چلنے کے لئے پھاٹک کے باہر نکل گیا۔ مہردین اُس کے پیچھے پیچھے تقریباً دوڑتے ہوئے چلنے لگا۔

---

"آیئے میم ساب!" عیدے نے لڑکی سے کہا۔

"ابے چونی تو دیتا جا! مہردین تو اٹھنی دے گیا۔" جمعدار کڑا بہادر سنگھ نے عیدے کو للکارتے ہوئے کہا۔

"یہ لو چونی حولدار ساب! میں بھی چلا!"

"جا۔ جہنم میں جا! بڑا کنجوس ہے۔ گانٹھ سے پیسے ہی نہیں نکلتے!"

"آیئے میم ساب! بیٹھئے تو چلا جائے۔"

"تم مجھے سہارا دے کر بٹھا تو دو۔ میں خود کیسے بیٹھوں۔"

عیدے جیسے جھجک کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اُسے سواری سے پیسے وصول کرنا تھے۔ کہنے لگا۔

"آپ رکاب میں پیر رکھئے اور اُچک کر بیٹھ جایئے۔ ڈریئے نہیں۔ میرا گھوڑا تو بہت سیدھا ہے۔" عیدے نے خود رکاب میں پاؤں رکھ کر سوار ہوتے ہوئے بتایا۔

لڑکی بہت بے بسی کے ساتھ عیدے کے چوڑے چکلے سینے اور مضبوط بازوؤں کی طرف دیکھتے ہوئے بڑھی۔ جیسے کہہ رہی ہو —

'یہ بازو آخر کس دن کام آئیں گے۔ اگر مجھے ان کا لمس نصیب نہ ہوا تو میرے دیئے ہوئے پیسوں کی قیمت کیسے وصول ہوگی؟'

عیدے اُس کی نگاہوں کا مفہوم کچھ کچھ سمجھتے ہوئے کانپ سا گیا۔ نیلو نے رکاب میں پاؤں رکھ کر ایک بار اُچکنے کے لئے زور لگایا تو تھوڑا سا اُٹھنے کے بعد وہ پھر نیچے گر پڑی۔ عیدے جلدی سے آگے بڑھا۔

# غزل

**ساغر نظامی**

عشق نے نا خدا دیا، حُسن نے رہنما دیا
شوق جدھر بھی مڑ گیا وقت نے راستہ دیا

شکوہ نہیں مگر مجھے یہ بھی دیا تو کیا دیا
اِس بھری کائنات میں اِک دلِ مبتلا دیا

ہم نے تو تیرے حُسن کو سلسلۂ ادا دیا
تُو نے جفا کے زعم میں نقشِ وفا مٹا دیا

وقت بہت کریم ہے، وقت بہت عجیب ہے
وقت نے راہزن دیئے وقت نے رہنما دیا

میرے اور اسکے جبر کی بات تو مختصر سی ہے
اُس نے مجھے مٹا دیا، میں نے اُسے بھلا دیا

عشق کی ایک کپکپی خالق و کارساز تھی
برق و شرر کہ بحر و بر سبکو خدا بنا دیا

میری نشاں رہی ہے تُو تیری نشاں رہی ہوں میں
تُو نے مرا پتہ دیا۔ میں نے ترا پتہ دیا

یہ بھی کسی غریب کے گھر کا دیا ہے زندگی
شام ہوئی جلا دیا، رات ہوئی بجھا دیا

بزمِ سحر کے سامنے میں ساغرِ نغمہ بار نے
نالۂ صبح گاہ سے سارا چمن جگا دیا

"لیجئے۔ اب رکاب میں پاؤں رکھئے۔ میں سہارا لگا دوں گا۔"

نیلو نے ایک بار پھر کوشش کی اور عیدے نے اُس کی کمر پکڑ کر جیسے اُسے اُٹھاتے ہوئے گھوڑے کی پیٹھ پر رکھ دیا اور لگام اُس کے ہاتھ میں دے دی۔ نیلو کے رُخسار نہ جانے کون سے جذبے کے تحت سُرخ ہو گئے تھے۔ عیدے گھوڑے کی لگام کا اگلا حصّہ تھام کر اُس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

پھاٹک سے باہر نکل کر وہ گلی میں آئے۔ جہاں پچھلی رات کو بارش ہو جانے سے پانی بھرا ہُوا تھا۔ عیدے اپنی پھٹی ہوئی چپلوں کو پانی میں سے گھسیٹتا ہُوا آگے بڑھنے لگا۔ کئی سڑکوں پر ہوتے ہوئے وہ شہر کے باہر آ گئے۔ راستے کی چڑھائی شروع ہو گئی تھی۔ نیلو نے کہا۔

"کیا تم پیدل ہی چلتے رہوگے؟"

"روز چلتا ہوں میم ساب! آپ بیٹھی رہئے"

"تب تو تم تھک جاؤگے۔ میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ مجھے سہارا دیتے رہنا۔ نہیں تو میں گر جاؤں گی"

"آپ گریں گی نہیں میم ساب! میں ساتھ چل رہا ہوں گھوڑا دو سواریوں کو لے کر چل نہ سکے گا"

نیلو خاموش ہو گئی اور گھوڑا ٹیڑھے میڑھے اونچے نیچے پہاڑی راستوں پر برف کو اپنے پیروں سے کچلتا ہوا، راستے کے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو ٹھوکریں مارتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ عیدے کسی خیال میں غرق اُس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ پہاڑی مناظر انتہائی پُرکشش تھے۔ لیکن نیلو کو یہ سارا ماحول بے کیف سا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی اُس کا خوبصورت ہمسفر کچھ بولے، باتیں کرے۔ دُوسرے نوجوانوں کی طرح اُسے فلرٹ کرے تو یہ ماحول واقعی حسین بن جائے۔ اُس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے عیدے کو مخاطب کیا۔

"ٹٹو والے! تمھارا کیا نام ہے؟"

"مجھے عیدے کہتے ہیں میم ساب!"

اور نیلو کی جمالیاتی حس پر ایک خراش سی پڑ گئی۔ اُس کے ذہن نے آواز دی "افوہ! کتنا بھونڈا سا نام چپکا لیا ہے تم نے اپنے ساتھ۔ فرخ جمال کیوں نہیں ہے تمھارا نام؟ شاہد، نجیب، جاوید، محسن، شکیل، سُہیل کوئی بھی خوبصورت سا نام ہو سکتا تھا تمھارا"

نیلو نے عیدے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیسا بھونڈا سا نام ہے تمھارا۔ کیا تمھیں بُرا نہیں لگتا؟"

"ماں باپ نے یہی نام رکھ دیا تو یہی سہی۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں"

"مجھے تو اچھا نہیں لگا تمھارا نام۔ میں تمھیں "شہزادہ" کہہ کر پکاروں تو تم بُرا تو نہ مانوگے؟"

"خوابوں کا شہزادہ!" نیلو نے اپنے ذہن میں دُہرایا۔

عیدے بولا۔

"تھوڑی دیر کے لئے جب تک آپ میرے ساتھ ہیں، مجھے کچھ بھی کہہ لیجئے۔ اِس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میرا نام تو وہی رہے گا۔ عیدے!"

نیلو ناخوشگوار سا مُنہ بنا کر خاموش ہو گئی اور عیدے پھر اپنی فطری خاموشی میں ڈوب گیا۔ نیلو کو اُس کی خاموشی ناگوار گزر رہی تھی۔ کتنا بور ہے یہ نوجوان! اِنتہائی خشک اور مُضمحل! آخر کیا غم ہے اِسے؟ کیا اِس کے سینہ میں دل نہیں ہے؟ دل میں جذبات نہیں ہیں؟ تنہائی میں ایک حسین اور شوخ لڑکی کا ساتھ پاکر بھی اِس کے جذبات سوئے ہوئے کیوں ہیں؟ اِن میں تلاطم کیوں نہیں برپا ہو جاتا؟ یہ ہنستا کیوں نہیں؟ اِس سے بے تکلف کیوں نہیں ہوتا۔ سمندر کی سطح پُرسکون ہو تو اُس کے سینہ میں چھپی ہوئی اُتھل پتھل کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔

نیلو نے کہا

"شہزادے! مجھے کشمیر کے پہاڑی لوک گیت بہت اچھے لگتے ہیں۔ حالانکہ میری سمجھ میں نہیں آتے۔ لیکن اُن میں چھپا ہُوا سوز و گداز، لہجے کی لچک اور اُن کے بولوں کا خوبصورت ترنم میرے دل میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ ایسے میں گاؤ نا ایک پہاڑی لوک گیت۔ راستہ بھی کٹے گا اور ماحول بھی خوبصورت ہو جائے گا"

"مجھے گانا نہیں آتا میم ساب!"

عیدے کا مختصر سا جواب نیلو کے جذبات کو کچوکا سا دے گیا۔

گھوڑا پہاڑ کی چڑھائی پر پتلی پتلی پگڈنڈیوں پر آہستہ قدم رکھتا ہُوا آگے بڑھ رہا تھا۔ پگڈنڈی کبھی کسی درّے میں سے گزرتی تھی۔ کبھی کسی ٹیلے پر چڑھ جاتی تھی۔ کبھی کسی اونچی پہاڑی کے دامن میں پتلی سی کگار پر ہوتی ہوئی آگے بڑھتی، جس کے ایک طرف پہاڑی ہوتی اور دُوسری طرف گہرا غار۔ ایسے مقام پر آکر نیلو کانپ سی جاتی۔ لیکن عیدے خاموشی سے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ ایک مقام پر ایک پتلا سا پہاڑی چشمہ راستے میں حائل تھا۔ جس کے دونوں کنارے کافی اونچے تھے۔ پانی بہت گہرائی میں تھا۔ گھوڑا اپنے معمول کے مطابق اُس چشمے کو پھلانگنے کے لئے اُچھلا اور نیلو نے سہم کر ایک چیخ ماری۔ گھبراہٹ میں وہ گر پڑنے کو تھی کہ عیدے نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اُسے تھام لینا چاہا۔ نیلو نے اپنا پُورا جسم اُس کی بانہوں میں ڈال دیا۔

عیدے نے اپنی بانہوں میں اچانک گرنے والے اس بوجھ کو سنبھال تو لیا۔ لیکن ایک پیار بھری خفگی کے انداز میں کہنے لگا۔

"یہ کیا کرتی ہیں میم ساب؟ آپ اپنی جگہ جم کر بیٹھئے۔ میں آپ کو گرنے نہ دوں گا!"

نیلو اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے عیدے کی خوبصورت بانہوں میں پڑی ہانپ رہی تھی۔ عیدے نے اُسے آہستہ سے اُتار کر زمین پر کھڑی کر دیا۔ نیلو اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ سکی۔ اپنی لرزتی ہوئی ٹانگوں کو سنبھالنے کے لئے وہ زمین پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر خاموش بیٹھنے کے بعد جب اُس کے حواس کچھ درست ہوئے تو اُس نے کہا۔

"شہزادے! ایک بات بتاؤ"

"کیا؟"

"اگر میں اس وقت گھوڑے سے گر جاتی اور اس نالے میں گر کر مر جاتی تو تم کیا کرتے؟"

"ایسی بات کیوں سوچتی ہیں آپ؟ میں آپ کو گرنے ہی نہ دیتا"

"بڑے ظالم ہو تم! میں جانتی ہوں تم میری لاش کو اسی نالے میں ڈال کر آگے بڑھ جاتے!"

عیدے خاموش رہا۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ نیلو کی جذباتیت اپنے عروج پر پہنچ رہی تھی۔ اُس نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر اچانک سوال کر دیا۔

"میں تمھیں کیسی لگتی ہوں شہزادے؟"

عیدے چونک کر اُس کے چہرے کو تکنے لگا۔ اُس کی بے بسی قابلِ دید تھی۔ نیلو نے پھر کہا۔

"بتاؤ نا شہزادے!"

"بہت اچھی! آپ بہت اچھی ہیں میم ساب!"

عیدے نے یوں جواب دیا جیسے کہہ رہا ہو ———

'آوارہ کہیں کی!'

موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے عیدے نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا۔

"چلئے میم ساب! جلدی کیجئے۔ ابھی بہت دُور چلنا ہے"

"ٹھہرو۔ چلتے ہیں۔ مجھے تو بھوک لگی ہے۔ پہلے کچھ کھا لیا جائے۔ تب آگے چلیں گے"

"کھا لیجئے میم ساب!"

عیدے نے بے بسی کے انداز میں زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم بھی کھاؤ نا۔ تمھیں بھوک لگی ہوگی"

نیلو نے اپنے بریف کیس میں سے بسکٹوں کے دو تین ڈبے نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں، نہیں۔ آپ کھائیے۔ مجھے بھوک نہیں ہے"

"بھوک کیوں نہیں ہے۔ تمھیں میرے ساتھ کھانا پڑے گا۔ ورنہ میں بھی نہیں کھاؤں گی۔ لو، یہ بسکٹ لو"

"نہیں آپ بسکٹ کھائیے۔ میرا کھانا میرے پاس ہے"

اور عیدے نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی ایک پوٹلی نکالی۔ اُس میں دو سوکھی روٹیاں لپٹی ہوئی رکھی تھیں، جو شاید آٹے میں نمک مِلا کر پکائی گئی تھیں۔ کیونکہ عیدے اُنھیں رُوکھی ہی دانتوں سے کاٹ کر کھانے لگا۔ نیلو حیرت سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ دونوں روٹیاں کھا کر عیدے نے پاس کے چشمے سے چُلّو میں بھر کر پانی پی لیا اور واپس آتے ہوئے کہنے لگا۔

"لیجئے، میں کھا چُکا اور آپ ابھی تک بیٹھی ہیں"

"بڑے ستم ظریف ہو تم!" نیلو نے زیرِ لب کہا اور بسکٹ کھانے لگی۔ بسکٹ کا ایک پیکٹ ختم کر کے اُس نے باقی پیکٹ اپنے بریف کیس میں رکھ لئے اور اپنے تھرماس کا ڈھکن کھولنے لگی۔

"لو! تھوڑی سی کافی تو پی لو۔ سردی بڑھتی جا رہی ہے"

"مجھے سردی نہیں لگ رہی ہے"

"کافی تو تمھیں پینی پڑے گی۔ لو پیو!"

تھرماس کو عیدے کے مُنہ کے پاس لے جا کر نیلو نے کہا۔

مجبور ہو کر عیدے نے تھرماس کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگا۔ کافی گرم اور تلخ تھی۔ اُس کا ہر گھونٹ اُس یخ بستہ ماحول میں عیدے کی رگوں کے اندر ایک عجیب سا سُرور دوڑانے لگا۔ نیلو کی آنکھوں میں مُسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر تمھارا جی چاہے تو دو گھونٹ میرے لئے چھوڑ دینا۔

شہزادے!"

"جی ہاں۔ لیجئے۔ میں پی چکا۔"

"نہیں نہیں۔ ابھی اور پیو!"

نیلو کے اصرار پر عیدے نے دو گھونٹ اور بھرلئے اور تھرماس نیلو کی طرف بڑھا دیا۔ نیلو تھرماس اپنے ہاتھ میں لے کر بچی ہوئی کافی غٹ غٹ کرکے پی گئی۔ اپنی ذہنی تسکین کے لئے نیلو نے جان بُوجھ کر عیدے کو تھرماس سے مُنہ لگا کر کافی پلائی تھی اور خود بھی پی تھی۔ ورنہ کافی پینے کے لئے تھرماس کے ڈھکن والا گلاس نیلو کے ہاتھ ہی میں تھا۔ جسے اُس نے خالی بوتل کے مُنہ پر رکھ کر اُوپر سے ڈھکن چڑھا دیا۔ بریف کیس اور تھرماس اپنے کاندھے پر ڈال کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو شہزادے!"

گھوڑے کے پاس آکر عیدے نے سری نگر والی صورتِ حال سے بچنے کے لئے اپنے آپ ہی نیلو کو بانہوں سے اُٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا اور خود اُس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

سُورج مغرب کی طرف کافی ڈھلک آیا تھا۔ فضا میں خُنکی بڑھنے لگی تھی۔ اب ایک گھنٹہ دن باقی رہ گیا تھا اور پہلگام ابھی تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ سُورج کی ترچھی شعاعیں دُور و نزدیک کی پہاڑی چوٹیوں پر پڑ کر انھیں لالہ زار بنا رہی تھیں اور سارے ماحول میں سنہری سنہری روشنی کا عکس بکھر گیا تھا۔ وہ چلتے رہے۔ نیلو اب پہلے سے زیادہ خوش نظر آرہی تھی۔ وہ بار بار عیدے کو مخاطب کرکے اُسے کُریدنے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن عیدے اُس کے معنی خیز سوالوں کا جواب مختصر الفاظ میں دے کر خاموش ہو جاتا تھا۔ وہ نہ جانے کس خیال میں کھویا ہُوا تھا۔ نیلو کی باتوں سے اُسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے خیالوں میں صرف اُس کی منزل ہو۔ جہاں پہنچ کر وہ اپنی سواری سے ڈھائی رُوپے وصول کرلے گا۔ وہ گھوڑے کو تیز چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کسی اُونچی پہاڑی پر پہنچ کر وہ ایک بار سُورج کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ جو اب سُرخ ہوکر مغربی اُفق کے پیچھے چُھپ جانے کے لئے تیزی سے نیچے پھسلتا جا رہا تھا۔ پہاڑی چشموں کے برف جیسے ٹھنڈے پانیوں میں وہ اپنی چپلوں سمیت گُھس جاتا۔ پگڈنڈی کے کنارے پڑی ہوئی برف پہ وہ اس طرح پاؤں رکھتا جا رہا تھا جیسے کسی دبیز مخمل قالین کے اُوپر چل رہا ہو۔ نیلو عیدے کی بے اعتنائی سے تنگ آکر اپنے آپ گنگنانے لگی تھی۔ لیکن عیدے اُس کے ترنّم سے بے نیاز آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

---

سُورج اب ڈوب چکا تھا۔ پھر بھی فضا بالکل تاریک نہیں ہوئی تھی۔ سفید سفید برف کے عکس سے ماحول میں ایک خوشگوار اُجالا پھیلا ہُوا تھا۔ اچانک ایک پہاڑی کے قریب سے گزرتے ہوئے عیدے چلتے چلتے رُک گیا اور نیچے مغربی ڈھلان کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں اُونچے اُونچے درختوں کے دامن میں بنی ہوئی کچھ جھونپڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ جھونپڑیوں کے اُوپر پڑے ہوئے پھُوس کے کھپریلوں میں سے دُھواں چھن چھن کر نکلتا ہُوا فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔ عیدے نے ایک پیار بھری نظر اُس چھوٹی سی بستی پر ڈالی اور اپنے دونوں ہاتھوں سے مُنہ کے سامنے ایک حلقہ بنا کر اُس نے زور سے آواز لگائی۔

"شانو!!!... او شانو!"

اور چند ہی ثانیوں کے بعد ایک جھونپڑی میں سے ایک سایہ باہر نکلا اور ایک اونچے سے ٹیلے پر کھڑے ہو کر اپنے ہاتھوں کی جنبش سے کچھ اشارہ کرنے لگا۔ ہو سکتا ہے اُس نے کچھ کہا بھی ہو۔ لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ کوئی آواز صاف طور پر سُنائی نہ دے سکی۔ ہو سکتا ہے عیدے کے لاشعور نے اُس آواز کو سُن بھی لیا ہو کیونکہ اُس نے پھر آواز لگائی تھی۔

"میں آگیا ہوں شانو! میں آگیا ہوں۔ ابھی آتا ہوں۔ اڈّے سے لَوٹ کر"

عیدے کا چہرہ فرطِ مسرّت سے تمتما رہا تھا۔ اُس ایک لمحے نے اُس کی حالت کو یکسر بدل دیا تھا۔ اب وہ پہلے جیسا کھویا کھویا خاموش اور مضمحل عیدے نہ تھا۔ اب وہ ایک کھلنڈرا نوجوان دکھائی دے رہا تھا۔ جس کی رگ رگ میں بجلی سی کوندتی ہوئی معلوم ہونے لگی تھی۔ اُس نے گھوڑے کی باگ تھامی اور آگے کی طرف چل دیا۔ نیلو اس سارے منظر کو بہت دلچسپی اور حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ عیدے کی اس اچانک تبدیلی پر اُس کا دل جیسے ایک کھلے ہوئے پھول کی طرح ترو تازہ ہو گیا تھا۔ اُس نے بہت اشتیاق سے پُوچھا۔

"یہ کون تھا شہزادے؟"

"میری بیوی تھی میم صاب!"

نیلو کا شگفتہ چہرہ اس طرح مُرجھا گیا جیسے کسی نے کھلے ہوئے پھول کو دہکتے ہوئے انگاروں پر رکھ دیا ہو! وہ گم سُم سی خاموش گھوڑے پر بیٹھی رہی۔ تھوڑی ہی دیر میں پہلگام کا اڈّہ آگیا، جہاں نیلو کا ساتھی نوجوان پہلے ہی پہنچ کر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ نیلو کو دیکھتے ہی اُس نے کہا ——

"ہاؤ ڈو یو ڈو نیلو! آؤٹنگ کیسی رہی؟"

"بور!" نیلو نے گھوڑے سے نیچے کُودتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

نوجوان نے طیش کھاتے ہوئے پُوچھا۔ لیکن نیلو کو پیار بھرے لہجہ میں عیدے کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ نیلو نے جیب سے اپنا پرس نکالا اور پانچ رُوپے کا ایک نوٹ نکال کر عیدے سے کہا۔

"یہ لو شہزادے! اپنی مزدوری"

"لیکن یہ تو زیادہ ہے!"

"کوئی بات نہیں۔ رکھ لو"

"جی نہیں میم صاب! میں زیادہ پیسے نہیں لے سکتا!"

"لے لو۔ یہ میری درخواست ہے شہزادے! کیا تم میری ایک چھوٹی سی درخواست بھی منظور نہ کروگے"

"نہیں میم صاب! میں مزدور ہوں، بھکاری نہیں!"

اور اُس نے اپنی جیب سے ڈھائی رُوپے نکال کر نیلو کی طرف بڑھائے۔ نیلو پیچھے ہٹنے لگی تو اُس نے زبردستی دو رُوپے کا نوٹ اور ریزگاری نیلو کے ہاتھ پر رکھ دی۔ نیلو نے ہاتھ ہٹا لیا تو پیسے زمین پر گر گئے۔ عیدے اس کی پروا کئے بغیر اپنے گھوڑے کو لے کر پلٹ پڑا۔ نیلو مایوس نظروں سے اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور جب چند قدم چل کر وہ اڈّے کے احاطے سے باہر جانے لگا تو نیلو نے اُسے حسرت بھری آواز میں پُکارا۔

"رُک جاؤ شہزادے! میری ایک بات سُنتے جاؤ!"

عیدے رُک گیا۔ لیکن پلٹا نہیں۔ نیلو خود آگے بڑھ کر اُس کے قریب پہنچ گئی اور اُس سے دو قدم پیچھے کھڑی ہو کر کہنے لگی۔

"اپنی خوش نصیب شانو سے میرا سلام کہہ دینا شہزادے! جاؤ۔ خُدا حافظ!"

عیدے چلا گیا، نیلو کھڑی سوچتی رہی —— کاش! وہ شانو ہوتی!!

---

مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر روشن سیاہی سے خوشخط لکھا کریں اور دو سطور کے درمیان فاصلہ چھوڑنا بہت ضروری ہے۔

بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر غیر مطبوعہ لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس مضمون کی نقل ضرور رکھیں کیونکہ ناقابلِ اشاعت مضامین ضائع کر دئے جاتے ہیں۔ ناقابلِ اشاعت مضامین کی واپسی کے لئے مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال کریں۔ ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔ منیجر


چہرہ کے لئے ایک لاجواب فیس کریم جو ملکہ کے لئے عین موزوں ہے
افغان سنو
یہ لاثانی سنو آپ میں سے ہر ایک کو ملکہ
بنانے میں کمال رکھتی ہے۔ اس کے انتہائی
نفیس اجزاء چہرے کو دلکش اور جاذب نظر
بنائیں گے کہ آپ بالکل ملکہ نظر آئیں گی
اور ملکہ ہی محسوس کریں گی۔
ای - ایس - پاٹن والا - بمبئی - 86

۱۹۷۴

# غزل

ضیا فتح آبادی ایم۔ اے

کیوں نالہ ہے محرومِ اثر آپ نہ پوچھیں
آنکھیں ہیں مری کس لئے تر آپ نہ پوچھیں

کل دل تھا جہاں، آج وہاں ایک خلا ہے
کیا کر گئی وہ دُزدیدہ نظر آپ نہ پوچھیں

ہے نزع کا عالم اسے پوچھے گا بھلا کون
بیمار کا اب حال اگر آپ نہ پوچھیں

آجائیں کبھی پردہ رُخِ روشن سے اُلٹ کر
کب ہوگی شبِ غم کی سحر آپ نہ پوچھیں

منزل تو مری آپ کے قدموں کے تلے ہے
باقی ہے ابھی کتنا سفر آپ نہ پوچھیں

یہ بے رُخیِ حُسن، یہ اندازِ تغافل
سب پوچھیں مرا حال، مگر آپ نہ پوچھیں!

کھولی جو زباں میں نے تو کھل جائے گا دفتر
مجھ سے ہی مرے عیب و ہنر آپ نہ پوچھیں

ٹھہرا کے مجھے آبلہ پائی کا سزاوار
پُر خار ہے کیوں راہگزر آپ نہ پوچھیں

خود دشت نوردی کا سبق مجھ کو سکھا کر
برباد ہوا کب مرا گھر آپ نہ پوچھیں

دیکھیں کہ اُدھر آپ کے چہرے کا ہے کیا رنگ
اب حال مرا کیا ہے اِدھر، آپ نہ پوچھیں

اک بار ہی جو پوچھنا ہے، پوچھیں ضیا جی
کچھ ہم سے مگر بارِ دگر آپ نہ پوچھیں

ضیا فتح آبادی

بیسویں صدی دہلی جولائی ۱۹۷۴ء

# غزل

شکیل احمد عاصم بریلوی ایم۔ اے، ایم۔ کام، بی۔ ٹی

وفا شعار! یہ تکمیلِ عاشقی تو نہیں
کہ ہر نفس میں محبت ابھی ڈھلی تو نہیں

دلِ حزیں، غمِ جاناں ہے پھر غمِ جاناں
جواب اِس کا خدا کی قسم خوشی تو نہیں

جو ہو رہی ہے نمایاں شگفتہ پھولوں سے
مرے لبوں کی یہ روٹھی ہوئی ہنسی تو نہیں

نہ مجھ پہ تہمتِ بادہ کشی لگا زاہد
نظر ملائی تھی ساقی سے میں نے پی تو نہیں

مرے رقیب کہیں تیری خود نمائی میں
چھپا ہوا ترا احساسِ کمتری تو نہیں

یہ کیوں حسین و مستور دکھائی دیتی ہے
شبِ فراق کے پیکر میں آپ ہی تو نہیں

نہ جاؤ چارہ گرو میری بیقراری پر
یہ درد، دردِ محبت ہے دل لگی تو نہیں

بس ایک جام پیا اور ہوش کھو بیٹھے
یہ میکشی کی ہے توہین میکشی تو نہیں

یہ سوچتے ہوئے اپنا لیا ترے غم کو
خوشی ہزار خوشی ہو، وہ دائمی تو نہیں

کہاں سے آئے ترے عزم میں توانائی
حیات غم میں پلی ہے مگر ڈھلی تو نہیں

عاصم بریلوی


مجھے تو اس کی
ہوں اس کی خوشبو

# نیم تراشیدہ صنم

## اکرم فاروقی ایم۔اے، بی۔ ٹی

سینٹرل اسکول، فتح گڑھ (یو۔پی)

مخدومی خوشتر بھائی! آداب

برسوں بعد "نیم تراشیدہ صنم" لے کر اس یقین کے ساتھ حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں کہ یہ افسانہ جناب والا اور "بیسویں صدی" کے بلند ذوق قارئین پسند فرمائیں گے۔ سماج کے بدلتے ہوئے تقاضے آج کے افسانہ نگار سے بہت سی توقعات رکھتے ہیں۔ اعلیٰ سماجی زندگی، ایثار و محبت کے طفیل ہی خوشن آیند بنتی ہے۔ یہی اِس افسانہ کا مرکزی خیال ہے —— "بیسویں صدی" کے افسانہ نگاروں نے جہاں آپ کی سرپرستی میں صحت مند روایات کا احترام کیا ہے وہاں سماج کے نئے تعمیری تقاضوں کو بھی ہمیشہ گلے لگایا ہے۔ یہ بات میں ببانگِ دہل کہتا ہوں کہ "اردو ادب میں افسانہ" کا باب اُس وقت تک نامکمل تصور کیا جائے گا جب تک اُس میں حضرتِ خوشتر گرامی اور "بیسویں صدی" کی عظیم الشان خدمات کا تذکرہ پورے خلوص اور دیانت داری کے ساتھ نہ کیا جائے گا۔ توقع ہے کہ آیندہ طلباء کے نصاب کے لئے "بیسویں صدی" ہی کے شماروں سے افسانوں کا انتخاب پیش کیا جایا کرے گا —— آستانۂ ایزدی میں آپ کی درازیٔ عمر اور صحت و عافیت کے لئے دُعا گو ہوں۔ بیگم اور بچّے آداب گزار ہیں ...

طالبِ کرم —— اکرم فاروقی

یہ کسی چیز کے حُسن و جمال ہی پر منحصر ہے کہ وہ کس قدر جاذبِ نظر قرار پائے، اور پھر میرا جمالیاتی شعور ——!! خوبصورت چیزیں میری کمزوری ہیں!

میں کتاب کے دیدہ زیب ڈسٹ کور سے اتنا متاثر ہوا کہ میں نے اخلاقی روایات کو بالائے طاق رکھ کر بک ریک سے کتاب نکال لی۔ لیکن وہ کتاب نہ تھی، خوبصورت ڈائری تھی!

ڈائری کے سرورق پر صبیحہ ممتاز لکھا تھا۔

صبیحہ ممتاز میری [illegible]ک ہیں۔ ہم دونوں پچھلے سیشن سے بی۔ ٹی میں پڑھا رہے ہیں۔ صبیحہ صباحت و لطافت کی پیکر ہے۔ اُس کی غزالی آنکھوں میں حرم کے چراغوں کی روشنی ہے۔ اُس کے یاقوتی ہونٹوں پر مونالیزا کے تبسّم کی رعنائیاں ہیں۔ اُس کی کشادہ پیشانی چاند کی طرح شفاف ہے۔ وہ جب بولتی ہے تو آبشاروں کا ترنم بے کیف ہو جاتا ہے۔ وہ جب ساڑی کا پلّو اُٹھا کر چلتی ہے تو بادِ صبا کی لطیف لہریں شرما کر کترا جاتی ہیں۔ اُس کی شخصیت میں بلا کا جادو ہے، بے پناہ کشش ہے۔

وہ میرے فردوسی خوابوں کی گل پوش تعبیر ہے۔ وہ میرے

منسوبوں کی ایک خوش رنگ تصویر ہے۔ وہ میری نغموں کا ترنم اور میری تنہائیوں کا گیت ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں صبیحہ سے اپنی علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ڈائری کے پہلے صفحہ پر میری نگاہیں جم گئیں ——

"یکم جنوری ۷۳ء

میری انتہائے نگارش یہی ہے
تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

آج نئے سال کا نیا دن ہے۔ خُدا سے دُعا کرتی ہوں کہ یہ سال میرے لئے، میرے متعلقین کے لئے اور میرے مُلک کے لئے مُبارک ہو۔ (آمین) خدا کرے اب کوئی جنگ نہ ہو اور میری طرح کوئی یتیم نہ ہو۔ گذشتہ سال میری ماں کی کلائیاں چُوڑیوں کی جھنکار سے محروم ہو گئیں۔ میرے معصوم بہن بھائی، باپ کے شفیق سائے سے محروم ہو گئے اور میں ایسی ناپُختہ عُمر میں اپنے وطن سے باہر نکل کر مُلازمت کے لئے مجبور ہو گئی جبکہ میری ہم عُمر لڑکیاں اپنے بستروں پر سرِ شام ہی سے لیٹ کر اپنے ذہن کے جزیروں میں نور و نکہت کی ایک ایسی دُنیا سجاتی ہیں جس میں جواں مسرّتوں کی نئی نویلی پریاں تھرکتی ہیں، خوش رنگ مستیوں کے گُلاب کھِلتے ہیں اور جب اُن کے نرم نرم بستروں پر نشیلی چاندنی کسمساتی ہے تو رُوح کی گہرائیوں میں چراغاں ہو جاتا ہے اور تمنّاؤں کی ساری کائنات قوسِ قزح کے دل آویز رنگوں میں ڈُوب جاتی ہے اور جب نسیمِ سحر کی سیمیں بانہوں سے ہمکنار ہو کر شبنمی خوشبوئیں مستانہ وار رقص کرتی ہیں تو دل کی کلی کلی چٹک چٹک کے اُنھیں پیغامِ محبت سُناتی ہے اور جب شام کے سُرمئی دُھندلکوں میں زندگی کے نئے نغموں کی تخلیق ہوتی ہے، جب رات کے گہرے سنّاٹوں میں دل کی دبیز وادیوں میں زلزلے آتے ہیں اور جب چاند کی پاکیزہ کرنیں تاج محل کے مرمریں صحن میں آہستہ سے اُتر کر اپنی پُوری عقیدت کے ساتھ شاہ و ملکہ کے مقدّس قدموں کو چھُوتی ہیں، تب جمنا کی شوخ و شنگ لہریں پریم کا مدھر سنگیت چھیڑ دیتی ہیں اور ایسے بہار آفریں ماحول میں میری ہم عُمر لڑکیاں زمین سے میلوں بلند ہو جاتی ہیں اور چاند تاروں کی سُنہری دہلیز کو چھُونے کے لئے اپنی پُوری قوت سے پرواز کرتی ہیں۔ وہ لڑکیاں کتنی خوش نصیب ہوتی ہیں جن کی مانگ میں خود ہی کہکشاں ٹُوٹ ٹُوٹ کر بکھر جاتی ہے اور جنھیں چاندنی اپنی نقرئی انگلیوں سے سجاتی ہے۔ پیروں میں مہندی رچاتی، مانگ میں افشاں بھرتی ہے۔ نرم و نازک کلائیوں میں [illegible] چُوڑیاں پہناتی اور صبیح پیشانی پر زرّیں جھومر ٹکاتی ہے۔ [illegible] آنکھوں میں کاجل کی ڈوریاں کھینچتی اور شفق سا سُرخ جوڑا پہنا کر اپنے مقدّس ہاتھوں سے پھُولوں سے سجی پالکی میں دُلہن بنا کر بٹھاتی ہے —— میرے خُدا! وہ کتنی خوش نصیب ہوتی ہیں میری ہم عُمر لڑکیاں!"

صبیحہ کی ڈائری کا پہلا صفحہ پڑھ کر یکبارگی میرے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہو گئیں اور میں کئی لمحوں تک تصوّرات کے آکاش پر آشاؤں کی دیپ مالائیں سجاتا رہا . . .

"۸ جنوری ۷۳ء

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھُوا ہے، لیکن
لوگ بے درد ہیں پھُولوں کو مسل دیتے ہیں

آج گھر سے امّی کا خط آیا ہے۔ صفیہ، عابد اور گُڈّو کی خیریت جان کر دلی اطمینان ہُوا۔ خُدا میرے بہن بھائیوں کو میری امّی کے سائے میں پروان چڑھائے۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ صفیہ اور عابد ششماہی میں پاس ہو گئے ہیں۔ خُدا ان پھُولوں کی بہار دکھائے . . ."

"۲۶ فروری ۷۳ء

شام بھی ہے دُھواں دُھواں حُسن بھی ہے [illegible] اداس اُداس
دل کو کئی کہانیاں یادسی آ کے رہ گئیں

مجھے مِس منوچہر، مِس نائڈو اور مسز [illegible] کی طرح جنٹس سے مِکس اپ ہونا اچھا نہیں لگتا۔ پر کیا کیا جائے، جب میرے پیریڈ خالی ہوتے ہیں اُس وقت احسن، ٹھاکر، ار[illegible]، اوستھی، باجپئی اور بسمل کے پیریڈس خالی ہوتے ہیں اور ان لوگوں سے کبھی سٹاف رُوم میں، کبھی لائبریری میں اور کبھی کینٹین میں ملاقات ہو ہی جاتی ہے اور دُعا سلام نہ ہو یہ ایٹی کیٹ کے خلاف ہوگا۔ آج ارشد صاحب نے مجھ سے پُوچھا "مِس صبیحہ! آپ بہت سنجیدہ سنجیدہ سی رہتی ہیں جبکہ یہ عُمر ہنسنے مُسکرانے کی ہوتی ہے۔" میں نے کہا "ارشد صاحب! سنجیدگی اور متانت ہی شرافت کی علامت ہیں اور پھر

لیڈیز کا تو یہی زیور ہیں۔ مجھے یہ زیور بہت عزیز ہیں" ارشد صاحب لاجواب ہوگئے۔ لیکن میرا دل گئی بے عنوان کہانیوں کے تجسس میں ڈوب گیا!"

میں صبیحہ کی ڈائری میں اپنا نام پڑھ کر بہت مسرور ہوا۔ لیکن شرمندہ بھی۔ کیونکہ میں نے صبیحہ سے واقعی کچھ غیر معیاری سا سوال کیا تھا۔

"یکم مارچ ۷۳ء

اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

دن گزر رہے ہیں، فاصلے مٹ رہے ہیں۔ بے تکلفی بڑھ رہی ہے۔ ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے ارشد اور احسن میرے عزیز ہیں۔ میرے محسن ہیں۔ دونوں بے اندازہ مخلص ہیں۔ میرے ہمدرد ہیں۔ ہر معاملہ میں میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دونوں کو میری رُوح صدیوں سے جانتی ہو! جب دیکھ لیتی ہوں تو آنکھوں کی پیاس بجھ جاتی ہے اور رُوح میں شگفتگی چھا جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ رشتے خون ہی کے نہیں، دل کے بھی ہوتے ہیں۔ جب ارشد صاحب کو دیکھتی ہوں تو فلک بوس پہاڑوں کی عظمت میری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور جب احسن صاحب سے ملتی ہوں تو سمندر کی اُن گہرائیوں میں کھو جاتی ہوں جن میں الماس و گہر پروان چڑھتے ہیں۔ ارشد و احسن میری گم شدہ متاع عزیز ہیں۔ ان سے مل کر میرے ذہن کی سطح پر یادوں کی پائل بجنے لگتی ہے۔ دل چاہتا ہے زندگی کی آخری شام تک یہ پائل بجتی رہے اور میں گرد و پیش سے بے خبر ہو کر بے سُدھ پڑی رہوں۔ ۔ ۔"

"۱۲ مارچ ۷۳ء

درد میٹھا ہو تو رُک رُک کے کسک ہوتی ہے
یاد گہری ہو تو تھم تھم کے قرار آتا ہے

میں آج نئی پیازی رنگ کی ساڑی پہن کر اسکول گئی تھی۔ چاروں طرف سے "نیو تھنگ" کی آوازوں نے مجھے گھیر لیا۔ سب سے چائے کا وعدہ کر کے جان چھڑائی۔"

"اِس ساڑی میں تو آج آپ ماشاء اللہ بہت خوبصورت معلوم ہو رہی ہیں! گھر جا کر نظر اُتروا لیجئے گا!" یہ جملہ احسن نے اُچھالا تھا۔

# غزل

مسعودہ حیات ایم۔ اے، بی۔ ٹی

محبت کی آنکھوں میں سوغات ہوگی
جہاں ہم ملیں گے یہی بات ہوگی

شب تیرگی کا کوئی حل تو ڈھونڈو
نہیں ورنہ ہر موڑ پہ مات ہوگی

اُجالوں کے نزدیک آتے رہیں ہم
اِسی طور سے مختصر رات ہوگی

خطوں کے سہارے تو کیا ہم ملیں گے
جنوں بڑھ گیا تو ملاقات ہوگی

جنھیں خاص رغبت ہے مکر و ریا سے
صداقت کی اُن سے کہاں بات ہوگی

حیات اُن کو پھر ترکِ اُلفت کی دُھن ہے
یقیناً ارادوں کو پھر مات ہوگی

—مسعودہ حیات

لیکن گھر آکر میں دیر تک آئینہ میں خود کو ہر زاویہ سے دیکھتی رہی۔ کیا آج واقعی میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی—؟؟ اور نہ جانے یکایک کیا یاد آیا کہ میرا چہرہ گلنار ہو گیا اور معاً میں کسی انجانے خیال سے شرما کر آئینہ کے سامنے سے ہٹ گئی۔"

احسن کا کہا ہوا جملہ میرے دل کی گہرائیوں میں تیر کی طرح چبھ گیا۔ میں نے جھنجلاہٹ میں ڈائری کے کئی صفحے ایک ساتھ پلٹ دیئے۔

"۲ / اپریل ۱۹۷۳ء

کسی انسان کا دل ہو، ستارہ ہو یا آئینہ
کوئی شے الغرض ٹوٹی ہوئی دیکھی نہیں جاتی

آج اتفاق سے پنسل تراشتے ہوئے میری انگلی میں بلیڈ

کی تیز دھار اُتر گئی۔ خون کی گرم گرم بُوندیں اُبل پڑیں۔ میں تڑپ گئی۔ اتنے میں احسن آگئے اور اُنھوں نے میری خون آلود اُنگلی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ یکبارگی میرے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ مجھے فرسٹ ایڈ رُوم میں لے گئے۔ ڈریسنگ کرائی اور بہت خلوص کے ساتھ بار بار پُوچھتے رہے "زیادہ تکلیف تو نہیں ہو رہی ہے؟ درد تو نہیں ہو رہا؟" اور میں احسن کے مشورہ سے سیکنڈ ہاف کی کیژول لے کر گھر آگئی "

یکم مئی ۷۳ء

مے سے، مینا سے، نہ ساقی سے، نہ پیمانے سے

دل بہلتا ہے میرا آپ کے آجانے سے

"آپ جب سے آئی ہیں میری دُنیا میں بہاریں آگئی ہیں۔ دل چاہتا ہے دیر تک آپ کی آنکھوں کی گہری جھیل میں ڈُوبا رہوں۔ آپ کے ہونٹ گُلاب کی پنکھڑیوں کی طرح ملائم ہیں۔ آپ کی آواز میں سوم رس کی مٹھاس ہے۔ آپ کا بدن ایلورا کے مجسّموں کی طرح دلکش ہے!" اور نہ جانے احسن نے اپنے جذبات کی سُلگتی ہوئی دُھوپ میں کیا کیا کہا ـــــ مجھے تو اُس وقت ہوش آیا جب میں نے اپنی ہتھیلی کی پُشت پر رسیلے ہونٹوں کی ٹھنڈک محسوس کی اور میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ میرے خُدا! یہ میرے بدن سے شعلے سے کیوں اُٹھ رہے ہیں؟ یہ حلق میں کانٹوں کی چُبھن کیسی ہے؟ میں نے کئی گلاس پانی کے اپنے حلق میں اُنڈیل لئے ہیں۔ ہونٹوں کی سطح تو بھیگ گئی ہے۔ لیکن پیاس نہیں بُجھی ہے۔ یہ کیسی پیاس ہے؟ یہ کیسی تشنہ لبی ہے؟"

صبیحہ کی ڈائری کا یہ صفحہ پڑھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میرے خواب لہولہان ہوگئے۔ میری آشاؤں کے شیش محل لرز اُٹھے۔ مجھے یہ اُمید ہرگز نہ تھی کہ احسن میرے راستے کی دیوار بنے گا۔ میں نے یہ عزمِ صمیم کر لیا کہ جب تک اِس دیوار کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں گا چین سے ہرگز نہ بیٹھوں گا!

"۲ مئی ۷۳ء

جہاں پناہ! مجھے بازوؤں میں لے لیجئے

میری تلاش میں ہیں گردشیں زمانے کی

ارشد صاحب خلوص کے پیکر ہیں، مہر و محبت کا نشان ہیں۔

ہائے اللہ وہ میرا کتنا خیال رکھتے ہیں! آج اتفاقاً میرے تاخیر سے اسکول پہنچنے پر پرنسپل صاحب ناراض ہونے لگے لیکن ارشد صاحب نے پرنسپل صاحب کو فوراً اگلے ہاتھوں لیا: دُوسرے ٹیچرز اکثر لیٹ آتے ہیں تو انھیں کبھی آپ کچھ نہیں کہتے اور آج صبیحہ اتفاق سے لیٹ ہو گئی ہیں تو آپ انھیں غیر معمولی طور پر ہراساں کر رہے ہیں۔۔"
بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن یہ احساس میرے دل میں شدت سے جاگ رہا ہے کہ ارشد صاحب میرے بے پناہ ہمدرد ہیں۔ وہ ہمیشہ مجھے شیلڈ کرتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ کسی دن ارشد صاحب سے خوب باتیں کروں اور میں اُنھیں واضح الفاظ میں بتا دوں کہ میں آپ کو کتنا چاہتی ہوں۔ لیکن۔۔"

یکبارگی میرے سپنوں کے بکھرے ہوئے موتی پھر یکجا ہو گئے اور گُل رنگ آشاؤں کی پازیب میرے خوابوں کے آذر کدے میں پھر چھن چھن۔۔۔ چھنا چھن چھن بجنے لگی۔

"۵ رمئی ۷۳ء

اُن کا ذکر، اُن کی تمنّا، اُن کی یاد
آجکل ہم کو ذرا فُرصت نہیں

یہ چاہنے اور چاہے جانے کے جذبے بہت فطری سے ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے زخموں کی آنکھیں پھر کُھل جائیں اور میں درد کی ٹیس میں مبتلا ہو جاؤں۔ لیکن کیا کروں، احسن میری زندگی میں بہت تیزی کے ساتھ آ گئے ہیں اور ہم دونوں نے کئی بار، کئی خاکے، کئی منصوبے اور کئی تصویریں بنائی ہیں۔ لیکن میں کسی خاکے میں رنگ نہیں بھرنا چاہتی ہوں ـــــ کیوں ـــــ؟؟ یہ کوئی نہیں جانتا ـــــ"

"۷ رمئی ۷۳ء

اکیلی راتیں، اُداس منظر، یہ ٹھنڈی سانسیں، یہ گرم آنسُو
کوئی نہیں ہے تو یادِ ماضی میں اب تجھی کو گلے لگا لوں

جب ارشد صاحب سے مُلاقات ہوتی ہے تو خوابیدہ ماضی جاگ اُٹھتا ہے، ریت کے گھروندے، بات بات پر تکرار اور بے بات کے قہقہے یاد آ جاتے ہیں۔ کل میں نے ارشد صاحب سے اُن کی تازہ تصویر حاصل کر لی ہے۔ گھر جا کر تصویر امّی کو دکھاؤں گی اور امّی سے کہوں گی کہ۔۔"

صبیحہ کے اِس نامکمل جملے نے مجھے مضطرب کر دیا۔ میں اپنی صلاحیت کے مطابق خالی جگہوں کو بھرتا رہا اور آخر میں وہ جملہ موزوں کر دیا جو میری رُوح کے لئے باعثِ تسکین تھا۔

"۱۵ رجون ۷۳ء

وہی راستے جنھوں نے ہمیں ساتھ ساتھ دیکھا
مجھے روک روک پُوچھیں تیرا ہمسفر کہاں ہے؟

موسمِ گرما کی تعطیلات اپنے شہر میں گزار رہی ہوں۔ رات کسمسا رہی ہے، دُودھیا چاندنی میرے صندلی بدن کو جلا رہی ہے اور میں غیر ارادی طور پر یادوں کے شکستہ مقبرے کی مرمریں تختی کے قریب آ کر بیٹھ گئی ہوں ـــــ سامنے والے مکان کی بالائی کھڑکی میں باسط بیٹھا کرتے تھے باسط ـــــ! میرے بچپن کے کچے سپنوں کا راجکمار جس نے کہکشاں کے شامیانے کے سائے میں وعدہ کیا تھا ہاتھ میں ہاتھ دے کر زندگی گزارنے کا، زندگی کی پُرخار وادیوں کو پھُولوں کی سیج میں بدل دینے کا اور ایک ساتھ مرنے اور ایک ساتھ جینے کا ـــــ لیکن افسوس وعدے دُلہن نہ بن سکے۔ احسن کی تصویر میرے سامنے رکھی ہے۔ میں تصوّرات کی جنّت سے اُتر کر احسن کی آنکھوں کے حلقے میں آ گئی ہوں۔ احسن کے خدوخال باسط سے کتنے مشابہ ہیں! وہی بڑی بڑی غلافی آنکھیں، سُتواں سی ناک، بھرا بھرا بدن، وہی آواز، وہی اندازِ گفتگو اور وہی اندازِ تبسم سب کچھ وہی تو ہے میرے خُدا! کیا تُو نے احسن کے رُوپ میں پھر باسط سے مِلا دیا ہے؟ لیکن نہیں۔ باسط تو پھر باسط ہی تھے۔ جی چاہتا ہے احسن سے کہہ دوں تم میری زندگی کے تپتے سُلگتے صحراؤں میں نہ آؤ۔ تم مجھے اِن ریگ زاروں پر تنہا چلنے دو، میرے پاؤں آبلوں سے چُور ہیں۔ کہیں میرے پاؤں کے چھالے ٹُوٹ گئے اور میں راستہ بھٹک گئی تو اپنی امّی کو کیا جواب دوں گی؟ میری امّی نے اپنی پلکوں پر اَن گِنت آشاؤں کی دیپ مالائیں جلا رکھی ہیں۔ میں عابد، صفیہ اور گُڈو کے اُمّیدوں کے چراغ کی روشنی کبھی مدّھم نہ ہونے دوں گی ـــــ لیکن مجھے اِس بات کا شدید احساس ہے کہ میں احسن کے ساتھ اِتنی دُور نکل آئی ہوں کہ شاید اب تنہا نہ لَوٹ سکوں۔۔"

ڈائری کے اِس صفحے کی سیاہی میری آنکھوں کے سامنے پھیل گئی ہے میرے فردوسی خوابوں کے بدن سے خون کی بُوندیں رِسنے لگیں۔

مجھے رُوح کی گہرائیوں میں سُوئیوں کی چبھن کا احساس ہونے لگا۔ میں غم و غصّہ سے لرز اُٹھا اور میں نے چاہا کہ اِس ڈائری کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے دُور خلاؤں میں پھینک دوں اور فوراً صبیحہ و احسن سے ایسا انتقام لوں کہ وہ ساری زندگی یاد رکھیں! اگر صبیحہ کو احسن ہی سے محبت تھی تو مجھ سے تصویر کیوں مانگی تھی؟ میرے ساتھ خالی اَوقات کیوں گزارے تھے؟ کیوں میرے ساتھ شعر و سخن کی محفلیں آراستہ کی تھیں؟ یہ مجھ سے کیوں کہا تھا کہ میں صبیحہ کے خاندان کا ایک فرد معلوم ہوتا ہوں۔ یہ اِشارہ کیا میرے منصوبوں کی تخلیق کے لئے کافی نہ تھا۔ کیا اُس کی بے تکلفانہ باتیں میرے خوابوں کی تشکیل کے لئے کافی نہ تھیں؟ ایسے کئی سوال میرے ذہن کی رگوں سے چمٹ گئے اور میں نے طے کرلیا کہ میں اُن دونوں کو ندی کے دو کناروں میں بدل دوں گا!

۲۰ر جون ۷۳ء

تمام عُمر تیرا انتظار کرلیں گے
مگر یہ رنج رہے گا کہ زندگی کم ہے

امّی مجھے آج پھر بڑھتی ہوئی عُمر کا احساس دلا رہی تھیں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ آپ میری ہرگز فکر نہ کریں۔ جب تک میرے بہن بھائیوں کا مستقبل روشن نہ ہوجائے گا میں ہرگز شادی نہ کروں گی! شادی کے بعد کون مرد پرائے کانٹے اپنے دامن میں بھرتا ہے۔ میں زندہ دلی اور بلند حوصلگی کے ساتھ کانٹوں کو پھولوں میں بدل دوں گی۔ میں پُراُمید ہوں، مایوس نہیں۔ اِس لئے کہ مایوسی گُناہ ہے۔ آج جب میں نے امّی کو ارشد صاحب کی تصویر دکھائی تو وہ چونک گئیں۔ کہنے لگیں "ارے یہ تو بالکل اپنے عرفان کی طرح ہیں! بالکل ویسا ہی ناک نقشہ ہے!" ہاں میرے بڑے بھائی۔ عرفان بھائی جو باسط کے ساتھ گھنے جنگلوں میں شکار کے لئے گئے تھے اور بس جن کی رُوح فرسا خبر ہی آئی اور خود نہ آئے! جی چاہتا ہے ارشد صاحب کو ارشد بھائی کہہ کر پکارا کروں "تاکہ عرفان بھائی کا زخم مُندمل ہوجائے۔ اسکول میں کتنا خیال رکھتے ہیں وہ میرا —— کتنی عظیم اور پاکیزہ شخصیت ہے اُن کی"

۳۰ر ستمبر ۷۳ء

یہ کیا کیا کہ آپ نے اپنا بنا لیا
ارمان تھے کہ آپ کو اپنا بنائیں ہم

یہ اتفاق ہے یا میری خوش نصیبی کہ یہاں آکر میری گمشدہ متاعِ عزیز مل گئی ہے! ارشد بھائی اگر عرفان بھائی کا دُوسرا رُوپ معلوم ہوتے ہیں تو احسن باسط معلوم ہوتے ہیں! آج جب میں نے احسن کو اپنے گھر کے مسائل کے بارے میں بتایا تو اُنھوں نے پُرعزم لہجے میں کہا کہ "یہ مسائل تمھارے نہیں میرے ہیں اور ہم دونوں مل کر سارے مسائل حل کریں گے اور دُنیا کی ساری آسودگیاں ڈھونڈ لائیں گے!" میں احسن کے جواب سے اِتنی خوش ہوں کہ کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ بارِ حیا سے میری پلکیں جھک رہی ہیں کہ اپنی امّی کو کِن الفاظ میں لکھوں کہ میں اب نئی زندگی . . . !"

صبیحہ ممتاز کی ڈائری کا یہ آخری صفحہ پڑھ کر میں کئی خیالوں کے گرداب میں پھنس گیا۔ کئی بار بلندیوں اور پستیوں میں ہچکولے کھائے اور آخر کار میں نے بہ خلوصِ دل ڈائری کے آخری صفحہ پر لکھ دیا ——

"صبیحہ بہن! نئی زندگی مُبارک ہو!!"

اور میں تیزی کے ساتھ صبیحہ کے کمرے سے نکل کر نئی سڑک کی طرف مُڑ گیا!!

---

# غزل

پروفیسر سراج الحسن سراج ادیبؔ ایم۔ اے

شاہد ہے درد و غم کی مرے چشمِ اشکبار
مجھکو خزاں سے کم نہیں یہ عہدِ نو بہار

ناکامیاں اِدھر ہیں تو محرومیاں اُدھر
پھر بھی میں زندگی سے کئے جا رہا ہوں پیار

ہے زخمِ آرزو سے مرا دل لہو لہو
فرطِ الم سے زیست کا دامن ہے تار تار

کاغذ کی سطح پر یہ پریشان سے حروف
بکھرا پڑا ہو جیسے کوئی موتیوں کا ہار

آنا تھا جن کو یوں تو بہ ظاہر سب آ گئے
پھر بھی کسی کا میری نظر کو ہے انتظار

انساں ہے گرچہ بدر و انجم کا ہم نشیں
پھر بھی ہے وقفِ کشمکشِ جبر و اختیار

ہے زیست کا سفر بھی کٹھن کس قدر سراجؔ
رگ رگ سے میری پھوٹ رہے ہیں نئے شرار

سراج الحسن سراج ادیبؔ

بیسویں صدی دہلی جولائی ۱۹۷۴ء

# غزل

پروفیسر نازؔ قادری ایم۔ اے

اے ذوقِ سخن کیا ہی سخن ساز فضا ہے
یادوں کے دریچے سے کوئی جھانک رہا ہے

کس شوخ نے لہرائے ہیں گیسو یہ فضا میں
جذبات پہ چھائی ہوئی ساون کی گھٹا ہے

اُس صورتِ نادیدہ کی تصویر ہے دل میں
اے حسنِ تصور عجب اعجاز ترا ہے

لے آیا مجھے جوشِ جنوں اُن کی گلی تک
میرا دلِ دیوانہ مرا راہنما ہے

صحرا میں ہر اک سمت بگولے سے اُٹھے ہیں
چپکے سے کبھی میں نے جو ترا نام لیا ہے

جب مصلحتِ وقت کی بات آئی ہے، میں نے
خود اپنی تمنا کا گلا گھونٹ دیا ہے

اندیشۂ فردا کا خیال آتے ہی اے نازؔ!
گذری ہوئی راتوں کا فسوں ٹوٹ گیا ہے

نازؔ قادری

# غزل

اخترؔ بستوی۔ ایم۔ اے

کارگر کچھ دلِ مضطر کی کسک ہے کہ نہیں
اُن کے چہرے پہ مرے غم کی جھلک ہے کہ نہیں

اُڑ کے ہر سمت سے آئیں نہ اگر پروانے
جلوۂ شمعِ فروزاں کی ہتک ہے کہ نہیں

وہ کھُلے بال، وہ جذبات سے رنگیں چہرہ
حلقۂ ابرِ بہاراں میں دھنک ہے کہ نہیں

مجھ سے بالکل ہی الگ بزم میں ہنا اُنکا
اہلِ محفل کے لئے باعثِ شک ہے کہ نہیں

ملتفت آپ ہوئے مجھ پہ تو کھُل کر ناحق
دیکھیے چشمِ عنایت میں جھجک ہے کہ نہیں

دامنِ ہوش کو جلنے سے بچاؤں کیوں کر
اس کی جانب کئی شعلوں کی لپک ہے کہ نہیں

قلبِ تاریک میں رہ رہ کے ترے لیے اخترؔ!
برقِ احساسِ محبت کی چمک ہے کہ نہیں

اخترؔ بستوی

افسانہ

# شُکریہ

ڈاکٹر بشیشر پردیپ ایم۔ایس سی، پی ایچ۔ڈی

۱۸۔گلستان کالونی، بندریاباغ، لکھنؤ

محترمی خوشتر صاحب! تسلیم

لیجئے "بیسویں صدی" کے افسانہ نمبر کے لئے ایک نفسیاتی افسانہ "شُکریہ" حاضرِ خدمت ہے ۔۔۔ کچھ عرصہ پہلے میں کشمیر گیا تھا وہاں سے چند کہانیاں لایا تھا جن میں سے دو "بیسویں صدی" میں شائع ہو کر قارئین "بیسویں صدی" میں مقبول ہو چکی ہیں ۔۔۔ "شُکریہ" کے پلاٹ کے لئے بھی میں نے کشمیر ہی کا پس منظر چُنا ہے۔ اُمید ہے افسانہ پسند آئے گا ۔۔۔ آپ کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ میرے تیسرے افسانوی مجموعے "پھر سے اجنبی" کو اُتر پردیش اُردو اکاڈمی نے ایک ہزار رُوپے کے انعام سے نوازا ہے۔ اِس کتاب کے بیشتر افسانے "بیسویں صدی" میں شائع ہو کر مقبولِ عام ہو چکے ہیں۔ افسانے کی رسید اور اپنی رائے سے مطلع کریں۔ "بیسویں صدی" کے لئے نیک دُعاؤں کے ساتھ۔

آپ کا ۔۔۔ بشیشر پردیپ

★

کشمیر میں گرمی کی چھٹیاں گُزارتے وقت ڈل جھیل میں ہاؤس بوٹ میں نہ رہنا، بہت بڑی محرومی ہوتی۔ دو ہفتے سری نگر میں ہوٹل جہلم ویو میں رہنے اور پہلگام اور گلمرگ دیکھ آنے کے بعد میں نے اکھشے کو باقی دن ہاؤس بوٹ میں گُزارنے کے لئے تیار کر لیا۔ میں نے طلاق کے بعد اکھشے سے شادی کی تھی اور اکھشے بھی پہلی بیوی کو طلاق دے گیا تھا۔ اِس لحاظ سے ہم دونوں ایک دُوسرے کی نظروں میں برابر کی حیثیت رکھتے تھے اور میرے اِس سجھاؤ کے ماننے میں میری ناز برداری قطعی نہ تھی۔ یہ ہم دونوں ہی کی پسند کا پروگرام تھا۔

سری نگر میں دریائے جہلم میں بھی ہاؤس بوٹ کھڑی ہیں۔ لیکن ڈل لیک میں ہاؤس بوٹ میں رہنا کچھ اور ہی بات ہے۔ متواتر ایک گھنٹہ ڈل جھیل میں شکارا لئے گھومتے ہوئے کئی ہاؤس بوٹ دیکھنے کے بعد بھی جب ہمیں کوئی ہاؤس بوٹ ہماری جیب کے مطابق نہ مل سکی تو اچانک شکارے والا بولا ۔۔۔

"ساب! آپ ہاؤس بوٹ سانجھی لینا پسند کریں تو ایک بہت اچھا ہاؤس بوٹ دکھاؤں۔ کل ہی اُس میں ایک جوڑا آیا ہے۔ اُس کا ایک سیٹ اُنھوں نے لے لیا ہے۔ دُوسرا سیٹ آپ لے لیجئے۔ سستا رہے گا ۔۔۔"

ہمیں اُس کی بات جچ گئی اور جب ہاؤس بوٹ دیکھی تو وہ بھی پسند آگئی۔ دو سیٹ پر مشتمل یہ ایک نئی ہاؤس بوٹ تھی۔ ہر سیٹ میں ایک بیڈ رُوم، ایک باتھ رُوم اور ایک کچن تھا۔ ایک بڑا سا مشترکہ ڈرائنگ رُوم دونوں حصّوں کے لئے تھا۔ جس وقت ہم سامان لے کر پہنچے، دُوسرے سیٹ میں رہنے والے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ ہاؤس بوٹ کے مالک کشمیری سیٹھ کی

فیملی ہاؤس بوٹ کے پیچھے جھیل کے کنارے پر بنے لکڑی کے ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتی تھی۔ انھیں کا ایک لڑکا ڈرائنگ روم کے پردے لگا رہا تھا۔

اِس ہاؤس بوٹ میں دونوں حصّوں میں جانے کے لئے الگ الگ راستے تھے۔ اگلا حصّہ ہمارے پاس تھا اور پچھلا اُن کے پاس۔ بیچ کا کمرہ ڈرائنگ رُوم تھا، جس میں دونوں حصّوں کے دروازے کھلتے تھے۔ ہاؤس بوٹ کیا تھی، ایک چھوٹا سا بنگلہ تھا جس میں دو پورشن تھے۔ قیمتی اور ماڈرن فرنیچر سے آراستہ۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر خوبصورت ریشمی پردے لگے ہوئے۔ ایک طرف گیلری تھی۔ کمروں میں جانے کے لئے اِس گیلری میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ ہر کمرے میں ایک کھڑکی تھی جو ڈل جھیل میں کھلتی تھی۔ اِسے کھول دینے سے کمرے میں صبح سویرے دھوپ آجاتی تھی۔ چھت پر جانے کے لئے ایک سیڑھی تھی۔ چھت پر کرسیاں بھی رکھی تھیں اور دو بڑے بڑے لان امبریلا (Lawn Umbrella) بھی لگے ہوئے تھے۔ ہم بہت خوش تھے کہ ہمیں واجبی داموں میں اِتنی اچھی اور آرام دہ ہاؤس بوٹ مل گئی۔

ہم نے اپنا سامان لگا لیا۔ ہاؤس بوٹ کے مالک سے پتہ چلا وہ لوگ وُلر (Wular) جھیل دیکھنے گئے ہیں۔ وُلر ایشیا کی سب سے بڑی جھیل! ماہسیر مچھلی کا ذخیرہ! وہ لوگ ٹورسٹ بس سے گئے تھے۔ شام تک ہی لوٹ سکتے تھے۔ ہم اوپر چھت پر آکر بیٹھ گئے اور ڈل جھیل کا نظارہ کرنے لگے۔ ڈل جھیل کے صاف شفاف پانی میں گنڈولوں جیسے چھوٹے چھوٹے شکارے چل رہے تھے۔ جن میں لوگ جھیل کی سیر کر رہے تھے۔ اپنے ہاؤس بوٹوں میں آجا رہے تھے۔ اِنہی شکاروں کے ذریعہ ہاؤس بوٹوں میں رہنے والوں کو اپنی ضروریات کی ہر چیز مل جاتی ہے۔ یہی شکارے چھوٹی چھوٹی دُکانیں بھی ہیں۔ جھیل میں تیرتی ہوئی دُکانیں —— سبزی، پھل، جنرل مرچنٹس، کرانہ اور کشمیری کاریگری کے نمونے۔ ہر چیز کی الگ الگ دُکانیں۔ یہاں تک کہ نائی اور دھوبی بھی شکاروں پر گھومتے رہتے ہیں۔ ہاؤس بوٹ میں رہنے والے کے لئے جھیل کے پار سڑک تک آنے جانے کے لئے شکارے ہفتہ وار یا یومیہ کرائے پر مل جاتے ہیں۔ فوری ضرورت پڑنے پر اپنے شکارے والے تک بہت آسانی سے بلایا جا سکتا ہے۔ شکارے والے ایک دُوسرے کو اُس کا نام بتاتے ہوئے فوراً اُسے بُلا دیتے ہیں۔ ہماری ہاؤس بوٹ کے دونوں طرف دُور دُور تک ہاؤس بوٹ کھڑی تھیں۔ ہم آس پاس کھڑی ہاؤس بوٹوں کے نام پڑھنے لگے —— 'للی'، 'کشمیر ویلی'، 'کوئین آف ڈل لیک'، 'جہلم کی ملکہ'، 'دسن فلاور'، 'نرگس'، 'فارگیٹ می ناٹ' اور ہماری ہاؤس بوٹ کا نام تھا 'وینس'۔ سامنے جھیل کے بیچ میں ایک ہاؤس بوٹ آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ شاید نگین لیک کی طرف جا رہی تھی۔ ہم بھی اپنی ہاؤس بوٹ کو نگین لیک کی طرف لے جائیں گے۔ ہم نے سوچ لیا جو بھی خرچ ہوگا پڑوسیوں کے ساتھ مشترکہ ہوگا۔ اُن سے بات کریں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد اکھشے نیچے چلا گیا۔ لیکن میں چھت پر ہی بیٹھی رہی۔ ڈل لیک پر سُورج غروب ہونے کا نظارہ دیکھنے کے لئے۔ شام کے دُھندلکے میں ایک شکارا ہماری ہاؤس بوٹ سے آن لگا۔ جب اُس میں بیٹھے جوڑے پر میری نگاہ پڑی تو میری جیسے چیخ نکل گئی۔ اُس میں بیٹھا ہُوا مرد بکرم تھا —— میرا پہلا شوہر! اور اُس کے ساتھ اُس کی بیوی تھی! یعنی ہم نے ہاؤس بوٹ بکرم اور اُس کی نئی بیوی کے ساتھ شیئر (Share) کی تھی! عجیب اتفاق تھا۔ مجھے گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ میں سوچ ہی نہیں پائی کہ مجھے اکھشے کو بتا دینا چاہیے یا نہیں۔ اِسی گھبراہٹ اور بے چینی میں ڈُوبی میں نیچے چلی آئی۔ اپنے کمرے میں، اکھشے کھڑکی کے پردے کو تھوڑا سا پیچھے سرکا کے باہر شکارے والے سے بات کرتی ہوئی بکرم کی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ ایک پرائی عورت کو یوں دلچسپی سے دیکھنے کی اکھشے کی عادت اُس وقت مجھے کھل گئی اور میں اپنی بے چینی بھُول کر اکھشے کی اِس نظر بازی کے بارے میں سوچنے لگی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ ہاؤس بوٹ کے مالک کی جوان لڑکی کو گھُور رہا تھا۔ اُس وقت میں صرف مُسکرا دی تھی، اُس کی اِس عادت کے بارے میں سوچ کر! اُس کی یہ عادت اب میں برداشت کرنا سیکھ گئی تھی۔ بکرم سے میں نے طلاق محض اِسی وجہ سے لی تھی کہ وہ مجھے نظر انداز کر کے دُوسری عورتوں میں دلچسپی لیتا تھا۔ اُس کی یہ عادت آہستہ آہستہ میرے دل میں اُس کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرتی گئی اور میں نے ایک دن صاف کہہ دیا میں اُس کے ساتھ نہ رہ سکوں گی۔ میں اپنے بھائی کے پاس چلی آئی۔ بکرم

نے مجھے منانے یا واپس بُلانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ بلکہ میں نے تو سُنا اُس نے مجھے تنگدل عورت کہہ کر مجھ سے الگ ہو جانے میں اپنی رضامندی ظاہر کی تھی۔ اکھشے سے شادی کے بعد میں نے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اگر اکھشے کبھی کسی غیر عورت میں دلچسپی لیتا ہے یا اُس کی تعریف کرتا ہے تو میں اُسے درگزر کر دوں گی۔ لیکن اِس وقت اکھشے کا بکرم کی بیوی کو یوں ٹکٹکی لگا کر دیکھنا مجھے بے چین کر گیا۔ بکرم کی بیوی مجھ سے زیادہ خوبصورت نہ تھی۔ لیکن عجیب ہے مرد کی فطرت بھی!

اکھشے نے میری طرف مُنہ پھیرا تو مجھے اپنے پیچھے کھڑی دیکھ کر کچھ گھبرا سا گیا۔ میں چُپ چاپ بیڈ کے پاس پڑی کُرسی پر بیٹھ گئی۔ کتنے لمحے گُزر گئے اور ہم ابھی تک خاموش تھے۔

اچانک اکھشے بولا ——

"ہمارے پڑوسی آ گئے ——"

"ہاں ——"

"اب تو کل ہی مُلاقات ہوگی —— کیوں ——؟"

"جی ہاں —— کون سی جلدی ہے ——"

میں نے اپنی بیزاری پر بے پروائی کا پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ میں نے سوچ لیا تھا۔ اکھشے کو بکرم کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں گی اور بکرم خود تو اُسے بتانے سے رہا۔ اُس سے اِس بارے میں خاموش رہنے کی درخواست کروں گی۔ میری اِتنی بات تو وہ مان ہی جائے گا۔ وہ بھی تو نہ چاہے گا کہ اُس کی بیوی کو پتہ چلے کہ اُس کے شوہر کی پہلی بیوی اِسی ہاؤس بوٹ میں ٹھہری ہوئی ہے!

میں ساری رات سو نہ سکی۔ میں نے دیکھا اکھشے کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ میرا دل بھی اُس کے پاس جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ اکھشے بھی مجھے اپنے پاس نہیں بُلا رہا تھا۔ اگر وہ مجھے اپنی طرف کھینچ لیتا تو بھی شاید میری بے چینی دُور نہ ہوتی! پھر بھی میں چاہتی تھی کہ اکھشے مجھے اپنی طرف کھینچ لے! اکھشے شاید چاہتا تھا کہ میں خود ہی اُس کے پاس چلی جاؤں —— کبھی کبھی وہ اِس طرح میرے پیار کا امتحان لیا کرتا ہے۔ وہ بظاہر سو گیا تھا۔ لیکن میں جانتی تھی وہ جاگ رہا ہے۔

اِس طرح ہاؤس بوٹ میں ہماری پہلی رات نہایت بے چینی میں گُزری —— صبح چار بجتے بجتے میری آنکھ لگی۔ جب آنکھ کھلی تو

## غزل

رشی پٹیالوی ——

کِس بستی میں آ نِکلے ہم کون ہمیں پہچانے گا
بے گانہ تو بے گانہ ہے اپنا بھی کب جانے گا

کتنے رَبط و تعلّق اپنے احساسوں سے کھیلے ہیں
کِس کِس کو تسلیم کرے گا کِس کِس کو دِل مانے گا

اب تک تو اِک مُبہم سا بے معنی سا افسانہ ہیں
اصلِ حقیقت بن جائیں گے جب تو ہم کو جانے گا

موت اُس کا کچھ ساتھ نہ دے گی زیست اُسے ٹھکرائے گی
جو بے چارہ غم کا مارا مر جانے کی ٹھانے گا

آج تو ہے مانوس زمانہ وہ کل بھی کچھ دُور نہیں
چھُپ کر تیر چلانے والا سیدھی برچھی تانے گا

تیرے غم کی گہرائی میں جس دن ڈوب کے اُبھریں گے
اِک دُنیا تسلیم کرے گی ایک زمانہ مانے گا

تُم ہم کو سو بار بھلا دو ربط سے بھی انکار کرو
درد کا رِشتہ ساتھ چلے گا غم تو ہمیں پہچانے گا

پتھر دِل پتھر دِل سے کون آئے گا کام رشی
خاک بسر اِس بستی میں تو خاک کہاں تک چھانے گا

رشی پٹیالوی

کافی دن چڑھ آیا تھا۔ اکھشے اُٹھ گیا تھا۔ لیکن وہ باتھ رُوم میں نہ تھا۔ کمرے کا دروازہ کھُلا تھا۔ میں، سمجھ گئی وہ چھت پر گیا ہوا ہے۔ میں باتھ رُوم سے باہر آئی تو دیکھا اکھشے کمرے میں واپس آ چکا تھا۔

"لو بھئی، اُن لوگوں سے تعارف ہو گیا —— مسٹر اور مسز بکرم!"

میں نے سوالیہ نِگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

وہ بولا ——

"میں ابھی اُوپر چھت پر گیا تھا۔ وہ دونوں بھی وہاں آ گئے تھے۔ وہیں مُلاقات ہو گئی۔ تم تو آج بہت دیر سے جاگی ہو؟"

میں نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا —— بکرم —— مسز بکرم —— بکرم —— مسز بکرم —— یہ دونوں نام میرے کانوں میں

گونجنے لگے —— بکرم —— مسز بکرم ——!!"

چند لمحوں کے بعد میں نے پوچھا ——

"کیسے لگے یہ پڑوسی ——؟"

"فائن پیپل (Fine People) —— بہت اچھا جوڑا ہے —— مسٹر بکرم تو چند ہی منٹ میں گھل مل گئے ——"

"اچھا —— ! اور مسز بکرم ؟ وہ کیسی لگی ——؟"

"بس ٹھیک ہی ہے ——"

اکھشے نے ٹالنے کے سے انداز میں کہا۔ لیکن صاف نظر آ رہا تھا وہ مسز بکرم کے لئے اپنی دلچسپی مجھ سے چھپا رہا ہے ! تھوڑی دیر بعد بولا۔

"خیر، اب ان لوگوں کی کمپنی میں تو رہنا ہی ہے —— جیسی بھی یہ کمپنی رہے گی ——"

میرا دل چاہا کہہ دوں "مجھے نہیں رہنا ان کی کمپنی میں" لیکن میں صرف اِتنا ہی کہہ سکی ——

"ہاں —— یہ تو ہے ہی ——"

موضوع بدلنے کے لئے میں نے اکھشے سے کہا "بازار سے لانے والے سامان کی فہرست لکھ لو" میں چاہتی تھی پہلے بکرم سے مل لوں اور اُسے محتاط رہنے کے لئے کہہ دوں۔

بکرم سے ملنے کا موقع اُسی دن مل گیا —— دوپہر کو اکھشے سامان لانے بازار چلا گیا اور اُسی وقت میں نے دیکھا بکرم اکیلا چھت پر جا رہا تھا۔ اُس کی بیوی شاید اندر آرام کر رہی تھی۔ جیسے ہی اکھشے کا شکارا بیچ میں پہنچا، میں چھت کی طرف لپکی —— بکرم مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"تم ——؟ اے۔ اے۔ آپ ——؟ آپ یہاں ——؟"

"جی ہاں —— میں اور میرے ہسبنڈ ہی آپ کے پڑوسی ہیں۔ ہم ہی لوگوں نے آپ کے ساتھ یہ ہاؤس بوٹ شیئر (Share) کی ہے ——"

"اوہو ! کہئے مسز اکھشے آپ اچھی تو ہیں ——؟"

"جی ہاں —— اِس وقت تو میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آئی ہوں —— کہ —— کہ اکھشے کو پتہ نہ چلے کہ آپ ہی میرے پہلے ہسبنڈ ہیں ——"

بکرم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا ——

"ارے ! اِس سے کیا ہوتا ہے ——؟ خیر، اگر آپ چاہتی ہیں تو اُسے پتہ نہ چلے گا۔"

"جی ہاں —— ہم پڑوسیوں کی طرح، دوستوں کی طرح یہ چند دن گزار دیں گے ——"

"ٹھیک ہے ——"

"شکریہ ——"

"مسٹر اکھشے کہیں گئے ہیں کیا ——؟"

"جی —— ذرا بازار گئے ہیں ——"

میں نے دیکھا اکھشے کا شکارا جھیل کے اُس کنارے تک پہنچ گیا تھا۔ بکرم بھی سامنے جھیل میں تیرتے ہوئے شکاروں کی طرف دیکھنے لگا۔ ہماری ہاؤس بوٹ کے پاس ہی ایک شکارا پھولوں سے لدا گھوم رہا تھا۔ رنگ برنگے خوشنما پھول جو نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ لیکن مجھے وہ پھول اُس وقت بالکل اچھے نہیں معلوم ہو رہے تھے ! مجھے وہاں ٹھہرنے میں بھی اُلجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بکرم کی بیوی بھی اُوپر آ گئی۔ میں نے اُسے نمستے کہا تو بکرم نے اُس کا مجھ سے تعارف کرا دیا اور اِس طرح میں اور اکھشے دونوں اُن دونوں سے متعارف ہو گئے۔ اِدھر اُدھر کی دو چار باتیں کرنے کے بعد میں نیچے اپنے کمرے میں آ گئی۔ کچھ اِس احساس کے ساتھ جیسے اُوپر چھت پر کی گھٹن سے نیچے کمرے کی کھلی فضا میں آ گئی ہوں۔

اکھشے جب بازار سے واپس آیا تو بھی میں بکرم اور مسز بکرم کے بارے میں سوچ رہی تھی ! بکرم تو اِس وجہ سے زیادہ بات چیت نہیں کر رہا تھا کہ میں وہاں موجود تھی۔ لیکن یہ مسز بکرم کیوں سنجیدہ تھی ؟ ! وہ بھی جیسے اِس پہلی ملاقات کو مختصر ترین بنا دینے کی خواہش مند تھی —— میں وہاں سے نہ آتی تو شاید وہ خود ہی نیچے چلی جاتی۔

اکھشے نے پوچھا ——

"اُن لوگوں سے تعارف ہوا ——؟"

"ہاں —— میں چھت پر گئی تھی۔ وہاں ملاقات ہو گئی۔"

میں نے بیزاری سے کہا۔

"مسز بکرم سے بھی کچھ بات چیت ہوئی ——؟"

"ارے اُس سے کیا خاص باتیں ہونی تھیں ——؟ بس چند ہی منٹ ساتھ رہے ——" میں کچھ چِڑ سی گئی۔ اکھشے ہر بار مسز بکرم کا ذکر کیوں لے بیٹھتا ہے ——؟!

عجیب بات تو یہ تھی کہ اکھشے مسز بکرم کے بارے میں استفسار تو ضرور کیا کرتا لیکن اُن لوگوں سے میل ملاپ بڑھانے میں اُسے قطعی دلچسپی نہ تھی —— اور جہاں تک میرا اپنا سوال ہے میں اُن لوگوں سے دُور ہی رہنا چاہتی تھی۔

میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ بکرم اور مسز بکرم بھی ہمارے نزدیک آنے کی چاہ نہیں رکھتے تھے۔ ڈرائنگ رُوم مشترک تھا۔ چھت بھی دونوں گھروں کے استعمال کے لئے تھی۔ اِس لئے دن میں ایک دو بار تو ضرور ملاقات ہو جاتی۔ کبھی صرف میری مُلاقات مسز بکرم سے یا اُن دونوں سے ہوتی اور کبھی ہم دونوں کی مُلاقات اُن میں سے ایک کے ساتھ یا اُن دونوں کے ساتھ —— اور اُس وقت اکثر یہی ہوتا کہ دو چار رسمی جُملے کہنے کے بعد ہم ایک دُوسرے سے الگ ہو جاتے۔

---

ایک رات اکھشے اور میں ڈرائنگ رُوم میں بیٹھے ریڈیو سُن رہے تھے۔ اکھشے کا من پسند پروگرام تھا — فرمائشی فلمی گانے —— اچانک مسز بکرم ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوئی اور اُس کے پیچھے پیچھے بکرم بھی آ گیا۔ ہولے سے "ہیلو" کہنے کے بعد دونوں ایک طرف بیٹھ گئے۔ اکھشے نے ریڈیو بند کر دیا جیسے ریڈیو بجانا اُن لوگوں کی شان کے خلاف ہو یا اُن لوگوں کو ریڈیو سے نفرت ہو! اور پھر وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ میں تو خود ہی بکرم کو وہاں دیکھ کر بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔ میں بھی اکھشے کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہوئی اور ہم اپنے پورشن کی طرف چل دئے۔ دروازے سے نکلتے ہوئے میں نے ذرا گھوم کر دیکھا تو بکرم اور مسز بکرم اپنی جگہ پر دکھائی نہیں دئے —— اور پھر جو پُوری طرح پلٹ کر دیکھا تو وہ بھی اپنے پورشن میں واپس جا رہے تھے۔ اِتنا آرام دِہ اور خوبصورت ڈرائنگ رُوم ہم دونوں گھر کبھی ساتھ استعمال نہ کر سکے۔

دُوسرے دن بھی ایسا ہی ہُوا۔

اُس دن پُورے چاند کی رات تھی۔ ڈل جھیل کا چاند آسمان کے چاند سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا! دُور دُور تک کوئی شکارا نہیں چل رہا تھا۔ اِس لئے جھیل کا پانی ساکن تھا —— یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ڈل جھیل میں پانی نہ ہو پگھلی ہوئی چاندنی بھری ہو جس میں تھوڑا سا سونا بھی مِلا دیا گیا ہو! کھانا کھانے کے بعد میں نے اکھشے سے کہا "چلو چھت پر بیٹھا جائے ——"

ہم اُوپر پہنچے تو سامنے پڑی دو کُرسیوں کی طرف سے آہستہ سے آواز آئی —— "ہیلو ——!"

مسٹر اور مسز بکرم تھے۔

ہم نے بھی دبی آواز میں "ہیلو" کہا اور کُرسیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ جیسے ہی ہم وہاں پہنچے وہ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا —— آپ لوگ بیٹھئے ——" اور وہ نیچے جانے لگے۔ میرے مُنہ سے بھی نِکل گیا۔

"نہیں نہیں —— ہم لوگ یہاں بیٹھنے نہیں آئے ہیں یونہی اُوپر چلے آئے تھے" اور ہم بھی اُن کے پیچھے پیچھے نیچے اُتر گئے۔ جیسے اب بھی دھڑکا ہو وہ پھر نہ لوٹ آئیں ——! اِتنے خوبصورت موسم میں، اِتنے خوبصورت ہاؤس بوٹ کی اِتنی خوبصورت چھت بھی ہمیں وحشت ناک سی معلوم ہونے لگی۔

دن کے وقت بھی ہم بہت کم ہاؤس بوٹ میں ٹھہرتے۔ صُبح کا ناشتہ کرنے کے بعد باہر جانے کی تیاری کرنے لگتے۔ سری نگر میں اور سری نگر کے آس پاس ہر قابلِ دید جگہ ہم دیکھ چُکے تھے۔ شاہی چشمہ، نشاط باغ، شالیمار باغ، نسیم باغ، نگین لیک۔ ہاؤس بوٹ میں شفٹ کرتے وقت خیال تھا اب کہیں نہ جائیں گے۔ کبھی شام کو تھوڑی دیر کے لئے باہر چلے گئے تو ٹھیک ورنہ سارا دن ہاؤس بوٹ ہی میں رہا کریں گے۔ تاش کھیلا کریں گے۔ کتابیں پڑھیں گے۔ ڈل جھیل میں شکارے پر سیر کریں گے۔ اب ہاؤس بوٹ میں ٹھہرنے کو دل ہی نہ چاہتا تھا۔ کچھ عجیب سا ماحول بن گیا تھا اور اِس اُداس اور وحشت ناک ماحول میں ایک بات مجھے اب بھی حیران کئے ہوئے تھی اکھشے یوں تو اُن لوگوں کے پاس بھی نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔ لیکن مسز بکرم کے بارے میں اکثر مجھ سے پُوچھا کرتا؟! نہ جانے مسز بکرم کے بارے میں باتیں کر کے اُسے کیا مِلتا تھا ——؟!

---

ہاؤس بوٹ میں چھ دن گزارنے کے بعد ہم اُوب سے گئے۔ اکھشے بولا ــــ "اب تو جی بھر گیا ہے اِس ہاؤس بوٹ سے۔ پڑوسی بھی ایسے ملے ہیں کہ اُن سے کوئی خاص میل مِلاپ نہ ہو سکا۔ کیوں نہ باقی کے دن پھر کسی ہوٹل میں گزاریں ــــ؟ خواہ مخواہ اِتنا زیادہ کرایہ دے رہے ہیں۔ شکارے والے کو الگ سے آٹھ دس رُوپے روزانہ دینے پڑتے ہیں۔"

اور میں نے ہامی بھر دی۔ اکھشے نے اُسی دن ہوٹل میں کمرہ ریزرو کروا لیا۔

دُوسرے دن سامان باندھ کر شکارے میں رکھنے کے بعد جب ہم جانے لگے تو اکھشے بولا ــــ "تم ٹھہرو۔ میں ذرا اندر دیکھ آؤں۔ کوئی چیز تو نہیں چھُوٹ گئی ــــ" وہ اندر چلا گیا اور میں شکارے کے پاس ہاؤس بوٹ کی ریلنگ پر کھڑی رہی۔

تھوڑی دیر بعد دیکھا ایک شکارا پیچھے کی طرف جا لگا اور اُس میں بکرم اور مِسز بکرم کا سامان رکھا جانے لگا۔

"تو کیا یہ لوگ بھی جا رہے ہیں ــــ؟!"

اور پھر اچانک مجھے خیال آیا اپنے پورشن میں سے میں جلدی سے بکرم سے کیوں نہ مِل آؤں۔ اِشارے سے اُسے ڈرائنگ رُوم میں بُلا لوں گی، اُس کا شکریہ بھی ادا کروں گی ــــ

اِس خیال کے آتے ہی میں ہاؤس بوٹ کے چاروں طرف لگی ہوئی ریلنگ پر ہوتی ہوئی پیچھے بکرم کے پورشن کی طرف جانے لگی۔ اپنے بیڈ رُوم کے پاس سے گزری تو مجھے اندر سے اکھشے کی آواز سنائی دی۔ میں رُک گئی۔ اکھشے کسی سے کہہ رہا تھا ــــ

"یہ تو بہت ہی اچھا ہُوا ارچنا ــــ! ارے معاف کرنا بھئی مِسز بکرم! اگر میری بیوی کو پتہ نہ چلا کہ ہم دونوں پہلے میاں بیوی رہ چکے ہیں۔ اِس کے لئے آپ کا بہت بہت شکریہ ــــ"

"ارے مجھے بھی تو آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ بکرم کو بھی تو کچھ پتہ نہ چلا ــــ"

اور میں بکرم کا شکریہ ادا کرنا بھُول کر جلدی سے شکارے کی طرف واپس آ گئی ــــ!!

---

جواب طلب امور کے لئے ہمیشہ اپنا پتہ لکھا ہُوا جوابی لفافہ یا پوسٹ کارڈ بھیجئے ورنہ ہم جواب دینے سے قاصر رہیں گے ــــ مینیجر بیسویں صدی۔

SISTA'S-INC-456 UR



# غزل

نذیر بنارسی

آپ عنوان ہم داستاں ہو گئے
اِس طرح سے ملے جسم و جاں ہو گئے

معجزہ دیکھئے عشقِ محکوم کا
آپ فرماں روائے جہاں ہو گئے

بزم میں کوئی تو ساتھ دیتا مرا
سب تمہارے ہی کیوں ہم زباں ہو گئے

کیا اب آنکھوں کی قسمت میں دامن نہیں
کتنے آنسو یونہی رائیگاں ہو گئے

اے شکستِ مُسلسل ترا شکریہ
سن رسیدہ ارادے جواں ہو گئے

کیوں نہ دُنیا سُنے گی ہمیں غور سے
اب تو ہم آپ کی داستاں ہو گئے

دیکھتی کیوں ہے محفل کی محفل مجھے
میری صورت سے کیا تُم عیاں ہو گئے

یوں بدلتے سے رہتے ہیں ہم سب نذیر
جیسے ہم لوگ رنگِ جہاں ہو گئے

نذیر بنارسی

# غزل

قمر سنبھلی

ہر فاصلہ آپس کا مٹا کیوں نہیں دیتے
احساس کی دیوار بھی ڈھا کیوں نہیں دیتے

بے تابیٔ دل اپنی حدیں چھونے لگی ہے
اب فیصلہ آپ اپنا سُنا کیوں نہیں دیتے

دل کو خلشِ دردِ وفا بخشنے والے
اب حوصلۂ ترکِ وفا کیوں نہیں دیتے

میں آپ کی محفل کا پتہ پوچھوں تو مجرم
ہاں آپ مجھے میرا پتا کیوں نہیں دیتے

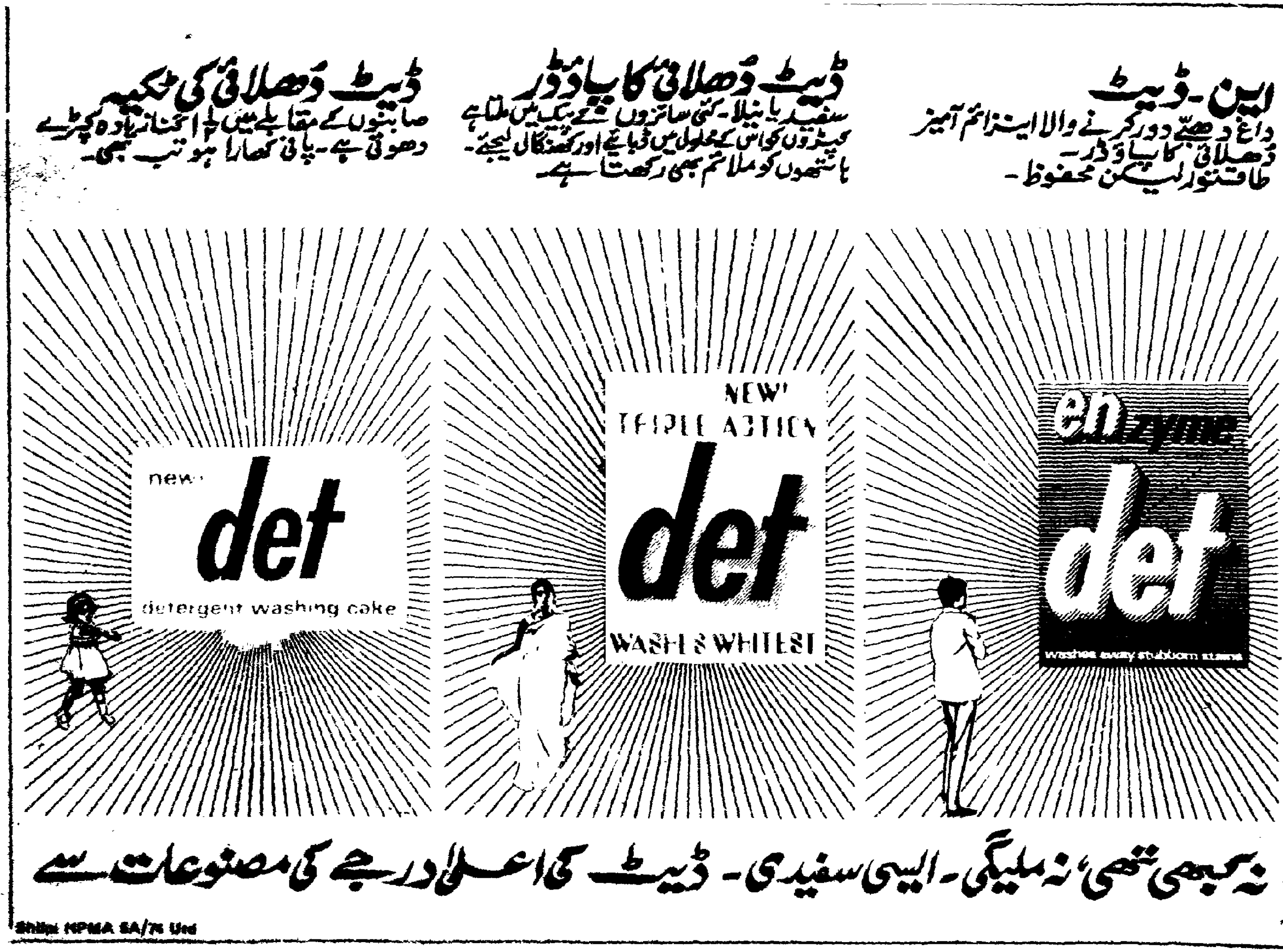
سُنسان پڑے ہیں مرے خوابوں کے جزیرے
آپ آکے کسی روز بسا کیوں نہیں دیتے

اے دوستو کب تک یہ حدیثِ لب و رُخسار
افکار کو رُخ کوئی نیا کیوں نہیں دیتے

مدھم ہوئی جاتی ہے اب احساس کی لو بھی
ہیں آپ کہاں، مجھ کو صدا کیوں نہیں دیتے

اشکوں کو قمر جب کوئی دامن نہیں ملتا
پھر تُم انہیں مٹی میں ملا کیوں نہیں دیتے

قمر سنبھلی


این۔ڈیٹ
داغ دھبے دور کرنے والا اینزائم آمیز
ڈھلائی کا پاؤڈر۔
طاقتور لیکن محفوظ۔
ڈیٹ ڈھلائی کا پاؤڈر
سفید یا نیلا۔ کئی سائزوں کے پیک میں ملتا ہے
کپڑوں کو اس کے محلول میں ڈبایئے اور کھنگال لیجئے۔
ہاتھوں کو ملائم بھی رکھتا ہے۔
ڈیٹ ڈھلائی کی ٹکیہ
صابنوں کے مقابلے میں ۱½ گنا زیادہ کپڑے
دھوتی ہے۔ پانی کھارا ہو تب بھی۔
enzyme
det
washes away stubborn stains
NEW!
TRIPLE ACTION
det
WASHES WHITEST
new!
det
detergent washing cake
نہ کبھی تھی، نہ ملیگی۔ ایسی سفیدی۔ ڈیٹ کی اعلیٰ درجے کی مصنوعات سے
Shilpi NPMA SA/76 Urd

# رات کا ریشم

## راجیو مرزا

C4/17 - رانا پرتاپ باغ، دہلی نمبر ۷

جناب محترم خوشتر گرامی صاحب! تسلیم

کچھ عرصہ ہُوا "بیسویں صدی" (اکتوبر ۱۹۷۳ء) میں میری ایک کہانی "روشنی" شائع ہوئی تھی اور کتنی حیرت کی بات ہے کہ اپنی اُس روشنی کی اشاعت سے جو میں نے یاس کی سیاہی سے روشن کی تھی، رنگ و نور کی فضا بن گئی۔ خود میری دُنیا میں اُجالا پھیل گیا! پتہ نہیں "بیسویں صدی" ایک معیاری رسالہ ہے یا نہیں۔ لیکن اس کے قارئین ضرور معیاری ہیں جن کے پُرخلوص خطوط نے مجھے پہلی بار ذاتی طور پر قلم کی عظمت اور پریشان خیالوں کی اہمیت کا احساس کرایا اور میں جو کبھی بہت بے دلی سے لکھتا تھا آج دلجمعی سے قلم تھامے ہوں، اب مجھے یقین ہے کہ بامقصد اور خوبصورت فنّی تخلیق شوقِ بیکار یا تضیعِ اوقات نہیں ——
پیشِ نظر "رات کا ریشم" محض میری ذاتی کہانی یا آرزو نہیں ہے، ہر اُس دل کی جستجو ہے جو امن، پیار اور خوبصورتی کے لئے دھڑکتا ہے۔ بلاشبہ "رات کا ریشم" ایک بہت پیارا افسانہ ہے، جس میں احساس کے کربناک گیت کو میں نے الفاظ کی رسیلی دھن بخشی ہے۔ میں اپنے دوستوں کے تاثرات بھی جاننا چاہوں گا۔

آپ کا —— اور سب کا

راجیو مرزا

میں ناول کا وہ باب پڑھنے میں محو تھا جہاں ہیرو بہت اطمینان، لیکن چُپکے سے ہیروئن کے کمرے میں داخل ہوتا ہے —— ہیروئن پیازی رنگ کا خوبصورت گاؤن پہنے اِک ادائے خاص سے سو رہی ہے۔ ہیرو آہستہ آہستہ چلتا ہُوا اُس کی طرف . . .

باہر اچانک اِک شور ہُوا! بھاگتے ہوئے قدم! جو لحظہ بہ لحظہ میری سمت آ رہے تھے اور جب وہ مضطرب اور وحشت خیز گام میرے برآمدے میں نیچ آ گئے تو میں نے مُڑ کر دیکھا، میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ چند ثانیوں بعد بیرونی دروازے پر اِک پیکر نمودار ہُوا، اِک کانپتا ہُوا شعلہ . . گُلابی گاؤن پہنے ہوئے وہ اِک لڑکی تھی —— ! دہلیز پر اِک لمحہ ٹھٹک کر کھڑی رہنے کے بعد وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کی ہرنی کی طرح بڑی اور خوف سے پھیلی ہوئی بے بس اور ملتجی آنکھیں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ یکلخت وہ مُڑی اور دروازہ بند کرکے کُنڈی چڑھانے لگی —— ! میں گُم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دروازہ بولٹ کرنے کے بعد وہ میری طرف آئی اور میری آرام کرسی کے قریب گھٹنوں پر ہو کر اُس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں کہا ——

## انگڑائیاں

جوشِ مینا، دورِ ساغر، کیفِ بادہ سب غلط
اُٹھ گئے انگڑائیاں لیتے ہوئے محفل سے ہم —— دلؔ شاہجہانپوری

ٹوٹ جاتے ہیں مرے زخمِ جگر کے ٹانکے
ہائے کیا چیز حسینوں کی بھی انگڑائی ہے —— نوحؔ ناروی

جھونکا کھا کر ہوئی سیدھی جو لچکتی تلوار
میں نے سمجھا کسی معشوق کی انگڑائی ہے —— جلیلؔ مانکپوری

شاخِ گُل ہر چند گلشن میں لچکتی ہی رہی
ہم تصور میں تری انگڑائیاں دیکھا کئے —— عزیزؔ سلونوی

حسنِ دلکش جو ہُوا چرخِ بریں سے نازل
لے لیا ہاتھ بڑھا کر تری انگڑائی نے —— نوحؔ ناروی

مرسلہ:- نجمہ صدیقی سلون رائے بریلی

"بھگوان کے لئے مجھے بچا لیجئے! کچھ غنڈے میرے پیچھے ہیں۔ پلیز گو می شیلٹر۔"

میں اِس ناگہانی حسین اُفتاد، انتہائی ڈرامائی لیکن نازک صورتِ حال کو سمجھنے اور خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تیس سیکنڈ میں رُونما ہونے والا یہ واقعہ گو بہت غیر متوقع اور بے حد افسانوی ہونے کے ساتھ بے طرح نروس کر دینے والا بھی تھا۔ لیکن ایسے موقعوں پر دماغ بھی تیزی سے کام کرتا ہے۔ کسی جوان عورت کے پیچھے غنڈوں کا ہونا سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ پھر بھی دل و دماغ میں تو آندھیاں ہی چل پڑی تھیں۔ کچھ لمحے بے معنی سی نظروں سے اُسے دیکھنے کے بعد میں ایزی چیئر سے اُٹھا (خود کو پُرسکون پوز کر رہا تھا) اور ملحق کمرے کا پردہ ہٹا کر اُسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ کمرے میں لیٹنے اور بیٹھنے کے لئے صرف ایک پلنگ تھا۔ میرے بستر کے قریب کھڑی وہ کبھی مجھے، کبھی بستر کو اور کبھی باہر دیکھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں خوف تھا اور میں سوچ رہا تھا اِس حسنِ سراسیمہ کو کہاں دیکھا ہے؟

"بیٹھ جایئے۔" میں نے بہت شائستگی سے کہا اور خود بھی پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

"کیا قصہ ہے؟" میں نے ہونٹوں سے لگا سگریٹ سُلگا کر پوچھا۔

"دیکھئے اِس وقت ڈسٹرب کرنے کے لئے آئی ایم سو سوری، بٹ... پلیز مجھے آج رات... آپ اچھے آدمی ہیں... میں اِسی کالونی میں رہتی ہوں، وہ ——"

اِک کھڑکھڑاہٹ سی ہوئی۔ وہ بولتے بولتے رُک گئی اور گھبرائی ہوئی نظروں سے باہر کی طرف دیکھنے لگی۔ میرا سکون رخصت ہو چکا تھا۔ معاملہ ہی غارت گرِ صبر و شکیب تھا۔ فطرتاً رُومان اور اسرار پسند ہوں۔ رُومان پسندی اور حسن پرستی میری سرشت میں ہے۔ ایک مثالی حسن میرے اِتنا قریب، میرے پاس میرے گھر میں! میری پناہ، میرے رحم و کرم پر! شاخِ گُل خود مجھ پر جھکی ہوئی... نشاط کی ایک سنسناہٹ میرے تمام جسم میں دَوڑ رہی تھی، پھر بھی گھبراہٹ اور اضطراب مجھے گھیرے ہوئے تھے۔ لڑکی کا 'شناسا' ہونا سمجھ میں آیا۔ اُس کے بقول وہ اِسی کالونی میں رہتی ہے۔ اِس لئے ممکن ہے کسی حد تک مجھے جانتی بھی ہو۔ لیکن وہ یقیناً میری قریبی پڑوسن نہ تھی، شاید آٹھ دس مکان پرے رہتی ہو، اِسی لئے... سوال یہ تھا کہ وہ میرے ہی پاس کیوں آئی؟ —— ہاں، کون ہے یہ لڑکی اور کیوں آئی ہے یہاں؟؟ میرے ذہن میں شک اور وسوسے سر اُٹھانے لگے۔ کہیں یہ کوئی سازش تو نہیں ——؟ لیکن اِس کالونی کیا پورے شہر میں میری کسی سے دشمنی نہ تھی، یہ لڑکی...؟

اب وہ کسی قدر پُرسکون تھی۔ میری نگاہوں نے اُسے مزید ٹٹولا تو وہ خائف، ہراساں اور پناہ گزیں... جیسی [illegible] ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اُس کے نُبک ہونٹوں پر اِک [illegible] تبسم پنہاں ہے جسے وہ عیاں ہونے سے روک رہی ہے۔ [illegible] پُراسرار مہمان بے حد حسین تھی! سانچے میں ڈھلا مرمریں [illegible] شفق گوں بھی تھا۔ بیضوی چہرہ، غزالی آنکھیں، لمبے گھنے [illegible] مرمریں شانوں پر بکھرے ہوئے۔ ایسا محسوس ہُوا کمرہ خوشبو سے بھر گیا ہے۔ مہین شبنمی سے گاؤن کا حصار اُس کے بدن کے اُجالے کو قید رکھنے میں ناکام تھا۔ لباس سے باہر نکلے ہوئے اُس کے [illegible] گھٹنے اور پنڈلی سے خیرہ کر دینے والی روشنی پھوٹ رہی تھی۔

"اپنا گاؤن ٹھیک کیجئے..." میری آواز جذبات [illegible]

دیتی۔ لڑکی نے جیسے چونکنے کی اداکاری کی۔ اُس نے جلدی سے اپنا بدن چھپا لیا، لیکن اُس کے چہرے پر سچ مچ حیا کی شفق جگمگانے لگی تھی۔ میں بہرحال نروس تھا اور سوچ نہیں پا رہا تھا کہ اِس چم چم تتلی کا جو نہ جانے کہاں سے اُڑتی ہوئی میرے تنہا کمرے میں چلی آئی ہے۔ کیا کروں؟ مجھے تو ابتدائی گفتگو بھی نہیں سوجھ رہی تھی۔ اِتنا بزدل اور شاکی ہونا اچھا نہیں پیارے! میں نے خود سے کہا۔ ایک لڑکی اکیلی البیلی ایک انجان نامحرم کے گھر میں بِن بلائے پہنچ کر بھی دیکھو کیسی مطمئن اور پُرسکون ہو گئی ہے اور تمھارے پسینے چھوٹ رہے ہیں——؟ تم چوری چوری چھپکے چھپکے اُس کے شبستان میں نہیں گھسے ہو، یہ لڑکی طوفان بنی درانہ تمھارے گھر میں گھس آئی ہے۔ تم کوئی جرم نہیں کر رہے ہو۔

"دیکھیے گھبرائیے نہیں!" بالآخر میں نے ایک مرد کی طرح کہا۔ "یہاں آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہاں اب بتلائیے یہ..."

باہر کچھ کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ "ذرا دیکھوں کیا مصیبت ہے..."

میں اُٹھنے لگا۔

"پلیز ڈونٹ..." وہ جیسے سہم کر میرے قریب سرک آئی۔ "وہ بہت خطرناک لوگ ہیں، پلیز..."

"آخر ہیں کون؟" میں نے جھنجھلا کر کہا۔ اس بار اُس کے لبِ لعلیں کی پنہاں مسکراہٹ عیاں ہو کے رہی، لیکن گلریز تبسم کی دید کا موقع نہ تھا۔ مجھے اِس کیف آگیں تنہائی میں مخل ہونے والے یاوالوں پر غصّہ آنے لگا جو صاف چھپ بھی نہیں رہے تھے اور سامنے آ بھی نہیں رہے تھے۔ میں نے اسٹڈی رُوم میں آکر لائٹ آف کی اور باری باری دروازے اور کھڑکیوں سے باہر آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ باہر صرف ریشمی اندھیرا تھا... میں نے کان بھی کھڑے کیے۔ لیکن ہر سُو بس ایک صدا تھی —— میرے دل کے دھڑکنے کی! اچانک رات کا ریشم جھلملانے لگا، میرے رُوبرو اِک پردۂ سیمیں اُبھر آیا، جس پر ایک ہیروئن جلوہ گر تھی —— وہی لڑکی! جو اندر میرے کمرے میں پلنگ پر بیٹھی تھی۔ دل کی دھڑکن کا ایک سُر بولنے لگا —— تم جوان ہو اور تنہا ہو، تشنگی کب سے تمھارا لہو جلا رہی ہے! اور آج... رات خوبصورت ہے اور وقت مہربان! لڑکی... سہمی گھبرائی ہوئی لڑکی نہیں معلوم ہو رہی ہے۔ یہ موڈرن قسم کے لوگوں کی کالونی ہے، لڑکی بہت زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ معلوم ہوتی ہے۔ بیباک، آزاد خیال! ہو سکتا ہے بہت اسمارٹ اور ایڈوینچر پسند لڑکی ہو غنڈوں والی بات اِک ڈرامہ بھی ہو سکتی ہے!! تو——؟ تو کوئی بُرائی نہیں! لیکن اے آدرش وادی! تمھارا اپنا بھی تو کوئی کردار ہے! لڑکی بہرحال تمھاری پناہ میں ہے، اِس کی حفاظت کرنا تمھارا فرض ہے اور پھر یہ نادان، شوخ، الھڑ لڑکی تمھارے کسی پڑوسی کی ہے۔ "تُو اپنے پڑوسی کی کسی چیز کا لالچ مت کر...!" آدرش اور فرض اب بے معنی باتیں ہیں اور لالچ کی کیا بات ہے۔ ایک پکا ہُوا آم تمھاری جھولی میں آگرے اور تم اُس کا رس پان نہ کرو؟ یہ تو کفرانِ نعمت ہے! لیکن شریف بچے! لڑکی کتنی پیاری اور معصوم معلوم ہو رہی ہے... کیا یہ حسین وجود بس ایک شب کے لیے ہے! اِس سے تو حیات روشن ہو سکتی ہے۔ اِس خوشبو بکھیرتی تتلی کو اپنی ہوس کے پنجرے میں قید نہ کر۔ اِسے خلوص کے پھولوں پر چھوڑ دے۔ اِتنی خوبصورت شخصیت والی حسین لڑکی سے دوستی بھی تو اِک نعمت سے کم نہیں! کیوں——؟ ہاں، نہیں! ہاں بے شک—— نہیں! یہ حُسن سے فیضیابی کا بہت دقیانوسی طریقہ ہے، آلودگی کی بات کرو،

## روٹھنا

نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے
ارادہ یاد ہے گھبرا کے رُوٹھ جانے کی —— فانی بدایونی

یہ گستاخی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے اے دلِ ناداں
ابھی پھر رُوٹھ جائیں گے ابھی وہ من کے بیٹھے ہیں —— داغ دہلوی

چھیڑ کیسی بات کہتے رُوٹھ جاتے ہیں ریاض
اِک حسیں ہر وقت ہو اُن کے منانے کے لئے —— ریاض

رُوٹھنے کو تو چلے رُوٹھ کے ہم اُن سے و لے
مُڑ کے تکتے تھے کہ اب کوئی منا کر لے جائے —— معروف

جانا وہاں کا آپ سے ہاں چھُٹ چکا نظام
یوں رُوٹھنا تو آپ کا سو بار ہو چکا —— نظام رامپوری

مرسلہ:- ایس۔ ایس چکاری ایم۔ اے۔ احمد آباد

یوں تشنگی نہیں بجھتی!

ذہنی کشمکش بڑھنے لگی۔ میں نے جھنجھلا کر ایک سگرٹ اور سُلگا یا۔ نام تو پوچھ ہی لیا جائے، یہ سوچ کر میں نے اندرونی کمرے کی طرف بڑھا لیکن دروازے کے پاس ہی رُک گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے پلنگ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہُوا اُس کے بالکل قریب پہنچ گیا، میرے قدموں کی چاپ بے آواز نہ تھی۔ میرا خیال تھا میرے قریب آتے ہی وہ آنکھیں کھول لے گی اور سمٹ کر ایک طرف بیٹھ جائے گی، مجھے متوحش نظروں سے گھورے گی۔ لیکن وہ اُسی طرح بے حس و بے شُدھ پڑی رہی۔ بس اُس کے سینے کا زیر و بم اِک گیت گا رہا تھا۔

جیسے بیٹی ہو... جیسے بہت گہری اور آسودہ نیند سو گئی ہو، اے اجنبی انجان میری عجیب مہمان تم کون ہو——؟ تم میری جاں سوز تنہائیوں کا رنگیلا تصوّر تو نہیں...؟ اے معصوم، کمسن بے بس سی لڑکی! تیرے روپ میں کیا آج میرا تخیل مجسّم ہے؟ تو ہی تو نہیں میری کلپنا کی پرتما...؟

ہوا نے دروازے کو جنبش دی، میں نے چونک کر سامنے کھڑکی کی طرف دیکھا، ریشمی پردے یوں ہل رہے تھے جیسے صبح کے ملگجے میں مرمریں دھندلکا کھاتی ہوئی آہستہ آہستہ سر اُٹھا رہی ہو۔ خوابوں کے جزیرے کی بات ہو جیسے... رات کی بانہوں میں سوئی ہوئی پوری کائنات خاموش تھی، آواز تھی تو اُس کے گہرے سانسوں کی، صدا تھی تو میرے دل کی... وہ حوّا ہے اور میں آدم، اِس لئے خاموشی سنگیت ہے اور دل کی دھڑکن گیت اور ہر طرف خوشبو ہے!

باہر پھر کوئی پتہ کھڑکا یا کسی کے بے رحم قدموں کی ضرب! اِس کیف آگیں بے خودی میں یہ تکلیف دِہ ہشیاری کیوں——؟ کیوں حقیقت کی کُھردری، بے رحم، بدصورت اُنگلیاں خواب کے نازک، مہربان اور حسین جال کو توڑ دیتی ہیں——؟ شاید اِس لئے کہ زندگی کی تمام رعنائیاں اپنے وجود میں سمیٹے ہوئے ایک لڑکی! ایک حسین جوان لڑکی سچ مچ تمھارے گھر میں موجود ہے اور اِس کی موجودگی اِک جرم ہے، خوف ہے، وہ گناہ ہے جو تم نے نہیں کیا! تہذیب کا شعور، مذہب کی تلقین اور سماج کے آداب یہی کہتے ہیں——

کھڑکی سے پشت لگائے میں اُسے دیکھ رہا تھا اور سگرٹ پھونک رہا تھا۔ میں اُسے دیکھے جا رہا تھا اور وہ حسین تر ہوتی جا رہی تھی۔ جیسے میری نگاہ کے محتاط اور پاکیزہ ہاتھ اُس کے چہرے سے اجنبیت، بدگمانی اور ہوس کے سب میلے پردے ہٹا رہے ہوں اور اُس کے حُسن کا اُجالا اور رخشندہ ہوتا جا رہا ہو——یا میری رُوح کا مصوّر اِک خاکے میں رنگ بھر رہا تھا، اُسے سنوار رہا تھا——؟

یہ لڑکی...؛ میرے ہونٹوں نے آہستہ سے کہا، میری آرزو ہے، میری وہ حوّا ہے جس کی ابنِ آدم کو... مجھے نہ جانے کب سے تلاش ہے۔ مجھے محسوس ہوا میں اُسے جنوں سے چاہتا ہوں، مجھے اُس سے محبت ہے، بہت گہری، والہانہ محبت——یہ حسین وجود میری ہی شخصیت کا کوئی گمشدہ جز ہے جو آج لوٹ آیا ہے، مل گیا ہے۔ ہاں یہ میرا کچھ ہے، ورنہ میرے بے خواب شبستان میں یہ حُسنِ خوابیدہ یوں مطمئن، پُرسکون اور آسودہ نہ ہوتا——جیسے اِک مضطرب اور بھٹکتی ہوئی موج اپنے دھارے کے ساحل پہ پہنچ کر جذب ہو گئی ہے، شانت ہو گئی ہے...

باہر پھر کوئی آواز! مجھے پھر بے رحمی سے حقائق کی دنیا میں دھکیل دیتی ہے۔ میں پھر باہر آتا ہوں، ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر ڈالتا ہوں، رات . . . بس کالی ہے۔ اور ناگن کی طرح سیاہ لگنے والی رات آج زلفِ مشکبار کیوں ہے . . . واپس لوٹنے سے پہلے میں نے ایک بار تاریکی میں روپوش کائنات پر نظر ڈالی، رات . . . اپنے نادیدہ بربط پر نغمہ سکوت گا رہی تھی، گا رہی تھی۔

کیف بھی ہے اور خوف بھی، اطمینان بھی ـــــ اضطراب بھی، اِک نغمہ ہے جو ٹوٹ جاتی ہے۔ اِک حسین مترنم غزل ہے، کہیں کہیں سکتہ ہے، ہاں اِک حسین خواب بھی کبھی مکمل بے خلل، با اختیار نہیں ہوتا ـــــ میں نے پھر ایک نیا سگرٹ سلگایا۔ اُف یہ پریشان بیداری!

اسٹڈی روم میں رکھے ہیٹر پہ میں نے چائے بنائی۔ دوسرا کپ مہمان کے لئے تیار کیا، لیکن دروازے کے قریب میرے قدم پھر رُک گئے۔ یہ کیسی جھجک مانع تھی۔ دہلیز پر کھڑے کھڑے میں نے دیکھا اُس کے گرد تقدیس کا اِک حصار ہے جسے میں پار نہیں کر سکتا۔ اُس کے گرد وقار کا پہرہ ہے، معصومیت کی نگرانی اور اعتماد کی نگہبانی ہے اور یہ مہمان نوازی (چائے کا پیالہ) بے ایمانی کا بڑا کمزور جواز ہے۔ وہ تمھاری پناہ میں کیسی بے فکر نیند سو رہی ہے۔ بہت پُرسکون اور آسودہ ہے، اُس کے سکون میں خلل مت ڈالو۔ اُسے سونے دو۔ اُس کی آنکھ کھلتے ہی کہیں حقیقت بھی نہ جاگ پڑے۔ بدصورت، بے رحم حقیقت ـــــ! اِن لمحوں کو خوابوں کی قبا میں رہنے دو ـــــ دیکھو آج کاروانِ حیات خوفناک جنگلوں، جھلستے صحراؤں اور کیچڑ و دلدل سے بھرے راستوں سے گزرتا ہوا پھولوں کی وادی میں چلا آیا ہے، اِس مہکتی ہوئی ٹھنڈی چھاؤں میں اسے دم لینے دو . . .

. . . میرے خدا! کیا یہ سپنا ہے؟ محض سپنا؟ اِک رنگین و رسیلا سپنا؟ میرے مالک! اگر یہ حسین حقیقت اِک خواب ہے تو کاش! اِس حالتِ خواب میں یہ دم نکل جائے کہ موکش نجات یہی ہے، یہی ہے . . .

خواب، خوف، کیف کے انھیں جھولوں میں مجھے نیند آگئی۔

اور پھر ـــــ جب مسلسل جلتے ہوئے ہیٹر کی تپش نے مجھے چھوا تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں اپنی چیئر پر ہی سو گیا تھا۔ چند لمحے میرے ذہن میں خلاء تیرتی رہی اور جب حواس بیدار ہوئے تو میں تیزی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا، وہ . . . وہاں نہ تھی! وہ نہ تھی! وہ . . . ؟ ہاں وہ میرے گھر میں اور آس پاس کہیں نہ تھی! میرا سر چکرا گیا، اضطراب کے مہیب نقارے بجنے لگے۔ وہ . . . وہ . . . کیا سپنا تھی؟ میں نے پلنگ پر نظریں دوڑائیں۔ اُس کے لیٹنے کی جگہ پر چادر پُرشکن تھی اور تکیے پر پانی کا ایک ننھا سا گول داغ تھا۔ کیا آنسو ـــــ؟ کیا میری کلپنا اشکبار تھی ـــــ؟ میں کبھی اندر کبھی باہر جاتا ہوں۔ اندر اِک شمشان کی سی جھلس ہے اور باہر پھیلی ہوئی تاریکی۔ صبح کے گام سنائی دیتے ہیں۔ اوہ! رات ڈھل جانے والی ہے۔ ابھی سورج طلوع ہوگا اور تاریکی کی یہ چادر غائب ہو جائے گی . . . پھر وہ خواب کے صنم کہاں ابھر پائیں گے؟ حقیقت کے عذاب آنے کو ہیں . . . کاش یہ جاتی ہوئی رات اپنے قدم روک لے، وقت یہیں تھم جائے اور آس یاس نہ بنے۔ یہ رات، اندھیرا ـــــ سکوت ابھی اِک دُھندلے امکان کو صدا دیتے ہیں۔ اُمید کی آنکھ بے خواب، انتظار کی دہلیز جاگتی ہے ـــــ تو چلی آ کہ دھڑکن میں ابھی گیت نظر میں اُجالے اور سانسوں میں خوشبو تری منتظر ہے۔ تو چلی آ . . . کہ زیست شرمندہ نہ رہے۔ آ . . . ! اِس بار میں تجھے جانے نہ دوں گا!!

---

غیر طلبیدہ مضامین واپس منگوانے کیلئے اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ ورنہ بصورت دیگر ہے مضامین کی نقل اپنے پاس رکھئے۔ ہم واپسی سے معذور رہیں گے۔ (ایڈیٹر بیسویں صدی دہلی)

---

# تنہارات

اظہار الحسن ایم۔ اے (علیگ)

ڈیپارٹمنٹ جغرافیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

محترم خوشتر گرامی صاحب! تسلیمات

سالنامہ میں میرا افسانہ "خشکی کے سیلاب" کیا شائع ہوا خطوط کی دُنیا میں سیلاب آگیا! بھارت کے مختلف گوشوں کے علاوہ لیبیا اور انگلستان سے بھی کچھ کرم فرماؤں نے افسانہ کی پسندیدگی کا اظہار خلوص بیکراں اور محبت کے جذبات کے ساتھ کیا ہے۔ میں اُن تمام قارئین "بیسویں صدی" کا بے حد ممنون ہوں اور اپنا شکریہ اس عظیم اور لافانی جریدے کے ذریعہ پیش کرنا چاہتا ہوں ۔۔۔۔ ایک تازہ تاثراتی افسانہ "تنہارات" لے کر حاضر ہو رہا ہوں۔ کبھی کبھی انسان کی زندگی میں ایسے غیر متوقع حادثات رُونما ہو جاتے ہیں جن کے سامنے وہ مجبورِ محض ہو کر رہ جاتا ہے۔ جذباتی اور لمحاتی فیصلے دیرپا نہیں ہوتے اس لئے ہمیں انتہائی سخت موقعوں پر بھی ذہن کی گہرائیوں اور ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ اس کہانی کا ہیرو بھی ایک عظیم حادثہ سے دوچار ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہ کہوں گا۔ آپ کی گرانقدر اور قارئین کی بیش قیمت رائے ہی دیرپا فیصلہ کر سکیں گی کہ اس افسانہ کا ہیرو کہاں تک کامیاب ہے . . .

آپ کا ــــــ اظہار الحسن

★

وہ رات میری زندگی کی سنہری رات تھی۔ یہ رات وہ تھی جس کا نشہ آلود تصور ذہن کو ہزاروں لذتوں سے رُوشناس کرتا ہے۔ زندگی کے حسین ترین خوابوں کی تعبیر ملتی ہے۔ وہ رات جس کے تصور میں اَن گنت کنوارے دل تڑپتے رہتے ہیں، کتنے جسم سجتے رہتے ہیں، ارمان مچلتے رہتے ہیں، کتنی تمنائیں، خواہشیں اور آرزوئیں بے پناہ حوصلوں کے ساتھ، اُمڈتے ہوئے دریا کی لہروں کی طرح ساحلِ اُمید سے سر پٹکتی رہتی ہیں اور بکھری ہوئی آرزوؤں کا یہ تانا بانا ایک مکمل زندگی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ایسی ہی حسین رات تھی وہ۔ جب انسان اپنے آپ کو ایک رات کا شہنشاہ تصور کرنے لگتا ہے۔

اَن گنت لوگوں کی طرح میں نے بھی اس رات کی تمنا کی تھی۔ خواہشوں کے رنگین محل کو اُمید کے چراغوں سے روشن کیا تھا۔ اچھوتی اُمنگوں کی پناہ گاہ سمجھا تھا، تھکے ماندے مسافر کی منزل مانا تھا۔

آخر کار تمناؤں کا یہ کارواں اپنی منزل کو پہنچا تھا اور میری منزل سُرخ اور سنہرے جھلملاتے پُرکشش لباس میں میری منتظر تھی۔ دل کی دُنیا میں تلاطم لئے، آنکھوں میں رنگینیاں سمیٹے، دُنیا کے ہنگاموں کو نیند کی آغوش میں [illegible] میں حجلۂ عروسی میں داخل ہوا تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ سے سُرخ اور سنہرے حسین پیکر میں

حرکت پیدا کردی تھی۔ سُنہری انگشتریوں کے رنگ برنگے نگینوں سے مزین، کنول کی کونپل جیسے نازک دستِ حنائی کو جنبش ہوئی تھی اور وہ آغوشِ حُسن سے آفتاب جیسی پیشانی تک اُٹھا تھا۔ میں نے اپنے تمام ہوش و حواس کو یکجا کرتے تسلیم کہا تھا اور چنبیلی کی لچکتی شاخ آغوشِ گُل میں آگئی تھی۔

رات، تنہائی، چادرِ گُل پر مجسّم انتظار بنی ہوئی بیر بہوٹی، ارمان و تمنا کے ہجوم، بیتابیوں کے کارواں، خواہشات کے قافلے — میرے رُوبرو تھے اور میں تنہا تنہا، زندگی کے نئے دروازے پر دستک دینے آگے بڑھ رہا تھا۔ چہرے پر پڑی ہوئی ہلکی نقاب سے مہتاب کی کرنیں چھن چھن کر میرے ہوش و حواس پر بجلیاں گرا رہی

---

جن نے لوگوں کا حق نہیں پہچانا، اُس نے خُدا کا حق نہیں پہچانا۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

اُس شخص کو کبھی موت نہیں آتی جو علم کو زندگی بخشتا ہے۔ وہ شخص کبھی فقیر نہیں کہلا سکتا جسے علم و عقل کی دولت حاصل ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ)

نفس خُدا کا دُشمن ہے اِس لئے اپنے نفس کا دُشمن خُدا کا دوست ہے۔ (حضرت امام جعفر صادقؒ)

بندہ اپنے نفس سے جتنا دُور ہوگا خُدا کے اُتنا ہی قریب ہوگا۔ (حضرت بایزید بسطامیؒ)

---

تھیں۔ میرا دستِ تمنا چاند کے چہرے کو بے نقاب کرنے کے لئے اُٹھا تھا اور جب یہ چاند بے نقاب ہُوا تھا تو میری آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئی تھیں۔ میری زبان گُنگ ہو گئی تھی رقّو! میرے ہونٹ لرزے تھے 'اوہ خُدا! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں!؟ رقّو ۔۔۔' میری آوازسُن کر دو ہونٹوں کی کلیاں اُوپر نیچے پھیل کر مُسکرا اُٹھی تھیں۔

اور میں پتھر کا ہو کر رہ گیا تھا! میری رگوں میں خون جمنے لگا تھا۔ میری پیشانی پر شبنمی قطرے لرزنے لگے تھے۔

"کیا آپ کا پیار کا نام رقّو ہے؟" میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا تھا۔

"جی" مُسکراتی ہوئی آنکھوں کے کتابی چہرے نے جواب دیا تھا۔

'رفعت ۔۔۔ رقّو!'

اور میں سر سے پیر تک بھیگ چُکا تھا، میرا سر چکرانے لگا تھا۔ جب حالت قوّتِ برداشت سے تجاوز کرنے لگی تو میں سر پکڑ کر پلنگ کے تکیہ کے سہارے نیم دراز ہو گیا تھا۔ یہ سب کیا ہو گیا؟ رقّو میرے عزیز ترین دوست کی محبوبہ! راشد کی محبوبہ، میرا مخلص، میرا ہمراز دوست راشد!!!

میرے دوست کی محبوبہ، میری بیوی، نہیں، نہیں، نہیں، نہیں!!

شاید میری بگڑتی ہوئی حالت کا اندازہ رقّو کو ہو گیا تھا۔ اُس نے مجھے سہارا دیتے ہوئے کہا تھا "آپ کو کیا ہوا؟" وہ گھبرا گئی تھی۔

"کچھ نہیں رفعت! بس یوں ہی کچھ چکّر آگیا ہے۔ میری طبیعت آج صُبح ہی سے اچھی نہ تھی" میں نے بات بناتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"آپ آرام کیجئے۔ میں آپ کا ۔۔"

"نہیں نہیں رفعت! ایسی کوئی بات نہیں [illegible] ٹھیک ہو جاؤں گا، تم فکر نہ کرو۔ میں ٹھیک ہوں!" اور [illegible] تکیہ کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ میرے سامنے [illegible] آگیا تھا

راشد سے یونیورسٹی میں [illegible]

اور اُس نے انجینئرنگ [illegible]

ہی سال میں ہماری دوستی [illegible]

سال کے عرصے میں یہ دوستی [illegible] مقام پر

نہیں رہتا اور دو دوست [illegible]

کمرے کی پارٹنرشپ [illegible]

تھا۔ پہلے سال تک تو راشد [illegible]

لڑکا رہا۔ لیکن دُوسرے سال [illegible]

شروع کر دیا تھا۔ اُس کے [illegible]

پروان چڑھنے لگے تھے۔

انجینئرنگ پاس کرنے کے بعد [illegible]

ہو گئی تھی اور راشد کا سیلکشن [illegible]

تھا۔ مُلک کی سرحد پر جنگ [illegible] شعلے بھڑک [illegible]

لپکتے ہوئے شعلوں میں دب کر [illegible]

ہو گیا تھا ـــــــ

"آپ آرام سے لیٹ جائیے"۔ رفعت نے سرگوشی کی تھی اور میں ماضی سے حال میں آ گیا تھا۔

"تم آرام کرو۔ رفعت میں ابھی لیٹتا ہوں"۔

راشد کا خیال میرے سامنے مجسم طور پر کھڑا تھا۔

ایک دن جب رات کو ہم دونوں لائبریری سے ہاسٹل واپس آ رہے تھے، راشد کہنے لگا تھا۔

"یار آج ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا"۔

"کیسا ایکسیڈنٹ؟ کس سے کس کا؟" میں نے تشویش ظاہر کی تھی۔

"گھبراؤ نہیں ڈیر! تمھارے اس خاکسار دوست کا ایک مغرور لڑکی سے! آج کل یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ چاروں سمت یونیورسٹی میں الیکشن کے چرچے ہوتے رہتے ہیں۔ فیکلٹی کے لان میں دس پندرہ لڑکیوں کے درمیان رعب کی لے رہی تھیں: لڑکیوں کو چاہیے کہ وہ بھی اس الیکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور یونین کے نظام کو اپنے ہاتھوں میں لے کر یہ ثابت کر دیں کہ ہمارے اندر نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کی صلاحیت ہے"۔

میں سُن رہا تھا کہ محترمہ ذرا خاموش ہوں تو میں بھی بولوں۔

"ہاں تم بدلنے کے پرانے مریض ہو!" میں نے لقمہ دیتے [illegible] تھا۔

"[illegible] سُن تو سہی۔ جیسے ہی اس نے فل سٹاپ لگایا [illegible] کیا آپ سمجھتی ہیں کہ یہ لڑکیاں کسی بھی نظام کو [illegible] سکتی ہیں؟ کیوں یونین کا کباڑا کرنے کی فکر میں [illegible] ـــــ اور ایک لمبی تقریر میں نے بھی کر ڈالی [illegible] صاحب [illegible] باتیں سُن کر آگ بگولہ ہو گئیں۔ میں بھی کھڑا مسکراتا [illegible] گرم بحث ہوئی اور اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ [illegible] ٹھہر دیا اور چائے پر مدعو بھی کیا ہے"۔

راشد کی [illegible] سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ ملاقاتیں بڑھتی گئیں [illegible] مستحکم ہوتے گئے۔ دن بھر میں جو بھی واردات گزرتی [illegible] کو راشد مجھے اس طرح بتاتا جیسے ایک سعادت مند طالب علم [illegible] کا یاد کیا ہوا سبق شام کو اپنے ٹیوٹر کو سناتا ہے۔ ہر بات مجھے بتا کر راشد کو ایسا سکون ہو جاتا جیسے اس نے کسی فرض سے سبکدوشی حاصل کر لی ہو۔

ایک رات اُس نے مجھے بتایا، "آج تو لطف ہی آ گیا یار! میں اور رفو ٹہلتے ٹہلتے پبلک گارڈن جا نکلے۔ مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ پبلک گارڈن اتنا خوبصورت ہے۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے اگر ہم سفر خوبصورت ہو تو ہر چیز حسین ہو جاتی ہے اور ماحول رنگینیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ گھومتے گھومتے مجھے مجاز کے شعر یاد آنے لگے ـــــ

مرے پہلو بہ پہلو جب وہ چلتی تھی گلستاں میں
فرازِ آسماں پر کہکشاں حسرت سے تکتی تھی

---

بُرائی کے خلاف لڑنا انسان کا سب سے بہتر عمل ہے۔
(گورو نانک جی)

سب سے بڑا دھرم سچائی ہے۔ (بھگوان کرشن)

حوصلہ سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں۔ (بالمیکی)

دُنیا کے اس چمن میں پھولوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اپنا وہم ہی ایک کانٹا ہے۔ (سوامی رام تیرتھ)

گھر کا مالک سب سے بڑا خادم ہے۔ (بھرتری ہری)

بلند حوصلہ انسان کا سب سے بڑا جوہر ہے۔
(جواہر لال نہرو)

---

[illegible] شعر [illegible] میں گنگناتی تھی

مناظر جھومتے تھے بام و در کو وجد آتا تھا
میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جب وہ مسکراتی تھی
مرے ظلمت کدے کا ذرہ ذرہ جگمگاتا تھا

کتنا سچ کہا ہے مجاز مرحوم نے، اس کی [illegible] کا احساس مجھے آج ہوا دوست! وہ میرے ساتھ تھی۔ پتہ نہیں مجھے حسرت سے [illegible] رہا تھا، پھولوں کی آنکھوں میں رشک کے چراغ جل رہے تھے، اُس کے لبوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ سے غنچے چٹک رہے تھے۔ [illegible] اور سوچتا ہوں [illegible] میں جب اُس کے ساتھ چلتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں دُنیائے حُسن کا شہنشاہ ہوں اور ملکۂ حُسن

حرکت پیدا کر دی تھی۔ سُنہری انگشتریوں کے رنگ برنگے نگینوں سے مزین، کنول کی کونپل جیسے نازک دستِ حنائی کو جنبش ہوئی تھی اور وہ آغوشِ حُسن سے آفتاب جیسی پیشانی تک آٹھا تھا۔ میں نے اپنے تمام ہوش و حواس کو یکجا کرتے تسلیم کہا تھا اور چنبیلی کی لچکتی شاخ آغوشِ گُل میں آگئی تھی۔

رات، تنہائی، چادرِ گُل پر مجسّم انتظار بنی ہوئی بیر بہوٹی، ارمان و تمنا کے ہجوم، بیتابیوں کے کارواں، خواہشات کے قافلے—— میرے رُوبرو تھے اور میں تنہا تنہا، زندگی کے نئے دروازے پر دستک دینے آگے بڑھ رہا تھا۔ چہرے پر پڑی ہوئی ہلکی نقاب سے مہتاب کی کرنیں چھَن چھَن کر میرے ہوش و حواس پر بجلیاں گرا رہی

---

جس نے لوگوں کا حق نہیں پہچانا، اُس نے خُدا کا حق نہیں پہچانا۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

اُس شخص کو کبھی موت نہیں آتی جو علم کو زندگی بخشتا ہے۔ وہ شخص کبھی فقیر نہیں کہلا سکتا جسے علم و عقل کی دَولت حاصل ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

نفس خُدا کا دُشمن ہے اِس لئے اپنے نفس کا دُشمن خُدا کا دوست ہے۔ (حضرت امام جعفر صادقؒ)

بندہ اپنے نفس سے جتنا دُور ہوگا خُدا کے اُتنا ہی قریب ہوگا۔ (حضرت بایزید بسطامیؒ)

---

تھیں۔ میرا دستِ تمنا چاند کے چہرے کو بے نقاب کرنے کے لئے اُٹھا تھا اور جب یہ چاند بے نقاب ہُوا تھا تو میری آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئی تھیں۔ میری زبان گُنگ ہوگئی تھی رفّو! میرے ہونٹ لرزے تھے 'اوہ خُدا!' یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں!؟ رفّو—— میری آواز سُن کر دو ہونٹوں کی کلیاں اُوپر نیچے پھیل کر مُسکرا اُٹھی تھیں۔ اور میں پتّھر کا ہو کر رہ گیا تھا! میری رگوں میں خون جمنے لگا تھا میری پیشانی پر شبنمی قطرے لرزنے لگے تھے۔

"کیا آپ کا پیار کا نام رفّو ہے؟" میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا تھا۔

"جی" مُسکراتی ہوئی آنکھوں کے کتابی چہرے نے جواب دیا تھا۔

'رفعت—— رفّو!'

اور میں سر سے پیر تک بھیگ چُکا تھا، میرا سر چکرانے لگا تھا۔ جب حالت قوتِ برداشت سے تجاوز کرنے لگی تو میں سر پکڑ کر پلنگ کے تکیے کے سہارے نیم دراز ہوگیا تھا۔ یہ سب کیا ہوگیا؟ رفّو میرے عزیز ترین دوست کی محبوبہ! راشد کی محبوبہ میرا محسن، میرا ہمراز دوست راشد!!!

میرے دوست کی محبوبہ، میری بیوی، نہیں، نہیں، نہیں!!

شاید میری بگڑتی ہوئی حالت کا اندازہ رفّو کو ہوگیا تھا۔ اُس نے مجھے سہارا دیتے ہوئے کہا تھا "آپ کو کیا ہُوا؟" وہ گھبرا گئی تھی۔

"کچھ نہیں رفعت! بس یوں ہی کچھ چکّر آگیا ہے۔ میری طبیعت آج صُبح ہی سے اچھی نہ تھی" میں نے بات بناتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"آپ آرام کیجئے۔ میں آپ کا۔۔"

"نہیں نہیں رفعت! ایسی کوئی بات نہیں ہے میں ابھی ٹھیک ہو جاؤں گا، تم فکر نہ کرو۔ میں ٹھیک ہوں!" اور میں مسہری کے تکیہ کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ میرے سامنے راشد آگیا تھا۔

راشد سے یونیورسٹی میں ملاقات ہوئی تھی جب میں نے اور اُس نے انجینئرنگ کالج میں ساتھ ساتھ ایڈمیشن لیا تھا۔ پہلے ہی سال میں ہماری دوستی کی ڈور بہت مضبوط ہوگئی تھی۔ چار سال کے عرصے میں یہ دوستی اُس مقام پر پہنچ گئی تھی جہاں راز راز نہیں رہتا اور دو دوست ایک ہو جاتے ہیں—— ایک ہی کمرے کی پارٹنرشپ نے اُس دوستی کو اور بھی زیادہ زرخیز بنا دیا تھا۔ پہلے سال تک تو راشد بہت شرمیلا شرمیلا، سیدھا سادہ لڑکا رہا۔ لیکن دُوسرے سال سے ماحول نے اُس پر اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا تھا۔ اُس کے مزاج میں شوخی، چلبلاپن بڑھنے اور پروان چڑھنے لگے تھے۔

انجینئرنگ پاس کرنے کے بعد میری پوسٹنگ الہ آباد میں ہوگئی تھی اور راشد کا سلیکشن ملٹری میں ای۔ ایم۔ ای میں ہوگیا تھا۔ مُلک کی سرحد پر جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے تھے اور اُن لپکتے ہوئے شعلوں میں دب کر راشد کا خوبصورت جسم راکھ

ہو گیا تھا ـــــــ

"آپ آرام سے لیٹ جایئے" رفعت نے سرگوشی کی تھی اور میں ماضی سے حال میں آ گیا تھا۔

"تم آرام کرو۔ رفعت میں ابھی لیٹتا ہوں"

راشد کا خیال میرے سامنے مجسّم طور پر کھڑا تھا۔

ایک دن جب رات کو ہم دونوں لائبریری سے ہاسٹل واپس آ رہے تھے، راشد کہنے لگا تھا۔

'یار آج ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا'

'کیسا ایکسیڈنٹ ؟ کس سے کس کا ؟' میں نے تشویش ظاہر کی تھی۔

"گھبراؤ نہیں ڈیر! تمھارے اِس خاکسار دوست کا ایک مغرور لڑکی سے! آج کل یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ چاروں سمت یونیورسٹی میں الیکشن کے چرچے ہوتے رہتے ہیں۔ فیکلٹی کے لان میں دس پندرہ لڑکیوں کے درمیان رعب کی لے رہی تھیں "لڑکیوں کو چاہیے کہ وہ بھی اِس الیکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور یونین کے انتظام کو اپنے ہاتھوں میں لے کر یہ ثابت کر دیں کہ ہمارے اندر بھی نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کی صلاحیت ہے"

میں سُن رہا تھا کہ محترمہ ذرا خاموش ہوں تو میں بھی بولوں۔

'ہاں تم بولنے کے پرانے مریض ہو!' میں نے لقمہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

'ارے یار سُن تو سہی۔ جیسے ہی اُس نے فُل سٹاپ لگایا میں شروع ہو گیا ـــــ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ یہ لڑکیاں کسی بھی نظام کو چلانے کے قابل بن سکتی ہیں ؟ کیوں یونین کا کباڑا کرنے کی فکر میں ہیں آپ لوگ ـــــ اور ایک لمبی تقریر میں نے بھی کر ڈالی بس صاحب پھر کیا تھا۔ میری باتیں سُن کر آگ بگولہ ہو گئیں۔ میں بھی کھڑا مُسکراتا رہا۔ خوب گرما گرم بحث ہوئی اور اُس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ محترمہ نے اپنا رُوم نمبر دیا اور چائے پر مدعو بھی کیا ہے'

راشد کی رفو سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ ملاقاتیں بڑھتی گئیں اور تعلقات مستحکم ہوتے گئے۔ دن بھر میں جو بھی واردات گزرتی، رات کو راشد مجھے اِس طرح بتاتا جیسے ایک سعادت مند طالب علم دن کا یاد کیا ہوا سبق شام کو اپنے ٹیوٹر کو سناتا ہے۔ ہر بات مجھے بتا کر راشد کو ایسا سکون ہو جاتا جیسے اُس نے کسی فرض سے سُبکدوشی حاصل کر لی ہو۔

ایک رات اُس نے مجھے بتایا: 'آج تو لطف ہی آ گیا یار! میں اور رفو ٹہلتے ٹہلتے پبلک گارڈن جا نکلے۔ مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ پبلک گارڈن اِتنا خوبصورت ہے۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے اگر ہم سفر خوبصورت ہو تو ہر چیز حسین ہو جاتی ہے اور ماحول رنگینیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ گھومتے گھومتے مجھے مجاز کے شعر یاد آنے لگے ـــــ

مرے پہلو بہ پہلو جب وہ چلتی تھی گلستاں میں
فرازِ آسماں پہ کہکشاں حسرت سے تکتی تھی

---

بُرائی کے خلاف لڑنا انسان کا سب سے بہتر عمل ہے۔
(گورو نانک جی)

سب سے بڑا دھرم سچائی ہے (بھگوان کرشن)

حوصلہ سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں۔ (بالمیکی)

دُنیا کے اِس چمن میں پھولوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اپنا وہم ہی ایک کانٹا ہے۔ (سوامی رام تیرتھ)

گھر کا مالک سب سے بڑا خادم ہے۔ (بھرتری ہری)

بلند حوصلہ انسان کا سب سے بڑا جوہر ہے۔
(جواہر لال نہرو)

---

وہ میرا شعر جب میری ہی لَے میں گنگناتی تھی
مناظر جھومتے تھے بام و در کو وجد آتا تھا
میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جب وہ مُسکراتی تھی
مرے ظلمت کدے کا ذرہ ذرہ جگمگاتا تھا

کتنا سچ کہا ہے مجاز مرحوم نے، اِس کی صداقت کا احساس مجھے آج ہوا دوست! وہ میرے ساتھ تھی۔ پتہ پتہ مجھے حسرت سے تک رہا تھا، پھولوں کی آنکھوں میں رشک کے چراغ جل رہے تھے، اُس کے لبوں پر بکھری ہوئی مُسکراہٹ سے غنچے چٹک رہے تھے۔ 'او سویٹ رفو' میں جب اُس کے ساتھ چلتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں دُنیائے حُسن کا شہنشاہ ہوں اور ملکۂ حُسن

میرے ساتھ ہے۔ جب وہ گنگناتی ہے تو ماحول مسحور کُن ہو جاتا ہے۔ اور میں نشّے میں بھیگ جاتا ہوں۔ زندگی ایک انعام معلوم ہونے لگتی ہے۔ ایک عظیم انعام!"

"آپ کی طبیعت کچھ سکون پر آئی؟" رفعت نے مجھے راشد سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں . . . اب کافی ٹھیک ہوں۔ تم سو جاؤ، رفعت ہاں سو جاؤ ـــــ"

اور وہ ایک سعادت مند بچّے کی طرح لیٹ گئی تھی ـــــ میں سوچنے لگا تھا۔ یہ اب میری بیوی ہے، میری شریکِ زندگی۔ سماج نے اور قانون نے اِسے میری سپردگی میں دیا ہے۔ ہمارے ایک دُوسرے پر بہت سے فرائض عائد ہوتے ہیں ـــــ اور میرے ہاتھ اُس کی سمت بڑھنے لگے تھے۔

راشد کی آواز میرے کانوں میں سرگوشی کرنے لگی تھی ـــــ

"جانتے ہو فیروز آج کیا ہُوا۔ ارے یار غضب کی لڑکی ہے۔ آج بہت موڈ میں تھی۔ فوّارے کے قریب بیٹھے بیٹھے ہم دونوں میں بے حد رومانٹک باتیں ہوئیں۔ میں نے رفّو سے پُوچھا۔ اچھا رفّو! ایک بات بتاؤ مگر سچ سچ بتانا۔ اُس نے کہا پُوچھیے! اور اُس نے اپنا ہاتھ اپنے زنخداں پر رکھ لیا۔ اچھا بتاؤ اگر تمھاری شادی میرے علاوہ کسی اور سے ہو جائے تو اُس کے بعد ہمارے تعلقات کس طرح کے رہیں گے؟"

"راشد! اوّل تو ایسا ہوگا نہیں اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو یہ کنیز ایک روز عروسی لباس میں اپنے راشد کے پاس ضرور آئے گی اور . . . اور . . ." اور وہ جذبات کی رَو میں بہنے لگی۔

"اوہ رفّو! بس کرو۔ میرے صبر و ضبط کے دامن کی دھجّیاں نہ کرو۔ مجھے میرے مرکز پر رہنے دو۔ میرے جذبات کو برانگیختہ نہ کرو۔ اِتنی قدر ہے میری تمھارے دل میں، یہ مجھے آج معلوم ہُوا!"

رفعت کی طرف اُٹھے ہوئے میرے ہاتھ واپس اپنی جگہ آ گئے تھے۔ اُس وقت مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے رفعت کوئی بھڑکتا ہُوا شعلہ ہے جسے ہاتھ لگاتے ہی میں بھسم ہو جاؤں گا، میرا وجود خاکستر ہو جائے گا! اور میں مسہری سے اُٹھ کر ٹہلنے لگا تھا۔

راشد میرے سامنے آ گیا تھا . . . "فیروز! تاج محل کی خوبصورتی کا صحیح اندازہ اُسی وقت ہوتا ہے جب ملکہ ساتھ ہو! آج میری ملکہ میرے دوش بدوش تھی۔ تاج کا حُسن چاندنی میں نہایا ہُوا چمکتا ہُوا مرمریں گنبد دعوتِ نظارہ دے رہا تھا! رفّو نے پُوچھا: راشد! اگر میں مر جاؤں تو تم میری یاد میں کیا بنواؤ گے؟ شاہجہاں نے تو تاج محل بنا کر اپنی محبت کو لافانی بنا دیا ہے۔"

"میں تاج محل تو نہیں بنوا سکتا رفّو! البتہ اِتنا ضرور کروں گا تمھاری قبر کے سہارے کھڑا ہو کر یہ پُوری زندگی گزار دوں گا۔ تاج کے مینار کی طرح! تمھارے بغیر زندگی کا تصوّر بھی محال ہے۔ تم میری زندگی کی تازگی ہو، میرے دل کی دھڑکن ہو، میری آنکھوں کا نُور اور دل کا سرور ہو۔ میری دُنیا میں تمھاری یادوں سے روشنی بکھر جاتی ہے!" اور رفّو نے اپنی دونوں بانہیں میری گردن میں حمائل کر دی تھیں ـــــ مشرقی فصیل پر ہم دونوں بیٹھے جمنا کی مچلتی ہوئی لہروں سے لُطف اندوز ہو رہے تھے اور تاج پر چھایا ہُوا سکوت و سکون دل کو فرحت بخش رہا تھا۔ میری نگاہیں گنبد پر اُٹھیں اور جم کر رہ گئیں۔ تاج کے اُس خاموش گنبد سے موسیقی پھُوٹ رہی تھی۔ فضا میں مستی بکھری ہوئی تھی، سنگِ مرمر کا مرقع ایک حسین دوشیزہ کی طرح آنکھیں بچھائے اپنے محبوب کے انتظار میں کھڑا تھا۔ میری محبوبہ میرے پاس تھی۔ مستانہ خرام خنک ہوائیں ہمارے جسم کو تازگی بخش رہی تھیں۔ آسمان پر چاند مُسکرا رہا تھا اور نیچے جمنا کی آغوش میں ہزاروں چاند تڑپ رہے تھے۔ دُور فضاؤں میں تنہا کشتی پر بیٹھا کوئی ملّاح برہ کے گیت گا رہا تھا اور رفّو محویت کے عالم میں کھوئی کھوئی میرے شانے کا سہارا لیے شرابی آنکھوں سے بیخودی کے نغمے چھیڑ رہی تھی ـــــ

ایک، دو، تین! گھڑی میری طرح جاگ رہی تھی۔ رفعت سو گئی تھی۔ کہتے ہیں نیند تو کانٹوں پر بھی آ جاتی ہے۔ یہ تو پھر پھُولوں کی سیج تھی۔ لیکن پھُولوں کی سیج تو میرے لیے بھی وہی تھی۔ میری نیند کہاں غائب ہو گئی تھی ـــــ بے چاری رفعت۔ میری انسانی ہمدردیاں اُمڈ آئی تھیں اور ایک بار پھر میری نظریں سُرخ و سُنہری جھلملاتے لباس پر بہکنے لگی تھیں۔ ہاتھ پھر بڑھنے لگے تھے ـــــ مگر ـــــ یہ کون ـــــ راشد!

"کیا سمجھتے ہو میرے دوست! وقت آنے دو میرے شادی کا پیغام لے کر تمھیں کو رفّو کے والدین کے پاس جانا ہے اور اپنے ہاتھوں

سے مجھے دُولھا بنانا ہے!'

میرے ہاتھ پھر میرے دامن میں آگرے تھے میں نے زوردار جھٹکا اپنے سر کو دیا تھا تاکہ ذہن میں پھنسے ہوئے راشد کو دُور پھینک سکوں۔ میرے ذہن پر راشد بُری طرح سوار تھا اور میری یہ رات اذیت و کرب کی پروردہ یہ رات آہستہ آہستہ اپنی منزل کی سمت بڑھ رہی تھی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ رفعت کے ساتھ میں کیا سلوک کروں —— قدرت نے عجیب مذاق کیا تھا میرے ساتھ۔

—— شادی کی یہ شبِ اوّل میرے ناکردہ گناہوں کی رات بن کر میرے سامنے آئی تھی۔ میرے تمام درد سمٹ کر یکجا ہوگئے تھے اور یادوں کے دریچوں سے پھیلا ہوا راشد سنبھل سنبھل کر میرے سامنے آرہا تھا ——

'یار! ایک بار ملاقات تو کرلے اُس ساحرہ سے، اگر ڈوب کر نہ رہ جائے اُس کی جھیل جیسی نیلی آنکھوں میں تو کہنا! میں نے بھی ابھی تک رفّو سے تیرا ذکر نہیں کیا ہے۔ سوچتا ہوں ملاقات ہی کراؤں گا اور ایک ساتھ سب کچھ بتا دوں گا، سب کچھ! بول چل رہا ہے آج شام کو؟'

'نہیں راشد! بس دُور ہی سے دیکھنا کافی ہے۔ وہ تیری ساحرہ ہے۔ اگر اُس کا جادُو مجھ پر بھی چل گیا تو خواہ مخواہ دو دوست رقیب بن جائیں گے۔ جب وہ تیری دُلہن بن کر آئے گی تو رُونمائی میں کچھ دے کر اُس کا مُنہ دیکھوں گا۔ لیکن ہاں تیری پسند کی داد دیتا ہوں۔ لڑکی ہے بہت خوب!'

میرے سر میں شدید درد ہونے لگا تھا۔ آنکھوں میں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے کنکر گھول کر بھر دئے ہوں۔

پُوری رات میں جذبات کی کشمکش سے تنہا تنہا جنگ کرتا رہا تھا اور مضمحل ہو رہا تھا۔ میرے اندر کا انسان کہہ رہا تھا ——

'راشد اب اِس دُنیا میں نہیں ہے۔ رفّو کی خوشیاں اب تمھارے دامن میں پوشیدہ ہیں۔ تم اپنا دامن اتنا تنگ نہ کرو کہ رفّو کی خوشیاں اُس میں نہ سما سکیں۔ اُٹھو اور اسے اپنی بیوی کی طرح اپنالو۔ یہی تمھاری پریشانیوں کا واحد علاج ہے۔ یہی ایک راستہ ہے جو سکون کی منزل کی سمت جاتا ہے۔ حق دار کو اُس کا حق ملنا ہی چاہیئے۔

گھڑی نے چھ بجا دئے تھے۔ گھر میں چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ رفعت بھی بیدار ہو گئی تھی۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا۔

"گرم پانی تیار ہے چھوٹے میاں غسل کر لیجئے" نوکر کہہ کر چلا گیا تھا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" رفعت نے تشویش ظاہر کی تھی۔

"اب بالکل ٹھیک ہوں!" میں نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا تھا اور مجھے مادام سکورڈی کے جملے یاد آنے لگے تھے ——

'مردوں کو چاہیئے کہ شادی سے پہلے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں لیکن شادی کے بعد نیم بند!!'

---

# غزل

فیاض الدین احمد خاں فیاض گوالیاری بی۔ اے

خالق نے تو اِک پیکرِ مستانہ بنایا ہے
انسان نے انسان کو دیوانہ بنایا ہے

ساقی نے مرے دل کو میخانہ بنایا ہے
دو حرف چُنے ہیں، اور افسانہ بنایا ہے

تم کہہ دو تو مَیں اس میں یادوں کے صنم رکھ دوں
دِل ایسا سجایا ہے بُت خانہ بنایا ہے

کچھ ساغر و مینا سے میخانہ نہیں بنتا
میخانے کو مستوں نے میخانہ بنایا ہے

مجھکو نہیں ساقی کو، ہے پیار مرے دل سے
میں نے نہیں ساقی نے پیمانہ بنایا ہے

تم آکے کبھی دیکھو، خوابوں کا محل ہم نے
روزانہ گرایا ہے، روزانہ بنایا ہے

مستوں کو جگہ دیکر مستی بھری آنکھوں میں
ساقی نے جہاں چاہا، میخانہ بنایا ہے

فیاض ہر اِک کا دل، کیونکر ہو ترا جیسا
تجھکو انھی باتوں نے دیوانہ بنایا ہے

# غزل

شاطر حکیمی

محفل میں غیر کی وہ تماشا بنا رہا
میں چُپ کھڑا ہر ایک کا مُنہ دیکھتا رہا

آکر ترے حضور یہ عقدہ کھُلا کہ میں
دیر آشنا رہا نہ حرم آشنا رہا

وہ سرحدِ خیال سے آگے نکل گئے
میں خاکِ پا نشانِ قدم دیکھتا رہا

میرا وجود میری نظر کا فریب تھا
میں خود حجابِ جلوۂ جاناں بنا رہا

یہ کون سا مقامِ طلب ہے کہ اے خدا
لب پر دُعا نہ دل میں کوئی مدعا رہا

آنے کو کہہ گئے تھے مگر وہ نہ آسکے
ہاں راہ دیکھنی تھی مجھے دیکھتا رہا

آرام سے کبھی نہ رہے ہم جہاں رہے
شاطر مزاجِ یار تغیّر نما رہا

شاطر حکیمی

ادبی لطائف

# قندِ پارسی

پروفیسر عبدالرب عرفان ایم ۔ اے
صدرِ شعبۂ فارسی، وِدربھ مہاوِدیالیہ، امراوتی (مہاراشٹر)

محترم المقام! آداب بصد احترام

عین عالمِ انتظار میں مکتوبِ گرامی باعثِ نوازش ہوا۔ یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ "قندِ پارسی" اشاعت کے لئے معرضِ انتخاب میں آگیا ہے جس کے لئے میں آپ کی خدمت میں ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں۔ آپ نے مضمون کی رسید میں یہ تحریر فرمایا کہ "میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں" مجھے شرمندہ کیا ہے۔ مجھے آج یہ عرض کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ بزم "بیسویں صدی" میں شرکت کا موقع پانے سے پہلے میں گوشۂ گمنامی میں تھا۔ آپ نے میرے رطب و یابس کو گلے سے لگا کر شرفِ اشاعت بخش کر مجھے ادبی دنیا سے روشناس کیا۔ میرے نزدیک اِس احسانِ عظیم کا کوئی بدلہ نہیں ہو سکتا اور اگر ہے تو میرے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ اب میں نے اپنے اوقاتِ شب و روز کا ایک حصّہ "بیسویں صدی" کے لئے وقف کر دیا ہے۔ جس کے ثبوت کے طور پر "قندِ پارسی" کی تازہ قسط حاضرِ خدمت ہے۔ فارسی اشعار کے منظوم ترجمہ کے بارے میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اِس راہ میں کچھ ایسے بھی نازک اور پُرپیچ مراحل آتے ہیں کہ لمحوں کا کام گھنٹوں بلکہ دنوں اور ہفتوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے ——— آپ سے مُلاقات کی سعادت حاصل کرنے کی شدید آرزو ہے۔ دیکھئے تقریبِ مُلاقات کب پیدا ہوتی ہے۔ خدا کرے مزاجِ گرامی بخیر و عافیت ہو۔

نیاز آگیں ——— عبدالرب

★

سُلطان سنجر سلجوقی کے عہدِ حکومت میں صوبۂ خوارزم کی گورنری سُلطان اتسز کو عطا ہوئی۔ موخرالذکر نے کچھ ہی عرصے کے بعد علمِ بغاوت بلند کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اُس کی سرکوبی کے لئے سُلطان سنجر نے ایک لشکرِ جرّار لے کر خوارزم کا رُخ کیا۔ سُلطان اتسز کو سُلطان سنجر سے مقابلے کی تاب نہ تھی۔ اِس لئے راہِ فرار اختیار کی اور قلعۂ "ہزار اسپ" میں جسے ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا، محصور ہو گیا۔ وہاں سے اشعارِ ذیل سُلطان سنجر کی خدمت میں روانہ کئے ــ

مرا با ملک طاقتِ جنگ نیست — بصُلحش مرا نیز آہنگ نیست
ملک شہریار است و شاہِ جہاں — گریز از چنیں پادشہ ننگ نیست
اگر باد پایست یکران شاہ — کمیتِ مرا نیز پالنگ نیست
بخوارزم آید بستیں روم — خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

(مجھے بادشہ سے نہیں طاقتِ جنگ — نہیں صُلح کا بھی مجھے کوئی آہنگ
وہ اِک شہریار اور شاہِ جہاں ہے — گریز اُس سے مجھ کو نہیں باعثِ ننگ

ہے گھوڑا اگر شاہ کا بادپیما — نہ سمجھے کوئی میرے گھوڑے کو بھی لنگ
وہ خوارزم آئے تو جاؤں میں سقسین — خدائے جہاں کا نہیں ہے جہاں تنگ)

سلطان سنجر نے قلعہ "ہزار اسپ" تک اس کا تعاقب کیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ معروف قصیدہ گو شاعر انوری ابیوردی نے جو سلطان سنجر کے ہمراہ مہم میں شریک تھا، سلطان کی مدح میں درج ذیل رباعی کہی اور ایک کاغذ کے پرزے پر تحریر کر کے ایک تیر سے باندھ دیا اور دشمن کے قلعے میں پھینک دیا ؎

اے شاہ ہمہ ملک جہاں حسب تراست — وز دولت واقبال شہی کسب تراست
امروز بیک حملہ "ہزار اسپ" بگیر — فردا خوارزم وصد ہزار اسب تراست

(اے شاہ ابھی ملک جہاں ہے تیرے — شاہی ترے اقبال نے بخشی ہے تجھے
اک حملے میں تسخیر "ہزار اسپ" کر آج — خوارزم ہے کل اور ہزاروں گھوڑے)

اتفاق سے اس زمانے میں محصورین قلعہ کے ساتھ شاعر رشید الدین وطواط جو سلطان اتسز کے ساتھ انتہائی عقیدت رکھتا تھا، موجود تھا۔ اس رباعی کے جواب میں اس نے اپنے ممدوح سلطان اتسز کی مدح میں یہ رباعی کہی اور اسے ایک تیر سے باندھ کر وہ تیر سنجر کے لشکر کی طرف سر کر دیا ؎

شاہا کہ بجامت مے صافیست نہ دُرد — اعدائے ترا ز غصہ خوں باید خورد
گر خصم تو اے شاہ بود رستم گرد — یک خر ز "ہزار اسپ" نتواند بُرد

(ہے دُرد نہ مے جام میں اے شاہ ترے — کیوں غم میں نہ بدخواہ لہو اپنا پیئے
اے شہ ترا دشمن ہو اگر خود رستم — اک خر بھی "ہزار اسپ" سے لے جا نہ سکے)

اس دنداں شکن جواب نے شاہ سنجر کی آتشِ غضب کو اس قدر بھڑکا دیا کہ اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ جب کبھی رشید الدین وطواط ہاتھ آئے گا وہ اس کے سات ٹکڑے کئے بغیر نہ رہے گا!

طویل عرصے کی قلعہ بند جنگ کے بعد انجام کار سلطان اتسز کو شکست ہوئی۔ وہ کسی طرح اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔ رشید الدین وطواط سنجر کے خوف سے روپوش ہو گیا۔ سنجر کا معتمد نجیب الدین منشی رشید الدین وطواط کا دوست تھا۔ اس نے وطواط کو یقین دلایا کہ کسی مناسب موقعے کے ہاتھ آتے ہی بادشاہ کے حضور وہ اس کی جان بخشی کی سفارش کرے گا اور عتابِ شاہی سے اسے بچا لے گا۔ ایک دن جبکہ سنجر بہت خوش تھا اور اپنے ندیموں کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہا تھا، نجیب الدین منشی نے موقع غنیمت جان کر جرأتِ لب کشائی کی:

"جہاں پناہ! وطواط (ابابیل) ایک اتنا چھوٹا پرندہ ہے کہ اس کے دو ٹکڑے ہی بمشکل ہو سکیں گے۔ آپ اس کے سات ٹکڑے کیونکر کر سکیں گے؟" یہ سن کر سنجر نے ایک قہقہہ بلند کیا اور رشید الدین وطواط کو معاف کر دیا۔

---

ایران کے قبیلۂ کبود جامہ کے سردار نصر الدین نے اپنی کسی حرکت سے سلطان تکش کو ناراض کر دیا۔ سلطان نے اپنے ایک سردار کو حکم دیا کہ وہ جائے اور نصر الدین کا سر قلم کر کے لے آئے۔ نصر الدین نے اس سردار کو کسی طرح رضامند کر لیا کہ وہ اس کا سر کاٹ کر لے جانے کی بجائے اسے سلطان کی بارگاہ میں زندہ لے جا کر پیش کر دے۔ سلطان نے نصر الدین کو جب اپنے سامنے زندہ سلامت دیکھا تو سردار کی حکم عدولی پر اسے بے حد غصہ آیا۔ وہ اس کے حق میں سخت سزا کا حکم صادر کرنا ہی چاہتا تھا کہ نصر الدین نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھ دی ؎

من خاکِ تو در چشمِ خرد می آرم — عذرت نہ یکے نہ دہ کہ صد می آرم
سر خواستۂ بدستِ کس نتواں داد — می آیم و بر گردنِ خود می آرم

(میں آتا ہوں لئے چشمِ خرد میں تیری خاکِ در
نہ تنہا ایک یا دو بلکہ صدہا معذرت لے کر
طلب تو نے کیا سر غیر کو میں کیسے دے دیتا
اٹھا کر اس سبب لا رہا ہوں اپنی گردن پر!)

یہ سن کر سلطان تکش بے انتہا خوش ہوا اور نہ صرف نصر الدین کی تقصیر معاف کر دی بلکہ اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا اور اسی وقت اسے ایک بلند منصب پر فائز کرنے کا فرمان صادر کر دیا۔

---

شاعر خواجہ امیر بیگ صفوی حکمران طہماسپ شاہ کا ہمعصر تھا۔ کسی سبب سے وہ بادشاہ کا معتوب ہوا اور فرمان شاہی کے بموجب اسے خراسان کے ایک قلعے میں قید کر دیا گیا۔ جب شاہ عبداللہ خان اوزبک نے خراسان پر قبضہ کیا تو اس نے خواجہ کے پاس شعر ذیل بطور پیام اجل روانہ کیا ؎

اے خواجہ بعد ازیں طمع از زندگی ببُر — زاں رو کہ گشتہ مست بقائی مقام [illegible]

(اے خواجہ اب تو جینے کی امید چھوڑ دے — اب بن گیا ہے [illegible] مرا [illegible])

اس تہدید کے جواب میں خواجہ نے مناسب حال یہ چند اشعار کہے

اور آخر میں خواجہ حافظ شیرازی کا ایک شعر ضم کرکے عبداللہ خاں کے پاس روانہ کر دیئے ؎

اے باد اگر باہلِ خراساں گذر کنی     زنہار عرضہ دہ بپریشاں پیامِ ما
واں گر بگو بہ اہلِ وفا آں گروہ را     کاے گشتہ کینہ خواہِ شما خاص و عامِ ما
کلکِ غرور و جہلِ شما ثبت کردہ بود     در رقعۂ کہ بود دراں رقعہ نامِ ما
کاے خواجہ بعد ازیں طمع از زندگی ببُر     زاں رو کہ گشتہ مسندِ خانی مقامِ ما
اے مدعی مگر نشنیدی کہ می رسد     شاہ سوارہ فیل و سپہر احتشامِ ما
باشد جواب دعویٔ خانی کہ کردۂ     بیتے کہ گفتہ حافظِ شیریں کلامِ ما
"چنداں بود کرشمہ و نازِ سہی قداں     کاید بجلوہ سروِ صنوبر خرامِ ما"

(اے بادِ سوئے اہلِ خراساں جو ہو گذر     اُن سے ضرور کہہ مری جانب سے یہ پیام
یہ عرض کر زراہِ وفا اُس گروہ سے     اے تم سے کینہ خواہ مرے ہموطن تمام
تم نے قلم سے کبر و جہالت کے لکھ دیا     اُس ایک خط میں لکھا گیا ہے جو میرے نام
"اے خواجہ اب تو جینے کی اُمید چھوڑ دے     اب بن گیا ہے مسندِ شاہی مرا مقام"
اے مدعی تجھے خبر اِس بات کی نہیں     آتا ہے شاہِ نجم سپہ گردوں احتشام
یہ شعر تیرے دعویٔ شاہی کا ہے جواب     خالق ہے جس کا حافظ خوش فکر و خوش کلام
"ہے اِس قدر کرشمہ و نازِ سہی قداں     اب میرا سروِ مثلِ صنوبر کرے خرام")

---

تذکرۂ حسینی (مولفہ میر حسن دوست سنبھلی) کی روایت ہے کہ مشہور قصیدہ گو شاعر انوری ایک دن بلخ کے بازار سے گذر رہا تھا۔ ایک جگہ اُسے بہت بڑا مجمع نظر آیا۔ اُس کا تجسس اُسے مجمعے تک لے گیا۔ وہاں اُس نے دیکھا ایک شخص اُس کے قصیدے اِس انداز سے سُنا رہا تھا جیسے وہ خود انوری ہو اور لوگ ہر شعر پر صدائے داد و تحسین بلند کر رہے تھے۔ انوری نے آگے بڑھ کر اُس سے دریافت کیا: "اے شخص یہ کس کے اشعار ہیں؟"

اُس نے جواب دیا: "انوری کے ہیں۔"

پھر پوچھا: "کیا تم انوری کو پہچانتا ہے؟"

اُس نے برہم ہو کر جواب دیا: "کیا بکتا ہے۔ انوری میں خود ہوں!"

انوری نے ہنس کر کہا: "شعر دزد (شعر چُرانے والا) کے بارے میں تو میں نے سُنا ہے لیکن شاعر دُزد (شاعر کو چُرا لینے والا) آج تک نہیں دیکھا تھا!"

---

ممبر معانی کے قلعہ کُشا شیخ ناصر علی سرہندی نے اپنے ممدوح سیف خاں کی وفات کے بعد دکن کا رُخ کیا جہاں شہنشاہ اورنگ زیب بیجاپور اور گولکنڈہ کی مہمات میں مصروف تھا۔ ناصر علی نے ذوالفقار خاں ابن اسد خاں وزیر کی مدح میں ایک بلند بانگ قصیدہ لکھ کر موصوف کی بارگاہ میں باریابی کا شرف حاصل کیا جب یہ مطلع پڑھا ؎

اے شانِ حیدری ز جبینِ تو آشکار     تیغِ تو در نبرد کند کارِ ذوالفقار

(حیدر کی شان تیری جبیں سے ہے آشکار
ہوتی ہے وقتِ جنگ تری تیغ ذوالفقار)

تو وزیر نے یہ کہتے ہوئے "بس کن کہ طاقتِ صلۂ ابیاتِ دیگر ندارم" (بس کر کہ دُوسرے اشعار کا صلہ دینے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے) ناصر علی کو مبلغِ خطیر اور ایک ہاتھی صلے میں بخشا

---

کلمات الشعراء کے مولف مُلا سرخوش نے ایک دن شیخ ناصر علی سے کہا: لوگ کہتے ہیں شیخ ناصر علی مُلا ندیم کے اشعار اپنے نام سے سُناتے ہیں۔ کیوں نہ ایک مقررہ طرح میں معترضین کے رُوبرو فی البدیہہ غزل کہہ کر اِس الزام کا جواب دیا جائے۔ چنانچہ اہلِ علم و فن کی ایک محفل میں ایک مصرعۂ طرح کا انتخاب کیا گیا۔ پہلے سرخوش نے میدانِ سُخن میں اپنے توسنِ فکر کی جولانی دکھائی ؎

تن زاشکم تا بہ گردن غرقِ آب استادہ است
سر بروئے آں عیاں ہمچوں حباب استادہ است

(جسم گردن تک ہے میرے آنسوؤں سے غرقِ آب
اور میرا سر عیاں اُوپر ہے یوں جیسے حباب)

سرخوش کا مطلع سُنتے ہی شیخ نے برجستہ فرمایا ؎

اہلِ ہمت را نباشد تکیہ بر بازوئے کس
خیمۂ افلاک بے چوب و طناب استادہ است

(بازوئے اغیار پر ناز اہلِ ہمت کو نہیں
خیمۂ افلاک مستحکم ہے بے چوب و طناب)

اور اِس طرح واضح الفاظ میں معترضین کو جواب دیتے ہوئے اپنے اہلِ ہمت ہونے کا ثبوت پیش کیا۔

---

مدیر بیسویں صدی کے نام خط لکھتے وقت اختصار سے کام لیا کریں تاکہ آپ کے ارشاد کی تعمیل فوراً ہو سکے۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

# غزل

پروفیسر بیتاب پیلی بھیتی ایم۔ کام (علیگ)

بُرا کہے نہ اگر کچھ، بھلا لگے ہے مجھے
جفا کرے ہے کوئی تو وفا لگے ہے مجھے

مرے خیال کی رعنائیوں کی محفل میں
ترا وجود نکھرتا ہُوا لگے ہے مجھے

خلا میں دُور کہیں نیلگوں فضاؤں سے
تو میرے دل کی طرف دیکھتا لگے ہے مجھے

نظر اُٹھا کے کسی سمت جب بھی دیکھوں میں
ترا ہی روپ جھلکتا ہُوا لگے ہے مجھے

سُنا سُنا سا ترا نام ہی نہیں لگتا
یہ تیری شکل بھی کچھ آشنا لگے ہے مجھے

قتیل ہوں ترے اندازِ بے نیازی کا
خدا نہیں ہے مگر تُو خدا لگے ہے مجھے

وہ بات ڈھال کے اوروں پہ تو جو کہتا ہے
وہ بات تیرا ہی کچھ مدعا لگے ہے مجھے

کچھ اتنے حادثے گزرے ہیں زندگی میں کہ اب
مرا وجود بھی اِک حادثہ لگے ہے مجھے

کسی زبان پہ آتے ہی اب تو نامِ وفا
میں کانپ جاؤں ہوں کچھ خوف سا لگے ہے مجھے

مرے قریب بھی ہے مجھ سے تو جُدا طلب بھی
جو فاصلہ تھا وہی فاصلہ لگے ہے مجھے

کبھی جو نام ترا آئے ذکر چل جاتے
ہر ایک زخم مرا بولتا لگے ہے مجھے

جو بات تجھ میں ہے اوروں میں وہ نہیں ملتی
الگ ہے سب سے تو سب سے جُدا لگے ہے مجھے

میں اپنے دل کی تباہی کا دوں کسے الزام
خطا کسی کی ہو اپنی خطا لگے ہے مجھے

ترا سکوتِ مسلسل تری یہ خاموشی
یہ انتہا ہی سہی ابتدا لگے ہے مجھے

میں کیا بتاؤں کہ بیتاب اپنے سائے سے
کبھی کبھی تو بڑا خوف سا لگے ہے مجھے

# غزل

عبدالقدوس ناطق نیروی

داغِ دل کا نہیں ممکن ہے نمایاں ہونا
اس کی قسمت میں ہے چراغِ تہِ داماں ہونا

کس سے سیکھا نگہِ ناز نے پیکاں ہونا
شست سے پہلے ہی پیوستِ رگِ جاں ہونا

شرطِ اوّل ہے رہِ مہر و وفا میں ناصح
چاکِ دل، چاکِ جگر، چاکِ گریباں ہونا

ہم کسی کے نہیں احسان اُٹھانے والے
شرم کی بات ہے شرمندۂ احساں ہونا

منتشر ہو گئے اجزائے حیاتِ عاشق
زُلف کو کس نے سکھایا ہے پریشاں ہونا

گھونٹ دو گھونٹ بھی پینے کا روادار نہیں
عمر بھر شیخ کو آیا نہیں انساں ہونا

جس نے دیکھا اُسے وہ ہو گیا محوِ حیرت
آئینہ پر نہیں موقوف ہے حیراں ہونا

وہ نہ آئے تو شبِ ہجر قضا آئی ہے
کوئی دیکھے مری مشکل کا یہ آساں ہونا

ہے حسینوں کی یہ افتادِ طبیعت کیسی
کبھی ملنا کبھی عاشق سے گریزاں ہونا

کیوں نگہبانیِ دل پر وہ ہوا ہے مائل
کیا خدا کو نہیں منظور نگہباں ہونا

کس کی آنکھوں سے ہوئی آج قیامت کی نمود
کس کو منظور ہُوا فتنۂ دوراں ہونا

ہے اگر طبعِ رسا کا یہی عالم ناطق
تیرا دشوار نہیں صاحبِ دیواں ہونا

افسانہ

# آتشِ گُل

اکرام جاوید بی۔کام (عثمانیہ)

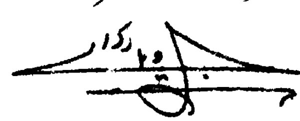
۱۶-۳-۲-۷۴۲/۲/۲، چنچل گوڑہ، حیدرآباد-۵۰۰۰۲۴

محترم خوشتر بھائی! تسلیم

بہت دن ہوئے آپ کا محبت نامہ ملا تھا۔ "بیسویں صدی" پابندی سے ہر ماہ مل رہا ہے اور آپ کی صحت و عافیت کی اسی طرح خبر ملتی رہی ہے۔ پچھلے نو دس ماہ سے معمولی مصروفیتوں کے علاوہ 'ساؤتھ انڈیا اُردو اکیڈیمی' کے کاموں میں شب و روز مصروف ہوں۔ اکیڈیمی کے بارے میں بھائی قاسم علی عابد صاحب ایم۔ پی اور دوسرے احباب نے آپ کو تفصیلات سے آگاہ کیا ہوگا۔ جنوبی ہند کی ریاستوں آندھرا پردیش، کرناٹک، تامل ناڈو، کیرالا اور پانڈیچری میں اُردو زبان کی بقا اور ترقی کے لئے جولائی ۱۹۷۳ء میں 'ساؤتھ انڈیا اُردو اکیڈیمی' کا قیام عمل میں آیا۔ اکیڈیمی کی مرکزی کمیٹی کے معتمدِ تنظیم کی حیثیت سے مجھے پچھلے چند مہینوں میں جنوبی ہند کی تمام ریاستوں کا دَورہ کرنے اور اُن ریاستوں میں اُردو کے موقف کا جائزہ لینے کا موقع ملا۔ آپ کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ اِس مختصر سے عرصے میں اکیڈیمی کی سرگرمیوں کو جنوبی ہند کی تمام ریاستوں تک وسعت دے دی گئی۔ کرناٹک، تامل ناڈو اور آندھرا پردیش میں اکیڈیمی کی ریاستی کمیٹیوں کا قیام عمل میں آچکا ہے اور کیرالا اور پانڈیچری میں اکیڈیمی کی ایڈہاک ریاستی کمیٹیاں تشکیل دی گئی ہیں۔ مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں جو ۹، ۱۰ فروری ۱۹۷۴ء کو بمقام بنگلور منعقد ہوا۔ متفقہ طور پر اہم تنظیمی فیصلے کئے گئے اور جنوبی ہند کی تمام ریاستوں میں اُردو کے تحفّظ اور فروغ کے لئے صورتِ حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کے بعد آئندہ لائحہ عمل کا تعین بھی کیا گیا۔ مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں طے کیا گیا کہ ماہِ جون ۱۹۷۴ء سے پہلے یا جون ۱۹۷۴ء کے پہلے ہفتہ میں اکیڈیمی کے افتتاحی جلسہ کا انعقاد عمل میں لایا جائے اور افتتاح کے لئے وزیرِ اعظم شریمتی اندرا گاندھی سے درخواست کی جائے۔ اُس موقع پر اکیڈیمی کی جانب سے 'مجاہدینِ آزادی کے تذکرہ' کی اشاعت بھی عمل میں آرہی ہے۔ اکیڈیمی کا دستور اور دوسری تفصیلات جلد ہی آپ کی خدمت میں ارسال کر دوں گا۔ اِس وقت تو آپ سے اُردو کے عظیم مجاہد اور رہنما کی حیثیت سے اکیڈیمی سے تعاون کی درخواست کروں گا۔ "بیسویں صدی" کے ذریعہ آپ نے اُردو زبان اور اُردو ادب کی ترقی اور تحفّظ کے لئے بے مثال خدمات انجام دی ہیں اور اب بھی آپ بے لوث اور بیباکانہ انداز میں پُورے خلوص اور دیانت داری سے اُردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ مجھے آپ کی محبت بھری شخصیت سے بھرپُور توقع ہے کہ جنوبی ہند میں ایک اہم

اور عظیم قومی زبان کی بقا اور ترقی کے لئے آپ 'ساؤتھ انڈیا اُردو اکیڈیمی' کی رہبری کریں گے اور قدم قدم پر اپنے گرانقدر تعاون سے ہمیں حوصلہ اور طاقت بخشیں گے۔ بیسویں صدی کے توسط سے میں اکیڈیمی کے لئے مُلک کے تمام محبانِ اُردو سے پُرخلوص تعاون و اشتراکِ عمل کی درخواست کرتا ہوں۔ ساؤتھ انڈیا اُردو اکیڈیمی "مذہب" "سیاست" "علاقہ واریت" "گروہ بندی" اور ہر طرح کے ذہنی تحفظات اور تعصبات سے بالاتر رہ کر اُردو کی بقا اور ترقی کے لئے حقیقی اور ٹھوس بنیادوں پر منصوبہ بند انداز میں کام کرنا چاہتی ہے۔ اکیڈیمی مُلک کے سارے اُردو دوست عوام کا مشترکہ پلیٹ فارم ہے ——! "بیسویں صدی" کے لئے ایک غیر مطبوعہ افسانہ ارسالِ خدمت ہے۔ اُمید ہے یہ افسانہ میری طویل غیر حاضری کی تلافی کر سکے گا...

خیریت نامہ کا مُنتظر



★

دانش گاہ کی بلند و بالا پُرشکوہ تاریخی عمارت پر خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ ایک پُرسوز، پُروقار اور رُومانی خاموشی! شعبۂ ثقافت کے وسیع و عریض اسٹاف رُوم میں ہم دونوں اکیلے ہیں۔ میں اور تمنّا.. ہمارے درمیان ایک بڑا سا خوبصورت سیاہ آبنوسی میز ہے.. میز پر فائل ٹرے، رائٹنگ پیڈ اور قلمدان کے علاوہ ایک گلدان بھی ہے۔ جس میں سُرخ و سفید گُلاب کے تازہ پھُول مہک رہے ہیں۔ تعطیل کا دن ہے۔ لیکن پروفیسر رضا نے ملاقات کے لئے ہمیں دانش گاہ پر مدعو کیا ہے۔ تمنّا ہندوستانی ثقافت کے ایک اہم موضوع پر ریسرچ کر رہی ہے۔ اُسے پروفیسر رضا سے چند ضروری معلومات حاصل کرنی ہیں۔ پروفیسر رضا نے ابھی ابھی فون کیا ہے کہ کسی خانگی مسئلہ میں وہ اُلجھ گئے ہیں اور ایک گھنٹہ سے پہلے نہ آسکیں گے۔ تمنّا کا اُن سے ملنا بہت ضروری ہے۔ اُسے آج رات کی ٹرین سے اپنے شہر جانا ہے۔ اِس طرح بیس برس بعد پہلی بار ہم دونوں کو لمحۂ مختصر ہی کے لئے سہی تنہائی نصیب ہوئی ہے۔

میرے اور تمنّا کے درمیان سیاہ آبنوسی میز، مہکتے ہوئے سُرخ و سفید گُلاب جلتے سُلگتے سے بیس برس کے واقعات، سانحات اور تجرباتِ ہوش و حواس ہیں۔ یادوں کا غُبار سا اُڑ رہا ہے۔ میرے مقابل میز کی دوسری طرف بیٹھی ہوئی بھرے بھرے سے جسم اور سانولے سلونے رنگ کی متین اور سنجیدہ چہرے والی مائل بہ زوال عورت تمنّا ہے۔ اِس کے بیضوی چہرے کے نقوش لمحہ بہ لمحہ پگھل رہے ہیں۔ اِس اُداس اور غمگین سی عورت کے پس منظر میں ایک دُبلی پتلی سانولی سلونی سی حسین و جمیل لڑکی کا پیکر اُبھر رہا ہے۔ یادوں کی دُھواں دُھواں سی فضا میں مانوس مناظر اور شناسا آوازوں کی شمعیں ایک ایک کر کے روشن ہوتی جا رہی ہیں اور آج برسوں بعد میں اپنے آپ کو پھر سنکیسر کے ایک درخت کی طرح محسوس کر رہا ہوں۔ ہری بھری شاخوں اور ننھی سبز مخملیں پتّیوں کے پردے میں آگ کا ایک طوفان چھُپائے سنکیسر کا درخت خاموش کھڑا ہے۔ وحشت کے، جنون کے موسم آئے اور گُزر گئے۔ جب بھی موسمِ جنون آیا میری رُسوائی ہوئی۔ رازِ دل فاش ہُوا، جذبۂ دل کی تشہیر ہوئی اور اُس مقدّس آگ کی توہین ہوئی جو سبز شاخوں اور مخملیں پتّیوں میں ایک بیش بہا خزانے کی طرح نہاں تھی۔ رُسوائی کے ہر موسم میں میری شاخوں پر سُرخ شعلے بھڑک اُٹھے۔ میرے دل کی امانت سبز مخملیں پتّیوں پر، شعلوں اور چنگاریوں کی شکل میں نمایاں ہوگئی۔ لوگ چیخ اُٹھے۔ "بہار آئی، بہار آئی!"

قطرہ ہائے خونِ دل کو شگفتِ لالہ کا نام دینے والے خوش ہو کر میرے جنون کی، مقدّس جذبۂ دل کی رُسوائی کا تماشا کرتے رہے اور ہر بار مجھے اپنے ضبط و تحمّل کی طاقت پر رونا پڑا، نادم اور پشیمان ہونا پڑا۔ حُسن مستور رہے، دُور دُور ہی رہے، دل کی [illegible]

کیونکہ جب حُسن بے حجاب ہو کر، دسترس میں آکر، دل کی گہرائیوں سے نکل کر حُسن ایک فانی شے بن جاتا ہے۔ ایک آہ، ایک آنسو —— انسانی کمزوری اور بے بسی کی ایک علامت۔ ایک کثیف اور آلودہ جذبہ۔ اظہار کو میں حُسن کی، جذبے کی موت سمجھتا ہوں۔ صدیوں کی امانت، ازل سے روشن مقدس آتشِ دل چاہے شگفتہ گل کی صورت میں دل سے باہر آئے یا قطرۂ اشک بن کر پلکوں پر جگمگائے، ضبط کی، حُسن کی، عشق کی، عظمتِ آدم کی توہین ہے۔ صدیوں کی رُسوائی نے مجھے حساس بنا دیا ہے۔ زندگی کے تجربات نے بہت کچھ سکھایا ہے۔ میں اب وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا۔ آج برسوں بعد تمنا کی قربت کی دھیمی دھیمی آنچ میں پگھلتے ہوئے مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں ایک بار اور سنگسیر کا درخت بن گیا ہوں!

بیس برس پہلے میں کیا تھا؟ ایک دولتمند گھرانے کا اکلوتا لڑکا، ناز و نعم میں پلا ہوا ضدی، جذباتی، خودسر اور حُسن پرست نوجوان! اُس زمانے میں گویا میں جنت میں رہتا تھا۔ ارادے کے ساتھ ہی ہر شے مل جاتی، ہر خواہش پوری ہو جاتی تھی۔ گاؤں کی زمینداری، شہر میں ملیں اور کارخانے، بنگلے اور کاریں۔ دولت، عزت اور شہرت —— میں دانش گاہ میں پڑھتا تھا۔ انگریزی ادب سے ایم۔ اے کر رہا تھا اور خوابوں اور خیالوں کی ایک پُراسرار اور خوبصورت دُنیا میں رہتا تھا۔ حُسن پرستی میری فطرت تھی اور خواب دیکھنا میری عادت۔ حُسن و محبت کے خواب، زُلفوں کے، چہروں کے، حنائی انگلیوں، نازک کلائیوں، مرمریں بانہوں، گلابی گالوں اور شرابی آنکھوں کے خواب۔ یہ خواب میری زندگی تھے۔ زندگی آنچلوں کا سایہ تھی، چلمنوں کی جُنبش تھی، چوڑیوں کا نغمہ تھی، قطرۂ شبنم، نوشگفتہ گلاب، پونم کا چاند، بے ابر بے چاند آسمان کی نیلی گہرائیوں میں چمکتا ہوا ستارہ تھی۔ زندگی نُور تھی، نغمہ تھی، بہار تھی۔ دل ابھی سلامت تھا۔ آئینۂ دل پر عکسِ رُخِ یار کا رنگ ابھی جما نہیں تھا۔ اضطراب، جوش، تجسس اور شوق کے طوفان!

خوشی کا غم سے تصادم ہوا۔ زندگی میں انقلاب آیا۔ شفیق باپ کی بے وقت موت کے غم نے مجھے غمِ کائنات سے آشنا کیا۔ دولت کی حقیقت کا علم ہوا۔ رشتے ناطوں کے خلوص کو پرکھنے کا موقع ملا۔ دُنیا کی خود غرضی [illegible] سامنے آئی۔ زندگی کی سچائی کا عرفان ہوا اور

اُس وقت مجھے شدت سے اپنے اکیلے پن کا احساس ہوا۔ اُسی زمانے میں تمنا میری دُنیا میں آئی۔ وہ میرے پڑوس میں رہتی تھی۔ کالج میں پڑھتی تھی۔ میری طرح وہ بھی یتیم تھی۔ ماحول کی خود غرضی اور تنگ نظری کا شکار۔ اُسے بھی پھولوں، چاند ستاروں، رنگوں اور خوشبوؤں سے پیار تھا۔ میری ہی طرح اُس کے دل میں بھی چاہت کی آگ روشن تھی۔ وہ بھی خواب دیکھتی تھی۔ حُسن کے، محبت کے، ایک آزاد، لازوال اور عظیم زندگی کے خواب! ہم دونوں ہی فضائے نیلگوں کی لامحدود بلندیوں میں اُڑنے والے پنچھی تھے۔ حساس، جذباتی، ضدی، آزاد رَو محبت بھرے وہ دل۔ وحشتِ دل نے اُسے اور حُسن کی چاہ نے مجھے افسانہ نگار بنا دیا تھا۔ وہ حُسن کے آسمانوں میں کوندتی ہوئی ایک بیقرار بجلی تھی اور میں عشق کا ایک بے چین سمندر تھا۔ وہ پردہ دار تھی۔ اُس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ کبھی کھل کر میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ ایک یا دو بار میں نے سرِ راہ اُس کی جھلک دیکھی تھی۔ سانولی سلونی دُبلی پتلی سنجیدہ اور پُروقار ایک دوشیزہ جس کا سراپا بجلی کی طرح کوند کر معدوم ہو گیا۔ مجھے اُس کے چہرے کے نقوش یاد نہیں رہے۔ لیکن ایک تاثر ہمیشہ خیالوں پر چھایا رہا کہ وہ مجموعی طور پر بہت حسین ہے، لاکھوں میں ایک ہے! پھر وہ میرے خوابوں اور خیالوں کی ملکہ بن گئی۔ میں نے محسوس کیا جیسے وہ میرے وجود کا ایک لازمی جُزو ہے۔ میری ہے۔ میرے لئے دُنیا میں پیدا ہوئی ہے۔ وہ اپنے افسانے مجھے دکھاتی اور میں اپنی کہانیاں اُسے بھجواتا۔ افسانوں کے آئینے میں ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھا کرتے، محسوس کرتے تھے —— اور ایک دن حرفِ مُدّعا میرے لب پر آ گیا۔ میں نے تمنا کو خط لکھا۔ اظہارِ محبت پر وہ بدگمان ہو گئی۔ اُس نے مجھے غلط سمجھا۔ میری محبت کو اپنی آزادی کے لئے خطرہ جانا۔ وہ بہت آزاد رہنا چاہتی تھی۔ بے غرض، بے لوث رفاقت کے سوا اُسے مجھ سے کچھ اور نہ چاہئے تھا۔ میری بے تابی نے مجھے رُسوا کیا۔ اُس نے مجھ سے ترکِ تعلق کر لیا۔ اظہار ایک جذبۂ معصوم کی موت کا باعث بنا۔

مُدّتوں میں افسردہ اور اُداس رہا۔ زخم بڑا گہرا تھا۔ بہت دنوں کے بعد مندمل ہوا۔ کسک مگر رہ گئی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ اُن دنوں زندگی کے کاروبار بھی اُلجھ گئے تھے۔ گاؤں کی زمینداری اور شہر کی جائیداد کے جھگڑے، عزیز رشتہ داروں سے اختلافات

## یاد

غرض کہ کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست
وہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں ——— فراق گورکھپوری

کٹے گی شبِ غم بڑی راحتوں سے
تیری یاد ہو گی ترا دھیان ہو گا ——— جگر مرادآبادی

کوئی چٹکی سی کلیجے میں لئے جاتا ہے
ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے ——— فانی بدایونی

شب وہی شب ہے دن وہی دن ہیں
جو تیری یاد میں گذر جائیں ——— حسرت موہانی

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں ——— فیض احمد فیض

مرسلہ: سید علیم اللہ، چیلد رگ، کرناٹک

عدالتی مقدمے اور خاندانی زندگی کی ذمہ داریاں۔

وقت ابرِ رواں کے سائے کی طرح گذرتا گیا۔ تمنا کی بڑی بہن کا اچانک انتقال ہو گیا۔ اللہ کو پیاری ہو جانے والی بہن کے معصوم بچوں کی زندگی ایک سوالیہ نشان بن گئی۔ بے سہاروں کا سہارا بننے کے لئے تمنا کو قربانی دینی پڑی۔ آسمان کی بلندیوں سے اُسے زمین پر آنا پڑا۔ اُس نے اپنی بہن کے شکستہ حال شوہر کو سنبھال لیا اور اُس کے بچوں کی ماں بن گئی۔ اس طرح تمنا کی شادی ہو گئی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی۔ شہر سے دُور، میرے خیالوں سے دُور ——— اور انسانوں کے سمندر میں چہروں کے ہجوم میں کہیں کھو گئی۔ میرے خیالوں کے آسمان پر یکے بعد دیگرے کئی چاند چمکے، بے شمار ستارے جگمگائے۔ کامیاب اور ناکام صد ہزار عشق کئے۔ پھر ماں کی پسند کی ایک قبول صورت بھولی بھالی وفا شعار لڑکی سے میں نے شادی کر لی اور جیسا کہ ہوتا آیا ہے شادی کے بعد میں باپ بنا، بیوی بچوں اور خاندانی زندگی کی ذمہ داریوں میں گھر کر رہ گیا۔ وہ آگ جو صدیوں سے فروزاں تھی راکھ کے ڈھیر تلے دب کر رہ گئی۔

حُسن اور محبت نے مجھے خراب کیا خوار کیا۔ مجھے آوارہ بگولہ بنا دیا۔ زندگی کے تجربات نے مجھے غم دیا، خوشی دی، آنسو دئے اور مسکراہٹوں کی دھوپ چھاؤں میں راہی گرمِ سفر رہا۔ میں نے اپنے پیاروں کو پیدا ہوتے اور مرتے دیکھا۔ دُکھ، درد، بیماری، بھوک اور بیکاری کے اندھیروں میں اُنھیں غلطاں و پیچاں دیکھا۔ انسان کو انسان کا دوست اور دشمن پایا۔ محبتوں اور نفرتوں کے طوفانوں میں گھرے ہوئے انسان کی بے بسی اور کمزوری مجھے ہمیشہ تڑپاتی رہی۔ مجھے دولت سے نفرت ہو گئی۔ بنگلوں، کاروں اور شان و شوکت کی زندگی سے میں بیزار ہو گیا۔ شوق میں ناکامی کی بدولت ہو یا دیدۂ بینا کے سبب ہو۔ میں ساری وابستگیوں، سارے ہنگاموں سے الگ ہو گیا۔ میں سب کا دوست ہوں۔ میرا کوئی دشمن نہیں۔ دُنیا میں سب کچھ رکھتے ہوئے بھی میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ایک جذبۂ دل کے سوا۔ ایک آتشِ خاموش کے سوا، جو صدیوں سے دل کی گہرائیوں میں روشن ہے!

دانش گاہ کے خاموش گوشے میں ہم دونوں یادوں کے تموّج میں ڈوب اور اُبھر رہے ہیں۔ آج بیس برس بعد زندگی میں پہلی بار ہم دونوں ملے ہیں، وقت کم ہے اور بیس برس کی یادیں بے شمار ہیں۔ بہت دیر کے بعد تمنا کی بھرّائی ہوئی آواز اُبھرتی ہے۔

"کیا آپ مجھ سے اب بھی محبت کرتے ہیں؟"

"کیا تم اُس زمانے کو بھول چکی ہو؟" جواب دینے کی بجائے میں سوال کرتا ہوں اور وہ ایکدم بوکھلا جاتی ہے۔ پھر آہستہ سے کہتی ہے۔

"اُس زمانے کی یاد میری زندگی ہے۔ اگر اُن یادوں کا سہارا نہ ہوتا تو شاید میں زندہ نہ رہ سکتی تھی۔" وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں کہتی ہے "مجھے آج تک کوئی بھی سمجھ نہ سکا... اور میں کسی کو بھی سمجھا نہ سکی کہ میں کیا ہوں۔ کیا چاہتی ہوں۔ میں بہت آزاد، بہت بے لوث رہنا چاہتی تھی اور بے لوث اِس دُنیا سے گزر جانے کی آرزومند بھی تھی..." وہ رُک کر کہتی ہے "کسی کو سہارا دے کر میں خود بے سہارا ہو گئی ہوں!"

"تم نے میرا دل توڑا ——— مجھے اب بھی یاد ہے!" میں درد بھری آواز میں کہتا ہوں "میں نہیں پوچھوں گا تم سے کہ تم نے کیوں میرا

دل توڑا ـــــ ہاں۔ میں نے اُس زمانے میں جو سوچا تھا ٹھیک ہی سوچا تھا۔۔۔ ہم ایک ہو کر رہ سکتے تھے اور شاید بہت خوش رہ سکتے تھے۔"

"میں نے انجانے میں آپ کا دل توڑا۔۔۔ اور اس کی سزا پائی۔" وہ رُندھی ہوئی آواز میں کہتی ہے۔ "آپ سے جُدا ہو کر مجھے آپ کا خیال آیا۔ میری رُوح ایک گھائل ہرنی کی طرح وقت کے جنگل میں بھٹکتی رہی۔ آپ کو ڈھونڈتی پکارتی رہی۔۔۔ میں آپ کو جانتی تھی پہچانتی نہیں تھی۔ نادانستگی میں مجھ سے جُرم سرزد ہو گیا۔ قانون بنا اور جب مجھے اپنے جُرم کا احساس ہُوا تو میں مر گئی ـــــ"

"سنو تمنّا ـــــ!" میں جذباتی سے کہتا ہوں۔ "میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اب بھی مجھے تم سے محبت ہے۔ بیس برس پہلے جو جذبہ دل میں تھا، وہ خام تھا۔ جُدائی کی آگ میں تپ کر وہ جذبہ خام نہیں رہا۔ تم سے میری شادی نہیں ہوئی۔ مجھے دُکھ ہوا۔ لیکن دُنیا میں کوئی انقلاب نہ آیا۔ تم نے اور میں نے اب حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے اور جی رہے ہیں۔"

"آپ میرے دل کی حالت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔" وہ تڑپ کر کہتی ہے۔ "میں اب تک حالات سے سمجھوتہ نہیں کر سکی ہوں۔ میں نے محبت کو ٹھکرایا اور آج بیس برس سے محبت کے لئے ترس رہی ہوں۔ مجھے بیس برس کا بن باس مِلا۔ میں مُسلسل جلتی سُلگتی رہی ہوں۔" وہ نڈھال سی ہو کر سیاہ آبنوسی میز پر سر ٹیک دیتی ہے۔ "مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھے میرا سکون، میرا قرار لوٹا دیجئے۔"

ایک لمحہ کے لئے میں چکرا جاتا ہوں۔

"میں واقعی سنکسیر کا درخت ہوں تمنّا! میرے اندر آگ کا ایک بیکراں سمندر موجیں مار رہا ہے۔ لیکن میں آگ، پانی اور ہوا پر قابو پا چُکا ہوں۔ میں جو پہلے تھا وہ اب نہیں رہا ہوں۔" لیکن میں آہستہ سے کہتا ہوں۔ "الفاظ اور اصطلاحوں کا مفہوم بدل چُکا ہے تمنّا! کھونے اور پانے کے تصوّر سے بے نیاز ہو کر سوچ سکو تو یقیناً تم مجھے خود سے بہت قریب پاؤ گی اور میں۔" میری آواز دانش گاہ میں گُونج رہی ہے۔ "میں اب جسم نہیں ہوں۔ صرف رُوح بھی نہیں ہوں۔ میں کائنات کے ذرّہ ذرّہ میں جاری و ساری ہوں۔ ہر موجود میں اپنا وجود رکھتا ہوں۔ مجھے سمجھو۔ مجھے اب تو پہچان لو!"

تمنّا حیرت سے مجھے دیکھ رہی ہے۔ اُس کے جھکے تھکے سے پژمُردہ اور اُداس چہرے پر آنسوؤں کی نمی چمک رہی ہے۔ اُس کے پتلے پتلے خوبصورت ہونٹ لرز رہے ہیں۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں ایک سیلاب سا اُمڈ آیا ہے۔ وہ اِس وقت محبت اور معصومیت کی تصویر بن گئی ہے۔

"ہاں۔ میں نے پہچان لیا۔ میری رُوح کے ستارے! میرے آسمانِ وجود کے سُورج! میں نے آپ کو پہچان لیا۔۔۔" وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی ہے۔

"سُورج مجھے روشنی دو ـــــ روشنی دو ـــــ روشنی دو ـــــ!!"

تمنّا کی درد بھری آواز سے دانش گاہ کے در و بام گُونج رہے ہیں ـــــ

"سُورج مجھے روشنی دو ـــــ!"

اور میں حیرت اور حسرت سے سوچ رہا ہوں میں سنکسیر کا ایک درخت ہوں کہ ایک سُورج ـــــ!!

## شبِ وصال

آفت ہیں کمسنی کی ادائیں شبِ وصال
کیسے وہ خوش ہیں ہاتھ سے میرے چھڑا کے ہاتھ ـــــ ریاض خیرآبادی

شامِ شبِ وصال مری بیقراریاں
اُن کا دبی زبان سے کہنا ابھی نہیں ـــــ " "

وصل کی رات اور اتنی مختصر
دن گنے جاتے تھے اِس دن کے لئے! ـــــ امیر مینائی

باہم شبِ وصال کے لوٹے ہیں وہ مزے
وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں! الٰہی سحر نہ ہو! ـــــ ریاض خیرآبادی

کیا قیامت ہے شبِ وصل خموشی اُس کی
جس کی تصویر کو بھی ناز ہے گویائی کا! ـــــ " "

مرسلہ: منصور احمد منظری۔ ٹانڈہ۔ فیض آباد۔ یو۔پی

"بیسویں صدی" کو ہم نے کبھی اشتہاروں کا پلندہ نہیں بنایا۔ اِس میں ۲۰ م اور بوگس قِسم کے وہ اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے جن کا مقصد خریداروں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا ہوتا ہے۔


یونٹ خریدیں اور
ساتھ ہی بیمہ کا فائدہ اٹھائیں
1972-73ء
اسکیم سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد: 1312
کاروبار کی رقم: ایک کروڑ 7 لاکھ روپے
1971-72ء
اسکیم سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد: 503
کاروبار کی رقم: 41 لاکھ روپے
فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد ایک سال میں دوگنا ہوگئی۔
لیکن یہ اسکیم اس قدر فائدہ مند ہے کہ اگر یہ تعداد 20 گنا سے
بھی زیادہ ہو جاتی تو کوئی حیرانی کی بات نہ ہوتی۔
یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا
بمبئی • کلکتہ • نئی دہلی •

# ساحل

پروین صبابی۔ اے
معرفت۔ فاروق اعظم، محلہ مقربی۔ چندوارہ۔ مظفر پور نمبرا (بہار)

بھائی جان! خلوص فراواں

"یادوں کی میٹھی سی چادر" کی پسندیدگی کا شکریہ۔ مزید شکریہ آپ کی محبت آپ کی شفقت اور آپ کی عنایتوں کا!

کرتا ہے سازِ دل کا ہر ایک تار شکریہ
تو تو زباں سے آپ کا سو بار شکریہ

لیکن میں آپ کا شکریہ ہی کیوں ادا کروں۔ شکریہ تو غیروں کا ادا کرتے ہیں۔ آپ تو اپنے ہیں بالکل اپنے ——— لیجئے افسانہ نمبر کے لئے ایک بے حد خوبصورت سی کہانی "ساحل" حاضر خدمت ہے۔ اُمید ہے آپ کو اور قارئین "بیسویں صدی" کو یہ کہانی پسند آئے گی۔ آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔

آپ کی بہن ——— پروین صبابی

★

وقت کی لہریں انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں کہ بس دیکھتے ہی دیکھتے یادوں کے کومل، کومل پھول وقت کے بے درد دھاروں میں بہہ جاتے ہیں اور وہ بے بس ہو کر دور کے ساحل پر کھڑا حسرت سے دیکھتا رہ جاتا ہے۔

جس رات آسمان نیلگوں ہوتا اور چودھویں رات کا چاند مسکراتا ہوا آسمان کی بے کراں وسعتوں میں ڈولنے لگتا وہ بے چین ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکل آتی اور برآمدے میں اندھیرا کر دیتی اور رات گئے تک چاند کو دیکھتی رہتی اور سفید چاندنی میں مدہوشی امرودوں اور اناروں کے درختوں کی طرف اُجلی ٹھنڈی فضاؤں کی طرف اور کبھی کبھی جھک کر امرودوں اور اناروں کی ہری بھری شاخوں پر سر رکھ [illegible] چاندنی میں نہائے ہوئے ٹھنڈے [illegible] وادی میں پہنچ جاتی [illegible] پاکیزہ اور خوبصورت وادی میں ——— اور پھر اُس کی سانس تیز ہو جاتی اُس کے احساسات میں شعلے لپکنے لگتے اور اُس کے دل میں آندھیاں سی چلنے لگتیں اور پھر وہ ساری رات سسکتی رہتی۔

خواب چاہے کتنے ہی حسین کیوں نہ ہوں پھر بھی خواب ہی ہیں۔ اُن کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ خوابوں کے جال ٹوٹتے دیر نہیں لگتی اور جب حقیقت کے چہرے سے پردہ سرک جاتا ہے اور انسان خوابوں کی دنیا سے نکل جاتا ہے تو بہت مایوسی ہوتی ہے۔

یہ مرد لڑکیوں کو بدنام کر دیتے ہیں اور لڑکیاں بے چاری مرد کی بنائی ہوئی اِس دنیا میں بے بس اور لاچار ہوتی ہیں۔

نسرین بھی اُنہیں لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ اُس کے بھی سہانے خواب تھے جو ہر کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں ناچتے ہیں۔ وہ خواب دیکھتی اور چاند تاروں کی دنیا میں پہنچ جاتی۔ وہ ایک [illegible]

دیکھ سکتی تو پھر وہ سارا منظر دیکھنے لگتی۔ پھر اُس کے ذہن کی آنکھوں کے سامنے تین تصویریں اُبھرتی ہیں اور تینوں ایک دوسرے میں مدغم ہو گئیں۔ اِن تین تصویروں نے کبھی اُس کی زندگی میں ہلچل سی مچادی تھیں۔ برسات کی دھوپ کی طرح پھر وہ اُن بادلوں میں چھپ گئے۔ اُن کی زندگی بُلبلوں سے زیادہ نہ تھی۔ بُلبلے تو یونہی پیدا ہوتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔

اُس کے تصور کی دنیا اتنی اونچی، اِتنی کومل اور اتنی انمول تھی کہ اُس میں کوئی بہت دنوں تک رہ ہی نہ سکا۔ وہ سوچتی کیا وہ آدمی پیدا نہیں ہوا جو اُس کا جیون ساتھی بنے۔ لاکھوں طوفان آئے اور گزر گئے۔ لوگوں کی نگاہ میں وہ بہت خشک اور بد دماغ تھی۔ زمین پر

---

- ایمان والو! اپنے معاہدات پُورے کرو۔ (قرآنِ پاک)
- نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بُروں کی صحبت بُرے کام سے بدتر ہے۔ (حضرت بایزید بسطامیؒ)
- خُلق چار چیزوں کا نام ہے۔ سخاوت، نصیحت، محبت اور شفقت۔ (حضرت جنید بغدادیؒ)
- جو شخص مُروّت سے خالی ہے، اُس کی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔ (حضرت داؤد طائیؒ)
- سب سے بہتر وہ دل ہے جس میں ہمیشہ خُدا کی یاد رہے۔ (حضرت ابوالحسن خرقانیؒ)

---

رہ کر آسمانوں کی باتیں کرتی ہے۔ دن گزرتے رہے اور وہ یونہی بادلوں کے دوش پر اُڑتی رہی۔

اور پھر ایک دن کالج میں اُسے ایک نوجوان ملا، اُس دن گھٹائیں جھوم کر اُٹھی تھیں اور آسمان دُھندلا گیا تھا۔ وہ کالج کے برآمدے میں کھڑی اپنی ماں کا انتظار کر رہی تھی۔ اچانک ٹھنڈی ہواؤں میں گھُل کر ایک آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"آپ ہی نسرین ہیں؟"

"جی ہاں"

"آپ کی امّی جان آپ کو تلاش کر رہی ہیں۔"

اُسے ایسا محسوس ہوا وہ بدلیوں سے ڈھک گئی ہے۔ اُس نے چونک کر دیکھا ایک دُبلا پتلا نوجوان اُس کے سامنے کھڑا ہے۔ بال ہوا سے پریشان تھے۔ لیکن اُس کے چہرے پر سکون ہی سکون تھا۔ ٹھہراؤ ہی ٹھہراؤ تھا۔ اِتنے سادے لباس میں اِتنا جاذبِ نظر اُس نے کسی نوجوان کو نہ دیکھا تھا۔

وہ چلا گیا، لیکن کہاں گیا، اُسے محسوس ہوا کہ وہ اُس کی آنکھوں کی راہ سے اُس کے دل میں سما گیا اور اُس کے دل میں ایک آگ سی لگا گیا۔ یہ شاید وہی تھا جس کا اُسے صدیوں سے انتظار تھا۔ وہ کتنا اچھا ہے کتنا پیارا ہے! اُسے محسوس ہوا دنیا کی ساری خوبصورتی اُس میں سمٹ آئی ہے۔

وہ دن نسرین کی زندگی کا سب سے خوبصورت دن تھا۔ وہ ہزاروں رعنائیوں میں کھوئی برآمدے میں بیٹھی کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی کہ اچانک وہ نوجوان اُس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ نسرین نے اُس کی آنکھیں دیکھیں جن میں زندگی کے روشن چشمے خشک ہو چکے تھے۔

"کل سے میں آپ کو پڑھانے آیا کروں گا۔ یہ آپ کی امّی جان کا حکم ہے۔" اُس کا لہجہ سادہ تھا۔

اچانک نسرین کے افسردہ دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اُس کا دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ جیسے کوئی بھولا ہوا راہی تاریک طوفانی رات کو چلتے چلتے اچانک دُور جھلملاتی ہوئی روشنی دیکھ لے اور خوشی سے سرشار ہو کر جھوم اُٹھے۔

شام ہوتے ہی وہ انتظار کی شمع کی لو تیز کر دیتی اور جب وہ آتا اُس کے چہرے پر مسرت کا نور پھیل جاتا۔ اُس کے آنے کا انداز، اُس کی آنکھوں کی رنگینی شرارت، سانسوں میں پیار کی خوشبو اور ہونٹوں پر دلآویز مُسکراہٹ نسرین کے سارے وجود پر چھا جاتی۔ اُس کا ساتھ پھولوں کا ساتھ اُس کی بات پھولوں کی بات معلوم ہوتی۔ دن، مہینے اور سال اُس کی خوبصورت بانہوں کے جھولے میں گزر گئے۔ وہ بہت سے خوبصورت دن اور راتوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جب وہ اپنے ہونٹ اُس کی خوبصورت پیشانی پر رکھ دیتا تو اُس کا دل چاہتا یہ لمحہ جاوداں ہو جائے۔ [illegible] اُس کی اپنی دنیا تھی۔ تمناؤں کی جنت تھی۔ اُس کے گھر کی [illegible] تو اور بھی حسین تھی۔ ماں باپ بھائی بہن کا پیار کتنی [illegible]

اُس کا چھوٹا سا بھائی جاپانی گڈے کی طرح پیارا سا شہلو جس میں دنیا بھر کے بچوں کی معصومیت اور شوخی سمائی ہوئی تھی اور اُس کی چھوٹی بہن شبی جس میں بھرتوں کی شوخی اور بادلوں کا الھڑ پن تھا۔

"ہم لوگ اِسے ڈاکٹر بنائیں گے! انور تم میری مدد کرو گے نا؟"

"ہاں نسرین! تمہاری خواہش کا میں ہر قدم پر ساتھ دوں گا!"

"ہمارا بھی ایک چھوٹا سا گھر ہو گا جس میں چمبیلی اور رات کی رانی کے پودے میں اپنے ہاتھ سے لگاؤں گی۔"

"اور ہمارے تین بچے ہوں گے نسرین!"

"ابھی نہیں!" وہ خفگی سے بولی۔

"تو پھر کب"؟

"ہماری ایک لائبریری ہو گی جس میں میری اور تمہاری پسند کی کتابیں ہوں گی ——— ایک ڈائننگ ٹیبل ہو گا۔"

"جس پر تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی بدمزہ ترکاری ہو گی!"

"کیوں ستاتے ہو مجھے بنانے دو نا" وہ منہ پھلا کر بولی۔

"اچھا بھئی بتاؤ"

"وہ چائے کی گھومنے والی میز جس پر ہم اور تم بیٹھ کر چائے پئیں گے اور صحن میں پام کے پودے لگائیں گے۔"

"تم نے بیڈ روم کے بارے میں تو بتایا ہی نہیں ہمارا بیڈ روم کیسا ہو گا؟"

"ہمارا بیڈ روم نیلے شیڈ کا ہو گا جس کے دروازے پر نیلے رنگ کا پردہ ہو گا۔"

"پھر کتنی سہانی نیند آئے گی نسرین ڈارلنگ! رات کی رانی کی خوشبو ہوا میں بسی ہوئی آئے گی۔"

"کاہل کہیں کے تمہیں صرف سونے سے مطلب ہے!"

"ارے بابا ناراض کیوں ہوتی ہو۔ لیکن تمہارا بچوں کے بارے میں کیا پروگرام ہے ابھی تک نہیں بتایا۔"

"تمہیں بچوں کی بڑی فکر ہے۔"

"بچے ہی تو گھر کی رونق ہیں۔"

"مطلبی کہیں کے!"

"اچھا بابا بچے نہ ہوں گے۔"

"نہ ہوں گے؟"

"پھر کتنے ہوں گے؟"

"ایک!"

"نہیں دو!"

"نہیں ایک!"

"بڑی بخیل ہو!"

دن گزرتے رہے، وقت گزرتا رہا۔

---

- ایک اچھی کتاب سلیم الفطرت انسان کے لئے بہترین سرمایہ ہے۔ (ملٹن)
- ضرورت بہترین معلّم ہے۔ (لانوف)
- شہرت خالی بُلبُلا اور سونا چمکتی مصیبت ہے۔ (جیمس گرینر)
- نیک نامی انسانیت کا زیور ہے اور رُوح میں بسی ہوئی خوشبو۔ (شیکسپیئر)
- مزدور کا دل خوش ہوتا ہے تو وہ زیادہ کام کرتا ہے۔ (شیخ سعدیؒ)

---

وہ اپنے خوبصورت خوابوں کی دنیا میں جھولا جھول رہے تھے کہ ایک دن ارمانوں کی ڈوری ٹوٹ گئی اور وہ دھم سے زمین پر آگرے!

"مجھے انور سے تمہارا ملنا جُلنا بالکل پسند نہیں۔ اگر تم نے اُس سے شادی کی تو میں یہ شہر چھوڑ دوں گا!" نسرین کے والد گرجے۔

"لیکن انور ایک ہونہار لڑکا ہے ڈیڈی۔ آخر اُس میں کیا کمی ہے؟" نسرین تیکھی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔

"تم اُسے پیار کی آنکھوں سے دیکھتی ہو اور پیار اندھا ہوتا ہے۔ وہ ہمارے خاندان کے قابل نہیں۔"

"لیکن ڈیڈی ہمیں اُس کے خاندان سے کیا لینا ہے اور پھر

[illegible] انور کا کیا قصور ہے؟"

"اُس کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ اُس نے اُس گھر میں جنم لیا۔ تمہاری عقل اتنی باریک نہیں کہ تم اُسے سمجھ سکو۔"

اور اُس کے تصور کا چاند ہی نہیں سورج بھی گہنا گیا۔ خوابوں کا گھروندا ٹوٹ پھوٹ گیا۔ وہ گم سُم کھڑی اپنے چاروں طرف گھِرے ہوئے اندھیرے کو دیکھتی رہی اور راہ پھیلی ہوئی وسیع کائنات! وہ سوچے جا رہی تھی جیسے آج کے بعد پھر کبھی نہ سوچے گی۔ پھر بھی اُس کا عزم راسخ تھا۔ اُس کے پاؤں میں لغزش نہ آئی تھی۔ وہ انتظار کرتی رہی اُسی شہزادی کی طرح جسے محل میں قید کر دیا گیا ہو جسے یقین ہو کہ ایک دن اُس کا شہزادہ آئے گا اور اُسے اِس قید سے نکال لے جائیگا۔

لیکن وہ اِس سے کترانے لگا۔ اُس نے نسرین کے سامنے آنا چھوڑ دیا۔ جان بوجھ کر موڑ آف کئے رہتا۔ ہر دم خاموش خاموش اور بجھا بجھا رہتا۔ تب اُسے عجیب سا احساس ہوتا۔ وہ انور کے چہرے سے بھانپ گئی کہ اُس کا جسم لکڑی کا ہے اور دل پتھر کا! اِس میں پیار کے جذبات موجزن نہیں ہو سکتے۔ لیکن نسرین کا دل بھی عجیب ہے جو انور کی سرد مہری پر یقین نہیں کرتا۔ کچھ انسان عجیب ہوتے ہیں، ناریل کی طرح اوپر سے سخت خشک لیکن اندر سے نرم شیریں اور [illegible] ہیں۔ نسرین کو ایک بار وہ اپنے کاندھے کا سہارا دے دے تو اُس کے ساتھ ساری زندگی وہ لمبے سُنسان، اور خطرناک راستے پر چلتی جائے گی، کبھی نہ تھکے گی۔

لیکن ایک دن وہ اِس سے ملے بغیر ہی چلا گیا۔ [illegible]

لیکن اب بھی اُس کی آنکھوں میں انور کا انتظار ہے۔ اُسے یقین ہے ایک دن ضرور آئے گا! پھر محبت کی سوکھی ہوئی ٹہنیوں میں نئی کونپلیں پھوٹ نکلیں گی اور زندگی کے تاریک راستے پھر روشن ہو جائیں گے۔

اور پھر ایک دن اُسے یوں معلوم ہوا انور آیا ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی بالکونی میں گئی۔ انور ایک خوبصورت عورت کے ساتھ کار سے اتر رہا تھا اور تین پھول سے نازک، نازک بچے پرشکوہ میں [illegible] مسکرا رہے تھے اور نسرین کی اُمید کا سورج اچانک بدلیوں میں چھپ گیا۔ اُس کے دل میں دُھواں سا اُٹھا جیسے کھیل ختم ہو گیا۔ انتظار کی مالا ٹوٹ گئی۔ سب موتی ایک ایک کر کے بکھر گئے۔ شاید زندگی کے طوفان میں اب اُس کے سامنے کوئی ساحل نہیں!۔

---

# غزل

مسز مبارک مریم

دلِ غمگین غم کھا کر بُرا ہے یوں بکھر جانا
ذرا تو حوصلہ رکھ سیکھ تپ تپ کر نکھر جانا

بتا اے جستجو تے دل یہ کس منزل پہ لے آئی
سمجھ میں اب نہیں آتا کہ ہم کو ہے کدھر جانا

اگر حاصل نہ ہوتی ہمنوائی تیری اُلفت کی
تو ناممکن تھا ہر مشکل سے یوں ہنس کر گزر جانا

بہت ہی پیار سے سُلجھا کے تم نے اُن کے ہر خم کو
مری اُلجھی ہوئی زُلفوں کو سکھلایا سنور جانا

نہاں خانے میں ہیں محفوظ دل کے جو حسیں یادیں
اُنہی کو ہم نے راہِ زندگی کا ہمسفر جانا

نہ جانے انتہائے شوق میں تھی بیخودی کیسی
کہ راہِ پُر خطر کو بھی تو ہم نے بے خطر جانا

دمِ آخر بھی گر وعدہ نبھانے کو وہ آجائیں
تو پھر اے عمرِ فانی چند لمحوں کو ٹھہر جانا

پریشاں دیکھ کر مجھ کو نمی تھی اُن کی آنکھوں میں
دلِ مضطر بتا کیا تو نے اُلفت کا اثر جانا

نہ جانے کون سے جذبے کی یہ تاثیر تھی مریم
نہیں آسان ہوتا ہے کسی دل میں اُتر جانا

مبارکہ مریم

# غزل

آزاد گورداسپوری بی، اے

مُجلے ترے نازک ہیں گلِ تر سے زیادہ
چُبھتے ہیں مگر دل میں یہ نشتر سے زیادہ

جنت کی حقیقت مجھے معلوم ہے واعظ
پُر کیف نہیں کوچہٗ دلبر سے زیادہ

دیوانہ اُسے موم بنانے کو چلا ہے
دل سخت ہے جس شخص کا پتھر سے زیادہ

پُر ہول فضا گو ہے بیاباں میں بھی لیکن
پُر ہول نہیں پھر بھی مرے گھر سے زیادہ

رندی کی قسم کھا کے یہ کہتا ہوں میں ساقی
آنکھیں تری پُر کیف ہیں ساغر سے زیادہ

زینت بنے دامن کی جو اقرارِ گنہہ پر
کچھ قدر اُن اشکوں کی ہے گوہر سے زیادہ

میرے ہی لئے دشمنِ آرام بنا ہے
مانوس تھا میں ہی دلِ مضطر سے زیادہ

آزاد سخن سنج تو سب بنتے ہیں لیکن
محتاط نہیں کوئی بھی نو مشق سے زیادہ

آزاد گورداسپوری

# کیا آپ کی نظر میں یہ حقائق قابلِ تعریف ہیں؟

(1) 1970 - 71ء میں ہریانہ میں اناج کی پیداوار بڑھ کر 47 لاکھ 71 ہزار ٹن تک پہنچ گئی جبکہ اِس راجیہ کی تشکیل کے وقت اناج کی پیداوار 26 لاکھ ٹن تھی۔

(2) راجیہ کے آبپاشی رقبہ میں چار لاکھ ایکڑ کا اضافہ ہُوا ہے۔ 1967 - 68ء میں آبپاشی رقبہ 33 لاکھ 57 ہزار ایکڑ سے بڑھ کر 37 لاکھ 16 ہزار ایکڑ ہو گیا۔

(3) راجیہ کے تمام دیہات کو بجلی کی سہولت میسّر آگئی ہے۔ مُلک بھر میں ہریانہ ہی ایک ایسا راجیہ ہے جسے یہ امتیازی مقام حاصل ہے۔ مئی 1968ء تک کُل 1262 دیہات کو بجلی کی سہولت میسّر تھی۔ باقیماندہ دیہات کو نومبر 1970ء تک یہ سہولت میسّر کر دی گئی۔

(4) 1968ء سے اب تک ہریانہ روڈ ویز بسوں کی تعداد میں تین گُنا اضافہ ہُوا ہے۔ مئی 1968ء میں یہاں بسوں کی تعداد 567 تھی جو اب بڑھ کر 1571 ہو گئی ہے۔

(5) راجیہ کے ساٹھ فیصد دیہات کو پُختہ سڑکوں کے ساتھ مِلا دیا گیا ہے۔ مئی 1968ء تک ایسے دیہات کی تعداد صرف 1500 تھی جبکہ اب یہ تعداد بڑھ کر 4200 ہو گئی ہے۔

(6) راجیہ میں رجسٹرڈ شُدہ صنعتی یونٹوں کی تعداد بڑھ کر دو گُنا ہو گئی ہے۔ 1967-68ء میں ایسے یونٹوں کی تعداد 4598 تھی جبکہ اب یہ بڑھ کر 13418 ہو گئی ہے۔

(7) راجیہ میں امدادِ باہمی کے اداروں کی طرف سے دیئے جانے والے قرضہ جات میں 300 فیصد کا اضافہ ہُوا ہے۔ 1967-68ء میں دیئے گئے قرضہ جات کی کُل رقم دس کروڑ 31 لاکھ روپے تھی جو کہ اب بڑھ کر 39 کروڑ 38 لاکھ روپے ہو گئی ہے۔

(8) ہریانہ ہی مُلک بھر میں ایسا راجیہ ہے جہاں زراعتی اصلاحات رائج کی گئی ہیں۔

(9) مئی 1968ء تک راجیہ میں ایسے دیہات جن کو پینے لائق پانی کی سہولت میسّر تھی، کی تعداد محض 203 تھی۔ اب 491 مزید دیہات کو یہ سہولت مہیا کی گئی ہے۔

## ہریانہ ——— عزم و عمل کی سرزمین

جاری کردہ:- ڈائرکٹر محکمۂ تعلقاتِ عامّہ، ہریانہ

DPR (43-D)(74)

# ناخلف بیٹا

فکر تونسوی

اور پھر یوں ہُوا کہ قضا و قدر نے وزیر کے گھر میں بیٹا پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ فیصلہ ہی کے مطابق وہ مُنہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہُوا اور سونے کے چمچے پر کسی کو حیرت نہ ہوئی ـــــ اور اُسی دن وزیر کے مالی کے گھر بھی بیٹا پیدا ہوا۔ اُس کے مُنہ میں ٹین کا چمچہ تھا اور ٹین کے چمچے پر کسی کو حیرت نہ ہوئی۔

قضا و قدر نے سونا اور ٹین پیدا کئے تھے تو اُن کا کوئی مقصد تھا۔

وزیر نے راج جیوتشی کو یاد فرمایا اور اُسے حُکم دیا "ہمارے بیٹے کے ستاروں کو گرفت میں لے کر اس کا زائچہ تیار کرو۔"

راج جیوتشی نے ستاروں کو کاغذ پر قلم بند کر لیا اور عرض کیا۔

"حضور! مُبارک ہو! آپ کا فرزندِ ارجمند نہایت نیک سیرت بنے گا۔ منکسر مزاج اور عجز و ایمان کا مجسمہ ثابت ہوگا۔"

وزیر نے باتھ رُوم میں جا کر چوری چھپے ماتھے پر دو ہتڑ مارا اور کہا "ہائے! گویا یہ خاندان کی بہترین روایات کو توڑنے والا ثابت ہوگا۔ آہ! بیٹا تو ناخلف معلوم ہوتا ہے۔"

اور پھر یوں ہُوا کہ وزیر کا بیٹا نوجوان ہو گیا۔ لیکن عجز و انکسار کا مجسمہ تھا۔ اِس لئے اُسے اپنے شباب کا علم نہ ہُوا۔ اُس کی ایک کلاس فیلو کالجیٹ لڑکی نے کچھ دیر انتظار کیا۔ لیکن آخر ایک دن اُس کے ضبط کا دامن تار تار ہو گیا اور اُس نے آ کر وزیر زادے کو اطلاع دی ـــــ

"جنابِ عالی! آپ جوان ہو گئے ہیں!"

"آپ بجا فرماتی ہوں گی۔" وزیر زادہ کسی کا دل نہیں دُکھانا چاہتا تھا۔

"بے شک آپ کے اب جوان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب آپ کو مجھ سے عشق کرنا ہوگا!" یہ کہہ کر ناز و انداز لڑکی نے سر بسجدہ ہو کر حُکم دیا۔

"ہی ہی ہی!" وزیر زادے نے مجبوراً تبسم فرمایا۔

"ہی ہی ہی! تو میں آج شام کو آپ کی کوٹھی کے پائیں باغ میں رومانس لڑانے کے لئے حاضر ہو جاؤں گی۔ تیار رہئے گا!"

"جو حُکم! لیکن دیکھئے نا، کیا رومانس ابھی ... میرا مطلب ہے کیا اِس سے پہلے میں کورس کی اسٹڈی نہ کر لوں۔ سالانہ امتحان ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو دے ڈالوں۔ ہی ہی ہی!"

"ہی ہی ہی! (یعنی نان سینس!) میرا مطلب ہے سٹڈی اور امتحان وغیرہ وزیر کے بیٹے کو زیب نہیں دیتے۔ یہ نچلی سطح کے کام عوام کے لئے چھوڑ دئے گئے ہیں۔"

لیکن امتحان کی یہ فلاسفی قدرے گہری تھی۔ اِس لئے نیک سیرت وزیر زادے کی سمجھ میں نہ آئی اور اُس نے سالانہ امتحان دے ڈالا۔

جس وقت وہ اپنی کوٹھی کے پائیں باغ میں بیٹھا تھا اور حسینہ نمبر تین اُس سے رومانس لڑا رہی تھی تو ایک دم اُس کے کالج کا پرنسپل نمودار ہُوا۔ وہ دست بستہ نمودار ہُوا۔ وزیر کے بیٹے کو اچانک یاد آیا کہ وہ وزیر زادہ نہیں، شاگرد بھی ہے۔ اُس نے اپنی اِس دُوسری پوزیشن کے زیرِ تحت شرمندہ ہو کر کہا "آپ نے غریب خانے پر کیوں زحمت گوارا فرمائی۔ مجھے حُکم دے کر بُلا لیتے، حاضر ہو جاتا۔"

لیکن پرنسپل نے اُسے مزید شرمندہ ہونے کا موقع دینا مناسب نہ سمجھا اور کہا "شاگردِ حضور! میں آپ کو ایک نامناسب اطلاع دینے کی گستاخی کرنے آیا ہوں۔"

"گستاخی معاف کی جاتی ہے۔" وزیر زادے نے بغیر ایک لفظ بولے کہا۔

"عرض یہ ہے کہ آپ سالانہ امتحان میں فیل ہو گئے ہیں۔"

پرنسپل صاحب! میں فیل ہو گیا ہوں۔ میں نے آپ کو رسوا کیا۔ شاید میں نے سنجیدگی سے سٹڈی نہیں کی۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں آئندہ سال امتحان دینے کا چانس حاصل کر سکوں؟"

"نہ نہ برخوردار! اس تکلف کی کیا ضرورت ہے!" پرنسپل صاحب نے اپنے اختیارات کی بلند چوٹی پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ "میں ایسا سنگ دل اُستاد نہیں کہ آپ ایسے ہونہار اور ذہین فہم نوجوان کا ایک اور بیش قیمت سال ضائع کر دوں۔ کیونکہ یہ آپ کے مستقبل کا سوال ہے اور آپ کا مستقبل پوری قوم کا مستقبل ہے! مجھے یونیورسٹی کے ڈائرکٹر کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ امتحان کے دنوں میں آپ کو کھانسی کی شکایت تھی اور میرے خیال میں رپورٹ اور شکایت دونوں صحیح ہیں۔"

"ہاں میں تاریخ کا پرچہ ہاتھ میں لیتے ہی ایک مرتبہ کھانسا ضرور تھا۔"

"ہوں! میں تاریخ کا پروفیسر ہونے کے ناطے کہہ سکتا ہوں کہ یہ تاریخ ساز کھانسی تھی۔ اِس لئے میرا فیصلہ یہ ہے کہ آپ دو چار ہفتوں تک جب بھی آپ کو فرصت ہو ایک بار پھر سالانہ امتحان دے دیجئے اور پھر انشاءاللہ۔۔"

پرنسپل ـــــ انشاءاللہ اور ڈیموکریسی دونوں میں یقین رکھتا تھا اور یقین کی اِس سپرٹ کی اطلاع اُس نے اپنے پرسنل اسسٹنٹ کی معرفت وزیر صاحب تک پہنچا دی تاکہ وہ بھی دوبارہ امتحان لینے کی (زبانی ہی سہی) اجازت دے دیں۔ وزیر نے اپنے پرسنل اسسٹنٹ سے کہہ دیا کہ رولز اینڈ ریگولیشنز کے مطابق اجازت دے دی جائے۔ پرسنل اسسٹنٹ رولز اینڈ ریگولیشنز کو وزیر کی نسبت زیادہ جانتے تھے۔

رولز کے مطابق عمل کیا گیا اور وزیر کا بیٹا یونیورسٹی میں اوّل پوزیشن پر پاس ہو گیا۔ نتیجہ اُسی دن نکالا گیا جب وزیر کے بیٹے کا جنم دن تھا۔ یونیورسٹی میں کیلنڈر کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ پاس ہونے اور جنم دن کی ڈبل خوشی میں انجمن شہنائی بازاں نے مفت شہنائیاں بجائیں۔ بلکہ شہنائیوں کی تعداد بھی ڈبل کر دی۔ وزیر نے انجمن کے سکریٹری کو پدم شری بنوانے کا وعدہ کر لیا۔

اور پھر مُبارکباد دینے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ وزیر نے سب کو کیٹو (Q ...) میں مُبارکباد دینے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ وزیر صاحب ڈیموکریسی اور ڈسپلن کے بڑے قائل تھے کیونکہ (....) میں سب سے پہلے مُبارکباد دینے والوں میں پرنسپل صاحب تھے۔ ایک نوجوان جمع ادھیڑ عمر شاعر نے ایک مدحیہ قصیدہ تحریر کیا اور ایک سو ایک روپیہ خرچ کر کے اُسے فریم میں جڑوا کر پیش کیا۔ لیکن ایک دوست نے شاعر مذکور کو سرگوشیانہ لہجے میں بتایا قصیدے کے صرف پچاس فیصدی اشعار وزن کے اعتبار سے دُرست تھے۔ اِس لئے آپ کے پدم شری بننے کا چانس پچاس فیصدی ہے۔ البتہ نقد انعام ضرور مِل سکتا ہے۔

تین دن بعد اُس کے پاس اکیاون روپے کا منی آرڈر پہنچ گیا۔

ساری سٹیٹ کے اخباروں نے وزیر زادے کے قدِ آدم فوٹو طمطراق سے شائع کئے۔ اُن دنوں طمطراق کا عام رواج تھا۔ اُن میں سے کئی اخبار اپنے آپ کو باوقار بھی کہتے تھے۔ کئی سبھا سوسائٹیوں نے وزیر زادے کے اعزاز میں کاک ٹیل پارٹیاں نوش جان فرمائیں اور اُس کے جامِ صحت ٹکرانے کی رپورٹیں وزیر صاحب کو ارسال کیں ـــــ کالج سٹوڈنٹس یونین نے کلاس رُوم کے شیشے توڑ کر ایک ہفتے کے لئے یونیورسٹی بند کروا دی تاکہ ہفتے بھر کا جشن منایا جا سکے۔ اِس جشن کے سلسلے میں غنڈوں اور ہپی برانڈ حسیناؤں کو شامل ہونے پر اُکسایا گیا۔ شہر کی پندرہ لوکل بسیں پھونک ڈالی گئیں اور تین چار حسیناؤں نے ایک ایک فرلانگ تک برہنہ ہو کر دوڑ لگانے کے مظاہرے کئے اور داد حاصل کی۔

ہفتے کے آخری دن عوام کی طرف سے لیڈروں ـــ نے ہدیہ تہنیت پیش کرنے کے لئے ایک جلسے کا اہتمام کیا۔ جس میں وزیر کے بیٹے نے لکھی ہوئی تقریر پڑھتے ہوئے کہا: "میری کامیابی دراصل میرے پرنسپل صاحب کی نظرِ عنایت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔"

حاضرین نے تقریر میں محاورے کے استعمال پر تالیاں بجائیں۔

تقریر کا آخری فقرہ دُہراتے ہوئے وزیر زادے نے کہا: "میں پرنسپل صاحب کا احترام کرتا ہوں۔ اِس لئے اُن کے سامنے بولنے کی جُرأت نہیں کرتا۔ اِس لئے تقریر ختم کرتا ہوں۔"

اِس پر حاضرین نے پھر داد کی تالیاں بجائیں۔ جس جلسے میں حاضرین تالیاں نہ بجاتے اُس جلسے کا سارا اخرچ [illegible]

ڈال دیا جاتا تھا۔

وزیرزادے کی اس بےچارگی کے باوجود تیسرے دن اُس کی طرف سے ایک بیان جاری کیا گیا جس میں کہا گیا: "میں عوام کی فلاح کے لئے عرض کرتا ہوں کہ میری طرف سے [illegible] اب میں عوام کی زندگی میں ایک انقلابی قسم کا انقلاب لاؤں گا۔ عوام مناسب وقت تک انتظار کریں۔"

اور وزیر کے بیٹے میں اِس بیان کی تردید کرنے کی جرأت بھی نہ ہوئی کہ ایسا بیان سرے سے جاری ہی کیوں کیا گیا۔ جس پر دستخط تک میرے نہ تھے۔

کیونکہ وزیرزادہ عجز و انکسار کا مجسمہ تھا اور کسی کی دلآزاری کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ رو سکتا تھا۔ وہ ساری رات تکیے میں منہ چھپا کر روتا رہا کیونکہ صرف رونا ہی اُس کے بس میں نہیں۔ رونے کے لئے جرأتِ رندانہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک موٹر ساز فیکٹری کے مالک نے وزیر کے بیٹے کو ایمرجنسی خط لکھا کہ عوام میں انقلاب لانے کے جذبوں سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ اِس لئے آپ کو اپنی فیکٹری کے ایک بٹہ چار حصّے کا شیئر ہولڈر بناتا ہوں اور جوں جوں انقلاب آگے بڑھے گا، شیئر بھی آگے بڑھتا جائے گا۔

اِس خط کو فیکٹری کے مالک کی نوجوان اور بزعمِ خود حد تک حسین بیٹی خود لے کر حاضر ہوئی۔ کیونکہ وہ اِس خط کو ایک "لو لیٹر" سمجھی۔ وزیرزادے نے بے حد سادہ لوحی سے اُسے بتایا کہ اِس طرح کے چار لو لیٹر مجھے پہلے بھی مل چکے ہیں۔ ایک سیمنٹ فیکٹری کی طرف سے، ایک غبارہ فیکٹری، بلڈنگ میٹریل فیکٹری اور ایک ٹیکسٹائل فیکٹری ——— اور مُلک میں جوں جوں فیکٹریاں اور انڈسٹری ترقی کرے گی، انقلاب ترقی کرے گا لو لیٹرز کی تعداد ترقی کرے گی۔

چند دن بعد جب موٹر ساز فیکٹری کے مالک کو معلوم ہوا کہ محبت کرنے والوں کا سخت کمپی ٹیشن ہے تو اُسے شاک لگا اور اُس نے اپنی فیکٹری کی چمنی پر کھڑے ہو کر چھلانگ لگا دی اور جاں بحق ہو گیا اور اُس کی بیٹی نے طرزِ تپاک اہلِ دُنیا سے مایوس ہو کر اپنی فیکٹری کے منیجر سے شادی کر لی۔ حالانکہ منیجر پر کرپشن کا کیس چل رہا تھا۔

اچانک ایک دن شہر کی دیواروں پر ایک سہ رنگا پوسٹر نمودار ہوا۔ جس میں ایک [illegible] مینز ایسوسی ایشن کی رسمِ افتتاح کا اعلان کیا گیا تھا [illegible] کے بیٹے کی سرپرستی [illegible] تصویر بھی دی گئی تھی۔ جس میں وہ [illegible] ایسوسی ایشن کی سرپرستی اور اُس کے افتتاح کا اعزاز دونوں وزیر کے بیٹے کے عظیم کندھوں پر رکھ دیئے گئے تھے۔

وزیر کے بیٹے نے بہت نرمی کے ساتھ اپنے آپ سے پُوچھا: "سرپرستی کے لئے مجھ سے پہلے پُوچھ کیوں نہیں لیا گیا؟"

لیکن اُسے اپنے آپ سے کوئی جواب نہ بن سکا تو ایسوسی ایشن کا سکریٹری اُس کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: "حضور! جواب حاضر ہے۔ آپ ہماری سرپرستی قبول فرمایئے۔ ورنہ دیش کے سارے نوجوان گمراہی پر تُلے بیٹھے ہیں۔"

"مگر بھائی! کہیں آپ یہ تو نہیں چاہتے کہ میں لیڈر بن جاؤں!"

"ارادہ تو یہی ہے۔"

"نہایت نامناسب ارادہ ہے۔ کیونکہ لیڈر تو صرف تقریر کرنے کے لئے ہوتا ہے اور مجھے تقریر کرنا نہیں آتی۔"

"تقریر نان سینس! قوم کو اب تقریروں کی نہیں عمل کی ضرورت ہے!"

غرض مُلک میں عمل کی تحریک شروع ہو گئی۔ ہر دوسرے دن ہر تیسرے شہر میں ایک رنگین پوسٹر نمودار ہو جاتا۔ جس میں کسی جلسے، کسی میٹنگ، کسی مظاہرے، پہلوانوں کے کسی اکھاڑے کا اعلان ہوتا اور اُن سب چیزوں کا افتتاح، رہنمائی، سرپرستی اِس وزیرزادے ہی سے کرائی جا رہی ہوتی۔ سب کی نظروں میں صرف وزیرزادہ ہی ایسی واحد شخصیت تھی جو سارے سٹیٹ میں "قابلِ غور" رہ گئی تھی۔ کیونکہ وزیرزادے کی پیدائش کے بعد سارے سٹیٹ میں قابلِ غور شخصیتوں نے پیدا ہونا بند کر دیا تھا۔ دیکھتے دیکھتے چند ہی برسوں میں وزیرزادہ گیارہ دھارمک اور گیارہ اینٹی دھارمک انجمنوں کے سرپرست بنا دیئے گئے۔ جن میں سے چند نمایاں نام یہ تھے۔

۱۔ ماؤنٹ ایورسٹ فاتح ٹیم ——— پریذیڈنٹ
۲۔ نیم عریاں سنے ٹون ——— چیئرمین
۳۔ ربڑ مینوفیکچرنگ کمپنی ——— ڈائرکٹر
۴۔ ٹرک ٹرک، ورکرز ایسوسی ایشن ——— خزانچی
۵۔ کاروانِ شعر و ادب ——— کارواں سالار

صرف دو تنظیمیں ایسی تھیں جو وزیر کے بیٹے کی سرپرستی سے محروم رہ گئیں۔ ایک اٹھائی گیروں کی انجمن تھی جس نے براہِ راست وزیرزادے

درخواست کی۔ اُن کے پرسنل اسسٹنٹ کی معرفت نہیں کی تو وزیر زادے نے بیک اُٹھائی گیروں سے معذرت طلب کر لی کہ آپ میرے خاندان کی ساکھ کی خاطر مجھ پر رحم فرمایئے۔ اور دوسری تنظیم تیرتھ یاترا کارپوریشن تھی جس نے بغیر کچھ لیے دیے وزیر زادے کے پرائیویٹ سیکرٹری سے بات چیت کی۔ جس نے یہ کہہ کر اُسے جھڑک دیا کہ وزیر زادہ صاحب کو دھرم وغیرہ سے زیادہ اہم مصروفیات ہیں۔ اِس لئے وہ یاترا کے الٹوں تلّلوں میں نہیں پھنسنا چاہتے۔

غرض سبھی سوشل، اینٹی سوشل، دھارمک، اینٹی دھارمک، سیاسی یہاں تک کہ علمی اور ادبی تنظیمیں اُن کے گرد پروانوں کی طرح رقص کرنے لگیں اور وہ اُلّو کی طرح یہ سبھی رقصِ دلبری دیکھتے رہے۔ یونیورسٹی (جس کے سالانہ امتحان میں وہ فیل ہو گئے تھے) اُن کی عظمت سے اتنی گھبرا گئی کہ گھبراہٹ میں اُسے ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری عنایت کر دی۔ ڈگری کی رسم کے بعد ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا جس میں شاعر کم اور مقرر زیادہ تھے۔ انھوں نے انکشاف کیا کہ وزیر زادہ صاحب فارسی اور سنسکرت کے سکالر ہیں۔ (عربی کا لفظ مس پرنٹ ہو گیا) اور ان دونوں لافانی زبانوں میں شاعری فرماتے ہیں۔ وزیر زادے نے نہیں بلکہ ایک قوّال نے اُن کی دو نظمیں گا کر سنائیں۔ قوّال کا گلا بہتر تھا۔ اِس لئے سامعین نے اُسے ہوٹ نہیں کیا۔

اور وزیر زادے کو بار بار شک ہوتا رہا کہ کہیں یہ نظمیں اُس کی اپنی تخلیق نہ ہوں۔ ورنہ وہ اپنے آپ کو بھی ہوٹ کر دیتا۔ لیکن اُس نے محسوس کیا کہ وہ اُس کی اپنی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ نہ جانے کچھ شاعر ایسی پیچیدہ اور روتی نظمیں کیوں لکھ ڈالتے ہیں۔ جو شاہی خاندان کی سمجھ میں بھی نہیں آتیں۔

---

اور پھر یوں ہوا کہ جوں جوں وزیر زادے کی عظمت بڑھتی گئی، وہ بور ہوتا گیا، جھنجھلاتا گیا اور ایک دن اُس کے باورچی نے اُسے خواب میں بڑبڑاتے سُنا: "مجھے یہاں کوئی نہیں سمجھ سکا۔ میں یورپ کی طرف بھاگ جاؤں گا!"

یہ بڑبڑاہٹ باورچی کی معرفت اعلیٰ حلقوں تک پہنچ گئی۔ جنھوں نے اعلیٰ سطح پر فیصلہ کیا کہ وزیر زادے کو سرکاری خرچ پر یورپ بھیجا جائے تاکہ وہ وہاں دیش کا رُوحانی پیغام پہنچا سکیں۔

وزیر زادے کو اپنے متعلق ابھی تک وہم تھا کہ وہ نیک سیرت اور منکسر مزاج ہے۔ لیکن عوام پر اُس کی دہشت کی اِتنی دھاک بیٹھ گئی تھی کہ وہ اِس دھاک سے انکار نہ کر سکتا تھا۔ [illegible] واقعات ظہور میں آنے لگے جن سے الگ کرنا اُس کے لئے مشکل ہو گیا [illegible] میں ایک حسین کنواری کو ایک شخص نے زبردستی کار میں ڈال لیا لیکن کسی نے پولیس حکام کو سرگوشی کر دی کہ یہ شخص وزیر زادے کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہے۔ ایک سمگلر کو بارڈر پولیس افسر نے اِس لئے [illegible] پیش کر دی۔ کیونکہ سمگلر نے اشارے کنائے سے بتا دیا کہ اُس نے وزیر زادے کے ارشاد پر سونے کی سمگلنگ کی ہے۔ کیونکہ سمگلنگ کے اِس شعبے سے سارے سٹیٹ میں ایک سوا ایک [illegible] ہے۔ ایک پُل کی تعمیر میں لاکھوں روپے کا سکینڈل پکڑا گیا۔ لیکن بعد میں افواہ اُڑ گئی کہ سکینڈل کو پکڑنے والے افسر خود جیل میں پہنچائے جائیں گے! کیونکہ پُل کے ٹھیکیدار کی بیٹی کیبرے ڈانسر ہے اور اُس کے پاس وزیر کے بیٹے کے تعریفی سرٹیفکیٹ موجود ہیں!

ان واقعات سے اُداس ہو کر وزیر زادے نے یورپ جا کر رُوحانی پیغام دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن یہ رُوحانی قدم اُٹھانے [illegible] سے پہلے ایک دردناک واقعہ ہو گیا۔

اچانک وزیر صاحب کا انتقال (پُرملال) ہو گیا۔ چیف منسٹر کو خطرہ تھا کہ کہیں مرحوم کی خالی جگہ پُر ہونے سے نہ رہ جائے اور وزیر کا خاندان صدمہ برداشت کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔ اِس لئے اُس نے اعلان کر دیا کہ وزیر صاحب کی موت سے سٹیٹ میں سخت سنکٹ آگیا ہے۔ اِس لئے وزیر زادے کو فی الحال یورپ جانے کی [illegible] نہیں۔ اُسے اپنے باپ کی جگہ وزارت کی گدّی سنبھال لینی چاہئے اور کل صبح حلف وفاداری لینے کے لئے حاضر ہو جانا چاہئے ۔۔۔۔ وزیر کے بیٹے سے وزیر بننے کی منظوری لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی۔

جب دوسری صبح اُس کی خوابگاہ کا دروازہ توڑ کر کھولا گیا تو وہاں وزیر کے بیٹے کی بجائے اُس کی لاش پائی گئی! اُس نے خودکشی کر لی تھی یا ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا۔

یہ خبر سُنتے ہی اُس کی والدہ (محترمہ) [illegible] اور چوڑیاں چھپے ماتھے پر دوہتڑ مار کر کہنے لگیں: "[illegible] نہ رہے!"

# غزلیں

## پرکاش ناتھ پرویز ایم۔ اے

بکھرے بکھرے، جھکے جھکے رستے ہیں
شاید اہلِ حسن اِدھر سے گزرے ہیں

جگنو بن کر چمکے ہیں تاریکی میں
جب بھی میری ذات کے ذرّے بکھرے ہیں

دنیا والے ہنستے ہیں تو ہنسنے دو
اپنے حال پہ ہم تو خود بھی ہنستے ہیں

غور سے جب دیکھا تو یہ معلوم ہوا
جن کو جلوے کہتے ہیں وہ پردے ہیں

ہستی کے کچھ ناآسودہ سے جذبے
جیون سیپیوں میں ہیرے بن کر رہتے ہیں

ان کا ظلم بھی ایک ادائے دلکش ہے
ظالم ہو کر کتنے پیارے لگتے ہیں

میری نگاہوں میں ہیں جو فردوسِ نظر
آنکھوں نے کچھ ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں

## غزالہ اشفاق شاہ جہان پوری

رہتا نہیں نظر پہ مجھے اختیار کیوں
میں دیکھتی ہوں اُس کی طرف بار بار کیوں

بادِ خزاں چلے گی مگر اپنے وقت پر
اُڑنے لگا ابھی سے یہ رنگِ بہار کیوں

اِک راہ رَو تو میں بھی ہوں اے آفتابِ شام
اِک لمحہ کر لیا نہ مرا انتظار کیوں

جس نے نہ عمر بھر کوئی وعدہ وفا کیا
میری وفا پہ کرنے لگا اعتبار کیوں

کیا واسطہ سحاب کو اِک ریگزار سے
آئے ہماری سمت نسیمِ بہار کیوں

کیا نا تمام تھی تری دنیا مرے بغیر
پیدا کیا مجھے مرے پروردگار کیوں

آنا ہے اے غزالہ قیامت تو آ بھی جائے
گردش میں رہ نہ جائیں لیل و نہار کیوں

غزالہ اشفاق شاہ جہاں پوری

## قیس رامپوری

نہ سہی شمع، مرا دل ہی جلے
کوئی صورت ہو ترا ذکر چلے

فکرِ تنقید میں ایماں بھی گیا
ناصحا تجھ سے تو ہم رند بھلے

مئے ملی ہے تری آنکھوں سے مگر
سیکڑوں غم بھی اِنھی سے تو ڈھلے

دل میں میرے بھی تھے ارماں، لیکن
ہائے وہ گھر جو چراغوں سے جلے

گردشیں پائی ہیں ہم نے، لیکن
زندگی بھی ہے تری زلف تلے

قیس اِس دورِ ترقی کی قسم
غیر بھی پائے تو اپنوں سے بھلے

قیس رامپوری

# قومی بچت ادارہ کی طرف سے

## یکم اپریل 1974ء سے شرح سود بڑھادی گئی ہے۔

| کھاتے اور کفالت کا نام | پرانی شرح سود (سالانہ) | نئی شرح سود (سالانہ) |
|---|---|---|
| ڈاک گھر سیونگز بنک * | 4% | 5% |
| 7۔ سالہ نیشنل سیونگز سرٹیفکیٹ۔ (دوسرا اور تیسرا اجراء)۔ | 5% | 6% |
| 7۔ سالہ نیشنل سیونگز سرٹیفکیٹ۔ (چوتھا اور پانچواں اجراء) | 7.5% (مرکب) | 8.25% (مرکب) |
| ڈاک گھر کے میعادی ڈپازٹ: | | |
| 1۔ سالہ۔ | 6% | 6.75% |
| 2۔ اور 3۔ سالہ | 7% | 7.5% |
| 5۔ سالہ | 7.25% | 8% |
| ڈاک گھر کے 5۔ سالہ مکرر ڈپازٹ کھاتے۔ | 6.75% | 7.25% |
| ڈاک گھر کے 10۔ سالہ اجتماعی میعادی ڈپازٹ کھاتے ** | 4.75% | 5.25% |
| 15۔ سالہ پبلک پراویڈنٹ فنڈ کھاتے ** | 5.3% | 5.8% |

* سود ٹیکس سے مستثنیٰ۔
** ٹیکس میں رعایت اور سود بھی ٹیکس سے مستثنیٰ۔
دوسری اسکیموں پر 3000 روپے سالانہ تک سود، دیگر مخصوص اسکیموں پر ملنے والے سود کے ساتھ ٹیکس سے مستثنیٰ۔

**آج ہی بچت کریں، زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔**

# قومی بچت ادارہ

پوسٹ بکس۔ 96 ، ناگپور

davp 74/78

# دوسرا مرد

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد محی الدین سُبحانی ایم۔ اے، بی۔ ایل، پی ایچ ڈی
شعبۂ سیاسیات آر۔ ڈی۔ ایس کالج مظفر پور (بہار)

محترمی! تسلیمات

"بیسویں صدی" فروری ۷۴ء کے شمارے میں آپ نے میرے افسانے "لپ اسٹک" کو شائع کیا تھا، جسے قارئین نے بیحد پسند کیا۔ ابتک ہند و بیرونِ ہند سے بے شمار خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ کچھ خطوط قارئین کے ایسے بھی موصول ہوئے ہیں جن میں اُنہوں نے شکایت کی ہے کہ سالنامہ ۷۴ء میں آپ نے اپنی تخلیق شائع ہونے کے لئے کیوں نہ بھیجی۔ اُنہیں میں نے جواب میں لکھا ہے "بیسویں صدی" کا ہر شمارہ سالنامہ کی طرح اہم ہوتا ہے ——— ایک افسانہ "دوسرا مرد" بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے آپ اور قارئین اِسے بھی میرے دوسرے افسانوں کی طرح پسند کریں گے۔ ممکن ہو تو اپنی خیریت لکھیں۔

آپ کا خیر اندیش ——— [illegible]

★

شام کے چھ بجا چاہتے تھے۔ وہ بہت بے چینی سے سہیل کا انتظار کر رہی تھی کہ یکایک ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ ریسیور اُٹھاتے ہی دوسری طرف سے سہیل کی آواز آئی، "کہکشاں ڈارلنگ! آج پکچر کا پروگرام ملتوی کر دو، میں ایک ضروری کام سے ذرا باہر جا رہا ہوں نو دس بجے رات تک لوٹوں گا۔"

اُس نے غصّے میں ریسیور پٹک دیا اور اپنی خوشنما فالسائی اور گنزا کی ساری پر نظر ڈالتے ہوئے چیخ سی پڑی۔ ایک گھنٹے پہلے ہی سے وہ اِس نئی قیمتی ساری کو پہنے سہیل کا انتظار کر رہی تھی۔ آج صبح ہی اُس نے پکچر کا پروگرام بنایا تھا۔ وہ سارا دن موڈ بناتی رہی تھی۔ اسکول سے دو ہی بجے چلی آئی تھی۔ موسم بھی نکھرا نکھرا سا ہو رہا تھا۔ شام سے آسمان سُرمئی بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ ہوائیں تیز چلنے لگی تھیں۔ لان میں کھِلے سُرخ گلاب کے پھول اُسے بیحد خوشنما معلوم ہونے لگے تھے۔ اُس نے چار ہی بجے سے پکچر جانے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ گھنٹوں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بنتی سنورتی رہی تھی اور جب وہ اپنا میک آپ مکمل کر چکی تو سہیل کا فون آیا کہ پروگرام ملتوی کر دو! وہ اپنے مقدر کو کوسنے لگی۔ اُس کی قسمت ہی کچھ ایسی تھی۔ سہیل سے اُس کی یہ دوسری شادی تھی جو حال ہی میں ہوئی تھی۔ اُس کی پہلی شادی ظفر سے ہوئی تھی جو انتہائی خشک انسان تھا۔ سارا دن قانون کی کتابوں میں اُلجھا رہتا۔ صبح سے شام تک اُسے کبھی فرصت ہی نہ ملتی تھی۔

کہکشاں حسین، تعلیم یافتہ انتہائی الٹرا ماڈرن لڑکی تھی۔ بی۔ اے بی۔ ایڈ کرنے کے بعد ایم۔ ایڈ کرنے کو ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ والدین نے اُس کی شادی ظفر کے ساتھ کر دی۔ ظفر ایک جونیئر ایڈوکیٹ تھا۔ ہر وقت موکلوں کے چکر میں اُلجھا رہتا اور اپنی صلاحیت اور رسوخ کو

بڑھانے کی کوشش کیا کرتا۔ اُسے کہکشاں کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھنے کی بھی فرصت نہ تھی۔ صبح سات بجے سویرے سو کر اُٹھتا۔ دس بجے تک موکلوں کو دیکھتا سارا دن کچہری میں پریشان رہتا۔ شام کو واپس آکر، وہ سینئر ایڈوکیٹ کے یہاں چلا جاتا اور وہاں سے دس گیارہ بجے تک واپس ہوتا۔ کہکشاں سارا دن بور ہوتی رہتی۔ گھر کا کام کاج کیا کرتی۔ وہ ایک مشین سی ہوگئی تھی۔ خود کو ہمیشہ بندھنوں میں جکڑی ہوئی محسوس کرتی۔ اتنی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ گھر کی چار دیواری تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اُس کی انفرادیت و انانیت سب کو ٹھیس پہنچی تھی وہ اپنی اِس زندگی سے تنگ آ چکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ایک زنگ آلودہ مشین کی طرح یونہی بیکار پڑی رہے اور اس گھٹن بھرے ماحول میں رہ کر اپنی زندگی تباہ کر لے۔ وہ مکمل آزادی کی خواہاں تھی۔ وہ چاہتی کہ اوروں کی طرح ظفر بھی اُسے ہر اتوار کو پکچر لے جائے، خوب مارکٹنگ کرائے۔ نئی جگہوں کی سیر کرائے۔ دو گھڑی اُس کے پاس بیٹھے۔ دلچسپ باتیں سُنائے اور کبھی ڈنر کے لئے کسی اچھے سے ہوٹل میں لے جائے۔ لیکن اُس کی یہ ساری خواہشیں ایک خواب بن کر رہ گئی تھیں۔ ظفر ہر اتوار کو اپنے گاؤں چلا جاتا، جہاں اُس کی کاشتکاری تھی، اُس کے سارے پروگرام ٹھپ ہو جاتے۔ وہ گھنٹوں روتی رہتی۔ اپنے مقدر کو کوستی اور اس زندگی سے نجات پانے کی دُعائیں کرتی۔ جب کبھی انتہائی موڈرن لڑکی کی شادی ... والدین ایک نہایت ہی قدامت پسند ... تو دونوں کی ازدواجی زندگی کبھی خوشگوار نہیں ہو پاتی۔ ... کہکشاں کے ساتھ بھی پیش آئی۔ کہکشاں ایسی الٹرا موڈرن لڑکی کی شادی والدین نے ظفر کے ساتھ کر تو دی لیکن دونوں ... اچھے تعلقات قائم نہ ہو سکے۔ وہ اندر ہی اندر غصہ، نفرت اور انتقام کے آگ میں جلنے لگی اور ظفر سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

اُس کی یہ دیرینہ خواہش آخر ایک دن پوری ہو ہی گئی ... ابتدا اُسی نے کی تھی۔ فرمائش محض ایک ساری کی تھی۔ ... کا پروگرام بنایا۔ ظفر اپنے کسی کام میں مشغول تھا۔ ساتھ چلنے سے انکار کر گیا۔ وہ اپنے مقدر کو کوسنے لگی۔ ظفر کو بھی غصہ آگیا اور

اُس پر چیخا اور اُسے پکڑنا چاہا۔ کہکشاں نیچے کی طرف بھاگی۔ اُس کے پیر پھسل گئے اور وہ سیڑھیوں سے لڑھکتی ہوئی نیچے جا گری۔ اُس کا ایک ہاتھ فریکچر ہو گیا۔ تقریباً ایک ماہ تک وہ ہوسپٹل میں رہی اور پھر وہاں سے وہ اپنے ابّو کے ساتھ ہمیشہ کے لئے اپنے گھر چلی آئی۔ اب ظفر کے ساتھ اُس کا گزارہ کرنا مشکل تھا۔ طلاق کی بات چلی اور اُس نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کچھ ہی دنوں میں اُسے آسانی سے ظفر سے چھٹکارہ مل گیا۔

اِن ہی دنوں سُہیل سے ملاقات ہوئی۔ سُہیل اُس کے کالج کا ساتھی تھا۔ مردانہ شکل و شبہاہت کا پُرکشش و پُروقار نمونہ کافی ہینڈسم اور اسمارٹ معلوم ہوتا تھا۔ کہکشاں اُسے ابتدا ہی سے پسند تھی۔ اُس سے شادی کرنے کے سپنے وہ کالج کے دنوں سے ہی دیکھا کرتا تھا۔ کہکشاں بھی دل ہی دل میں سہیل کو پسند کرتی تھی لیکن وہ بیکار تھا۔ بی۔ اے کئی بار فیل کر چکا تھا۔ آگے تعلیم حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا۔ اس لئے کہکشاں کی سہیل سے شادی کرنے کی خواہش اندر ہی اندر گھُٹ کر رہ گئی تھی۔ اب جب کہ وہ ظفر سے طلاق لے چکی تھی اور سہیل ابتک کنوارا تھا تو اُس نے اِس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور دو ماہ کے اندر اندر ہی سہیل سے شادی کر لی۔ سہیل اُن دنوں بیکار تھا۔ کہکشاں کے والدین نے اُس کی کچھ مالی امداد کی اور وہ کاروبار کرنے کی سوچنے لگا۔ لیکن کاروبار کیلئے کافی وقت اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ سہیل کو کہکشاں سے فرصت کہاں تھی۔ وہ تو ہر وقت کہکشاں کے حسین سڈول صحت مند بانہوں میں جکڑا رہتا۔ ہر عورت کو اپنی تنہا زندگی میں ایک ایسے مرد کی تلاش ہوتی ہے جو اپنا تن من دھن سب کچھ اُس پر نچھاور کر دے۔ وہ صرف اُسی کا ہو کر رہ جائے۔ دوسروں کی طرف نظریں اُٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ ابتدا میں کہکشاں نے کچھ ایسا ہی محسوس کیا جیسے سہیل صرف اُسی کا ہو۔ وہ اُسی کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ گیا ہو۔ کہکشاں بیحد خوش تھی۔ اُسے ایک ایسی زندگی مل گئی تھی، جہاں مسرت ہی مسرت، قہقہے ہی قہقہے تھے۔ سہیل ایک حقیقت تھا، اُس پر اُسے پورا پورا اعتماد تھا۔ اُس کے علاوہ دنیا کی ہر شے ایک جھوٹ ایک، فسانہ، ایک فریب معلوم ہوئی۔ اپنی اِس نئی زندگی میں آکر ماضی کی تلخ حقیقتوں کو وہ ہمیشہ کے لئے بھُلا دینا چاہتی تھی۔

اِسی درمیان کہکشاں کا مقدر چمک اُٹھا۔ سہیل کو قریب ہی ایک شہر کی پرائیویٹ فرم میں پانچسو روپیوں کی نوکری مل گئی۔ جہاں وہ اسسٹینٹ سلیس منیجر ہو گیا۔ کہکشاں کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔ وہ ایک بڑے شہر میں آگئی، جہاں اُسے کمپنی کی طرف سے ایک فلیٹ مل گیا تھا۔ ہر طرح کی سہولیت تھی۔ سہیل صبح دس بجے دفتر جاتا، شام کو چار، پانچ بجے تک واپس آتا۔ شروع شروع میں کہکشاں سارا دن گھر میں بڑی اُداس ہوا کرتی تھی۔ لیکن کچھ ہی دنوں میں اُسے ایک پرائیویٹ اسکول میں ملازمت مل گئی۔ جہاں وہ صبح دس بجے سے دن کے تین بجے تک بچّوں کو پڑھاتی۔ ڈھائی تین سو روپے مل جاتے جو اُس کی ساڑیوں اور میک اپ کے سامان کے لئے کافی تھے۔ اب اُسے ہر طرح کا آرام تھا۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ بنگلہ نوکر چاکر سب کچھ تھے۔ کسی بات کی کوئی کمی نہ تھی۔ سہیل ہر روز نیا نیا پروگرام بناتا۔ کبھی سنیما، تو کبھی شاپنگ، تو کبھی کسی دوست کی میز نے انوائٹ کر لیا، تو کبھی کسی دوست کے ساتھ کلب ہی چلے گئے۔ ابتدا میں کہکشاں کو یہ زندگی بیحد پسند آئی۔ ہر طرح کی آزادی تھی۔ کسی طرح کی بندش، پابندی اور گھٹن نہ تھی۔ لیکن چند ہی ماہ میں وہ اِس معاشرے سے اُوب سی گئی۔ سہیل شروع ہی سے کافی زندہ دل تھا۔ اب اِس نئے دفتر میں، نئے شہر میں، جہاں اُس کے گرد پیش ہر طرف حسین لڑکیاں بیٹھ کر کام کرتیں، اُس کے بہکنے کا بہت ڈر تھا۔ لڑکیاں تو شروع ہی سے سہیل کی سب سے بڑی کمزوری تھیں۔ لڑکیوں کو دیکھ کر اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔ وہ اُن کے پیچھے در در چکّر لگاتا۔ شادی کے بعد بھی اُس کے اِس رویّے میں کوئی فرق نہ آیا۔ کہکشاں نے اُس کی یہ کمزوری محسوس کی اور اُسے راستے پر لانے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگی۔ وہ ہر وقت سایہ کی طرح اُس کے پیچھے رہتی۔ ہر فنکشن میں اُس کے ساتھ جاتی۔ فرصت ملتی تو ایک آدھ چکر اُس کے دفتر کا بھی لگا لیتی۔ کبھی ٹفن باکس دینے کے بہانے تو کبھی اسکول کا کارڈ تقسیم کرنے، وہ سہیل کے دفتر پہنچ جاتی۔ وہاں کے ہر سلیس گرل، ہر لیڈی اسٹینو ٹائپسٹ پر نظر رکھتی۔ یہ بھی پتہ چلاتی رہتی کہ سہیل کی نظرِ التفات اِن دنوں کس کی طرف ہے تو نہیں۔ دوسری عورتوں کی طرح وہ چاہتی کہ سہیل کی دنیا اُسی تک محدود

ہوکر رہ جاتے۔

کہکشاں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ چھ بج کر دس منٹ ہو رہے تھے۔ اُس نے سوچا آج اُسے پکچر دیکھ ہی لینی چاہیئے۔ وہ اتنی خوشگوار شام گھر بیٹھے یونہی برباد نہ کرے گی۔ اگر شوہر اپنے فرض سے بے خبر ہو اور اپنی بیوی کی خوشیوں کا اُسے ذرا بھی خیال نہ ہو تو عورت کب تک یہ ظلم برداشت کرتی رہے گی، کب تک اپنے جذبات کو مجروح کرے گی۔
اُس نے اپنے نوکر بنے میاں کو آواز دی اور کہا، "صاحب آئیں، تو کہہ دینا بیگم صاحبہ پکچر دیکھنے گئی ہیں۔" چھ سے زیادہ ہو رہے تھے۔ وہ تیزی سے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ رکشا راستے ہی میں مل گیا۔
پندرہ بیس منٹوں میں وہ ہال میں پہنچ گئی۔ "ساؤنڈ آف میوزک" لگی تھی۔ ڈوکومنٹری چل رہا تھا۔ پکچر ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ ڈریس سرکل میں کافی بھیڑ تھی۔ اپنی سیٹ کے ٹھیک سامنے بیٹھی ہوئی عورت کو وہ کچھ کچھ پہچان رہی تھی۔ وہ سہیل کے دفتر میں کام کرنے والی اسٹینو ٹائیپسٹ ڈیزی تھی۔ اُس کے بغل کی سیٹ خالی تھی۔ دوسری طرف ایک آدمی خاموش بیٹھا تھا۔ شاید وہ اُسی کے ساتھ آئی ہے۔ کہکشاں نے دل ہی دل میں سوچ کر اطمینان کر لیا۔ پکچر شروع ہونے کے ساتھ ہی بغل کی سیٹ پر کوئی دوسرا مرد آکر بیٹھ گیا۔ ہلکی سی سرگوشی ہوئی۔ کہکشاں کو یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوئی۔ اُس کی نگاہیں سامنے کی سیٹ سے ٹکرا نے لگیں۔ اندھیرے میں اُس شخص کے ہاتھ ڈیزی کے شانے اور گالوں کو چھونے لگے۔
انٹرول میں جب روشنی ہوئی تو ڈیزی کے ساتھ بیٹھے دوسرے مرد کو دیکھ کر کہکشاں یکایک چونک پڑی!!۔

---

**آہنگِ حجاز** "قومی یک جہتی کے خیال سے ایک برہمن اگر رسُول کریم کے اوصاف عقیدت مندانہ انداز سے نعتوں کی شکل میں پیش کرے تو یہ بڑی مستحسن بات ہے۔" جناب عرش ملسیانی کی اِن نعتوں کا دیباچہ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادی نے لکھا ہے۔ کتابچہ آرٹ پیپر پہ چھپا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۲

---

# صحت و زندگی

## ۱ — موسمِ گرما میں کیا کھائیں اور کیا نہ کھائیں؟

غذا کا انتخاب بہت دانشمندی سے کرنا چاہئے۔ غذائیں صحت بخش اور مقوی ہونے کے باوجود یکساں طور پر ہر موسم کے مطابق نہیں ہوتیں۔ اِس لئے غذا کے انتخاب میں احتیاط ضروری ہے۔ غذا میں موسم، آب و ہوا، وقت اور پیشے کی پوری رعایت ملحوظ رہنی چاہئے۔

گرمی کے موسم میں سردی کے موسم کی طرح جسم کو زیادہ ایندھن کی ضرورت نہیں ہوتی، اِس لئے گرمی میں کم حراروں والی غذا بہتر ہوتی ہے۔ حلوے، کیک، کباب، ثقیل اور دیر ہضم غذائیں نہ کھانی چاہئیں۔ گرمی کے موسم میں خشک میوہ جات کے مقابلے میں تر اور تازہ پھل بہتر ہوتے ہیں۔ جن چیزوں میں نشاستہ زیادہ ہوتا ہے جیسے آلو موسمِ گرما میں کم کھانے چاہئیں۔ اِس موسم میں ہلکی پھلکی اور زود ہضم غذائیں کھانی چاہئیں۔ زود ہضم اور ترشک غذائیں اندرونی اعضاء کے خون کے دباؤ کو بھی رفع کرتی ہیں۔ پھل، پتے دار سبزیاں اور پھلوں کے رس کو دُوسری غذاؤں پر فوقیت دینی چاہئے۔ گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈی تاثیر والی، زود ہضم اور قبض کُشا غذائیں بہت افراط کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اِس لئے موسمِ گرما میں اُن سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانا چاہئے۔

زندگی اور صحت سے پوری طرح لُطف اندوز ہونے کے لئے آپ کی غذائیں موسم کے مطابق ہونی چاہئیں۔

## ۲ — کامرانی کی محبوبہ

دُنیا میں کون ایسا انسان ہوگا جو کامیابی و کامرانی کی محبوبہ کو رام کرنا نہ چاہتا ہو۔

مشہور مفکر ڈاکٹر نپولین ہل نے کامرانی کی محبوبہ کو رام کرنے کا گُر اِن الفاظ میں بتایا ہے — "دُنیا کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ جو لوگ کامرانی کی محبوبہ کو رام کر کے عظیم انسان بن گئے اُن کی کامیابی کا راز ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ اُن کا ایک مقصدِ حیات تھا۔

اگر آپ اُن لوگوں کی زندگی کا غائر نظر سے مشاہدہ کریں جو زندگی میں ناکام رہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اُن کی ناکامی کا راز یہی تھا کہ اُن کا کوئی نصب العین نہ تھا، وہ اُس جہاز کی طرح تھے جو طوفان میں پھنس گیا ہو اور ساری کوششوں کے باوجود کنارے کی بجائے مخالف سمت میں بہا چلا جا رہا ہو۔

مقصدِ حیات کی مشعل روشن کر کے جب انسان آگے بڑھتا ہے تو دوسرے لوگ اُس کے راستے سے ہٹتے چلے جاتے ہیں اور وہ پُوری شان سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ کامرانی کی محبوبہ سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔"

## ۳ — ہیضے سے بچئے

ہیضہ اِتنی خطرناک بیماری ہے کہ انسان اُس کے تصوّر ہی سے کانپ جاتا ہے۔ کسی کو شدید ہیضہ ہو جائے اور فوراً طبی امداد بہم نہ ہو تو تین گھنٹے سے بارہ گھنٹے کے اندر مریض موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق ہیضہ کی بیماری ایک کیڑے سے پیدا ہوتی ہے۔ اِس بیماری کی چھوت لگنے سے کیڑا آنتوں میں چلا جاتا ہے اور بیماری کے کیڑے قے اور دستوں سے خارج ہو کر دودھ، پانی اور کھانے کی دُوسری چیزوں میں مِل کر تندرست آدمیوں کی آنتوں میں پہنچ جاتے ہیں اور اُنھیں اِس موذی مرض میں گرفتار کر لیتے ہیں۔

عام طور پر ہیضہ گندگی سے پھیلتا ہے۔ بیماری کے زمانے میں صفائی کا پُورا خیال رکھنا چاہئے۔ صاف ستھرے کپڑے پہنئے۔

پانی کو پکا کر پینا چاہئے۔ مُنہ ہاتھ بھی پکے ہوئے پانی سے دھونا چاہئے۔ دودھ بھی بغیر جوش دیئے ہوئے ہرگز نہ پیئں۔ برف، لیمونیڈ اور سوڈا نہ پینا چاہئے۔ بازار کی آئس کریم ہرگز نہ کھائیں۔ جب ہیضہ کی وبا پھیلی ہو اُن دنوں میں خالی پیٹ گھر سے نہ نکلئے۔ کھانا تازہ، زود ہضم اور بہت ہلکا کھائیے۔ گلے سڑے اور کچے پھل مُنہ سے بھی نہ لگائیے۔ کھیرا، ککڑی، کیلا، خربوزہ، تربوز، امرود، آڑو اور آم نہ کھائیے۔ جن چیزوں سے ہاضمہ بگڑتا ہے ہرگز نہ کھانی چاہئیں۔ کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانک کر رکھئے تاکہ اُن پر مکھیاں نہ بیٹھیں۔ مکھیاں ہیضے کے کیڑوں کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ پہنچاتی ہیں۔ یہ کیڑے مکھیوں کی ٹانگوں سے جھٹ کر کھانے پینے کی چیزوں میں مل جاتے ہیں۔ کھانے کے برتنوں کو خوب گرم پانی سے دھونا چاہئے۔ دُھلے ہوئے کپڑے جب تک اچھی طرح خشک نہ ہوجائیں نہ پہنئے۔ کھانا کھانے کے بعد کوئی ہاضم چیز ضرور کھانی چاہئے۔ ہر کھانے کے ساتھ پیاز، پودینہ، لیموں اور سرکہ باالالتزام استعمال کرنا چاہئے۔

ہیضے سے بچنے کے لئے زیادہ سے زیادہ احتیاط برتیئے، لیکن بیماری سے ڈرنا نہ چاہئے۔ جب ہیضہ کی وبا پھیلی ہو، رنج و فکر اور خوف سے بچیئے۔

وبا کے دنوں میں بغیر کسی سبب کے اگر متلی اور پیٹ میں قراقر معلوم ہو اور پیٹ میں ہلکا سا درد بھی ہو تو بہتر یہ ہے کہ کوئی قابض دوا استعمال نہ کریں۔ ایسی حالت میں عرق بادیان، عرقِ پودینہ، الائچی، سکنجبین لیموں یا سرکہ استعمال کریں۔

اگر پتلے دست آئیں، قے بھی ہو رہی ہو اور علامات سے ظاہر ہوجائے کہ ہیضہ ہے تو فوراً کسی اچھے معالج سے رجوع کرنا چاہئے۔

## ۴ــــ کیا آپ جانتے ہیں؟

- سگریٹ پینے والے ہر شخص کو پھیپھڑوں کا سرطان تو نہ ہوگا، لیکن سگریٹ نہ پینے والے کے مقابلے میں اُس کے سرطان میں مُبتلا ہونے کے امکانات تیس گُنا زیادہ ہیں۔
- ایک اطالوی ڈاکٹر نے لکھا ہے ـــــ "پنیر دماغی کام کرنے والوں کے لئے بہت اچھی غذا ہے، اس سے عقل و فراست بڑھتی ہے۔"
- دماغی کام کرنے والوں کو چاول، ڈبل روٹی، گھی، نشاستہ یا آلو زیادہ نہ کھانا چاہئے۔ مرغن، دیر ہضم اور قابض غذاؤں سے بھی پرہیز ضروری ہے۔

ورزش سے دل و دماغ چُست و چاق ہوجاتے ہیں۔ دماغی کام کرنے والوں کے لئے صبح و شام کی لمبی سیر سب سے بہتر ورزش ہے۔ اس سے دل شگفتہ اور دماغ روشن ہوجاتا ہے۔

سبز رنگ کی سبزیاں، ساگ اور دودھ بڑی حد تک ایک دوسرے کا بدل ہوسکتے ہیں۔ جہاں دودھ کی کمی ہو وہاں ساگ سے اُس کی تلافی ہوسکتی ہے۔

آم وٹامن 'سی' کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ سیب کے مقابلہ میں آم میں چھ گُنا زیادہ وٹامن 'سی' پایا جاتا ہے اور سنگترے کے مقابلہ میں چالیس گُنا زیادہ پایا جاتا ہے۔

سائنٹفک تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ آم کا چھلکا بھی وٹامن 'سی' کا اُتنا ہی بڑا منبع ہے جتنا اُس کا گُودا۔ آم کا مُربّہ فرحت بخش اور قبض کُشا ہوتا ہے۔ دل و دماغ، معدے اور پھیپھڑے کو طاقت پہنچاتا ہے۔

انجیر دماغی امراض کے لئے سُود مند ہے۔ قبض کُشا ہے۔ خون بڑھاتا، بدن کو موٹا کرتا اور پھیپھڑے کو طاقت دیتا ہے۔

جن لوگوں کی روزانہ غذا میں گیہوں کی روٹی، خالص گھی یا مکھن، دودھ، دہی، دہی کی چھاچھ اور دال شامل ہو، اُن میں طاقت، جُرأت، عزم و حوصلہ اور قوتِ برداشت پیدا ہوتی ہے اور وہ طویل عُمر پاتے ہیں۔

کریلا لذیذ ہی نہیں غذائی اجزاء سے بھی بھرپور ہے۔ اس میں لحمی اجزاء (پروٹین) چکنائی، نشاستہ دار اجزاء، چُونا، فاسفورس کے ساتھ ہی فولاد کی بھی خاصی مقدار پائی جاتی ہے۔ ایک چھٹانک کریلا میں چودہ غذائی حرارے (کیلوروز) قوت ہوتی ہے۔ کریلا معدہ کے لئے مفید غذا ہے۔ اس کا مخصوص فعل معدہ میں مُضر جراثیم اور کیڑوں کو فنا کرنا ہے۔ یہ پیٹ کے کیڑوں کو بھی ہلاک کرتا ہے۔ معدہ کو طاقت دیتا ہے۔ ذیابیطس، یرقان، تلّی ورم، جوڑوں کے درد، کھانسی میں مفید ہے۔

---

مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ وہ "بیسویں صدی" کے لئے مختصر افسانے ہی تحریر فرمایا کریں۔ کاغذ کی موجودہ ہولناک گرانی اور نایابی کے زمانے میں مختصر افسانوں کو طویل افسانوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مضامین خوشخط اور روشن سیاہی سے لکھنے کی زحمت فرمایئے۔

ایک قدم آگے

سوال و جواب

# سرگوشیاں

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دئے جاتے ہیں۔ فلمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ "بیسویں صدی" کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ (ایڈیٹر "بیسویں صدی" دہلی)

**محمد ہاشم شاکر۔ بمبئی**

س۔ کبھی کبھی پھول بھی کانٹوں سے زیادہ زخم دیتے ہیں! ایسا کیوں؟

ج۔ یہ وقت وقت کی بات ہے۔ کبھی کبھی زبان سے بے ساختہ نکل جاتا ہے—
گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں!

س۔ خوشتر بھیا! کیا آپ نے کبھی محبت میں دھوکا کھایا ہے؟

ج۔ خدا کا شکر ہے ہم سے کبھی یہ حماقت سرزد نہیں ہوئی۔

**سیّد محمد ذوالفقار افضل۔ ڈالٹن گنج**

س۔ کیا صرف باتیں بنا کر انسان اس دنیا میں اپنے لئے کوئی جگہ بنا سکتا ہے؟

ج۔ جب تک انسان کردار کا غازی نہ ہو، صرف گفتار کا غازی بن کر کوئی مقام نہیں حاصل کر سکتا۔

س۔ انسان کی سب سے بڑی کمزوری کیا ہے؟

ج۔ خود کو کمزور سمجھنا۔

س۔ پیارے بھیا! شلغم میں کیا کیا فائدے ہیں؟

ج۔ شلغم ذیابیطس کے مریضوں کے لئے بہت مفید ہے۔ قبض کشا ہے۔ اس میں وٹامن اے، بی، سی پائے جاتے ہیں۔ اس سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔ سبز پتوں کی ترکاریوں میں شلغم کے پتوں میں سب سے زیادہ کیلسیم (چونا) ہوتا ہے۔ چونا ہڈیوں اور دانتوں کو مضبوط بناتا اور خون کی دیواروں کو مضبوط کرتا ہے۔ چونا ہی خون کو سرخ بنانے میں مدد دیتا ہے۔ بچوں کے لئے شلغم کا رس بہت مفید ہے۔

**محمد زبیر۔ محمد آباد گوہنہ**

س۔ انسانیت کی منزل؟

ج۔ انسانیت کی منزل نہیں انسانیت کی معراج؟
غم کے ماروں کی غم خواری انسانیت کی معراج

س۔ اچھا انسان قابلِ نفرت کب بن جاتا ہے؟

ج۔ جب کوئی برا کام کرتا ہے، جب برا بن جاتا ہے۔

س۔ زندگی کا حسن کیا ہے؟

ج۔ حسنِ عمل—حسنِ کردار—حسنِ گفتار!

**نواب اصغر علی محمد علی۔ دھنباد**

س۔ کیسے دوستوں سے دوستی کرنی چاہئے؟

ج۔ جو چین کے چاؤ جیسے نہ ہوں!

س۔ راتوں کی نیند کب حرام ہو جاتی ہے؟

ج۔ جب اپنی کاہلی سے دن کا چین خواب و خیال ہو جاتا ہے۔

س۔ انسان ہمت کب ہار جاتا ہے؟

ج۔ جب حوصلہ کا دامن چھوڑ دیتا ہے۔

# آپ فضول پریشانی مول لیتے ہیں!

جب کسی غیر متعلّق شخص سے ریلوے ٹکٹ خریدتے ہیں

اصل میں بہت ساری
پریشانیاں جیسے دو سو پچاس رُوپے
تک جُرمانہ یا تین ماہ تک
کی جیل! اور بھی زیادہ
مصیبت جب جُرمانہ اور جیل
دونوں ہی ہو جائیں! اِس لئے کیوں
مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں؟
دُوسرے اشخاص کے ریزرویشن
پر سفر نہ کریں! یہ ریلوے
قوانین کے مطابق
قابلِ سزا ہے!
۱۹۷۳ء میں دُوسروں کے
ٹکٹ پر بمبئی،
کلکتہ اور مدراس جاتے
ہوئے ۲۲۹ افراد نے سزا پائی۔
اِس لئے اپنی بھلائی کے لئے
ریلوے ٹکٹ صرف بکنگ اور
ریزرویشن کاؤنٹر سے ہی خریدیں!



ہماری بھرپُور خدمات حاصِل کرنے کے لئے اپنا تعاون دیں!

نارورن ریلوے

عظیم احمد شکیل۔ تروچی

س۔ آفتابِ رسالت، فخرِ انسانیت، حضرت سرورِ کائنات کے کچھ ارشادات مبارکہ نقل کیجئے جنہیں آج کل اپنا سکیں۔

ج۔ • بخل اور ایمان ایک دل میں نہیں جمع ہوسکتے۔
• لوگوں کے ساتھ انصاف اور احسان کرو۔
• لوگوں میں سب سے افضل وہ ہے جو دل کا نرم اور زبان کا سچا ہو۔

---

سید محمد جاوید اسلام۔ مدھوبنی

س۔ بیٹی جب خدا کی رحمت ہوتی ہے تو آجکل اتنی زحمت کیوں بن گئی ہے؟

ج۔ خدا کی یہ رحمت معاشرہ کی غلط روش سے زحمت بن گئی ہے۔

س۔ اگر دل کا درد دوا اور دعا سے بھی ختم نہ ہو تو؟

ج۔ مسکراتے ہوئے یہ گنگنانا چاہئے ——
اضطراب غم سے ہے شور و نالۂ زندگی
ہر نفس میں ایک تازہ درد پیدا کیجئے

س۔ انسان خود غرض کب بن جاتا ہے؟

ج۔ جب تنگ دل ہو جاتا ہے۔

---

محمد وصی احمد۔ اترولہ۔ گونڈہ

س۔ فیشن پرستی کے اس دور میں ہندوستان مغرب سے کتنا پیچھے ہے؟

ج۔ خدا کے فضل سے کچھ زیادہ پیچھے نہیں!

س۔ عورت خوشبو، نغمہ اور رقص ہے تو مرد؟

ج۔ مرد کو جنسِ مخالف کہتے ہیں۔

---

سہیل حمید حسن۔ مراد آباد

س۔ بہادری اور حماقت میں کتنا فرق ہے؟

ج۔ کچھ زیادہ فرق نہیں سمجھ لو!

س۔ سچ جھوٹ کب بن جاتا ہے؟

ج۔ جب بہت سے جھوٹے مل کر اُسے جھوٹ بنا دیتے ہیں۔

---

اے۔ ایک۔ پیلی بھیت

س۔ دولت، عزت، شکل و صورت —— آپ کی نظر میں سب سے اہم؟

ج۔ دولت اور عزت!

س۔ "بیسویں صدی" کا پہلا شمارہ کب اور کہاں شائع ہوا تھا، اس کی قیمت کیا تھی اور مدیر کون تھا؟

ج۔ "بیسویں صدی" کا پہلا شمارہ آج سے ۳۸ سال پہلے لاہور سے شائع ہوا تھا۔ اس کی قیمت چار آنہ فی پرچہ تھی۔ اس کا مدیر یہی خاکسار احقر و کمترین خوشتر گرامی تھا۔

---

علی مخدوم۔ میدک

س۔ کیا حقیقت بھی کبھی خواب نظر آتی ہے؟

ج۔ جب انسان حقیقت کو نظر انداز کر کے خواب دیکھنے کا عادی بن جاتا ہے تو اُسے حقیقت بھی خواب نظر آتی ہے۔

---

ایس۔ عزیز۔ رانچی

س۔ اس دور میں انسانیت کی قدر کہاں ہوتی ہے؟

ج۔ جہاں صحیح معنوں میں انسان ہوتے ہیں۔

---

س۔ انسان غلط راستے پر کب قدم اٹھاتا ہے؟

ج۔ جب صحیح راہ چھوڑ دیتا ہے۔

س۔ عورتیں زیور کی اتنی دلدادہ کیوں ہوتی ہیں۔ جب عورت خود ایک حسین زیور ہے؟

ج۔ عورت اپنے حسن کو دو آتشہ بنانے کے لئے زیور کی محتاج ہے۔

---

بلونت سنگھ۔ پٹیالہ

س۔ مرکزی وزیر مالیات چوان کا پورا نام کیا ہے؟

ج۔ یشونت راؤ بلونت راؤ چوان۔

س۔ ہمارے ملک میں تعلیم یافتہ بیکاروں کی تعداد کتنی ہے؟

ج۔ ۳۵ لاکھ سے بھی زیادہ! ایک تعلیم یافتہ بیکاروں کی تعداد گذشتہ جون تک ۳۵ لاکھ، ۲۵ ہزار تھی۔

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں بمبئی، دہلی، کلکتہ، مدراس میں فٹ پاتھوں پر رہنے والوں کی تعداد کتنی ہوگی؟

ج۔ ایک لاکھ ۲۴ ہزار۔

---

کے۔ آصف ندیم۔ اکولوی

س۔ حرف "ر" سے شروع ہونے والے بہترین نام بتائیے۔

ج۔ آپ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ عورتوں کے نام یا مردوں کے نام؟ عورتوں کے نام یہ ہیں —— رخسانہ، رضیہ، رعنا، روحی، ریحانہ، روبینہ، رخشاں۔

[illegible] نسیم الدین [illegible]
[illegible] یہ ہے کہ علامہ اقبال [illegible]
[illegible] کی عمر میں وفات پا گئے؟
[illegible] اقبال نے ۶۵ سال کی عمر پائی۔

راجہ وجاہت علی۔ رامپور

س۔ اس مشہور مصرعے کے ساتھ کا دوسرا مصرعہ کیا ہے اور یہ شعر کس کا ہے؟
بس ہو چکی نماز مصلیٰ اٹھائیے

ج۔ یہ آتش کے ایک شعر کا مصرعہ ثانی ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے ؂

فصل بہار آئی پیو صوفیو شراب
بس ہو چکی نماز مصلیٰ اٹھائیے

مس رخسانہ۔ لکھنؤ

س۔ لفظ اَخلاص صحیح ہے یا اِخلاص؟

ج۔ اِخلاص۔

س۔ لفظ آکام عربی زبان کا لفظ ہے یا فارسی زبان کا؟

ج۔ عربی زبان کا۔

س۔ اُردو کی سب سے اچھی لغت کا نام اور اُس کی قیمت بتائیں۔ ملنے کا پتہ بھی بتائیں۔

ج۔ "مصباح اللغات" اور "لغاتِ کشوری" جامع لغات ہیں۔ مصباح اللغات عربی اردو لغت ہے۔ اِس کی قیمت ۲۸ روپے ہے۔ لغات کشوری فارسی اردو لغت ہے۔ اِس کی قیمت ۱۸ روپے ہے۔ یہ دونوں کتابیں آپ اِدارہ "بیسویں صدی" سے طلب فرما سکتی ہیں۔

محمد بشیر الدین ساحل۔ کوٹلہ

س۔ کیا باطل کا طوفان حق کا چراغ گل کر سکتا ہے؟

ج۔ ہرگز نہیں! وہ شمع کیا بجھے گی جسے روشن خدا کرے!

س۔ موسم گرما میں کون سے شربت کا استعمال مفید ہے؟

ج۔ شربت رُوح افزا پیجئے۔ صندل کا شربت پیجئے۔ لیموں اور سونف کا شربت بھی بہت مفید ہوتا ہے۔

س۔ داغؔ کا کوئی شعر سنائیے۔

ج۔ ترے وعدے کو بتِ حیلہ گر نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

شاہد پرویز۔ ۲۴ پرگنہ

س۔ کم بولنا عقل مندی کی علامت ہے تو زیادہ سوچنا کس بات کی علامت ہے؟

ج۔ زیادہ سوچنا بھی سمجھداری کی علامت ہے؟

س۔ آلو، آلو کا چھلکا اور گاجر اِن تینوں میں کون زیادہ طاقت بخش ہے؟

ج۔ گاجر۔

سریندر پال۔ پٹنہ

س۔ آج کے دَور میں ہر مُلک جنگی تیاریوں کی دَوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں جنگی تیاریوں پر کتنا خرچ ہو رہا ہے؟

ج۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی۔ [illegible] جنگی تیاریوں پر روزانہ [illegible] ڈالر خرچ ہو رہے ہیں!

س۔ امریکہ کی فوجی طاقت زیادہ ہے یا روس کی؟

ج۔ روس کی۔ امریکہ دُنیا کو تین بار اور رُوس سات بار تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ارشاد احمد صدیقی۔ سلیم پور

س۔ عورت کی چوٹی اور پہاڑ کی چوٹی میں کیا فرق ہے؟

ج۔ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچتے پہنچتے انسان بے دم ہو جاتا ہے۔ عورت کی چوٹی کا تصور ہی مرد کو سکون بخشتا ہے۔

ایم۔ اے۔ خلیل۔ تانڈور

س۔ اُردو کا سب سے پہلا شاعر کون تھا؟

ج۔ سُلطان محمد قلی قطب شاہ بانیٔ سلطنت قطب شاہیہ گولکنڈہ۔ یہ فارسی میں قطب شاہ اور ہندی میں معانی تخلص کرتے تھے۔

میر احمد علی قیصر۔ کریم نگر

س۔ موسم گرما میں لیموں کا شربت کس حد تک استعمال کرنا چاہئے؟

ج۔ اِس کی کوئی خاص حد معین نہیں کی جا سکتی۔ جتنا بھی پیا جائے فائدہ بخش ہی ہوگا۔

[illegible] پبلشر [illegible] ——— مطبوعہ پربھات آفسیٹ پریس و لیبل آرٹ پریس دہلی۔ تصاویر و ٹائٹل [illegible] کے پریس و پوائنٹ پریس دہلی ——— پتہ۔ دفتر بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی [illegible]

| | |
|---|---|
| [illegible] | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] |
| [illegible] کشیدہ کاری | ۲/- |
| [illegible] کشیدہ کاری | ۳/- |
| [illegible] درزی خانہ | ۳/۵۰ |
| زینت گھر [illegible] | ۵/- |
| [illegible] کشیدہ کاری | ۱/۵۰ |
| حسین کشیدہ کاری | ۳/- |

### ڈکشنریاں

| | | |
|---|---|---|
| مصباح اللغات | عربی۔اُردو | ۲۸/- |
| لغات کشوری | فارسی، اُردو | ۱۸/- |
| اُردو کی لغت | اُردو | ۱۳/- |
| [illegible] | ، | [illegible] |
| [illegible] | ، | [illegible] |
| [illegible] | مولوی کریم الدین | ۲/۵۰ |
| [illegible] | عبدالحق | ۱۵/- |
| [illegible] | [illegible] | ۱۳/- |
| [illegible] | ، | ۱۱/- |
| [illegible] | [illegible] | ۳/۵۰ |
| [illegible] | [illegible] | ۴/۵۰ |

## صنعت و حرفت

| | |
|---|---|
| [illegible] | ۸/- |
| [illegible] | ۳/- |
| [illegible] | ۶/- |
| [illegible] | ۶/- |
| [illegible] | ۴/۵۰ |
| [illegible] | ۸/۲۵ |
| [illegible] | ۱/۵۰ |
| [illegible] | ۴/۵۰ |
| [illegible] گائیڈ | ۱۵/- |
| آئل انجن گائیڈ | ۸/۲۵ |
| درزی ماسٹر | ۵/- |
| وائرلیس ریڈیو گائیڈ | ۸/۲۵ |
| ریڈیو سروسنگ (ریڈیو مکینک) | ۱۰/۵۰ |
| ٹانکا لگانے کا ہنر | ۳/۵۰ |
| چھوٹے ڈائنمو و الیکٹرک موٹر بنانا | ۶/- |
| پریکٹیکل آرمیچر وائرنگ | ۱۲/۵۰ |
| ریفریجریٹر گائیڈ | ۱۲/- |
| ٹرانسسٹر گائیڈ | ۸/۲۵ |
| الیکٹرک موٹرز | ۱۳/- |
| خراد چکستا یعنی ٹرنرز گائیڈ | ۶/- |
| ورکشاپ گائیڈ | ۶/- |
| خراد اور ورکشاپ گیان | ۱۲/- |
| پریکٹیکل [illegible] | ۴/۵۰ |
| سائیکل ریپیئرنگ | ۴/۵۰ |
| [illegible] | ۴/۵۰ |

## صنعت و حرفت [illegible]

| | |
|---|---|
| [illegible] | [illegible] |
| کارڈ بورڈ پلاسٹک ترکیبیں | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] |
| دیسی انگریزی کھانے | [illegible] |
| تمباکو کا کاروبار | [illegible] |
| پان کی دکان | ۳/۵۰ |
| حلوائی ماسٹر | ۳/۵۰ |
| اسمال اسکیل انڈسٹری | ۱۸/- |
| آتش بازی کا کاروبار | ۳/۵۰ |
| وارنش سازی | [illegible] |
| پرفیومری ماسٹر | [illegible] |
| فن مصوری | [illegible] |
| بیکری (پہلا و دوسرا حصہ [illegible]) | [illegible] |
| پینٹری کا کام | [illegible] |
| الیکٹروپلیٹ پالش سازی | [illegible] |
| پلاسٹک گائیڈ | [illegible] |
| رنگ سازی | [illegible] |
| کنفیکشنری (انگریزی مٹھائیاں) | [illegible] |
| [illegible] ماسٹر | [illegible] |
| روشنائیاں بنانا | [illegible] |
| خوشبودار تیل بنانا | ۳/۵۰ |
| [illegible] ماسٹر | ۳/- |
| [illegible] دسترخوان | ۳/۵۰ |
| [illegible] دسترخوان | ۳/- |
| پریکٹیکل انگلش ٹیچر | [illegible] |


BISWIN SADI
YEAR OF PUBLICATION
ADIUM TONIC PILL
نیا خون — نئی طاقت
کمزوری کا زبردست علاج
ریڈیم ٹانک پلز

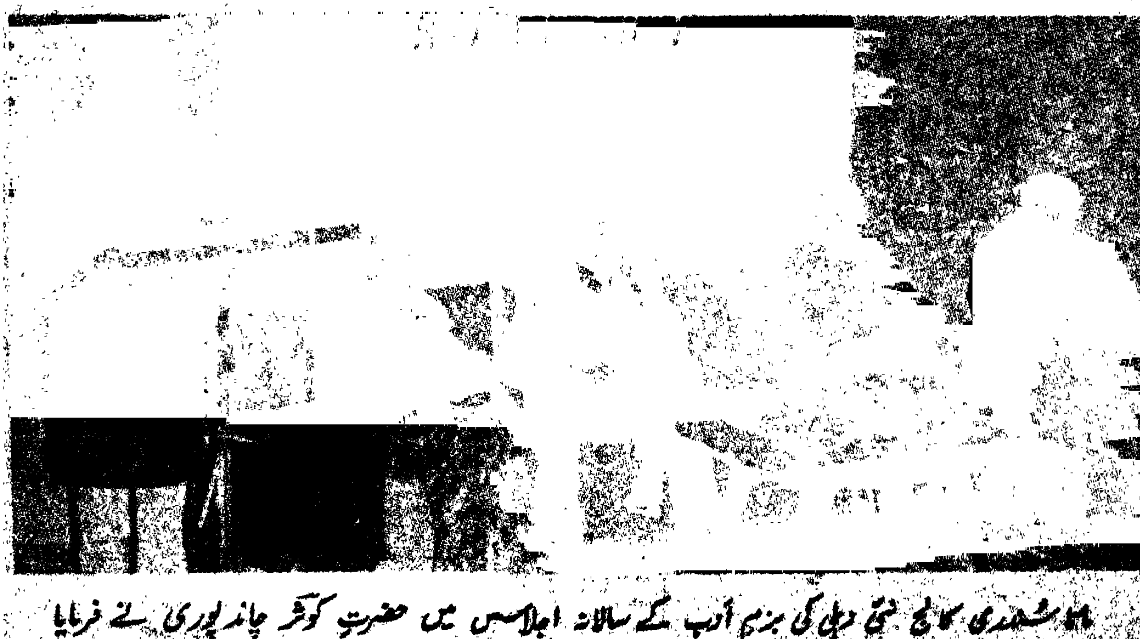
Rs. 2/00

Biswa In S

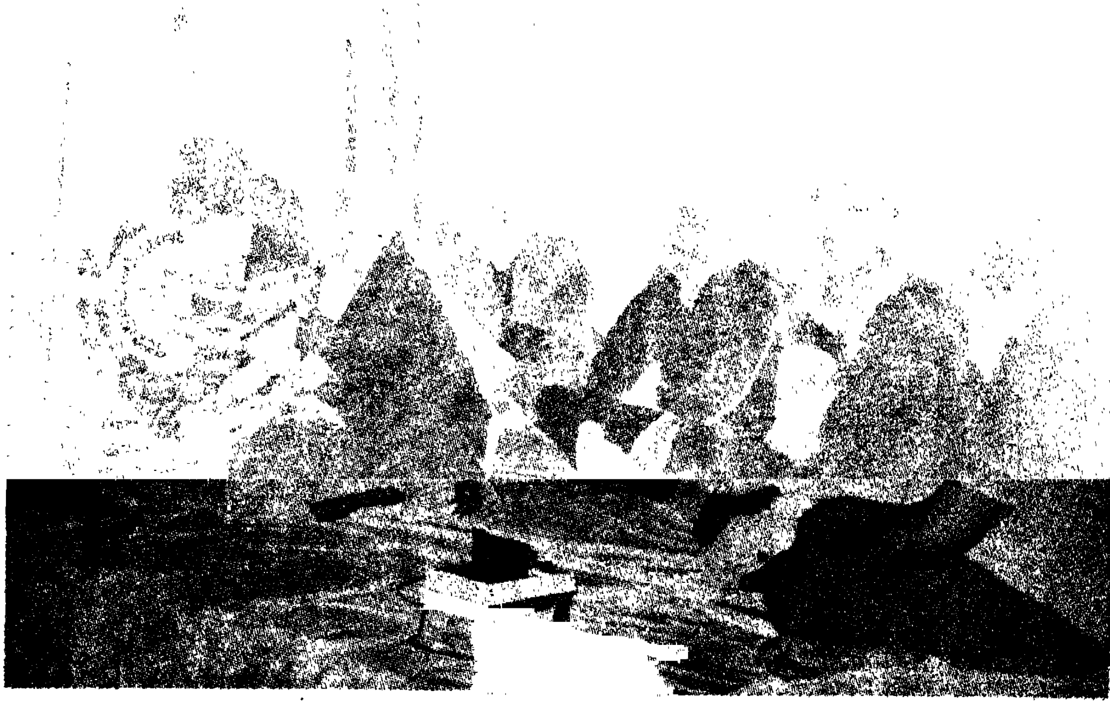




گزشتہ دنوں "انجمن دوستانِ ادب" کی جانب سے پٹھان کوٹ میں ایک آل انڈیا محفلِ مشاعرہ منعقد ہوئی۔ کنور سریندر سنگھ بیدی (پدم بھوشن) کمشنر جالندھر ڈویژن نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا کہ اردو زبان کا اپنا ایک خاص کلچر اور مزاج ہے اور ملک کی سماجی و ثقافتی زندگی کو پروان چڑھانے میں مشاعرے ایک اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اردو شاعری کو خراجِ عقیدت ادا کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اردو ایسی شیریں اور مقبولِ خواص و عوام زبان کی ترقی و بقا کے لئے جو اقدام کئے جا رہے ہیں وہ موجودہ زندگی کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔



... شردھا کالج نئی دہلی کی بزمِ ادب کے سالانہ اجلاس میں حضرت کوثر چاندپوری نے فرمایا ... ملک کی مقبول اور جمہوری زبان ہے ۔ صحیح معنیٰ میں اردو محبت اور پیار کی زبان ہے ، محبت لازوال ...



محترمہ محمودہ نازؔ لکھنوی کیف آفریں ترنّم میں غزل سرا ہیں۔

قسمت نے یہ سلوک کیا زِندگی کے ساتھ
آئے ہیں اشک آنکھ میں اکثر ہنسی کے ساتھ

دیکھا جو التفات برابر سبھی کے ساتھ
اُٹھ آئے بزمِ یار سے تشنہ لبی کے ساتھ

کچھ اعتبارِ وعدہ میں کچھ انتظار میں
گذری ہے غم کی رات بڑی بیکسی کے ساتھ

تڑپا دیا ہے عہدِ گذشتہ کی یاد نے
دیکھا ہے ہم نے جب بھی کسی کو کسی کے ساتھ

مانگے ہوئے چراغ کی لَو کیا کروں گی میں
میرے خدا میں خوش ہوں اِسی تیرگی کے ساتھ

دُنیائے عقل وہوش میں تنہا نہیں ہوں میں
رُسوا ہیں آپ بھی مری دیوانگی کے ساتھ

دِل نازؔ سے تو ناز ہے دِل سے جُدا جُدا
اِک اجنبی ہو جیسے کسی اجنبی کے ساتھ

# بیسویں صدی

ٹیلیفون دفتر ــــ ۲۶۱۶۳۷
ٹیلیفون رہائش ــــ ۹۱۹۹۳۷





قیمت فی پرچہ
دو روپے
[illegible]

سالانہ قیمت خاص نمبروں سمیت ہندوستانی
سکوں میں ــــ بائیس روپے
ممالک غیر ــــ تینتیس شلنگ

مستقل خریداروں کو بائیس روپے قیمت میں
سال بھر کے عام نمبروں کے علاوہ دو عظیم الشان
قیمتی خاص نمبر بھی دیئے جاتے ہیں۔

# تیر و نشتر

## خوشتر گرامی




فرنینڈیز نے ایک اور ریلوے ہڑتال کی دھمکی دی۔

"وزیروں کے خلاف بدعنوانیوں کی شکایات کی تحقیقات" ایک خبر ——— اگلے جنم میں ہوگی۔

---

"دہلی میں ایک پدم شری کی خفیہ الماری سے آٹھ لاکھ کا کالا دھن نکلا" ایک خبر ——— اس دفعہ اُس کو پدم بھوشن بنا دو۔

---

"ہماری سرکار کیسے چلتی ہے؟" ایک عنوان ——— کرپشن، بدانتظامی، بدعنوانی اور رشوت خوری سے۔

---

"اسمگلروں کو سرِعام پھانسی دینے کا مطالبہ" ایک عنوان ——— اُن سے الیکشن فنڈ لے کر اُنھیں پدم شری بنایا جا سکے؟

---

"بڑے اضلاع کی تقسیم ضروری" ایک عنوان ——— ہر صوبہ کو ضلع بنا کر وہاں اسمبلی اور وزارتیں بنانا ضروری۔

---

"یو۔پی میں کرپشن کے خلاف مہم، ایک درجن افسر ملزموں کے کٹہرے میں" ——— اتنے ہی وزیر بھی کٹہرے میں ہوں تو اطمینان ہو۔

---

"ماؤ کے بعد چین میں کیا ہوگا؟" ——— ظاہر ہے
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

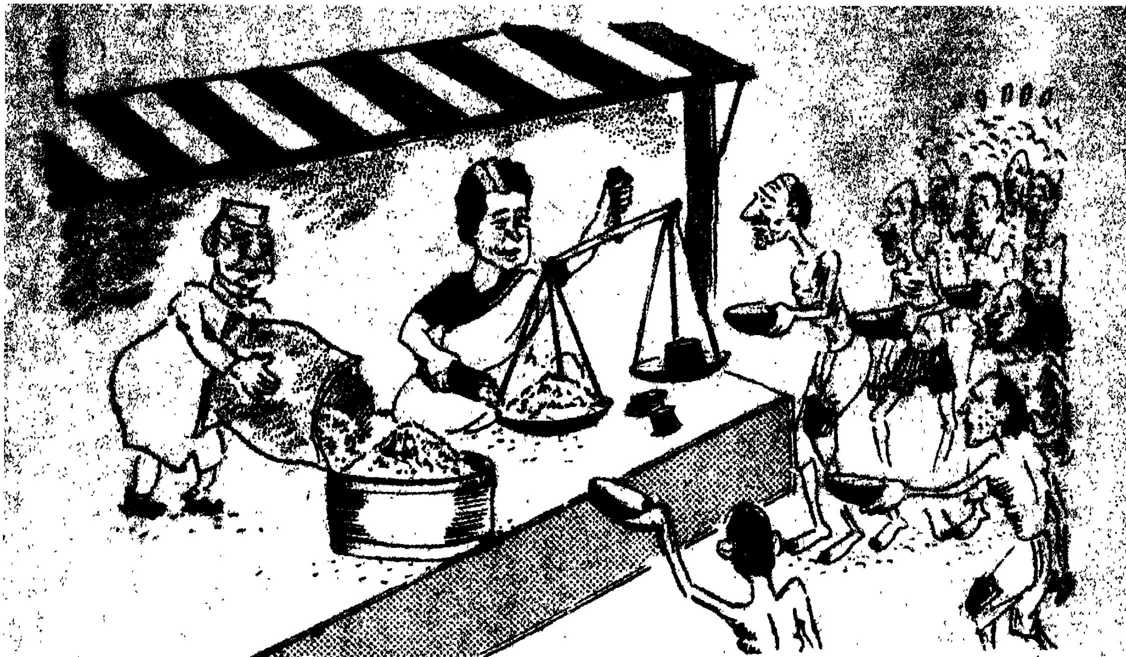
---

"جمہوریت اور سوشلزم کی باتیں" ——— ہندوستان کی اپوزیشن کے سامنے بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہے۔

---

"دیہاتوں میں ٹیلی ویژن سیٹ لگیں گے" ایک خبر ——— جو کھانے پینے اور جملہ اشیائے ضروریہ کا نعم البدل ثابت ہوں گے۔

---



"خوراک اور زراعت کے مسائل نبٹانے کے لئے اندرا گاندھی کی صدارت میں کمیٹی قائم": ایک خبر

---

"دلّی میں ایوننگ کالج نہیں کھل سکیں گے": ایک خبر —— کیونکہ اُن کے نائٹ کلب بن جانے کا اندیشہ ہے جہاں حسن و عشق کے کھیل ہوتے ہیں۔

---

"جن سنگھ کے لیڈر جے پرکاش کی حمایت پر": ایک عنوان —— وہی نہیں، تمام پٹے ہوئے سنڈیکیٹ، سوتنتر [illegible] اور اُن سب کے پیچھے امریکہ بھی۔

---

"کیرالا کی مسلم لیگ کے دونوں گروپوں میں سمجھوتہ ہو گیا": ایک خبر —— [illegible]

---

"امتحان کے بغیر پاس کرنے کا مطالبہ": ایک خبر —— بلکہ بغیر پڑھے لکھے پاس کرنے اور پھر نوکری اور وہ بھی اعلیٰ درجہ کی نوکری دینے کا مطالبہ۔

---

"آگرہ کے جوتا بیوپاریوں نے ہڑتال واپس لے لی": ایک خبر —— اب سر سلامت چاہیے، جوتوں کی کمی نہیں۔

---

"پولیس نے یوتھ کانگریس کی مدد سے بناسپتی پکڑا" —— کاش بوڑھی کانگریس کے لیڈر بھی کچھ کر کے دکھائیں۔

---

"بیر بچے": ایک عنوان —— [illegible] چلائی جاتی ہیں۔

---

"اسمبلی توڑنے کے بعد کیا": ایک عنوان —— [illegible]

---

"تعمیر اُردو کا اجتماع": ایک خبر —— بڑے بڑے [illegible] جمع ہوئے۔ مگر تعمیر کا کام پھر بھی پورا نہ ہوا۔

Received your letter to day.

[illegible] — ایک خبر
[illegible]

• [illegible] — ایک خبر — [illegible] کی آگ
[illegible]
[illegible] ہے
[illegible]

• [illegible] ختم ہوگیا"
[illegible] نے جنگ کی [illegible] کرنے والوں کو [illegible] سے بیشتر
[illegible] تھے

• گیہوں کے بھاؤ گر گئے — ایک خبر
گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں

مہمان [illegible] روشنی نایاب — ایک عنوان —
جان لیوا [illegible] تو دستیاب ہیں

• "اردو کا مستقبل خود اردو والوں کے ہاتھ میں ہے"
— ایک عنوان — جو [illegible] اردو کی حفاظت کا ذمہ لے کے بیٹھا ہے۔

• [illegible] کانے لگے — ایک خبر
[illegible] سکتی۔

[illegible] — ایک عنوان — [illegible]
[illegible]

• [illegible] — خوش قسمت
ہیں [illegible] کے لوگ [illegible] ہے



"بہار اسمبلی توڑنے کی جدوجہد جاری رہے گی" جے پرکاش نرائن کا اعلان۔



اسلامی کانفرنس کا بھارت کے خلاف اظہارِ رائے کرنے سے انکار۔

---

"میرٹھ میں اسلحہ فیکٹری پکڑی گئی" ایک خبر ——— ڈیفنس کا ساز و سامان تیار کرنے میں خود کفالت کی طرف قدم۔

"متعدد ہسپتالوں میں گلوکوز سے موت" ایک خبر ——— یعنی گلوکوز اب زہر کا کام کرنے لگا ہے۔

"روسی دباؤ کے تحت شیخ عبداللہ سے ساز باز" جن سنگھی لیڈر کا الزام ——— اور امریکی ہدایت پر اُس کے خلاف جن سنگھیوں کا واویلا۔

"بہار وزارت کو ہٹانے کے لئے بھگت سنگھ کا راستہ اپنانے کی دھمکی" ایک خبر ——— لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ بہار کی وزارت بھگت سنگھ جیسوں کی قربانی کے نتیجہ میں قائم ہوئی ہے امریکی ایجنٹوں کا کارنامہ نہیں ہے۔

"جھانسی میں گیہوں کی سپلائی میں ہیرا پھیری" ایک خبر ——— یعنی جھانسی میں جھانسہ۔

"مُردہ جانوروں کی چربی" ایک خبر ——— زندہ انسانوں کی خوراک۔

"پانی پت میں نقلی صابن" ——— پانی بہاؤ بہہ جائے گا۔

"ویگن سازی کے لئے نئی کمیٹی" ایک خبر ——— اس میں سب لوہار شامل ہوں گے۔

"بچّہ پیدا کئے بغیر دُودھ دینے والی گائے" ایک خبر ——— فیملی پلاننگ کا کمال۔

• اشتہارات کے ذریعہ خریداری [illegible] ——— عنوان
اور پھر اشتہارات کے ذریعہ خریدی ہوئی [illegible] اشتہارات کے ذریعہ
[illegible] پیدا کرنا۔

---

• ایشیائی خواتین میں بلڈ پریشر کی شرح ——— تو اور کیا
شوہروں کو [illegible] سکتی ہیں؟

---

• بہار سرکار نے جے پرکاش سے تعلق رکھنے والی تمام
تنظیموں کی گرانٹ بند کر دی ہے ——— تو
یہ بھی اچھا ہوا کہ [illegible] ہوا

---

• کیلسٹ پالش، جیکلاں اور ذخیرہ اندوزی کے
خلاف ملک گیر مہم چلائی گی ——— سٹہ بازیوں کے دل
ہو گئے۔

---

• اسلامی کانفرنس میں پاکستان کو چیت میک عنوان ———
چیت کانگریس نے کہا ہوگا اب کے تو مار۔

---

• فخر الدین علی احمد ہندوستان کے آئندہ صدر جمہوریہ ہوں گے
——— جن سنگھیوں، ہندو مہاسبھائیوں اور راشٹریہ سنگھیوں
کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے ہوں گے۔

---

• میرے انتخاب کے بارے میں آپ سوچیں یہ صدر گری
——— کافی سوچ بچار کے بعد ہی فیصلہ کیا گیا۔

---

• جیبی ڈائجسٹ کو ہم نے کبھی اشتہاروں کا پلندہ نہیں بنایا۔ اس میں
بہ ۴ اور برعکس قسم کے وہ اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے جن کا
مقصد خریداروں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا ہوتا ہے۔

---



چین نے بھٹو کو ایٹمی حفاظت کی گارنٹی دی ہے

میں مصروف ہیں۔ ... کی
پہنچ گئے۔ مگر برطانوی ... کی
توپ کی ... ہے جو ...



... تقریر سے کہ ان میں سے ... جن کے متعلق چچا غالب ...
گئے ہیں کہ

دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

# یہ دُھواں سا!

ایم۔ ایف۔ پرویز ایم۔ اے

۳۴۔ [illegible] پیٹھ پونا ۔ ۴۱۱۰۰۲

محترمی خوشتر گرامی صاحب تسلیم

مجھے تیسرا افسانہ بھی ارسال خدمت ہے۔ شاید آپ کے افسانہ نمبر کی تیاریاں شروع ہو گئی ہوں گی اور آپ کافی مصروف ہوں گے۔ رسید کا انتظار رہے گا۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

مخلص ——— ایم۔ ایف۔ پرویز

[illegible]

[illegible] شاید میں اِس سال بھی [illegible] میں نے اپنے دو عظیم الشان [illegible] شروع کر دیا ہے۔ میری کامیابی کی ذمہ دار زیبا ہے۔ [illegible] میں ریسرچ کے کام، طلبہ کی رہبری، میری بڑھتی ہوئی مصروفیت، مسودوں کی ترتیب اور میری ذمہ داریوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں ایک پرائیویٹ سکریٹری کی خدمات حاصل کر لوں۔ انٹرویو کے لئے آئی ہوئی لڑکیوں میں مجھے زیبا اپنی ذہانت، متانت اور اپنے حُسن کے اعتبار سے بھی زیادہ پسند آئی۔ میں نے اسے اپائنٹمنٹ لیٹر دے دیا۔ زیبا نہایت ایمانداری، محنت اور لگن سے میرا کام کرنے لگی۔ قارئین کے خطوط کے جوابات دینا، اخبارات و رسائل سے تعلقات کو

[illegible] زیبا اپنی حدود سے آگے بڑھنے لگی۔ اب اس کی دلچسپیاں میری ادبی سرگرمیوں تک ہی محدود نہیں رہ گئی تھیں۔ اب وہ میری نجی زندگی میں بھی دخل دینے لگی تھی ———

"آپ اِتنا اوور ورک کیوں کرتے ہیں۔ رات بہت دیر تک آپ اسٹڈی روم میں جاگتے رہے۔ آپ نے پچھلی کہانی ادھوری چھوڑ دی ہے۔ آپ نے صبح ناشتہ ہی نہیں کیا۔ آپ کے شرٹ کے کالر پھٹتے جا رہے ہیں۔ آپ ساری رات فین کے نیچے سوتے رہے اِسی لئے آپ کو سردی ہو گئی۔ آپ نے تفریح کے اوقات بہت کم کر دئے۔۔"

مجھے کبھی بار اُس کی یہ دخل اندازی بہت اچھی لگتی تھی اور اب تو مجھے بھی عادت ہو گئی تھی کہ اپنے سارے کاموں کی ذمہ داریاں اُسی پر ڈال دوں۔ وہ جو چاہے کرے۔

دو تین سالوں میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اب ایک پل بھی زیبا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک بار اُس نے مجھ سے ایک ماہ کی چھٹی مانگی۔ میں یوں سٹپٹا گیا جیسے چھٹی اُس نے نہیں

# جے پرکاش نرائن

قول و فعل، شکل و صورت سے بگلا بھگت۔ دل میں ہوس اقتدار کی۔ آنکھوں میں گڑھے مایوسیوں کے، سر پہ بھوت لیڈری کا۔ پیشانی پر تقدیر کی محرومیوں کی داستان کندہ —— یہ ہیں ہمارے سروودے لیڈر شری ——

## جے پرکاش نرائن



جس سرزمین بہار میں جنم پایا تھا، کانگریس کی جڑیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ ہوش کی آنکھیں کھولیں تو تعلیم کے نام پر امریکہ پہنچ گئے۔ مگر برطانوی لارڈوں کی خط و کتابت تصویر کا دوسرا رُوپ بھی پیش کرتی ہے جو کم ہی لوگوں کو معلوم ہے —— امریکہ میں پروان چڑھے اور امریکہ نوازی اِن کی نس نس میں بس گئی۔ واپسی پر نہ جانے کن کے اِشاروں پر گاندھی جی کے حلقے میں شرفِ باریابی پایا اور اُن کی لٹھیا کے سہارے نام پیدا کیا —— کبھی عدم تشدد کے علمبردار بنے۔ کبھی تشدد کے پرستار۔ کبھی جیل کی مشقتوں سے ڈر کر کودے پھاندے، روپوش ہو گئے۔ کبھی جواہر لال نہرو کی مُروّت اور سایۂ عاطفت میں نام پایا۔ آج اُن کی بیٹی کا تختہ اُلٹنے کے درپے ہیں —— اور یہ سوشلسٹ امریکی سامراج کے پٹھو۔ بائیں کو چلتے، دائیں کو گل کھلاتے ہیں۔ رجعت پسندوں اور جن سنگھیوں کے سرتاج ہیں۔ سنگھیوں کی آنکھ کا تارا۔ سوتنتریوں کے لئے اُمید کی کرن اور بزدل کانگریسیوں کے لئے بھوت ہیں۔ آج کل جمہوریت کے قاتلوں کے سربراہ بنے "بہار توڑو" آندولن چلا رہے ہیں۔ سیاست میں نیچے دروں پیچ بیروں ہیں —— چندہ بٹورنے، سرمایہ داروں اور غیر ملکی اثر و رسوخ کی راہیں ہموار کرنے اور اُن کی ترجمانی کے لئے درجنوں انجمنیں بنائے بیٹھے ہیں۔ جن کے چندوں کا حساب و کتاب نہیں، دلدل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اُن میں سے ہیں جن کے متعلق چچا غالب فرما گئے ہیں ؎

دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

# یہ دُھواں سا...!

ایم۔ ایف۔ پرویز ایم۔ اے

۸۳۳۔ رویوار پیٹھ۔ پونہ ۲۔۴۱۱۰۰

محترمی خوشتر گرامی صاحب! تسلیم

لیجئے تیسرا افسانہ بھی ارسالِ خدمت ہے۔ شاید پسند آئے۔ افسانہ نمبر کی تیاریاں شروع ہو چکی ہوں گی اور آپ کافی مصروف ہوں گے۔ رسید کا انتظار رہے گا۔ اُمید ہے آپ بالکل صحت مند ہوں گے۔

مخلص ——— ایم۔ ایف۔ پرویز

★

اپنی ادبی زندگی میں نے افسانہ سے شروع کی ہے۔ میرے افسانوں کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہونے لگی ہے۔ امریکہ، انگلستان، جرمنی، روس اور مشرقِ وسطیٰ کی کئی یونیورسٹیوں سے مجھے تعریفی اور تنقیدی خطوط موصول ہونے لگے ہیں۔ میری [illegible] رفتہ رفتہ تسلیم کی جا رہی ہے۔ میرا شمار چوٹی کے ادیبوں میں ہونے لگا ہے۔ پچھلے سال میں نے ایک درجن اچھے اچھے افسانے لکھے جو مُلک کے مشہور رسائل میں شائع ہوئے۔ شاید میں اِس سال بھی یہ سلسلہ جاری رکھ سکوں۔ اب میں نے اپنے دو عظیم الشان ناولوں پر کام شروع کر دیا ہے۔ میری کامیابی کی ذمّہ دار زیبا ہے۔

یونیورسٹی میں ریسرچ کے کام، طلبہ کی رہبری، میری بڑھتی ہوئی مصروفیت، مسودوں کی ترتیب اور میری ذمّہ داریوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں ایک پرائیویٹ سکریٹری کی خدمات حاصل کر لوں۔ اِنٹرویو کے لئے آئی ہوئی لڑکیوں میں مجھے زیبا اپنی ذہانت، متانت اور اپنے حُسن کے اعتبار سے بھی زیادہ پسند آئی۔ میں نے اسے اپائنٹمنٹ لیٹر دے دیا۔ زیبا نہایت ایمانداری، محنت اور لگن سے میرا کام کرنے لگی۔ قارئین کے خطوط کے جوابات دینا، اخبارات و رسائل سے تعلقات کو استوار کرنا اور تمام مسودوں کی جانچ پڑتال اور دوسرے سارے اہم کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دینے لگی۔

لیکن رفتہ رفتہ زیبا اپنی حدود سے آگے بڑھنے لگی۔ اب اُس کی دلچسپیاں میری ادبی سرگرمیوں تک ہی محدود نہیں رہ گئی تھیں۔ اب وہ میری نجی زندگی میں بھی دخل دینے لگی تھی ——

"آپ اِتنا اوور ورک کیوں کرتے ہیں۔ رات بہت دیر تک آپ اِسٹڈی روم میں جاگتے رہے۔ آپ نے پچھلی کہانی ادھوری چھوڑ دی ہے۔ آپ نے صبح ناشتہ ہی نہیں کیا۔ آپ کے شرٹ کے کالر پھٹتے جا رہے ہیں۔ آپ ساری رات فین کے نیچے سوتے رہے اِسی لئے آپ کو سردی ہو گئی۔ آپ نے تفریح کے اوقات بہت کم کر دئے۔۔۔"

مجھے کئی بار اُس کی یہ دخل اندازی بہت اچھی لگتی تھی اور اب تو مجھے بھی عادت ہو گئی تھی کہ اپنے سارے کاموں کی ذمّہ داریاں اُسی پر ڈال دوں۔ وہ جو چاہے کرے۔

دو تین سالوں میں مجھے ایسا محسوس ہُوا جیسے میں اب ایک پَل بھی زیبا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک بار اُس نے مجھ سے ایک ماہ کی چھٹی مانگی۔ میں یوں سٹپٹا گیا جیسے چھٹی اُس نے نہیں

... کی ہو اور نامنظور کر دی گئی ہو۔

"... بہت اہم کام ہے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"... بڑے بھیا کی شادی کے انتظامات کرنے ہیں۔ ماں ... ہے۔ دو چھوٹی بہنیں ہیں۔ وہ کیا کیا کر سکتی ہیں۔"

"ہاں ——— تو پورا ایک مہینہ لگ جائے گا اس میں؟"

"اگر کام جلد ہو گیا تو میں فوراً لوٹ آؤں گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

گھر جانے سے پہلے اس نے میرے تمام اہم کام تقریباً مکمل کر ڈالے اور پھر مجھ سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا۔ "میں کل سے نہ آؤں گی۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بہت دیر تک میرے سامنے بیٹھی رہی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا اچانک میں خلاء میں پہنچ گیا ہوں۔

"آپ اپنی شادی کے متعلق سوچ لیجئے نا ——— اب تو آپ کو اس سلسلے میں ضرور کچھ کرنا ہی چاہئے۔" اس نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

میں جانتا تھا اس سلسلے میں وہ مجھے کچھ کہنا ضرور چاہتی ہے۔ لیکن شاید اس کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ میں نے زیبا کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش بیٹھی کاغذات الٹ پلٹ کرتی رہی۔ اس وقت وہ بہت حسین معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن اس کے گلابی رخساروں پر ملال نمایاں تھا۔

"میں سمجھتا ہوں شادی بیاہ کی رسم ازمنہ وسطیٰ کی یادگار ہے۔ جتنی جلدی ہم اسے ترک کر دیں اتنا ہی بہتر ہو گا۔ انسان کی عمر کے سارے سنہرے لمحات Marital Conflicts ازدواجی کشمکش کی نذر ہو جاتے ہیں۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو مصنوعی خوشی بخشنے کی تگ و دو میں لگ جاتے ہیں اور جب انسان اس مصنوعی خوشی سے تنگ آ جاتا ہے تب طلاق کی صعوبتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ زندگی پھر بے معنی ہو جاتی ہے ———" شاید میں بہت کچھ کہتا۔ لیکن اس درمیان کافی آ گئی۔ ہم خموشی سے کافی پیتے رہے۔

"تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟" میں نے بھی پوچھ ہی لیا۔

"بھائی جان کی شادی کے بعد شاید امی جلدی ... اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔" وہ بولی۔ اس ... نظریں جھکی ہوئی تھیں اور میں بہت دور خلاؤں میں ...

پھر وہ چلی گئی۔ کئی دن کام میں میرا دل ... رہے مختلف شہروں سے، ملکوں سے۔ میں کسی کا جواب ... سکا۔ میرے کام بے ہنگم ہوتے چلے گئے اور میں ... زیبا کے لوٹنے کا انتظار کرنے لگا۔

ایک دن مجھے ایک خط ملا۔ لکھا تھا ———

"محترمی افکار صاحب! تسلیم

آپ کی تحریر میری زندگی بن چکی ہے۔ آپ کو پڑھے بغیر میں نہیں رہ سکتی۔ آپ کو دیکھنے اور آپ سے ملنے کی تمنا تھی، وہ میں نے پوری کر لی اور اب آپ کی یادیں ہی میرا سہارا ہیں۔ جینے کی ہر خواہش بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ بتلائیے میں کیا کروں؟

آپ کی

صبیحہ"

نہ جانے کون لڑکی ہے۔ مجھ سے کب ملی تھی۔ یوں تو کبھی کبھی کالج کی کئی لڑکیاں آ جاتی ہیں۔ ملتی ہیں۔ کچھ ادب اور زندگی پر باتیں ہوتی ہیں اور پھر وہ چلی جاتی ہیں۔ میں نے اس کے خط کا کوئی جواب نہ دیا۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں گدگدی سی تو ضرور پیدا ہو گئی۔ جی چاہا کچھ لکھوں۔ لیکن میں جانتا تھا ملنے کے بعد وہ مجھ سے شادی کی درخواست کرے گی اور میں شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔

چار ہی دن گزرے تھے کہ پھر ایک خط آ گیا ———

"افکار صاحب! تسلیمات

معلوم ہوتا ہے آپ صرف لکھنے کی خاطر لکھتے ہیں۔ جیتے جاگتے انسانوں سے آپ کو کوئی ہمدردی نہیں۔ کوئی پیار نہیں۔ ایک لڑکی اپنی ساری تمنائیں لئے آپ کی یادوں میں کھوئی ہے اور آپ اسے خط کا جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ افسانوں میں تو آپ محبت کا گہرا فلسفہ پیش کرتے ہیں . . . یہ طرح ...

لے گئے نہیں ہیں۔ بتایئے کب جلوں آپ سے؟ . . .
جواب جلد دیجئے نا ——!

صرف آپ کی
"صبیحہ"

میں نے اِس خط کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ میں ایک طرفہ محبت کا بھی قائل نہیں ہوں۔ محبت ہو تو یوں کہ دونوں بیساختہ آپس میں منسلک اٹھیں۔ یہ تو زبردستی کی محبت ہے۔ شاید ہر آدمی جینے کے لئے کسی چیز کا بہانہ ڈھونڈتا ہے اور محبت ایک بہانہ ہے... میں سوچنے لگا۔

دُوسرے ہفتے ایک ٹیلیگرام آیا ——
"جواب جلد دیجئے۔ طبیعت الجھن میں ہے —— صبیحہ"

میں نے اِس بار بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اب وہ ضرور خاموش ہو جائے گی اور اِس کے بعد کوئی خط نہ لکھے گی۔ لیکن میرا اندازہ غلط تھا۔ ایک اور خط آیا۔ اب کی بار کچھ طویل خط تھا۔

"آپ بے درد ہیں۔ نہیں جانتے محبت کیا ہوتی ہے اور یہ یکطرفہ محبت تو دل کو خاکستر کر دیتی ہے۔ سامنے والے کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ لیکن میں تنہا اِس آگ میں کب تک جلوں —— کیا آپ میرے متعلق کچھ نہیں سوچ سکتے؟ کیوں مجھے ستا رہے ہیں آپ . . . "

ریڈیو گرام پر کہیں سے نہایت پُرسوز آواز میں جیسے کوئی تڑپ اُٹھا ——

" دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے . . . "

میں ایک لمحہ کے لئے آواز کے سوز میں ڈوب گیا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ تھکے ہوئے پرندے بسیرا ڈھونڈ رہے تھے —— "یہ دُھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے ——" آواز کا درد بڑھتا ہی چلا گیا۔

میں نے دُوسرے صفحے پر نظر ڈالی ——

"آپ ہی نے لکھا ہے، محبت کے بغیر زندگی بے معنی خواب ہے، صحرا کا پھول ہے۔ ایسا بادل ہے جو برسا نہیں، ایسا جھونکا ہے جو ٹھنڈک اور خوشبو سے عاری ہے، ایسا راستہ ہے جس پر کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ محبت پھول کھلاتی ہے، جان ڈالتی ہے، زندگی کو زندگی بناتی ہے . . . آپ نے

# اُمید کی کرن

پروفیسر کرامت علی کرامت ایم ایس سی ——

آغازِ محبت کی باتیں اے ہمدم میں دُہراتا ہوں
جو داغ چھپے ہیں سینے میں، اُن داغوں کو دکھلاتا ہوں
سوچا تھا یہ میرے دل نے کبھی اک وقت کا جھونکا آئیگا
جو حسن کی زرّیں وادی سے پیغامِ محبت لائے گا
اُلفت کی شعاعوں سے جس دم احساس کی چاندنی دمکے گی
تخئیل کا جوہر نکھرے گا، افکار کی دنیا چمکے گی
اُس چاند سے مکھڑے سے جس دم دھیرے سے آنچل ڈھلکے گا
اُمید کے میخانے میں بھی تاروں کا ساغر چھلکے گا
سوچا تھا میں اپنی پلکوں سے کچھ ہیرے موتی چُن لوں گا
ماضی کی سنہری یادوں سے فردا کے سپنے بُن لوں گا
سوچا تھا کہ زُلفِ شب گوں میں رخشندہ ستارے بھر دوں گا
قدرت کے عجائب خانے میں، کچھ شوخ نظارے بھر دوں گا
افسوس کہ ایسا ہو نہ سکا اور میرا اب یہ عالم ہے
ماضی کی ندامت گرچہ نہیں خوشیوں کا پھر بھی ماتم ہے
آنکھوں میں شرارے رقصاں ہیں، سانسوں میں چتائیں جلتی ہیں
آغوشِ خزاں ہی میں لیکن پُرکیف بہاریں پلتی ہیں
ہے دل کے اُفق پر لرزاں سی، اُمید کی اِک موہوم کرن
گو چاک ہے لیکن پھر بھی نہیں کوتاہ تمنّا کا دامن

محبت کو خدا بھی کہہ دیا ہے۔ آپ محبت کے لئے ہر قربانی کو تیار ہیں۔ پھر بتایئے میری محبت کا جواب محبت سے کیوں نہیں ملا؟ کہہ دیجئے کہ آپ کی ساری فلاسفی غلط ہے —— محبت پر جو صفحات آپ نے رنگے ہیں، پھاڑ دینے کے قابل ہیں . . . کیا آپ مجھ سے مل سکتے ہیں . . . ؟"

میں نے اگلی دن زیبا کو ایک خط لکھ دیا ——

"تمھارے جانے کے بعد کام میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ قارئین بے حد پریشان کرنے لگے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کس کس کو جواب دوں۔ یونیورسٹی کی ذمّہ داریاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اُمید ہے شادی کے انتظامات مکمل ہو چکے ہوں گے۔ فوراً لوٹ آؤ۔"

ایک ہفتہ خالی گزر گیا۔ صبیحہ کا کوئی خط نہ آیا۔ میں نے اطمینان کی سانس لی۔ لیکن بہت سارے خطوط میں پھر ایک نیلے لفافے نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ خط میں لکھا تھا ———

"یا تو آپ کی شادی ہو چکی ہے یا اپنی بیوی سے بہت ڈرتے ہیں۔ اگر آپ کی شادی ہو چکی ہے تب بھی میں آپ سے محبت کرتی رہوں گی ——— اگر آپ کی شادی نہیں ہوئی ہے تو پھر یہ خموشی کیوں؟ کوئی اور لڑکی ہے آپ کی زندگی میں؟ خدارا کچھ تو کہئے ——— صبیحہ"

میں شدت سے زیبا کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ دوسرے دن میں نے اسے ایک ٹیلیگرام کیا۔ لیکن زیبا نے اُس کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے بہت غصّہ آیا۔ جی چاہا اُسے ایک نوٹس بھیج دوں۔ میں نے اُسے ایک سخت خط لکھ دیا ———

"میڈم!

آپ کی ایک ماہ کی چھٹی ختم ہو چکی ہے۔ آپ اب بھی کام سے غیر حاضر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں میں نے آپ کو معقول تنخواہ دی تھی۔ اگر آپ نے کچھ ایکسٹرا ورک کیا تھا تو اُس کا معاوضہ میں دینے کو تیار ہوں۔ اگر آپ اس ہفتہ کام پر نہ آسکیں تو سمجھ لیجئے آپ کی سروس ختم کر دی گئی ہے!"

مجھے افسوس تو ضرور ہوا کہ زیبا کے لئے مجھے اِس قسم کی دفتری زبان کا استعمال کرنا پڑا۔ لیکن مجھے یقین تھا وہ ضرور لوٹ آئے گی۔ اُسے سروس کی ضرورت تھی۔ . . کیا بھائی کی شادی کا بہانہ کر کے وہ خود ہی شادی کرنے تو نہیں چلی گئی؟

میں اپنے آپ کو بے حد اُداس اور افسردہ پا رہا تھا۔ موسم ابر آلود تھا۔ بے حد اُمس تھی۔ جی چاہ رہا تھا پہاڑ پر چلا جاؤں۔ کچھ لکھنے لکھانے کا بھی مُوڈ نہیں۔ اب مجھے زیادہ دن زیبا کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ صبح میں نے ایک سیکریٹری کے لئے اخبار میں اشتہار دے دیا۔

انٹرویو کے لئے کئی لڑکیاں آئیں۔ لیکن میں نے کسی کو بھی سلیکٹ نہ کیا۔ زیبا کے مقابلہ میں سب ہیچ تھیں۔

میں کچھ اُداس ہو گیا اور آسمان میں بکھرے ہوئے سفید سفید ابر کے ٹکڑوں کو دیکھتا رہا۔ پوسٹ مین نے ایک خط میرے ٹیبل پر رکھ دیا۔ خط میں لکھا تھا ———

"آپ نے جینا مشکل کر دیا ہے۔ سوچتی ہوں چُپ چاپ چلی آؤں آپ سے ملنے۔ لیکن اگر آپ نے جھڑک دیا تو؟ شاید میری آنکھوں میں آپ کو اپنے پیار کی جھلک نظر آجائے۔ تو بتایئے میں آپ سے کب اور کہاں ملوں۔ دفتر میں، گھر میں، ہوٹل میں یا کسی چوراہے پر ———؟ صبیحہ"

میں نے پیڈ نکال کر زیبا کو ایک خط لکھا ———

"——— میں سمجھتا ہوں میں نے تمھارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ دفتر کے کاموں کے علاوہ تم نے میری ذاتی زندگی میں بھی دلچسپی لی۔ صبح صبح دفتر میں آجانا ——— میرے لئے چائے بنانا، میرے کھانے پینے کے اوقات کا خیال رکھنا۔ میری نیند، میری صحت، میری تفریحات، میرے مشاغل سب کچھ تمھاری نگرانی میں تھے۔ شاید تم اِن ذمّہ داریوں سے گھبرا کر ہی چلی گئی ہو۔ اِسی لئے تم نے شادی کا بہانہ بنایا اور کام چھوڑ دیا۔ لیکن اب یقین دلاتا ہوں کہ اب ایسا کوئی کام نہ کرنے دوں گا جس سے تمھیں اُلجھن ہو۔

تم جانتی ہو میں شادی کے کتنا خلاف ہوں اور بغیر کسی کی مدد کے میں اِتنی ذمّہ داریاں سنبھال بھی نہیں سکتا۔ اِس لئے اگر مناسب سمجھو تو جلد سے جلد چلی آؤ۔ ورنہ مجھے کسی اور کو کام کی ذمّہ داری سونپنی ہو گی ———"

اِس خط کے بعد کئی دن بیت گئے۔ نہ صبیحہ نے کوئی خط لکھا نہ زیبا نے کسی خط کا جواب دیا۔ میری اُلجھن [illegible]

اضافہ ہوتا چلا گیا۔ زندگی ایک بڑھتا ہوا بوجھ معلوم ہونے لگی۔ ایک ویرانی سی چھا گئی ہر طرف۔ دل کبھی کبھی اچانک اُداس ہو جاتا۔ اِک گھبراہٹ سی ہونے لگتی۔ دم گھٹنے لگتا۔ کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہونے لگتی۔ زیبا نے خط کا جواب نہیں دیا۔ لیکن صبیحہ جو خود اتنی بے تاب تھی اُسے کیا ہو گیا۔ میں سوچتا رہا، دن گزرتے رہے ——— زیبا اور صبیحہ کے خطوط بند ہو گئے۔

جب دل بہت گھبرانے لگا تو سوچا صبیحہ کو خط لکھوں اور اُس سے مل لوں۔ شاید اُس ملاقات سے دل کو کچھ قرار آئے۔ میں نے لکھا ———

"صبیحہ!

تمھارے سب خطوط موصول ہوئے۔ غالباً تم نے مجھے پتھر ہی سمجھ لیا ہوگا۔ کیونکہ میں تمھارے تڑپا دینے والے خطوط کے باوجود خاموش رہا۔ دراصل میں یکطرفہ محبت کا قائل نہیں ہوں ——— لیکن اب ایسا محسوس ہو رہا ہے تمھارے خطوط کی مسلسل بارش نے میرے پتھر دل میں بھی پیار کے پھول کھلا دیئے ہیں۔ میں اِس کیفیت کو کیا نام دوں، سمجھ میں نہیں آتا۔ پتہ نہیں یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھ رہا ہے، کیوں اُٹھ رہا ہے۔ میرا سارا وجود اِس کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ آؤ پیار کی چنگاریوں کو شعلہ بنا دو! کہیں میں خود نہ جل جاؤں۔ میں پانچ تاریخ کی شام ٹھیک ۵ بجے اپنے دفتر میں تمھارا انتظار کروں گا۔

مخلص
افکار"

میں بے چینی سے اُن لمحات کا انتظار کرنے لگا جب صبیحہ سے ملاقات ہوگی ——— اور آخر وہ لمحہ قریب آ ہی گیا ——— دل کی دھڑکن غیر معمولی طور پر تیز ہو گئی۔ ٹھیک پانچ بجے کال بیل بجی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"زیبا تم ———!" بے ساختہ میرے مُنہ سے نکلا۔ اِس وقت وہ شعلہ جوالا نظر آ رہی تھی "آج اچانک کیسے؟ کوئی اطلاع تو دی ہوتی!"

"زیبا نہیں ——— میں ہوں صبیحہ!؟"

میں حیران ہو کر اُسے دیکھنے لگا "لیکن یہ سارا ڈرامہ زیبا ——— وہ خطوط جو صبیحہ نے لکھے ———" میں کچھ خفا ہو کر جھلا اُٹھا "تم تو زیبا ہی ہو نا"

"صبیحہ کے نام سے میں نے ہی خطوط لکھے۔ اپنی سہیلی سے لکھوا لئے ———" وہ شرارت سے مُسکرائی "براہِ راست دل کی بات کہنے کی تم سے کبھی ہمت نہ ہوئی تھی نا اِس لئے ———"

"یہ ناٹک کرنا پڑا ———" میں نے بات پُوری کر دی اور میرے بیتاب ہونٹ صبیحہ کی پیشانی کی طرف بڑھ گئے!!

---

# محرومی

راہی بلند شہری

تیری زُلفوں کی گھنی چھاؤں میں کچھ پل کے لئے
جن پہ چل کر اُنہیں منزل کے نشاں مل جاتے
اِک تھکے ہارے مسافر کو پناہیں نہ ملیں
بھولے بھٹکے ہوئے قدموں کو وہ راہیں نہ ملیں

---

تیرے دربار میں ہم کُشتۂ شمشیرِ ستم
ہے تری چشمِ کرم باعثِ آبادیِ دل
گلہ و شکوۂ بیداد لئے پہونچے تھے
ہم جبھی تو دلِ برباد لئے پہونچے تھے

---

تیرا مرمرسا حسیں جسم نہ تھا پیشِ نظر
لوگ ہو جاتے ہیں آمادۂ عصیاں لیکن
ہم ترے حُسن و جوانی کے تمنائی نہ تھے
جن کی دُنیا ہو ہوس ہم تو وہ سودائی نہ تھے

---

تیرے رُخساروں کی لالی ہمیں مطلوب نہ تھی
تیرے آنچل کے ستاروں سے نہ تھی کوئی غرض
تیرے ہونٹوں کا تبسم ہمیں درکار نہ تھا
تیرے لہجے کا ترنّم ہمیں درکار نہ تھا

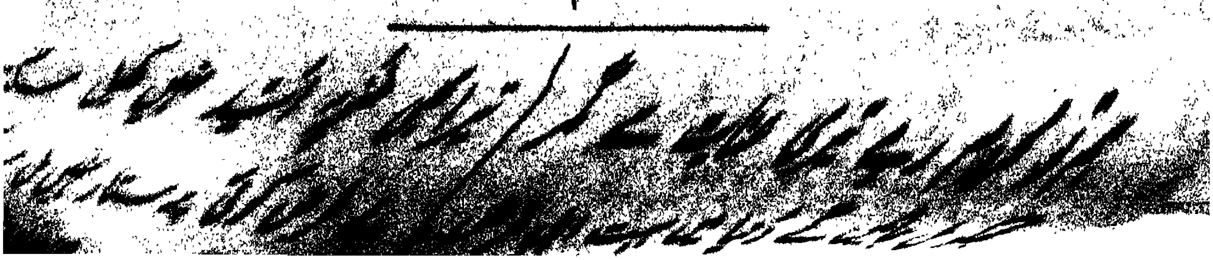
---

اے گرفتارِ طلسمِ زرد افسونِ شباب
اپنی قسمت کے اندھیروں سے تھے گھبرائے ہوئے
اِک تری چشمِ محبت کے طلب گار تھے ہم
اِس لئے جانِ جہاں طالبِ دیدار تھے ہم

---

وائے قسمت کہ غم و رنج والم کے مارے
کتنے ارمان لئے پہونچے تھے دل میں لیکن
موجِ ناکامیِ تقدیر پہ بہتے رہے
ہم ترے در سے غم و رنج لئے. بہتے رہے

---



# تشنہ لبی

**نعیم کوثر ایم۔ اے، بی۔ ایل، بی۔ ایڈ**

گلستان، لال پھاٹک، چندواڑہ، مظفر پور نمبر ا (بہار)

بھائی جان! خلوص و محبت

آپ کا خط ملا ۔ بے حد خوشی ہوئی۔ آپ کے چند جملوں نے ہی میری ساری اُلجھنیں دُور کر دی ہیں۔ آپ کے خلوص اور آپ کی شفقت نے مجھے بہت کچھ دیا ہے ــــ افسانہ نمبر کے لئے ایک خوبصورت سی کہانی "تشنہ لبی" حاضرِ خدمت ہے۔ اُمید ہے یہ کہانی آپ کو اور قارئینِ "بیسویں صدی" کو پسند آئے گی ــــ اِن دنوں میں مظفر پور آگیا ہوں۔ "بیسویں صدی" اب مجھے اِسی پتے پر بھیجنے کی زحمت کریں۔ اپریل کے پہلے ہفتے میں علی گڑھ کا پروگرام ہے۔ آپ سے ملنے دہلی بھی آؤں گا ــــ کہانی کی رسید اور آپ کی خیریت کا انتظار رہے گا۔ خدا کرے آپ بالکل اچھے ہوں . . .

آپ کا بھائی
نعیم کوثر

★

سنجر نے دُنیا کی ساری خوبصورتی کو سمیٹ کر اپنے بنگلے میں قید کر لیا ہے۔ عیش و عشرت اور شان و شوکت کے سامان۔ دُنیا کے مشہور مصوّروں کی پینٹنگ۔ خوبصورت اور شاندار ڈرائنگ رُوم میں ایکوریم۔ قیمتی صوفے، لہراتے ہوئے ریشمیں پردے اور بنگلے کے سامنے لان جس میں فوّارے ہر دَم جوانی کے گیت گاتے ہیں۔ خوبصورت کیاریوں میں حسین پھول جنہیں مُرجھانے کا ذرا بھی خوف نہیں۔ بالکونی پر رکھے ہوئے پام کے پَودے اور منی پلانٹ کی سرسبز بیلیں اور بالکونی سے سٹا ہوا اُس کا بیڈ رُوم جس کے دریچوں پر پھیلی ہوئی جوہی کی بیل [illegible] بسی خوشبو۔ سنجر کا بیڈ رُوم نہیں جنت ہے۔ جہاں پہنچتے ہی نیند [illegible] پلکوں پر آ بیٹھتی۔ یہ باہر کی دُنیا کتنی [illegible] اندر [illegible] کی دُنیا کتنی خوبصورت اور [illegible] اُس نے [illegible]

ایک طرح کا انوکھا نکھار اور نیا پن کروٹ لے رہا تھا۔ بنگلے کے سامنے مندر کا کلس اپنا مغرور سر بڑے فخر سے اُٹھائے ہوئے کھڑا تھا۔ دُور دُور تک پھیلے ہوئے شبنم کے اُونچے اُونچے درختوں کے بیچ سے ہوٹل زینبی کا کلاک ٹاور نظر آ رہا تھا۔ رات کے گیارہ بج گئے۔ لیکن ابھی تک سنجر کا پتہ نہ تھا۔ اُس نے کل ہی اُسے ٹیلیگرام کر دیا تھا کہ وہ آج پہنچ رہا ہے۔ کل ہی اُسے سرلا اینڈ سرلا کمپنی میں ڈائرکٹر کے پوسٹ پر جوائن کرنا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اسٹیشن چلا گیا ہو اور وہ اپنی کار سے چلا آیا۔ غلطی اُس کی ہے۔ یہ بات سنجر کو پہلے معلوم ہوتی تو وہ اِس انتظار کی زحمت سے چھٹکارا پا جاتا۔ بہرحال انتظار کی سزا تو اُسے ملنی ہی چاہیے۔

سنجر اُس کے بچپن کا دوست تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ [illegible] تعلیم کے لئے لندن چلا گیا اور [illegible] کا پتہ نہ تھا۔ [illegible]

# محرومی

راہی بلند شہری

تیری زُلفوں کی گھنی چھاؤں میں کچھ پل کے لئے
جن پہ چل کر اُنہیں منزل کے نشاں مل جاتے
اِک تھکے ہارے مسافر کو پناہیں نہ ملیں
بھولے بھٹکے ہوئے قدموں کو وہ راہیں نہ ملیں

---

تیرے دربار میں ہم کُشتۂ شمشیرِ ستم
ہے تری چشمِ کرم باعثِ آبادیٔ دل
گلہ و شکوۂ بیداد لئے پہونچے تھے
ہم جبھی تو دلِ برباد لئے پہونچے تھے

---

تیرا مرمر سا حسیں جسم نہ تھا پیشِ نظر
لوگ ہو جاتے ہیں آمادۂ عصیاں لیکن
ہم ترے حُسن و جوانی کے تمنائی نہ تھے
جن کی دُنیا ہو ہوس ہم تو وہ سودائی نہ تھے

---

تیرے رُخساروں کی لالی ہمیں مطلوب نہ تھی
تیرے آنچل کے ستاروں سے نہ تھی کوئی غرض
تیرے ہونٹوں کا تبسم ہمیں درکار نہ تھا
تیرے لہجے کا ترنم ہمیں درکار نہ تھا

---

اے گرفتارِ طلسمِ زر و افسونِ شباب
اپنی قسمت کے اندھیروں سے تھے گھبرائے ہوئے
اِک تری چشمِ محبت کے طلبگار تھے ہم
اِس لئے جانِ جہاں طالبِ دیدار تھے ہم

---

وائے قسمت کہ غم و رنج و الم کے مارے
کتنے ارمان لئے پہونچے تھے دل میں لیکن
موجِ ناکامیٔ تقدیر پہ بہتے لوٹے
ہم ترے در سے غم و رنج ہی. بہتے لوٹے

---

ہم تو محروم رہے تیری عنایت سے مگر
تجھکو مل جائیں گے دُنیا میں بہت اہلِ غرض
تیرا ابھی غنچۂ اُمید نہیں کھِل سکتا
بے غرض کوئی پرستار نہیں مل سکتا

# تشنہ لبی

نعیم کوثر ایم۔اے، بی۔ایل، بی۔ایڈ
گلستان، لال پھاٹک، چندوارہ، مظفرپور نمبر ۱ (بہار)

بھائی جان! خلوص و محبت

آپ کا خط مِلا ــــ بے حد خوشی ہوئی۔ آپ کے چند جملوں نے ہی میری ساری اُلجھنیں دُور کر دی ہیں۔ آپ کے خلوص اور آپ کی شفقت نے مجھے بہت کچھ دیا ہے ــــ افسانہ نمبر کے لئے ایک خوبصورت سی کہانی "تشنہ لبی" حاضرِ خدمت ہے۔ اُمید ہے یہ کہانی آپ کو اور قارئینِ "بیسویں صدی" کو پسند آئے گی ــــ اِن دنوں میں مظفرپور آگیا ہوں۔ "بیسویں صدی" اب مجھے اسی پتے پر بھیجنے کی زحمت کریں۔ اپریل کے پہلے ہفتے میں علی گڑھ کا پروگرام ہے۔ آپ سے مِلنے دہلی بھی آؤں گا ــــ کہانی کی رسید اور آپ کی خیریت کا انتظار رہے گا۔ خدا کرے آپ بالکل اچھے ہوں . . .

آپ کا بھائی
نعیم کوثر

سنجر نے دُنیا کی ساری خوبصورتی کو سمیٹ کر اپنے بنگلے میں قید کر لیا ہے۔ عیش و عشرت اور شان و شوکت کے سامان۔ دُنیا کے مشہور مصوّروں کی پینٹنگ۔ خوبصورت اور شاندار ڈرائنگ رُوم میں ایکویریم۔ قیمتی صوفے، لہراتے ہوئے ریشمیں پردے اور بنگلے کے سامنے لان جس میں فوارے ہر دم جوانی کے گیت گاتے ہیں۔ خوبصورت کیاریوں میں حسین پھول جنہیں مُرجھانے کا ذرا بھی خوف نہیں۔ بالکونی پر رکھے ہوئے پام کے پودے اور منی پلانٹ کی سرسبز بیلیں اور بالکونی سے سجا ہوا اُس کا بیڈ رُوم جس کے دریچوں پر پھیلی ہوئی جوہی کی بیلوں سے آتی ہوئی بھینی بھینی خوشبو۔ سنجر کا بیڈ رُوم نہیں جنت ہے۔ جہاں پہنچتے ہی نیند کی پریاں پلکوں پر آبیٹھیں۔ یہ باہر کی دُنیا کتنی بے رنگ اور بے نُور ہے اور اِس کے گھر کی دُنیا کتنی خوبصورت اور حسین ہے۔

اُس نے دریچے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ ساری فضا میں ایک طرح کا انوکھا نکھار اور نیا پن کروٹ لے رہا تھا۔ بنگلے کے سامنے مندر کا کلس اپنا مغرور سر بڑے فخر سے اُٹھائے ہوئے کھڑا تھا۔ دُور دُور تک پھیلے ہوئے شبنم کے اُونچے اُونچے درختوں کے بیچ سے ہوٹل زمبی کا کلاک ٹاور نظر آرہا تھا۔ رات کے گیارہ بج گئے لیکن ابھی تک سنجر کا پتہ نہ تھا۔ اُس نے کل ہی اُسے ٹیلیگرام کر دیا تھا کہ وہ آج پہنچ رہا ہے۔ کل ہی اُسے سرلا اینڈ سرلا کمپنی میں ڈائرکٹر کے پوسٹ پر جوائن کرنا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ اسٹیشن چلا گیا ہو اور وہ اپنی کار سے چلا آیا۔ غلطی اُس کی ہے۔ یہ بات سنجر کو پہلے معلوم ہوتی تو وہ اِس انتظار کی زحمت سے چھٹکارا پا جاتا۔ بہرحال انتظار کی سزا تو اُسے مِلنی ہی چاہئے۔

سنجر اُس کے بچپن کا دوست تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ ہی کالج میں پڑھا تھا۔ پھر وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن چلا گیا اور آج وہ دس سال کے بعد اُس سے مِلنے آیا تو اُس کا پتہ نہ تھا۔ اِن

دس سالوں میں سمیٹ دولت دونوں ہاتھوں سے بٹوری اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ لکھ پتی بن گیا۔ چند ہی سال پہلے اُس نے ایک پیاری سی لڑکی سے شادی بھی کرلی تھی اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی کا باپ بھی بن چکا تھا۔ وہ تو اُس کی شادی میں بھی شریک نہ ہو سکا تھا۔ لندن کی مصروف زندگی اور تعلیم نے اُسے ایسا جکڑ رکھا کہ وہ سنجر کی کسی خوشی میں شامل نہ ہو سکا۔ لیکن آج سنجر مجھے دیکھ کر کتنا خوش ہوگا!

رات آہستہ آہستہ سرک رہی تھی۔ لیکن یہ رات بہت پیاری تھی۔ بکھری بکھری خنک چاندنی میں ایک لطیف سی مہک تھی۔ ہلکی ہلکی خنک ہوائیں چل رہی تھیں اور آسمان پر اُودے اُودے بادلوں کے کارواں محوِ خرام تھے۔ رات کی رانی سے بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی۔ کولتار کی سیاہ سڑک بالکل خاموش تھی اور ایک عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کتنی خاموش ہے یہ سڑک۔ اُس کے دل کی طرح! اب کوئی درد نہیں جاگتا، کوئی آہٹ نہیں ہوتی، ہر دم خاموشی اور ویرانی چھائی رہتی ہے۔

کچھ سالوں سے اُس کی عادت ہوگئی تھی کہ ہر خاموش اور ٹوٹی ہوئی چیز کو دیکھ کر زندگی کے بارے میں سوچنے لگتا۔ عجیب سی خاموشی، کبھی نہ ختم ہونے والی گھٹن کا احساس اُسے بےچین کر دیتا۔ لیکن اُس کا دل اتنا وسیع تھا کہ دُنیا کا ہر غم، ہر فکر اور مصیبت یوں سما جاتی جیسے سمندر میں پانی کا قطرہ۔

یکایک اُسے محسوس ہوا وہ خوبصورت لمحے ایک ساتھ مل کر آواز دے رہے ہیں جو اُس نے صبا کے ساتھ گزارے تھے۔ کتنی خوبصورت سی دُنیا تھی! پیار کے وہ دن۔ جیسے کوئی اندھیرے سے نکل کر یکایک روشنی کے جھماکے میں آجائے۔ یہ زندگی ایک خوابگاہ ہی تو ہے جہاں ہر آدمی خواب دیکھ رہا ہے۔ خوبصورت رنگ برنگے خواب!

صبا ایک پیاری سی لڑکی تھی۔ نت نئے فیشن کے کپڑے پہنتی۔ اپنے بالوں کو خوبصورت اسٹائل میں سجاتی۔ ایک ہی رنگ کا بلاوز، ساڑی اور سینڈل پہنتی۔ ایک دن وہ انوکھے، نرالے، بانکے اور سُنہرے خواب لئے اُس کی دُنیا میں چلی آئی۔ پھر ارشد کو محسوس ہوا وہ چاند ستاروں کی دُنیا میں پہنچ گیا ہے!

وہ یوں ہی خواب دیکھتے رہے۔ صبا کی ایک ہمراز سہیلی پارو بھی عجیب عجیب سے خواب دیکھتی۔ پارو کو گانے اور موسیقی سے انتہائی محبت تھی۔ شکیل اور فیض کی غزلیں بےحد خوبصورت انداز میں گاتی اور خود بھی رُومانی غزلیں لکھتی۔ لیکن ایک دن اُس کے ہاتھوں سے ستار چھین کر پھینک دیا گیا۔ اُس کی تمنائیں گھر کی چہار دیواری میں گھُٹ کر رہ گئیں —— یہ دُنیا عجیب جگہ ہے جہاں انسان جو کچھ چاہے مل نہ پائے، جو کرنا چاہے کر نہ پائے۔ جہاں سب کی تمناؤں اور آرزوؤں کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ صبا کا خیال آتے ہی ماضی کے گزرے ہوئے وہ حسین لمحات ایرانی قالین کی طرح اُس کے سامنے بچھ گئے۔

ملازمت کے بعد جب اُس نے اطمینان کی سانس لی تو اُسے محسوس ہوا جیسے اب زندگی میں ٹھہراؤ آگیا ہے۔ کالج کی بےہنگم زندگی کے بعد اُسے کچھ راحت ملی۔ وہ صبا سے شادی کے مسئلے پر بہت سنجیدگی سے غور کرنے لگا۔ وہ سوچتا اب اُس کے خواب پورے ہونے کے دن آگئے۔ اُس کی ایک چھوٹی سی دُنیا ہوگی جہاں اُس کی صبا ہوگی اور دو پیارے پیارے بچے ہوں گے۔ لیکن صبا سے ایک بڑی بہن تھی جس کی شادی پہلے ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن اُس کی شادی نہیں ہو رہی تھی۔ اُس کے لئے لڑکے اتنی کثیر رقم مانگتے کہ اُس کے والدین ہمت ہار جاتے۔ کچھ لڑکے ملے تو اُس کی بہن نے خود ناپسند کر دیا۔

دو تین دن کے بعد اُسے اپنی کمپنی کے آفر پر لندن کے لئے فلائی کرنا تھا۔ اُس دن صبا بےحد اُداس اور غمگین تھی۔ ایئرپورٹ کے خاموش خاموش ماحول پر نظروں کا آخری پیام جاری تھا کہانیاں بن اور بگڑ رہی تھیں۔ ارشد نے صبا کے چہرے کو اپنی ہتھیلیوں میں لے کر اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اُس کا دل چاہا صبا کی آنکھوں کی ساری اُداسی، سارا غم چوس لے۔

"جاؤ صبا! میرا انتظار کرنا۔ ہم نے سپنوں کے جو باغ لگائے ہیں اُنھیں مُرجھانے نہ دینا" ارشد نے اُسے اپنے سینے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

اُس نے اپنی سیاہ اور اُداس آنکھوں سے ارشد کی طرف دیکھا جس کی گہرائیوں میں محبت اور پرستش کے دیئے کانپ رہے تھے

اور وہ اُداس ہی واپس آ گئے تھے جب کے انہیں اپنی اس بات کا بھی
کچھ نہ سوجھ رہا تھی۔

اُن کو یہ ہمیشہ محسوس ہوتا جیسے پہلے بہت خطرہ جب
اس نے جو دیکھا ہوا ہو جا تو ہندوستان آئے گئے تھے
تو بچپن کی اُن کی ایک عمر کے خطا کے بعد ہو گئے تب اُن
ایک روز جو ماں تنہا دریا کے کنارے بیٹھی پانی میں
کنکر پھینک رہا تھا اُسے معلوم ہوا صبا کی شادی کہیں ہو گئی
اور وہ سے ہو گئی۔ صبا کی بے وفائی پر وہ تڑپ اٹھا۔ اُس کے
بچپن کا شہر رنگین ویران ہو گیا۔ پھر اُس کا دل بھی جانے کیوں اور
ویران ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ جیسے کسی جنگل میں ہر دم جو
کا عالم ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ اپنے چاروں طرف جنگل ہو گئے
خوبصورت چیزوں سے تعلق اور پیار سا چھوٹ گیا جیسے وہ
خود سے روٹھ گیا ہو اور پھر اُس نے زندگی کے کئی سال لندن
اور جرمنی میں گزار دیئے۔ ہندوستان سے اُس کا دل اُچاٹ ہو گیا
تھا اور پھر ایک دن اچانک اُسے اپنے دوست کا خط ملا ——
"ارشد تم ہندوستان چلے آؤ۔ ہندوستان کی شاعری خوبصورتی،
دلکشی اور دلنوازی ہمارے بنگلے میں موجود ہے جس میں تمہیں
وہ چیز نہ ملے گی اور ملے گی بھی تو بیکار اور خطرناک —— میری
بیوی بچوں کے درمیان رہ کر تم اپنے سارے غم بھول جاؤ گے۔
میرے بچے اپنے انکل سے ملنے کے لئے بے تاب ہیں!"

اور وہ ہندوستان آ گیا۔ لیکن صبا کو روتے ہوئے دُکھ
اور بے وفائی کی یاد اُسے اُداس اور افسردہ بنا دیتی۔ وہ جب بھی
اُس کی یادوں کو اپنی باہوں میں سمیٹنے کے لئے ہاتھ پھیلاتا وہ
خوبصورت لمحات اُس کے پھیلے ہوئے بازوؤں میں سے ہوا کے
خوشگوار جھونکے کی طرح نکل جاتے۔ وہ اپنا غم غلط کرنے کے لئے
اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا۔

اب شام کی ملگی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ یکایک مغرب کی
جانب سے گرد و غبار کا ایک ستون سا بلند ہوا اور وہ ستون دیکھتے
ہی دیکھتے اندھی میں بدل گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنی زوروں کی آندھی
آئی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ وہ کمرے میں چلا آیا اور ایک
ایک کر کے سارے دریچے بند کر دیئے۔ اُس نے بتی جلائی۔ کچھ دیر بعد

# غزل

پروفیسر ڈاکٹر امانت ایم اے، پی ایچ ڈی

تلاش میں جو کچھ اُس نے کی کی
بھلا دی تو نے اپنی بندگی کی

جنوں پھر انتہائے کیف و مستی
کہ دل میں کعبہ کی صورت کسی کی

تکلف اور حیا دونوں تھے ہمراہ
ملاقات اُس سے ہم نے سرسری کی

جنوں کا سا تو ہے بے حد ضروری
یہی آنے کی منزل آگہی کی

جہاں میں انقلاب آتے ہوں ہی
بدل جاتی ہیں قدریں زندگی کی

ہے مثلِ برق رفتارِ زمانہ
شکایت آپ سے ہے بے رخی کی

کبھی یہ جنگ کا عالم شہر دم
نکل آتی صورت آشتی کی

ہم اب آزاد ہیں قیدِ قفس سے
نہیں کچھ فکر بے بال و پری کی

سرِ محفل امانت یوں نہ کھلتے
شراب ناب نے پردہ دری کی

---

احسان صاحب ہوا تو بارش شروع ہو گئی اور وہ بستر پر آکر لیٹ گیا
اور تھوڑی دیر میں اُسے نیند آ گئی۔
"اُٹھئے جناب!" جب اُس نے آنکھیں کھولیں اور چہرے سے
چادر سرکائی تو صبا چائے کی پیالی لئے کھڑی تھی۔ اُس نے چائے کی
پیالی لینے کے لئے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا چائے کی پیالی اُس کے

[illegible] ہو گئی اور اسے [illegible] ہوا اس کا [illegible]
اس کے [illegible] جا رہی ہیں۔

وقت اور [illegible] نے ایک بار دونوں کو دو اندھوں کی طرح ایک دوسرے سے [illegible] کے دلوں میں رقابت اور جلن کی آگ [illegible] دونوں ایک دوسرے کے دل میں چھپے ہوئے چور کو جانتے ہوئے بھی انجان بننے کی کوشش کر رہے تھے۔ [illegible] کی دیوار [illegible] جا رہا تھا۔

"[illegible] ارشد! تم بہت [illegible] ہو گئے ہو؟"

"[illegible] ایک [illegible]" اس نے خود پوچھا جو [illegible] رہا تھا۔

"یار رات کو خواہ مخواہ تمہیں انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ [illegible] اور آندھی کی وجہ سے دیر ہو گئی اور جب ہم آئے تو تم سو چکے تھے۔ ہم لوگوں نے جگانا مناسب نہ سمجھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "[illegible] لمبے سفر کے بعد بہت تھک گیا تھا اور مزید تمہارے انتظار نے تھکا دیا۔"

"انتظار میں بہت لطف ہے دوست۔"

"[illegible] ساری زندگی تو میں نے انتظار کیا ہے۔ انتظار کی گھڑیاں بہت بے درد ہوتی ہیں۔"

اس نے ایک بار صبا کا جائزہ لیا۔ بے کیف، بے رس ہونٹ جن میں ہلکی ہلکی نیلاہٹ کا پرتو تھا۔ بے جان سی آنکھیں۔ چہرے پر کوئی کشش یا جاذبیت نہ تھی۔ لیکن پھر بھی جسم میں سب کچھ موجود تھا جس کی بدولت وہ جوان نظر آ رہی تھی۔

"سنجو! میں لندن سے تمہارے لئے کچھ تحفے لایا تھا۔"

"اور اپنی بھابی کے لئے نہیں؟"

"تم دونوں کے لئے۔"

"نہیں نہیں، میں یہ تحفے نہ لوں گی!"

"آپ زیادتی کر رہی ہیں، میں کوئی اجنبی تو نہیں۔"

"ہاں بھئی تحفے تو اپنوں کو دئے جاتے ہیں۔" تجربات کا [illegible] ہوئے بولا۔

اور پھر ایک دن سنجو کی خواہش پر وہ دریا کے کنارے پکنک منانے گئے۔ بوڑھے برگد کے سائے میں بیٹھ کر وہ پکنک کا

[illegible] [illegible] ہی ارشد نے پوچھ لیا۔

"کیوں صبا! تم اپنی [illegible] خوش ہو نا؟"

"ہاں! میں نے دنیا کی ساری خوشیاں [illegible] لیکن تم نہیں ہو ارشد! تمہارے خواب کو میں نے [illegible] تمہارے ایک ایک خواب کو موتیوں کی طرح [illegible] میں محفوظ کر رکھی ہوں۔ لیکن میں تمہارا انتظار [illegible] تھی ارشد!" اس کی آنکھوں کی اتھاہ گہرائیوں میں آنسو [illegible] رہے تھے۔

"صبا! کل میں لندن واپس چلا جاؤں گا۔ میں نے [illegible] انتظام کر لیا ہے!"

"کیوں؟"

"میں تمہاری ہنستی گاتی زندگی میں زہر نہیں گھولنا چاہتا۔"

"لیکن تم اگر میری نظروں کے سامنے رہو گے تو مجھے سکون ملے گا۔"

"ہمارے دل میں چھپے ہوئے جذبات کا علم جو کسی کو ہو جائے گا اور تمہاری زندگی جہنم بن جائے گی! خاموشی کا اتنا بڑا مقابلہ ہم دونوں نہیں کر سکتے۔ اس دوڑ میں ہم ہار جائیں گے صبا! میرے خوابوں کے چمن زار میں تم پھول بن کر سدا مہکتی رہو!"

"ارشد!"

اور پھر بوجھل خاموشی چھا گئی جس میں کتنی ہی ان کہی باتوں کی گونج تھی اور کتنے پاکیزہ خیالات کی بھنبھناہٹ تھی جو زبان پر نہ آ سکے دل ہی میں گھٹ کر رہ گئے۔

ارشد کی کار دھوئیں کے بادل اڑاتی ہوئی شیشم کے درختوں کے سائے میں چلی جا رہی تھی۔ وہ جلتی ہوئی آنکھوں سے گرد و غبار کو دیکھ رہی تھی۔ پھر کار اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ تنہا رہ گئی۔ کئی سالوں سے آنسوؤں کا رکا ہوا سیلاب یکبارگی امڈ پڑا۔ نہ جانے وہ آنسو کن دبی گھٹی ہوئی خواہشات، بکھری ہوئی حسرتوں اور تشنہ لبی کا اظہار کر رہے تھے!!

---

مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ وہ [illegible] [illegible] کاغذ کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

# قطعات

[illegible]

اکثر اوقات اہلِ حسن و جمال
شیشۂ دل کو توڑ جاتے ہیں
دے کر اپنی حسین حسین یادیں
دفعتاً ساتھ چھوڑ جاتے ہیں

---

وہ مستی تھا میرا ذوقِ نظر
یا ترا حسن کیف ساماں تھا؟
اکثر اوقات سوچتا ہوں میں
تیرے جلووں میں کون پنہاں تھا؟

---

بات ساقی سنا رہے ہیں
زندگی کا شعور آجاتے
وجد کرنے لگیں سب اہلِ بزم
بے پئے ہی سرور آجاتے

---

ابر چھایا ہوا ہے چار طرف
دعوتِ عیش دیتی ہے برسات
رندِ مے نوش تھے کبھی ہم بھی
اب تو آئی گئی ہوئی وہ بات

---

مے کی مستی کا وہم ہوتا ہے
واقعی سرخوشی نہیں ہوتی
دل میں جب تک سرورِ عشق نہ ہو
زندگی زندگی نہیں ہوتی

---

# قطعات

نسیم شاہجہانپوری

اپنے عارض سے گیسو ہٹا کر
واقعی رات کو دن بنا دے
تو جو چاہے تو اے حسنِ خود بیں
غیر ممکن کو ممکن بنا دے

---

مجھ کو تسلیم ہے شرابی ہوں
مجھ میں فطرت عجب پاکی ہے
میں نظر سے شراب پیتا ہوں
میری رندی بھی پارسائی ہے

---

ہو گئے احساسِ کمتری کا شکار
اپنی نظروں سے گر گیا ہو گا
تم جو آئینہ دیکھتے ہو گے
آئینہ تم کو دیکھتا ہو گا

---

ادب پرست و کرم گستر و نسیم نواز
میں اعتبار تو کر لوں تری محبت پہ
خطا معاف مرا دل مگر یہ کہتا ہے
ترے خلوص کی بنیاد ہے سیاست پہ

---

خار بدنام تھے ناحق ہی مگر اے ہمدم
پھول بھی باعثِ پامالیٔ گلشن نکلے
انقلابات مسلسل کا یہی حاصل ہے
جن کو ہم دوست سمجھتے تھے وہ دشمن نکلے

---

# گرداب

عابد عادل ایم۔ایس سی
۳۴۳، موریسن کورٹ، آفتاب ہال، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

محترم مدیر صاحب! بعد آداب و نیاز

لیجئے ایک افسانہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں ——— "بیسویں صدی" کے حسن و معیار کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے۔ اُردو ادب کی دُنیا میں "بیسویں صدی" بالخصوص "گرداب" نے جو خدمت کی ہے وہ آنے والی کئی نسلوں کے لئے ناقابلِ فراموش ہے۔ اُردو ادب سے مجھے ہمیشہ سے دلچسپی رہی ہے اور اب اُردو میری حیات کا ایک قیمتی جز بن گئی ہے ——— ابھی ایم ایس سی میں زیرِ تعلیم ہوں۔ ادب برائے زندگی کا حامی ہوں۔ ہمارے گرد و پیش جو کیفیتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ ہم حیات کے جو بھی پہلو دیکھتے ہیں، ان کی صحیح عکاسی کرنا ایک ادیب کا اوّلین فرض ہے اور میری کہانی میں زندگی ہے۔ وہ پچی تجرباتی زندگی کا ترجمان ہے ——— میرے کئی افسانے جنوبی ہند کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ "بیسویں صدی" کی بزم میں ابھی نووارد ضرور ہوں لیکن بیگانہ نہیں۔ اس کا اور میرا رشتہ بہت پرانا ہے۔ مدیرِ محترم! مجھے اُمید ہے کہ جناب ذرّہ نوازی سے کام لیتے ہوئے "گرداب" کو اپنے موقر جریدہ میں جگہ دیں گے کیونکہ ذرّوں کو آفتاب بنانا آپ ہی کا کام ہے۔ "گرداب" ان ہزاروں پیار کرنے والے انسانوں کا دلی ترجمان ہے جو محبت کو عبادت سمجھتے ہیں۔ ہزاروں نہ سہی ایک انسان بھی میرے اس افسانہ سے متاثر ہو سکا تو میں سمجھوں گا کہ میری کاوش رائیگاں نہیں گئی۔ خدا کرے آپ کی صحت اچھی ہو۔۔۔!

خاکسار ——— عابد عادل

★

"آپ کی زندگی تو عشق و محبت کی دلنواز تصویر ہے۔ لیکن جس لڑکی سے آپ محبت کرتے ہیں وہ آپ کی قسمت میں نہیں ہے۔" اس نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے آپ؟" میں نے تقریباً چیخ کر کہا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں عادل صاحب! آپ کی قسمت کی لکیریں کہہ رہی ہیں۔" شوکت نے جواب دیا۔

میں نے استفہامیہ انداز میں کہا۔ "یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ اس خبر سے آپ کو تکلیف تو ہوگی ہی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں میرا بتانا بھی ضروری ہے کہ آپ کی محبوبہ کی موت۔۔۔"

میں نے اس کی بات کو کاٹ دیا اور اسے خوش ہونے کے لئے

کہہ دیا۔

آتش دان کے مقابل ہم کرسیوں پر بیٹھے سردی کو فریب دینے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ کھڑکی کے باہر شام کے رنگین دلفریب اُجالوں میں دُھندلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ درختوں کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ راہوں پر زرد سُوکھے پتّے اُداسی اور ویرانی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ درختوں کی ننگی، عُریاں شاخیں اور سہمے ہوئے سنّاٹے عجیب ماحول پیدا کئے ہوئے تھے۔ یہ درخت ننگے کیوں ہو جاتے ہیں؟ اور یہ زرد، کھڑکھڑاتے پتّے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بہار کا جنازہ ہوں۔ مجھے خزاں سے نفرت ہے۔ نہیں مجھے خزاں سے محبت بھی ہے۔ کیوں کہ یہی خزاں رسیدہ پتّے ہی تو بہار کے نوشگفتہ شگوفوں کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ رنگوں اور خوشبوؤں کی نوید ہوتے ہیں۔ ملگجے اندھیرے میں شوکت کا چہرہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی فرشتہ کا نُورانی چہرہ ہو۔ کتنا تقدّس اور کتنی سنجیدگی تھی اُن آنکھوں میں شوکت میرا کلاس فیلو تھا۔ ہم ایم۔ اے کر رہے تھے۔ وہ کشمیر سے آیا تھا اور میں جنوبی ہند سے —— دونوں کا درد اور دونوں کے مزاج مشترک تھے، اِسی لئے پہلی ہی ملاقات میں ہم اجنبیت کی دیوار کو پھلانگ کر خلوص و محبت کے دائرے میں آ چکے تھے۔ میں دُور دراز وطن سے دو ہزار میل دُور یہاں انسانوں کے بے کراں جنگل میں اکیلا بھٹک رہا تھا۔ جُدائی کا احساس تو محفل میں زیادہ ہوتا ہے۔ تنہائی کے اِس بھنور میں بھی تو وہ شخص تھا جس نے مجھے ڈُوبنے سے بچا لیا۔ میری ویرانیوں کو زندگی بخشی۔ جس نے میری فکریں، میری پریشانیاں، میری کلفتیں اور میرے الم بانٹ لئے۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے نہ جانے وہ کب تک میرے مستقبل کے متعلق پیشن گوئیاں کرتا رہا اور میں بُت بنا ماضی کی ویران خانقاہوں میں کسی بے بس پرندہ کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ خیالات ماضی کے سمندر میں موجزن تھے اور تصوّر کے کینواس پر کتنی ہی تصویریں بنتی اور مٹتی جا رہی تھیں۔

---

"آہنی! میں تمھاری رگوں میں، تمھارے دل میں، تمھاری

مسکراہٹ میں ہوں۔ تمہارے خون میں دوڑ رہا ہوں، تمہاری سانسوں میں بس گیا ہوں۔ اپنی! میں تمہارا ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔ کہیں یہ جادو دل مسحور کن نغمے ادھورے ہی نہ رہ جائیں۔ بتاؤ —— کیا تم میرا ساتھ نہ دو گی میری آخری سانسوں تک؟" میں نے فلمی ہیرو کی طرح خشک گلے سے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

ہوا کے جھونکوں نے اپنی کے ریشمیں بالوں کو پریشان کر دیا۔ اس نے چہرے کو قدرے دائیں طرف جھکا کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ اور بال اپنی جگہ جم گئے۔ شدتِ جذبات سے اس نے میری طرف دیوانہ وار دیکھا اور مسکرا کر کہنے لگی۔

"I do love you - I love you so much."

اس کے سپید شفاف موتیوں ایسے دانت میرے حواس پر بجلی گرا گئے... ہوا کے شریر جھونکے نے پھر اس کے ریشمیں بالوں کو بکھیرا۔ میں نے اس کے بالوں کو چھیڑا اور اس کے گالوں پر سلگتی ہوئی انار کی کلیوں کو چوم لیا۔ اس کی آنکھوں پر حیا سے بوجھل پلکیں چلمن بن کر گر گئیں۔

"کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے عادل! کہ میں اس دنیا میں زیادہ دن نہ رہوں گی۔ تم نے مجھے اتنا پیار دیا ہے جو میرے ہزاروں جنموں کے لئے کافی ہے۔ میرے دلبر! ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اب خزاں قریب ہے۔ اب میرا وجود کچھ دنوں کا مہمان ہے۔ دل کی دھڑکنیں بہت کم باقی رہ گئی ہیں۔ تم سے التجا ہے میرے محبوب! جب میں تمہارے بنائے ہوئے اس حسین پیار کے گلستاں سے برگِ خزاں رسیدہ کی طرح موت کے گرداب میں کھو جاؤں تم مجھے اپنی نظروں کے سامنے رکھنا۔ میں چاہتی ہوں کہ میری آخری سانسیں تمہارے بازوؤں میں ٹوٹیں اور میں تمہیں دیکھتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم سے بہت دور چلی جاؤں..."

میں نے دفعتاً اس کے ہونٹوں پر اپنی انگلیاں رکھ دیں اور اس کے نرم ہونٹوں نے میری انگلیوں پر محبت کی یادگاریں ثبت کیں۔ جیسے سنگلاخ آہنی چٹانوں پر شبنم برسی ہو۔ میں نے اپنا ہاتھ چوم لیا۔ اس نے شرما کر پلکیں جھکائیں۔ اس کا گلنار چہرہ اور بھی گلنار ہو گیا۔ فضا نکہت و نور میں ڈوب گئی۔ شام کے ان رنگین اجالوں میں میں نے کہا——

"دیوانی ہو گئی ہو اپنی! تم مجھے تنہا چھوڑ کر جا سکو گی؟ میں ایسا نہ ہونے دوں گا! میں ہر پل، ہر جگہ تمہارے ساتھ تمہارے قریب، بہت قریب رہوں گا۔ ہم دونوں جئیں گے تو ایک ساتھ اور ایک ساتھ ہی مریں گے..." اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ میری دھڑکنیں اس کی دھڑکنوں میں جذب ہو رہی تھیں اور یوکلپٹس کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

# غزل

نور تقی نور

ذرا بھی تم بدگماں نہ ہونا، مری وفا پر یقین رکھنا
بدل ہی جائے بلا سے دنیا مری وفا پر یقین رکھنا

وہ بزمِ غم ہو کہ بزمِ عشرت کوئی بھی عالم ہو زندگی کا
تمہیں کو لیکن صدائیں دوں گا مری وفا پر یقین رکھنا

مری تمنا پہ جو بھی گزرے یہ اب تمنا کا ہے مقدر
مگر ہو تم حاصلِ تمنا، مری وفا پر یقین رکھنا

جو دل میں گنجائش وفا ہو یقین کرنے کے سو بہانے!
اگر ہے اس بات پر بھروسا مری وفا پر یقین رکھنا

اجل تو اک راہ کی تھکن ہے، میں سو بھی جاؤں تو غم نہ کرنا!
میں پھر اٹھوں گا، میں پھر ملوں گا مری وفا پر یقین رکھنا

میں نور ہوں تو ضرور آؤں گا چاند تاروں کا روپ بھر کر
جہاں میں جب تک ہے یہ اجالا مری وفا پر یقین رکھنا

گلاب کی نرم و نازک کلیاں اپنی ننھی ننھی پلکیں کھول رہی تھیں۔

---

اسٹیشن پر میرے والد اور چھوٹے بھائی کے علاوہ کئی دوست احباب کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میں مزید تعلیم کے لئے وطن سے بہت دُور جا رہا تھا۔ اُن سب سے اجازت لے کر میں ویٹنگ رُوم میں داخل ہُوا۔ اینی میرے چھوٹے بھائی اور بہن سے باتیں کر رہی تھی۔ اُس کی پُشت میری جانب تھی۔ یکایک بچّوں نے مجھے دیکھ لیا اور دَوڑتے ہوئے بھیّا، بھیّا! کہہ کر میرے پیروں سے لپٹ گئے۔ میں نے انھیں خوب پیار کیا۔ یہ سوچ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے کہ جنھیں زندگی میں جی بھر کے پیار بھی نہ کر سکا تھا انھیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔۔۔

سامنے اینی کھڑی تھی۔ سفید ساری اور سفید بلاؤز میں ملبوس مجسّم الم بنی ہوئی تھی۔ اُس کی پلکوں پر آنسوؤں کے سِتارے چمک رہے تھے۔ آنکھیں سُوجی ہوئی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ساری رات اُس نے رو کر گُزاری ہے۔ میں نے کہا۔

"اینی! میں چاہتا ہوں کہ میں جب یہاں سے جاؤں تو کسی کی مُسکراہٹ کا تحفہ لیتا جاؤں اور پھر اُسی مُسکراہٹ کو پانے کے لئے کامیاب و کامران لوٹوں۔ اینی مُسکرا دو۔ کسی کو اِس طرح سِسکتے ہوئے رخصت نہیں کیا جاتا۔ دل کے بربط کے تار پہلے ہی سے نازک ہیں اگر اِن میں آنسوؤں کے نغمے چھیڑو گی تو یہ ٹوٹ جائیں گے۔ مجھے مُسکرا کر رخصت کرو اینی تاکہ میرے فراق کے تپتے ہوئے صحرا میں تمھاری مُسکراہٹوں کے پھُول میری تھکن دُور کر سکیں۔ میں خود کو تمھارے حوالے کر کے جا رہا ہوں، اِسے سنبھالے رکھنا۔ میں اِتنا ضرور بتاتا ہوں کہ میری آخری سانس بھی تمھاری یاد اور تڑپ کی نذر ہوگی۔۔۔"

اینی کسی بُت کی طرح خموش تھی۔ اُس نے کچھ نہ کہا۔ بس آنسو بہے جا رہے تھے۔ ہچکیوں کے درمیان حسرتوں کے سمندر میں غرق اُس نے اِتنا ہی کہا "جاؤ میرے محبوب! خُدا حافظ!"

ریل پٹریوں پر رینگ رہی تھی۔ میرے دوست، میرے رشتہ دار اور شناسا مجھ سے دُور ہوتے جا رہے تھے اور اینی کی غم سے بھری پُرنم آنکھیں جیسے کہہ رہی تھیں —— 'جاؤ میرے محبوب! خُدا حافظ!' اور میری نظروں کے آگے کُہر سا چھانے لگا۔

---

آتش دان سرد ہو چُکا تھا اور شوکت نہ جانے کب کا چلا گیا تھا۔

میں ماضی کی یادوں کی چکّی میں پس رہا تھا۔ خیالوں کے گرداب میں کسی تنکے کی طرح گھُوم رہا تھا۔ اینی کے ساتھ گُزرا ہُوا ہر ہر لمحہ یاد آ رہا تھا۔

کِتنا جاں گُسل اور دل سوز ہوتا ہے یہ ماضی! اینی! تمھاری وفا کے برابر تو میرا وجود بھی نہیں ہے۔ تم عظیم ہو۔ میرا ہر خیال اور میری ہر سانس تمھارے لئے وقف ہیں۔ میرا ماضی تمھارا تھا۔ میرا حال تمھاری یاد اور تمھاری جُدائی کی نذر ہو رہا ہے اور میرا مستقبل تمھارا ہوگا۔ اینی! میں پھر وہی جملہ دُہراؤں گا جسے ساری دُنیا ازل سے کہتی آرہی ہے: اینی! میں تم سے پیار کرتا ہوں۔۔۔' اور تمھیں معلوم ہے پیار ایک بندھن ہے۔ ایک مقدس رشتہ ہے رُوحوں کا۔ مِلاپ ہے چاہتوں کا۔ ایک نرم و نازک ریشمی ڈوری ہے جس میں ہماری رُوحیں بندھی ہوئی ہیں۔ اِنھیں کوئی الگ نہیں کر سکتا اینی! کوئی نہیں!!'

یکایک دروازہ پر دستک ہوئی۔ میں خیالوں کی حسین کائنات سے جیسے اِس کربناک تحت الثریٰ میں پھینکا گیا۔ میں ٹھٹک گیا۔ اِتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے؟ میں نے جلدی سے کواڑ کھولے۔ سامنے پوسٹ مین کھڑا تھا۔ اُس نے مجھے ایک ٹیلیگرام دیا۔ میں نے دستخط کئے اور لفافہ لے لیا۔ میرے ایک دوست نے یہ تار کیا تھا۔ دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے میں نے لفافہ چاک کیا۔ لکھا تھا ——

"Annie dead - Accident - Come soon"

جیسے میری سانسیں جہاں تھیں وہیں رُک گئیں۔ خون جیسے رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ حواس پر جیسے بجلی سی کوند گئی۔ قوتِ گویائی سلب ہوگئی اور جیسے میری آنکھوں نے قوتِ بینائی کھو دی۔

باہر سردی بڑھ گئی تھی۔ راہیں سائیں سائیں کر رہی تھیں۔ درختوں کے سائے بھی کانپ رہے تھے۔ شمشاد کی شاخوں پر نازک شگوفے مُسکرا رہے تھے اور جیسے زرد کھڑکھڑاتے پتّوں کے جنازے پر بہار رقص کر رہی تھی۔ جیسے زندگی اِس بے کراں وقت کے گرداب میں کھو گئی تھی۔ میں بے حس کھڑا، کھڑکی کے باہر سُوکھے پتّوں کے ڈھیر کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا محسوس ہُوا جیسے یہ پژمُردہ پتّے چرمرائے۔ جیسے اینی کی رُوح جا رہی ہو۔ میرے کانوں میں آواز آنے لگی —— 'مجھے افسوس ہے لیکن۔۔۔ آپ کے ہاتھ کی لکیریں بتاتی ہیں کہ آپ کی محبوبہ کی مَوت آپ کو اِس دُنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تنہا چھوڑ جائے گی۔۔۔' کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے میں اِس دُنیا میں زیادہ دن نہ رہوں گی۔۔۔!!'

---

مُدیرِ بیسویں صدی کے نام خط لکھتے وقت اختصار سے کام لیا کریں تاکہ آپ کے ارشاد کی تعمیل فوراً ہو سکے۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

افسانہ

# ہتھکڑی اور بیڑیاں


ایس۔ ایس۔ پرویز

مینجنگ ڈائرکٹر گے وینز پبلسٹی پرائیویٹ لمٹیڈ، 4-5 4 پنچکوئیاں روڈ، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۱


خوشتر صاحب! خلوص و محبت

جب میں نے "شعاعیں" بند کیا تھا تو قسم کھائی تھی کہ دس سال کچھ نہ لکھوں گا! اُس وقت میرے سامنے یہ سوال تھا کہ کب تک اپنے ادبی ذوق کے لئے اس سرمایہ کو "شعاعیں" میں پھونکتا جاؤں گا جسے مجھے اپنے بچوں کی صحیح پرورش پر خرچ کرنا چاہئے ـــــ بیس سال گزر گئے اور میں کاروبار میں ایسا اُلجھا کہ وہ پرویز جو ادیب تھا، مر گیا۔ نہیں خود میں نے اُس کا گلا گھونٹ دیا

آج ایک طویل خاموشی کے بعد پھر ایک انگڑائی لی ہے۔ سوچتا ہوں اب برابر لکھوں گا۔ لیجئے پہلا افسانہ "ہتھکڑی اور بیڑیاں" حاضر ہے۔ اُمید ہے پسند آئے گا . . .

آپ کا اپنا

پرویز

★

فروری کا مہینہ ختم ہونے والا تھا۔ پھر بھی سردی اِس طرح کاٹ رہی تھی جیسے وسط دسمبر ہو۔ رمیش اپنی بیوی شانتا کے ساتھ رِج روڈ پر ٹہل رہا تھا۔ وہ سوئٹر پہنے ہوئے تھا اور گلے میں مفلر بھی لپیٹ رکھا تھا۔ وہ حیران تھا کہ شانتا صرف بلاؤز اور ساڑی میں کیسے اِس سردی کے تُند تھپیڑوں کو برداشت کر رہی ہے! اور یہ بلاؤز جو تن کو ڈھانپتے کم ہیں اور عُریاں زیادہ کرتے ہیں کس طرح اِس سردی میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

اُس نے ایک بھرپور نگاہ شانتا پر ڈالی۔ اُس کا جسم کچھ زیادہ ہی بھرتا جا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کبھی اِس کی رنگت میں چمبیلیاں مہکتی تھیں۔ لیکن اب تو اِس کے جسم کی سب مہک ختم ہو چکی ہے۔ شاید پھول بھی سوکھ کر کانٹا بن جاتے ہیں۔ لیکن کتنی عجیب بات تھی کہ اُسے وہی سوکھا پھول ہر روز سونگھنا پڑتا تھا اور خوشبو آئے نہ آئے مسکرانا پڑتا تھا۔ کیونکہ وہ ایک شریف آدمی ہے اور شرافت کی خوشبو کچھ اِتنی سحر انگیز ہے کہ آدمی چاہے باسی پھول سونگھے، مہک اُٹھتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے۔ وہ سوچنے لگا آخر یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ صُبح دفتر جانا، سارا دن فائلوں میں سر کھپانا، شام کو گھر آنا، چائے پینا اور پھر اُسی بیوی کے ساتھ چہل قدمی کو نکل پڑنا۔ گھر لوٹنا، بیوی بچّوں کے ساتھ کھانا کھانا اور سو جانا۔ آخر اِس زندگی کا مقصد کیا ہے؟ جب تک دل دھڑکتا ہے، آدمی گھڑی کی سوئیوں کی طرح محور کے گرد گھومتا ہے۔ جب گھڑی کی ٹِک ٹِک بند ہو جاتی ہے۔ سوئیاں رُک جاتی ہیں۔ کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ گھڑی کی ٹِک ٹِک رُک جائے تو اُس کی مرمّت بھی ہو جاتی ہے۔ دل کی دھڑکن رُک جائے تو اُسے دوبارہ چلانے والا کوئی نہیں۔ ایسی بے بس زندگی سے فائدہ؟ اور اُسے محور کے گِرد گھوم کر ختم کرنے سے حاصل؟

اور پھر وہ سوچنے لگا۔ اپنے دیش میں رہنے والے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں۔ وہ سِسک سِسک کر

جیتے ہیں اور اُس آوارہ کُتّے کی طرح جسے میونسپلٹی کے کرمچاریوں نے زہر دے دیا ہو، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دَم توڑ دیتے ہیں۔ آخر اِس زندگی سے فائدہ کیا ہے؟ اِس سے تو مرجانا بہتر ہے۔ صرف روٹی کے دو نوالوں کے لئے جینا کیا زندگی ہے؟ اور پھر اُسے خیال آیا اُس کی زندگی میں بھی تو صرف روٹی کے دو نوالے ہی لکھے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اُسے یہ ذرا سہولت سے میسّر آجاتے ہیں۔ اُسے ایک جھرجھری سی آئی اور یوں محسوس ہُوا کہ اُس کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے اور بہت جلد وہ بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے والا ہے۔ پھر جیسے اُس کے ذہن نے بغاوت کی۔ وہ مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑایا ——

"نہیں میں ایسا نہ ہونے دوں گا!"

"کیا بات ہے؟" شانتا نے اُس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "کیا دفتر کی کوئی بات یاد آگئی؟"

اُس نے پلٹ کر شانتا کی طرف دیکھا اور مُسکرا کر کہا "نہیں ڈیر! سردی کچھ زیادہ ہے اور تم کوئی گرم کپڑا بھی پہنے ہوئے نہیں؟ مجھے خوف محسوس ہُوا کہ تمھیں کہیں سردی نہ لگ جائے۔ لیکن میں ایسا نہ ہونے دوں گا ——" اور اپنی حاضر دماغی پر وہ مُسکرا اُٹھا۔ اُس نے شانتا کو دونوں بازوؤں سے پکڑتے ہوئے ایک سحر انگیز نگاہ شانتا پر ڈالی اور کہا "ڈارلنگ! تم گھر واپس چلی جاؤ اور ہیٹر لگا کر کچھ دیر آرام کرو۔ میں تھوڑا آگے گھوم کر واپس آجاتا ہوں"

"آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں" شانتا نے پیار بھری نظروں سے رمیش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں بالکل ٹھیک تو ہوں۔ مجھے کہاں سردی لگ رہی ہے؟"

"تمھیں کبھی سردی نہ لگے۔ اگر تمھیں سردی لگ گئی تو میں کیا کروں گا۔ ششی اور بابی کا کیا ہوگا؟" رمیش نے کچھ اِس پیار سے کہا کہ شانتا جی ہی جی میں جھوم اُٹھی۔ لیکن اُس کے کچھ کہنے سے پہلے رمیش نے پاس سے جاتی ہوئی ٹیکسی کو روکا اور اُس کا دروازہ کھولتے ہوئے شانتا کو اِس طرح پیار سے گاڑی میں بٹھا دیا کہ اُسے کچھ کہتے نہ بنی۔ پھر گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے اُس نے فکرمندانہ انداز سے کہا "گھر جاتے ہی ہیٹر ضرور لگا لینا!"

ٹیکسی راجندر نگر کی طرف روانہ ہوئی اور رمیش نے اطمینان

SISTA'S-INC-450 UR

کی سانس لی۔ اُس نے دونوں بازو آسمان کی طرف پھیلا دئے۔ جیسے ایک ہی سانس میں زمین و آسمان دونوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہو۔ اُس کی چال میں خود بخود ایک تیزی سی پیدا ہو گئی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگا جیسے زندگی میں پہلی بار اُس نے آزادی کی فضا میں سانس لی ہو اور اگر وہ تیزی سے اس ماحول سے دُور نہ ہو گیا تو پھر وہی روزمرّہ کی گردش اُسے اپنے جال میں پھانس لے گی۔ سامنے سے ایک ٹیکسی آرہی تھی۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک لیا۔ پھر جلدی سے اُس میں سوار ہوتے ہوئے اُسے کلب چلنے کے لئے کہا۔

---

کلب پہنچ کر رمیش نے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ ابھی بہت کم لوگ آئے تھے۔ وقت بھی تو ابھی ساڑھے چھ تھا اور بار رُوم سات بجے کھلتا تھا۔ ہاں کارڈ رُوم ابھی سے بھر رہا تھا۔ لیکن وہ آج کی شام تاش کھیل کر ضائع کرنا نہ چاہتا تھا۔

ہال کے ایک کونے میں بیٹھتے ہوئے اُس نے بیرہ کو بُلایا اور اُسے ایک جنجر ٹانک لانے کو کہا۔ وہ سوچنے لگا۔ جب تک بار رُوم نہیں کھلتا جنجر ٹانک ہی سے کام نکالا جائے۔ تھوڑی سی تلخی بھی ہے اور رنگ بھی ملتا ہے۔ اس ظاہر داری کے زمانہ میں سب چلتا ہے۔ لوگ ظاہری بناؤ سنگار پر مرتے ہیں۔ دل کا حال کون جانتا ہے۔ زندگی کے چند لمحے اگر خوبصورتی سے گزر جائیں تو انسان کو اور کیا چاہئے۔ خوبصورتی کی چیر پھاڑ کرنا کیا ضروری ہے۔ یہ تو درندگی ہے۔

بیرے نے گلاس میں جنجر ٹانک ڈالا۔ اُس نے مُسکرا کر گلاس ہاتھ میں لیا اور چاروں طرف بھرپور نگاہ ڈالی۔ سامنے اُس کا دیرینہ دوست سُریندر آرہا تھا۔ وہ چہک اُٹھا۔ اُس نے ہاتھ ہلاتے ہوئے سُریندر کو پُکارا ——

"ہا —— سُریندر!"

سُریندر نے قریب آتے ہوئے کہا۔ "ارے رمیش تم؟ تم کیسے بھٹک آئے؟"

"بھٹک کر نہیں آیا۔" اُس نے کھِل کھلاتے ہوئے کہا۔ "آج سیدھے راستے پر آیا ہوں۔ آگے بھٹکتا رہا ہوں۔ بیٹھو۔ کیا پیو گے؟"

"ارے نہیں۔" سریندر نے کھڑے کھڑے کہا۔ "میں نے ایک دوست کو بُلا رکھا ہے۔"

# غزل

**شاطرؔ حکیمی، کامٹوی**

امّید کی کرن دلِ حسرت مآب میں
ایسی ہے جیسے نُور رُخِ آفتاب میں

حیران ہوں مزاجِ ستم گر کو کیا ہوا
شوخی حیا میں ہے نہ شرارت حجاب میں

در سے اُٹھا کے خانۂ دل میں سما گئے
شانِ کرم چھُپی تھی نگاہِ عتاب میں

پردے سے چھن رہی ہیں قیامت کی تابشیں
کیا ہوگا حُسنِ یار کا عالم نقاب میں

فکرِ حیات ہے نہ غمِ کائنات ہے
کونین غرق ہے مرے جامِ شراب میں

افشاں چُنی ہوئی ہے جبینِ منیر پر
سو آفتاب جذب ہیں اِک آفتاب میں

شاطرؔ خیالِ ترکِ تمنّا سے درگزر
جُرمِ عظیم ہے یہ محبّت کے باب میں

"ہی۔ آر۔ شی" (HE OR SHE)

"اب کچھ بھی سمجھ لو۔"

"میں سب سمجھتا ہوں ظالم! اس معاملہ میں تمھارا جواب نہیں!" اور وہ کھِل کھلا کر ہنس دیا۔ "جاؤ، موج کرو!"

سُریندر گیا تو رمیش سوچنے لگا۔ یہ ہے زندگی! ہر روز نیا پھول، نئی خوشبو۔ کبھی چمپلی، کبھی موتیا اور کبھی کھلتا ہوا گلاب! میری طرح نہیں کہ مُرجھائے ہوئے پھول کو روز سونگھو اور اُسے کوٹ کے بٹن ہول میں لگائے لگائے گھومو۔ اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ جنجر ٹانک کا ایک لمبا سا گھونٹ پیا اور سر کو صوفہ کی پُشت پر لگا دیا۔ سامنے دیوار پر کلب کے سکریٹری کی تصویر لگی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ کمبخت جتنا موٹا ہے! اور جتنا موٹا ہے، اُتنا ہی دل کا کھوٹا ہے! افسروں کی خوشامدیں کرنا، اُن کے آگے پیچھے گھومنا، کلب کے نام پر دعوتیں دینا اور اپنا رسوخ بڑھانا۔ ظالم اس طرح کرسی سے چمٹا ہے کہ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ جانتا ہے آج کلب چھوٹا تو کل اُسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا۔

"ارے رمیش تم؟" ایک ترنم ریز آواز سنائی دی۔ "تم اور کلب میں؟"

رمیش نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ سامنے شیلا کھڑی تھی۔ شیلا جو کلب کی تیتری تھی۔ جس پھول کی خوشبو سونگھنے کو جی چاہتا تھا، سونگھتی تھی۔ پھر دوسرے پھول پر جا بیٹھتی تھی۔ ایک وقت میں اُس نے رمیش کی خوشبو بھی سونگھنی چاہی تھی۔ لیکن ابھی اُس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور وہ کچھ زیادہ ہی فرمانبردار قسم کا خاوند تھا۔ اس لئے طرح دے گیا۔ اُس نے سوچا۔ چلو آج شیلا کو تھوڑی سی لفٹ دے دو۔ یہ بھی کیا یاد کرے گی۔

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا "کیوں میرا کلب میں آنا منع ہے؟"

"ارے نہیں" شیلا نے ہنستے ہوئے کہا "ذرا حیرت ضرور ہوئی۔ ہاں اگر مندر میں دیکھتی تو ہرگز حیران نہ ہوتی!"

"جب دیوی جی یہاں ہیں تو پجاری کہیں اور کیسے جا سکتے ہیں" رمیش نے بھی اُسی طرح ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"کیا یہ میری طرف اشارہ ہے جناب کا؟" شیلا نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اب یہ دل سے پوچھ لو! اچھا بیٹھو۔ کیا پیو گی؟"

"ارے نہیں۔ آج کچھ نہ پیوں گی۔ میرا ایک پجاری ابھی ابھی آ رہا ہے۔ اُس کی پوجا میں پہلے سویکار کر چکی ہوں۔ پھر بھی تمھاری باتوں سے جی خوش ہو گیا" کہتے کہتے شیلا نے اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو چوم کر جیسے ایک بوسہ ہوا میں لہرا دیا "او۔ کے۔ پھر ملیں گے!" اور شیلا باہر لان کی طرف مڑ گئی۔

شیلا کے جانے کے بعد رمیش کافی دیر تنہا خاموش بیٹھا رہا۔ نہ کسی نے اُس کی طرف آنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ وہ ہی کسی کے پاس جانے کی جرأت کر سکا۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ اس ہنستے کھیل کھلاتے کلب میں تنہا ہے! سمندر کی طوفانی لہروں میں ایک بے جان لکڑی کا تختہ! جس کے نصیب میں صرف لہروں کے تھپیڑے کھانے لکھا ہے، لہروں سے کھیل کھیلنا نہیں اور اُسے خیال آیا۔ کبھی وہ ایک اچھا پیراک تھا۔ لہروں کا سینہ چیر کر آگے بڑھنا اُسے آتا تھا۔ لیکن آج تو وہ سمندر کے کنارے کھڑا لہروں کی بوچھاڑ کھا رہا ہے اور رہ رہ کر پانی کے قطرے چہرے سے پونچھ رہا ہے۔ اب سمندر میں کودنے کی اُس میں ہمت ہی کہاں ہے۔ اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ہے اور پاؤں میں بیڑیاں! انھیں جھٹک کر آگے بڑھنے کا اس میں دم نہیں۔ یہ ہاتھ کی ہتھکڑی کو توڑ بھی ڈالے، لیکن پاؤں کی بیڑیاں توڑنا تو خود اُسے گوارا نہ تھا۔ اور اُسے ایسا محسوس ہوا ششی اور بابی دونوں اُس کے پاؤں سے لپٹے رہے ہیں۔ اُس نے گھبرا کر نیچے پاؤں کی طرف دیکھا۔ اُس کی دونوں ٹانگیں تپائی سے اُلجھ رہی تھیں۔

"صاحب بار کھل گیا!" بیرے نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"وسکی لاؤں؟"

"نہیں!" رمیش نے کوچ سے اُٹھتے ہوئے کہا "مجھے گھر جانا ہے۔ ٹیکسی منگوا دو!"

# غزلیں

ڈاکٹر تسخیر فہمی

جہاں دوست سے وہ فیض پائے ہیں میں نے
تجلیوں کے خزانے لٹائے ہیں میں نے

جہاں بھی نقشِ قدم اُن کے پائے ہیں میں نے
وہیں خلوص کے سجدے لُٹائے ہیں میں نے

ہزار تیرِ ستم دل پہ کھائے ہیں میں نے
صلے یہ اپنی وفاؤں کے پائے ہیں میں نے

بنامِ فطرتِ خود دار۔ اپنے ہاتھوں سے
بنا بنا کے نشیمن جلائے ہیں میں نے

نجوم و مہر و مہ و گل کے استعاروں میں
تجھی کو تیرے فسانے سُنائے ہیں میں نے

یہ میرا کارِ نمایاں ہے اے چمن والو
خزاں کے دور میں بھی گُل کھلائے ہیں میں نے

سجا رہا ہوں میں پہلوئے گل میں خاروں کو
نئی بہار کے خاکے بنائے ہیں میں نے

جہاں کے فتنہ گروں سے گلہ بجا فہمی
مگر وہ حشر جو خود ہی اُٹھائے ہیں میں نے

عزیز خیرآبادی۔ ایم۔ اے

شبِ فراق جو آنسو بہا رہے ہیں ہم
تری شبیہ اِن اشکوں میں پا رہے ہیں ہم

ہمارا حوصلہ دیکھے تو کوئی آ کے ذرا
غمِ جہاں کو گلے سے لگا رہے ہیں ہم

کہاں ہے منزلِ مقصود یہ خدا جانے
یہ جانتے ہیں کسی سمت جا رہے ہیں ہم

کچھ اس طرح سے نظر میں سما گیا کوئی
اُسی کا جلوہ ہر اک شے میں پا رہے ہیں ہم

تصورات کی دنیا بھی خوب ہے اے دوست!
کہ ہر گھڑی تجھے نزدیک پا رہے ہیں ہم

جلا جلا کے شبِ ہجر آنسوؤں کے دیے
تمہاری یاد کی محفل سجا رہے ہیں ہم

نگاہِ برق سے محفوظ رہ سکے شاید
چمن سے دُور نشیمن بنا رہے ہیں ہم

جہانِ صبر و سکوں لٹ گیا جہاں اپنا
عزیزؔ پھر اُسی کوچہ میں جا رہے ہیں ہم

ک۔ب۔ پرواز ایم۔ اے

خیالِ برق، جہاں دل سے ناگہاں گزرا
قفس میں چشمِ تصوّر سے آشیاں گزرا

تمہاری یاد سے ہر لحظہ دل میں پھول کھلے
تمہاری یاد میں ہر لمحہ شادماں گزرا

ڈھلک گئی تھی یونہی سی نقاب روئے جمال
نگاہِ شوق سے جلووں کا اک جہاں گزرا

ہمیں ہی اُس کو بلانے کا حوصلہ نہ ہوا
بہت قریب سے یوں تو وہ جانِ جاں گزرا

ہجومِ شوق میں پرواز یہ بھی یاد نہیں
سفرِ حیات کا کب، کس طرح، کہاں گزرا

نہ ہید ہ گیا تو رمیش سوچنے لگا۔ یہ ہے زندگی! ہر روز نیا پھول، نئی خوشبو۔ کبھی چمبیلی، کبھی موتیا اور کبھی کھلتا ہوا گلاب! میری طرح نہیں کہ مرجھائے ہوئے پھول کو روز سونگھو اور اُسے کوٹ کے بٹن ہول میں لگائے لگائے گھومو۔ اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ جنیر شائک کا ایک لمبا سا گھونٹ پیا اور سر کو صوفے کی پُشت پر لگا دیا۔ سامنے دیوار پر کلب کے سکریٹری کی تصویر لگی تھی۔ وہ سوچنے لگا کمبخت کتنا موٹا ہے! اور جتنا موٹا ہے اتنا ہی دل کا کھوٹا ہے! افسروں کی خوشامدیں کرنا، اُن کے آگے پیچھے گھومنا، کلب کے نام پر دعوتیں دینا اور اپنا رسوخ بڑھانا۔ ظالم اس طرح کرسی سے چمٹا ہے کہ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ جانتا ہے آج کلب چھوٹا تو کل اُسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا۔

"ارے رمیش تم؟" ایک ترنم ریز آواز سُنائی دی، "تم اور کلب میں؟"

رمیش نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ سامنے شیلا کھڑی تھی۔ شیلا جو کلب کی تیتری تھی۔ جس پھول کی خوشبو سونگھنے کو جی چاہتا تھا، سونگھتی تھی۔ پھر دوسرے پھول پر جا بیٹھتی تھی۔ ایک وقت میں اُس نے رمیش کی خوشبو بھی سونگھنی چاہی تھی۔ لیکن ابھی اُس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور وہ کچھ زیادہ ہی فرمانبردار قسم کا خاوند تھا۔ اس لئے ٹال دے گیا۔ اُس نے سوچا۔ چلو آج شیلا کو تھوڑی سی لفٹ دے دو۔ یہ بھی کیا یاد کرے گی۔

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا: "کیوں میرا کلب میں آنا منع ہے؟"

"ارے نہیں،" شیلا نے ہنستے ہوئے کہا، "ذرا حیرت ضرور ہوئی۔ ہاں اگر مندر میں دیکھتی تو ہرگز حیران نہ ہوتی!"

"جب دیوی جی یہاں ہیں تو پجاری کہیں اور کیسے جا سکتے ہیں،" رمیش نے بھی اسی طرح ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"کیا میری طرف اشارہ ہے جناب کا؟" شیلا نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اب یہ دل سے پوچھ لو! اچھا بیٹھو۔ کیا پیو گی؟"

"ارے نہیں۔ آج کچھ نہ پیوں گی۔ میرا ایک پجاری ابھی ابھی آرہا ہے۔ اُس کی پوجا میں پہلے سویکار کر چکی ہوں۔ پھر بھی تمھاری باتوں سے جی خوش ہو گیا،" کہتے کہتے شیلا نے اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو چوم کر جیسے ایک بوسہ ہوا میں لہرا دیا۔ "او۔ کے۔ پھر ملیں گے!" اور شیلا باہر لان کی طرف مڑ گئی۔

شیلا کے جانے کے بعد رمیش کافی دیر تنہا خاموش بیٹھا رہا۔ نہ کسی نے اُس کی طرف آنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ وہ ہی کسی کے پاس جانے کی جرأت کر سکا۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ اس ہنستے کھلکھلاتے کلب میں تنہا ہے! سمندر کی طوفانی لہروں میں ایک بے جان لکڑی کا تختہ! جس کے نصیب میں صرف لہروں کے تھپیڑے کھانا لکھا ہے، لہروں سے کھیلنا نہیں اور اُسے خیال آیا۔ کبھی وہ ایک اچھا پیراک تھا۔ لہروں کا سینہ چیر کر آگے بڑھنا اُسے آتا تھا۔ لیکن آج تو وہ سمندر کے کنارے کھڑا لہروں کی بوچھاڑ کھا رہا ہے اور رہ رہ کر پانی کے قطرے چہرہ سے پونچھ رہا ہے۔ اب سمندر میں کودنے کی اُس میں ہمت ہی کہاں ہے۔ اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ہے اور پاؤں میں بیڑیاں! انھیں جھٹک کر آگے بڑھنے کا اس میں دم نہیں۔ یہ ہاتھ کی ہتھکڑی کو توڑ بھی ڈالے، لیکن پاؤں کی بیڑیاں توڑنا تو خود اُسے گوارا نہ تھا۔ اور اُسے ایسا محسوس ہوا ششی اور بابی دونوں اُس کے پاؤں سے لپٹ رہے ہیں۔ اُس نے گھبرا کر نیچے پاؤں کی طرف دیکھا۔ اُس کی دونوں ٹانگیں تپائی سے اُلجھ رہی تھیں۔

"صاحب بار کھل گیا!" بیرے نے قریب آتے ہوئے کہا۔ "وسکی لاؤں؟"

"نہیں!" رمیش نے کوچ سے اُٹھتے ہوئے کہا، "مجھے گھر جانا ہے۔ ٹیکسی منگوا دو!!"

---

منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن میں آرڈر ریفرنس ضرور تحریر فرمائیے کہ رقم کس سلسلے میں بھیجی گئی ہے تاکہ تعمیل ارشاد میں تاخیر نہ ہو۔ خط و کتابت کرنے اور منی آرڈر بھیجنے کے لئے پتہ "رسالہ بیسویں صدی دہلی ۶" لکھنا کافی ہے۔ ——— منیجر

---

## رسالہ نہ ملنے کی شکایت

دو مرتبہ پتے چیک کرنے کے بعد "بیسویں صدی" ہر ماہ باقاعدگی سے بذریعہ ڈاک بھیجا جاتا ہے۔ اس کے باوجود شکایتی خطوط وصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ ۲۵ تاریخ کے بعد شکایتی خطوط موصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمہ ڈاک سے بھی کیجئے ——— منیجر

# غزلیں

## ڈاکٹر تسخیر فہمی

جمالِ دوست سے وہ فیض پائے ہیں میں نے
تجلیوں کے خزانے لٹائے ہیں میں نے
جہاں بھی نقشِ قدم اُن کے پائے ہیں میں نے
وہیں خلوص کے سجدے لُٹائے ہیں میں نے
ہزار تیرِ ستم دل پہ کھائے ہیں میں نے
صلے یہ اپنی وفاؤں کے پائے ہیں میں نے
بنامِ فطرتِ خود دار۔ اپنے ہاتھوں سے
بنا بنا کے نشیمن جلائے ہیں میں نے
نجوم و مہر و مہ و گُل کے استعاروں میں
تجھی کو تیرے فسانے سُنائے ہیں میں نے
یہ میرا کارِ نمایاں ہے اے چمن والو
خزاں کے دور میں بھی گُل کھلائے ہیں میں نے
سجا رہا ہوں میں پہلوئے گل میں خاروں کو
نئی بہار کے خاکے بنائے ہیں میں نے
جہاں کے فتنہ گروں سے گلہ بجا فہمی
مگر وہ حشر جو خود ہی اُٹھائے ہیں میں نے

## عزیز خیرآبادی۔ ایم۔ اے

شبِ فراق جو آنسو بہا رہے ہیں ہم
تری شبیہ ان اشکوں میں پا رہے ہیں ہم
ہمارا حوصلہ دیکھے تو کوئی آکے ذرا
غمِ جہاں کو گلے سے لگا رہے ہیں ہم
کہاں ہے منزلِ مقصود یہ خدا جانے
یہ جانتے ہیں کسی سمت جا رہے ہیں ہم
کچھ اس طرح سے نظر میں سما گیا کوئی
اُسی کا جلوہ ہر اک شے میں پا رہے ہیں ہم
تصورات کی دنیا بھی خوب ہے اے دوست!
کہ ہر گھڑی تجھے نزدیک پا رہے ہیں ہم
جلا جلا کے شبِ ہجر آنسوؤں کے دیے
تمہاری یاد کی محفل سجا رہے ہیں ہم
نگاہِ برق سے محفوظ رہ سکے شاید
چمن سے دُور نشیمن بنا رہے ہیں ہم
جہانِ صبر و سکوں لٹ گیا جہاں اپنا
عزیز پھر اُسی کوچہ میں جا رہے ہیں ہم

## ک۔ب۔ پرواز ایم۔ اے

خیالِ برق، جہاں دل سے ناگہاں گزرا — قفس میں چشمِ تصوّر سے آشیاں گزرا
تمہاری یاد سے ہر لحظہ دل میں پھول کھلے — تمہاری یاد میں ہر لمحہ شادماں گزرا
ڈھلک گئی تھی یونہی سی نقاب روئے جمال — نگاہِ شوق سے جلووں کا اِک جہاں گزرا
ہمیں ہی اُس کو بلانے کا حوصلہ نہ ہُوا — بہت قریب سے یُوں تو وُہ جانِ جاں گزرا
ہجومِ شوق میں پرواز یہ بھی یاد نہیں
سفرِ حیات کا کب، کس طرح، کہاں گزرا


حسن جو چاند کو شرمائے
Jai BEAUTY SOAP
ہر روز
جے
صابن سے نہائیے
سندرتا اور خوبصورتی
میں ڈوب ڈوب
جائیے
جے کا نرم نرم سہانا جھاگ آپکی
جلد کو پھول کی طرح نازک اور خوبصورت
رکھتا ہے۔ اس کی بھینی بھینی
چنبیلی کے پھولوں جیسی
خوشبو آپکو
دیر تک سہانا
رکھتی ہے
ٹاٹا کا بنایا ہوا
OBM 7002U

افسانہ

بہترین افسانہ

# درد کا صحرا

مسیح الزماں بی۔ اے، بی۔ ایڈ

محلہ دربارِ جہانگیر، امروہہ (یوپی)

محترمی خوشتر صاحب! تسلیم

یوں تو ہندوپاک کے معتبر جرائد میں میری تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں لیکن "بیسویں صدی" کی بزم میں شریک ہونے کی تمنا ہنوز تشنہ ہے۔ لیجئے —— پہلی بار ایک افسانہ "درد کا صحرا" آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ اگر "بیسویں صدی" کے منفرد انداز اور بلند معیار پر پورا اُترے تو شریکِ اشاعت کر کے ممنون فرمائیں . . .

مخلص —— مسیح الزماں

تصاویر کی نمائش کا آج آخری دن تھا۔

وہ ایک ایک تصویر کو کئی کئی بار دیکھ چکی تھی لیکن اِن تصویروں کے خالق اور عالمگیر شہرت کے مالک تیمر عظیم جیلانی کی دید کی پیاسی آنکھیں ہنوز تشنہ تھیں۔ آج بھی وہ اِسی آرزو میں، کتنی ہی دیر سے یہاں آئی ہوئی تھی۔ رہ رہ کر اُس کی بے قرار آنکھیں لوگوں کے ہجوم میں جیلانی کو تلاش کرتی ہوئی نمائش گاہ کے داخلی دروازے کی طرف اُٹھتیں اور محرومی و مایوسی کا درد سمیٹ کر لوٹ آتیں۔ جیلانی کے اب تک یہاں نہ آنے پر وہ حیران تھی، متفکر تھی، پریشان تھی۔ اُس کے متعلق سوچ سوچ کر اُس کا ذہن تھک چکا تھا۔

اِسی طرح وقت سرکتا رہا۔ یہاں تک کہ نمائش گاہ کے بند ہونے کا وقت قریب آگیا۔ اُس کا اضطراب اپنی آخری حدوں کو چھونے لگا۔ اُسے زندگی میں پہلی بار، اپنی رُوح میں ایک عجیب سی مایوسی اور تھکن کا احساس ہوا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کے دل میں برسوں سے مچلتی تمام آرزوئیں اور حسرتیں گھُٹ کر رہ گئی ہوں۔ اُس نے بڑی حسرت زدہ نگاہوں سے آخری بار دروازے کی طرف دیکھا اور پھر شکست خوردہ سی تھکے تھکے قدموں سے یوں باہر نکل آئی جیسے اُمید کا آخری ستارہ بھی مایوسی کے دبیز اندھیرے میں جا چھپا ہو۔

جیلانی کتنے برس اُس کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ لیکن اُس نے کبھی اپنے دل میں کوئی کسک یا اضطراب محسوس نہ کیا۔ سینکڑوں ہزاروں میل کے فاصلے اُس کے جذبات و احساسات پر اثر انداز نہ ہو سکے لیکن آج —— جبکہ یہ فاصلے قربت میں بدل گئے تھے۔ وہ اِسی مُلک، اِسی شہر میں موجود تھا تو اُسے جیلانی اور اپنے بیچ ہزاروں میل کے فاصلوں کا احساس ہو رہا تھا! وہ جیسے دریا کے کنارے پر بھی پیاسی کھڑی تھی۔

اُس کا ذہن اب بھی جیلانی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سوچے جا رہا تھا۔ اُس کی ذات سے وابستہ ایک ایک یاد نقش بن کر دل کے آئینہ پر اُبھر رہی تھی ——

وہ اپنے کلاس کی ایک ذہین، سنجیدہ، متین، باوقار اور منفرد طالبہ تھی۔ اُس کی ساری دلچسپیاں اور مشاغل صرف اپنی ہی ذات تک محدود تھے —— اور ایک دن کلاس میں ایک نئے طالبعلم تیمر عظیم کا اضافہ ہُوا جو چند ہی دنوں میں ہر اسٹوڈنٹ کی گفتگو کا موضوع بن گیا۔

# آرزو

مجھ کو یہ آرزو وہ اُٹھائیں نقاب خود
اُن کو یہ انتظار تقاضا کرے کوئی ——— مجاز لکھنوی

دلِ ویراں میں ارمانوں کی بستی تو بساتا ہوں
مجھے امید ہے ہر آرزو، غم ساتھ لائے گی ——— علیق

کوئی مجھے بتائے کیا دوں جواب اُن کو
وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کیوں میری آرزو کی ——— شکیل بدایونی

یاس کی تاریکیوں میں ڈوب جانے دے مجھے
اب میں شمعِ آرزو کی لو بڑھا سکتا نہیں ——— ستار صدیقی

نہ لے جا خلد میں یارب یہیں رہنے دے تو مجھ کو
یہ دُنیا ہے تو جنت کی نہیں ہے آرزو مجھ کو ——— حسرت

مرسلہ: شیدا صدیقی کورٹ محلہ بہاری۔

بکھرے بکھرے بال، سُرخ سُرخ نیم خوابیدہ سی آنکھیں، شاندار لیکن بے ڈھنگا لباس، اپنے آپ سے قطعی بے پروا اور ماحول سے بے نیاز ——— نہ کسی سے کوئی رسم و راہ نہ بات چیت۔ سب اُس کی اِس شانِ بے نیازی سے جیسے جھلس کر رہ گئے۔ سینکڑوں آوازے اُس پر کسے گئے، طنز کے تیکھے نشتروں کی یورش کی گئی، نت نئی شرارتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن نتیجہ میں شکست اور جھنجھلاہٹ کے سوا کسی کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

وہ بھی اُس کے بارے میں سوچے بغیر نہ رہ سکی۔

پروفیسر ارزانی کے لیکچر کے دَوران وہ زیادہ تر اُسی کی طرف دیکھتی رہتی۔ اُس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتی رہتی۔ لیکن وہ بھی اُس کی عجیب سی شخصیت کا تجزیہ کرنے میں ناکام رہی ——— آخر ایک دن خود بخود اُس کی شخصیت کے تمام اسرار عیاں ہو گئے جب یونیورسٹی میں تصویری مقابلہ ہُوا اور قیصر عظیم، جیلانی کے رُوپ میں سب کے سامنے آیا۔ اِس سال اُسی کی تصویر 'The End of the beauty' کو یونیورسٹی کے فاضل ججوں نے پہلے انعام کا مستحق قرار دیا۔

اُسے یہ سب ایک خواب سا معلوم ہُوا۔

اب جیلانی کلاس کا ایک عظیم اور با اثر طالب علم تھا کیونکہ اُس کی شخصیت سے متعلق طلباء کے ذہنوں کے اُفق پر اُبھرے تمام سوالیہ نشان مٹ گئے تھے۔ لیکن جیلانی کے رویّہ اور حُلیہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ اب بھی وہ برائے نام کلاس میں بولتا بہت کم کسی پر نظر ڈالتا۔ کئی کئی دن یونیورسٹی نہ آتا۔ کلاس میں ہوتا تو بے شمار نگاہیں اُس پر جمی رہتیں۔ لیکن وہ سب سے بے خبر نہ جانے کس سوچ میں کھویا رہتا۔

وہ بھی جیلانی سے متاثر تھی اور جیلانی سے زیادہ اُس کے فن سے ——— گو وہ مصوّر نہ تھی پھر بھی ایک مصوّر کا دل و دماغ رکھتی تھی۔ اُس کے ڈیڈی مُلک کے نامور آرٹسٹ تھے۔ وہ جیلانی کی اِس ایک ہی تصویر سے اُس کے فن کی مدّاح ہو گئی تھی۔

جیلانی کی شخصیت کے مطالعہ سے اُسے مایوسی نہ ہوئی۔ عام مصوّروں سے قطعِ نظر وہ بے حد بلند کردار کا مالک تھا۔ اُس نے اپنے ارادوں اور خیالوں کی ایک الگ دُنیا بنا رکھی تھی۔ ہر وقت اُسی میں غرق رہتا۔ وہ بھی کوئی سطحی لڑکی نہ تھی۔ اُس کی شخصیت میں بڑی متانت، سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ تھا۔ وہ جیلانی سے تفصیلی ملاقات کی مشتاق تھی۔ لیکن اُس نے اِس مُلاقات کے لئے دوسری لڑکیوں کی طرح انداز نہیں اپنائے، پلان نہیں بنائے، ایک دن بہت سیدھے سادے انداز سے وہ اُس کے پاس جا پہنچی۔ وہ لان کے ایک گوشے میں گُم سُم سا بیٹھا تھا۔

"مجھے فوزیہ ارشد کہتے ہیں ——— فنکاروں سے مجھے بے حد عقیدت ہے۔ میں آپ کے فن سے بھی بہت متاثر ہوں۔ لیکن 'دی اینڈ آف دی بیوٹی' کے بعد آپ کی کوئی اور تصویر دیکھنے کو نہیں ملی۔" اُس نے بغیر کسی تکلف اور تمہید کے کہا۔

"تعارف اور تصویر کی پسندیدگی کا شکریہ۔" ایک لمحہ خاموش رہ کر جیلانی نے کہا "اِس میدان میں مَیں ابھی قطعی نوآموز ہوں۔ ابھی کوئی منزل متعین نہیں کر سکا۔ ذہن میں ایک انتشار سا ہے۔ کوئی رہبر نہیں۔ آپ یقین کریں یہ تصویر میری نگاہ میں میری سب سے اچھی تصویر تھی۔ اِسے میں نے تنقیدی نقطۂ نظر سے نمائش میں رکھا تھا۔ لیکن میں اپنے مقصد میں قطعی ناکام رہا ——— میری کوئی

## شبِ فرقت

شبِ فرقت کے جاننے والے کتنے لمحے باقی ہیں
میں روزِ حشر تک درد جدائی سہہ نہیں سکتا ——— حسرت موہانی

رکھ کے تصویرِ خیالی یار کی پیشِ نظر
رات بھر مجھ کو شبِ فرقت میں تڑپاتا ہے دل ——— اکبر الہ آبادی

تو کیا جانے غمِ شبہائے فرقت کس کو کہتے ہیں
ترے اظہارِ اُلفت کی فصاحت رات بھر کی ہے ——— اختر شیرانی

مرے دل سے کوئی پوچھے شبِ فرقت کی بیتابی
یہی فریاد تھی لب پر کہ یارب جلد دم نکلے ——— داغ دہلوی

دعا رہے ہیں، وہ آتے ہیں، آ رہے ہوں گے
شبِ فراق یہ کہہ کر گزار دی ہم نے ——— فیض احمد فیض

مرسلہ۔ رشید احمد نقی بلہاری

خامی میرے سامنے نہیں آئی۔ جبکہ اب مجھے خود اِس تصویر میں کئی خامیاں نظر آ رہی ہیں۔" جیلانی نے بغیر کسی تکلف کے تُلے ہوئے انداز میں ہر بات اُسے بتا دی۔

"جہاں تک میں سمجھتی ہوں آپ کا شوق ابھی تجرباتی دَور سے گزر رہا ہے اور پھر ہر فنکار کی یہ خامیاں ہی تو اُس کے فن کو جِلا بخشتی ہیں۔ اگر ایک منزل پر وہ مطمئن ہو جائے تو وہیں اُس کا فن منجمد ہو جائے گا۔"

جیلانی نے تحسین آمیز نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ سے مل کر مجھے دِلی مسرت ہو رہی ہے۔ میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ . . ."

اُس نے بیچ ہی میں بات کاٹ دی۔ "تعریف نہ کیجئے ورنہ مغرور ہو جاؤں گی!"

جیلانی مُسکرا کر رہ گیا۔ کئی لمحے خاموشی میں گزر گئے۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو کل میرے گھر آ جائیے" اُس نے خاموشی کو توڑا۔ "وہاں میں آپ کو اپنے ڈیڈی امام ارشد سے مِلاؤں گی۔ شاید . . ."

جیلانی مسرت بھرے لہجہ میں بیچ ہی میں بول پڑا۔ "اب تو آپ سے مِل کر دُہری مسرت ہو رہی ہے مِس ارشد! مُلک کے اِتنے بڑے فنکار سے میری مُلاقات یقیناً میری خوش نصیبی کا باعث ہو گی۔"

"تو پھر کل شام کو میں آپ کو لینے آ جاؤں گی۔"

"نہیں۔ نہیں، میں خود پہنچ جاؤں گا۔" جیلانی نے جلدی سے کہا۔

"اُن سے طے کئے بغیر میں آپ کو وقت تو نہیں دے سکتی۔ کل اتوار ہے۔ یونیورسٹی بند رہے گی۔"

"تو اِس کا مطلب ہے مجھے کل تمام دن گھر میں بند رہنا پڑے گا!" جیلانی نے مُسکرا کر کہا اور اپنا پتہ نوٹ کرا دیا۔

اگلے دن وہ جیلانی کو پانچ بجے اپنے یہاں لے آئی۔ بہت دیر تک جیلانی اور امام ارشد میں آرٹ کے موضوع پر بحث ہوتی رہی۔ اُنھوں نے اپنے اور دُوسرے مایہ ناز فنکاروں کے بہت سے شاہکار اُسے دکھلائے۔ جب جیلانی واپس ہوا تو بہت حد تک مطمئن تھا۔ رخصت ہوتے ہوئے اُس نے کہا۔ "مِس ارشد! میں آپ کا تہہِ دل سے ممنون ہوں۔ آپ کی بدولت میں نے بہت کچھ حاصل کر لیا اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔"

اُس کے لبوں پر ایک دلنواز مُسکراہٹ آ گئی۔

اِس کے بعد وہ ایک دوسرے کے کافی قریب آ گئے۔ اکثر وہ اُس کے یہاں چلا آتا۔ وہ بھی جیلانی کے گھر پہنچ جاتی۔ وہ اُسے اپنے فن پارے دکھلانے کے لئے اپنے اسٹوڈیو بھی لے گیا۔ جہاں پھر وہ خود بھی کئی بار گئی۔ لیکن پھر بھی تکلف اور حجاب کا حریری پردہ اُن کے درمیان موجود رہا۔

پھر امتحان قریب آ گئے۔ وہ اسٹڈی میں مصروف ہو گئے ——— امتحان ہوئے۔ نتیجہ نِکلا۔ وہ امتیازی حیثیت سے پاس ہو کر فائنل میں آ گئی اور جیلانی بھی!

چھٹیاں ختم ہونے پر یونیورسٹی کُھلی تو جیلانی نہ آیا۔ اُسے تشویش ہوئی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ کشمیر چلا گیا ہے۔ جبھی اُسے جیلانی کا خط مِلا ———

"مِس ارشد! خلوص
شرمندہ ہوں۔ بغیر کسی اِطلاع کے کشمیر چلا آیا ———




سب سے پہلے اپنی کامیابی پر مبارکباد قبول فرمائیے میں تو اب اپنا تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکوں گا۔ اس شوق اور جنون نے اس طرح مجھے اپنی گرفت میں لے لیا ہے کہ بے بس ہو کر رہ گیا ہوں۔ واپسی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ان دنوں ذارن جانے کے لئے پاسپورٹ بنوا رہا ہوں۔ کل شاید جے پور چلا جاؤں۔ وہاں میری تصاویر کی نمائش ہو رہی ہے۔ اطلاعاً تحریر ہے۔ باقی پھر لکھوں گا۔

خیر اندیش

جیلانی"

اُس کے بعد بھی مختلف شہروں سے جیلانی کے بہت سے خطوط اُسے ملے۔ اُس کا فن اب ارتقائی منازل طے کر رہا تھا۔ وہ مصوری کے آسمان پر ایک تابناک ستارے کی طرح چمکنے لگا تھا۔ بہت جلد وہ شہرت و مقبولیت کی بلندی پر پہنچ گیا تھا۔ پھر ایک خط میں اُسے جیلانی کے مصر جانے کی اطلاع ملی۔ لیکن وہاں پہنچ کر جیلانی کے خطوط کا سلسلہ ٹوٹنے لگا۔ خط مختصر ہوتے گئے۔ اُس نے گلہ کیا۔ لیکن جیلانی نے اپنی مصروفیات کا ذکر کر کے معذرت چاہ لی۔

وقت یوں ہی آگے بڑھتا رہا —— کئی سال گزر گئے۔

اب جیلانی عالمی شہرت کا مالک ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنے منفرد شہکاروں اور فن پاروں سے مصوری میں اپنا ایک نمایاں مقام بنا لیا تھا۔ لیکن —— وہ افسردہ تھی۔ کیونکہ اچانک جیلانی نے اُسے خط لکھنے بند کر دیے تھے۔

کوئی وجہ اُس کی سمجھ میں نہ آئی۔ وہ حیران تھی، یک لخت جیلانی نے اُسے کیوں فراموش کر دیا؟ بس اخبارات کے ذریعہ اُس کی تصویروں نمائش کی اطلاع ملتی رہتی۔ ایک دن معلوم ہوا جیلانی اپنے ملک واپس لوٹ رہا ہے۔ یہاں بھی وہ نمائش کے سلسلہ میں آ رہا تھا۔ اُس کی خوشی کی حد نہ رہی کہ اب وہ جیلانی سے مل سکے گی۔ اُس سے شکوہ و شکایت کر سکے گی۔ اُس کے فن کے اعلیٰ و ارفع اور بے مثال شاہکار دیکھ سکے گی۔ وہ تو اُس کے فن کی مداح تھی، پرستار تھی۔ لیکن —— وہ جیلانی سے نہ مل سکی۔ آج بھی یہ خواہش آکاش سے ٹوٹتے ہوئے تارے کی طرح زمین کی پہنائیوں میں گم ہو گئی۔

واپس ہونے سے پہلے اُس نے ایک بار پھر نمائش گاہ کے چاروں طرف اُمید بھری نگاہ دوڑائی اور پھر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف چل دی۔ محرومی اور مایوسی کے احساس سے اُسے چلنا پھرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ دماغ میں بیکراں سناٹا سا پھیل گیا تھا۔ آنکھوں میں غم آلود نمی گھل گئی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وطن آکر بھی وہ ابھی تک اپنے گھر نہیں پہنچا تھا۔ گھر کے سب افراد پریشان تھے۔ نہ معلوم کہاں رُوپوش ہو گیا تھا۔ وہ اُس کے اسٹوڈیو بھی گئی تھی اور مایوسی کا داغ لئے لَوٹ آئی تھی۔

"نیومون" ریستوران کے قریب پہنچ کر سڑک پار کرنے کے لئے اُس نے نظر اُٹھائی تو وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ پر ساکت و صامت کھڑی رہ گئی۔ ریستوران کے دروازے سے نکلتے ہوئے جیلانی کو اُس نے ایکدم پہچان لیا تھا۔ وہ بھی اُسے دیکھ کر چونک کر رُک گیا تھا۔

"مِس... ارشد... آپ؟" اُس کے بالکل قریب آکر جیلانی نے کہا لیکن انداز میں گرمجوشی نہ تھی۔

الفاظ اُس کے ہونٹوں تک آئے۔ لیکن زبان گُنگ سی ہو گئی۔ اِس اچانک ملاقات نے جیسے اُس کی قوتِ گویائی سلب کر لی تھی۔ پھر بھی ٹکٹکی باندھے اُس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ اِتنا ہی کہہ سکی۔

"شکریہ... آپ نے پہچانا تو سہی!"

اِس مختصر سے فقرے میں ایک طویل عرصے کی خاموشی اور غیریت کے شکوہ و شکایات کا وہ طوفان موجزن تھا۔ جسے وہ اب تک دل کی گہرائیوں میں چھپائے رہی تھی۔ لیکن اِس فقرے کا ردِّ عمل جیلانی کے چہرے پر دیکھ کر وہ سکتے کی سی کیفیت میں رہ گئی۔ ایک عجیب سا کرب اور اضطراب جیلانی کی آنکھوں میں اُتر آیا تھا۔ ایک نامعلوم سا درد اُس کے چہرے پر پھیل گیا تھا! کئی لمحوں تک وہ کچھ نہ بول سکا۔ کسی نامعلوم جذبے سے اُس کے لب صرف لرز کر رہ گئے اور پھر —— وہ اُسے اپنے گھر لے آئی۔ راستے میں جیلانی چپ رہا اور وہ بھی کچھ نہ بول پائی۔

"مجھے حیرت ہے۔ اِتنی بڑی کامیابی، ایسی شہرت اور مقبولیت کے احساس کا کوئی اثر آپ کے چہرے پر نہیں!" اُس نے جیلانی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اب وہ اپنے جذبات و احساسات پر قابو پا چکی تھی۔

"مِس ارشد! اِن سب کا احساس دل سے ہوا کرتا ہے۔ اِس میں پرورده جذبوں سے ہوتا ہے اور جب وہ جذبے ہی چھن گئے ہوں...؟" بات ادھوری چھوڑ کر وہ کھڑکی کے راستے سے دُور خلاؤں میں دیکھنے لگا جہاں اندھیرے کی بسیط چادر سی تنی ہوئی تھی۔

وہ ساری جان سے کانپ گئی۔ جیلانی کے دل میں اُمڈ... معصوم درد اپنی بندشیں توڑ کر الفاظ میں سمٹ آیا تھا۔ آنکھوں میں ... کی سی ویرانی گھُل گئی تھی۔

"کیا اِتنے بڑے بڑے ممالک سے آپ یہی احساس ... لَوٹے ہیں؟" جواب میں وہ صرف اِتنا ہی کہہ سکی —— ... دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی جا رہی تھیں —— جیلانی ک... اُس کے لئے بالکل عجیب تھا۔

کئی لمحے خاموشی میں بیت گئے —— وہ جواب ... اُس کے چہرے کو تکے جا رہی تھی۔

چند ثانیے بعد جیلانی بے حد درد بھرے لہجے میں بو...

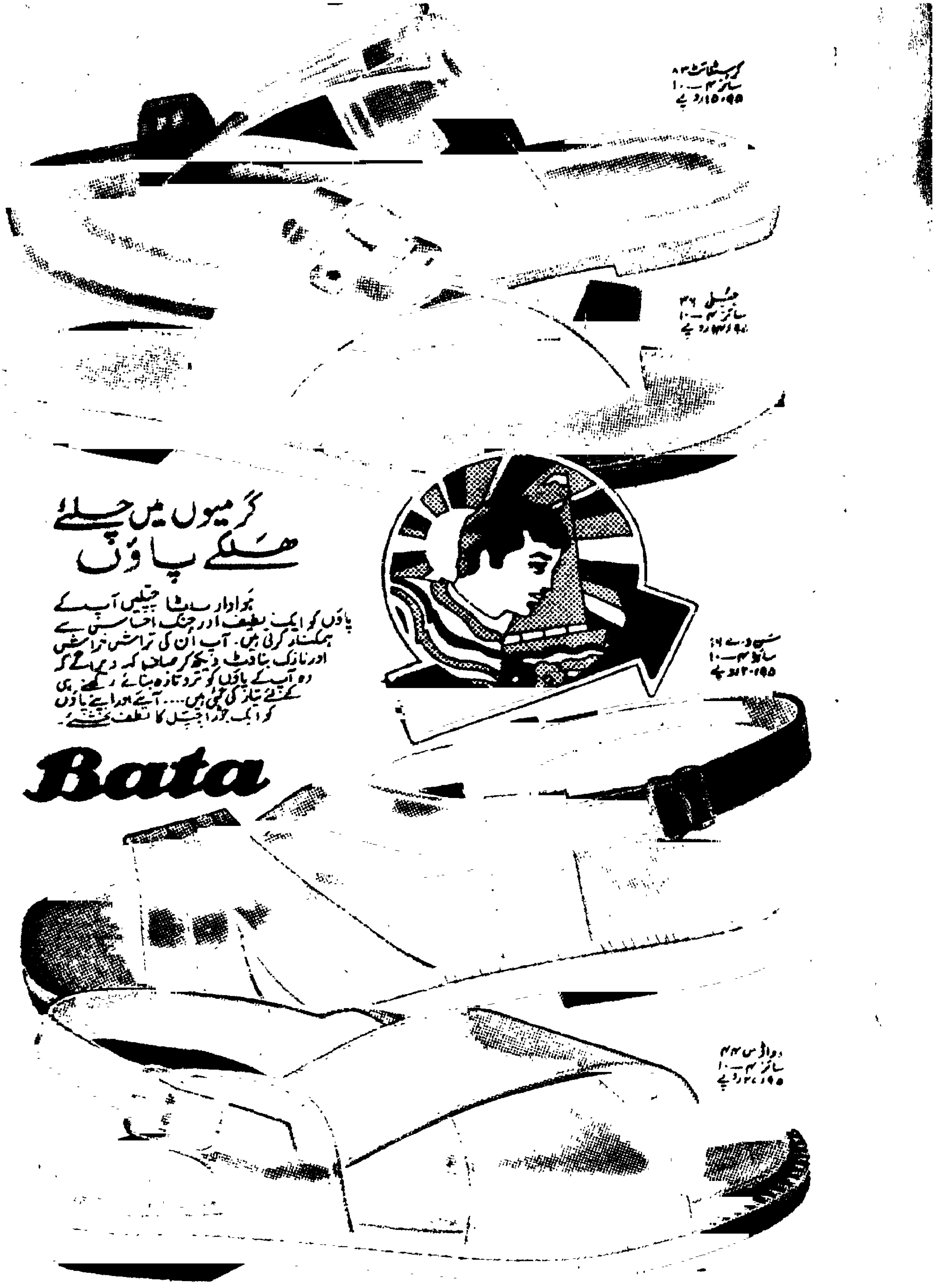
"قدرت بڑی ستم ظریف ہے مِس ارشد —— میں آپ کے ... اور لطیف جذبوں سے کبھی بے خبر نہ رہا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ ... کی کتنی مدّاح ہیں۔ مجھے احساس ہے کہ آپ کو قیدِ عظیم میں ... سے کتنی محبت ہے۔ آپ نے کچھ نہ کہا۔ لیکن آپ کی خاموشی نے ... بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن قدرت نے... وقت نے... اچانک ... آپ کے فنکار کو چھین لیا۔ اب مجھ میں اور ایک عام شخصیت میں ... نہیں رہا..." جیلانی کی آواز بھرّا گئی اور پھر اُس نے اپنا دایاں ... اوور کوٹ کی جیب سے نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"مِس ارشد! قدرت نے میرے ہاتھ کو ہمیشہ ہمیشہ ... مفلوج کر دیا اور اب میں کتنا بے بس ہوں، کتنا مجبور ہوں؟ تخیّت ... سب کچھ اُبھرتا ہے۔ لیکن کینوس پر نہیں آسکتا۔"

اِس ذہنی جھٹکے سے اُس کا سارا وجود بکھر کر رہ گیا۔ ... آنکھوں سے اُس نے جیلانی کے زندگی سے محروم ہاتھ کو دیکھا۔ پھر ... برداشت اور ... ناک درد کی ایک لہر اُس کی رگ رگ میں ... پھر کسی نامعلوم جذبے کے تحت اُس نے اُس ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھ... پُوری شدت سے بھینچ لیا اور پھُوٹ پھُوٹ کر رو پڑی —— محسوس ہونے لگا وہ درد کے بیکراں صحرا میں کھڑی ہو!!

---

"بیسویں صدی" میں وہی مضامین شائع ہو سکتے ہیں جن کے ... "غیر مطبوعہ" لکھا ہو۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ... یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمّہ دارانہ حرکت ہے ——


گرمیوں میں چلئے
ہلکے پاؤں
ہوادار باٹا چپلیں آپ کے
پاؤں کو ایک لطیف اور خنک احساس سے
ہمکنار کرتی ہیں۔ آپ ان کی تراش خراش
اور نازک بناوٹ دیکھ کر صاف کہہ دیں گے کہ
وہ آپ کے پاؤں کو تر و تازہ بنائے رکھنے ہی
کے لئے تیار کی گئی ہیں.... آیئے اور اپنے پاؤں
کو ایک جوڑا چپل کا لطف بخشئے۔
Bata

# گلہائے خندہ

مسعود سراج مسعود ادیبی بی۔ ایس سی

۲۷۸۔۲ ساؤتھ روڈ کراس، میسور نمبر ۱

محترمی! تسلیم

"بیسویں صدی" کے لئے شعراء کے دلچسپ لطائف بھیج رہا ہوں۔ اگر پسند آجائیں تو کسی قریبی اشاعت میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں۔

نیازمند
مسعود سراج مسعود ادیبی

## ناامید نہ ہونا چاہئے ●

ایک زمانے میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد میں اُردو ماہنامہ کے لئے ایک مُدیر کی ضرورت تھی۔ مجلسِ انتخاب میں سر تیج بہادر سپرو، ڈاکٹر تاراچند وغیرہ تھے۔ اصغر گونڈوی صاحب نے بھی درخواست دی تھی اور کئی آدمی اُمیدوار تھے۔ ایک صاحب تقریباً نااُمید ہوگئے تھے۔ ایک دن اصغر صاحب سے ملنے آئے اور پوچھا: "کہئے اصغر صاحب اکیڈمی میں کس کا انتخاب ہو رہا ہے؟"

اصغر صاحب بولے: "اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

تو وہ طنزاً کہنے لگے: "میرا خیال ہے غالباً کوئی نالائق ہی مُنتخب ہوگا!"

اصغر صاحب نے برجستہ جواب دیا: "تو مجھے نااُمید نہ ہونا چاہئے۔"

## پیش گوئی ●

شوکت تھانوی اپنی بیگم کے ساتھ لاہور سے کراچی جا رہے تھے۔ اُن کی بیگم صاحبہ کی اُوپر والی برتھ پر ایک موٹے تازے آدمی براجمان تھے۔ جب گاڑی چلی تو شوکت تھانوی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن صاحب کو غور سے دیکھنے لگے اور اُن سے پُوچھا:

"حضرت! آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہے۔ میں اُس سے شادی کروں گا۔"

اُن صاحب کو بہت حیرت ہوئی اور بولے: "ارے صاحب آپ کی تو بیوی موجود ہے پھر شادی کی کیا ضرورت؟"

شوکت صاحب نے بہت سنجیدگی سے عرض کیا: "سوچتا ہوں جب آپ اُوپر والی سیٹ سے نیچے اُتریں گے تو گریں گے نتیجتاً میری بیوی شہید ہو جائے گی!"

اِس گفتگو کا اِتنا اثر ہُوا کہ کسی نے اُس طویل سفر میں اُن صاحب کو نیچے اُترتے نہیں دیکھا!

## داد یا بیداد ●

حضرتِ جگر مرادآبادی ایک مُشاعرہ کی صدا[illegible] تھے۔ آپ نے غزل پڑھی، مُشاعرہ ختم ہوگیا۔ ایک [illegible] لائے اور بے حد رازدارانہ انداز میں فرمایا ——

"جگر صاحب! ایک بات سن لیجئے مگر [illegible]

وہ نسبتاً ایک الگ تھلگ مقام پر آئے اور جگر صاحب سے کہا: "فرمائیے!"

اس پر اُن حضرت نے جگر کا منہ چوم لیا اور دست بستہ عرض کی

"میں تو اپنی جسارت کا ذکر کسی سے نہ کروں گا، جناب بھی کسی سے نہ کہیں۔"

یہ کہہ کر وہ صاحب تو چل دیئے لیکن جگر صاحب دیر تک وہیں کھڑے یہ سوچتے رہے: اسے "داد" سمجھوں یا "بیداد"؟"

## حاضر جوابی —— •

مولانا شوکت علی عربی نہیں جانتے تھے۔ لیکن جب کبھی عرب بزرگ اُن سے ملنے آتے تو مولانا اُن سے عربی میں باتیں کرنے کی کوشش کرتے یعنی عربی کے دو تین سُنے سُنائے الفاظ کہے اور جو کمی رہ گئی وہ ہاتھوں اور آنکھوں کے بلیغ اشاروں سے پوری کردی۔ ایک دن ایک عرب سے باتیں کر رہے تھے —— یا شیخ! أتحلمون نائمون (آنکھیں بند کرلیں) فی کلّ عالَم نائمون (انگلی فضا میں گھماتی) غلومن مافش فلوش کاغش خیر! اللہ علی کلّ شیء قدیر (اور اوپر اللہ کی طرف اشارہ کر دیا)

ایک دن چند نوجوان مُصر ہوگئے، "آپ عربی تو جانتے نہیں عربی میں باتیں کیسے کر لیتے ہیں۔" کہنے لگے: "واہ! عربی کیوں نہیں جانتے ہم خوب عربی جانتے ہیں۔"

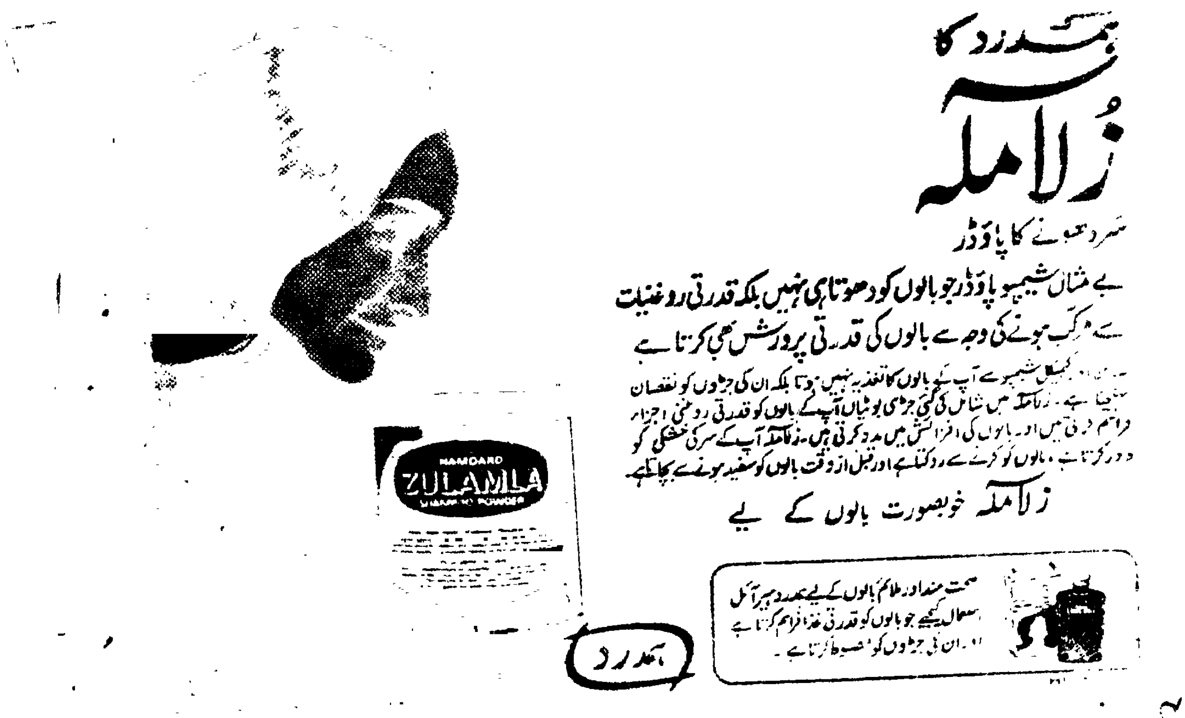
کسی لڑکے نے پوچھا: "اچھا یہ تو بتایئے۔ گھنٹے کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟"

مولانا نے بے تامّل جواب دیا: "گھنٹا تو عرب میں ہوتا ہی نہیں!"

لڑکے مارے قہقہوں کے لوٹ پوٹ ہوگئے۔

## وطن کی بہنیں —— •

جن دنوں لاہور کی میونسپلٹی کی طرف سے کشمیری طوائفیں وہاں سے اُٹھا دی گئی تھیں۔ اخبار "وطن" کے ایڈیٹر مولوی انشاء اللہ خاں








[redacted]

جو علامہ اقبال کے بے تکلف دوست تھے، علامہ کے یہاں انار کلی میں متعدد بار گئے۔ لیکن اتفاق سے علامہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ایک دن جب علامہ گھر ہی مل گئے تو انشا اللہ خاں نے از راہِ مذاق کہا: "علامہ! جب سے انار کلی سے طوائفیں چلی گئی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے آپ کا دل یہاں نہیں لگتا!"

علامہ نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا: "کیا کیا جائے مولوی صاحب! آخر وہ بھی تو وطن کی بہنیں ہیں!"

## ... جواب میں

یہ مارچ ۱۹۵۲ء کی بات ہے۔ مجاز جوش سے سخت ناراض تھے۔ اُن سے غالباً کسی بات پر کچھ تلخی ہو گئی تھی۔ جوش نے ایک طویل نظم "پند نامہ برائے اصلاحِ میاں مجاز" لکھی اور "آج کل" میں شائع کر دی۔ اِس واقعہ کا مجاز پر سخت ردِ عمل ہوا اور انھوں نے اُس طویل نظم کا جواب دو قطعات کے ذریعے دیا۔ جن میں سے ایک قطعہ میں مجاز نے جوش کے وزیرِ اعظم کشمیر شیخ عبد اللہ کی شان میں قصیدہ لکھنے پر طنز کیا تھا ؎

نطقِ رسوا دہن دریدہ ہے
یہ شنیدہ نہیں دریدہ ہے
رندِ برباد کو نصیحت ہے
شیخ کی شان میں قصیدہ ہے

دُوسرے قطعہ میں جوش کی سرکاری ملازمت پر طنز کیا تھا ؎

پیرِ جوشِ شباب کیا جانے
شورشِ اضطراب کیا جانے
سینۂ انقلاب چھلنی ہے
شاعرِ انقلاب کیا جانے

# غزلیں

## جرار چھولسی

سکونِ آرزو پیدا تو ہوتا
کم از کم وعدۂ فردا تو ہوتا

قیامت ڈھا رہی ہے سادگی بھی
اُٹھا کر آئینہ دیکھا تو ہوتا

شبِ غم بے سہارا کٹ رہی ہے
سیہ بختی! کوئی تارا تو ہوتا

نہالِ آرزو کیوں تم نے کاٹا
اگر دیتا نہ پھل سایا تو ہوتا

گلستاں ہوشمندوں کو ملے ہیں
مری تقدیر میں صحرا تو ہوتا

تمھیں اپنا سمجھتے دوستو! ہم
کسی نے حالِ دل پوچھا تو ہوتا

درِ اہلِ کرم پر اور جرار
کہیں اس بات کا چرچا تو ہوتا

## غزالہ اشفاق شاہجہانپوری

اے آنکھ دل کا راز چھپانے کی بات ہے
افشا نہ ہو کہ اپنے گھرانے کی بات ہے

آنے کی بات ہے نہ بلانے کی بات ہے
یہ بات کتنی دل کو دکھانے کی بات ہے

ہر ایک کی زبان پہ ہے اپنا تذکرہ
گویا ہماری بات زمانے کی بات ہے

محتاجِ غور و فکر نہیں اب سخنوری
سب شعر اچھے تم نے ہیں گانے کی بات ہے

ساقی یہ میکدہ ہے کہ میدانِ کربلا
پینے کی بات ہے نہ پلانے کی بات ہے

توبہ کا ٹوٹنا کوئی مشکل نہیں مگر
چھوٹی ہوئی کو منہ سے لگانے کی بات ہے

مانا وہ پوری کرتے ہیں ہر ایک کی مراد
لیکن غزالہ ہونٹوں تک آنے کی بات ہے

## چندر پرکاش جوہر بجنوری

ترے خیال سے وابستہ ہر اُمید کئے
میں مطمئن ہوں متاعِ غمِ حیات لئے

ہزار جہدِ مسلسل کے بعد بھی اے دوست
قدم جنونِ محبت نے ڈگمگا ہی دئے

ان آنسوؤں کو وہ دامن کبھی کاش مل جائے
تمام عمر میں رویا کیا ہوں جس کے لئے

کہیں وہیں سے نمایاں ہوا ہے جوشِ جنوں
جہاں جہاں سے گریباں کے چاک ہم نے سئے

کوئی نہ دیکھ سکا جن کو آہ اے جوہر
کچھ ایسے اشک بھی ہم نے کسی کے غم میں پئے

## فرحت قادری

بانٹ لیتا جو مرا غم، کوئی ایسا نہ ملا
میں بھی کہتا جسے ہمدم کوئی ایسا نہ ملا

زخم کو چھیڑنے والے تو بہت ملتے ہیں
زخم پر رکھے جو مرہم، کوئی ایسا نہ ملا

میری محرومیٔ قسمت کا وہی عالم ہے
جو بدل دے مرا عالم، کوئی ایسا نہ ملا

سینکڑوں ملتی ہیں بھیگی ہوئی آنکھیں لیکن
دامنِ دل بھی ہو پُر نم، کوئی ایسا نہ ملا

# اے ون

ایک مقبول عام سائیکل

قابل اعتماد سستی اور [illegible]



اے ون سائیکلز پرائیویٹ لمیٹڈ۔ لدھیانہ

TRENDS

# دَب دَب کر زخم اُبھرتے ہیں

انیس قیوم فیاض بی۔ ایس سی، بی۔ ایڈ (عثمانیہ)

۲۲۔۷-سی ملّے پلی، حیدر آباد۔ ۵۰۰۰۰۱

مکرّمی چچا جان! آداب و نیاز

آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیجئے حکم کی تعمیل میں ایک پیارا سا افسانہ پیش ہے "دب دب کر زخم اُبھرتے ہیں" برسوں پہلے "بیسویں صدی" کے کسی خاص نمبر میں آپ کے عزیز دوست اور ممتاز شاعر ڈاکٹر عندلیب شادانی مرحوم کی نظم کا یہ شعر دل کو چھو گیا تھا ؎

کیا قہر یہ چاہت ہے یارب دب دب کر زخم اُبھرتے ہیں
مدّت ہوئی جس کو بھول چکے کیوں پھر وہ کہانی یاد آئی

مجھے اُمید ہے اِس شعر پر مبنی کہانی آپ کو اور قارئین "بیسویں صدی" کو ضرور پسند آئے گی۔ آخر میں مَیں اپنے اُن کرم فرماؤں کا "بیسویں صدی" کے توسط سے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنھوں نے دُوسرے ممالک سے خطوں کے ذریعہ میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ میری کاوشوں کو سراہا۔ اُن کے خلوص کی میں دل سے قدر کرتی ہوں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ
انیس قیوم فیاض

★

کچھ مجبوریاں ایسی بھی ہوتی ہیں، جن سے رہائی کسی قیمت پر ممکن نہیں ہوتی۔

قریب تھا کہ وہ اُس کے قدموں میں بچھ جاتی۔ شوکت نے اپنے پاؤں سمیٹ لئے۔

"کیا کرتی ہو رخشی؟ خُدا کے لئے مجھے گُناہ گار تو نہ کرو۔"

شوکت نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا تھا۔ لیکن دل پر جیسے کسی نے وزنی ہتھوڑا دے مارا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے بس دیکھتا رہا۔ پُوچھ بھی نہ سکا ـــــ رخشی! یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ ہماری برسہا برس کی محبت اِس ایک ٹھیس کی محتاج تھی؟'

وہ سوچتا رہ گیا۔

اِس دُنیا کا ہر انسان مجبوریوں سے دوچار ہے ـــــ کچھ نہ کچھ مجبوریاں سب کے پاؤں سے زنجیروں کی طرح لپٹی ہوئی ہیں۔ سُورج چاند ستاروں کی گردشیں بدل جائیں۔ لیکن اِس دُنیا کے لوگ شاید قیامت تک مجبوریوں کو دامن سے لپٹائے رہیں گے۔

اُس نے دُور خلاؤں میں دیکھا۔

دو سفید کبوتر اُڑ رہے تھے۔ وہ انھیں دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اُسے یاد آیا۔

رخشی کے گھر میں بھی بہت سارے کبوتر تھے۔ جنھیں وہ بہت پیار سے دانہ کھلاتی تھی۔ کبوتر اُس کے آگے پیچھے پھرا کرتے۔ وہ اُن کا ہر طرح خیال رکھتی تھی۔

# ساقی

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے
نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا ——— میر تقی میر

مجھ سے دریا نوش کو ساقی پلاتا ہے شراب
دیکھتا ہوں میں بھی ظرفِ شیشہ و پیمانہ آج ——— آتش

ساقی بہ جلوہ، دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے ——— غالب

کہاں سے لاؤں صبر حضرت ایوب اے ساقی
خم آئیگا، صراحی آئے گی، تب جام آئیگا ——— شاد

عذرِ پرہیز پہ کہتا ہے بگڑ کر ساقی
ہے ترے دل میں وہی کاوشِ انجام ابھی ——— اقبال

مرسلہ: محمد تبارک - پورنیہ

'رخشی! میں تمھیں ایک ایسی چیز پیش کروں جسے تم بے حد پسند کرتی ہو، تو کیا کرو گی . . .'

'کیا کروں گی ——— ؟' اُس نے الھڑ شوخ لڑکیوں کی طرح کہا۔

'خوشی سے ناچوں گی . . . بولو کیا دو گے ؟"

'کبوتروں کا ایسا جوڑا جو تمھارے پاس نہیں ہے!'

وہ کھل سی گئی۔

اور دوسرے ہی دن شوکت نے دو پیارے پیارے سے کبوتر اُسے لاکر دے دئے، پنجرے میں بند۔ وہ اُس کے ہاتھ میں پنجرہ تھماتے ہوئے بولا۔

'لیجئے صاحب . . . یہ چھوٹا سا نذرانہ! لوگوں نے اب تک بے جان ہی نذرانے دئے ہوں گے۔ میں آج آپ کو ایک جاندار تحفہ دیتا ہوں۔ کہئے پسند آیا؟'

'بہت پسند آیا!'

'لیکن یہ بات نہیں کر سکتے' شوکت بولا۔

دُوسرے ہی لمحے کبوتروں نے آواز نکالی . . . غٹرغوں . . .

غٹرغوں . . .

'دیکھا شوکی . . . کیا کہتے ہیں؟'

'کہتے ہیں ہمیں بے زبان نہ کہو ———
ہم بھی مُنہ میں زبان رکھتے ہیں
کاش پُوچھو کہ مُدّعا کیا ہے ؟'

وہ کِھل کھلا کر ہنسی۔

'آپ کیسی عجیب باتیں کرتے ہیں ؟'

'صرف باتیں ہی نہیں کرتے . . . ہم آپ سے بے پناہ محبت بھی کرتے ہیں۔'

'ہائے اللہ!' رخشی نے اپنے ہونٹوں کو ہتھیلی میں مسل دیا اور بھاگ گئی۔

حیا کی پُتلی، سر سے پاؤں تک جیسے سنگِ مرمر میں ڈھالی ہوئی مرمریں جسم کا ہر زاویہ دلکش، ہر ادا توبہ شکن، ہر انداز دلفریب تھا۔ جس کے انگ انگ سے شراب کا نشہ چھلک رہا تھا۔ شوکت جیسے پاگل سا ہو گیا!

---

"ہم آپ سے بات نہ کریں گے!"

"کیوں صاحب خطا تو بتائیے سزا سے پہلے!"

"آپ نے ہم سے محبت کرنے کی کوشش کیوں کی ؟"

"اِس لئے کہ آپ محبت کرنے کی چیز ہیں!" شوکت نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"ہائے اللہ!" رخشی نے اپنی اُنگلی دانتوں تلے کاٹی اور بھاگ گئی۔ جیسے قوسِ قزح لہرا کر غائب ہو گئی۔

شوکت تو اِنھی اداؤں کا دیوانہ تھا۔

جس دن رخشی نے بی۔اے کا امتحان پاس کیا، شوکت کے پاس شاید پہلی بار آکر بولی۔

"شوکی . . . مٹھائی کھلائیے!"

"وہ کس خوشی میں ؟" شوکت نے پُوچھا۔

"میں نے بی۔اے سکنڈ ڈویژن میں پاس کر لیا ہے!" وہ پردے سے جھولتی ہوئی بولی۔

"گڈ! یہ تو بہت اچھی بات ہوئی۔ اِسی بات پر لاؤ مِلاؤ ہاتھ!"

رخشی نے اپنا گلاب جیسا ہاتھ آگے بڑھایا جسے شوکت نے ہولے سے دبا کر چھوڑ دیا۔

اور رخشی چیخنے چیختے رُک گئی۔ اُس کے رُخسار گلابی ہو گئے۔

شوکت نے پوچھا۔

"اچھا یہ بتاؤ مزید تعلیم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ پوسٹ گریجویشن کروگی یا پھر فل اسٹاپ؟"

"پتہ نہیں۔۔۔ دل تو چاہتا ہے تعلیم جاری رکھوں لیکن یہ سب ابّو جان کی مرضی پر منحصر ہے۔"

دونوں بہت دیر تک تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ جب بحث ختم کر کے اُٹھے تو دونوں ہی خوش تھے، بہت خوش!

دفعتاً رخشی کے ابّو جان وارد ہوئے اور شوکت کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"میاں شوکت! آج ایک بہت ہی اہم کام تمھارے سپرد کر رہا ہوں۔"

رخشی اندر چلی گئی۔ ضروری گفتگو کے درمیان وہ کبھی مخل نہ ہوتی تھی۔

رخشی کے ابّو نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"بہت دنوں سے رخشی کے لئے ایک رشتے کی بات چل رہی ہے۔ میرا قیاس ہے رخشی اگر دوسرا جنم بھی لے لے تو ایسا لڑکا نہیں مل سکتا!"

شوکت سانسوں کو روکے بیٹھا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر جیسے جم گیا! اُسے ہر چیز تیزی سے گھومتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ رخشی کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔ اُس نے رخشی کے والد سے کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہ سکا۔ اُس نے رونا چاہا۔ لیکن رو نہ سکا۔ آنکھ میں آنسو آئے بھی لیکن اُس نے گرنے نہ دیا۔ اُس کی حالت عجیب تھی۔

پھر رخشی کے ابّا بولے ——

"تمھیں ذرا اُن لوگوں کے متعلق صحیح دریافت کرنی ہے۔ کیونکہ لڑکی کا ہاتھ دینے سے پہلے پوری جانچ پڑتال ضروری ہوتی ہے۔"

## آنکھ

ساقی یہ ہجرِ یار میں دل سے کیا ہے عہد
دیکھوں نہ آنکھ اُٹھا کے مئے و جام کی طرف —— میر

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چُرائی
وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا —— میر

لے گیا صبح کے نزدیک مجھے خواب آ جائے
آنکھ اُس وقت کھُلی قافلہ جب دور گیا —— داغ

دیکھا ہے کسی کے ساتھ تم کو
آنکھوں نے مری سُنا نہیں ہے —— سلطان محمد خوش

دیکھا جو حُسنِ یار طبیعت مچل گئی
آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی —— جلیل

مرسلہ:- کلیم اللہ خاں ٹسن پلیٹ جمشید پور

"جی ضرور۔۔۔" وہ اتنا ہی کہہ سکا۔

ویسے اُس کا اُس گھر میں آنا جانا برسوں سے تھا۔ رخشی کے گھر والے اُسے اپنا سمجھتے تھے۔ لیکن آج وہ اپنے آپ کو قطعی اجنبی تصور کر رہا تھا۔

---

اور وہ دن بھی آیا جب رخشی رخصت ہو رہی تھی۔ اپنے بابل سے۔۔۔ وہ رو رہی تھی۔ بے انتہا رو رہی تھی۔ کوئی اُس کے رونے کا مطلب نہیں سمجھ سکتا تھا۔ پھر بھی سب نے اُسے سمجھایا ——

"یہ دن سب لڑکیوں پر آتا ہے۔ کتنی ہی لاڈلی بیٹی کیوں نہ ہو اُسے ایک دن بابل سے رخصت ہونا ہی پڑتا ہے۔"

شوکت نے بھی سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بولی۔

"زخموں پر نمک پاشی کیوں کرتے ہیں آپ۔۔۔؟" اور پھر رو پڑی۔

شوکت نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر قسم کھائی۔

"میں یہاں سے دور، بہت دور چلا جاؤں گا رخشی! اور تمھاری ہر اُس بات کو بھول جاؤں گا جس نے مجھے خوشیاں دی تھیں۔

یہ بھی بھول جاؤں گا کہ تم نے مجھے چاہا تھا۔"

وہ سسک کر آگے بڑھ گئی۔

شوکت وہاں سے لوٹ آیا۔ شہر سے گاؤں کی طرف . . .

یہاں وہ گھما گھمی تو نہ تھی۔ قدرت کے حسین نظارے تھے جو ہر دم اُس کا استقبال کرتے۔ اُسے خوش آمدید کہتے۔ خاموش فضاؤں میں اکثر وہ چلتے چلتے رُک جاتا اور ہواؤں کی سرگوشیوں کو سُنتا۔ جیسے وہ کہہ رہی ہوں ——

"اے نادان —— ! دُنیا میں محبت ہی سب کچھ نہیں۔ انسان دُنیا میں کچھ اور کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ اِن بلند و بالا چوٹیوں، اِن جھرنوں، اِن کھیتوں کھلیانوں سے تو کیوں محظوظ نہیں ہوتا؟"

اور وہ اُداس سی مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھ جاتا۔

یہیں اُس کا دوست شاہد رہتا تھا۔ شاہد شوکت کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔

جبھی تو اُسے اپنے گاؤں کھینچ لایا تھا۔

یہاں آکر شوکت کے ذہن نے کچھ سکون سا محسوس کیا۔ اب وہ ہر دن رخشی کا تذکرہ نہ کرتا۔ ورنہ اُدھر شہر میں تو یہ حالت تھی کوئی بھی تذکرہ رخشی سے خالی نہ ہوتا۔

اکثر شاہد اُس کے خیالات کا رُخ موڑ دیا کرتا اور اُسے کسی ایسے کام میں منہمک کر دیتا کہ وہ رخشی کو یاد ہی نہ کر سکے۔

چند دنوں بعد شوکت بالکل ہی بھول گیا کہ اُس نے کوئی صدمہ جھیلا تھا —— غم اُٹھایا تھا۔ اُس نے ایک خاموش سمجھوتہ کر لیا تھا اپنے آپ سے۔ اپنے دل سے۔ اب وہ کافی صحت مند ہو گیا تھا۔ سدا مُسکراتا رہتا۔

اُس دن شاہد کی برتھ ڈے پارٹی تھی۔

بہت سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ کئی لڑکیاں بھی تھیں جو سب کی سب شاہد کی رشتے دار تھیں۔ چھوٹی بڑی، دُبلی پتلی، گُداز جسم کی لڑکیاں اُس محفل میں موجود تھیں۔

"حیرت ہے یار! اِتنی ساری بہنیں ہیں تمھاری!" شوکت نے ٹوکا۔

کسی نے زنان خانے سے خوب جواب دیا ——

"شاہد بھائی! یہ کون ہیں، انھیں ہٹاؤ بھی . . . اِدھر زنانہ ہے۔ اچھا طریقہ ہے۔ لڑکیوں میں آبیٹھے ہیں مابدولت!" جیسے نقرئی گھنٹیاں بج اُٹھیں —— جیسے جلترنگ بج اُٹھا۔

شوکت بوکھلا گیا۔ اُٹھنے ہی کو تھا کہ شاہد نے اُس کی آستین پکڑلی۔

"بیٹھو یار! جسے پردہ کرنا ہو وہ خود یہاں سے چلا جائے"

اُس نے لڑکیوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔

"ٹھیک ہے میں نہیں رہوں گی شاہد بھائی! پندرہ سولہ کی ایک لڑکی بیزاری سے بولی اور لکڑی کے ستون کا سہارا لئے کھڑی ہوگئی۔

شبنم شاہد کی خالہ زاد بہن ہوتی تھی۔ بہت ہی ضدی اور بہت ہی الھڑ۔ عموماً اس عمر میں لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہیں۔ بے سوچے سمجھے کچھ بھی کردیں گی۔

شاہد اُسے اپنے ساتھ رکھتا، تاکہ وہ شوکت سے لڑتی رہے۔ وہ اور شوکت اکثر کارڈس کھیلتے، ٹیبل ٹینس کھیلتے، کھیتوں میں گھومنے جاتے۔

دونوں ہی اُسے چھیڑا کرتے اور وہ شوخ و شنگ لڑکی گرم ہوجاتی۔ اُس کے رخسار گلابی ہوجاتے۔

اُس دن صبح ہی صبح وہ شوکت کے لئے بیڈ ٹی لے آئی تو اُس کا حلیہ عجیب ہورہا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں نیند کے باعث سوجی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

شوکت نے چھیڑنے کے لئے اُس سے پوچھا۔

"شبو! آج تم نے بال بہت اچھے بنائے ہیں!"

شبنم چڑ گئی۔

"رہنے دو آپ کو کیوں . . . ؟"

شوکت نے اُس کے دوپٹہ کا آنچل تھام لیا۔

شبنم کو بھی ضد آگئی تھی۔ اُس نے جھٹکے سے آنچل چھڑایا اور منہ چڑاتی ہوئی بھاگ گئی۔ شوکت ایک دم سہم سا گیا۔

منہ چڑاتی ہوئی شبنم بالکل زخشی معلوم ہورہی تھی! شوخ و شنگ زخشی!

زخم پھر ہرے ہوگئے تھے۔ اُسی دن اُس نے گاؤں چھوڑ دیا!!

بیسویں صدی دہلی اگست ۷۴

افسانہ

# شک کی دیوار

پروفیسر خورشید سمیع ایم۔ایس سی
ڈیپارٹمنٹ آف کیمسٹری، مظفرپور انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، مظفرپور

محترمی ومکرمی ومحتشمی خوشتر گرامی صاحب! آداب

"بیسویں صدی" کے لئے پہلی بار ایک کہانی لے کر حاضر ہو رہا ہوں۔ کہانی بالکل سیدھی سادی سی ہے۔ لیکن شک کے مُہلک نتائج کی نشاندہی کرتی ہے۔ اِس موضوع پر دوسری زبانوں میں بھی کہانیاں لکھی گئی ہیں۔ میں نے محض ایک رُخ کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِس کہانی میں کوئی طویل پلاٹ نہیں ہے۔ "بیسویں صدی" مختصر افسانوں کے عروج کا عہد کہا جاتا ہے اور ایک مختصر سے کینوس میں تصویر کا جو سب سے حسین، سب سے تاثر انگیز رُخ پیش کیا جاسکے۔ وہی کہانی کی اہمیت کو زیادہ یا کم کرسکتا ہے ـــــ بہرحال! کہانی آپ کی نذر ہے۔ اِسے جس شمارے میں جگہ دیں، اُس کی اطلاع مجھے بھی ضرور دیں . . .

گلہائے عقیدت
خورشید سمیع

★

جب سے میں نے اسپتال میں قدم رکھا تھا۔ میں نے اُس گوری اور سُنہرے بالوں والی نرس کو ہمیشہ غور سے دیکھا تھا۔ اُسے مریض اور اسٹاف سبھی پیار کرتے تھے۔ مریض اُس کے قدموں کی چاپ سُن کر اپنے بستروں سے اُٹھ جاتے تھے اور اپنے ہاتھ اُس چھوٹے بچے کی طرح پھیلاتے تھے جو اپنی ماں کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے، اور کہتے "نرس، نرس میرے پاس آؤ!"

یہاں تک کہ سب سے چڑچڑے لوگ بھی، جنھیں دُنیا کی ہر چیز سے نفرت ہوتی ہے۔ اُس کے چہرے کی مُسکراہٹ اور اُس کے نرم و نازک مزاج کے سامنے جُھک جاتے۔ وہ جو کچھ کہتی کرنے کو آمادہ ہوجاتے۔ اِس مُسکراہٹ کے ساتھ اُس کی نیلی آنکھیں جس کی طرف دیکھتیں، وہ خود کو دُنیا کا اہم ترین شخص سمجھنے لگتا۔ جس لمحہ اُس کی نظریں مجھ پر ٹھہریں، میں بھی دوسروں کی طرح ہوگیا۔ حالانکہ اُسے مجھ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ میرے لئے بھی نہیں، دوسروں کے لئے بھی نہیں۔ دراصل یہ تبسّم اور یہ انداز تکلّم تو اُس کی عادت تھی۔

اُس کے ساتھ کام کرنے والی دوسری نرسیں اُس سے رنج رہتی تھیں۔ کیونکہ اُس کی شخصیت اسپتال میں ایک مسیحا کی طرح تھی، جس کے سامنے دوسرے لوگوں کی ہستی بالکل ماند پڑگئی تھی۔ اُن کی میٹرن ایک چالیس سال کی پختہ اور ادھیڑ عُمر کی عورت تھی۔ ایک دم پھیکی اور سرکے کی طرح تیکھی۔ اُسے سیاہ کافی، نمکین کیک اور اپنے چھوٹے سے کُتّے کے علاوہ دُنیا کی ہر شئے سے اُسے نفرت تھی۔

میرے رفیق کار دوسرے ڈاکٹر جنھیں اُس کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا، وہ خود کو خوش قسمت سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ کسی سے بھی بے تکلّف نہ تھی، لیکن مُسکرا کر باتیں کرنا اور نرمی سے

سے جواب دینا، کچھ ایسی صفت ہے، جو سب کے دل کو چھو لیتی ہے۔

میں اُس میں کافی دلچسپی لیتا رہا تھا۔ لیکن وہ نہ تو کبھی اِس حد تک قریب آئی کہ مجھے یہ احساس ہوسکے کہ وہ بھی مجھ میں دلچسپی لے رہی ہے اور نہ اتنی بے نیازی ہی برتتی رہی کہ ایسا محسوس ہو، جیسے اُسے مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

ایک دن دوپہر کے وقت، جب میں ڈائننگ ہال سے باہر نکلا تو مارتھا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور پوچھا ــــ "کیا تم مصروف ہو؟"

"نہیں تو آج میں فرصت میں ہوں۔ آج میرا آف ہے۔"

وہ مسکرائی۔

---

- مزدور کو اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُس کی مزدوری دے دیا کرو۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)
- ضائع ہے وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)
- دولت کے بھوکے کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوسکتی۔ (حضرت معروف کرخیؒ)
- سخاوت پھل ہے مال کا، اعمال پھل ہیں علم کے، خوشنودی پھل ہے اخلاص کا۔ (حضرت عثمان غنیؓ)
- جس کا لباس ہلکا اور باریک ہوگا، اُس کا دین بھی ضعیف ہوگا۔ (حضرت امام غزالیؒ)

---

"پھر تم اِس طرح کمرے میں کیوں پڑی ہوئی ہو؟"

"تو پھر کیا کروں؟"

"اگر بُرا نہ مانو تو میری تجویز یہ ہے کہ ہم کچھ دیر بعد ٹہلنے نکلیں، شام ہونے سے پہلے کافی ہاؤس پہنچ جائیں اور وہاں سے پھر کوئی نیا پروگرام بنائیں۔"

اُس نے ہنستے ہوئے سر ہلا دیا۔

"اچھا میں اپنا کام نپٹا کر جلد ہی آؤں گا!"

پھر وہ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اور میں اپنے کام پر۔ کچھ دیر بعد جب میں اُسے لینے پہنچا تو اُس نے لباس تبدیل کر لئے تھے۔ وہ بے حد پُرکشش معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے کلیوں نے اپنی مسکراہٹ اُس کے باریک ہونٹوں پر سجا دی ہوں۔ گلوں نے اپنی تازگی عطا کر دی ہو۔ جیسے کائنات کی ساری رعنائیاں اُس کے پیکر میں سمٹ آئی ہوں۔

ہم بس اسٹاپ کی طرف بڑھے۔ دو یا تین بسیں گزرنے کے بعد ہمیں ایک بس میں جگہ مل گئی۔ وہ بس ایک پارک کے سامنے رُکی۔ میں نے پارک میں داخل ہوتے ہوئے کہا: "بہتر ہے ہم دُنیا کی باتیں بھول جائیں، اسپتال کی باتیں، سروس کی باتیں۔ آج کچھ ایسی باتیں کریں جن سے دل بہل جائے۔"

وہ اپنی مخصوص اور انوکھی مسکراہٹ کے ساتھ بولی: "وہ تو ٹھیک ہے، پر کیسی باتیں کریں؟ مجھے تو اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کی عادت ہی نہیں۔ یا تو اسپتال میں مریضوں سے باتیں کرنے کی عادت ہے یا گھر پر تنہائی میں کتابیں پڑھنے کی۔"

میں نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ بولا: "تم اِس تنہائی سے گھبراتی نہیں ہو؟ ایسی کوئی بات کیوں نہیں سوچتیں، جس سے تمہاری تنہائی تمہارے لئے عذاب نہ بنے۔ میں ... میرا مطلب ... ہے کہ تم شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟"

اُس کا چہرہ شرم سے سُرخ ہو گیا۔ اوس میں بھیگے ہوئے گلاب کی طرح عرق آلود ہو گیا۔

"کر تو لوں، لیکن کس سے؟ اور پھر وہ کون شخص ہوگا جو میرے ماضی کو جاننا نہ چاہے؟"

"کیوں نہیں جیسے میں؟"

وہ ہنسی اور میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور کہا ــــ "دوسرا ہاتھ بھی دو!" میں نے اُس کے دونوں ہاتھ چُومے اور اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کا چہرہ اور سُرخ ہوگیا۔ اُس کے گلابی ہونٹ تھرتھرائے جیسے پھولوں کی نرم و نازک پنکھڑیوں کو ہوا کے شریر جھونکوں نے چھیڑ دیا ہو، لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی سانسوں سے جیسے خوشبو کی ہلکی ہلکی لپٹیں اُٹھنے لگیں۔ میں مدہوش سا ہوگیا۔

---

جلد ہی ہم نے شادی کر لی۔ شادی کے بعد کا وقت میرے لئے سب سے اچھا تھا۔ اب میں سمجھنے لگا تھا کہ شاعر کیوں

شاعری کرتے ہیں۔ افسانہ نگار کیوں افسانے لکھتے ہیں۔ لیکن میں محسوس کرتا رہا کہ اُس کی آنکھوں میں نہ جانے کیوں کبھی کبھی گہری مایوسی چھا جاتی تھی۔ جو کبھی کبھی اُس بادل کی طرح گہری ہو جاتی تھی، جو پھوٹنا ہی چاہتا ہو۔ ایک بار میں نے اُس کی وجہ پوچھی۔ اُس نے کوئی جواب دیے بغیر اپنی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال دیں اور میں اُس کی گھنیری اور لانبی زلفوں میں کھو گیا۔ وہ مُسکرائی اور میرے گلے میں اپنی بانہیں ڈالتے ہوئے بولی ——

"تم نہیں سمجھ سکتے، میں تمھیں کتنا پیار کرتی ہوں۔ میں نے کتنی مُدّت گُزاری ہے اور پیار کے تپنے میں!" اور ایک خاموش اور اُداس مُسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

میں سوچتا رہا۔ وہ مجھ سے پیار کرتی ہے تو اِس اُداسی کا راز کیا ہے؟ ہو سکتا ہے اِس کا خاندان غریب رہا ہو۔ لیکن اب تو ایسی بات نہیں تھی، یا شاید اُس نے کسی اور سے شادی کا خواب دیکھا ہو جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور مجھے خود پر غصّہ آنے لگا۔ مجھے اُس کے ماضی میں جھانکنا تو ضرور چاہیے تھا۔ میں نے اِتنی جلدی اُس سے شادی کر کے یقیناً ایک بڑی غلطی کی ہے۔ تشکیک میرے دل و دماغ کو پریشان کیے تھی۔

میں نے بار بار پُوچھنا چاہا، لیکن وہ اور زیادہ پیار جتاتی گئی۔ اور خاموش رہی۔ لیکن میں محسوس کرتا رہا وہ مجھ سے کچھ چھُپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ تجسّس نے میرے دل و دماغ کو منتشر کر رکھا تھا۔

---

ایک دن دوپہر کے وقت میں اُس کے کمرے میں گیا۔ وہ نیا ڈریس سی رہی تھی۔ میں نے اُس کی طرف بھرپُور نگاہوں سے دیکھا۔ وہ بھی سیدھے میری ہی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔ میری آنکھوں میں وہی دیرینہ سوال تھے اور اُس کی آنکھوں میں اُداسی کی وہی دیرینہ جھلک۔ میں نے صرف اِتنا کہا؛ "سُنا ہے شوہر اور بیوی کے درمیان کوئی راز نہیں رہتا؟"

"میں جانتی تھی تم مجھے مجبور کر دو گے اور میں ٹال نہیں سکتی۔ تو سُنو، میں نے کسی سے محبت کی تھی؟" ایک ٹھنڈک کی لہر میرے جسم میں دَوڑ گئی۔ میں خود کو کمزور محسوس کرنے لگا —" وہ ایک معمولی کلرک تھا۔ لیکن یہ دل کے معاملے ہیں۔ اس میں عہدوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

پھر بھی میں اُس سے پہلے جیسا ہی برتاؤ کرتا رہا۔ کم سے کم ایسا ظاہر تو ضرور کرتا رہا کہ میرے برتاؤ میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن میں محسوس کرتا رہا کہ وہ کچھ پریشان سی ہے، بالکل اُس انسان کی طرح جو ایک اندھیرے سے دوسرے اندھیرے کی طرف جا رہا ہو۔

میں سوچتا رہا —— وہ کون تھا؟ جو بغیر شادی کے اِسے چھوڑ کر چلا گیا۔ یقیناً وہ کچھ اچھا آدمی نہ رہا ہو گا؟ ورنہ اِتنی معصوم اور بھولی صورت کو اِتنی غمگین کر دینا تو کسی شریف آدمی کا رویہ

---

- خواہشات سے دُکھ آتا ہے، خواہشات سے خوف آتا ہے، جو خواہشات کے بندھن سے آزاد ہے، وہ دُکھ جانتا ہے، نہ خوف۔ (مہاتما بُدھ)
- جب کسی مُلک یا قوم پر تباہی آنے والی ہوتی ہے تو عقل اُلٹی ہو جاتی ہے۔ (جہانگیر)
- اپنی غلطی قبول کر لینا عقل مندوں کا کام ہے۔ (سوامی وویکانند)
- عمل ہی کرنے پر تمھارا اختیار ہے، پھل پر نہیں۔ (گیتا)

---

ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اُس دن کے بعد سے میں نے اُسے کبھی اُس واقعہ کی یاد نہ دلائی۔ میں نے بھی کوشش کی کہ یہ بات دماغ سے نکل جائے۔

شادی کے بعد مصروفیتوں کے باعث ہم کسی پُرفضا مقام پر نہ جا سکے تھے۔ اِس لیے گرمیوں کے موسم میں ایک پُرفضا پہاڑی مقام کا رُخ کیا۔ راستے میں جھرنے تھے، گھاٹیاں تھیں۔ انھیں تو میں بھول گیا۔ لیکن ایک ہی بات یاد رہی۔ جو ہماری پہلی رات کو ہوئی۔ جس ہوٹل میں ہم ٹھہرے تھے، وہ باغ کے عین وسط میں تھا۔ اور اُس کے آس پاس پہاڑ اور جھرنے تھے۔ جب ہم اپنے کمرے میں پہنچے تو میری بیوی کی نظریں اُن سُرخ گُلاب کے پھولوں پر پڑیں

جو وہاں سجائے گئے تھے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کون ہے وہ شریف آدمی، جس نے ہمیں اتنے خوبصورت پھول بھیجے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "میں ان پھولوں کو کنارے رکھ دیتا ہوں۔ کیونکہ ان کی خوشبو ہمیں سونے نہیں دے گی۔" میں نے اُس کے گالوں کو چومتے ہوئے کہا۔ "ہم اب یہاں اکیلے ہیں۔"

وہ اپنے بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے بیٹھ گئی۔ میں نے اُسے اپنی باہوں میں بھر لیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے پھولوں نے اپنی ساری خوشبو بکھیر دی ہے۔ اور ایک عجیب کشش پیدا [illegible] ہو گئی ہے۔

یکایک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے بغل کے کمرے [illegible] قدموں کی آہٹ [illegible] میں نے یہ خیال اپنے دماغ سے جھٹک دیا اور اپنی بیوی کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔ کیونکہ میں [illegible] کر وہ میری ہے اور صرف میری!

لیکن اب بھی قدموں کی آہٹیں بار بار سنائی دے رہی ہیں۔ جیسے کوئی شخص ایک خاص رفتار سے آگے پیچھے کی طرف چل رہا ہو۔

اُن آہٹوں نے مجھے شک میں ڈال دیا۔ اب ایک عجیب سا خیال میرے ذہن میں آیا کہ یہ وہی کلرک ہے، جس کی میری بیوی سے پُرانی جان پہچان ہے۔ اِس خیال سے ہی میرا دماغ نفرت سے بھر گیا اور اپنے ہونٹ میں نے سکوڑ لئے۔ اِس خیال سے کہ کوئی بُرا کلمہ میری زبان سے نہ نکل جائے۔ میری بیوی نے اِسے محسوس کیا اور وہ بولی: "ڈارلنگ! کیا بات ہے؟ تمھیں کوئی بُرا خیال یقیناً پریشان کر رہا ہے۔" بار بار کے اصرار پر میں نے اپنے دل کی بات بتا دی۔ وہ سسکنے لگی اور انھیں ہچکیوں اور سسکیوں کے دوران اُس نے کہا: "ساری کھڑکیاں اور دروازے کھول دو اور دُنیا بھر سے کہو کہ میں کتنی بُری عورت ہوں!" میں اُسے دلاسہ دینے لگا۔

اُس دن کے بعد سے وہ شخص میرے دماغ میں چپک گیا۔ میں اُس سے بات کرتا تو اُس کا ذکر ضرور لاتا۔ جب کبھی میں [illegible] بیوی کے ساتھ خوش [illegible] ہونے کی کوشش کرتا تو مجھے وہ شخص ضرور یاد آتا۔ جس نے میری ساری خوشیاں چھین لی تھیں اور میں [illegible] ہو جاتا۔ میں جاننا چاہتا کہ وہ کیسا شخص ہے، جس نے [illegible]

گھرانے کی لڑکی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں اُس کی کتابوں کو تنہائی میں ڈھونڈنے لگا کہ شاید اُس کا کوئی خط مل جائے۔ لیکن نہ مل سکا۔ تب میں نے رُومانی افسانے پڑھنے شروع کئے جن سے میں عورت اور اُس کے چاہنے والوں کے مزاج کو سمجھ سکوں۔ لیکن اُن طویل اور بے سروپا افسانوں نے مجھے اور بھی اُلجھنوں میں ڈال دیا۔

شادی کے دُوسرے برس بھی مجھے سکون نہ مل سکا۔ اُن اُلجھنوں کے باعث وہ بھی بیمار پڑ گئی۔ میں نے اُس کے علاج میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ میں ہمیشہ اُس کے بستر کے پاس بیٹھا رہتا اور کبھی کبھار اُس کا ذکر نکلنے پر میں صرف یہ کہتا ——— "ان سب بیماریوں کی بنیاد وہی آدمی ہے جس نے تمہاری زندگی برباد کی ہے۔ اِس وقت وہ یقیناً کسی دُوسری عورت کے ساتھ گل چھرے اُڑا رہا ہوگا اور میرے مقدر میں اُس نے ایک بیمار عورت چھوڑ دی ہے۔"

ایک دن شام کو جب میں چلنے پھرنے کے لئے جا رہا تھا میری بیوی ایک کاغذی دستاویز لے کر آئی۔ میں کچھ سمجھا نہیں۔ میں نے صرف اتنا ہی پُوچھا "یہ کیا ہے؟"

"ڈارلنگ! ہم دونوں ایک دُوسرے سے الگ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ تو میں نہیں کہہ سکتی، لیکن یہ بہر حال طے ہے کہ ہم ساتھ تو رہ ہی نہیں سکتے اور میں ہر وہ کام ضروری سمجھتی ہوں جس سے سکون مل سکے۔ خواہ وہ علیحدگی ہی کیوں نہ ہو۔"

یہ بات واقعی سچ ہے نصیب میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے، ہو کر ہی رہتا ہے۔ اِس طرح خارجی دُنیا میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ لیکن اُس کے چہرے پر کھیلتی ہوئی مُسکراہٹ اب تک میرے دل میں قید ہے۔ اُس کی گہری نیلی آنکھیں اور کمر سے نیچے تک پھیلے سیاہ ریشمیں بال اب بھی مجھے یاد آتے ہیں۔ کبھی کبھی میں راتوں کو اُن مریضوں کی طرح اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہوں اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہتا ہوں ——— "نرس، نرس! میرے پاس آؤ، مجھ میں سما جاؤ، مجھے اپنی بانہوں میں جکڑ لو!!"

---

جواب طلب امور کے لئے ہمیشہ اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ یا پوسٹ کارڈ بھیجئے ورنہ ہم جواب دینے سے قاصر رہیں گے ——— منیجر بیسویں صدی"

---

**نئے سرورش** بابائے اُردو ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی کی رُباعیات کا مجموعہ۔ علم و دانش۔ فلسفہ و حکمت معارفِ زندگی اور خمریات کا بے مثال مجموعہ۔ قیمت پانچ رُوپے۔

**ہست و بود** ادبی شخصیتوں پر جناب عرش ملسیانی کے [illegible] مضامین کا مجموعہ۔ قاضی نذرالاسلام، جگر مرادآبادی، چندر بھان [illegible]، [illegible] سرمد، شکیل بدایونی، امتیاز علی تاج، ہری چند اختر، شفیق جونپوری اور [illegible] شعراء و ادباء پر مضامین کی تعداد سترہ ہے۔ قیمت دس روپے محصولڈاک علاوہ۔

**[illegible] ارمغان** عرش ملسیانی کے وجد آفریں کلام کا [illegible] ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم [illegible] کی [illegible] [illegible] اور [illegible] کا برلے [illegible]

**نسیمِ بہار** "نسیم مغرب" کے خالق پروفیسر اے۔ بی۔ بہار کی ۲۵۰ دلآویز رُباعیات کا حسین و جمیل مجموعہ جس پر اُتر پردیش اُردو اکاڈمی نے مبلغ پندرہ سو رُوپے کا گرانقدر انعام عطا کیا ہے۔ یہ رُباعیاں صرف ایک [illegible] اور حسّاس شاعر کے دل کی دھڑکنوں کی صدائے بازگشت ہیں بلکہ ہمارے بوسیدہ سماج اور معاشرے کے ہر پہلو کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ بڑا سائز، ۱۴۴ صفحات، خوبصورت کتابت و طباعت سے آراستہ، نفیس کاغذ، [illegible] سرورق۔ اِس عہد آفریں ادبی شاہکار کی [illegible] محصولڈاک علاوہ۔

**[illegible] جھانکی** [illegible] اگر [illegible] انداز [illegible] عرش ملسیانی [illegible] ہے۔ کتابچہ [illegible]

[illegible] ملسیانی [illegible] قیمت [illegible]

# غزلیں

### پروفیسر مخمور حیاتی سنبھلی ایم۔ اے (علیگ) بی۔ ایڈ

مدتوں شبِ غم سے رابطہ بڑھایا ہے
فلسفہ محبت کا تب سمجھ میں آیا ہے
آگہی کی منزل سے بڑھ گیا جنوں آگے
جب رہِ محبت میں کوئی موڑ آیا ہے
صبحِ نو کی آمد کا راز پوچھئے ہم سے
ہم نے نور کی خاطر خونِ دل جلایا ہے
زندگی کی راہوں میں غم کی دھوپ ہے لیکن
عاشقی کی راہوں میں گیسوؤں کا سایا ہے
نام جس تعلق کا تھا کبھی گراں دل پہ
اب اسی تعلق کو زندگی بنایا ہے
مضمحل فضائیں بھی ہو گئیں جواں مخمورؔ
تو نے جب کوئی نغمہ ڈوب کر سنایا ہے

### زبیر احمد راہی قاسمی

آرزوئے عشرت نا معتبر کیا کیجئے!
شامِ غم قسمت ہے امیدِ سحر کیا کیجئے!
پھر قدم اٹھنے لگے ہیں کوئے جاناں کی طرف
پھر صدا دینے لگے ہیں بام و در کیا کیجئے
کس طرح ہو جائیے اُس فتنہ گر سے بے نیاز؟
جب بھی وہ ہر طرف آئے نظر کیا کیجئے!!
کر دیا جوشِ جنوں نے ہر طرف سے بے نیاز
اب نہ اپنی ہے نہ کچھ اُن کی خبر کیا کیجئے
آپ کی محفل سے اُٹھ کر آپ کی دنیا سے دور
زندگی مرگِ مسلسل ہے مگر کیا کیجئے
منزلِ مقصود پر راہیؔ جو پہنچاتی ہمیں
رہنما نے چھوڑ دی وہ رہ گذر کیا کیجئے

### ڈاکٹر سخاوت شمیمؔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس

امنِ ہستی کے طلبگار کہاں آ پہنچے
گھر سے چل کر یہ سر دار کہاں آ پہنچے
سانس لینا ہے تمنائے سحر میں مشکل
شامِ فرقت ترے بیمار کہاں آ پہنچے
موت کا حملۂ بیباک بھی ناکام ہوا
سہہ کے ہم زیست کا آزار کہاں آ پہنچے
شدتِ شوق سے تپتے ہوئے صحرا کی طرح
اس میں ہم جیسے وفادار کہاں آ پہنچے
عرضِ مطلب کے جواں سال ارادے لے کر
جنبشِ لب کے گنہگار کہاں آ پہنچے
یہ تو پرچھائیں ہے اٹھتے ہوئے شعلوں کی شمیمؔ
دیکھ کر سایۂ دیوار کہاں آ پہنچے

### مسز مبارکہ مریمؔ شاہجہانپوری

پا کر کسی کا پیار تجھے خوشش یہ خبر نہ تھی
اِس جیت میں بھی ہوتی ہے اِک ہار کیا کہیں
ماضی کے وہ نقوش وہ یادیں بہار کی
بن جاتے ہیں وہ پھول بھی تو خار کیا کہیں
بے ساختہ اٹھی تو نظر اُن سے مل گئی
ہم بے خطا رہے نہ گنہگار کیا کہیں
آنکھوں سے جو کہی ہے وہ پوچھے زباں سے گر
اقرار کر سکیں گے کہ انکار کیا کہیں
دیکھی سبھی طرح سے ہے مریمؔ یہ زندگی
یہ فرض ہے کہ مفت کا اِک بار کیا کہیں

### ایک تقریر

# لیڈروں کی محفل میں

**فکر تونسوی**

معزز رہنمایانِ قوم!

آپ نے مجھے اپنی محفل میں مدعو کرکے جس عظیم روایت کو توڑا ہے اس کے لئے میں ممنون بھی ہوں اور حیرت زدہ بھی ——— روایت یہ ہے کہ لیڈر بولتا ہے اور عوام سُنتے ہیں۔ لیکن آج عوام کا نمائندہ بولے گا اور لیڈر سُنیں گے۔ یعنی آج ہم دونوں غلط نشستوں پہ بیٹھے ہیں۔ روایت سے اس بغاوت کے باعث میری پوزیشن مضحکہ خیز ہوئی ہے، یا آپ کی؟ میں نہیں جانتا۔ لیکن ایک بات صاف ہے کہ آپ کے سامنے تقریر کرنا بالکل ایسے ہے، جیسے کوئی الھڑ لڑکی بڑی بوڑھیوں کو نصیحت کرنے بیٹھ جائے کہ دھوپ میں بال سفید کرنے سے کیا کیا فائدے ہیں۔

حضرات! میں یہ آخری فقرہ بڑی محنت سے تیار کرکے لایا تھا۔ تاکہ آپ بے قابو ہوکر اس پر تالی بجائیں۔ لیکن آپ تو خاموش بیٹھے ہیں۔ آپ کو اس سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ایک اچھے سامع اور نالائق سامع میں کتنا فرق ہوتا ہے اور تاریخ میں جتنے لیڈر ذلیل و خوار ہوئے ہیں صرف نالائق سامع کی وجہ سے ہوئے ہیں۔

لیڈر صاحبان! اس محفل میں ایک معزز میزبان کو میں جانتا ہوں۔ انھیں کبھی لیڈری کے عروج میں پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ لیکن ایک ٹکنیکل وجہ سے انھیں پھانسی نہ مل سکی تھی۔ وہ آج کل مکھن اور کریم کی ایک بہت بڑی فیکٹری چلاتے ہیں۔ انھوں نے آج مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں لیڈر اور سیاست کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ لیکن حضرات! یہ مشورہ ناقابلِ عمل ہے۔ کیونکہ نہ تو میں بہادر ہوں کہ سچ بول سکوں اور نہ سیاست داں ہوں کہ جھوٹ بول سکوں اور ایک کامیاب تقریر کے لئے یہ دونوں اوصاف لازمی ہیں۔

اس لئے اس پیچیدہ صورتِ حال سے بچنے کے لئے میں آپ کو اپنے پڑوسی نتھا سنگھ کی بات سُناتا ہوں۔ نتھا سنگھ ایک بڑھئی ہے۔ وہ نہایت نفیس اور خوبصورت کُرسیاں بناتا ہے، لکڑی بھی خلافِ معمول "جینوئن" استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ یہ اُس کے خاندان کے خمیر میں ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ شیر کے متعلق اُس کی معلومات کافی ناقص ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے سیاست کے متعلق میری معلومات ناقص ہیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو آدمی جینوئن کُرسی بنالیتا ہو وہ شیر کے شکار کو بھی جایا کرے۔ ایک بار کچھ لیڈروں نے میرے جینوئن خیالات کی بِنا پر مجھے سیاست میں گھسیٹنے کی سازش کی تھی۔ بلکہ ایک سیاسی پارٹی کا لیڈر بن جانے کی پیش کش بھی کی تھی۔ لیکن کچھ دیر بعد مجھے دیانت داری سے محسوس ہُوا کہ جینوئن خیالات سب سے بڑی حماقت ہیں۔ یہ کتنا صحیح مگر کتنا کرب انگیز خیال ہے کہ آپ ایک جینوئن کُرسی بناسکتے ہیں لیکن بنانا نہیں چاہتے یا بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن بنا نہیں سکتے۔

رہنمایانِ ملّت! میرے شہر میں اَن گنت نتھا سنگھ رہتے ہیں۔ جنھیں اپنی اس کم نصیبی پر ناز ہے کہ وہ شیر کا شکار کرنا نہیں جانتے۔ صرف کبھی کبھار بال بچوں کو چڑیا گھر لے جاتے ہیں اور دُور سے شیر کو دیکھ آتے ہیں۔ بالکل اُسی طرح جیسے کبھی کبھار وہ آپ کی تقریر سُننے کے لئے آجاتے ہیں۔ جنابِ والا! جب تک دُنیا میں نتھا سنگھ بڑھئی موجود ہے، شیر اور لیڈر کی عظمت کا خوف بھی موجود ہے۔ جب تک نتھا سنگھ کی کم نصیبی زندہ ہے اور جینوئن کُرسی بنانے کی حماقت زندہ ہے۔ اُس وقت تک سیاست شیر کی طرح چڑیا گھر کے پنجرے میں بند رہے گی۔ وہ آپ کو دیکھنے کے لئے آتے رہیں گے اور آپ کی لیڈری محفوظ رہے گی۔ (تالیاں بجانے کا ایک اور نادر موقع)

صاحبان! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے ماتھے پر کچھ بَل آگئے ہیں۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لیڈر جینوئن بھی ہوتا ہے۔ آپ تعجب

کریں گے کہ میں بھی اسے تسلیم کرتا ہوں۔ کیونکہ حضرات! "جینوئن" ـــــ ایک لچکی چیز ہے۔ پگھل جانے والی اور مختلف سانچوں میں ڈھل جانے والی ایک مائع حقیقت ـــــ! مثلاً ہٹلر اور سٹالن دونوں اپنے اپنے نقطۂ نگاہ سے جینوئن تھے۔ لیکن دونوں میں بُعد المشرقین بھی تھا۔ بظاہر یہ بات بڑی احمقانہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ حماقت کے بغیر "جینوئن نس" نامکمل ہے۔ یہ سچ مچ ایک لچکیلی چیز ہے جو بُعد المشرقین اور قربُ الطرفین دونوں سانچوں میں ایک ایسی آسانی سے ڈھل جاتی ہے۔

لیکن قوم کے ناخداؤ! نتھا سنگھ بڑھئی کے لئے یہ بات بڑی پریشان کُن ہے کہ وہ کسے جینوئن مانے۔ کیونکہ وہ سیدھا سادہ آدمی ہے۔ اُسے جب بتایا جاتا ہے کہ ہٹلر شکست کھا گیا اس لئے اب جینوئن نہیں رہا۔ بلکہ اب تو سٹالن بھی فاتح ہونے کے باوجود جینوئن نہیں رہا، تو وہ اُداس ہو جاتا ہے اور غم میں کئی کئی دن تک اپنی بیوی کو پیار تک نہیں کر سکتا۔ جنابِ عالی! کہیں ایسا تو نہیں کہ دُنیا میں طلاق کے جتنے واقعات ہوئے ہیں وہ کسی نہ کسی ہٹلر اور سٹالن کی وجہ سے ہوئے ہیں اور دُنیا میں جو بڑی بڑی قومیں اور تہذیبیں فنا ہو گئیں، وہ آپ کے جینوئن ہونے کی وجہ سے فنا ہوئیں؟ خُدا کے لئے حضرات! نتھا سنگھ کی پریشانی دُور کیجئے اور اس کے لئے "جینوئن نس" کو پرکھنے کا کوئی پیمانہ دریافت کر ڈالیے۔

کبھی کبھی مجھے شک ہوتا ہے کہ آپ خود کبھی نہیں جانتے کہ آپ جینوئن نہیں ہیں۔ یعنی اِس طرح آپ کا اور بڑھئی کا علم ایک سطح پر آجاتا ہے۔ کیا آپ میں ایسے لیڈر موجود نہیں ہیں جو جینوئن کُرسیاں بناتے بناتے لیڈر بن گئے اور کئی اپنی جینوئن نس کا شکار ہو کر چڑیا گھر کے پنجرے میں قید کر ڈالے گئے؟ یہ صحیح ہے کہ اس بے بس شیر کو دیکھنے کے لئے کتنے لوگ آئیں گے۔ لیکن حضرات! کیا یہ جینوئن نس ہے کہ چڑیا گھر کے مُنتظم، پنجرے میں بند شیر کو دکھانے کے لئے دس دس پیسے ٹکٹ لگا دیں اور اِس واقعہ کو تواریخ کی کتابوں میں شامل کر کے سکولوں میں پڑھایا جائے۔

مُلک و ملّت وغیرہ کے پروانو!

کہتے ہیں، لیڈر پیدائشی ہوتا ہے۔ ایک بار کا ذکر ہے میں نے ایک ڈپٹی کلکٹر کو دیکھا جو سادھو بن گیا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ شاید ڈپٹی کلکٹر دراصل پیدائشی سادھو ہے۔ اِس لئے اُس کی مزید تصدیق کے لئے میں نے کئی پیدائشی چیزیں دیکھیں، کئی پیدائشی ڈرائیور دیکھے۔ پیدائشی پہلوان، پیدائشی مہاجن ـــــ اِس لئے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دُنیا کی ہر چیز پیدائشی ہوتی ہے۔ اِس لئے لیڈر بھی لازماً پیدائشی ہوتا ہوگا۔ یعنی اُس کا پیدائشی ہونا کوئی ساجی حادثہ نہیں ہے۔ چند دن ہوئے میں نے اخبار میں ایک مضمون پڑھا جو ایک لیڈر کے متعلق تھا کہ وہ بچپن میں اپنی چھوٹی بہن کو خوب پیٹا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مضمون میں زور پیدا کرنے کے لئے اُس کی چھوٹی بہن کا ذاتی بیان بھی درج کیا گیا تھا۔ افسوس! کہ وہ مضمون پڑھ کر میں متاثر نہ ہو سکا۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ ننانوے فی صدی لڑکے چاہے بڑے ہو کر کلرک کیوں نہ بن جائیں، وہ بھی اپنی چھوٹی بہنوں کو ضرور پیٹا کرتے ہیں۔

اِس کے باوجود حضرات! آپ یقین کیجئے کہ آپ پیدائشی لیڈر ہیں اور اگر اب آپ میں سے کوئی بسکٹ کمپنی کا بیکر بننا چاہے تو

نہیں بن سکتا۔ کیونکہ قدرت نے بکریوں کے لئے کچھ اور انسان ارسال کر رکھے ہیں۔ اس لئے اگر آپ بکرے بننے کی بجائے لیڈر بن گئے ہیں تو صرف اِس لئے کہ بکری کی صنعت کو بربادی سے بچانا مقصود تھا۔

جنابِ والا! آپ فطرت کی اُوٹ پٹانگ طاقتوں کا شکار ہیں۔ میں ایک لیڈر بے ہنگم چند جی کو جانتا ہوں جو ہندوستانی قوم کا لیڈر ہے۔ اگر وہ فلسطینی قوم کا لیڈر ہوتا تو ذرا سوچیئے، ہندوستانی قوم کیا کرتی۔ وہ فلسطینی قوم کے لیڈر کو اپنا مایۂ ناز سپوت کیسے مانتی، جو ہندوستان کی بجائے فلسطین میں پیدا ہُوا — دراصل حضرات! آپ سب بے ہنگم چند ہیں اور معاف کیجیئے، آپ کی مٹی یوں پلید ہے کہ آپ کبھی ہندوستان کے لیڈر بنا دیئے جاتے ہیں، کبھی سپین کے، کبھی اٹلی کے اور کبھی فرانس کے۔ ہر جگہ آپ کا صرف نام بدل جاتا ہے، کام وہی رہتا ہے۔ یعنی اپنی قوم کو اُٹھانا اور دوسری قوم کو گرانا — میرا عقیدہ ہے کہ اِس دُنیا پر صرف درجن دو درجن بے ہنگم چند مسلّط ہیں جو ایک دوسرے کو گرانے میں مصروف رہتے ہیں۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ فرانس کا بے ہنگم چند، جرمنی کے بے ہنگم چند کے ساتھ ایک میز پر ڈنر کھاتے دیکھا گیا۔ ڈنر کے بعد دونوں نے مِل کر فوٹو کھنچوایا۔ مِل کر ایک ناچ دیکھا، مِل کر تقریریں کیں۔ دونوں مُلکوں کے قومی ترانے بجائے گئے۔ دونوں قوموں نے باچھیں کھولیں، ہپ ہپ ہُرّے کہا اور پھر باچھوں اور ہپ ہپ ہُرّوں کی ایک فلم تیار کی گئی جو کئی مہینے چلتی رہی۔

لیکن چند سال بعد دُنیا نے دیکھا کہ دونوں بے ہنگم لیڈروں نے ایک دوسرے کو چیلنج دے دیا اور پھر حملہ کر دیا۔ دونوں قومیں ایک دوسرے کے لہُو کو ٹیسٹ کرنے لگیں۔ حملے کا سبب یہ بتایا گیا کہ جرمنی کے بے ہنگم چند کی بیوی کے ساتھ فرانس کے ایک دُکاندار نے جرّابیں بیچنے سے اِنکار کر دیا تھا۔ جس پر جرمن قوم کی سوئی ہوئی خودی بیدار ہو گئی اور وہ غیرتِ قومی کی خاطر، اُس غیرتِ قومی کی خاطر جو جرّابوں کی وجہ سے نشو و نما پا کر جوان ہو رہی تھی، فرانس پر حملہ آور ہو گئی۔ اگر جرمنی کا بے ہنگم چند حملہ نہ کرتا تو اُس کی قوم بے ہنگم چند کی اپنی جرّابیں تار تار کر دیتی اور اُسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتی۔

لیڈر دوستو! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ میں سے ہر ایک کا انجام پتھر سے ہلاک ہونا ہے یا خودکُشی ہے! جو قوم آپ کی لاش کو تزک و احتشام سے اُٹھاتی ہے۔ وہی قوم آپ کی باقیات کو اُٹھا کر سمندر میں بھی پھینک دیا کرتی ہے — آپ میں سے کتنے حضرات ہیں جو سمندر میں پھینکے جانے کے لئے تیار ہیں؟ یہ میں صرف اِس لئے پُوچھ رہا ہوں تاکہ میں آپ کی انفرادی آزادی کی تعداد معلوم کر سکوں۔

انفرادی آزادی —؟ آہ حضرات! وہ آزادی جو آپ دوسروں کو دلانا چاہتے ہیں خود اُس سے محروم ہیں۔ مثلاً آپ دہلی کے چاندنی چوک میں کھڑے ہو کر گول گپّے نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ عوام آپ کو گول گپّے کھاتے دیکھ کر مُنہ میں اُنگلیاں دبا لیں گے۔ آپ کے اِردگرد اکٹھے ہو جائیں گے اور کہیں گے —

"بے ہنگم چند جی، زندہ باد!"

"انقلاب زندہ باد!"

"بھارت ماتا کی جے!"

اور پھر فوٹو گرافر کِلک کِلک کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے اور آپ کا فوٹو کھینچ لیں گے، گول گپّے کا بھی فوٹو کھینچ لیں گے اور ہو سکتا ہے وہ آپ سے تقریر کا بھی مطالبہ کریں اور آپ گول گپّوں کی نیشنل انڈسٹری پر لیکچر دے ڈالیں۔

پیارے لیڈر صاحبان! آپ آزادی سے ایک گول گپّا بھی نہیں کھا سکتے۔ حالانکہ گول گپّا کھانا ایک عام سا معمولی فعل ہے۔ بالکل ایسا فعل جیسے درزی سے کوٹ سِلوانا۔ پبلک پارک میں بیٹھ کر مونگ پھلی کھانا، پنواڑی سے پان خریدنا۔ لیکن آہ! آپ اِن میں سے ایک کام پر بھی اپنی انفرادی آزادی کا استعمال نہیں کر سکتے۔

مجھے ہمیشہ یہ تشویش رہی ہے کہ ہمارے لیڈروں نے اپنی انفرادی آزادی سے محروم ہو جانا کیوں پسند کیا۔ ہو سکتا ہے یہ بات آپ کے لئے تسکین دِہ ہو کہ انفرادی آزادی کی قُربانی رائیگاں نہیں جاتی۔ (جیسا کہ ہر قُربانی کی خصلت ہے) اور اُس قُربانی کے عوض قوم آپ کو بہت کچھ دیتی ہے۔ مثلاً آپ کو زُکام ہو جائے تو آپ کی صحت کے بلیٹن شائع کرتی ہے۔ آپ کی موٹر کے راستے میں جھنڈیاں لگا دیتی ہے۔ تقریر کے وقت آپ کی میز پر پانی کا گلاس رکھ دیتی ہے۔ آپ کے قدِ آدم فوٹو اپنے گھروں میں لٹکاتی ہے۔

جس سے آرٹسٹوں اور فریم میکروں کا بزنس ترقی کرتا ہے۔

کبھی آپ نے سوچا کہ قوم یہ سب کچھ کیوں کرتی ہے؟ کیونکہ اِس سے اُن کا لیڈر اپنے اصول پر ڈٹا رہتا ہے۔ لیڈر صاحبان! کسی دن آپ ذرا اپنے اصول سے گِر کر دیکھئے۔ مثلاً پتھر کو کسی کے سر پر مارنے کی بجائے اُسے چُوم لیجئے تو قوم آپ پر پتھراؤ کر دے گی۔ مہربان! عوام سے زیادہ غیرت مند اور بے وفا چیز دُنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ آپ اپنے اصول پر ڈٹے رہیں تو اُس کے عوض پُوری قوم کی قوم کو بحرِ ہند میں غرقاب کر سکتے ہیں! قوم ہنسی خوشی غرقاب ہو جائے گی۔ لیکن اگر آپ نے پتھر کو سونا کہہ دیا تو آپ کو گولی مار دے گی۔ جنابِ عالی! قوم صرف آپ کی جھُوٹی اور مصنوعی ہی زندگی کو پسند کرتی ہے۔

مجھے ایک ایسے لیڈر کے بارے میں معلوم ہے جس نے مرنے سے چند برس پہلے مصنوعی زندگی ترک کر دی تھی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس کی ارتھی کے ساتھ صرف تین افراد تھے۔ ایک اُس کی بیوہ اور دو ارتھی اُٹھانے والے کرائے کے مزدور ـــ اور چوتھا ذی رُوح صرف اُس کا گھریلو کُتّا تھا جو صرف اپنی حیرت دُور کرنے کے لئے ساتھ ہو لیا تھا۔ اِس لئے لیڈر حضرات! آپ اِس "ٹریجڈی" سے فائدہ اُٹھایئے اور آخری سانس تک اپنے اصول سے نہ ہٹئے۔ تاکہ کم از کم ارتھی تو جاہ و جلال کے ساتھ اُٹھے۔ آپ کی مَوت اور جاہ و جلال کی موت ایک ساتھ نہ ہونی چاہئے۔ ورنہ جناب! ارتھی اُٹھانے کے لئے کرائے کے مزدور تو ہر ایک کو مِل جاتے ہیں۔

اور رہنمایانِ قوم! آخر میں ایک بات کہہ کر میں اپنی تقریر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی شناخت کے لئے کوئی نہ کوئی سمبل، کوئی نہ کوئی علامت ضرور دریافت کر لیجئے۔ سمبل کوئی سا بھی ہو۔ لیکن آپ کے ساتھ وابستہ ہو کر وہ قومی حیثیت اختیار کر جائے گا۔ مثلاً کیوں نہ آپ ہمیشہ اپنے ہاتھ میں ایک طوطا رکھا کریں کہ جب بھی طوطے کا ذِکر آئے، لوگ عقیدت سے اپنا سر جھُکا دیں۔ طوطے کی بجائے آپ حُقّہ بھی رکھ سکتے ہیں، بانس کا ڈنڈا بھی رکھ سکتے ہیں۔ کئی لیڈر گھُٹے ہوئے سر ہی کو اپنا سمبل بنا لیتے ہیں۔ ایک اور لیڈر نے ٹخنوں تک کوٹ پہننا شروع کر دیا تھا تو ٹیلر ماسٹر کو لمبے کوٹوں کے لاکھوں آرڈر ملنے لگے تھے۔ ایک لیڈر نے سیاہ قمیص کو اپنا سمبل بنا لیا تھا۔ جسے وہ مرتے دَم تک نہ اُتار سکا کیونکہ قوم اُسے کسی اور رنگ کی قمیص پہننے ہی نہ دیتی تھی۔

بہرکیف صاحبان! سمبل آپ کے بہتر مُستقبل کی بُنیاد بن سکتا ہے۔ اُسے کبھی مت بھُولئے اپنے اصول کی طرح کیونکہ لیڈر کا اصول بھی تو ایک طرح کا سمبل ہوتا ہے۔ فقط سمبل، فقط طوطا، گھُٹا ہُوا سر، بانس کا ڈنڈا، لمبا کوٹ، سیاہ قمیص ـــــ یہ سب چیزیں اگرچہ مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ قوموں کے نصیب میں صرف لیڈر ہی نہیں لکھے ہیں، مضحکہ خیزیاں بھی لکھی ہیں!!

---

# غزلیں

## وفا سلونوی

کلی چمن میں کوئی جب بھی مسکرائی ہے
مجھے کسی کے تبسم کی یاد آئی ہے

تڑپ تڑپ کے ہوا جاں بلب اسیرِ قفس
صبا نے کہہ دیا شاید بہار آئی ہے

نگاہِ شوق ذرا دیکھ اپنا ردِ عمل
پھر اُس نے بارِ حیا سے نظر جھکائی ہے

ہمارے اشکوں کی تحریر پڑھ کے اُس نے کہا
یہ داستاں بھی ہماری سُنی سُنائی ہے

وفا کو صبحِ قیامت بھی کیا جگائے گی
کسی کی بزمِ تصور میں نیند آئی ہے

## راز لائل پوری

بے خودی میں بھی درِ پیرِ مُغاں تک پہونچے
ہم کو جانا تھا جہاں، ہم تو وہاں تک پہونچے

ہاتھ بڑھتا ہے ابھی اپنے گریباں کی طرف
دیکھنا یہ ہے جنوں میرا کہاں تک پہونچے

ہم نے ہر شب لبِ ساغر سے تراشے نغمے
اپنے جذبات نہ فریاد و فغاں تک پہونچے

نامہ بر اُن کے ستم کا بھی ہو اِس میں مذکور
تذکرہ میرا اگر بزمِ بُتاں تک پہونچے

راز آئینِ محبت کا تقاضا ہے یہی
مُدعا دِل کا فقط حُسنِ بیاں تک پہونچے

## عابد مناوری

وہ آسمان پہ ہے نہ اِن بحر و بر میں ہے
پھر بھی اِک آرزو لئے کوئی سفر میں ہے

لاسمتیت کے دشت میں کُہرا ہے دُور تک
جادہ ہے، راہبر ہے نہ منزل نظر میں ہے

برسوں ہوئے اِدھر سے وہ گزرے تھے ایک بار
ہلچل سی ایک آج بھی دل کے نگر میں ہے

جس کے بیان کے لئے اِک عمر چاہیئے
وہ داستان اُس نگہِ مختصر میں ہے

عابد رہِ خلوص پہ پھر بھی رواں ہوں میں
ہر اِک قدم پہ گو خطر اِس رہگزر میں ہے

## نصر قریشی۔ ایم۔ اے، ایل۔ ٹی

اُن کی محفل میں نغمے خوشی کے رہیں، آنسوؤں سے مرا جی بہل جائے گا
ذکرِ غم میرا کرنا نہ چارہ گرو، رنگِ محفل یکایک بدل جائے گا

ہم نے ہر گام پر جس کو سجدے کئے، جانے کتنے فسانوں کے عنواں بنے
کیا خبر تھی کہ وہ پیکرِ ناز بھی، ایک پتھر کے بُت میں بدل جائے گا

ہر نفس میں رچی ہے مدھر باس سی، دل کو ہر لحظہ رہتی ہے اِک آس سی
خواب کہتے ہیں زُلفوں کی خوشبو لئے، دردِ عشرت کے سانچے میں ڈھل جائے گا

پربتوں سے پرے، گھاٹیوں سے قریں، آبشاروں میں گاتی ہوئی زندگی
نصر دل کے اندھیرے چھپائے رہو، ورنہ ماحول سارا بدل جائے گا

# نامور مصنفین کی مشہور کتابیں

| | | |
|---|---|---|
| آئینے اکیلے ہیں | کرشن چندر | ٦/٠٠ |
| مشینوں کا شہر | 〃 | ٥/٠٠ |
| بے جڑ کے پودے | سہیل عظیم آبادی | ٤/٠٠ |
| غم فردا | ڈاکٹر نریش | ٢/٥٠ |
| شہروز تیرے نعیب | چندر شیکھر آزاد | ٣/٠٠ |
| فریدکوٹ تحریک | [illegible] | ٥/٠٠ |
| دعیدا | رئیس الرشاد | ٣/٠٠ |
| نم کشیدہ کاری | اوپی کام | ٥/٠٠ |
| پتھر اور آئینے | ناز بریلوی | ٨/٠٠ |
| متاع زندگی | صدرالدین احمد صدر | ٣/٥٠ |
| سنگدل ملکہ | صادق حسین سردھنوی | ٧/٠٠ |
| کھی کھی | شوکت تھانوی | ٤/٠٠ |
| داستان مجاہد | صادق حسین سردھنوی | ٢/٥٠ |
| داراشکوہ | قاضی عبدالستار | ٤/٥٠ |
| سچل الازلی | مائل ملیح آبادی | ٥/٠٠ |
| کملوٹے | مسعود مفتی | ٣/٠٠ |
| طوفان حوادث | پروین سرور | ٣/٠٠ |
| بیگانہ | البرٹ کامو | ٤/٠٠ |
| ایک محبت کی کہانی | غازی صلاح الدین | ٣/٥٠ |
| شیر کیا سوچتا ہوگا | شکاری افسانے | ٣/٠٠ |
| رسوم دہلی | سید احمد دہلوی | ٣/٠٠ |
| جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں | عزیز احمد | ٢/٥٠ |
| جزیرۂ سخنوراں | غلام عباس | ٢/٠٠ |
| بہو کی تلاش | مزاحیہ ڈرامے | ٣/٠٠ |
| ٹیڑھی لکیر | عصمت چغتائی | ٨/٧٥ |
| غم غلط | شوکت تھانوی | ٢/٠٠ |

| | | |
|---|---|---|
| آئینہ اور پرچھائیں | بمل کرشن اشک | ١٠/٠٠ |
| سیہ بر سفید | مخمور سعیدی | ٤/٥٠ |
| تبریک عید | بشیر احمد محمود آبادی | ٢/٥٠ |
| ویران بہاریں | ستیش بترہ | ٣/٠٠ |
| تیشۂ نظر | ابواللطیف سحر | ٨/٠٠ |
| بے نام گلیاں | کلام حیدری | ٢/٨٥ |
| سیاہ تاج محل | موہن یاور | ٣/٠٠ |
| درخشاں | حفیظ بنارسی | ٥/٠٠ |
| صریر خامہ | مظفر حنفی | ٦/٠٠ |
| شکار بیتی | ریحان احمد عباسی | ٣/٥٠ |
| صحرا کی پیاس | شباب للت | ٦/٠٠ |
| بیاض | بدیع الزمان خاور | ٤/٠٠ |
| شہر تمنا | سید حرمت الاکرام | ٨/٠٠ |
| غالب کی کہانی | محمد شفیع الدین نیر | ٢/٥٠ |
| غالب اور آہنگ غالب | ڈاکٹر یوسف حسین خاں | ١٦/٠٠ |
| سرل غالب | ہندی انتخاب | ٢/٥٠ |
| سحر غزل | ساحر ہوشیارپوری | ٢/٠٠ |
| راہ گزر | دل ایوبی | ١/٥٠ |
| جینے کے لئے | ستیہ پال آنند | ٢/٠٠ |
| تکون کا کرب | آزاد گلاٹی | ٥/٠٠ |
| آواز کا جسم | مخمور سعیدی | ١٠/٠٠ |
| ورلاس یاترا | کمار پاشی | ١٠/٠٠ |
| ١٩٧١ کی منتخب شاعری | 〃 پریم گوپال | ٤/٠٠ |
| سفینۂ زرگل | نضا ابن فیضی | ١٢/٠٠ |
| انتظار کی رات | کمار پاشی | ٦/٠٠ |
| نوائے دل | ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشا | ١/٥٠ |

ادب ــــ سیاست ــــ طنز

فکر تونسوی ــــ ان تینوں چیزوں سے مکمل ہوتا ہے۔

**چوپٹ راجہ** ہندوستان کے موجودہ جمہوری نظام پر ایک زبردست قہقہہ ہے اور یہ قہقہہ ــــ عوام کے پچکے ہوئے پیٹ اور کچلے ہوئے ذہن سے نکلا ہے۔ یہ طنزیہ کتاب وہ معززین نہ پڑھیں جن کے پیٹ پچکے ہوئے اور ذہن کچلے ہوئے نہ ہوں۔ قیمت چھ روپے۔

**آئینۂ اصلاح** ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی کی اصلاح شاگردوں کے کلام پر معہ توجیہہ اس کتاب میں درج ہیں۔ یہ کتاب مبتدی اور فن نہ جاننے والے شعراء کے لئے رہنما کا کام دے گی۔ قیمت پانچ روپے۔

**سفینۂ زرگل** نضا ابن فیضی کا تازہ مجموعہ کلام، جو عصری ادب میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور ان کی غزل میں خلوص فن اور عصر حاضر کی آگہی کا انفرادی تجربہ ہے۔ کتابت، طباعت اعلیٰ۔ قیمت پندرہ روپے۔

**گرمیٔ اندیشہ** جناب منیر احمد صوفی کا دوسرا مجموعہ کلام ان کی شاعری احساس کی شاعری ہے۔ احساس جو لطیف بھی ہے اور شدید بھی۔ صوفی صاحب نے اپنے ذہنی سفر میں جو کچھ محسوس کیا، شعر کے خوبصورت سانچوں میں ڈھال دیا۔ صوفی صاحب کی شاعری یقیناً فکر و خیال اور اسلوب بیان دونوں اعتبار سے تازہ دم ہے۔ یوپی سرکار سے انعام یافتہ۔ کتابت، طباعت اعلیٰ۔ خوبصورت جلد۔ قیمت پانچ روپے۔

ملنے کا پتہ:- رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ٦

# آنسوؤں کی سوغات

اختر سعید۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ

برکت پورہ۔ نظام آباد (آندھرا پردیش) (۵۰۳۰۰۱)

میرے محسن چچا جان! آداب

"بیسویں صدی" میرا اتالیقِ ادب ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں "بیسویں صدی" کے طفیل سارے ملک میں پھیلے ہوئے قارئین سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ جنت نشان کشمیر جسے دیکھنے کی آرزو میرے دل کے نہاں خانہ میں دھڑک رہی ہے۔ ریحان کے مفید مشورے اور سکندر نیوز ایجنسی، سرینگر کے قیمتی عید کارڈ نے وہاں کے سمن زاروں کی کچھ ایسی نکہت مجھ تک پہنچائی ہے کہ یہ آرزو اب شباب پر ہے!۔۔۔۔

آپ کا بھی تشنۂ دید ——— اختر سعید

"گورے گورے نازک سے پاؤں میں سرخ ورد پیری چپل، سرخ مہندی کے رنگ سے کاڑھی ہوئی گل بوٹوں کی بیل، جو چپل اور اُس کے جسم کا خطِ فاصل تھا۔ چاندی کی باریک باریک گھنگھروؤں والی خوشنما چبن۔ جو اُس کی گلابی رنگ کی ساڑی کی سرسراہٹ پر جیسے بجلیوں کی طرح کوند رہی تھی۔ ساڑی پر کہکشاں کی طرح چمکتی ہوئی چمکیوں کا باڈر۔ دامن میں بکھرے ہوئے خوشنما پھول ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے گلِ نسرین کا تختہ بچھا ہوا ہو! مہتابی چہرہ، آنکھیں جیسے بادۂ ناب سے لبریز پیمانے، بار حیا سے بوجھل گنہری پلکیں، تبسم فشاں ہونٹ، شاداب گلاب جیسے رخسار، کمان جیسے ابرو، زلفیں جیسے کالے بادل۔

کاغذ کے ٹکڑے پر یہ شبیہہ اُبھر کر میری نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگی۔

"ہائے رام! آپ نے تو کمال کر دیا!" آشا کے یاقوتی ہونٹ تھرکنے لگے۔ وہ مچل اُٹھی۔ جیسے کسی نے اُس کی گداز باہوں میں چٹکی بھر دی ہو۔

"شکریہ! میت بہت شکریہ! آپ نے میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ ویسے تو یہ آپ ہی کی قربت کا کریڈٹ ہے۔" میں نے اُس کی جھیل جیسی آنکھوں میں جھانک کر شوخی سے جواب دیا۔ اُس کا چہرہ شفق گوں ہو گیا۔

کالج میں SCIENCE FAIR کی تیاریاں زور و شور پر تھیں۔ سائنس کے طلبا اپنے اپنے ITEMS کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ میں رنگا رنگ لباس میں ملبوس شوخ و شنگ طالبات میں گھرا ہوا اُن کی طرف سے تیار شدہ پیری کلیڈیو اسکوپ PERI- KALEDIOSCOPE کا معائنہ کر رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے جھک کر اُس کے ہول پہ نگاہیں ڈالیں میری نگاہوں میں کئی ماہ جبینیں رقص کرنے لگیں۔ میں سٹ پٹا گیا اور اِسے شوخ و شریر طالبات کا ایک حسین مذاق سمجھ کر مسکراتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میں حیرت و استعجاب کے عالم میں دروازہ کی طرف دیکھتا ہی رہا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا اور اپنی پلکیں جھپکاتا ہوا سامنے کھڑی جیتی جاگتی ماہ جبین کو

غور سے دیکھنے لگا۔

"اندر چلیئے" پرنسپل کھنہ کی آواز پر میں چونک گیا۔

"یہ ہیں مسٹر کمار ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ آف فزکس"

تعظیم سے جھک کر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"مسٹر کمار یہ ہیں مس آشا اِن کا تقرّر اِس کالج میں بحیثیت اسسٹنٹ لیکچرار اِن فزکس کے عمل میں آیا ہے" پرنسپل کھنہ مختصر سا تعارف کروا کے چلے گئے۔ کمرہ میں موجود سارے لڑکوں کی نگاہیں مس آشا کا تعاقب کرنے لگیں اور ساری لڑکیوں نے WISH کرنے کی خاطر اُسے گھیر لیا۔

انٹرول میں، میں نے مس آشا کو اپنے ساتھ ٹفن میں شریک

---

- غیبت نہ کرو۔ (قرآن پاک)
- خدا ہی پر بھروسہ کرو۔ بے شک خدا توکّل کرنے والوں کا دوست ہے۔ (قرآن پاک)
- جو مرد عورتوں کے کپڑے پہنتا ہے اور جو عورت مردانہ لباس اختیار کرتی ہے خدا اُس پر لعنت بھیجتا ہے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

- تُو اِس دنیا میں دارِ آخرت کی طرف چلنے والا ایک مسافر ہے۔ تیرے سفر کی ابتدا مہد اور انتہا لحد ہے۔ تیری عمر کا ہر برس منزل ہے، ہر مہینہ فرسنگ، ہر دن میل اور ہر سانس قدم ہے۔

---

ہونے کی دعوت دی۔ وہ کچھ پس و پیش کے بعد میرے ساتھ شامل ہو گئی۔ دَوران گفتگو میں نے کالج کے پُرسکون ماحول سے اُسے واقف کراتے ہوئے سائنس فیئر کا کچھ اپنا ورک لوڈ اُس کے ذمّہ کر دیا۔ اور اُس نے بخوشی اُس ذمّہ داری کو قبول کر لیا۔ اُس کی نگرانی میں اسٹوڈینٹس کی ایک جماعت بہت ہی دلچسپی سے کام کرنے لگی۔ میں کبھی کبھار اُن کے ایٹمس کا معائنہ کرتا اور اُن کے ایٹمس کو دیکھ کر حیران رہ جاتا۔ سائنس فیئر میں اُن ایٹمس کی بہت ہی تعریفیں کی گئیں اور آخرکار اُسی کی ٹیم نے فرسٹ پرائیز حاصل کر لیا۔ پرائیز کا کریڈیٹ مس شہلا کو دیتے ہوئے میں نے اُس کی تحسین و تعریف کی۔ وہ جواب میں سراپا احترام بنی کھڑی تھی۔

---

دن گزرتے رہے۔ مس آشا سے ملاقاتیں بڑھتی گئیں۔ وہ وہ کافی حد تک مجھ سے مانوس ہو چکی تھی اور میں بلا جھجک کھل کر اُس سے باتیں کرنے لگا۔ مس آشا کو ادب سے کافی دلچسپی تھی۔ وہ ملک کے مقتدر ادبی صحائف کا مطالعہ کیا کرتی تھی۔ میرے اور اُس کے درمیان "ادب" ہی اکثر موضوعِ بحث رہتا۔ اُس کی صحبت نے میرے اندر چھپے ہوئے ادبی ذوق کو اُجاگر کر دیا۔

گرمی کا ایک دن تھا!

سورج مغربی پہاڑیوں کے پیچھے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور آبادی کی عمارتوں کے سمٹے ہوئے سائے آہستہ آہستہ پھیل رہے تھے۔ کلیاں خاموش تھیں۔ پتّہ پتّہ سرنگوں تھا۔ سورج مکھی کے پھول سورج کی طرف اپنا سر جھکائے خاموش تھے۔ باغیچہ کی خاموش چہار دیواری تمام ماحول کی خاموشی اپنے اندر سموئے مرجھائے ہوئے پودوں کا محاصرہ کئے اُنہیں بھی خاموشی کی تلقین کر رہی تھی۔ سُرمئی سایہ بڑھتا جا رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے ماحول میں سُرمئی رنگ بکھر گیا۔ سورج کی تپش سے مُرجھائے ہوئے پودوں میں جیسے جان آگئی۔ وہ ہرے بھرے ہو کر لہلہانے لگے۔ سارے ماحول میں خنکی سی پھیل گئی۔ ہوا کی ہلکی ہلکی لہروں پر سارے پودے خوشی سے جھومنے لگے۔ میں اپنے مکان کے پائیں باغ میں بیٹھا میں اپنی سارے دن کی تھکن دُور کر رہا تھا۔ شاداب پھولوں کے نظارہ سے میری آنکھوں میں خنکی سی آنے لگی۔ میں نے اپنا جسم کرسی پر پھیلا دیا اور سر کو کرسی کی پُشت پر ٹکا کر جیسے ... ہو گیا۔ میری آنکھوں میں خمار سا آیا اور میری مضطرب پلکیں ایک دوسرے سے مل گئیں۔ میرے خیالات نے دُور بہت دُور مجھے کالج کے رنگین ماحول میں پہنچا دیا۔ میں کالج کے لان پر آشا کے سامنے کھڑا اُس کے صحتمند و شاداب بدن کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں کھو گیا۔ میرے دل کے خیاباں میں چٹکی ہوئی نوخیز کلی ایک دلکش گلِ خنداں بن کر لہرا اُٹھی۔ میرا دماغ معطر ہو گیا۔ میں اُٹھا اور کرسی پر سیدھا بیٹھ گیا۔

---

وقت پر لگائے اُڑتا رہا۔ چھ مہینے جیسے چھ دن بن کر گزر گئے۔ آشا میرے احساسات پر چھا گئی۔ وہ اب میری آئیڈیل بن چکی تھی۔



[redacted]

اُس کے قُرب کا ہر لمحہ میرے لئے حیات افروز بن گیا۔ "حسین پیکر" "پہلا تحفہ" "شامِ غزل" "آخری تمنا" اور "میں کون" جیسے عنوانات کے ساتھ میرا کلام مُلک کے مقتدر رسائل کی زینت بنا۔ میں ایک مشہور اور ہر دلعزیز شاعر بن گیا۔ ماہنامہ "انجلی" کے ایڈیٹر کی فرمائش پر میں اپنے بکھرے ہوئے خیالات کو یکجا کرنے کی سعی کر رہا تھا۔ ایک عنوان "سنہرا خواب" میرے تخیل میں اُبھرا میں کاغذ اور قلم سنبھال کر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی قلم کاغذ کے قریب لے گیا۔ میرا ہاتھ رُک گیا۔ میرے خیالات میں کشمکش ہونے لگی۔ کہاں سے آغاز کیا جائے، میری سمجھ میں نہ آیا۔ کچھ دیر قلم ہاتھ میں لئے چھت کو گھورتا رہا۔ لیکن خیالات میں یکسو نہ ہو سکے۔ میں نے سر کو آہستہ سے ایک جھٹکا دیا اور قلم میز پر رکھ کر جیسے ہی سگریٹ کیس کی طرف ہاتھ بڑھایا میری ماں کمرہ میں داخل ہوئیں۔

"بیٹا! کیا تم آشا کو جانتے ہو؟"

"کون آشا؟" میں بوکھلا گیا۔ جیسے رنگے ہاتھ کوئی چور پکڑا گیا ہو۔

"معلوم ہوا ہے کہ وہ اِسی شہر کے کسی کالج میں اسسٹنٹ لکچرر ہے۔"

"کیوں! کیا بات ہے؟" میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُن کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"کچھ نہیں... اُس کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی تھیں۔" ماتا جی نے میری بوکھلاہٹ پر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"معلومات"! میں بڑبڑایا۔ میرا چہرہ کھِل اُٹھا۔ "ہاں... ہاں ماتا جی وہ تو میری CO - WORKER ہے۔"

"سچ!! چلو ٹھیک ہوا۔ میں دوڑ دھوپ سے بچ گئی.... ہاں بیٹا وہ.... تو.... مطلب یہ کہ شکل و صورت اور کردار کے اعتبار سے کیا تم اُس سے مطمئن ہو؟"

"ہاں ماتا جی! وہ تو ہر لحاظ سے موزوں ہے .... اور میں کیا بتاؤں.... خیر یہ سمجھ لیجئے کہ میں اُس سے بالکل مطمئن ہوں۔"

ماتا جی کے اِس سوال پر دُور بجتی شہنائیوں کی مدھر آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی۔ ماتا جی مسکراتی ہوئی کمرہ سے چلی گئیں اور میں خیالات کے سیلاب میں بہتا گیا۔

گوداوری کے کنارے.... وہ ایک سُہانی رات تھی۔ چاندنی نے سارے ماحول پر ایک ہلکی سی چاندی کی تہہ جمادی تھی۔ دریائے گوداوری، دریائے سیماب کی مانند دُور تک ایک سفید لکیر بنائے بہی جا رہی تھی۔ آشا اپنے ہی رنگ میں ڈوبا ہوا چُست سوئمنگ ڈریس پہنے دریا کے کنارے چلی جا رہی تھی۔ اُس کا وجود سنگ مرمر کے ترشے ہوئے قلوپطرہ کے مجسمے کی طرح میری نگاہوں میں گھوم گیا۔ اشنان کے بعد ہم دونوں ساتھ ساتھ سرشٹھی دیوی کے درشن کے لئے مندر میں داخل ہوئے۔ دیوی کے سامنے ہم سراپا عجز و انکسار بن گئے۔ مندر کی ساری گھنٹیاں ایکدم بج اُٹھیں۔ آشا کے چہرہ پر مسرت کی

---

- میری خوبیاں میرے عمل کی پیداوار ہیں۔ (نپولین)
- ہمت ایک دن صاحبِ ہمت کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ (ڈاکٹر مارڈن)
- دنیا کی ساری فوجیں مل کر بھی اِتنے انسانوں اور جائداد کو تباہ نہیں کر سکتیں جتنی شراب پینے کی عادت! (ملٹن)
- لوگوں سے محبت کرو وہ تم سے محبت کریں گے۔ (مارک ٹوین)
- خود اعتمادی اور خود شناسی کامیابی کی کلید ہے۔ (ڈاکٹر نپولین ہل)

---

ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے مندر کے باہر نکل گئی۔ میں اُس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا اُس سے جا ملا۔

"تم نے کیا مانگا ہے آشا! دیوی جی سے!"

"کمار! من کی بات کسی سے کہی نہیں جاتی۔"

"اوہ! خیر.... جانتی ہو.... میں نے دیوی سے کیا مانگا ہے۔ آشا!... میں نے دیوی جی سے صرف اپنی آشا کو مانگا ہے۔"

یکبارگی آشا کے کانوں میں مندر کی ساری گھنٹیاں بج اُٹھیں۔ وہ وفورِ مسرت سے جھوم گئی۔ ساری کائنات اُس کی نگاہوں میں رقص کرنے لگی۔ وہ لڑکھڑانے لگی۔ میں نے اُسے اپنی بانہوں کا سہارا دیا۔ میرے کانوں میں شہنائیاں گونجنے لگیں۔ آشا

پھولوں میں لدی پھندی سُرخ لباس میں ملبوس، سر جھکائے ہوئے میرے ساتھ منڈپ کی طرف چلنے لگی۔ اچانک ہوم کی آگ بھڑک اُٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے منڈپ کے شامیانہ سے بڑے بڑے شعلے اُٹھنے لگے۔ لوگوں کی چیخوں اور کہرام سے میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں پلکیں جھپکاتا ہوا کمرہ کا سرسری جائزہ لینے لگا۔ ٹیوب کی دودھیا روشنی کمرہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ قلم میز پر سرہانے ہوئے کاغذ کو دبائے رکھا تھا۔ میں سیدھا بیٹھ گیا: در میرا ادھورا خواب پورا ہو گیا۔

لیکن اُس دن میرے خرمنِ دل پر ایک بجلی سی گر پڑی۔ جس دن کئی دلوں کی محنت سے تعمیر کیا ہوا میرا شیش محل زمین پر گر پڑا۔

ہوائی جہاز کنیڈا کو پرواز کرنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ پھولوں میں لدا پھندا میرا کزن اور وسنت نے مجھے اپنی مضبوط بانہوں میں بھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ آشا سُرخ لباس میں ملبوس آنسوؤں کی سوغات لئے میرے سامنے کھڑی تھی۔ میری آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔

وسنت اور آشا، لچکتی اور مُسکراتی ہوئی رنگ برنگی ایئر ہاسٹیسوں کے درمیان میں گزرتے ہوئے جہاز پر سوار ہو گئے۔ جہاز خلاء کے نیلگوں سمندر پر ایک تنکا کی طرح بہتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا!

---

# صحت و زندگی

## ۱۔ لیموں۔۔۔ قدرت کا گرانقدر عطیہ

لیموں انسان کے لئے قدرت کا گرانقدر عطیہ ہے۔ یہ چھوٹا سا پیلے رنگ کا پھل انسان کے جسم کی بہت سی خرابیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ جو لوگ برابر لیموں استعمال کرتے ہیں پیٹ کی بہت سی تکلیفوں سے بچے رہتے ہیں۔

بدہضمی حسن و خوبصورتی کو ضائع کرنے والی بیماری ہے۔ اس سے بچنے کے لئے اور بدہضمی کے ازالہ کے لئے کھانا کھانے سے ایک گھنٹہ پہلے بدہضمی کا ایک گلاس جس میں ایک لیموں کا رس ملایا گیا ہو معجز نما اثر رکھتا ہے۔

دل اور جگر کے جتنے مرض ہیں ان سب میں لیموں بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔ خون کو صاف کر دیتا ہے۔ چہرے کی رنگت نکھار دیتا ہے۔ اگر دل دھڑکتا ہو تو اس کے لئے بہت مفید ہے۔

اگر منہ کا ذائقہ بگڑا ہوا ہے، گلا خشک ہے تو اس کیفیت کو دور کرنے کے لئے ایک لیموں کے رس میں ایک موسمی یا نارنگی کا رس بھی شامل کر لیجئے اور ایک چمچہ کے بقدر شہد حل کر کے برف ڈال کر پی جایئے۔ یہ خوش ذائقہ مشروب منہ کا ذائقہ درست کر دے گا، یہ شربت ایک اچھا ٹانک بھی ثابت ہوگا۔ گرمی کے موسم میں ... پیجئے۔

گرمیوں کے موسم میں برف آلود سرد پانی میں لیموں کا رس نچوڑیئے اور تھوڑا پودینہ پیس کر اس میں ملا دیجئے اور ... شہد کا اضافہ کر دیجئے۔ یہ مشروب فرحت پیدا کرتا ہے۔ تھکن اور تکان دور کرنے اور گرمی کو زائل کرنے میں ہر طرح کے پرتکلف مشروب سے بہتر ثابت ہوگا۔

آدھے گلاس پانی میں ایک لیموں کا رس نچوڑ کر ناشتہ سے پہلے پی لینے سے بہت سے ... جگر بھی ... کام کرنے لگتا ہے اور صفراوی تکلیف نہیں ہوتی۔

جگر کی ساری خرابیوں کے لئے لیموں آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔

گلے میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو ایک کاغذی لیموں کا رس اور اتنا ہی شہد ملا کر چاٹنے سے آرام ملتا ہے۔

نزلہ کی تکلیف دور کرنے کے لئے لیموں کا استعمال بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔ گرم پانی میں ایک لیموں کو جوش دے کر خوب مل کر چھان لیجئے اور گرم گرم پی جایئے۔ پھر ایک کمبل اوڑھ کر بیٹھ جایئے اور اپنے پیر گرم پانی میں ڈبو دیجئے۔ خوب پسینہ آ کر طبیعت ہلکی ہو جائے گی۔ دوران خون تیز ہو جانے کی وجہ سے خون کے سفید دانوں کی سرگرمی بڑھ جائے گی۔ خاص طور پر سانس کے آلات ... اور سینہ کے ... سے وائرس یا تو ہلاک ہو جائیں گے یا ... اس مشروب میں اگر تھوڑا سا گاؤ زبان بھی شامل کر لیا جائے تو اس کا فائدہ اور بڑھ جائے گا ... مشروب سے ... بآسانی خارج ہو کر گلے اور ناک کی خشکی ... جاتی ہے۔

... اور ... کو ختم کرنے کے لئے لیموں بہترین ... ہے۔ اگر معدہ میں ترشی کی کمی کی وجہ سے ہاضمہ خراب ہو تو لیموں سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اسی خاصیت کی وجہ سے لیموں مٹاپے کو دور کرتا ہے۔ ... معدہ اور ... میں لیموں کے رس کو دودھ میں شامل کر کے نہار منہ پیا جائے تو دوسری دواؤں سے زیادہ فائدہ بخش ثابت ہوتا ہے۔

نہار منہ ایک گلاس نیم گرم پانی میں ایک لیموں نچوڑ کر پی لینا اپنا معمول بنا لیں تو اتنا فائدہ ہوگا کہ آپ کو حیرت ہوگی۔

لیموں کا رس مزاج کے اعتبار سے سرد اور خشک ہے۔ اس کا چھلکا بھی معدے کو تقویت دیتا ہے۔ رس خون کی حرارت کو کم کرتا ہے اور فسادِ خون کو دُور کرتا ہے۔ صفرا کی حدّت اور تیزی کو دُور کرتا ہے۔

لیموں قُدرت کا گرانقدر عطیہ ہے، لیکن اس کے استعمال میں اعتدال نہ برتا جائے تو نقصان رساں بھی ہوسکتا ہے۔ زیادہ مقدار میں لیموں کا رس نہ پینا چاہیئے۔ اس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوسکتا ہے۔ لیموں کا تیز محلول دانتوں کے لئے مُضر ہے۔ زیادہ ترشی پٹھّوں کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔

## ۲ ـــ بے اعتدالیوں سے بچئے

اگر آپ صحت مند رہنا چاہتے ہیں، مطمئن اور مسرور رہنا چاہتے ہیں تو ہر طرح کی بے اعتدالی سے بچئے۔ یوں تو زندگی کے ہر شعبے میں بے اعتدالی نقصان دِہ ہوتی ہے، لیکن غذا میں بے اعتدالی بے حد مضرّت رساں ثابت ہوتی ہے۔

مٹھاس یا شیرینی سبھی کو مرغوب ہوتی ہے۔ خاص کر بچّے اور جوان مٹھائی بہت پسند کرتے ہیں اور اکثر اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھتے، حد سے زیادہ کھا جاتے ہیں۔ جس کے بہت تلخ نتائج اُن کے سامنے آتے ہیں۔ تجربہ بہت سخت مُعلّم ثابت ہوتا ہے۔ اکثر بہت کچھ کھو دینے کے بعد ہوش آتا ہے اور بہت بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے جو نقصان پہنچ چکا ہے، وہ ناقابلِ تلافی ہے۔ اِس لئے اگر آپ آئندہ عُمر میں بے اعتدالیوں کے ناقابلِ تلافی نقصان اور تلخ نتائج سے بچنا چاہتے ہیں تو اعتدال کی اہمیت سے غفلت نہ برتیئے۔ شکر یا مٹھاس کثرت سے استعمال کرنا بے حد مضرّت رساں ہے۔ بالآخر اُس کا خمیازہ بُھگتنا لازمی ہے۔ شکر یا سفید چینی زیادہ استعمال کرنے سے پھوڑا پھُنسی، ذیابیطس اور پیشاب میں شکر خارج ہونے کے امراض لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔

برطانوی ماہرِ غذائیات ڈاکٹر پروفیسر جان یدکن نے تحقیق کے بعد لکھا ہے ـــ "چینی کا استعمال عوارضِ قلب کا بڑا سبب ہے۔"

آپ نے ایسے بچّے دیکھے ہوں گے جن کا چہرہ زرد اور عضلات ڈھیلے اور پِلپلے ہوتے ہیں۔ اُن کی جِلد اور چہرے پر جگہ جگہ پھُنسیاں ہوتی ہیں، مزاج چِڑچِڑا ہوتا ہے۔ یہ زرد رو بچّے کبھی تندرست نہیں رہتے۔ یہ وہ بچّے ہوتے ہیں جن کی غذا میں اعتدال نہیں برتا جاتا، جن کی غذا زیادہ تر مٹھائیوں اور میٹھے کیکوں وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اِس طرح کی غذا کی زیادتی سے قبض، پھوڑے پھُنسیاں، کثرتِ صفرا کے عوارض، دردِ سر اور اضمحلال و کرب وغیرہ کی شکایات پیدا ہوجاتی ہیں۔ اگر ایسی غذاؤں کے ساتھ زیادہ مقدار میں روغنیات اور نشاستے دار غذاؤں کا اضافہ کر دیا جائے تو ضعفِ معدہ کی شکایت لاحق ہوجاتی ہے، اِسی طرح الکحل کے استعمال کی زیادتی سے جِگر کی تکلیفیں رُونما ہونے لگتی ہیں جو بتدریج بہت سنگین صُورت اختیار کرلیتی ہے۔

اگر آپ کھانے پینے کی چیزوں کے استعمال میں بے اعتدالیوں





[redacted]

سے بچیں۔ اعتدال اور احتیاط کا خیال رکھا کریں تو بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

بعض اطبا کی رائے ہیں کھانے میں بے اعتدالی اور شکم سیری سے عقل جاتی رہتی ہیں اور متعدد بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

افلاطون نے کہا ہے جسم کا آرام کم خوری میں ہے اور زبان کا آرام کم گوئی میں، رُوح کا آرام کم خوابی میں ہے اور دل کا آرام انتقام کم لینے میں ہے۔

## ۳ ـــــ اگر آپ صحتمند رہنا چاہتے ہیں

اگر آپ صحت مند رہنا چاہتے ہیں تو آپ کو بُرے خیالات اور بُرے کاموں سے اُسی طرح بچنا چاہیئے جس طرح آپ ناقص غذا، گندی ہوا، مضر صحت چیزوں اور باتوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اچھی صحت کے معنی معقول تغذیہ، مناسب محنت و ریاضت اور تازگی بخش نیند سے کچھ زیادہ ہیں۔ جب تک انسان گناہ کے گناہ ہونے کا حقیقت پسندانہ معترف نہ ہو اور اخلاق اصول کے ساتھ ہم آہنگ زندگی نہ گزارتا ہو، صحیح معنی میں صحت مند انسان نہیں کہا جا سکتا۔

صحیح جسمانی و رُوحانی صحت کے لئے اچھے خیالات اور اچھے اعمال ضروری ہیں۔ آج کل گناہ کو ایک دقیانوسی لفظ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ پاپ اور پرہیز دو متضاد چیزیں ہیں۔ صحت کی دُرستی کے لئے پرہیز ضروری ہے۔ اِس حقیقت پر سارے ماہرین صحت متفق ہیں۔ پاپ بڑھے گا تو بد پرہیزی بھی بڑھے گی۔ یہ حقیقت ہے کہ اِس زمانہ میں مزمن امراض کی افزائش کا سبب یہی بد پرہیزی ہے۔ یقیناً اچھے اور بُرے اخلاق کے اصول اُسی خلّاقِ عالم کے بنائے اور بتائے ہوئے ہیں، جس نے انسان اور اِس کی فطرت کی تخلیق کی ہے۔ اخلاق کا تعلق اُن فرائض و حقوق سے ہے، جو خالق اور مخلوقات کے متعلق انسان پر قدرتاً عائد ہوتے ہیں اور اُنھیں نظر انداز کر دینا جُرم کا ارتکاب کرنا ہے۔ جرائم کو سوسائٹی یا حکومت کا قانون چاہے روا رکھے، لیکن قُدرت کے قوانین کبھی معاف نہیں کرتے۔ گناہ یا اخلاقی بے راہ روی فطری طور پر جسمانی اور ذہنی قوتوں کو ضائع کر دیتی ہے۔

رُوح سے جسم کا جو گہرا تعلق ہے اُن کی بنا پر انسان کے جسم کو صحت مند رکھنے کے لئے پاکباز مقوی دواؤں اور توانائی بخش غذاؤں سے کچھ کم موثر نہیں ہے۔

---

سوال و جواب

# سرگوشیاں

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دئے جاتے ہیں۔ علمی، اخلاقی و تہذیبی ... سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شامل اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو ... سوال ... مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں ... سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ ہمیں ... سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ (ایڈیٹر بیسویں صدی، دہلی)

**سیّد فداء الحق رازؔ**

س۔ سیب کے فوائد پر روشنی ڈالیں۔ اسے چھلکے سمیت کھانا کیسا ہے؟

ج۔ سیب بہترین دماغی غذا ہے۔ ماہرین کی رائے میں لگاتار دماغی کام کرنے والوں کے لئے سیب بہت مفید ہے۔ اس میں دوسرے پھلوں کی نسبت فاسفورس اور فولاد زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں اور فاسفورس دماغ کی اصل غذا ہے ——— سیب جگر کے فعل کو درست کرکے سستی رفع کرتا ہے۔ اکثر ڈاکٹر اسے معدے اور آنتوں کی بیماریوں میں بھی مفید بتاتے ہیں۔ خون کی کمی اور اختلاج قلب کے لئے بھی بہت فائدہ بخش ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے خون صالح پیدا ہوتا ہے۔ رنگت نکھرتی ہے، رخساروں میں سرخی پیدا ہوتی ہے۔ گردے اور دانتوں کے لئے بھی فائدہ بخش ہے ——— سیب میں وٹامن کے بہترین اجزا، اس کے چھلکے میں ہوتے ہیں، اس لئے چھلکے سمیت کھانا زیادہ فائدہ بخش ہے۔

---

**شوکت امام۔ امجد علی خاں امجدؔ۔ پٹنہ**

س۔ کسی اچھے شاعر کا ایک شعر تحریر کریں جسے میں اپنی تصویر کے نیچے لکھ سکوں۔

ج۔
کہنے کو مشت گل ہوں، مگر تری داستاں ہوں
دیکھو تو کچھ نہیں ہوں سمجھو تو اک جہاں ہوں

س۔ بھائی جان! کچھ اچھی باتیں بتایئے جنہیں میں اپنی ڈائری میں نوٹ کر سکوں۔

ج۔
• جس نے اپنی قدر پہچانی نجات پائی۔
• جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اللہ اُس پر عذاب نازل کر دیتا ہے۔
• والدین، رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں سے نیک سلوک کرو۔
• کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دلآزاری ہے۔
• انسان کو تندرست رکھنے کے لئے اطمینان بہترین غذا بھی ہے اور دوا بھی۔

---

**محمد عمر رمضانی۔ عادل آباد دکن**

س۔ سچی محبت کس سے ملتی ہے۔ بیوی سے یا محبوبہ سے؟

ج۔ بیوی سے۔ بیوی رفیقۂ حیات ہوتی ہے، شریک زندگی ہوتی ہے۔ بیوی ساتھی ہوتی ہے۔

س۔ مشکیل بدایونی کا کوئی شعر سنایئے۔

ج۔ سُنئے ؎

شب غم کی تیرگی میں مری آہ کے شرارے
کبھی بن گئے ہیں آنسو کبھی بن گئے ہیں تارے

س۔ موجودہ دور میں انسان انسان کو کھا رہا ہے۔ ایسا کیوں؟

ج۔ اس لئے کہ انسان انسان نہ رہا ———
آدمی آدمی کے پیکر میں
اور کچھ ہو گا آدمی نہ رہا

---

## عبدالقدیر خاں قدیری۔ نلگنڈہ

س۔ خربوزہ مفید ہے یا مضر؟

ج۔ خربوزہ بہت مفید پھل ہے۔ مفرح ہے۔ طراوت بخشتا ہے۔ یرقان، جلندھر، پتھری اور قبض دُور کرتا ہے۔ رُکے ہوئے پیشاب کو کھولتا ہے۔ پسینہ لاتا ہے۔ خربوزہ کھانے سے عورت کا دودھ بڑھتا ہے۔ ہاں! اس کا زیادہ استعمال گرمی کرتا ہے۔

---

## سید ثروت حسین۔ سیتاپور

س۔ دل کی دُنیا؟

ج۔ دل کی بستی عجیب بستی ہے
روز اُجڑتی ہے روز بستی ہے

س۔ انسان کی شرافت؟

ج۔ شرافت ہی انسان کا سب سے بڑا جوہر ہے۔

س۔ غم اور خوشی میں کتنا فاصلہ ہے؟

ج۔ کچھ زیادہ فاصلہ نہیں۔ غم بھی خوشی ہی کا دُوسرا رُوپ ہے۔

---

## مشتاق احمد تمنّا۔ کریم نگر

س۔ گناہ سے بچنے کے لئے یقینی راہ بتایئے۔

ج۔ اپنے ذہن کو ہمیشہ اچھے خیالات سے معمور رکھئے۔

---

## سُہانہ حمید شمسی۔ مرادآباد

س۔ محبت انسان کو کیا بنا دیتی ہے؟

ج۔ دیوانہ بنا دیتی ہے۔ کہا گیا ہے ـــــ
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

س۔ جوانی کو دیوانی کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ جوانی میں نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی۔

---

## زیبا احمد شمسی۔ محمدآباد گہنہ

س۔ بیوی شوہر کے تابع نہ رہے تو کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ اُس کے پیروں میں محبت کی بیڑیاں ڈال دینی چاہئیں۔

س۔ شوہر اور بیوی کے رشتے کو ایک جان دو قالب کہا جاتا ہے۔ پھر دونوں میں اختلاف کیوں ہو جاتا ہے؟

ج۔ اس مقدس رشتہ کا بیوی اور شوہر دونوں احترام کریں تو اختلاف کی نوبت کبھی نہ آئے۔

س۔ محبت نفرت میں کب بدل جاتی ہے؟

ج۔ جب محبت کے درمیان سے خلوص ختم ہو جاتا ہے۔

---

## غوث پاشاہ پیاسا۔ جوگی پیٹ

س۔ بیوی کی خوشی کب تلخ بن جاتی ہے؟

ج۔ جب شوہر اُس کی خوشی میں کسی دوسری عورت کو شریک کرتا ہے۔

---

## ریشماں اختری۔ تالڈانگہ

س۔ یہ سچ ہے کہ انسان کے جسم میں سب سے زیادہ خطرناک چیز اُس کا ضمیر ہے؟

ج۔ ضمیر نہیں، زبان سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

س۔ کیا عورت بمشکل ہی کوئی بات راز میں رکھ سکتی ہے؟

ج۔ عورت کا دل سمندر سے بھی گہرا ہوتا ہے!

---

## ست پال کمار۔ کرنیل گنج

س۔ کوئی ایسا شعر سنایئے جو روح کی گہرائیوں سے نکلتا ہوا محسوس ہو۔

ج۔ یہ تو اپنے ذوق و احساس کی بات ہے۔ ایک شعر سُنئے ؎
دُنیا کو ضبطِ غم کے سلیقے سکھا دیئے
حد سے بڑھا ملال تو ہم مُسکرا دیئے

س۔ آپ کی نظر میں زندگی سے بیزار لوگ؟

ج۔ بصیرت سے محروم ہیں ؎
ہے دوست! بڑے کام کی شے ہستیٔ ناکام
کس واسطے جینے سے خفا ہوتے ہو پیارے

---

## ایم۔ اے۔ رؤف تمنا۔ جوگی پیٹ

س۔ زندگی کی راہ میں اندھیرے ہی اندھیرے ہوں تو؟

ج۔ اُن اندھیروں کو انسان عزم و عمل کی شمع فروزاں کرکے دُور کر سکتا ہے۔ اُس کے سامنے حدِ نظر تک اُجالا ہی اُجالا پھیل سکتا ہے۔

---

## ستیش بھاٹیہ۔ بمبئی

س۔ ہندوستان میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں؟

ج۔ ۱۲ سو۔

س۔ ساری دُنیا میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں؟

ج۔ ۲۳ ہزار۔

س ـ ع ـ حیدر ـ میرٹھ

س۔ ہندوستان کدھر جارہا ہے؟

ج۔ حالیہ انتخابات میں شکست کھا جانے والی پارٹیاں ملک کو تباہی کے غار کی طرف لے جارہی ہیں۔

س۔ ہندوستان میں لیڈروں کی تعداد کیا ہے؟

ج۔ ہندوستان میں پچانوے فی صد لوگ خود کو لیڈر سمجھتے ہیں!

---

نواب اصغر علی محمد علی۔ دھنباد

س۔ کیا امیری برائی کی طرف لے جاتی ہے؟

ج۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ دولت سے بہت سے اچھے کام بھی انجام پاتے ہیں۔

س۔ دولت انسان کو کیا بنا دیتی ہے؟

ج۔ دولت اکثر انسانوں کو ننگ انسان بھی بنا دیتی ہے۔

س۔ لوگ زندگی کو پہیلی کیوں کہتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ ان کی نظر میں زندگی پہیلی ہوگی۔ ورنہ زندگی کھلی ہوئی کتاب ہے۔

---

عائشہ ساحل جھری تلیا

س۔ گرانی دن پر دن بڑھتی جارہی ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

ج۔ ذخیرہ اندوزوں اور نفع خوروں کی بددیانتی۔ ارباب حکومت کی نرم پالیسی۔

س۔ دل کی مراد کب پوری ہوتی ہے؟

ج۔ جب اس کے لئے دل وجان سے کوشش کی جاتی ہے۔ جدوجہد کی جاتی ہے۔

---

مقبول احمد سراج۔ موتی پور

س۔ ہندوستان کی سب سے بڑی لائبریری کہاں ہے؟

ج۔ کلکتہ میں۔ اس میں پانچ لاکھ سات کتابیں ہیں۔

س۔ اقبال اور ٹیگور دونوں کی شاعری میں کس میں حب الوطنی کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے؟

ج۔ یہ موازنہ کرنا مشکل ہے۔ یہ دونوں عظیم شاعر حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھے۔

---

**مختار احمد محمد یوسف مومن بھیونڈی**

س۔ زندگی اور حیات میں کیا فرق ہے؟

ج۔ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔

س۔ کیا رُوح نام کی کوئی حقیقت ہے؟

ج۔ رُوح ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ مشرق و مغرب کے علماء اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

---

**مہتمم کریمیہ اُردو لائبریری۔ جمشید پور**

س۔ میرے دوست کا کہنا ہے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان نہیں ہے۔ کیا یہ دُرست ہے؟

ج۔ اُردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، یہ دُرست ہے۔

س۔ اُردو کا صحیح رسم الخط کیا ہے؟

ج۔ اُردو کا صحیح رسم الخط یہی ہے۔ جس میں آپ نے یہ سوالات لکھے ہیں۔

---

**محمد انوار الحسن صدیقی۔ عثمان آباد**

س۔ جوش ملیح آبادی کے بارے میں کچھ بتایئے۔

ج۔ حضرت جوش ملیح آبادی اُردو کے مایہ ناز شاعر ہیں۔ اپنی ادبی عظمت کے پیشِ نظر بجا طور پر شہرتِ تام اور بقائے دوام کے مستحق ہیں۔

---

**مہ لقا برنی۔ بارہ بنکی**

س۔ نماز پڑھنے سے قلبی سکون کیوں ملتا ہے؟

ج۔ اِس لئے کہ نماز پڑھنے والا خُدا سے قریب ہو جاتا ہے۔ جسے خُدا کا قُرب حاصل ہو جائے اُس کے سکونِ قلب کا کیا کہنا۔

س۔ زندگی کو پُر کیف بنانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ اچھے خیالات اور اچھے کردار سے زندگی کو آراستہ کرنا چاہیئے۔

س۔ حال کو روشن اور ناقابلِ رشک بنانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ ماضی کے تجربات کی روشنی میں حال کو سنوارنے کے لئے جدّوجہد کرنی چاہیئے۔

---

**سید علی حیدر رضوی۔ میرٹھ**

س۔ کیا آنسو بہانے والے انسان کی طرف سے خوشیاں مُنہ پھیر لیتی ہیں؟

ج۔ جی ہاں۔ آنسو اور خوشی کا کیا میل، کیا ساتھ۔

س۔ کیا دَولت کے ساتھ دُکھ بھی آتے ہیں؟

ج۔ جی ہاں۔ دَولت ننانوے کا پھیر اور دَولت سنبھالنے کی فکر ساتھ لاتی ہے۔ دَولت پر ڈاکہ پڑنے کے اندیشے اپنے ساتھ لاتی ہے۔

س۔ کیا فکر انسان کو کھوکھلا کر دیتی ہے؟

ج۔ فکر انسان کو کھوکھلا ہی نہیں کر دیتی، چِنتا چِتا تک پہنچا دیتی ہے۔

---

**جوگندر تواری۔ شملہ**

س۔ ریلوے کی اِس ہڑتال سے کتنا نقصان ہُوا؟

ج۔ ریلوے کے محکمہ کو ساڑھے تین کروڑ روپے روزانہ کا نقصان ہو رہا تھا۔ یہ یہ ہڑتال دس دن اور رہتی تو ریلوے کو ۵۰ کروڑ کا نقصان ہوتا۔ اس ہڑتال سے صنعتوں اور کاروبار کو ۵ ارب کا نقصان ہُوا۔

---

**سیّدہ نزہت زیدی۔ علیگڑھ**

س۔ فارسی زبان کے شاعر فردوسی کے بارے میں کچھ بتایئے۔

ج۔ فردوسی فارسی زبان کا سب سے بڑا شاعر تھا۔ اس کی لافانی تخلیق "شاہنامہ" میں ساٹھ ہزار اشعار تھے۔

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں فارسی کا سب سے پہلا صاحبِ دیوان شاعر کون تھا؟

ج۔ رودکی۔

س۔ غالب فارسی کے بڑے شاعر تھے یا اُردو کے؟

ج۔ غالب کو دونوں زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔

---

**شمس الحق صدیقی۔ گورکھپور**

س۔ اگر انسان زندگی سے پیار کرنا چھوڑ دے تو ۔۔۔؟

ج۔ جو زندگی سے پیار نہیں کرتا، زندگی بھی اُس سے پیار نہیں کرتی، رُوٹھ جاتی ہے۔

---

**کلام احمد آرزو۔ ہزاری باغ**

س۔ سلام مچھلی شہری کے انتقال سے "بیسویں صدی" پر کیا اثر پڑا؟

ج۔ "بیسویں صدی" اپنے ایک پُر خلوص قلمی معاون سے محروم ہو گیا۔

---

## ثروت علی ملیح آبادی۔ کانپور

س۔ پردے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟
ج۔ ہم ضروری پردہ کے حامی ہیں۔
س۔ فلم سے پھیلنے والی برائیوں کا انسداد کیسے ہو سکتا ہے؟
ج۔ مخرب اخلاق فلموں کے خلاف آواز بلند کر کے۔
س۔ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" یہ مصرعہ کس شاعر کا ہے؟
ج۔ یہ علامہ اقبال کے ایک شعر کا پہلا مصرعہ ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

## حسن جمال۔ جودھپور

س۔ عورت کو بلند مقام دیتے وقت آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ عورت امن کی دشمن، فساد کی جڑ اور مکر و فریب کا شیطانی روپ بھی ہوتی ہے۔
ج۔ ایسا کہنا حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ عورت کی ساری برائیوں میں مرد کا ہاتھ ہوتا ہے۔
س۔ مستقل مزاجی کیسے پیدا کی جا سکتی ہے؟
ج۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر کے۔

## سید زاہد حسین۔ دھنباد

س۔ یہ کس کا شعر ہے؟

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آ سکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں

ج۔ یہ شعر بہادر شاہ ظفر کا ہے۔
س۔ مرد کو شادی کب کرنی چاہیے؟
ج۔ جب مرد ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہو جائے۔

## ظہیر احمد۔ کریم نگر

س۔ علامہ اقبال کے کچھ اشعار سنائیے۔
ج۔ تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگئ داماں بھی ہے

•

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

•

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

•

خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا
یہ چیز وہ ہے جو دیکھی کہیں کہیں میں نے

## راجندر سنگھ۔ لدھیانہ

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ہمارے دیش میں

## بیکار لوگوں کی تعداد کتنی

ج۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق
یک بیکاروں کی تعداد ایک
سے بھی زیادہ تھی۔

## محمد بشیر الدین ساحل۔ کریم

س۔ سر کے بالوں کے لئے سب
کون سا ہے؟
ج۔ برہمی بوٹی ملا کر تیار کیا
تیل۔

## ایم۔ شہاب الدین۔ ہلدوا

س۔ ماضی کو دھیان میں رکھ کر
طرف قدم بڑھانا؟
ج۔ دانشمندانہ اقدام ہے۔

## سہیل آذر۔ بارہ بنک

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ہند
رقبہ کتنا ہے؟
ج۔ ہندوستان کی کل لمب
میل اور چوڑائی
میل ہے۔ اس طرح
۱۲۵۹۷۹۵ مربع میل



مطبوعہ پنجابی آفسیٹ پریس گلشن پرنٹنگ ورکس دہلی

[illegible]

| [illegible] | | صنعت و حرفت | | صنعت و حرفت [illegible] |
|---|---|---|---|---|
| [illegible] | -/ | [illegible] | 18/- | موم بتی کا کاروبار |
| [illegible] | 4/- | [illegible] | 12/- | کاروبار [illegible] کی ترکیبیں |
| [illegible] | 4/- | [illegible] | 7/- | [illegible] |
| [illegible] | 6/- | [illegible] | 6/- | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] | [illegible] سازی | 1/50 | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] | الیکٹرک وائرنگ | 8/25 | [illegible] |
| [illegible] | 6/- | [illegible] ریڈیو | 1/50 | [illegible] ماہر |
| [illegible] | 2/- | [illegible] | 4/50 | [illegible] |
| [illegible] | 3/- | آئل و گیس انجن گائڈ | 15/- | آتشبازی کا کاروبار |
| [illegible] | 2/50 | آئل انجن گائڈ | 8/25 | وارنش سازی |
| [illegible] | 5/- | [illegible] ماسٹر | 5/- | پرفیومری ماسٹر |
| [illegible] | 1/50 | وائرلیس ریڈیو گائڈ | 8/25 | فن مصوری |
| [illegible] | 3/- | ریڈیو سروسنگ (ریڈیو مکینک) | 1/50 | بیکری کا بیوپار (بسکٹ، ڈبل روٹی، کیک) |
| ڈکشنریاں | | [illegible] کا ماہر | 2/50 | پینٹنگ کا کام |
| [illegible] عربی۔ اردو | 28/- | چھوٹے ڈائنمو و الیکٹرک موٹر بنانا | 6/- | الیکٹروپلیٹ بوٹ پالش سازی |
| [illegible] فارسی۔ اردو | 18/- | پریکٹیکل آرمیچر وائنڈنگ | 1/50 | پلاسٹک گائڈ |
| [illegible] اردو | 12/- | ریفریجریٹر گائڈ | 12/- | رنگ سازی |
| [illegible] | 7/50 | ٹرانسفارمر گائڈ | 8/25 | کنفیکشنری (انگریزی مٹھائیاں) |
| [illegible] | 8/50 | الیکٹرک موٹرز | 12/- | الیکٹروپلیٹنگ ماسٹر |
| [illegible] | 2/50 | خراد شکشا یعنی ٹرنر گائڈ | 6/- | روشنائیاں بنانا |
| [illegible] | 15/- | ورکشاپ گائڈ | 6/- | خوشبودار تیل بنانا |
| [illegible] | 12/- | خراد اور ورکشاپ گیان | 12/- | [illegible] ماسٹر |
| [illegible] | [illegible] | [illegible] سازی | 2/50 | [illegible] |
| [illegible] | [illegible] | [illegible] | 2/50 | [illegible] |
| | | [illegible] | 2/50 | [illegible] |

### ثروت علی ملیح آبادی۔ کانپور

س۔ پردے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ ہم ضروری پردہ کے حامی ہیں۔

س۔ فلم سے پھیلنے والی برائیوں کا انسداد کیسے ہو سکتا ہے؟

ج۔ مخربِ اخلاق فلموں کے خلاف آواز بلند کر کے۔

س۔ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" یہ مصرعہ کس شاعر کا ہے؟

ج۔ یہ علامہ اقبال کے ایک شعر کا پہلا مصرعہ ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

---

### حسن جمال۔ جودھپور

س۔ عورت کو بلند مقام دیتے وقت آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ عورت امن کی دشمن، فساد کی جڑ اور مکر و فریب کا شیطانی روپ بھی ہوتی ہے۔

ج۔ ایسا کہنا حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ عورت کی ساری برائیوں میں مرد کا ہاتھ ہوتا ہے۔

س۔ مستقل مزاجی کیسے پیدا کی جاسکتی ہے؟

ج۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر کے۔

---

### سیّد زاہد حسین۔ دھنباد

س۔ یہ کس کا شعر ہے؟

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں

ج۔ یہ شعر بہادر شاہ ظفر کا ہے۔

س۔ مرد کو شادی کب کرنی چاہیے؟

ج۔ جب مرد ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل ہو جائے۔

---

### ظہیر احمد۔ کریم نگر

س۔ علامہ اقبال کے کچھ اشعار سنایئے۔

ج۔ تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

•

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

•

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

•

خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا
یہ چیز وہ ہے جو دیکھی کہیں کہیں میں نے

---

### راجندر سنگھ۔ لدھیانہ

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ہمارے دیش میں بیکار لوگوں کی تعداد کتنی ہوگی؟

ج۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق مئی ۷۲ء تک بیکاروں کی تعداد ایک کروڑ سے بھی زیادہ تھی۔

---

### محمد بشیر الدین ساحل۔ کریم نگر

س۔ سر کے بالوں کے لئے سب سے اچھا تیل کون سا ہے؟

ج۔ برہمی بوٹی ملا کر تیار کیا ہوا آملہ کا تیل۔

---

### ایم۔ شہاب الدین۔ ہلدوانی

س۔ ماضی کو دھیان میں رکھ کر مستقبل کی طرف قدم بڑھانا؟

ج۔ دانشمندانہ اقدام ہے۔

---

### سہیل آذر۔ بارہ بنکی

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ہندوستان کا رقبہ کتنا ہے؟

ج۔ ہندوستان کی کل لمبائی دو ہزار میل اور چوڑائی ساڑھے اٹھارہ سو میل ہے۔ اس طرح اس کا رقبہ ۱۲۵۹۷۶۵ مربع میل ہے۔




ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: خوشتر گرامی ۔ مطبوعہ: پربھات آفسیٹ پریس و لکشمی پرنٹنگ ورکس دہلی ۔ ٹائیٹل: بائنٹ پریس دہلی ۔ پتہ: دفتر بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

BISWIN SADI
38 th YEAR OF PUBLICATION
Telephones Office 271637 Residence 619927

# RADIUM TONIC PILLS

نیا خون — نئی طاقت

## کمزوری کا زبردست علاج

## ریڈیم ٹانک پلز



نیا خون بکثرت پیدا کر کے نہ صرف کمزوری دور کرتی ہیں بلکہ جسم میں زبردست طاقت بڑھاتی ہیں۔ وزن اور خون کئی پونڈ بڑھ جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی طاقت اور صحت واپس لانے کے لئے ملک کے کونے کونے میں مشہور و مقبول ہیں اور لاکھوں انسان روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ کمزوری خواہ کسی وجہ سے ہو کمزور سے کمزور انسان کو بھی نئی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ تندرست نوجوان ریڈیم ٹانک پلز کے علاج سے اپنی طاقت کئی گنا بڑھا سکتے ہیں۔ قیمت مکمل علاج صرف چھ روپے۔ محصول ڈاک علاوہ۔

کلکتہ ایجنٹ:-
امین اینڈ اسمٰعیل پرائیویٹ لمیٹڈ
نمبر ۸۰ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ ۱

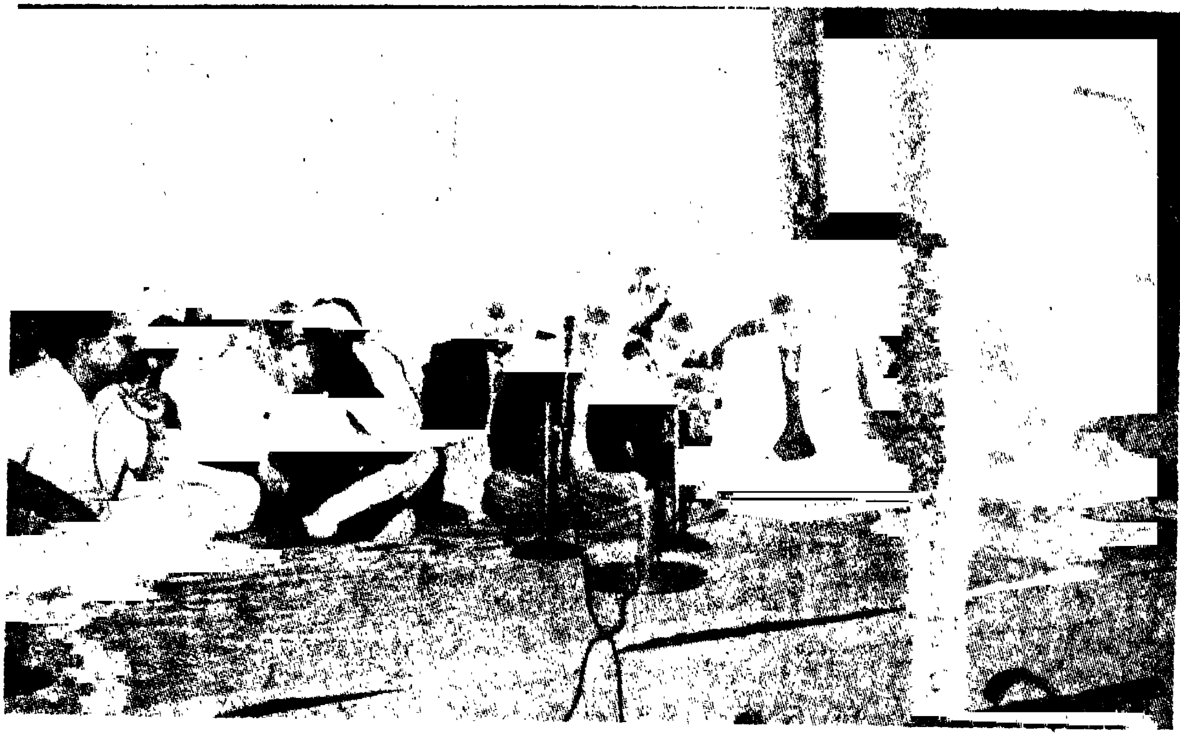
پتہ:- ریڈیم کیمیکل ورکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۵۱ دہلی


ستمبر
صدی
Biswin Sadi
DELHI



رنگ سے دِل پہ برسنے لگے بادل کی طرح
لہلہاتی ہیں فضائیں ترے آنچل کی طرح

فوٹو: جگموہن۔ لکھنؤ



"سمر فیسٹیول" (جشنِ گرما ۱۹۷۷ء) دھرمسالہ (ہماچل) میں جناب پورن کمار ہوشؔ غزل سرا ہیں۔

سردی میں دھوپ گرمیوں میں چاندنی لگے ۔۔۔ کیسی بھی رُت ہو آپ کی صورت بھلی لگے

بولے تو گنگنا اُٹھے ساتوں سُروں کی لَے ۔۔۔ چُپ ہو تو مورتی سی کوئی مورتی لگے

پہنوں کوئی قمیض تو اِک یاد کی دُلہن ۔۔۔ نازک سی اُنگلیوں سے بٹن ٹانکنی لگے

رُوٹھے تو روم روم میں پت جھڑ کا باس ہو ۔۔۔ مانے تو پور پور وہی رس بھری لگے

دہلیز بول اُٹھے کبھی چوکھٹ دھڑک سی جائے ۔۔۔ وہ اَدھ کھُلے کِواڑ کے پیچھے کھڑی لگے

وہ صُبح صُبح دھوپ کی کرنوں کے ساتھ ساتھ ۔۔۔ آنگن میں سیڑھیوں سے اُترتی ہوئی لگے

اُس پر نظر پڑے تو بدن جاگ جائے

وہ کامنی تو ہوشؔ تری شاعری لگے



جناب عرشؔ صہبائی کے کلام سے سامعین محظوظ ہوتے۔

کب تار تار ہو یہ دمکتا ہوا لباس
پہنے ہوئے ہے زندگی جو خوشنما لباس

طے کر چکا جو ترکِ تمنّا کے مرحلے
اُس بے نیاز کے لئے کیا راکھ کیا لباس

آسیب کہہ کے اُس کو پکارو نہ دوستو
اِک رُوح ڈھونڈتی ہے کہاں ہے مرا لباس

انسانیت کا خون رگوں میں ہے منجمد
جسموں پہ رہ گیا ہے فقط خوشنما لباس

مرکز بنا ہوا ہے نِگاہوں کا انگ انگ
آراستہ کئے ہوئے نِکلے وہ کیا لباس

اے عرشؔ مجھ کو اہلِ زمانہ سے کیا غرض
سب سے جُدا اُصول ہیں سب سے جُدا لباس



میرِ مُشاعرہ جنابِ شباب للت اپنی غزل پر داد و تحسین پا رہے ہیں۔

روپ کی اِک موہنی اِنسان کا دِل چھل گئی
بس یُگوں تک دیوتاؤں کی منیت ٹل گئی

جسم کے آتش فشاں سے کھولتا لاوا گرا
ہائے کتنی پُر تقدس تھی جو نگری جل گئی

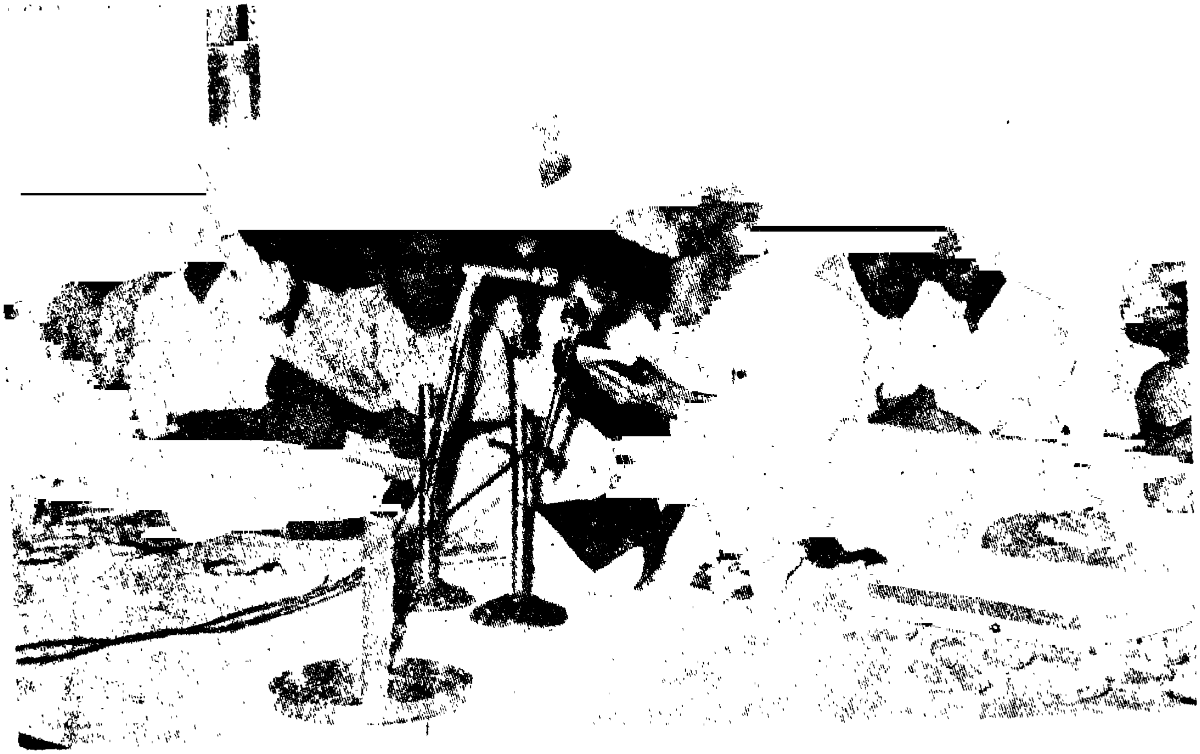
بستیاں پھر تُند برفانی ہوا کی زد میں ہیں
دھوپ تیرے پیار کی اب آنگنوں سے ڈھل گئی

ایک ہی راون تھا دِل، ہرگز نہ آیا راہ پر
واسنا کے پھیر میں سونے کی لنکا جل گئی

ہو نہ ہو وہ کوئی ٹھگ تھا جوگیا کے بھیس میں
ورنہ کیوں اُس جوگیا کی دیوبانی ٹل گئی

زلزلے اپنی گپھاؤں میں دُبک کر سو گئے
جسم کے پربت میں تھی جو دیر سے ہل چل گئی

زِندگی کے پیرہن پر میری فنکاری شباب
گاہے گاہے عطر میرے تجربوں کا مَل گئی



صدرِ مُشاعرہ جنابِ چاند کلوی وزیرِ جنگلات و صنعت (ہماچل) نے گرمیِ محفل کو دو بالا کردیا۔

دِل پہ جب چوٹ لگے گی، سُن لو
زِندگی اور ہنسے گی، سُن لو

دیکھ کر رنگِ سیہ بختیٔ جاں
عمر بھی بچ کے چلے گی، سُن لو

سُن کے شہنائی کے دِلکش نغمے
غم کی اِک لہر اُٹھے گی، سُن لو

اِک ذرا بھی جو ہوئی لغزشِ پا
رَاہ بھی چال چلے گی، سُن لو

رَات جاگے گی تُمہارے غم میں
نیند پلکوں میں پلے گی، سُن لو

ہم نہ ہوں گے تو چمن ہوگا اُداس
بُوئے گُل ہاتھ ملے گی، سُن لو

اُن سے مِلنے کی ہے بے تابی چاند
شام ڈھلتے ہی ڈھلے گی، سُن لو

# بیسویں صدی دہلی

ستمبر ۱۹۷۳ء

ایڈیٹر: خوشتر گرامی

جلد ۳۸ — شمارہ ۹









قیمت فی پرچہ

دو روپے

پتہ: رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

سالانہ قیمت

ہندوستان میں —— بائیس روپے

ممالک غیر سے —— تینتیس شلنگ

بیسویں صدی ... اعلیٰ پایہ ... حسین اور دل کش تصاویر بھیجیے

# تیر و نشتر




مہنگائی کو روکنے کے لئے آرڈی نینس بھی بے اثر۔

"جے پرکاش نرائن کا ایجی ٹیشن فرقہ پرستوں اور مفاد پرستوں کا آلۂ کار" ایک عنوان ——— امریکہ کا نام اس میں اور شامل کر لیجئے تو بات ادھوری نہ رہے گی۔

"آرڈی نینس ڈکٹیٹرشپ کی علامت" ایک عنوان ——— ایجی ٹیشن، ہڑتالیں، جلوس جلسے مظاہرے، پتھراؤ، اسکول کالج بند کرنے کی تحریکیں جمہوریت کی جڑیں کھودنے والی۔

"بڑے نوٹ بند نہیں کئے جائیں گے" ایک خبر ——— اس لئے کہ پھر چندہ کس سے اور کیسے ملے گا؟

"آر۔ ایس۔ ایس، شیو سینا اور جماعت اسلامی پر پابندی لگاؤ" ایک عنوان ——— پرانا عنوان پرانا مطالبہ جو حکومت بہرے کانوں سے سنتی ہے۔

"ہندوستان میں چوہوں کی تعداد" ایک خبر ——— سیاسی مگرمچھوں سے کم ہے۔

"کانگرس ہی برائیوں کو دور کرسکتی ہے" اندرا گاندھی ——— مگر پہلے اس سے بڑے کانگرسیوں کو دور کرنا ہوگا۔

"کالے دھن کا کیا کیا جائے" ایک عنوان ——— سیاسی پارٹیوں میں چندہ کے طور پر بانٹ دیا جائے۔

"مولوی فاروق (سری نگر) اور آر۔ ایس۔ ایس کا انداز ایک جیسا" سید میر قاسم ——— اس کو کہتے ہیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے۔



"روپے کی کمی سے بہار کی تحریک میں کمزوری نہیں آئے گی" جے پرکاش نرائن۔

---

"امریکہ نے پاکستان کے لئے کروڑوں ڈالر کی امداد کا اعلان کیا" ایک خبر ——— اور ساتھ ہی یہ بھی :- چڑھ جا بیٹا سولی بھگوان بھلی کرے گا۔

---

"اتر پردیش میں اردو ٹریننگ اسکول" ایک عنوان ——— جہاں مشاعرہ باز غزل گا شاعروں کی تربیت ہوگی۔

---

"جنگِ آزادی میں اردو اتحاد کا ذریعہ تھی" راجیہ سبھا میں مولانا سید احمد ہاشمی کی تقریر ——— اور آزادی کے بعد اس کے مخالفوں نے اسے ذریعۂ اختلاف بنا لیا۔

---

"ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کرنے والوں کو وزیرِ اعظم کا انتباہ" ——— اس پر بھی ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری بند نہ ہو تو سرکار کا کیا قصور؟

---

"دواؤں کی قیمت پر نظرِ ثانی" ایک خبر ——— نظرِ ثانی کے بعد اور مہنگی ہی ہوں گی جبکہ موت دن بدن سستی ہو رہی ہے۔

---

"کوئی کام ملک کے مفاد کے خلاف نہ کیا جائے گا" جن سنگھ کے وفد کو وزیرِ اعظم کی یقین دہانی ——— اور وفد نے یقین دلایا کہ وہ ہر قدم ملک کے مفاد کے خلاف اٹھائے گا۔

---

"عمل کرکے دکھاؤ" ایک عنوان ——— اور بے عملوں کے دیش میں۔

---

"اردو کا مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک اسے اردو بولنے والے علاقوں میں دوسری سرکاری زبان نہیں بنایا جاتا" راجیہ سبھا میں مولانا سید احمد ہاشمی کی تقریر ——— اور یہی نہیں ہوگا۔ باقی آپ پورے گھر کے مالک ہیں۔

"بھارت میں امتحان کے دوران بموں کے کئی دھماکے ہوئے" ایک خبر —— جے پرکاش کی پُرامن تحریک کا نمونہ۔

---

"بھٹو افغانستان سے شملہ معاہدہ چاہتے ہیں" ایک خبر —— افغانستان پر جھنڈا لہرانے کے لئے۔

---

"درخت کاٹنے پر گرفتار" ایک خبر —— بدقسمتی کی بات ہے۔ ورنہ یہاں تو گلا کاٹ کر گرفتار نہیں ہوتے۔

---

"جے پرکاش کو ہلاک کرنے کی سازش" راج نرائن کا انکشاف۔ —— انکشاف نہیں افسانہ۔

---

"پاکستان میں بھارت کُچل دو کا جنون شروع ہو گیا" —— یوں کہیے کہ پھر چند یا کھجلانے لگی۔

---

"بے ایمان تاجروں کے ہتھکنڈے۔ ضمنی بجٹ کی آڑ میں بھاؤ بڑھا دئے" ایک خبر —— اور بجٹ کا قبل از وقت انکشاف اس سے بھی بڑی بے ایمانی ہے۔

---

"اُردو کی پکار" ایک عنوان ——

۱۔ مجھے بچاؤ مشاعرے بازوں سے۔

۲۔ مجھے بچاؤ فریبی سیاستدانوں سے۔

۳۔ مجھے بچاؤ جھوٹے ہمدردوں سے۔

۴۔ مجھے بچاؤ میرے ذریعہ روٹی کما کر میری ہی پیٹھ میں چھرا گھونپنے والوں سے۔

---

"مدھوبنی میں اُردو سے ناانصافی" ایک خبر —— ایک مدھوبنی کیا ؎

تن ہمہ داغ داغ شُد پنبہ کجا کجا نہم

---




؎ عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے




سات پارٹیوں نے کانگریس کی جگہ لینے کے لئے ایک نئی پارٹی بنائی۔

"پنجاب میں ملاوٹ کے خلاف جنگ" ایک خبر ——— گیانی ذیل سنگھ کمانڈر ہوں گے۔

"امیر گھرانوں کی عورتوں کو نشہ آور کیپسول سے پیار" ایک عنوان ——— اور جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔

"حقیقی بھائی کو قتل کرنے کے جرم میں حقیقی بھائی کو سزا" ایک خبر ——— کلجُگ کی جیتی جاگتی تصویر۔

"حکومتِ یونان کا تختہ اُلٹ دیا گیا" ایک خبر ——— بڑی دقیانوسی حکومت تھی جو اب تک تخت پر بیٹھی تھی۔

"ضمنی بجٹ کا قبل از وقت انکشاف" ایک خبر ——— تاکہ بڑے بڑے تاجر اور صنعت کار تجوریاں بھر لیں۔

"سات مَردوں کو دھوکا دے کر بھاگ گئی" ایک خبر ——— سب گلے مل کر کہیں ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تُو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

"یو۔ پی میں اُردو ٹیچروں کی تقرریاں ضرورت سے کم ہیں" ایک عنوان ——— الیکشن قریب آنے پر پُوری ہو جائیں گی۔

"بی۔ کے۔ ڈی میں پھُوٹ پڑ گئی" ایک خبر ——— ہندوستان کے مشہور میوہ کا مزہ کون نہیں چکھتا۔

"مصر کے لئے ہندوستانی بسیں" ایک خبر ——— اور دہلی کے لوگ بے بس۔

"ہلدوانی میں صنعتی بستی" ایک عنوان ——— ہلدی بنائے گی۔

"ٹیکس چوروں کی تلاش" ایک خبر ——— یہ بھی خوب رہی۔ بغل میں چور شہر میں ڈھنڈورہ۔

---

"عورتوں کا سال منانے کا فیصلہ" ایک خبر ——— سال بھر مردوں کو انگلیوں پہ نچایا جائے گا۔

---

"میں نے جینا سیکھ لیا ہے" ایک عنوان ——— زندگی کٹھن ہو جائے گی پیارے۔

---

"غذا کے بارے میں تشویش کی ضرورت نہیں" ایک عنوان ——— کیونکہ ملاوٹ کے باعث غذائیت ختم ہو چکی ہے۔

---

"سونے کی قیمت گھٹ گئی" ایک خبر ——— پھر اب جاگتے رہنا چاہیئے۔

---

"یورپ میں تین "نلکی زادے" پیدا ہوئے" ایک خبر ——— ہمارے یہاں پہلے نواب زادے ہوتے تھے۔ یورپ میں اب نلکی زادے ہونے لگے ہیں۔

---

"سات پارٹیوں کے اتحاد کا محل دھڑام سے گر گیا" ایک خبر ——— ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

---

"اقلیت کمیشن کا قیام" ایک عنوان ——— اقلیتوں کو بہلانے کے لئے۔

---

"اردو کو یو۔ پی کی دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ مرکزی نائب وزیر داخلہ نے رد کر دیا" ایک عنوان ——— کانگرس کے جھوٹے وعدوں کا پردہ چاک ہو گیا۔

---



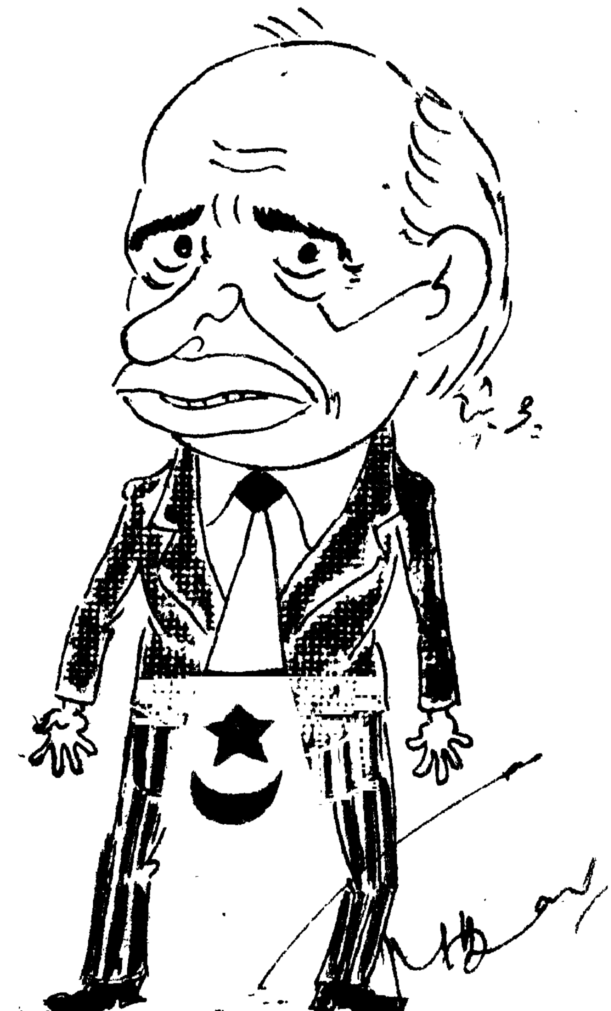

"افغانستان پر پاکستان کا جھنڈا لہرائیں گے" وزیر اعظم پاکستان۔

# مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ———

خوشتر گرامی

جھوٹ کا پُتلا، فریب کا مجسمہ، مکر و دغا کا آئینہ۔ آنکھیں شرم و حیا سے عاری۔ ناک کٹنے کے غم سے بے پرواہ، چالاکیوں، ریاکاریوں کی ایک کھُلی کتاب۔ زبان و دہن یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی کی عادی۔ اِس حلیہ کے ہیں پاکستان کے وزیرِ اعظم ———

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو



تن ہی مغربی لباس سے آراستہ نہیں، من بھی مغرب کا غلام ہے۔ اپنے مغربی آقاؤں کے چشم و ابرو کے اِشاروں پر ناچتے ہیں۔ جس شاخ پر بیٹھتے ہیں اُسی پر کلہاڑی چلاتے ہیں۔ پاکستان کے ایک بازو کا کٹنا آپ ہی کی کارفرمائیوں کا نتیجہ ہے ——— جو ہاتھ اِن کو کھلا دیتے ہیں اُنہی کو کاٹتے ہیں۔ پاکستان کے مرحوم صدر ایوب خاں کی تاریخ اِس پر شاہد ہے۔ بے مروّتی، بے وفائی، کج ادائی قُدرت سے دولتِ لازوال کی صورت میں پائی ہے۔ احسان ناشناسی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ کردار کے نہیں گفتار کے غازی ہیں۔ زبان کے پابند ہیں نہ تحریر کے ——— کبھی ہندوستان پر بھونکتے ہیں تو کبھی افغانستان پر غُراتے ہیں اور کبھی خود اپنے ہم وطنوں کو کاٹنے کو دَوڑتے ہیں ——— کشمیر ہڑپ کرنے کی کوشش میں ہندوستان سے ایک ہزار سال تک جنگ کرنے کا اعلان کرتے کرتے مشرقی پاکستان گنوا بیٹھے۔ اب افغانستان پر جھنڈے گاڑنے کا اعلان کیا ہے۔ دیکھئے بچے کھُچے پاکستان پر کیا بیتے ——— ہر روز نئی بیساکھی کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں اور ہر روز اپنے دوستوں، ساتھیوں اور رفیقوں کا سیاسی قتل کرتے ہیں ——— ایک ڈکٹیٹر کے سایۂ عاطفت میں سیاسی بلوغ کو پہنچے۔ دوسرے ڈکٹیٹر کی سیاہ کاریوں کے شریک بنے اور اب خود مطلق العنانیت کے ریکارڈ توڑ رہے ہیں۔ پولیس اور فوج کے ڈنڈے سے راج کر رہے ہیں۔ لاٹھی گولی اِن کے سہارے ہیں ——— آج کوئی غالب ہو تو اس مصرعہ پر تضمین کہہ کر بھٹو صاحب کو پیش کرے کہ

——— شرم تم کو مگر نہیں آتی

ا ب

افسانہ

# معصوم آنکھوں کا بھرم

رام لعل

۳۹/ II آر، ملٹی اسٹوری، چار باغ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۱

محترم خوشتر صاحب! تسلیم

اس کہانی میں تینوں کردار بے حد معصوم ہیں۔ تینوں اپنے اپنے بھرم میں مبتلا ہیں۔ کون کیا کرے ——؟ اس بات کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے "بیسویں صدی" کے قارئین کچھ کہہ سکیں۔ خاص طور پر وہ لڑکیاں جن کے دل میں قدرت مامتا کا بے اندازہ جذبہ بھر دیتی ہے ...!

آپ کا مخلص
رام لعل

★

ریتا سبھروال اس تصور ہی سے کانپ گئی کہ ایک خوبرو لنگڑا نوجوان تین ساڑھے تین سال کے بچے کو ساتھ ساتھ لئے ہر جگہ اس کا پیچھا کرتا رہتا ہے، جہاں جہاں وہ جاتی ہے۔ عام طور پر اُس کے دفتر جانے اور وہاں سے لوٹتے وقت وہ اُسے بس اسٹاپ پر ہر روز کھڑا دکھائی دے جاتا ہے۔ اپنے خوبصورت اور بھولے بھالے بچے کی انگلی تھامے ہوئے، اُس کی طرف بہت اشتیاق سے دیکھتے ہوئے۔ وہ بچہ بھی اُس کی طرف ویسی ہی نظر سے دیکھتا ہے اور اُس کی طرف اشارے کر کر کے نہ جانے اپنے باپ سے کیا کیا کہتا رہتا ہے! جیسے وہ بچہ بھی اُسے پہچانتا ہو!

ریتا کی زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا۔ جب سے وہ سنِ شعور کو پہنچی تھی اور اُس نے یونیورسٹی سے نکل کر ایک اشاعت گھر میں مسودے پڑھنے کے لئے مُلازمت حاصل کی تھی، ابھی تک کسی مرد نے اُسے اِس طرح پریشان نہ کیا تھا۔ یوں تو کسی بھی جوان لڑکی کی طرف کتنے لوگ شریر آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھی فقرے بھی کس دیتے ہیں اور موقع پا جانے پر کندھا بھڑا کر بھی نکل جاتے ہیں۔ مردوں کی پست حرکتوں میں یہ سب اب 'نارمل بی ہیویر' ہی سمجھا جاتا ہے۔

لیکن جو کچھ اُس کے ساتھ پیش آ رہا تھا وہ بالکل دوسری نوعیت کا تھا۔ اُس کے کیریر میں جتنی پاکیزگی، شرافت، سکون اور ٹھہراؤ موجود تھا اُس میں اب ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ یقیناً پریشان تھی۔ اگرچہ اُس آدمی کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتی تھی۔ وہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اپنے بچے کو ساتھ ساتھ لئے اُس کے پیچھے پیچھے کیوں پھرتا رہتا ہے؟ بچہ جب بار بار اُس کی طرف اشارہ کر کے کچھ پوچھتا ہے تو وہ اُسے کیا بتاتا ہے؟ اور بچہ اپنے سوال کا جواب پا جاتا ہے تو وہ مطمئن کیوں نظر آنے لگتا ہے؟ یہ ساری باتیں ریتا سبھروال کے دل میں طرح طرح کے اندیشے اور وسوسے پیدا کر دیتی ہیں۔ ایک انجانا خوف سا، جسے وہ محض وہم سمجھ کر دل سے دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن اُس خوف سے پوری طرح آزاد نہیں ہو سکتی۔

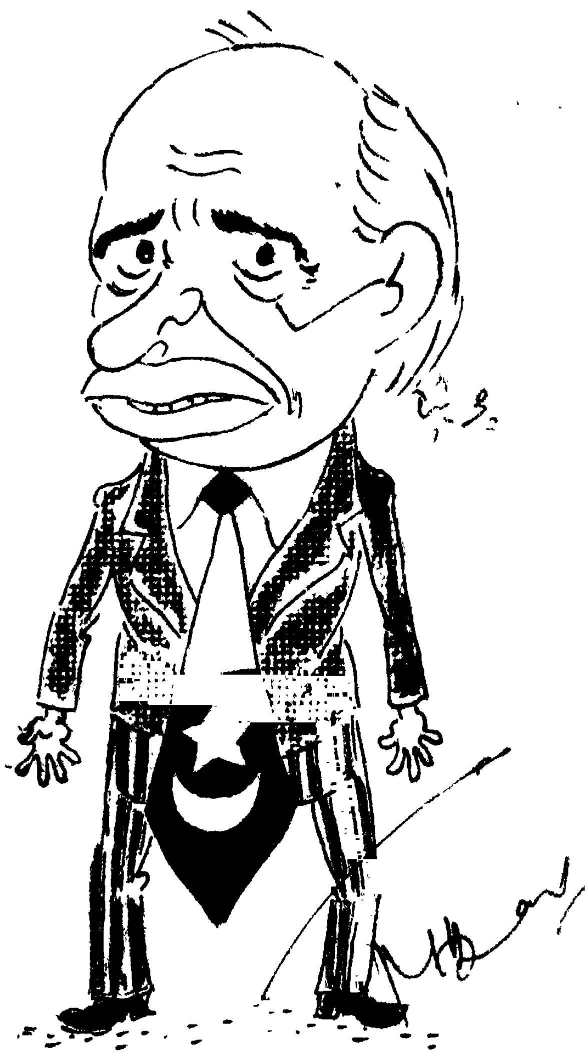
گھر سے نکلتے وقت کئی بار اُس نے ارادہ کیا، آج وہ اُن کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے گی۔ انھیں نظر انداز کر کے بس اسٹاپ کی کیو میں کھڑی رہے گی۔ لیکن بس آتے ہی جب وہ اُس میں بیٹھنے لگتی تو اُس کی نظریں بے اختیار اُدھر اُٹھ جاتیں جہاں اُسے اُمید ہوتی کہ وہ ضرور کھڑے ہوں گے! اور واقعی وہ وہیں موجود ہوتے۔ اُس کی

# مسٹر ذوالفقار علی بھٹو

## خوشتر گرامی

جھوٹ کا پتلا، فریب کا مجسمہ، مکر و دغا کا آئینہ۔ آنکھیں شرم و حیا سے عاری۔ ناک کٹنے کے غم سے بھرپور۔ پیشانی مکاریوں کی ایک مکمل کتاب۔ زبان و دہن یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی کی عادی۔ اِس حلیہ کے ہیں پاکستان کے وزیرِ اعظم ——

### مسٹر ذوالفقار علی بھٹو



تن ہی مغربی لباس سے آراستہ نہیں، من بھی مغرب کا غلام ہے۔ اپنے مغربی آقاؤں کے چشم و ابرو کے اِشاروں پر ناچتے ہیں۔ جِس شاخ پر بیٹھتے ہیں اُسی پر کلہاڑی چلاتے ہیں۔ پاکستان کے ایک بازو کا کٹنا آپ ہی کی کارفرمائیوں کا نتیجہ ہے —— جو ہاتھ اِن کو لقمہ دیتے ہیں اُنہی کو کاٹتے ہیں۔ پاکستان کے مرحوم صدر ایوب خاں کی تاریخ اِس پر شاہد ہے۔ بے مروّتی، بے وفائی، کج ادائی قدرت سے دولتِ لازوال کی صورت میں پائی ہے۔ احسان ناشناسی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ کردار کے نہیں گفتار کے غازی ہیں۔ زبان کے پابند ہیں نہ تحریر کے —— کبھی ہندوستان پر بھونکتے ہیں تو کبھی افغانستان پر غُرّاتے ہیں اور کبھی خود اپنے ہم وطنوں کو کاٹنے کو دَوڑتے ہیں —— کشمیر ہڑپ کرنے کی کوشِش میں ہندوستان سے ایک ہزار سال تک جنگ کرنے کا اعلان کرتے کرتے مشرقی پاکستان گنوا بیٹھے۔ اب افغانستان پر جھنڈا گاڑنے کا اعلان کیا ہے۔ دیکھئے بچے کھچے پاکستان پر کیا بیتے —— ہر روز نئی بیساکھی کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں اور ہر روز اپنے دوستوں، ساتھیوں اور رفیقوں کا سیاسی قتل کرتے ہیں —— ایک ڈکٹیٹر کے سایۂ عاطفت میں سیاسی بلوغ کو پہنچے۔ دوسرے ڈکٹیٹر کی سیاہ کاریوں کے شریک بنے اور اب خود مطلق العنانیت کے ریکارڈ توڑ رہے ہیں۔ پولیس اور فوج کے ڈنڈے سے راج کر رہے ہیں۔ لاٹھی گولی اِن کے سہارے ہیں —— آج کوئی غالب ہو تو اِس مصرعہ پر تضمین لکھ کر بھٹو صاحب کو پیش کرے ؎

شرم تم کو مگر نہیں آتی

افسانہ

# معصوم آنکھوں کا بھرم

رام لعل

> ۳۹/II آر، ملٹی اسٹوری، چار باغ، لکھنؤ ۔ ۲۲۶۰۰۱
>
> محترم خوشتر صاحب! تسلیم
>
> اِس کہانی میں تینوں کردار بے حد معصُوم ہیں۔ تینوں اپنے اپنے بھرم میں مُبتلا ہیں۔ کون کیا ہے ؟ ـــــ اِس بات کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے "بیسویں صدی" کے قارئین کچھ کہہ سکیں۔ خاص طور پر وہ لڑکیاں جن کے دل میں قُدرت مامتا کا بے اندازہ جذبہ بھر دیتی ہے ... !
>
> آپ کا مخلص
>
> رام لعل

★

ریتا سبھروال اِس تصوّر ہی سے کانپ گئی کہ ایک خوبرو لنگڑا نوجوان تین ساڑھے تین سال کے بچّے کو ساتھ ساتھ لئے ہر جگہ اُس کا پیچھا کرتا رہتا ہے، جہاں جہاں وہ جاتی ہے۔ عام طور پر اُس کے دفتر جانے اور وہاں سے لَوٹتے وقت وہ اُسے بس اسٹاپ پر ہر روز کھڑا دکھائی دے جاتا ہے۔ اپنے خوبصورت اور بھولے بھالے بچّے کی اُنگلی تھامے ہوئے، اُس کی طرف بہت اشتیاق سے دیکھتے ہوئے۔ وہ بچّہ بھی اُس کی طرف ویسی ہی نظر سے دیکھتا ہے اور اُس کی طرف اِشارے کر کرکے نہ جانے اپنے باپ سے کیا کیا کہتا رہتا ہے! جیسے وہ بچّہ بھی اُسے پہچانتا ہو!

ریتا کی زندگی میں یہ پہلا اتّفاق تھا۔ جب سے وہ سِنِ شعور کو پہنچی تھی اور اُس نے یونیورسٹی سے نکل کر ایک اشاعت گھر میں مسودے پڑھنے کے لئے مُلازمت حاصل کی تھی، ابھی تک کسی مرد نے اُسے اِس طرح پریشان نہ کیا تھا۔ یوں تو کسی بھی جوان لڑکی کی طرف کتنے لوگ شریر آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھی فقرے بھی کس دیتے ہیں اور موقع پا جانے پر کندھا بھڑا کر بھی نکل جاتے ہیں۔ مَردوں کی پست حرکتوں میں یہ سب اب 'نارمل بی ہیویَر' ہی سمجھا جاتا ہے۔

لیکن جو کچھ اُس کے ساتھ پیش آرہا تھا وہ بالکل دوسری نوعیت کا تھا۔ اُس کے کیریَر میں جتنی پاکیزگی، شرافت، سکون اور ٹھہراؤ موجود تھا اُس میں اب ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ یقیناً پریشان تھی۔ اگرچہ اُس آدمی کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتی تھی۔ وہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اپنے بچّے کو ساتھ ساتھ لئے اُس کے پیچھے پیچھے کیوں پھرتا رہتا ہے؟ بچّہ جب بار بار اُس کی طرف اِشارہ کرکے کچھ پُوچھتا ہے تو وہ اُسے کیا بتاتا ہے؟ اور بچّہ اپنے سوال کا جواب پا جاتا ہے تو وہ مطمئن کیوں نظر آنے لگتا ہے؟ یہ ساری باتیں ریتا سبھروال کے دل میں طرح طرح کے اندیشے اور وسوسے پیدا کر دیتی ہیں۔ ایک انجانا خوف سا، جسے وہ محض وہم سمجھ کر دل سے دُور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن اُس خوف سے پُوری طرح آزاد نہیں ہو سکتی۔

گھر سے نکلتے وقت کئی بار اُس نے اِرادہ کیا، آج وہ اُن کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے گی۔ اُنھیں نظر انداز کرکے بس اسٹاپ کی کیو میں کھڑی رہے گی۔ لیکن بس آتے ہی جب وہ اُس میں بیٹھنے لگتی تو اُس کی نظریں بے اختیار اُدھر اُٹھ جاتیں جہاں اُسے اُمّید ہوتی کہ وہ ضرور کھڑے ہوں گے! اور واقعی وہ وہیں موجود ہوتے۔ اُن کی

طرف بے حد خاموشی سے، بہت اپنائیت سے، بڑی اُمید سے دیکھ رہے ہوتے! اُنھیں اُس کے دفتر [illegible] وہاں سے لَوٹنے کے اَوقات معلوم ہو گئے تھے۔ کبھی کبھی اُسے دیر ہو جاتی تب بھی وہ مایوس نہ ہوتے تھے۔ انتظار کرتے ہی رہتے۔ اُس کی جھلک پاتے ہی باپ بیٹے دونوں کے چہرے بشّاش ہو اُٹھتے۔ اُن کی یہ خوشی ریتا کے لئے دن بہ دن حیرت ناک بنتی جا رہی تھی۔ سوالیہ نشان کی طرح ذہن میں اور گہری اُترتی جا رہی تھی۔ یہ عقدہ حل کرنا اُس کے لئے ناممکن سا ہوتا جا رہا تھا۔ آخر وہ ہیں کون! کیا چاہتے ہیں؟

ایک دن لنچ آور میں وہ تین اور لڑکیوں کے ساتھ سلیمان بھائی مینشن کے بیس مینٹ میں بنے ہوئے ریسٹوران میں کھانا کھانے گئی جہاں وہ سب ہر روز جاتی تھیں۔ گھر سے اپنے اپنے ساتھ ہلکا پھلکا ٹفن لے کر آتی تھیں۔ زیادہ بھوک لگتی تو ریسٹوران سے بھی سینڈوچز، چھولے، آملیٹ، سلائس اور کافی لے لیتیں۔ آفس ورک کی بوریت کو دُور کرنے کے لئے گھنٹے آدھے گھنٹے کے لئے باتیں کرنا بھی ضروری ہو جاتا۔ پریمیئر ٹائرز کی اسٹینو نرگس چاولہ تو بے حد باتونی تھی۔ بڑی لطیفہ گو اور ایف سی آئی کی مدھو گُنڈو جو فلموں کی رسیا تھی، نئی نئی فلموں کی دلچسپ کہانیاں سُنایا کرتی تھی۔ بنک آف بڑودہ میں کام کرنے والی سرب جیت اہلو والیہ جسے دوسروں کے اسکینڈل لُطف لے لے کر سُنانے کی عادت تھی، مَردوں کی عادتوں پر تبصرہ کرنے کا بھی بہت چسکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا وہ مَردوں کی فطرت پر گہری ریسرچ کر چکی ہے۔ کوئی ایک بار اُس کے سامنے سے نکل تو جائے! وہ اُس کے خاندان کی سات پُشتوں تک کی نفسیات بیان کر سکتی تھی! اُس دن سب لڑکیاں اُسی کی خوش گپیوں سے لُطف اندوز ہو رہی تھیں کہ اچانک وہی آدمی اپنے بچّے کی اُنگلی تھامے لنگڑاتا ہُوا وہاں پہنچ گیا۔ اِدھر اُدھر بہت تجسّس سے دیکھتا ہُوا سا! جب اُس نے ریتا سبھروال کو بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تو بہت اطمینان سے ایک ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ بچّے کو اپنے پاس بٹھا لیا، جہاں سے وہ اُسے بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ ریتا کا دل بے اختیار دھڑک اُٹھا۔ ڈر گئی، اُن کی وجہ سے یہاں ایک اسکینڈل ضرور کھڑا ہو جائے گا! اہلو والیہ ضرور بھانپ ہی لے گی۔ اُس کی نظریں بہت تیز ہیں۔ حقیقت میں کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی وہ کوئی نہ کوئی قصّہ گھڑ ہی لے گی! صرف اُنہی کی وجہ سے۔ وہ اِس انداز سے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے اور آپس میں سرگوشیاں بھی کرتے تھے۔

وہ نظریں جُھکا کر بیٹھ گئی۔ اُن قصّوں میں بھی دلچسپی لینا بھول گئی جو اہلو والیہ کافی پیتے ہوئے سُنا رہی تھی۔ ایک دو بار سرب جیت نے اُسے ٹوکا بھی ـــــ "تم کس سوچ میں کھو گئیں ریتا! بہت دلچسپ واقعہ ہے سُنو!"

ریتا ہاں ہاں کر کے اپنے خیالوں اور خدشوں میں ڈوب گئی۔ سوچنے لگی اب یہاں سے جلدی نکل چلیں۔ کون جانے کیا کچھ نہ ہو جائے۔

وہاں آج تھوڑا سا وقت بھی بہت مشکل سے کٹا۔ ایک ایک پَل صدی بن گیا تھا! جب وہ اپنی فرینڈز کے ساتھ باہر نکلی تب بھی باپ بیٹا نظروں سے اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔ اُسے تو اُس چھوٹے سے بچّے پر زیادہ غصّہ آیا جو! معصوم ہوتے ہوئے بھی کتنی شریر نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا تھا جیسے وہ بھی اُس کا ایک ننھا مُنّا عاشق ہو! کسی سے عشق کرنے کے لئے عُمر کی قید لگانا نامناسب ہی معلوم ہوتا ہے! لیکن تین ساڑھے تین سال کے بچّے کے تو دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے ہوتے۔ وہ کیا جانے عشق و محبت!

اُس کے بعد تو اُنھوں نے اُسی بیس مینٹ میں بھی آنا اپنا معمول بنا لیا۔ ہر روز ٹھیک وقت پر پہنچ جاتے۔ کبھی ایک آدھ منٹ پہلے، کبھی ایک آدھ منٹ بعد! وہ ہمیشہ اُسی میز پر بیٹھتے جہاں سے وہ آسانی سے ریتا کو دیکھ سکتے۔ ریتا سبھروال نے کئی بار اِس ریسٹوران کو بدل دینے کی تجویز رکھی۔ لیکن کسی نے اُسے منظور نہ کیا۔ کیونکہ یہ ریسٹوران سب کے دفتروں کے قریب تھا، اُنھیں وہیں سکون محسوس ہوتا تھا اور سروس بھی اطمینان بخش ملتی تھی۔ ریتا کے لئے یہاں نہ آنا بھی مشکل ہو گیا۔ کیونکہ اُس کی فرینڈز اُس کے پاس ہی پہنچ جاتی تھیں یا فون پر فون کر کے اُسے زِچ کر دیتیں۔

---

ایک دن اُسی ریسٹوران میں سرب جیت اچانک کہنے لگی ـــــ

"کچھ مرد عورتوں کی طرف بالکل کُتّوں کی طرح دیکھتے ہیں۔ میں اِسے 'ڈاگ لُک' ہی کہوں گی۔ جیسے وہ ٹکڑا پانے کی اُمید میں ایک ٹک دیکھتے ہیں، پُچکارنے پر دُم ہلانے لگتے ہیں۔ اُس وقت اُن کی آنکھوں کی چمک دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔"

# غزل

پروفیسر کرامت علی کرامت ایم۔ایس سی

صبا کے قافلے جب زُلفِ یار تک پہنچے
خزاں کے دور سے گذرے، بہار تک پہنچے

تڑپ تڑپ کے بالآخر قرار تک پہنچے
وہ خوش نصیب جو آغوشِ دار تک پہنچے

تمہارے جورِ محبت کے آزمائے ہوئے
عنایتِ ستمِ روزگار تک پہنچے

تصورات کی جنت سے ٹھوکریں کھا کر
حقیقتوں کے اِس اُجڑے دیار تک پہنچے

طویل تر ہوئی جاتی ہے اپنی شامِ فراق
تمہارے وعدے شبِ انتظار تک پہنچے

یہ آرزو ہے کہ یادوں کے قافلوں کا ہجوم
بھٹک بھٹک کے تمہارے دیار تک پہنچے

خوشی ہے غم کا تسلسل، تو کیسے ممکن ہو؟
بغیر غم کے خوشی اعتبار تک پہنچے

بہت بلند تھے سرِ زعمِ علم و دانش سے
جو آیا وقت کا جھونکا، غبار تک پہنچے

سکوتِ وقت سے پیہم یہ آرہی ہے صدا
حیات گردشِ لیل و نہار تک پہنچے

وہ زور زور سے ہنسنے لگی اور گردن گھما گھما کر اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے مردوں کی طرف دیکھا بھی۔ کوئی نہ کوئی مرد اُن عورتوں پر نظریں جمائے ہی بیٹھا تھا۔ اُن کے جسموں کے ایک ایک انگ کو نظروں سے ٹٹول رہا تھا۔ سرب جیت اہلووالیہ کے ساتھ جس جس کی نظریں ٹکرائیں اُن کی آنکھیں جھک جھک اُٹھیں۔ پھر وہ اچانک اُسی آدمی کی طرف اشارہ کر کے بولی —— "وہ لنگڑا یہاں ہر روز آتا ہے۔ اپنے بچے کو ساتھ لے کر۔ جیسے کسی کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ یقیناً کسی ایسی عورت کو جو اس بچے کی ماں ہوگی۔ لیکن کسی وجہ سے وہ اسے قبول نہ کرتی ہوگی! فی الحال میں اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگانا چاہتی۔ کچھ روز بعد اپنے آپ ہی معلوم ہو جائے گا۔ ابھی تو میں صرف اتنا ہی کہوں گی، وہ ہم ہی لوگوں کی طرف متوجہ ہے۔ شاید ہم ہی میں سے کوئی اس کی مطلوبہ عورت ہو! لیکن ——" وہ پھر ہنس پڑی۔ بولی "میں اپنے بارے میں تو قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں، اُس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں، تم لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ شاید وہ عورت تم ہی میں سے ایک ہو!"

اُس نے تینوں کی طرف ٹٹولتی ہوئی شوخ نظروں سے دیکھا۔ نرگس چاولہ اور مدھو گنڈو بھی ہنسنے لگیں اور اُس آدمی اور اُس کے بچے کی طرف پلٹ پلٹ کر دیکھنے لگیں۔ صرف ریتا سبھروال ہی کے چہرے پر ہوائیاں اُڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ کوشش کرنے پر بھی وہ دوسری لڑکیوں کی طرح ہنس نہ سکی۔ یہ دیکھ کر سرب جیت چونک پڑی۔ بولی —— "کیا بات ہے ریتا؟ تم گھبرا کیوں گئی ہو؟ تمہارا یقیناً اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو مذاق کر رہی تھی!"

ریتا نے جواب دیا —— "کبھی کبھی مذاق بھی اسکینڈل بن جاتا ہے! ابھی سوچ کر میں نروس ہو گئی تھی۔ پر وہ آدمی اگر سچ مچ ہمیں لوگوں کی طرف دیکھتا ہے تو اُسے ڈانٹ دینا چاہئے۔ کیوں نرگس!"

"ہاں اور نہیں تو کیا! اُسے فوراً اسنب کرنا چاہئے" نرگس چاولہ نے پلیٹ میں رکھے ہوئے آملیٹ کو بڑی سختی سے چھری سے کاٹتے ہوئے تجویز پیش کی۔ پھر جلدی سے یہ بھی کہا —— "پر یہ کام تم ہی کر سکتی ہو، اہلووالیہ!"

سرب جیت نے فوراً اُٹھتے ہوئے کہا —— "لو، ابھی لو! میں تو اُس کی ایسی خبر لوں گی کہ وہ ہمیشہ یاد رکھے گا!"

ریسٹوران میں ہنگامہ ہو جانے کے ڈر سے ریتا سبھروال یک بیک گھبرا اُٹھی۔ ہو سکتا ہے وہ آدمی اُس کے بارے میں کوئی اُلٹی سیدھی بات کہہ ڈالے! اور سچ مچ ہی اسکینڈل کھڑا ہو جائے! یا ہو سکتا ہے وہ آدمی نروس ہی ہو! یہ محض اتفاق ہی ہو کہ وہ اُسے ہر جگہ دکھائی دے جاتا ہے!

ریتا کا دل اُس کے لئے ہمدردی سے بھر اُٹھا۔ اُس نے اہلووالیہ کو روک دیا۔ "ٹھہرو سرب جیت! میں ہی اُس سے پُوچھتی ہوں۔ تمھاری وجہ سے بات بڑھ نہ جائے!"

ریتا دھیرے دھیرے اُس میز کے پاس گئی جہاں باپ اور بیٹا مزے لے کر آئس کریم کھا رہے تھے۔ وہ ریتا کو اپنی طرف آتے دیکھ کر حیران ہو اُٹھے۔ وہ اُن کے سامنے پہنچ کر رُک گئی۔ اُن پر نظریں گاڑے ہوئے کئی لمحوں تک کھڑی رہ گئی۔ اُس کا دل اپنی کئی ہفتوں کی پریشانی سے اِتنا بھر اُٹھا کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے۔ وہ کچھ نہ کہہ سکی، اپنی جگہ پر واپس آ گئی۔ میز پر سر رکھ کر سِسکنے لگی۔ بولی۔

——"میں اُس سے کچھ نہ کہہ سکی۔ پتہ نہیں وہ کون ہے؟ میرے پیچھے پیچھے کیوں پھرتا رہتا ہے؟ ہر جگہ، ہر کہیں دکھائی دے جاتا ہے۔ بس اسٹاپوں پر بھی! اب یہاں بھی آنے لگا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟"

اُس کی فرینڈز حیران رہ گئیں۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ اہلووالیہ سے اب رہا نہ گیا۔ فوراً اُٹھ کر اُس آدمی کے پاس گئی اور بولی——"ذرا یہاں آیئے، ہماری ٹیبل پر!"

وہ آدمی اپنے بچّے کی اُنگلی تھامے ہوئے، لنگڑاتا ہُوا اُن کے پاس آ گیا۔ کسی نے اُسے بیٹھنے کے لیے نہ کہا۔—— ریتا ابھی تک میز پر سر ٹکائے ہوئے سِسک رہی تھی۔ سرب جیت کور نے بہت محتاط آواز میں پُوچھا——"اِس بےچاری نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ اِسے کیوں پریشان کر رکھا ہے؟"

یہ سُن کر اُس آدمی کا چہرہ اُتر گیا۔ جیسے اُس سے کوئی بہت بڑا جُرم ہو گیا ہو! کچھ لمحوں تک وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ پھر جیسے اُس نے ہِمّت جمع کر لی۔ جُھک کر اپنے بچّے کی طرف دیکھا جو میز پر اپنے دونوں ہاتھ ٹِکائے ریتا کی طرف مُسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ اُس آدمی نے اپنے بچّے کے ماتھے پر گرے ہوئے بالوں کو بہت محبت سے پیچھے ہٹایا اور کہا——

"مجھے افسوس ہے، اِس معصوم بچّے کی وجہ سے اِنھیں اِتنا پریشان ہونا پڑ گیا۔ کچھ مہینے پہلے اِس کی ماں چل بسی تھی۔ اِسے نہیں معلوم جب کوئی مر جاتا ہے تو پھر لوٹ کر کبھی نہیں آتا! ایک دن اِس نے اِنھیں دیکھ لیا تو کہہ اُٹھا، 'وہ میری ممّی جا رہی ہے!' اِن کی شکل میری مرحوم بیوی سے کافی مِلتی ہے۔ میں نے بچّے کو سمجھانے کی کوشش کی۔ کئی بہلانے بنانے پر یہ نہ مانا۔ یہی ضد کرتا رہا، 'ممّی کے پاس لے چلو!' آخر میں نے ایک جھُوٹ گھڑا، 'تمھاری ممّی تم سے ناراض ہے۔ بہت شرارتیں کیا کرتے تھے نا تم! جب تک تم بڑے نہیں ہو جاتے تمھارے ساتھ وہ کوئی بات نہ کرے گی۔ اگر تم بولنے کی کوشش کرو گے تو پھر تو وہ تم سے نہ بولے گی۔ تم اُسے دُور ہی سے دیکھ لیا کرو! جب تک وہ خود تم سے بات نہیں کرتی!' اِس نے میری بات کا یقین کر لیا ہے۔ میں اِس کا من ہی بہلانے کے لئے دُور سے اِنھیں دکھا دیتا ہوں۔ لیکن مجھے بہت دُکھ ہُوا کہ اِنھیں اِتنی پریشانی اُٹھانی پڑ گئی! میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔"

یہ سُن کر چاروں عورتیں ہکّا بکّا رہ گئیں۔ ریتا سبھروال نے میز پر سے سر اُٹھا لیا۔ بچّے کی طرف اُس نے ترس بھری نظر سے دیکھا جو اُس کے پاس کھڑا اُس کی طرف اپنی معصوم آنکھوں سے بے حد بےچارگی سے دیکھ رہا تھا۔ ہمدردی چاہنے والی نظروں سے۔ لیکن وہ اُس سے کوئی بات نہ کر سکی۔ کچھ کہنے کی اُسے ہمّت ہی نہ ہوئی۔

اُس آدمی نے اپنے بچّے کی طرف اُنگلی بڑھاتے ہوئے کہا——"چلو بیٹا!"

اور وہ اجنبی لنگڑا دھیرے دھیرے چلتا ہُوا بچّے کے ساتھ باہر نکل گیا۔ بچّہ ننھّے ننھّے قدموں سے چلتا اور مُڑ مُڑ کر حیرت سے دیکھتا رہا!!

۸۱۵۸

---

مدیر بیسویں صدی کے نام خط لکھتے وقت اختصار سے کام لیا کریں تاکہ آپ کے ارشاد کی تعمیل فوراً ہو سکے۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

---

# غزل

پروفیسر بیتاب پیلی بھیتی ایم۔کام (علیگ)

آپ کو ہم پسند کر بیٹھے
جرأتِ انتخاب کیا کہنا

چھن رہا ہے شباب چلمن سے
یہ ادائے حجاب کیا کہنا

اور کچھ پرکشش ہوئی صورت
حسن زیرِ نقاب کیا کہنا

میرے اپنے ہی بن گئے دشمن
وقت کا انقلاب کیا کہنا

دیکھ کر بھی مجھے نہیں دیکھا
یہ ترا اجتناب کیا کہنا

جو ازل سے لکھا ہے قسمت میں
وہ غمِ بے حساب کیا کہنا

روز تعمیر ہو رہے ہیں محل
میرے رنگین خواب کیا کہنا

لو درِ میکدہ تک آپہونچے
شیخ عزت مآب، کیا کہنا

تجزیہ اور تو کرے اپنا
ہو چکا احتساب، کیا کہنا

دو بدو ہو رہی ہیں کچھ باتیں
یہ سوال و جواب کیا کہنا

دلِ کی آواز بن گئی بیتاب
یہ غزل لاجواب کیا کہنا

# غزل

شاطر حکیمی، کامٹی

لذّتِ غم فراقِ یار میں ہے
لطفِ دیدار انتظار میں ہے

ایک مجبورِ زندگی اے دوست
پنجۂ جبر و اختیار میں ہے

اپنی رنگینیٔ نظر کے سوا
باغ میں ہے نہ کچھ بہار میں ہے

اے صبا! وہ ملیں تو کہہ دینا
ایک دیوانہ انتظار میں ہے

کوئی وعدہ وفا کرے نہ کرے
لطفِ وعدہ تو اعتبار میں ہے

آمدِ یار کے تصوّر سے
ایک ہلچل سی قلبِ زار میں ہے

جلوہ گر ہو نگارِ خوش منظر!
اک جہاں تیرے انتظار میں ہے

دلِ حسرت زدہ کی خیر نہیں
برہمی سی مزاجِ یار میں ہے

عقل نے ڈھونڈ لی فرار کی راہ
عشق میدانِ کارزار میں ہے

ختم بھی کر یہ داستاں واعظ
بات کا لطف اختصار میں ہے

خیر سے تم ہو رونقِ گلشن
ورنہ کیا موسمِ بہار میں ہے

شبِ ہجراں گذار دی ہم نے
روزِ محشر تو کس شمار میں ہے

غیر کا اعتبار کیا شاطر
لطف اپنے ہی اعتبار میں ہے

# مجھ کو تو تم پسند ہو...

کوثر چاند پوری

ہمدرد نرسنگ ہوم، آصف علی روڈ، نئی دہلی

محترم و گرامی قدر خوشتہ! تسلیم

کشمیر سے آئی ہوئی سرد و خنک لہروں نے اِس سال بہت ساتھ دیا۔ لیکن گرمی نے انھیں شکست دے ہی دی۔ ایسے تپتے اور کھولتے ہوئے موسم میں جنتِ ارضی اور وادیٔ گل کی سیر کا اشتیاق دل کا دامن کھینچ رہا ہے، اسی ارادے نے دل و دماغ میں ٹھنڈے اور برفیلے تصورات بھر دیے ہیں۔ دھڑکنیں کبھی بڑھ جاتی ہیں، کبھی گھٹ جاتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کشمیر کے ذرّے آفتاب اور وہاں کے چہرے ماہتاب ہیں۔ پھولوں اور خوشبوؤں کی اُس سرزمین کو دیکھنے کی تمنا بہت دنوں سے ہے۔ کئی منصوبے بنائے اور وہ شیشے کے برتن کی طرح ٹوٹ گئے۔ اِس بار شالامار کی فردوسی فضائیں دعوتِ نظارہ دے رہی ہیں۔ فون پر بات ہوئی تھی آپ سے۔ وہ میٹھے اور خلوص کے رس میں ڈوبے ہوئے الفاظ کانوں پر گونج رہے ہیں۔

نیاز آگیں

کوثر چاند پوری

اکاؤنٹ آفس کا ہیڈ کلرک ستیش ورما منہ میں سگریٹ دبائے ہتھیلی سے ٹھوڑی کو سہارا دئے اور کہنی میز پر ٹکائے۔ بے حد شاعرانہ موڈ میں بیٹھا ہے، جیسے فوٹو گرافر کیمرے کا بٹن دبانے ہی والا ہو۔ اُس کے اسکول کا ساتھی امرت لال بازو والی میز پر فائلیں بکھیرے لڑکیوں کے دو تین فوٹو اُن میں چھپائے کنکھیوں سے انھیں دیکھ رہا ہے۔ کبھی کبھی چور نگاہوں سے ستیش بابو کو دیکھ لیتا ہے۔ سیاہ چشمہ والی ایک لڑکی سُرمئی بال شانوں پر پھیلائے والہانہ انداز سے کھڑی ہے۔ امرت لال اُس میں اِتنا کھویا ہُوا ہے کہ ستیش کی طرف سے اُس کا دھیان بالکل ہٹ گیا ہے۔ ستیش نے کُرسی سے اُٹھ کر دیکھا ہے اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے بولا ہے ——

"آفس کیا ہے شادی کرانے کی ایجنسی ہے۔"

امرت جلدی سے تصویر کو ڈھانکتے ہوئے کہنے لگا ——

"یہ میرا نجی معاملہ ہے بڑے بابو۔ ایجنسی ویجنسی نہیں ہے۔"

"موہنی کی تصویر فائل میں دبی ہوئی ہے، پھر اِسے نجی مسئلہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

امرت کھانسنے لگا۔ ذرا دیر بعد بولا ——

"سُنو ستیش بابو! روشی نے یہیں رومان کا چمن کِھلایا۔ ایک بھولے بھالے نوجوان سے محبت کی اور اُسے لے کر چلی گئی۔ پھر شانتی اُسی راستہ پر دوڑنے لگی۔ وہ کینٹین میں گر دھاری کے ساتھ انڈا کھا کر کافی کا ایک کپ پیتی رہی، اور ایک دن وہ ہنی مون منانے پھولوں اور خوشبوؤں کی سرزمین کشمیر کی طرف چلے گئے، جہاں سرسوں اور زعفران کے کھیتوں میں پھیلی ہوئی بسنت رُت اور اُس کی

مہک سے اپنے عشق و محبت کی داد حاصل کریں گے۔"

"تم میری بات کی تصدیق کر رہے ہو امرت!"

"اور تردید کیسے کی جا سکتی ہے اپنے باس کی۔"

"باس واس نہیں جی! تم میرے دوست ہو۔ دو گھڑی تم سے باتیں کر کے جی ہلکا کر لیتا ہوں۔ سچ بتاؤ موہنی سے سلسلہ چل رہا ہے؟"

"میری جیب میں کشمیر جانے کے لئے پیسے کہاں ہیں جہاں ڈل میں تیرتے ہوئے شکاروں میں ہنی مون منا سکوں۔"

"تم سیبوں کی پہاڑی پر چلے جانا۔ گلو یہاں سے دور نہیں۔"

"اور لوگ مجھ سے کہتے ہیں امرت تمہیں کوئی ایسی رومان انگیز کہانی نہ بننی چاہئے یہاں۔ جیسے میں کہانیاں بننے ہی پر ملازم ہوں۔"

"بہت سی لیڈی کلرک ہیں ہمارے یہاں۔ اُن پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے دوست!"

"ایسی نگاہیں کہاں سے لاؤں جو دلوں پر پہرہ لگا سکیں!"

ستیش معنی خیز انداز سے مسکراتا رہا اور سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑنے لگا، اُسی وقت موہنی اور نیلم اُدھر سے گزریں۔ موہنی اونچے قد کی پتلی دبلی بہت قبول صورت لڑکی تھی۔ اُس کے سنہرے بال کھلے ہوتے تھے۔ چہرے پر غرور آمیز سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ نیلم پستہ قامت تھی۔ خد و خال دلفریب تھے۔ رخساروں کے صبیح رنگ میں شفق کی ہلکی سرخی جھلک رہی تھی جیسے نیم پختہ سیبوں پر خفیف سی سرخی نمایاں ہونے لگی ہو۔ وہ اُچک کر چلتی تو آفس کی چھت اُوپر اٹھتی محسوس ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا جیسے کائنات کو جھٹکا لگا ہو، وہ زیر و زبر ہو گئی ہو۔ ستیش نے اُس وقت بھی اُسے یوں ہی اُچکتے دیکھا تھا جب وہ پہلی بار آئی تھی۔ اُسے اپنے احساس میں ہمدردی کا کمزور سا جذبہ بھی کلبلاتا محسوس ہوا تھا اور آج وہ اُس کے سامنے سے گزری تو ستیش کی چھاتی میں جوالا سی کھولنے لگی۔ اُس نے موہنی اور نیلم پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔ وہ بالکل بھول گیا کہ امرت لال سے کیا کہہ رہا تھا۔ دونوں دودھ کی سی سفید ساریوں میں لپٹی ہوئی تھیں۔ پیروں میں سیاہ چپل تھے، جوڑے کھلے ہوئے تھے۔ نیلم کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی ذات میں سمٹی جا رہی تھی، بالکل چھوئی موئی کے پودے کی طرح، جس پر انسان کا سایہ پڑ گیا ہو۔ اُسے یوں چلتے دیکھ کر لوگ ہنسنے لگتے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو چٹکیاں بجانے لگتے جیسے وہ چل نہ رہی ہو، رقص کر رہی ہو۔ نیلم جل بھن جاتی، ارادہ کرتی کل نہ آئے گی۔ رات کو بیچارگی کے عالم میں کھانستی ہوئی بیمار ماں کو دیکھتی تو رائے بدل دیتی۔ اگلے دن پھر آفس کا موضوع بن جاتی۔ یہی طے کرتی کہ آئندہ نہ آئے گی، پھر کہتی نہ آنے سے پالک اچھا نہ ہو جائے گا، ایسا ہی رہے گا۔ کہیں اور جاؤں گی وہاں بھی ایسے ہی لوگ ہوں گے۔ وہ روشنی اور شانتی کی سی قسمت کہاں سے لائے جو رومان کے طلائی جال میں الجھ کر آنکھوں سے غائب ہو گئیں۔

ستیش اُسے جاتے دیکھتا رہا اور اُس کا دل موم کی طرح پگھلتا رہا۔ ہمدردی کی آنچ تیز ہوتی رہی۔ اُس نے امرت کو مخاطب کیا ——

"دوست! روشنی اور شانتی کی امنگیں کلیوں کی طرح کھل کر پھول بن گئیں۔ نیلم یوں ہی کمھلائی جا رہی ہے۔ وہ اِن دونوں سے سینیر ہے۔ اُسے بھی کسی محبت کرنے والے نوجوان کی آرزو ہو گی۔"

"ضرور ہونی چاہیئے سر!" امرت نے طنز کے لہجہ میں کہا —— اُسے اب تک ساتھی نہیں ملا۔ یہاں کوئی بابو لنگڑا لولا نہیں۔ یہ لنگڑا پن کتنی بڑی سزا ہے قدرت کی!"

ستیش کے احساس پر یہ سن کر بڑی چوٹ لگی۔ اُسے نیلم اور اُس کے لنگ پر ترس آنے لگا اور امرت کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ موہنی کے عشق کی آگ میں بری طرح جل رہا ہے۔ اُسے بالکل خشک اور جذبات سے عاری خیال کیا جاتا رہا تھا۔ حسین چہروں کو دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں کبھی چمک نہ آئی تھی، اب ایک دم کایا پلٹ گئی تھی۔ وہ موہنی کی آواز سنتے ہی جنگلی کبوتر کی طرح چونک جاتا جیسے کسی نے پٹاخہ چھوڑ دیا ہو۔ موہنی پاس کے کمرے میں بلبلِ خوشنوا کی طرح چہکتی تو امرت کے من میں کلیاں سی چٹکنے لگتیں، بادام کے شگوفے مہکنے لگتے۔ وہ کشمیر کی گلپوش وادیوں میں اُڑنے لگتا۔ جی چاہتا موہنی بولتی رہے اور اُس کے کانوں میں مٹھاس گھلتی رہے۔ ستیش نے اچھی طرح امرت کے اندر جھانک کر دیکھ لیا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اُس کے دل کا سوکھا ہوا پھول اچانک ہرا ہو گیا ہے۔ موہنی اُس کی آنکھوں میں کھب گئی ہے، اُسے نیلم پر اور زیادہ ترس آنے لگا۔ اُسی روز سے وہ شوق و اضطراب کے ساتھ نیلم کے سڈول جسم اور چھوٹے سے قد کو جو سرو تو نہیں لیکن شمشاد ضرور تھا، توجہ سے دیکھنے لگا۔ وہ سامنے آ جاتی تو ستیش اُس کی مخمور آنکھوں میں ڈوب جاتا اور چاہتا

پھر نہ اُبھرے۔ وہ نیلم کے لنگ کو بھول کر اُس کے جوان سراپا کے گرویدگی پیدا کرنے کی کوشش کرتا۔ دل کو سمجھاتا کہ نیلم میں کوئی عیب نہیں۔ لنگڑے آدمیوں نے بادشاہت بھی کی ہے۔ نیلم کے خدوخال حاکمانہ ہیں۔ اُن میں فرمانرواؤں کا سا وقار ہے۔ اُسے اپنانے میں توہین نہیں، عزت ہے ایک طرح کی۔

نیلم اُسے اپنی طرف مائل دیکھ کر بُری طرح شرما جاتی، جیسے کسی نے عُریاں کر دیا ہو اور اُبھرا ہوا کُولھا اور نمایاں ہو گیا ہو۔ جب وہ کوئی فائل لے کر کمرے میں آتی تو ستیش کو محسوس ہوتا کہ اُس میں شالامار کی خوبصورتی سما گئی ہے اور گلمرگ کی فضاؤں کا حُسن سمٹ آیا ہے۔ اُس کا دل ڈل میں پڑے ہوئے شکارے کی طرح ہچکولے کھانے لگتا۔ آفس بند ہونے پر اُسے اگلے دن کا بے چینی کے ساتھ انتظار رہتا۔ اسمبلی کے سوالات کا حیلہ کر کے وہ جلد ہی دفتر آجاتا اور نیلم کا منتظر رہتا۔ ایک دن پہنچا تو میز پر سفید لفافہ پڑا ہوا تھا۔ ستیش نے اٹھا کر پڑھا۔ ایک ہی لائن تھی ——

"سر امرت بابو سے ڈر لگتا ہے۔ مدد چاہتی ہوں۔
آپ کی۔"

ستیش نے اشارے سے امرت بابو کو بلا کر پوچھا ——

"امرت! کیا تم بھی . . ."

وہ مُسکراتے ہوئے بولا —— "بلکہ آپ بھی، اچھی چیز سب ہی کو پسند آتی ہے سر!"

"کیا مطلب ہے تمھارا؟"

"مطلب بالکل صاف ہے۔ میں نے شیکسپیر کی کوئی نظم نہیں سُنائی، نیلم پر آپ بھی ضرورت سے زیادہ مہربان ہیں۔"

"تم کہنا چاہتے ہو امرت کہ میں اُس سے محبت کرنے لگا ہوں؟ اگر تم میری جگہ لے سکو تو یقین کرو میں تم سے عشق کرنا شروع کر دوں گا!"

"لنگڑی لڑکی سے عشق کرنا بڑا پاگل پن ہے!"

"تم مجھے پاگل سمجھتے ہو؟"

"معاف کیجئے میرا خیال یہی ہے۔"

---

ایک دن موہنی اور نیلم سڑک کے کنارے کنارے امن کے سفید پرچم لہراتی دھیرے دھیرے بس اسٹینڈ کی طرف جا رہی تھیں۔ ستیش بھی بس پکڑنے کی دُھن میں اُنھی طرف جا رہا تھا، قریب سے گزرنے لگا تو ایک لمحہ کے لئے ٹھہر کر دونوں نے سلام کے لئے ہاتھ جوڑ دیئے۔

ستیش نے اُسی طرح جواب دیا اور دھیرے سے بولا۔

"دونوں ساتھ؟"

"جی ہاں" موہنی نے مدھم آواز میں جواب دیا۔ پھر جلدی سے بولی ——

"ایک بات پوچھوں؟"

---

# غزل

مخمور سعیدی ——

پھر اِدھر سے ابھی گزرے گا دوبارہ اک شخص
ہے دریچے سے اگر محوِ نظارہ اک شخص

نغمہ و نکہت و نرمی، شفق و شام و شراب
کتنے پردوں میں رہا انجمن آرا اک شخص

دشمنِ جاں سہی دُنیا، مگر اِس دُنیا میں
میں بھی جی لوں، مجھے کر لے جو گوارا اک شخص

بے تعلق ہے شب و روز کے ہنگاموں سے
دم بخود اپنے ہی احساس کا مارا اک شخص

ساتھ ہو جائے کسی وہم کی پرچھائیں ہی
بے کسی حد سے جو گزری تو پکارا اک شخص

آ کے اُترے مری چھت پر کوئی شام ایسی بھی
بن کے چمکے مرے آنگن کا ستارہ اک شخص

منتظر کب سے ہے مخمورؔ یہ ویرانۂ جاں
کر گیا تھا اِدھر آنے کا اشارہ اک شخص

"ضرور؟"
"تیاگ پتر دے دوں؟"
"کیوں؟"
"آفس گندہ ہوتا جارہا ہے!"
"گھبراؤ نہیں، صفائی ہو جائے گی۔ کئی بابوؤں کا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔"

"کیا امرت بابو بھی جارہے ہیں، وہ دن میں دس بار کہتے ہیں موہنی تم بہت سُندر ہو!"
"اِس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے؟"
"سر! وہ ایک دَم بازاری ہے!"
"کوئی توہین آمیز بات تو نہیں کہی اُس نے؟"
"روز ہی کہتا ہے۔ تم گُلاب کا پھول ہو!"
"اس سے آگے تو کچھ نہیں کہتا؟"
"میں اُس لنگور کے مُنہ سے یہ بات سُن کر جل جاتی ہوں۔ اپنے آپ سے گھن آنے لگتی ہے۔"

"جانور ہیں۔ سُندرتا سے اثر لینے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو اُس کی تعریف کرنی چاہئے موہنی! پھر بندر تو انسانی ارتقاء کا پہلا زینہ ہے۔"

موہنی ہنسنے لگی۔ نیلم عادت کے مطابق لجاتی رہی۔ وہ ستیش کے ساتھ اُچھل کر چلنے میں شرم کا شدید احساس اپنے شعور میں بھرا محسوس کر رہی تھی۔ اُسے اِسی طرح بس اسٹینڈ تک جانا تھا۔ وہ موہنی کی آڑ میں چل رہی تھی اور اُس کی تعریف سُن کر اپنے وجود سے نفرت کر رہی تھی۔ ستیش بابو نے اُسے دیکھ کر کہا ———

"ذرا ٹھہر جایئے آپ لوگ!"
موہنی اور نیلم حیرت سے سوچنے لگیں، دیکھیں کیا کہتے ہیں وہ؟
"آپ کسی کی شکایت کیوں نہیں کرتیں نیلم؟"
سوال میں بہت گہرائی تھی۔ بظاہر طنز بھی تھا۔
نیلم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُن میں غبار سا بھر گیا۔ وہ تعجب اور شرم کے مِلے جُلے احساس کے ساتھ ستیش کو دیکھتی رہی۔
"شاید آپ یہ کہنے میں جھجک محسوس کر رہی ہیں کہ آپ کو شکایت کرنے کا موقع ہی نہیں دیتا کوئی۔"

"یہی وجہ ہو سکتی ہے!" موہنی اترا کر بولی۔ "اب تک نیلم سے کسی نے نہیں کہا کہ تم بہت سُندر ہو! تمھاری آنکھوں سے شراب ٹپکتی ہے!" موہنی کے غرورِ حُسن کا آبگینہ چھلک پڑا۔ وہ پُر نگاہوں سے ستیش کو دیکھنے لگی جیسے اُس کے مُنہ سے کوئی نئی بات سُننا چاہتی ہو۔

"آپ گواہ رہئے موہنی دیوی! میں کہتا ہوں نیلم تم بہت دلفریب ہو! تمھاری ہر ادا حسین ہے! تمھارے انگ انگ میں خوبصورتی اور نزاکت ہے۔ تمھاری رفتار پر تو سچ مچ دل دھڑکنے لگتا ہے!"

موہنی کا مُنہ اُتر گیا۔ اُسے انتظار تھا کہ ستیش امرت لال کی جگہ لینے ہی والا ہے۔ لیکن اُس نے نیلم کے متعلق اظہارِ پسندیدگی کر کے موہنی کا غرور توڑ دیا!!

---

"بیسویں صدی" کو ہم نے کبھی اشتہاروں کا پلندہ نہیں بنایا۔ اِس میں ۴۲۰ اور بوگس قسم کے وہ اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے جن کا مقصد خریداروں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا ہوتا ہے۔



# غزلیں

## پروفیسر مہندر پرتاپ چاند ایم۔ اے

شیشۂ دِل سے کوئی یاد جو ٹکراتی ہے
میرے احساس پہ اِک برق چمک جاتی ہے

جو اندھیرے دل میں اُجالے کی کرن لاتی ہے
وُہ خوشی دِل پہ کئی تازہ ستم ڈھاتی ہے

گیسوؤں کو ترے چھُو کر جو ہوا آتی ہے
چند لمحات مسرّت کے چُرا لاتی ہے

نت نئے بھیس بدلتی ہے مگر سچ تو ہے یہ
زِندگی اپنے گناہوں کی سزا پاتی ہے

آرزُوِ صبحِ سکوں کی جو میں کرتا ہُوں کبھی
دَرد کی شام دبے پاؤں چلی آتی ہے

آئنہ اہلِ معائب کو دِکھانے والو
اِس میں تصویر تمہاری بھی نظر آتی ہے

کِس نے مہکا دیا ملے چاند گلستانِ خیال؟
کِس کی یادوں سے یہ خوشبوئے وفا آتی ہے؟

## ڈاکٹر فرید اقبال زبیری ایم۔ بی۔ بی۔ ایس

اپنے غم کا اثر دیکھتے رہ گئے
ہم تری چشمِ تر دیکھتے رہ گئے

میں بھٹکتا رہا اور مرے راہبر
جانے کیا سوچ کر دیکھتے رہ گئے

میری نظروں سے شکوے تھے اُن کو مگر
آئینہ دیکھ کر دیکھتے رہ گئے"

اُن کے آتے ہی بیمار اچھا ہوا
آج سب چارہ گر دیکھتے رہ گئے

ہائے وہ حشر بردوش رعنائیاں
ہم انہیں دیکھ کر دیکھتے رہ گئے

ہائے وہ وقتِ رخصت کہ ہم دیر تک
جانبِ رہ گذر دیکھتے رہ گئے

سب فریدؔ اُن کی محفل میں پیتے رہے
ہم تو اُن کی نظر دیکھتے رہ گئے

## کیف احمد صدیقی ایم۔ اے

دامنِ گُل ہے اور شبنم ہے
ہر مسرّت میں تلخیِ غم ہے

عشرتیں مجھ سے دُور دُور رہیں
ابھی مجھ پر نوازشِ غم ہے

ہر قدم پر گماں ہے منزل کا
جادۂ عشق کتنا مبہم ہے

کیوں نہ انسان پھر گناہ کرے
زِندگی جب گناہِ آدم ہے

اہلِ عیش و نشاط کیا جانیں
کتنا پُر لطف آپ کا غم ہے

موڑتا ہوں قدم قدم پہ قدم
عشق کی راہ کتنی پُر خم ہے

کیفؔ دُنیا میں کوئی شاد نہیں
چشمِ گُل میں بھی اشکِ شبنم ہے

## پروفیسر اختر نظمی ایم۔ اے، بی۔ ایڈ

وہ جو رشتہ ہے تری یاد سے کیسے ٹوٹے
جیتے جی ہم تو نہ اندوہِ وفا سے چھوٹے

ہو گئے لوگ مکانوں میں سرِ شام ہی بند
چاندنی رات خود اپنے ہی مزے کیا لوٹے

میں سمجھتا ہُوں چٹانوں پہ بڑا ظلم ہوا
ان پہ مَیں نے ہی بنائے تھے کبھی گُل بوٹے

یہ بھی ہو سکتا ہے، اِس طرح بھی سوچو نظمی
کسی پتھر پہ خراش آئے نہ شیشہ ٹوٹے

# پہیلی

مس نعیمہ جعفری ایم۔ اے

نیاز منزل، دودھ پور، علی گڑھ

مکرّم و محترم! عقیدتیں

اپنی تازہ ترین تخلیق لے کر آج پھر حاضر ہو رہی ہوں۔ خدا کرے افسانہ آپ کو پسند آجائے۔ دیکھنا یہ ہے کہ قارئین کو صوفیہ کے ساتھ زیادہ ہمدردی ہوتی ہے یا روبینہ کے ساتھ۔ کیونکہ ٹریجڈی دونوں کے ساتھ ہوئی ہے اور کبھی کبھی موت سے زیادہ زندگی المناک بن جاتی ہے۔ آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔ . .

طالبِ دعا

نعیمہ جعفری

یک بیک ہی صوفیہ کو احساس ہوا کہ فرسٹ کلاس کے اِس کمپارٹمنٹ میں وہ تنہا نہیں ہے، چار پانچ مسافر اور بھی ہیں۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے لیٹے لیٹے پرس کھولا اور آئینہ نکال کر لپ اسٹک درست کرنے لگی۔ پنکھے کی ہلکی ہلکی ہوا سے کچھ چھوٹے چھوٹے بھورے بال اُس کی پیشانی پر بکھر آئے تھے۔ لیکن اُس نے انھیں سنوارا نہیں۔ نائٹ لیمپ کی مدھم نیلی روشنی میں اُسے یہ بکھرے ہوئے بال زیادہ بھلے ہوئے۔ آئینہ پرس میں رکھتے ہوئے اُس نے دیکھا سامنے کی برتھ پر لیٹا ہوا مسافر اُسے بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔ نگاہیں ملیں تو دونوں ہی بے اختیار مسکرا پڑے۔ لیکن فوراً ہی صوفیہ نے اُس کی طرف سے کروٹ بدل لی۔ حالانکہ ہمسفر کی نظروں میں اُس نے بہت شائستگی محسوس کی تھی۔ لیکن اپنے حُسن کا اُسے کچھ زیادہ ہی احساس تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ پینتیس سال کی عمر میں بھی وہ اپنے حُسن کی ساحری اور لباس کی دلکشی کی بنا پر اپنی عمر سے دس سال کم معلوم ہوتی ہے۔

پھر اُس کی ذہنی رَو اپنے سفر کی جانب مڑ گئی۔ اُس کی منزل بمبئی تھا جہاں وہ اپنی چھوٹی بہن روبینہ کو ریسیو کرنے جا رہی تھی۔

روبینہ چار سال بعد کیلیفورنیا سے لَوٹ رہی تھی اور وہ بھی بحری راستہ سے۔ روبی کا خط اُس کے پرس میں محفوظ تھا جس میں اُس نے اپنی واپسی کے ساتھ ساتھ اپنی شادی کی اطلاع بھی دی تھی۔ اُس نے لکھا تھا ــــــ

" صوفی! ایک سال ہوا میں نے یہاں ایک ہندوستانی بزنس مین سے شادی کر لی ہے۔ تمھیں اطلاع اِس لئے نہیں دی تھی کہ تم نہ جانے کیا سوچو۔ اب جبکہ میں ہندوستان واپس آ رہی ہوں تو تمھیں بتانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ عارف بہت اچھے آدمی ہیں۔ تم اِن سے مِل کر بہت خوش ہو گی۔ ہم نے ایک دوسرے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے۔ شادی کے باوجود ہم دونوں آزاد ہیں۔ میرے پروگراموں میں وہ دخل نہیں دیتے اور اِن کی مصروفیات پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

میں Ship سے آؤں گی۔ تم جانتی ہی ہو کہ ہوائی سفر سے میرا بچپن کا خوف اب تک قائم ہے۔ اُمید ہے تم مجھے ریسیو کرنے بمبئی ضرور آؤ گی "

'تو آخر روبی نے شادی کر ہی لی!' اُس نے دل ہی دل میں سوچا۔

اچھا ہی ہُوا۔ وہ جواب تک کنواری بیٹھی ہے تو کون سا سُکھ اُٹھا رہی ہے۔ ذمّہ داریوں کا بوجھ، حالات کا مقابلہ اور پھر شماتت ہمسایہ۔ کیا اب تک کوئی ایسا آدمی نہیں مِلا جو میرے معیار پر پُورا اُترتا ہو۔ اُس نے اپنے دل کو کُریدا۔ نہیں!' دل نے کہا۔ اُس نے کبھی سنجیدگی سے اِس بارے میں سوچا ہی نہیں ورنہ دُنیا میں لڑکوں کی کمی تو نہ تھی اور پھر اُس جیسی قابل، حسین اور متموّل لڑکی کے لئے۔ نہ جانے کب اُس کی آنکھ لگ گئی۔ تمام وقت وہ خواب میں اُن مَردوں کو دیکھتی رہی جو اُس سے شادی کے خواہش مند تھے۔ پھر اسٹیشن کے شور سے اُس کی نیند ٹوٹ گئی۔ اُس نے دیکھا اُس کا ہمسفر چائے کے لئے آرڈر دے رہا تھا۔ اُسے بھی چائے کی خواہش محسوس ہوئی۔ اُسی وقت ہمسفر نے اُسے بیدار دیکھ کر نہایت مہذّب لہجے میں پُوچھا——

"کیا آپ چائے لینا پسند کریں گی؟"

"شُکریہ! لیکن آپ تکلیف نہ کریں۔ میں خود منگوا لوں گی۔"

ہمسفر نے جواب دیئے بغیر اُس کے لئے بھی چائے کا آرڈر دے دیا۔ چائے آنے تک خاموشی رہی۔ چائے سِپ کرتے ہوئے اُس نے پُوچھا——

"آپ دہلی جا رہی ہیں؟"

"جی ہاں۔ جانا تو بمبئی ہے۔ لیکن دہلی ہوتے ہوئے جاؤں گی۔"

"کیا دہلی میں قیام کیجیے گا؟"

"ارادہ تو نہیں ہے۔ کیا آپ دہلی میں رہتے ہیں؟"

"اجی اپنا تو جہاں برق چمکی وہیں آشیانہ ہے۔ ویسے میں پچھلے ہی ہفتے کناڈا سے لَوٹا ہوں۔ وہیں بزنس کرتا ہوں۔ بچپن میں ڈیڈی کے ساتھ گیا تھا۔ اب ڈیڈی نہیں رہے۔ لیکن میں وہیں رہ گیا۔" وہ مُسکرایا۔ "آپ نے اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں۔"

"میں ایک مقامی کالج میں پڑھاتی ہوں۔ ویسے یہ ملازمت پیشہ نہیں، محض شوق ہے۔ میرا ابھی اِس دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔ ایک بہن ہے۔ وہ بھی امریکہ میں۔ اب وہ آنے والی ہے۔ اُسی کو لینے میں بمبئی جا رہی ہوں۔"

اِس عرصہ میں ٹرین حرکت میں آگئی۔ چائے کا بِل ادا کرنے کے لئے دونوں نے پہل کرنا چاہی۔ آخر بِل ہمسفر ہی نے ادا کیا۔

"میں بھی کیسا احمق ہوں۔ دُنیا جہاں کی باتیں ہو گئیں اور نہ آپ کا نام پُوچھا نہ اپنا بتایا۔"

"مجھے شاہین کہتے ہیں۔" اُسے ہمیشہ سے اپنے نام کا دُوسرا حصّہ اچھا لگا کرتا تھا۔ کیا کیا جائے کہ گھر والوں نے اُسے شبنو کے بجائے صوفی بنا دیا تھا۔

"اور مجھے اختر!"

صوفیہ اختر کے اخلاق، اُس کی تہذیب، اُس کی شخصیت اور 'فورن ریلشن' (Foreign retion) کی چھاپ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ بے خیالی میں اُس نے اختر کا مقابلہ اپنے تمام شادی کے اُمیدواروں سے کر ڈالا۔ پروفیسر مجیب۔ اُونہہ! ساری زندگی کالج کی پروفیسری میں گُزر جائے گی۔ نہ کہیں گھُومنا نہ پھرنا۔ سیٹھ افضال۔ مانا کہ وہ بڑے تاجر ہیں۔ لیکن اُن کے ساتھ بھی بیرونِ ممالک جانے کا کوئی چانس نہیں ہے۔ اور وہ عرفان۔ بے چارہ معمولی سا پولیس انسپکٹر! اُن سب کے مقابلے میں اختر کی شخصیت اُسے سب سے زیادہ پُرکشش نظر آئی۔ اپنے خیالات کی پرواز پر وہ خود ہی شرما گئی۔ اُس کے رُخسار گُلابی ہو گئے۔ اختر بہت غور سے اُس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس کے اِس طرح خود بخود شرما جانے پر وہ مسکرا پڑا۔

صُبح ہونے والی تھی۔ صوفیہ تولیہ لے کر باتھ رُوم میں چلی گئی۔ نہ جانے کتنی دیر تک وہ خود کو سنوارتی رہی۔ شاخِ گُل کی طرح لچکتی جب باہر نکلی تو اُسے دیکھ کر اختر کو ایسا محسوس ہُوا وہ سراپا بہار بن گئی ہے۔ مجسّم شعر و نغمہ۔ ستاروں اور پھولوں کے رنگ و نُور کا پیکر۔ وہ ابھی اطمینان سے بیٹھ بھی نہ پائی تھی کہ اختر نے بغیر کسی تمہید کے سوال کیا——

"اگر آپ بُرا نہ مانیں تو... کیا آپ کی شادی ہو گئی ہے؟"

صوفیہ نے اپنے رُخساروں کی سُرخی کو خود بھی محسوس کیا۔

"جی نہیں۔" اُس کے ہونٹ اِس طرح لرزے جیسے گُلاب کی پنکھڑیوں میں بادِ نسیم سے ہلکا ہلکا ارتعاش ہو۔ اُس کی پیشانی پر ننھے ننھے قطرے اُبھر آئے، جن میں شبنم کی رعنائی تھی۔

"By the way۔ اگر میں آپ سے شادی کی درخواست کروں تو کیا آپ کو ناگوار گزرے گا؟"

وہ اِس سلسلے میں کافی دیر سوچتی رہی تھی لیکن پھر بھی اچانک

یہ سوال اُسے کچھ عجیب سا معلوم ہوا۔ ریل میں سفر کرنے والا ایک اجنبی ہمسفر جس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی۔ جس سے صرف چند گھنٹے پہلے متعارف ہوئی ہے، اِس سے شادی کی درخواست کر رہا ہے۔ پھر خود ہی اُس نے سوچا۔ اب وہ زمانے داستانِ پارینہ بن گئے جب مہینوں شادی کی بات چلا کرتی تھی، اور پھر تیرا بیٹھا ہی کون ہے جو چھان بین کرے گا۔ اِس سے اچھا موقع پھر نہ ملے گا صوفی! یہ آدمی ہر لحاظ سے اچھا معلوم ہوتا ہے اور آگے اپنی قسمت ہے۔ ساری زندگی تنہا رہ کر بھی تو زندگی نہیں گزر سکتی۔

ٹرین کی رفتار شاید منزل کے قریب پہنچ کر اور تیز ہو گئی تھی اور اپنی زندگی کی منزل بھی اتنے غیر متوقع طور پر اتنے قریب پا کر صوفیہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"کیا میرا Proposal آپ کو ناگوار گزرا ہے؟" اختر نے سکوت توڑا۔

"جی نہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اُس نے جھکی جھکی نگاہوں کے ساتھ آہستہ سے جواب دیا اور اُس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا فضا نکہت و نور میں ڈوبی جا رہی ہے۔

اختر کی آنکھوں میں مسرت کا احساس گھل سا گیا جو قطرہ قطرہ کر کے صوفیہ کے دل میں جا سمایا۔

"میرا خیال ہے ہم دہلی میں اُتر جائیں گے۔ یہیں پر شادی کی رسم ادا کریں گے اور پھر دو ایک دن قیام کے بعد آگے کا سفر شروع ہوگا۔"

صوفیہ خاموش رہی۔

"آپ کو بمبئی کب پہنچنا ہے؟"

"پچیس کو۔"

"گڈ! آج تو بیس ہی ہے۔ میرا خیال ہے ہمارے پاس کافی وقت ہے۔"

وہ کھوئی کھوئی سی بیٹھی رہی۔ ٹرین کے حادثے اُس نے بہت سُنے تھے۔ لیکن یہ حادثہ اپنی نوعیت کا سب سے انوکھا سب سے نرالا حادثہ تھا!

---

بمبئی وہ تنہا ہی پہنچی تھی۔ اختر کو دہلی میں ضروری کام نکل آیا تھا۔ ویسے اُس نے بہت جلد اُس کے پاس پہنچ جانے کا وعدہ کر لیا تھا۔

جس دن روبینہ کا جہاز بمبئی پہنچنے والا تھا، صوفیہ نے سُرخ ساری پہنی۔ یہ وہی ساری تھی جو اختر نے شادی کے تحفے کے طور پر دی تھی۔ جیسے روبی نے اُسے اچانک اپنی شادی کی اطلاع

# غزل

دلؔ ایوبی ٹونکی بی۔اے

ظلمت نہ چھٹ سکے تو نمودِ سحر سے کیا
تم ہی نظر نہ آؤ تو حاصل نظر سے کیا

ڈر جائیں گے کشاکشِ شام و سحر سے کیا
کچھ کم ہیں فیضیاب تمہاری نظر سے کیا

جولانگہِ جنوں کوئی صحرا ہو، دشت ہو
نکلیں گے حوصلے مرے دیوار و در سے کیا

آباد اک طلسم ہے ہر گام پر، مگر
اہلِ نظر کو حسنِ سرِ رہگذر سے کیا

واقف ہیں جو ادائے حجابِ جمال سے
ہوں گے وہ مطمئن نگہِ پردہ در سے کیا

وابستگانِ نقشِ کفِ پائے یار کو
کعبہ ہو، بتکدہ ہو، کسی سنگِ در سے کیا

آزادیاں نصیب نہیں ہیں تو ہم قفس!
ہوگا ہماری آرزوئے بال و پر سے کیا

اِک میرے آشیاں کے نہ ہونے سے باغباں
مل جائیگی اماں تجھے برق و شرر سے کیا

اے دلؔ اگر پیام ہو پیشِ نظر تو پھر
اہلِ ہنر کو واسطہ قدرِ ہنر سے کیا

دی تھی، اسی طرح وہ بھی روبی کو چونکا دینا چاہتی تھی۔ لیکن جہاز سے روبی کو تنہا اُترتے دیکھ کر اُسے حیرت بھی ہوئی اور مایوسی بھی۔ روبی اُسے دیکھتے ہی لپٹ گئی۔

"ہائے صوفی! سو سویٹ! سو چارمنگ۔ تم بھی رنگین کپڑے پہننے لگیں آخر؟"

"یہ بتا کر عارف نہیں آئے؟" اُس نے روبی کو اپنے سے الگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"عارف!" روبی نے قہقہہ لگایا۔ "میں نے تمھیں لکھا تھا نا صوفی! ہم دونوں نے ایک دوسرے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے۔ ایک دوسرے کے معاملات میں ہم دخل نہیں دیتے۔ میں نے Shiraz سے آنے کا پروگرام بنایا، انھوں نے پلین سے۔ میں سیدھی آ رہی ہوں اور وہ یورپ گھومتے ہوئے آئیں گے۔ نہ انھیں معلوم ہے کہ میں انڈیا کب پہنچ رہی ہوں اور نہ مجھے اُن کا پروگرام معلوم ہے۔"

"عجیب بات ہے۔ تمھارے میاں بھی تمھاری ہی طرح عجیب ہیں۔" فوراً ہی اُسے اپنی شادی یاد آ گئی جو عجیب تر حالات میں ہوئی تھی۔

ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے روبی نے شوخی سے پوچھا ——

"تم نے اپنی سُرخ ساری کا راز تو بتایا ہی نہیں؟"

"کوئی راز نہیں ہے روبی! بات اِتنی سی ہے کہ میں نے بھی شادی کر لی ہے!"

"ارے سچ؟" روبی اُچھل پڑی۔ "کب؟"

"پرسوں!" وہ سادگی سے بولی اور روبی نے اُسے اپنی بانہوں میں کس لیا۔

"ارے صوفی! تم تو بہت تیز نکلیں! یہ تو بتاؤ وہ کون ہیں، کہاں ہیں، کیسے ہیں؟"

"اِتنے بہت سے سوالات؟" وہ مُسکرائی۔ "دہلی میں ہیں۔ شاید کل ہی تم سے ملنے یہاں پہنچ جائیں۔ امریکہ میں رہتے ہیں اور بزنس کرتے ہیں۔ رہا سوال یہ کہ کیسے ہیں؟ تو سمجھ لے جسے تیری صوفی نے پسند کیا ہے وہ اچھے ہی ہوں گے۔" وہ شرما گئی اور روبی تو جیسے خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

جب وہ اطمینان سے بیٹھیں تو صوفیہ نے کہا۔ "روبی! تم تو اپنے بہنوئی کو کل ہی دیکھ لو گی۔ لیکن تمھارے عارف صاحب کا تو کچھ ٹھیک ہی نہیں ہے۔ پھر انھیں میں کیسے دیکھوں گی؟"

"تو کیا ہوا! میں تمھیں اُن کی تصویر دکھا سکتی ہوں۔" روبی نے جھپاک سے سُوٹ کیس کھولا اور پوسٹ کارڈ سائز کی ایک تصویر اُس کے سامنے ڈالتے ہوئے بولی۔ "لو۔ دیکھ لو!"

صوفیہ نے یونہی بے خیالی میں تصویر اُٹھالی۔ لیکن جیسے ہی اُس پر نظر پڑی اُسے ایسا محسوس ہُوا جیسے کائنات کی ہر شے گھوم رہی ہو! جیسے کمرے کا ماحول دھندلا گیا ہو، جیسے چمکتے ہوئے سورج کو کسی نے ہتھیلی سے ڈھانک دیا ہو!

عارف۔ اختر!

اختر۔ عارف!!

تصویر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ روبی گنگناتے ہوئے اُس کی طرف مُڑی اور ساری کی شکنیں دُرست کرتے ہوئے بولی ——

"کیوں کیا ہُوا؟ کیا پسند نہیں آئے؟؟"

"نن۔ کچھ نہیں روبی! کچھ نہیں بہن۔ بہت اچھے ہیں۔ بہت اچھے..."

"یہ تمھارا رنگ کیوں اُڑا اُڑا سا ہے صوفی؟" روبی گھبرا گئی۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ شاید سمندری آب و ہوا کا اثر ہے ——"

---

دُوسرے دن جب مسٹر اختر عارف دہلی سے بمبئی پہنچے تو روبی اُن کی ہندوستان میں موجودگی پر حیرت بھی ظاہر نہ کر سکی۔ کیونکہ اُس کی آنکھوں کو بہن کی لاش پر آنسو بہانے سے فرصت ہی کہاں تھی جس نے کل رات نہ جانے کیوں خواب آور گولیاں کھا کر خودکُشی کر لی تھی!!

---

# غزلیں

## پروفیسر مخمور حبالی سنبھلی ایم۔ اے علیگ۔ بی۔ ایڈ

مدت ہوئی نشتر مرے سینے میں اُتارے
بھولا نہیں دل آج بھی تیور وہ تمہارے

آنچل کا نہ گیسو کا نہ بانہوں کا سہارا
دیوانہ ترا زیست کے دن کیسے گزارے؟

دُنیا نے مجھے شعر کے آئینے میں دیکھا
جلووں نے تمہارے مرے افکار سنوارے

کچھ شمع کی لَو سے ہی اُجالا نہیں ہوتا
خاکسترِ دل سے بھی نکلتے ہیں شرارے

ہر شاعرِ خوش فکر کی تقدیر ہے اُلجھن
لفظوں میں بھرے رنگ کہ احساس نکھارے

آپ اپنے تصوّر سے جو شرمائے ہے مخمورؔ
اُس جانِ حیا کو کوئی شیشے میں اُتارے

## پروفیسر ڈاکٹر نرلیش ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی

یوں بھی ہم کو جستجو کی داد دلوائی گئی
آبلہ پائی ہمارا جُرم ٹھہرائی گئی

رفتہ رفتہ لوگ چُپ رہنے کے عادی ہو گئے
میری آشفتہ سری تسلیم فرمائی گئی

شامل اغیار بھی رکھے گئے ہم بزم میں
اور مشقِ ناز بھی ہم پہ ہی فرمائی گئی

ہائے اُس رندِ خرابِ حال کی مجبُوریاں
میکدے سے روز جس کی لاش اُٹھوائی گئی

ایک آہِ سرد بھر کر رہ گئے تیرے اسیر
تیلیاں چھُو کر قفس کی، جب بھی پرِوائی گئی

معجزہ یہ بھی دکھایا اُس کی چاہت نے نرلیشؔ
مجھ سے پہلے اُسکے در تک میری رسوائی گئی

## غلام محی الدین عباسی حبیبی قادری سائرؔ کٹکی

محفل میں جام و شیشہ کھنکنے بھی دیجئے
بادہ کشوں کو پی کے بہکنے بھی دیجئے

آنچل رُخِ حسیں سے سرکنے بھی دیجئے
بجلی سی میرے دل پہ چمکنے بھی دیجئے

احساسِ رنج و غم کو سسکنے بھی دیجئے
خوشیوں کے ساغروں کو چھلکنے بھی دیجئے

شاید اسی طرح کہیں دادِ جنُوں ملے
صحرا بہ صحرا مجھ کو بھٹکنے بھی دیجئے

پلکیں ذرا اُٹھایئے، نظریں مِلایئے
سینے میں میرے دل کو دھڑکنے بھی دیجئے

سائرؔ مخالفین بھی مانینگے ایک دن
کچھ اور میرے فن کو چمکنے بھی دیجئے

---

## احمد صدیقی الہ آبادی بی۔ اے

چند لمحے جو ترے ساتھ کبھی گذرے تھے
دل ابھی تک اُنھیں لمحوں کو صدا دیتا ہے

ہائے اُس شوخ کی مجھ پر یہ نئی مشقِ ستم
نام لکھتا ہے مرا اور مٹا دیتا ہے

بات ہی بات میں یہ روٹھنا مجھ سے تیرا
آتشِ شوق کو کچھ اور ہوا دیتا ہے

نزع میں دیکھ کے بیمارِ وفا کو اپنے
"چپکے چپکے کوئی پلکوں سے ہوا دیتا ہے"

افسانہ

# میرا آئینہ

عظیم اقبال ایم۔ اے

گنج ۱، بتیا (مغربی چمپارن)

محترم و مکرم! آداب و نیاز

"میرا آئینہ" اپنے اندر ایک کسک لئے ہوئے حاضر ہے۔ اُمید ہے پیش کش کی داد ملے گی، اور سنائیے دلّی کی کیا سرگرمیاں ہیں؟ نعروں سے تو ہم اوب چکے، اب ہمیں کارناموں کی ضرورت ہے ___! گجرات کی خونریزیاں بھی رنگ لا رہی ہیں۔ خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔

خلوص کیش

عظیم اقبال

★

روما اپنے ابروؤں لگے بالوں کو بہت دیر تک چمٹے سے نوچتی رہی۔ اندر کی جانب موٹی اور باہر کی طرف کھنچی اور تنی ہوئی پتلی قوسیں بن گئیں تو اُسے اپنی آنکھوں کا رُوپ کچھ بدلا ہُوا معلوم ہُوا۔

اب بھی اُس کی آنکھیں کچھ تھکی تھکی معلوم ہو رہی تھیں۔ برف کے پانی میں بھیگی پٹی آنکھوں پر لپیٹے رہی۔ اِس سے آنکھوں میں تازگی آگئی۔ حسبِ معمول گذشتہ شب بھی سونے سے پہلے پلکوں اور ابروؤں پر تھوڑا ناریل اور زیتون کا تیل لگا کر اُس نے سنوارا تھا۔ اِسی لئے پلکوں اور آنکھوں کے آس پاس کی جِلد مستحکم تھی۔ پلکوں کے روئیں گھنے اور ابرو چمکیلے تھے۔

ریٹھے، آنولے اور شکاکائی کی ہموزن مقداریں وہ رات میں بھگو دیتی۔ صُبح انھیں مَسل کر اُبالتی اور چھان کر اُس کے پانی سے سر دھوتی۔ اِس سے اُس کے بال کالے اور ملائم تھے۔

رات کو سوتے وقت تھوڑا سا تیل گرم کر کے ناف میں لگا لیتی اور ہونٹوں پر مَل لیتی۔ اِس سے اُس کے ہونٹ نرم تھے۔

صُبح اُٹھ کر لیموں کا پانی پیتی۔ قبض کی حالت میں اسبغول یا گُل قند کھا لیتی۔ پھلوں کا رس، ہری سبزیاں اور دودھ اُس کی جِلد کے لئے بہت سُود مند تھے۔ مُہاسوں کو دبا دبا کر نہ پھوڑتی۔ جب وہ اُبھر آتے تو اُنھیں بورک لوشن سے سینک دیتی۔ پھر رُوئی سے پونچھ دیتی۔ اِس کے بعد اُن پر صندل گِھس کر لگا دیتی۔ مُہاسے سُوکھ جاتے۔

مسور کی دال بھگو کر اُس میں گلاب کی پنکھڑیاں اور لونگ یا کافور اور زعفران کے کچھ ریشے ڈال کر پیس لیتی۔ اِس میں بالائی مِلا کر چہرے پر مَلتی۔

کبھی دو بڑے چمچے جَو کا آٹا، ایک چمچہ تیل اور تھوڑی سی ہلدی دہی میں مِلا کر اُبٹن تیار کر لیتی۔ اِس گاڑھے اُبٹن کو اُنگلیوں سے چہرہ پر گول گول مَلتی۔ بعد میں سُوکھ جانے پر دودھ لگا کر بتّیاں بنا کر نِکال دیتی۔

نہاتے وقت برش سے ہاتھ، پاؤں، ایڑیوں اور ناخنوں کو صاف کرتی۔ ناخنوں کو ہفتے میں دو بار کاٹتی اور اُن پر پابندی کے ساتھ تیل مَلتی۔ اِس سے وہ خوبصورت اور چمکیلے دکھائی دیتے۔

اُس کی آرائش کی میز پر ایک سرے سے آرائشی مصنوعات بکھری پڑی تھیں۔ نیپال کے راستے برآمد کی ہوئی جاپانی لپ اسٹک تھی، انگلستانی "مس گرا" امریکی "بلش آن" اور پھر ہندوستان کی مایۂ ناز

فرموں کی زیبائشِ حُسن کی دوسری اشیاء، خوشبویات بھی استعمال کرتی تھی۔ بغلوں کے پسینے کی بُو سے بچنے کے لئے "وُوڈو" اِسپرے کرتی۔

اُردو، ہندی اور انگریزی کے نسوانی رسائل خصوصاً فیشن اور معیارِ حُسن سے متعلّق مضامین اور مشوروں کے لئے پڑھتی اور بتائے گئے نئے تجربوں کو آزماتی۔ سارے نسخے جن کا ذِکر مِلتا وہ ذہن نشین ہی نہ کرلیتی، ضرورت کے وقت اُنھیں پرکھتی بھی تھی۔

ہاتھ، پاؤں، کمر کی ورزشیں کرلینے کے بعد اب یوگ آسنوں کی مشق کررہی تھی۔ آنکھیں بند کئے دیر دیر تک ریاضت کرتی رہتی۔

---

دبے قدموں آکر وجے روما کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔

روما آہستہ سُروں میں کوئی گیت گُنگُنا رہی تھی۔ شاید وجے کی سانسوں کی گرمی ہی تھی۔ روما چونک کر گھومی۔ ایک شوخ کِرن لپکی اور اُس کے چہرے کو گُلنار کرگئی۔

"کیا ہے؟"

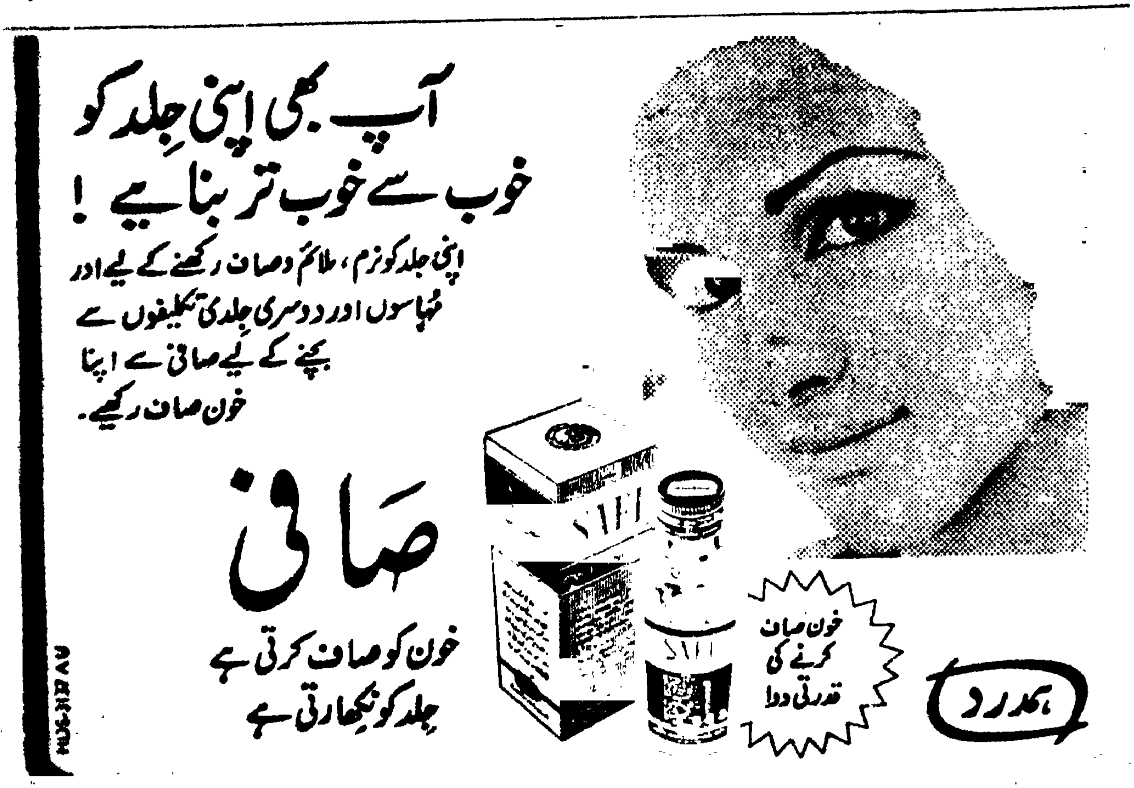
وجے نے ہونٹ چبائے۔

"کچھ نہیں!"

وجے نے چاہا روما کی پلکیں اُٹھیں۔ وہ اُس کی آنکھوں کی پھُولتی شفق دیکھ سکے۔ لیکن روما پلٹی، جانے لگی۔ وجے نے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ روما نے جھٹکا دیا۔ وجے کھسیانی ہنسی ہنسا۔ روما کے چہرے پر ناخوشگواری کے سائے تھے۔

سالوں سے وجے اُس کے پیچھے پیچھے بھاگتا رہا تھا۔ جتنی تیزی سے چل کر وہ منزل کے قریب پہنچنا چاہتا، اُس سے زیادہ تیز رفتاری سے روما آگے نکل جاتی۔ وہ ہاتھ مَلتا رہ جاتا۔ اب تو اُس کی سانسیں بھی چڑھ آتی تھیں۔ دل کی بات زبان تک لاتے لاتے وہ چھلاوے کی طرح نظروں سے اوجھل ہوجاتی۔ بھرے پُرے گھر میں ایک تو یوں بھی موقع نہ مِلتا اور جب کبھی گھڑی دو گھڑی کو تنہائی نصیب بھی ہوتی تو روما بھاگی پھرتی۔

روما اُس کے رُوبرو ہوتی تو وہ اُسے جی بھر کے دیکھتا۔ اپنی نِگاہوں سے اُس کا پیکر اپنے دل میں اُتارتا جاتا۔ اُسے بہت راحت مِلتی۔ روما پَیر کے انگوٹھوں سے زمین پر لکیریں کھینچتی۔ اُس کے چہرے پر



کئی رنگ آتے، چلے جاتے۔

آج بھی جو کچھ ہوا، معمول سے مختلف نہ تھا۔ روما نے پھر قدم بڑھائے تو وجے فرمانبردار بچے کی طرح ایک طرف ہٹ گیا۔ دوپٹے کے سرے سنبھالتی ہوئی روما آگے بڑھ گئی۔

طوطے کے پنجرے کے پاس کھڑی اُس سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہی۔ جیسے ہی اپنی اُنگلیاں وہ پنجرے کے قریب لاتی، مٹھو میاں چونچ مارنے کی کوشش کرتے۔ وہ ہاتھ کھینچ لیتی، کھلکھلا پڑتی۔ پیروں کو ٹھہرا ٹھہرا کر طوطا بیچ کی سلاخ پر جا بیٹھا، ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ روما نے اُسے انگوٹھا دکھایا۔

سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی چھت پر آئی۔ آسمان پر کہیں کہیں چیل کوّے اُڑ رہے تھے۔ کئی رنگوں کی پتنگیں بھی اُڑ رہی تھیں۔ پتنگ بازی دیکھ کر روما خوب خوب مزے لیتی۔ کٹی ہوئی پتنگیں اُس کی چھت سے ہو کر پرواز کرتیں تو اُن کی ڈور کھینچ کر انھیں پکڑ لینے کی کوشش کرتی۔

شام کی دھندلاہٹیں جب گہری ہوتی گئیں اور آکاش پر تارے جھلمل کرنے لگے تو نیچے آئی، غسل کیا، تھوڑی دیر اسٹڈی کرنے کے بعد ریڈیو پر اپنا پسندیدہ پروگرام سنتی رہی۔ پھر ممّی سے کروشیا پر ٹیبل کلاتھ کی نئی پیٹرن سیکھتی رہی۔ رونو سے لوڈو میں ہار گئی۔ بال کھول کر کنگھا کیا۔ چوٹی گوندھی۔ بستر میں پھیل کر کومکس پڑھتی رہی۔

روشنی جب آنکھوں میں چبھنے لگی تو ٹیوب لائٹ بجھا کر زیرو جلا دیا۔ کروٹیں بدل بدل کر جب تھوڑی غنودگی چھانے لگی تو یکایک ذہن کے کسی تہہ دار خانے سے وجے کی صورت اُبھر کر سامنے آگئی۔ روما کے ہونٹوں پر ایک تبسّم جھلملانے لگا۔

---

صبح اُٹھ کر سب سے پہلے نیک شگون کے طور پر اُس نے اپنی ہتھیلیاں دیکھیں، پھر آئینے پر نظر کی۔ اُس کی آنکھیں چھوٹی تھیں۔ دہانہ سکڑا ہوا تھا، دانت اُوبڑ کھابڑ تھے، گالوں پر سپیدی کم تھی، سیاہی زیادہ تھی۔ چوٹیاں کھولیں تو اپنے بالوں کو دیکھ کر جھنجھلا گئی۔ پہلے کی بہ نسبت اب تو کنگھے میں ٹوٹے ہوئے بالوں کی گنتی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

برش کر لینے کے بعد واش بیسن پر جھکی ہوئی چہرے پر ٹھنڈے

# غزل

**قمر عثمانی**

کتنے بے چین تھے کتنے بیتاب تھے نالہ ہائے شبِ غم اثر کے لئے
اُن کا دامانِ لُطف و کرم مل گیا اور کیا چاہیئے چشمِ تر کے لئے

زندگی کا سفر کتنا بے کیف تھا راستے کتنے سنسان ویران تھے
آپ کے غم کی سوغات کام آگئی ہم سفر مل گیا اِک سفر کے لئے

آپ کی بیوفائی کا شکوہ ہی کیا۔ آپنے جو کیا حسبِ حالات تھا
یہ نوازش بھی کچھ کم نہیں آپ کی اِک خلش مل گئی عمر بھر کے لئے

ہم سے کیا ہو سکا عشق کی راہ میں دل مگر کچھ نہ کچھ مطمئن ہو گیا
لوگ سجدوں کی حد سے نہ آگے بڑھے ہم نے سر دیدیا سنگِ در کے لئے

حرفِ شکوہ نہ آیا زباں پر کبھی رفتہ رفتہ تمنّا کو نیند آگئی
زندگی شامِ غم کی طرح کاٹ دی ہم نے صرف آپ کی اِک نظر کے لئے

کوئی عالم رہا کوئی حالت رہی رہنے والے رہے جستجو میں تری
تیرا نقشِ کفِ پا نہ جب مل سکا ہم نے بوسے تری رہ گذر کے لئے

یہ بھی تاریخِ گلشن میں دیکھا قمرؔ ہم نے صیّاد کے دورِ بیداد میں
جانے کتنے قفس خود بخود جل اُٹھے جب کوئی رو دیا بال و پر کے لئے

پانی کے چھینٹے مار رہی تھی کہ وجے آگیا۔ ٹک ٹک کھڑا ہوا اُس پر نگاہیں جمائے رہا۔ روما پر کوئی ردِ عمل نہ تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے اُسے دیکھا ہی نہ ہو۔

پانی میں لوٹتے ہوئے اُس کے دوپٹے کے سرے کو وجے نے روما کے کندھوں پر سجا دیا۔ روما نے تولیہ میں اپنا چہرہ خشک کیا۔ وجے نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ——

"صُبح سویرے ایسے ہی نکھر آئی ہو جیسے کسی سرسبز و شاداب ڈالی پر کوئی گُلاب کھِلا ہو !"

روما تِلملا کر بول اُٹھی۔

"جھُوٹ ! جھُوٹ ! بالکل جھُوٹ !!"

اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔

وجے نے اُسے کندھوں سے پکڑ کر نرمی سے پُوچھا ——

"کون کہتا ہے کہ یہ سب جھُوٹ ہے ؟"

اُس کی آواز جذبات میں ڈُوبی ہوئی تھی۔

"میرا آئینہ !"

اُس کے چہرے پر تناؤ آگیا تھا۔

کچن سے ممّی نے وجے کو پُکار کر کہا۔ سُنیل کے کمرے میں اُس کی چائے بھیج دی گئی ہے۔

---

**صحت و زندگی** اِس مفید کتاب کا مطالعہ آپ کے لئے اِتنا مفید ہوگا کہ آپ اِسے خود پڑھنے کے بعد اپنے دوستوں اور عزیزوں کو پڑھنے کی ہدایت کریں گے۔ انسانی جسم کے پیچیدہ سے پیچیدہ اور پوشیدہ سے پوشیدہ امراض کو بلا دوا دُور کرنے کے ایسے آسان طریقے، تدابیر اور علاج درج کئے گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے آپ بہت سی بیماریوں سے عُمر بھر کے لئے نجات حاصِل کر سکتے ہیں جن کا جاننا ہر انسان کے لئے ضروری ہے۔ قیمت تین رُوپے۔ محصولڈاک علاوہ۔

**ایک عورت ہزار دیوانے** جنابِ کرشن چندر کا غیر فانی شاہکار ناول جس میں جادُو نگار و سحر طراز فنکار نے فن کی ساری بلندیوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ یہ بے مثل ناول شاخِ گُل کی سی نازک اور پتھر سی سخت ایک حسین خانہ بدوش لڑکی کی ایسی کہانی ہے جس میں پھُول بھی ہیں اور انگارے بھی، شعلے بھی ہیں اور شبنم بھی۔ قیمت تین رُوپے پچاس پیسے۔ محصولڈاک علاوہ۔

**آج کی بات** آپ کے محبوب افسانہ نگار جنابِ جگدیش بِمل کے دلچسپ، بلندپایہ، رُومان پرور افسانوں کا حسین مجموعہ۔ آپ اِن میں بھرے ہوئے قہقہوں کو اپنے قہقہے، اِن میں سِسکتی ہوئی آہوں کو اپنی آہیں اور اِن کے کرداروں کی پلکوں پر لرزتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے آنسو سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ قیمت فی جِلد صرف دو رُوپے۔ محصولڈاک علاوہ۔

پتہ :۔ رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

# غزلیں

## سیّد قسیم الحق گیاوی

تڑپوں تمام دن کہ فغاں رات بھر کروں
تو ہی بتا کہ ہجر میں کیسے بسر کروں

مجبور زندگی بھی ہے مجبور میں بھی ہوں
کیسے میں زندگی کو بھلا مختصر کروں

آنکھیں ہیں تر لبوں پہ دعا ہے اُٹھے ہیں ہاتھ
کہئے تو اور کیسے تلاشِ اثر کروں

نشتر لگانے والوں کی کرنی ہے دلدہی
لازم نہیں کہ چارۂ زخمِ جگر کروں

آئینہ دارِ دل ہیں دُرِ شاہوار ہیں
اِن آنسوؤں کی قدر نہ کیوں عمر بھر کروں

راہِ حیات آج ہے پیچیدہ تر قسیم
پھر بھی یہ لازمی ہے کہ عزمِ سفر کروں

## سیّد محمد جعفری سیّد امروہوی

کیا سرو قدی، سیم تنی، گل بدنی ہے
صدقے لبِ لعلیں پہ عقیقِ یمنی ہے

زلفوں کے خم و پیچ کمندِ دلِ جاں ہیں
یہ جنبشِ ابرو ہے کہ ناوک فگنی ہے

چہرہ ہے دمکتا ہوا خورشیدِ سحر تاب
تابندہ جبیں چاند کی تصویر بنی ہے

شاعر کا تخیّل ہے بعنوانِ تغزّل
تو حافظ و خیّام کی رنگیں سخنی ہے

اب حسن کے طالب وہ کہاں رہ گئے سیّد
موسیٰ ہے، نہ وہ طور، نہ ربِّ ارنی ہے

## اخلاق فتح پوری

کیوں ہے اِسقدر وحشت ہم شکستہ حالوں سے
کاش پوچھتا کوئی شہر کے غزالوں سے

صبح نے چُرایا تھا رنگ تیرے عارض کا
مانگ لائی ہے خوشبو رات تیرے بالوں سے

دوستی کے پردے میں دشمنی کے ہنگامے
زہر ہی پیا ہم نے شہد کے پیالوں سے

بجھ گئے اچانک ہی سب چراغ آنکھوں کے
یا چلا گیا کوئی روٹھ کر خیالوں سے

بوئے پیرہن بھی ہے دردِ دل کی لذت بھی
کامیاب آئے ہیں مل کے خوش جمالوں سے

لفظ لفظ میں اخلاق کتنے دل دھڑکتے ہیں
پوچھ میری غزلوں کو میرے ہم خیالوں سے

## انتظار

اُن کے وعدے کبھی نہ ہوں گے وفا
اے دلِ زار! انتظار نہ کر
اُن کی باتوں کا اعتبار ہی کیا؟
اُن کی باتوں کا اعتبار نہ کر

## ہجر کی رات

صُبح ہوتی نظر نہیں آتی
اِس قدر ہے طویل ہجر کی رات
ہر نفس پر گماں گزرتا ہے
گُل ہوئی جا رہی ہے شمعِ حیات

منصور بن قیس


حسن جو چاند کو شرمائے
Jai
BEAUTY SOAP
جے کا نرم نرم سہانا جھاگ آپکی جلد کو پھول کی طرح نازک اور خوبصورت رکھتا ہے۔ اس کی بھینی بھینی چنبیلی کے پھولوں میں بسی خوشبو آپکو دیر تک شاداب رکھتی ہے
ہر روز جے صابن سے نہائیے سندرتا اور خوبصورتی میں ڈوب ڈوب جائیے
ٹاٹا کا بنایا ہوا

# کروٹ

ایس۔ ایم۔ عبّاس رضوی بی۔ اے، ایل ایل۔ بی ایڈوکیٹ
موضع و ڈاک خانہ مانی کلاں، ضلع جون پور (یو۔ پی)

سزاوار ادب واحترام خوشتر صاحب! تسلیمات وعقیدتیں۔

"رفعت" جنہوں نے ایک بار لکھا تھا ——— "بیسویں صدی" کو سبھی جانتے ہیں اور خوشتر گرامی کو بھی۔ نہ "بیسویں صدی" سے خوشتر گرامی کو الگ کیا جا سکتا ہے اور نہ خوشتر گرامی کو "بیسویں صدی" سے۔ یہ دونوں مل کر ایک ایسا اسکول بن گئے ہیں جہاں سے بے شمار فنکاروں نے استفادہ حاصل کیا، نام کمایا اور شہرت پائی ——— اور میں بھی ان باتوں پر ایمان لا رہا ہوں۔ "افسانہ نمبر" و "سالنامہ" میں میری تخلیقات کو شائع ہوئے عرصہ ہو رہا ہے۔ لیکن ابھی تک اس سلسلے میں قارئین کے بہت ہی پیارے اور پرخلوص خطوط ملتے رہتے ہیں ——— حال ہی میں کانپور کے ایک بھائی نے مجھے لکھا ہے کہ "آپ کی کہانی "دائرے" کو اب تک دس بار سے زیادہ پڑھ چکا ہوں۔ لیکن اب بھی تشنگی باقی ہے۔ آپ کی جملہ تخلیقات کو "بیسویں صدی" سے تراش کر یکجا کر لیا ہے اور ہر نئے شمارے کو بہت ہی اشتیاق سے اٹھا کر آپ کا نام تلاش کرتا ہوں اور نہ ملنے پر اداس ہو جاتا ہوں ——— میرے عزیز و محترم بزرگ! جہاں ان تمام بھائیوں بہنوں کا شکریہ ادا کرنا فرض سمجھتا ہوں، سمجھ میں نہیں آتا آپ کا کتنا شکریہ ادا کروں اور کیسے ——— ۶۹ "امید وبیم" کے بعد کا وقفہ کچھ طویل ہو گیا ہے۔ "الیکشن" نے ذرا مہلت دی اور میں "کروٹ" لے کر حاضر خدمت ہوں۔ انسان کیا ہے! ایک عجوبہ۔ ایک سمجھ میں نہ آنے والی پہیلی۔ ہمارے خیالات، ہمارے جذبات، واحساسات کیسے کیسے روپ دھارتے ہیں۔ ہمیں کتنا بدل دیتے ہیں۔ محبت بھی تو ایک جذبہ ہی ہے نا۔ لیکن کتنا فتنہ انگیز! کسی کا شعر ہے ؎

ہلکے ہلکے غم دل سے پھوٹے کرن ۔۔۔ دھیمے دھیمے چراغِ محبت جلے

اور دیکھئے میں یہ تصویر پیش کرنے میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں ——— اور بس!

خیر طلب
ایس۔ ایم۔ عبّاس

"زندگی کی قدریں،
"انسانیت کے طور وطریقے،
"حیات کے تقاضے،
"خاندانی روایات،
انسان اپنے ساتھ نہ جانے کتنا بوجھ لئے پیدا ہوا ہے!" ثمینہ باجی نہایت سنجیدگی سے بولتی رہیں اور میں ان کا منہ تکتا رہا۔

# یاد

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ ——— غالب

میرے قابو میں نہ پہروں دلِ ناشاد آیا
وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا ——— داغ

وہ پیار وہ اخلاص وہ وعدے وہ دلاسے
کیا کیا نہ کہا تھا مجھے کیجے تو ذرا یاد ——— صفی

خود فراموش ہوں میں عشق فراموش نہیں
بھولتا تجھ کو تو کہتا تری یاد آئی ہے ——— شوق

گذاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں
اُنہی کی یاد میری زندگی ہے! ——— عندلیب شادانی

مرسلہ:- عصمی متین حیدر آباد۔ اے۔ پی

"زندگی کی صحیح قدروں کا احترام'
'اعلیٰ اقدار کی پاسبانی'
'اخلاقی تقاضوں کی جستجو'
'اپنی روایات کا لحاظ'
زندگی کا فرضِ اوّلین ہے اور حیات کی اصل بھی"

ثمینہ باجی نے اپنا طویل جملہ ختم کرکے ایک فلسفیانہ نظر مجھ پر ڈالی اور میری نگاہ خود بخود جھک گئی۔

'زندگی کی صحیح راہوں کا تعین'
'حیات کے طور وطریقے پر حقیقی گامزنی"
'روایات کی قدر شناسی'
انسان کے لئے بہت کچھ نہیں بلکہ سب کچھ ہے۔

ثمینہ باجی اُٹھ کر چلی گئیں۔ لیکن میں خاموش بیٹھا سوچتا رہ گیا۔
یہ نے کون سی چیز ہے اُنھیں رحمٰن چچا سے۔

ثمینہ باجی کی عمر ہوگی پندرہ سولہ سال۔
دُبلا، پتلا لانبا چھریرا بدن، متناسب جسم۔ گورا چٹا رنگ۔ اونچی پیشانی، لانبے لانبے سیاہ ملائم ریشم جیسے چمکدار بال، نازک نازک ہونٹ، سُرخی وسپیدی میں لپٹے ہوئے رخسار جن کی سُرخی کبھی کبھی اور بھی گہری ہوجاتی ہے۔ خوبصورت خوبصورت ہاتھ پیر، نازک نازک اُنگلیاں اور اسی کے ساتھ ان کی شیریں، نرم ونازک آواز، اپنی چھوٹی سی عمر میں بھی مجھے ثمینہ باجی بہت اچھی لگتیں

لیکن ثمینہ باجی جہاں اپنے حُسن کے لئے بے نظیر تھیں وہیں اپنی سادگی کے لئے بھی بے مثال تھیں۔

کبھی سفید شلوار، سفید جمپر اور ہلکے گلابی رنگ کا معمولی سا دوپٹہ۔ کبھی ہلکے آسمانی رنگ کا سوٹ اور سفید جالی دار دوپٹہ۔ کبھی ہلکا پیازی رنگ کا کُرتہ پائجامہ اور اُسی رنگ کا دوپٹہ۔ کبھی معمولی ہلکی پرنٹ کا پائجامہ کُرتہ اور ویسا ہی ہلکا پھول دار دوپٹہ۔

جُوتہ، چپل میں بھی ثمینہ باجی کی پسند بالکل نرالی تھی۔ سادہ سا چپل، ہلکا سا جُوتہ، سینڈل کبھی دیکھی تو وہ بھی ہلکے رنگ۔ اور معمولی اسٹائل کی۔

نہ جانے کس فلسفی کی رُوح کا ثمینہ باجی پر سایہ پڑ گیا تھا کہ اُن کی ہر بات فلاسفروں جیسی ہوتی۔

"حُسن تو سلیقہ کا نام ہے، جہاں سلیقہ ہوگا حُسن خود بخود آجائے گا"

"خوبصورتی کو زیبائش کی ضرورت نہیں۔ ہم سادگی ہی میں حقیقی حُسن کو دیکھ سکتے ہیں"

"حُسن تو خود ہی نمایاں ہوجاتا ہے۔ اُسے ظاہر کرنے کے لئے سہارا نہ چاہیئے۔ جہاں حقیقت کم ہوگی وہاں بناوٹ اور مصنوعی پن زیادہ ہوگا"

ثمینہ باجی بے تکان بولتی چلی جاتیں اور میں سمجھ جاتا کہ وہ رحمٰن چچا پر چھینٹے اُڑا رہی ہیں۔

ثمینہ باجی کے کپڑوں میں کوئی نفاست تھی نہ جُوتہ اور چپل میں، نہ تکیہ اور بستر میں، میں نے اُن کے اندر نفاست دیکھی، نہ کبھی اسنو پاؤڈر، کریم اور نیل پالش کو میں نے اُن کے پاس دیکھا۔ زیور سے تو اُنھیں جیسے دُور کا واسطہ نہ ہو۔ کپڑوں کے نئے ڈیزائن، اُن کی نئی تراشش، نئے انداز اور نئی اسٹائل کی باتیں بھی اُنھیں کبھی پسند نہ آئیں۔ نئے طور وطریقے اور فیشن پرستی سے اُنھیں دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

بس سادگی، خوش سلیقگی کا وعظ ثمینہ باجی ہمیشہ سنایا کرتیں۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے انھیں سادگی اور خوش سلیقگی کا خیال رہتا۔ ملنے جلنے کی بھی اُن کی خاص ادا تھی۔ بات کرنے کا اپنا ایک الگ انداز تھا۔

"تلخ سے تلخ بات اگر ڈھنگ سے کی جائے تو وہ بھی اچھی لگتی ہے" ثمینہ باجی کہتیں اور واقعی مجھے اُن کا سلیقہ اچھا لگتا۔ لیکن جہاں اُن کا سلیقہ اچھا لگتا وہیں اُن کی سادگی مجھے بری طرح کھلتی۔ اور میں کبھی کبھی سوچتا ثمینہ باجی اِس بیسویں صدی میں کیوں پیدا ہوئیں؟

---

رحمان چچا، ثمینہ باجی سے دو چار سال بڑے ہوں گے۔ گورا رنگ۔ لانبا قد، گداز بدن، چوڑا چکلا سینہ، سیاہ گھنگھرالے بال، روشن آنکھیں، مسکراتی ہوئی صورت، ہر وقت ہشاش بشاش۔ نہایت ہی زندہ دل۔ بات بات میں ہنسی مذاق، قہقہہ۔

اپنے مذاق کے مطابق رحمان چچا کی پسند بھی تھی۔

کبھی ہرے، کبھی نیلے، کبھی پیلے شوخ رنگ کی تنگ مہری کی پتلون، اُسی پر میچ کرتا ہوا بیل بوٹے دار کم نیچا کُرتہ کبھی گہرے نیلے، پیلے یا سُرخ رنگ کا بیل بوٹم اور اُسی سے میچ کرتی ہوئی پھولدار بڑے کالر کی شرٹ یا کبھی دھاری دار موٹے کپڑے کی بیل بوٹم اور اُسی قسم کی بڑے بڑے کالر کی شرٹ۔ پھر اُس پر اُسی کپڑے کی واسکٹ۔

ملبوسات کی اسٹائل کے لحاظ سے چچا کے بالوں کی اسٹائل بھی نرالی تھی۔ سر کے پیچھے کے بالوں کو اُنھوں نے قطعی آزاد چھوڑ رکھا تھا۔ کانوں کے خط نصف رخسار کے نیچے تک بڑھے ہوئے تھے اور مونچھیں لبوں سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی سفید پھولدار کُرتہ اور بیل بوٹم پہن کر وہ سیاہ دانوں کی ایک مالا بھی زیبِ گلو کئے رہتے۔

چچا اپنا نت نیا روپ بدلا کرتے۔ نئے نئے طرز و انداز، نئی نئی ادائیں۔ کبھی کبھی تو اُن کا حلیہ دیکھ کر مجھے بھی عجیب سا معلوم ہوتا۔ لیکن میرے لئے جیسی ثمینہ باجی ویسے ہی چچا رحمان۔ دونوں ہی عزیز۔ دونوں ہی سے چھوٹا تھا۔ کبھی کسی بات کے لئے زبان کھولنے کی جُرأت کیسے کر سکتا۔ لیکن مجھے اکثر محسوس ہوتا ثمینہ باجی کو رحمان چچا پھوٹی آنکھ نہ بھاتے۔ اُن کی چال ڈھال دیکھ دیکھ کر وہ کُڑھتی اور جلتی رہتیں۔

میں اکثر سوچتا باجی کو چچا سے آخر کیوں اِتنی جلن ہے محض للّٰہی بُغض، جیسے وہ چچا کے سائے سے بھی بچنا چاہتی ہوں ——— چچا جوں ہی کمرہ میں قدم رکھتے وہ اُٹھنے لگتیں۔ چچا جوں ہی اُن کی طرف بڑھتے وہ کسی اور طرف بڑھ جاتیں۔ وہ جب باجی سے مخاطب ہوتے باجی کسی کام میں مصروف ہو جاتیں۔

"یہ کیا ہر وقت ہی ہی ٹھی ٹھی؟" باجی چیں بر جبیں ہو کر کہتیں۔

"اوہ۔ ساری فلاسفر صاحبہ!" اور چچا ایک پُرزور قہقہہ لگاتے۔

"ہٹئے! مجھے نہیں اچھی لگتیں یہ باتیں!" باجی خجل ہو کر کہتیں۔

"واہ! مجھے تو بہت اچھی لگتی ہیں آپ . . ."

"خاموش!" باجی پیر پٹکتے ہوئے بولتیں اور چچا پھر پُرزور قہقہہ لگاتے۔

---

## دِل

معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدّعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم ——— حسرت موہانی

خیالِ وصل کو اب آرزو جھولے جھُلاتی ہے
قریب آ آ دلِ مایوس کے پھر دور ہو جانا ——— شاد عظیم آبادی

مجھے جس دم خیال نرگسِ مستانہ آتا ہے
بڑی مشکل سے قابو میں دلِ دیوانہ آتا ہے ——— نامعلوم

دل کو تیری یاد کر کے بیٹھا ہوں
کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے ——— جگر

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا ——— غالبؔ

مرسلہ:- نور عالم اندرواں بیرم گوپال گنج

شب و روز گزرتے رہے۔ دن، مہینے اور مہینے سال بن گئے۔

میں ڈپلوما کورس کرنے علی گڑھ چلا گیا۔ تقریباً سال ڈیڑھ سال بعد لوٹا تو باجی کی حالت دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ اس درمیان میں بدلتے ہوئے موسم کی طرح وہ بھی بالکل بدل گئی تھیں۔ سادگی کی تصویر، خوش سلیقگی کا مجسمہ، آرائش و زیبائش کا پیکر بن گئی تھیں۔ ہر سمت نئے انداز کا سماں۔ عجیب قسم کا جلوہ نظر آنے لگا۔ شمینہ باجی اب خشک واعظ نہیں رہ گئی تھیں۔ اُن کے اوپر اب جیسے رنگ و نور کی بارش سی ہونے لگی ہو۔ اُن کی رگ و پے میں جیسے نیا پن سما گیا ہو۔ نئے طرز کے پرنٹ، نئے انداز کی کاٹ چھانٹ۔ فیشن ایبل ملبوسات۔ نئے فیشن کے جوتے اور چپل۔ باجی کے گرد فیشن دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے مجھے محسوس ہوا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔

یہی نہیں، باجی کو نئے انداز سے بال سنوارنے کا بھی شوق پیدا ہوگیا تھا۔ معمولی ڈھنگ سے کنگھا کر لینے والی باجی اب بہت محنت سے بال سنوارتیں۔ دونوں کان بالوں سے ڈھکتیں۔ پھر بالوں کو کئی طرح سے توڑ کر لہریں پیدا کرتیں۔ اُن میں کانٹے لگاتیں۔ بہت ڈھیلی سی چوٹی بناتیں، چوٹی کے آخری سرے پر بالوں کا ایک گچھا بنا کر چھوڑ دیتیں اور کبھی کبھی بالوں میں بیلے کے اُجلے اُجلے پھول بھی لگا لیتیں۔

بالوں کی تزئین کے ساتھ ہی ساتھ باجی غازہ و پوڈر، شمپو و کریم، کاجل اور سُرمہ سے بھی لگاؤ ہوگیا تھا۔ اِن ساری چیزوں کو بیکار اور بے مصرف بتانے والی باجی اب اپنے بالوں کو خوشبودار شمپوؤں سے دُھلا کرتیں۔ صاف شفّاف چہرے پر بھی جب وہ غازہ و پوڈر کی تہہ جما کر، چمکتی ہوئی خوبصورت آنکھوں میں کاجل کی مہین دھاری ڈال کر اور بے پروائی کے ساتھ شانوں پر دوپٹّہ ڈال کر جب وہ اپنے کمرہ سے نکلتیں تو اُن کی پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہ جاتی تھی۔

چچا رحمان کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی تھی۔ البتہ اب انھوں نے سروس کر لی تھی۔ کچھ ڈھنگ کے سُوٹ سلوا لئے تھے۔ کسی قدر سنجیدہ ہوگئے تھے اور باجی کے یہاں بھی انھوں نے آمد و رفت کم کر دی تھی۔ لیکن جوں ہی وہ گھر کے اندر آتے باجی گُلنار ہو جاتیں۔ پھر گھر میں دو ملے جُلے قہقہے بکھرنے لگتے۔ بہت سلیقے سے وہ چچا کے پاس پہنچتیں تو اُن کے چہرہ پر سُرخی کی ایک مزید تہہ سی جم جاتی۔

---

بہت دنوں تک میں باجی کے یہاں نہ جا سکا۔

اس اثنا میں یہ خبر ملی کہ باجی کے لئے چچا کے یہاں سے پیغام آیا تھا۔ چچا جان کے گھر والوں نے کافی کوشش بھی کی۔ لیکن باجی کے والدین کو یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ میں نے سوچا — ٹھیک ہی ہے، باجی کو بھی تو یہ پسند نہ ہوگا۔ انھیں تو رحمان کے طور طریقے کبھی پسند نہ رہے، وہ ہمیشہ ہی چچا کی باتوں سے بیزار سی رہتیں۔ آخر یہ رشتہ کیسے ممکن ہے۔ ایک عرش پر، دوسرا فرش پر۔ دونوں کی راہیں الگ، سمتیں جُدا۔ میں بہت دیر تک نہ جانے کیا کیا سوچتا رہ گیا۔

اتفاقاً اُنھیں دنوں باجی کے یہاں جانے کا موقع مل گیا۔

باجی کا رشتہ ہی اُن دنوں گھر کا ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا تھا۔

شمینہ باجی کے یہاں سے صاف جواب مل جانے کے باعث اب چچا اور اُن کے گھر والوں کا باجی کے گھر آنا جانا بالکل بند سا ہوگیا تھا۔ لیکن

اب بھی کوئی کوئی یہ کہہ دیتا کہ حرج ہی کیا ہے۔ آپس کی لڑکی آپس کا لڑکا، اور ممانی جان کا جیسے چہرہ اُتر جاتا "بھئی! پسند اپنی اپنی۔۔" ہم لوگوں کو اِس طرح کے طور طریقے کبھی پسند نہیں۔۔۔ پھر ہمیں اپنی بچّی کے آئیڈیل کا بھی تو لحاظ رکھنا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ بول کر خاموش ہو جاتیں۔

اُنھیں دنوں باجی کے لئے کئی اور پیغام آئے۔ بڑے لوگوں کے یہاں سے۔ متوسّط گھرانوں سے۔ پڑھے لکھے خاندانوں سے اور ایک دن میں نے سُنا کہ باجی کی بات طے ہو گئی! کوئی صاحب ہیں بہت سیدھے سادے، منکسر مزاج اور باشعور ہیں، باجی کی طرح اُنھیں بھی سلیقہ پسند ہے اور طبعاً بے حد شریف اور سنجیدہ واقع ہوئے ہیں۔ ڈبل ایم۔ اے ہیں اور فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کا خیال بھی ہے۔ مجھے ان باتوں سے خوشی ہوئی اور میں نے سوچا باجی کے لئے ان کا آئیڈیل مل گیا ہے۔ انھیں بھی آج بے حد خوشی ہوگی۔

شام کو خیالات کا ایک ہجوم لئے میں باجی کے کمرہ میں پہنچ گیا۔ باجی خاموشی سے اپنے بستر پر لیٹی تھیں۔ میری آہٹ پر جیسے چونک کر بیٹھ گئیں۔ لیکن آج ان میں کچھ عجیب سی تبدیلی نظر آئی۔ بالکل اُداس اُداس، خاموش خاموش، بُجھی بُجھی سی! انھوں نے کپڑے بھی نہیں تبدیل کئے تھے۔ میک اپ بھی نہیں کیا تھا۔ بالوں میں تیل بھی نہ تھا۔ نہ سنوارے گئے تھے۔ باجی بالکل گم سُم بنی بیٹھی تھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انھیں کسی بات کا شدید غم و غصّہ ہو۔

"فرمایئے مزاج؟" بہت دیر بعد میں نے سکوت توڑا۔

"طبیعت کچھ عجیب سی ہے؟"

"خدا بعافیت رکھے۔ اِدھر تو مصروفیت بڑھتی ہی جائے گی۔"

"اُونہہ ٹھیک ہو یا نہ ہو" باجی نے عجیب انداز میں جواب دیا اور میں جیسے چونک پڑا۔

"آج سے تو ایک سرگردانی ختم ہوئی۔ خدا کا شکر ہے ماموں اور ممانی جان اپنی کوشش اور جدّ و جہد میں کامیاب ہو گئے۔" میں نے دبی زبان سے کہا لیکن باجی خاموش رہیں۔

"خدا ہم سبھی کو مُبارک کرے۔" میں نے پھر آہستہ سے کہا۔ لیکن باجی کا چہرہ کسی مسرّت کے تاثر سے عاری تھا۔

"اپنے آئیڈیل کی تلاش میں تو اُن لوگوں نے رحمان چچا کے یہاں سے بچّہ ٹک کر لیا؟" میں نے پھر کُریدا اور باجی جیسے مضطرب ہو اُٹھیں۔

"پاگل ہیں۔ امّی جان اور ابّا جان کا بھی دماغ خراب ہے!"

باجی زور سے چیخیں اور میں جیسے کانپ اُٹھا۔

"پاگل ہیں امّی جان۔۔۔ ابّا جان کا بھی دماغ خراب ہے؟"

باجی کے الفاظ میرے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح پڑنے لگے۔ میں ان کے کمرہ سے آہستہ سے سرک آیا اور نہ جانے کب تک یہ سوچتا رہا ——

"باجی نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ کیوں کہی ہے؟؟"

---

ان باتوں کو عرصہ گزر چکا ہے۔

اِس اثناء میں کچھ عجیب عجیب خبریں سُننے میں آئیں ——

"ثمینہ باجی نے شادی سے انکار کر دیا۔"

"ماموں جان پر دل کا دورہ پڑا اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے!"

"رحمان چچا نے بھی ابھی تک شادی نہیں کی ہے۔

ان کے گھر والے اب بھی ممانی جان سے ثمینہ باجی کا ہاتھ مانگ رہے ہیں۔"

"ممانی جان پر بھی فالج کا اثر ہوا اور وہ بھی اِس دُنیا سے سدھار گئیں۔"

اور ایک دن میں نے سُنا ثمینہ باجی نے رحمان چچا کے ساتھ شادی رچالی ہے!!

---

**مضمون نگار حضرات** سے درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر روشن سیاہی سے خوشخط لکھا کریں اور دو سطور کے درمیان فاصلہ چھوڑنا بہت ضروری ہے۔ بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطّلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر "غیر مطبوعہ" لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمّہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس مضمون کی نقل ضرور رکھیں۔ کیونکہ ناقابلِ اشاعت مضامین ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ ناقابلِ اشاعت مضامین کی واپسی کے لئے مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پُورا پتہ لکھا ہُوا پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال کریں ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔ —منیجر

# آپ کو گھر میں کبھی کبھی بار ڈاکٹر کا کام بھی کرنا پڑتا ہے۔

## گھریلو دواؤں کے خانے میں تیز اثر اور بھروسے لائق اناسن رکھئے۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے۔

کوئی کوئی دن ایسا ہوتا ہے کہ سارے کام ہی اُلٹے ہوتے ہیں۔ آج آپ پہلے تو دیر سے اُٹھیں پھر دیکھا کہ باورچی خانے میں کئی چیزیں ختم ہیں۔ اور اوپر سے آپکے لڑکے کو ایسی شدید سردی ہو رہی ہے جیسے اب اُسکو فلو ہو جائے گا۔

دوسرے کام تو ہوتے ہی رہیں گے۔ پہلے اُسے گرم گرم مشروب کے ساتھ اناسن دیکر آرام سے بستر پر لٹا دیجئے۔ اناسن تیزی سے اثر کرتی ہے، اور سردی زکام اور فلو کی تکلیف سے جلدی آرام دلاتی ہے۔ اناسن بھروسے لائق بھی ہے، کیونکہ یہ آپکے ڈاکٹر کی قابل اعتبار دوا کی طرح دواؤں کا ایک نیا تلا مرکب ہے۔



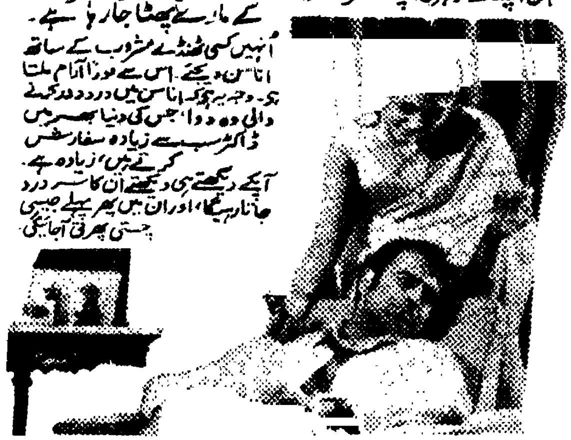
آج آپکی لڑکی اسکول سے جلدی آگئی ہے۔ بیچاری کمر کے درد، بے چینی اور بے آرامی کی وجہ سے بالکل مرجھا سی گئی ہے۔

اسے گرم پانی کی بوتل سے سینک کرانے کے ساتھ ساتھ اناسن بھی دیجئے۔ اس سے اُسے جلدی آرام اور چین ملیگا۔ اسکا پھول سا چہرہ پھر کھل اُٹھیگا۔ اناسن ایسے نازک دنوں میں درد کی بے چینی اور بے آرامی کو کم کرتی ہے اور طبیعت میں چستی لاتی ہے کیونکہ یہ صرف درد کو ہی نہیں روکتی بلکہ درد کے ساتھ پیدا ہونیوالی تکان کو بھی جلد ہی دور کرتی ہے



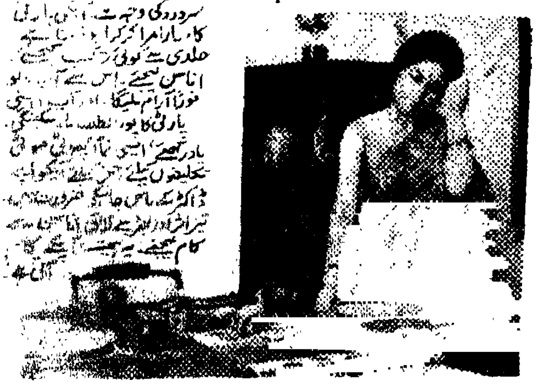
آج آپکے شوہر کی اپنے افسر سے گڑبڑ ہو گئی جس سے اُن کا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔

اُنہیں کسی ٹھنڈے مشروب کے ساتھ اناسن دیجئے۔ اس سے فوراً آرام ملتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اناسن میں درد دور کرنے والی وہ دوا، جس کی دنیا بھر میں ڈاکٹر سب سے زیادہ سفارش کرتے ہیں، زیادہ ہے۔ آپکے دیکھتے ہی دیکھتے ان کا سر درد جاتا رہیگا، اور ان میں پھر پہلے جیسی چستی پھرتی آجائیگی۔



آج آپکے گھر میں پارٹی ہے۔ اور اس کے لئے آپکو تھوڑے سے وقت میں کتنے ہی کام کرنے تھے۔ اسی لئے تو آپ تھک ہار کر سر درد میں مبتلا ہیں۔ لیکن اب تو آپکے مہمان بھی آنے ہی والے ہیں۔

سر درد کی وجہ سے ... کا سارا مزا کرکرا ... جلدی سے ... اناسن لیجئے۔ اس سے ... فوراً آرام ملیگا۔ ... پارٹی کا ... یاد رکھئے ... تکلیفوں کیلئے ... ڈاکٹر کے ... تیز اثر اور بھروسے لائق ... کام ...



تیز اثر اور بھروسے لائق

# اناسن

ہندوستان کی مقبول ترین درد سے نجات دلانے والی دوا




A-58

افسانہ

# تنہائی کا درد

بہادر علی بی۔ اے، بی۔ ایڈ (عثمانیہ)
معب دیول بزارستون، مکان نمبر ۳-۱-۶-۶ ۔ ہنمکنڈہ (آندھرا پردیش)

محترمی خوشتر گرامی صاحب! اسلام و نیاز

ایک طویل خاموشی کے بعد "تنہائی کا درد" ارسالِ خدمت ہے۔ پچھلی کہانی "تصویرِ کرب" کی طرح میری یہ کہانی بھی آپ کو اور قارئین "بیسویں صدی" کو ضرور پسند آئے گی . . .

نیازمند
بہادر علی

کل ہی شادی کا دعوت نامہ مِلا۔ دعوت نامہ دیکھ کر قدرے حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی۔ تمھاری شادی میں نہ آسکا، مجھے اس کا قلق ہے۔ میری طرف سے دلی مُبارکباد قبول کرو۔ کیا بتاؤں تمھیں پچھلے دو دن کتنی گہری مہروفیت تھی! [illegible] آتا بھی کیسے؟ کل ہی تو دعوت نامہ ملا اور کل ہی تمھاری شادی تھی۔ میں نے سوچا اس موقع پر خط ہی بھیج دوں ——— سو وہ لکھ رہا ہوں ——— سلمیٰ! میں نے وہی تصویر تمھیں تحفہ میں دینے کے لئے اُٹھا رکھی تھی جسے دیکھ کر تم شرما گئی تھیں۔ کیسے نہ شرماتیں، تصویر خود بھی شرما رہی تھی۔ سُرخ جوڑے میں لپٹی ہوئی دُلہن کا ایک حسین مُرقع جس کے لب کسی کے ہونٹوں کے لمس کے تصوّر سے تھرتھرا اُٹھے تھے۔ پہلے میں نے اس تصویر کو منتخب کیا تھا۔ پھر نہ جانے کیوں دُوسری تصویر پر میری نظر جا رُکی۔ جسے دیکھ کر میں سراپا اُداس ہوگیا۔ بادل والی تصویر یاد ہے نا؟ تم بھی تو چند لمحوں کے لئے اُداس ہوگئی تھیں۔ کتنی خوبصورت منظر کشی کی گئی ہے۔ دور گاؤں کی پگڈنڈی پر سے گزرتی ہوئی دُلہن [illegible] اور شفق کی لالی جیسے خصت کرتے ہوئے [illegible] اندھیروں میں گم ہو رہی تھی۔ جیسے [illegible] اُداس [illegible] تصویر بہت پسند تھی نا! میں نے بھی [illegible] دوستوں کے اصرار پر بھی میں نے کسی کو نہیں دیں۔ تم تو ان تصویروں کو اپنے بیڈ روم میں رکھنا چاہتی تھیں۔ اس لئے میں نے انھیں محفوظ رکھا تاکہ تمھیں تمھاری امانت لوٹا سکوں۔ سلمیٰ! میرے نہ آنے سے شاید تمھیں دُکھ ہُوا ہوگا۔ کیونکہ جس خوشی اور خلوص کے ساتھ تم نے مجھے مدعو کیا ہے۔ میرے لئے یہی سب کچھ ہے۔ اگر دعوت نامہ وقت پر مل گیا ہوتا تو آنے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ میں اُن رسوایتی تقاضوں سے آزاد ہوں سلمیٰ! یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو۔ شاید تم نے مجھے اسی لئے مدعو کیا ہوگا کہ میں لبرل ہوں۔ واقعی سلمیٰ! اگر تم نے یہی سوچا ہے تو مجھے بہت کچھ مل گیا۔ کچھ نہ ملتے ہوئے بھی۔ کیا چاہیئے انسان کو اس زندگی کے تپتے ریگستان میں سراب کے سوا وہ مجھے مل چُکا ہے۔ یاد ہے تمھیں۔ ایک بار تم نے ایک خط میں مجھ سے میری خاموشی کی وجہ پُوچھی تھی، لیکن میں نے تمھیں اپنی خاموشی کی کوئی وجہ نہ بتائی اور میں اپنی خاموشی کی وجہ بھی کیا بتاتا تمھیں۔ میں نے تصویروں کو زبان دے کر بس اپنی زبان بند کرلی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے کہنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ سب کچھ تصویروں نے کہہ دیا ہے۔ کیا تم نے [illegible] زبان نہیں سُنی۔ تم نے بھی سُنا ہے۔ [illegible] ان سُنی [illegible] دیکھ کر بھی نظر انداز کردیا۔ سنو! ہر تصویر [illegible] کہانی ہے اور میری [illegible] ایک حقیقت ہے۔ غالباً تم اس

بات کا اعتراف ضرور کروگی۔ لیکن میں نے اِس حقیقت پر سے پردہ اُٹھانا بہتر نہیں سمجھا، جس پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ وہ پردے ہی میں رہے یہی میں نے بہتر سمجھا۔ زندگی کے یہ چند لمحے جن کے گزر جانے میں ہو سکتا ہے کئی برس لگ جائیں یہ اور بات ہے۔ کیونکہ میں نے ہر لمحے کو زندگی دے کر اپنی زندگی کافی مختصر کرلی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے ہر لمحہ ایک صدی ہے اور ویسے کتنے لمحے میں نے بتا دیئے ہیں اور کتنے بتانے ہوں گے، اِس کا مجھے علم نہیں ہے۔ غالباً میری یہ باتیں تمھاری سمجھ میں نہ آئیں گی۔ ویسے اب تم سمجھ کر بھی کیا کرو گی۔ اُف! میں نے یہ کیا کہہ دیا! سچ کہا تھا تم نے میری باتیں اپنی جگہ ایک نامکمل حیات ہوتی ہیں۔ واقعی تم نے سچ کہا تھا اور نفسیاتی طور پر یہ بات مصدقہ ہے کہ گفتگو اور تحریر فرد کی زندگی کا ترجمان ہوتی ہے۔ میں اِس حقیقت سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ سچ سلمیٰ! میں ہر لمحہ کے بعد ٹوٹا ہوں۔ شاید تم یقین نہ کرو گی۔ گو کہ میں ایک سالم شئے ہوں۔ لیکن میں نے خود کو کہیں ایک نہ پایا۔ بٹ گیا ہوں ہزاروں میں! چاروں طرف میری شخصیت بکھر گئی ہے۔ تلاشِ وجود میں بھٹک گیا ہوں۔ سوچا تھا کہیں منزل ہوگی۔ لیکن خود کو جمع کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے یہ نامکمل حیات مکمل ہو جائے گی اور کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں خود کو ڈھونڈنے میں ناکام ہو جاؤں گا۔ سلمیٰ! یہ بے چینی، یہ اضطراب، یہ لمحوں کا بکھر جانا۔ وقت کی برق رفتاری اور اِن حالات سے سمجھوتہ ناممکن ہے۔ تم کہو گی کہ میں زندگی سے فراریت چاہتا ہوں نہیں ——— سلمیٰ نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ مجھے زندگی چاہیئے۔ میں ہر لمحے سے ہنسی مانگتا ہوں۔ مُسکراہٹیں مانگتا ہوں۔ لیکن مسکراہٹیں اب تو صرف ان بے جان تصویروں میں آکر ختم ہو گئی ہیں۔ انھیں زندگی ملی ہے اور مجھے خاموشی اور میں تمھیں اپنی زندگی دے رہا ہوں۔ اگر اسے رکھ سکتی ہو تو حفاظت سے رکھنا۔ میں نے کل پچھلے وقتوں کی بہت ساری پینٹنگس باہر نکال رکھی ہیں اور اُن میں سے اچھی پینٹنگس تمھارے بیڈ روم کے لیئے الگ کر دی ہیں۔ شاید کل تک یہ کام پُورا ہو جائے گا۔ ہاں میں نے ایک اور تصویر نکال رکھی ہے۔ وہی تصویر جو میں نے گوتم ہسپتال میں اُتاری تھی۔ اُس وقت ہم دونوں کے درمیان ڈاکٹر نام بھی

SISTA'S-INC-460 UR

تھے۔ تم کتنے خوبصورت مرض میں مبتلا تھیں۔ ہاں میں اِس مرض کو خوبصورت ہی کہوں گا۔ ڈاکٹر نے اِس مرض کا عنوان بھی کتنا خوبصورت دیا تھا۔ تنہائی کا درد۔ انھوں نے ساتھ ہی تاکید بھی کی تھی کہ میں تمھیں تنہا نہ چھوڑوں۔ میں ڈاکٹر کی ہدایت پر تمھاری تنہائی دُور کرنے میں تمھیں بور بھی کر دیا کرتا تھا۔ جب تم خاموش بیٹھی ہوتیں تو نہ جانے کیوں میرے دل میں اُداسی اُبھرنے لگتی اور مجھے یوں محسوس ہوتا تم اِس مرض کی اِنتہا کو پہنچ چُکی ہو۔ ہنسی بھی تمھارے لئے مُضر تھی۔ کیونکہ زیادہ ہنسنے اور بولنے سے دل پر دَورہ پڑنے کا اندیشہ ہوتا۔ اِس لئے بھی تم گھبراتی تھیں۔ جب بھی مجھے تمھاری تنہائی کا خیال آتا ذہن میں جُھرجُھری سی پیدا ہوتی اور یوں محسوس ہوتا جیسے میں خود اِس مرض میں مُبتلا ہوگیا ہوں اور آج درحقیقت تنہائی جیسے میرے احساسات کو پگھلانے لگی ہے اور میں تنہائی سے دُور بھاگنا چاہتا ہوں۔ لیکن تنہائی جیسے میرا مُقدر بن گئی ہے اور مقدر سے کون کھیل سکتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی خیال کے کروٹ بدلتے ہی تنہائی کا احساس ختم ہوجاتا ہے اور تمھاری مُسکراہٹ ذہن میں اُبھر کر ایک لمحے کے لئے میرے وجود میں موجزن ہوتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زندگی کا ایک طویل سفر باقی ہے اور مجھے اپنی منزل تک پہنچنا ہے۔

سُنو سلمیٰ! نہ جانے کیوں مجھے اچانک اُن بے جان تصویروں سے خوف محسوس ہونے لگا ہے کہ کہیں اُن کی زبان تمھاری اپنی خوشیوں سے مُخل نہ ہوجائے۔ خیر چھوڑو اُن تصویروں کو جن کا رنگ میرے وجود کی طرح پھیکا پڑ چکا ہے، اور ہاں تم ابھی ابھی میری آنکھوں میں اُتر آئی ہو۔ تم ہنس رہی ہو۔ تمھاری نقرئی ہنسی کی کھنک میرے کانوں میں یوں گُونج رہی ہے جیسے جلترنگ بج رہا ہو۔ تم کتنی بدل گئی ہو۔ تمھاری اِس ہنسی میں کتنی اجنبیت ہے۔ اب تمھاری شخصیت میں قدرے دُہرا پن آگیا ہے۔ تمھاری رنگت کتنی بدل گئی ہے۔ تمھاری آنکھوں کی اُداسی کہاں غائب ہوگئی جس میں مَیں اپنا وجود کھو بیٹھا تھا۔ اچھا کیا تم نے اپنی ساری چیزیں بدل ڈالیں۔ حقیقت میں زندگی اجتہادی عمل کا نام ہے۔ اُف! تم نے وہی ساری پہن رکھی ہے۔ یاد آیا۔ گلابی رنگ کی ساری جسے تم نے میرے ساتھ بمبئی بازار میں خریدا تھا اور میں نے چُپکے سے تمھیں اِس ساری کو شادی کی دُوسری شب میں پہننے کے لئے کہا تھا۔ کتنی اچھی لگ رہی ہو تم! سراپا بہار بن گئی ہو! جیسے کلیوں نے اپنی مُسکراہٹیں تمھارے ہونٹوں پر سجادی ہوں۔ گُلوں نے اپنی تازگی و شگفتگی عطا کردی ہو۔ سُہاگ جیسے تمھارے انگ انگ میں رچ گیا ہے۔ تم مکمل سُہاگن ہو! کائنات کی ساری رنگینیاں تمھارے پیکر میں سمٹ آئی ہوں۔ سُنو یہی سب کچھ ہے، اِسے سنبھال کر رکھنا۔ دیکھو تو تمھاری ہنسی کے ساتھ ساتھ اب نہ جانے کیوں میرے دل میں تمھاری تنہائی کا درد جاگنے لگا ہے!!

---

# غزلیں

## محمد عثمان اَوج اعظمی

اُن کی طبیعت ظلم پہ مائل کل بھی تھی اور آج بھی ہے
اپنی فطرت ضبط کی حامل کل بھی تھی اور آج بھی ہے

میرے قدم سے ویرانہ آباد ازل سے ہے ۔ یارو!
میرے ہی دم سے رونقِ محفل کل بھی تھی اور آج بھی ہے

سارے جہاں میں عشق کا میرے چرچا تھا اور اب تک ہے
دنیا تیرے حُسن کی قائل کل بھی تھی اور آج بھی ہے

جن کے لئے گردابِ تلاطم حاصلِ قسمت ہے اے دوست!
اُن کی نظر بیگانۂ ساحل کل بھی تھی اور آج بھی ہے

جن کو طلب ہے منزل کی منزل پہ پہنچتے جاتے ہیں
"گردشِ دوراں راہ میں حائل کل بھی تھی اور آج بھی ہے"

کس نے کہا اے اوجؔ بلکہ میں ہوں شعر و سخن سے بیگانہ؟
میری طبیعت فکر کی حامل کل بھی تھی اور آج بھی ہے

## مسز مبارکہ مریمؔ شاہجہانپوری

انعام پا گئے یہ تری چشمِ تر سے ہم
رہتے ہیں اپنے آپ سے اب بے خبر سے ہم

یہ اضطراب، دل کی ملن، بیقراریاں
لائے ہیں اپنے ساتھ یہ سب تیرے گھر سے ہم

اے دل سنبھل سنبھل کے اٹھانا ہر اک قدم
مدت کے بعد گزریں گے اُس رہگزر سے ہم

خود جستجوئے شوق نے راہیں تلاش کیں
ہو پائے مطمئن نہ کسی راہبر سے ہم

جب دل کی کیفیت کو نہ ہم خود سمجھ سکے
پھر کیسے کہتے بات کوئی چارہ گر سے ہم

ہر شئے سے قیمتی وہ متاعِ عزیز ہے
مریمؔ جو پا گئے ہیں کسی کی نظر سے ہم

## انیسؔ عمروی

دلوں میں پیار کہاں ہے قدم سنبھل کے اُٹھا
یہ نفرتوں کا جہاں ہے قدم سنبھل کے اُٹھا

یہ روشنی بھی فریبِ نظر ہے اے ہمدم
شبِ سیاہ عیاں ہے قدم سنبھل کے اُٹھا

یہ بزمِ ماہ وشاں ہے سنبھل کے چل اے دل
یہ راہِ عشقِ بتاں ہے قدم سنبھل کے اُٹھا

یہ اضطراب مقدر رہے رہروِ غم کا
یہاں سکون کہاں ہے قدم سنبھل کے اُٹھا

نہ کیف آہ میں ہے اور نہ واہ میں ہے سُرور
حیات سنگِ گراں ہے قدم سنبھل کے اُٹھا

انیسؔ رنگِ گلستاں سے بے خبر نہ گزر
بہار اصلِ خزاں ہے قدم سنبھل کے اُٹھا

---

## زبیر احمد آہیؔ قاسمی

اُداس اُداس ہیں لمحاتِ زندگی کتنے
الم نصیب ہیں بیگانۂ خوشی کتنے

تمہارا مل کے بچھڑنا تو کچھ نہیں لیکن
یہ سوچتا ہوں کہ غم دے گئی خوشی، کتنے

جنھیں خلوص کا، مہر و وفا کا دعویٰ تھا
غضب ہے آج وہ چہرے ہیں اجنبی کتنے

بہ فیضِ حضرتِ خوشترؔ جہانِ اُردو میں
کھلا چکا ہے چمن بیسویں صدی کتنے

# فنکاروں کی باتیں

شعیب عظیم

> ۳۱- بونوگرام لین، ڈھاکہ- ۲ (بنگلہ دیش)
>
> محترمی خوشتر گرامی صاحب! آداب و تسلیمات
>
> "فنکاروں کی باتیں" کی دُوسری قسط ارسالِ خدمت ہے۔ اپنی گراں قدر رائے سے مُطلع فرمائیں...
>
> نیازمند
>
> شعیب عظیم

★

## احساسِ زندگی ——— •

ماؔہر فریدی صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں، وہ زندگی کی ستر بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ صنفِ غزل میں اُن کا شمار اُستادوں میں ہوتا ہے۔ اُن کے سینکڑوں شاگرد ہیں۔ خانہ نشین درویش صفت بُزرگ ہیں۔ نام و نمود سے بے نیاز ہیں۔

رضی شرکی اور میں ۴، مارچ ۷۴ء کو ماؔہر فریدی صاحب سے انٹرویو لینے کی غرض سے میرپُور گیا۔ میرپُور جہاں کبھی زندگی تھی، شادمانی تھی، چہل پہل تھی، بہار تھی۔ وہاں اب خزاں ہی خزاں ہے، ویرانی ہے، وحشت ہے، کرب ہے، بُھوک ہے، افلاس ہے، بیماری ہے، تیرگی ہے اور ریڈکراس کے بوسیدہ خیمے ہیں۔

ہم گیارہ بجے ماؔہر فریدی صاحب کی پناہ گاہ میں پہنچے۔ وہ موجود تھے۔ سلام علیک اور مصافحہ کے بعد ہمارے لئے زمین پر ٹاٹ کا فرش بچھا یا گیا۔ ہم بیٹھے۔ اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ ہم انھیں اس کی خبر نہ تھی کہ ہم انٹرویو لینے آئے ہیں۔ رضی شرکی کچھ دیر کے بعد بولے "حضور! ہم آپ سے انٹرویو لینا چاہتے ہیں"۔

جناب ماؔہر فریدی چونکے، اُن کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی اور کہا: "اچھا تو پہلے ایک شعر سُن لیجئے" اور فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

وہ مجھ سے پُوچھنے آئے ہیں زندگی کا حال
کچھ ایسے وقت کہ احساسِ زندگی ہی نہیں

(نوٹ:- میرپُور، ڈھاکہ (بنگلہ دیش) کی نواحی بستی ہے جہاں تقریباً تین لاکھ مہاجر آباد تھے)

## بالکل صحیح ہے ——— •

پروفیسر اؔظہر قادری بنگلہ دیش کے اچھے شاعر، نقّاد، صحافی اور ناول نگار ہیں۔ مُشاعروں سے انھیں بھی آئے دن سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ ایک دن ایک متشاعر آیا اور آتے ہی کہا: "اظہر صاحب! میرا مطلع سُن لیجئے۔ تاؔبش صاحب کہتے ہیں غلط ہے"۔

پروفیسر اظہر قادری نے سُنے بغیر بے ساختہ کہا: "کون کہتا ہے غلط ہے۔ بالکل صحیح ہے!"

متشاعر نے پھر کہا: "سُن لیجئے نا!"

اظہر قادری صاحب نے فرمایا: "سُننے کی کیا ضرورت ہے۔ بالکل صحیح ہے!" متشاعر مطمئن ہو کر چلا گیا۔

## اختر شناس

کلکتہ میں طالب علموں کی ایک ادبی انجمن کی ادبی نشست میں ڈاکٹر اختر اورینوی اور پروفیسر پرویز شاہدی (مرحوم) شریک ہوئے۔ طالب علموں نے ڈاکٹر اختر اورینوی سے اُردو کے مستقبل پر روشنی ڈالنے کی استدعا کی۔ اختر صاحب نے فرمایا "اُردو کے مستقبل پر تو نہیں، حال پر سُنیئے"۔ اِس پر پرویز شاہدی نے کہا "یہ اختر ہیں، اختر شناس نہیں!"

(راوی جناب عارف ہوشیارپوری)

## ترنّم

دل لکھنوی کا ترنّم بہت دلکش ہے۔ کلکتہ کے ایک مشاعرہ میں جب دل لکھنوی اپنا کلام سُنا چکے تو صاحبِ صدر نے پرویز شاہدی کا نام پکارا۔ پرویز شاہدی ترنّم کے بجائے تحت اللفظ میں اپنا کلام سُنانے لگے۔ سامعین نے مطالبہ کیا "ترنّم سے سُنایئے!" دل لکھنوی نے بھی ترنّم سے سُنانے کی فرمائش کی۔

پرویز شاہدی نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

محفل ہے ترنّم کی شیدا ہوتی ہے سخن کی ناقدری
کیا فائدہ شاعر ہونے سے پرویز گوّیا ہی ہوتا

(راوی جناب عارف ہوشیارپوری)

## صحیح کہتی ہو

دوسری عالمی جنگ جاری تھی۔ کلکتہ میں علاّمہ رضا علی وحشت کلکتوی مرحوم کے دولتکدے پر ایک شخص مِلنے آیا اور دَورانِ گفتگو کہا۔ "جرمنی جیت جائے گا!" علاّمہ رضا علی وحشت نے جواب دیا "جی ہاں"۔ پہلا شخص چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دُوسرا شخص آیا اور اُس نے کہا "وحشت صاحب! برطانیہ جیت جائے گا!"

وحشت صاحب نے فرمایا "جی ہاں!"

یہ گفتگو بیگم وحشت بھی سُن رہی تھیں۔ جب دُوسرا شخص چلا گیا تو بیگم وحشت نے کہا "اِن دونوں کی باتوں میں ایک ہی بات صحیح ہوگی۔ لیکن آپ نے دونوں کی باتوں کی تصدیق کی" "تم بھی صحیح کہتی ہو!" علاّمہ وحشت نے فرمایا۔

(راوی پروفیسر اظہر قادری)

## مولانا

علاّمہ آصف بنارسی اور کامل علی کامل صاحب کا مکان ایک ہی محلّہ میں تھا۔ علاّمہ آصف بنارسی جب بھی کامل صاحب کے دَولتکدے پر جاتے تو "مولانا" کہہ کر پُکارتے۔ ایک دن کامل صاحب کہنے لگے "میں تو مولانا نہیں پھر آپ مولانا کہہ کر کیوں پُکارتے ہیں؟"

علاّمہ آصف بنارسی نے جواب دیا "میں مولانا کہہ کر اِس لیے پُکارتا ہوں کہ کہیں آپ مجھے مولانا کہنا چھوڑ نہ دیں!"

(راوی پروفیسر اظہر قادری)

## تیرے بغیر

"بزمِ احبابِ نَو" کے زیرِ اہتمام قائدِ اعظم کالج ڈھاکہ میں سمپوزیم اور مُشاعرہ تھا۔ مُشاعرے میں مشہور عالمِ دین، ادیب، شاعر اور ماہرِ علمِ عروض علاّمہ تمنّا عمادی مرحوم بھی شریک تھے۔ مُشاعرہ جاری تھا۔ وقت سے پہلے علاّمہ تمنّا عمادی اپنا کلام سُنا کر جانے لگے تو ڈاکٹر عندلیب شادانی مرحوم نے فی البدیہہ یہ مصرع پڑھا ؎

سُونی رہے گی بزمِ تمنّا ترے بغیر!

---



---

# غزلیں

## کاشف الہاشمی اوجینی

رقص کرتے ہیں مرے دل میں بگولے یارو
ہے کوئی جو مرے احساس کو چھولے یارو

جو ستم ڈھائیگا، جھیلے گا زمانے کے ستم
جو ہوا بوئیگا، کاٹے گا بگولے، یارو

آشیاں جلنے لگے، گرم ہوا چلتی ہے
یہ کسی پھول کے دامن کو نہ چھولے یارو

شیخ میخانے میں آیا ہے کئی روز کے بعد
دھیان رکھنا، کسی ساغر کو نہ چھولے یارو

آؤ لہرائیں فضاؤں میں مہکتے ہوئے گیت
فصلِ گل آگئی، پڑنے لگے جھولے یارو

بھول سکتے ہیں وہ کس طرح خزاں کا احسان
موسمِ گل کے جو برتاؤ نہ بھولے یارو

یہ نوازش ہے تمہاری کہ کسی حال میں تم
کاشفِ بے سروساماں کو نہ بھولے یارو

## ڈاکٹر ایس جلال توقیر ایم۔ بی، بی۔ ایس

رہِ عشق میں یقیناً وہی رہ گئے پھسل کے
جو رکے قدم قدم پر جو چلے سنبھل سنبھل کے

تجھے کیا ملا زمانے کئی راہبر بدل کے
ذرا دیکھ تو سہی اب تو ہمارے ساتھ چل کے

ہوئے مجھ پہ ملتفت تم تو یہ دشمنوں پہ گذری
کوئی بجھ کے رہ گیا ہے، کوئی رہ گیا ہے جل کے

درِ عرش پر بھی دی ہے مرے آنسوؤں نے دستک
مگر احتیاط اتنی، کبھی آنکھ سے نہ چھلکے

یہی زلف کاش ہوتی مرے دوش پر پریشاں
ترے رخ پہ ڈھل گئی جو کبھی کھل کے یا مچل کے

کوئی گر سمجھ نہ پائے تو مرا قصور کیا ہے
مرے دل کے ترجماں ہیں مرے شعر ہر غزل کے

## اقبال منہاس ایم۔ اے (عدن)

آج پت جھڑ میں کوئی پھول کھلایا جائے
شاخِ دوراں کو لہو دل کا پلایا جائے

اپنے احساس کے شعلوں میں سلگنے والو!
آندھیوں میں بھی کوئی دیپ جلایا جائے

بہکی بہکی سی فضاؤں کا تقاضا ہے یہی
اُن کی زلفوں میں کوئی پھول سجایا جائے

وقت کی جھیل کے اِس ٹھہرے ہوئے پانی میں
کوئی پتھر کسی چوٹی سے گرایا جائے!

میرے ماضی کے سسکتے ہوئے لمحوں کا وجود
جیسے تنکا کوئی لہروں پہ بہایا جائے

چند آنسو ہی نہیں زخمِ تمنا کا علاج
آج شبنم سے ہی شعلوں کو بجھایا جائے

زندگی اِس نے گزاری ہے سدا کانٹوں پر
نعشِ اقبال کو پھولوں سے سجایا جائے

## عبید میرٹھی

مصیبتوں کی کوئی حد نہیں، شمار نہیں
حیات اہلِ محبت کو سازگار نہیں

حیات و موت پہ کیوں ہم کو اختیار نہیں
یہ راز وہ ہے کسی پر جو آشکار نہیں

بلا پہ قہر یہ آشوبِ روزگار پہ ہے
مری حیات کا انفاس پر مدار نہیں

ادائے حسن یہ مانا کہ معتبر ہے مگر
مزاجِ حسن کا کچھ بھی تو اعتبار نہیں

بیسویں صدی ... ۱۹۷۳

# ایک رات مُسکرائی

شکیل جاوید

۱۲۷- گزری، امروہہ ۲۴۴۲۲۱ (یو-پی)

مُحترم خوشتر گرامی صاحب! آداب و احترام

.. گذشتہ دنوں کاروباری مصروفیات سے دست و گریباں رہا اِس لئے کچھ بھی نہ لکھ سکا ــــ اب ذرا مصروفیات کم ہوئیں تو "بیسویں صدی" کے "افسانہ نمبر" کا خیال آگیا اور یہ کہانی لکھ ڈالی ــــ لیجئے! یہ مختصر سی کہانی "بیسویں صدی" کے "افسانہ نمبر" کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔ کہانی کا عنوان "ایک رات مُسکرائی" ہے۔ کہانی کے بارے میں کیا لکھوں؟ اِس کا فیصلہ آپ کی فن شناس نگاہیں کریں گی ــــ اور مجھے آپ کے فیصلے کا بے قراری سے انتظار رہے گا...!

خلوص و عقیدت کے ساتھ
شکیل جاوید

★

یُوں تو سرِشام ہی سے کُہر کی چادر نے فضا کو دُھندلا دیا تھا۔ بالنداز میں وہ چہل پہل، زندگی میں وہ ہما ہمی نہ تھی۔ یخ بستہ ہَوا نے سردی کے عنفوانِ شباب کا اعلان کر دیا تھا۔ لیکن اُسے سردی کا احساس اُس وقت ہُوا جب ۲۹- اَپ دہلی ایکسپریس سندیلہ سے چل پڑی تھی۔ جُوں جُوں رات کی سیاہی بڑھتی جا رہی تھی، اُسی طرح سردی اپنے شباب کی طرف مائلِ پرواز تھی۔ سفر میں جتنا بھی کم سامان ہو، سفر اُتنا ہی زیادہ خوشگوار ہوتا ہے، اِسی لئے اُس نے سُوٹ کیس اور ہولڈال کو چھوڑ کر سفر میں اُس نے ایک چھوٹے سے بریف کیس اور گرم چادر کو ترجیح دی تھی۔ کسی ضرورت مند یا پیشہ ور چور اُچکے نے بریف کیس پر رکھی چادر اُس وقت صاف کر دی تھی جب وہ اپنا ریزرویشن دہلی کے لئے کرا رہی تھی۔ سیکنڈ کلاس کے جس کمپارٹمنٹ میں وہ سفر کر رہی تھی اُس کے مقابل کی سیٹ پر ایک ادھیڑ عُمر شخص بیٹھا ہُوا پہلے تو کوئی فلمی میگزین دیکھتا رہا اور پھر جلد ہی اُکتا کر یا سردی سے متاثر ہو کر اُس نے ہولڈال کو نیچے کی برتھ پر کھول دیا تھا۔

سردی کا احساس ایسے لمحات میں اور بھی شدید ہو جاتا ہے جب اپنے مقابل، اپنا کوئی ہمسفر کمبل یا لحاف اوڑھے بستر میں لیٹا ہو، اور یہ حقیقت بھی تھی جب سے اُس کا ادھیڑ عُمر ہمسفر لحاف اوڑھے اُس کے سامنے والی برتھ پر لیٹا ہُوا بڑی شانِ بے نیازی سے سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے بنا رہا تھا۔ اُسے سردی کچھ زیادہ ہی محسوس ہونے لگی تھی۔ اِس لئے وہ اپنی مختصر سی شال میں سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ نیچے ایک گرم بنیان، گرم شرٹ اور وولن بیل باٹم اور اُس کے اُوپر کُھلی فُل آستین کی جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ لیکن اِن تمام ضروری احتیاط کے باوجود ٹھنڈ اپنی جگہ بدستور تھی۔ رات کی بتدریج بڑھتی ہوئی سیاہی کا ہر لمحہ اپنے دامن میں ہَوا کے یخ بستہ چُبھتے ہوئے جھونکے لئے جسم کو ٹھنڈ کی ایک چادر میں لپیٹا ہُوا چلا جاتا۔ جسم کے اندر

# زِندگی

تمنّا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے ———— اقبال

ابھی سے کیوں چھلک آئے تمہاری آنکھ میں آنسو
ابھی چھیڑی کہاں ہے داستانِ زندگی میں نے ———— تاباں

خدا کرے کہ زمانے کو راس آجائے
وہ ایک غم جو مری زندگی سنوار گیا ———— ایاز

زندگی کتنی حسین، کتنی انوکھی چیز ہے
اب اِسے دھوکا سمجھنا بھی کہیں دھوکا نہ ہو ———— فیاض

جو اپنے خون کو پانی بنا نہیں سکتے
وہ زندگی میں نیا رنگ لا نہیں سکتے ———— نامعلوم

مُرسلہ:- نجمہ خاتون ایم۔ اے لکھنپور

تھرتھری اور کپکپاہٹ سی بھر جاتی، رگوں میں دوڑتا ہُوا خون مُنجمد سا ہو جاتا اور وہ اپنے سامنے بستر میں لیٹے ہوئے اُس ادھیڑ عُمر شخص کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگتی۔

وہ نئی دہلی کی ایک پرائیویٹ فرم میں اسٹینو گرافر ہے۔ ابھی اِسی سال اُس کا اپائنٹمنٹ ہُوا ہے۔ "راجوری گارڈن" میں وہ اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں رہتی ہے۔ رِشتے دار قریبی ہوں یا دُور کے، کسی کے رحم و کرم پر کیوں زندگی گُزاری جائے؟ جب سے وہ دہلی آئی تھی اُس کی یہی کوشش رہی تھی کہ کوئی مناسب جگہ اُسے کرایہ پر مِل جائے تاکہ رِشتے داروں سے روز روز کی خفّت تو نہ اُٹھانی پڑے، اور یہ محض ایک اِتفاق ہی تھا کہ اُس کے رِشتے دار کی بغل والا کمرہ اچانک خالی ہو گیا تھا۔ کیونکہ اُس کا کرایہ دار ایک عرصہ تک بیمار رہ کر اپنے وطن چلا گیا تھا اور جاتے جاتے وہ اپنے کمرے میں بحیثیت کرایہ دار اُسے چھوڑ گیا تھا۔ شاید اُس کی ان مہربانیوں کے عوض کہ وہ کبھی کبھی چوری چھپے اُس کی مالی امداد بھی کر دیا کرتی تھی اور کبھی کبھار سلائس مکھن وغیرہ دے دیا کرتی تھی۔ کئی ماہ کا کرایہ جو پچھلے کرایہ دار کی طرف واجب تھا، اُسی نے ادا کیا تھا۔ تب کہیں جا کر وہ اُسے چھوٹا سا کمرہ مِلا جو اُس کی اپنی ضرورت کے مطابق ٹھیک تھا۔ جبھی اُس نے سکون کی سانس لی، اُن لمحات میں اُسے ایسا محسوس ہُوا جیسے غُلامی کے بوجھ سے اُس نے نجات پائی تھی۔

گُزشتہ ہفتہ اُسے ایک ٹیلیگرام مِلا تھا کہ اُس کی ماں کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔ ایک ہفتہ کی تعطیل پر وہ لکھنؤ چلی گئی تھی۔ بیمار، ضعیف ماں اور چھوٹے دو بہن بھائی کے سوا اُس کا دُنیا میں کوئی نہ تھا۔ خُدا نہ کرے اُس کی ماں کوئی ایسی بیمار بھی نہ تھی کہ ٹیلیگرام کی ضرورت پیش آتی۔ ٹیلیگرام کا اصل مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اب جلد ہی شادی کر لے تاکہ اُس کی ماں یہ شبھ گھڑی اپنی زندگی ہی میں دیکھ لے، کہیں بیٹی کی شادی کا ارمان اپنے دل ہی میں نہ لے جائے! ماں کی اِس تجویز پر اُس نے سنجیدگی سے غور بھی کیا تھا۔ ماں ٹھیک ہی تو کہتی ہے۔ ڈوبتے سورج کا کیا بھروسہ؟ لیکن اُس کے سامنے اپنی ہی زندگی کا نہیں اور دو چھوٹے بہن بھائی کی زندگی کا اُن کے مُستقبل کا سوال تھا۔ ماں کے علاج، اُس کی تیمار داری ———— شادی کے بعد یہ سب کون کرے گا؟ اِس لئے وہ چاہتی تھی کہ چھوٹے بھائی کی تعلیم پُوری ہو جائے اور اُسے کوئی سروس مِل جائے جس سے وہ چھوٹی بہن کی دیکھ بھال اور شادی کر سکے۔ پھر اُس نے سوچا تھا میری عُمر ایسی کون سی زیادہ ہے۔ پچیس سال، کیا پچیس سال کا سن کوئی زیادہ ہوتا ہے؟ بیاہ شادی پکّی عُمر ہی میں سچّی خوشی کا حامل سمجھے جاتے ہیں۔ اِن ساری باتوں کے پیشِ نظر اُس کے دل میں فی الحال شادی کا کوئی خیال نہ تھا۔

آج سنیچر تھا۔ وہ کل کے بجائے آج ہی دہلی کے لئے تیار ہو گئی تھی۔ ٹرین ایک جھٹکے کے ساتھ رُکی۔ یہ کوئی چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ اُس نے دیکھا اُس کے مقابل کی سیٹ پر بستر میں لیٹا ہُوا وہ ادھیڑ عُمر شخص اچانک گھبرا کر اُٹھا۔ اُس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور اُس کی طرف ایک طائرانہ نظر ڈال کر کمپارٹمنٹ سے نیچے اُتر گیا۔ یخ ہوا کی ایک تیز لہر اُس کی ریڑھ کی ہڈّی سے ٹکرا کر اُس کے سارے جسم کو برف کی سِل بناتی چلی گئی۔ چند لمحوں بعد اُس کا ہمسفر چائے کی ٹرے لے آیا اور اُس نے ایک چائے اُس کی طرف بڑھائی۔ لڑکی نے عجیب سوالیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھا۔ وہ بولا۔

"سردی نقطۂ عروج پر ہے، ایسے میں چائے سے جسم کو گرمی

ملتی ہے!"

"جی نہیں! شکریہ! آپ پیجیے ــــ!"

"میں دو چائے اِسی لئے لایا ہوں"

"یہ ٹھیک ہے، میں چائے منگوائے لیتی ہوں!"

"سفر میں ایسی بیگانگی اچھی نہیں ہوتی محترمہ! اگر دو ہم سفر ایک دوسرے کے لئے اجنبی بنے رہیں تو وہ سفر سوہانِ رُوح بن جاتا ہے۔ اِس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ایک دُوسرے سے متعارف ہو جائیں!" اتنا کہہ کر اُس نے چائے کا کپ اُس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

چائے پی لینے کے بعد اُس نے دروازہ بولٹ کر دیا اور وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ کر بولا۔

"مجھے آئی۔ ایس۔ جُنیجہ کہتے ہیں۔ پورا نام ایشور سرن جُنیجہ ہے۔ دِلّی کارپوریشن میں ہیڈ کلرک ہوں، اور آپ ــــ؟"

"جی میں نئی دِلّی کی ایک پرائیویٹ فرم میں اسٹینوگرافر ہوں۔ میرا نام پُشپا ہے" ایک عُمر کی خاموشی کے بعد اُس نے کہا۔ "لکھنؤ میرا وطن ہے جہاں میری بُوڑھی بیمار ماں رہتی ہے۔ ماں بیمار ہے، اُس کی بیماری کا چھوٹے بھائی نے ٹیلیگرام بھیجا تھا"

"اب کیسی ہیں آپ کی ماتا جی ــــ؟" جُنیجہ نے روایتی ہمدردی کے انداز میں پُوچھا۔

"یُوں تو بھگوان کی کرپا ہے ٹھیک ہیں، لیکن ڈُوبتے سُورج کا کیا بھروسہ ــــ!؟" پُشپا کی آواز میں گہرا غم تھا۔

"سردی کا موسم ہے۔ آپ کو کمبل یا ہولڈال ساتھ لانا چاہیے تھا" جُنیجہ نے بات کا رُخ بدلا تاکہ لڑکی کی اُداسی ختم ہو۔

"زیادہ سامان سے سفر میں اُلجھن ہوتی ہے مجھے لکھنؤ اسٹیشن پر ریزرویشن کراتے ہوئے کسی نے میری گرم چادر صاف کر دی، اور پھر ابھی ایسی سردی بھی تو نہیں ہے!"

اُس نے دیکھا پُشپا سردی ہوتے ہوئے بھی اُسے چُھپا رہی ہے۔ کتنی خود دار ہے یہ لڑکی، لیکن سردی تو ہر جاندار کو لگتی ہے۔ جُنیجہ نے اُسے سُکڑے سِمٹے دیکھا تھا اور اُسے یہ خود بھی اچھا نہیں لگا تھا کہ ایک لڑکی اُس کے سامنے سردی سے نبرد آزما ہو اور وہ آرام سے اپنے بستر میں لیٹا رہے۔ اُس کے ذہن پر ایک بوجھ تھا اور اُس کی گرم چادر کے کھوئے جانے کا افسوس بھی، لیکن وہ ایک اجنبی لڑکی کی کس طرح مدد کرے۔ نہ جانے وہ اُس کی پیش کش کو منظور بھی کرے گی یا نہیں۔ وہ اُسے سردی سے بچانے کے لئے اپنا بستر بھی پیش کر سکتا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے اپنے سرہانے رکھا ہوا کمبل جسے وہ اب تک تکیے کے طور پر استعمال کر رہا تھا، اُٹھا کر پُشپا کی طرف بڑھا دیا۔

"لیجئے! یہ کمبل لپیٹ لیجئے! آج ٹھنڈ کچھ زیادہ ہے"

"شکریہ! میرے پاس شال ہے۔ آپ تکلیف نہ کریں۔ سردی صرف محسوس کرنے سے لگتی ہے"

"دیکھیے آپ نے پھر بیگانگی برتی۔ تکلّف چھوڑئیے ٹھنڈ ہر لمحہ بڑھتی جا رہی ہے"

لیکن پُشپا نے جُنیجہ سے کمبل لے کر اپنے حسّاس دل کو مجروح نہ ہونے دیا۔ جُنیجہ مزید اصرار نہ کر کے مُنہ ڈھانپ کر بستر میں لیٹ گیا۔

سردی بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ چند میٹر کے فاصلے کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ ریلوے اسٹیشن کے برقی قمقمے مدھم چراغوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ شب کا آنے والا ہر لمحہ تیغ بستہ ہو کر اُس کے جسم کے خون کو منجمد کرتا چلا جا رہا تھا۔ کئی بار دل ہی دل میں اُس نے اپنی اِس بات پر افسوس بھی کیا کہ اُسے اپنے ہمسفر جُنیجہ سے کمبل لے لینا

# دوست

اے دوست میرے سینے کی دھڑکن تو دیکھنا
وہ چیز تو نہیں ہے محبت کہیں جسے ــــ عبدالحمید عدم

اب اس کے بعد کیسے آرزو ہے جینے کی
تری نگاہِ کرم تک تھی زندگی اے دوست ــــ شارق میرٹھی

غرض کہ کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست
وہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں ــــ فراق گورکھپوری

وہی اُلجھن ہے وہی خم ہے ابھی تک اے دوست
بارہا گیسوئے دوراں کو سنوارا ہم نے ــــ تسبل کرتپوری

ہائے کس درد سے کی ضبط کی تلقین مجھے
ہنس پڑے دوست جو میں نے کبھی رونا چاہا ــــ حفیظ جالندھری

مرسلہ:۔ محمد اسداللہ خان۔ بھینسہ

چاہیئے تھا۔ اُس نے ازراہِ ہمدردی تو اُسے کمبل دینا چاہا تھا۔ کاش! وہ اِنکار نہ کرتی —— اب اُسے سردی اور بھی زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی شال میں سُکڑی سمٹی بیٹھی رہی۔ کبھی کبھی کسی کی ہمدردی سے فائدہ نہ اُٹھا کر انسان خود تکلیفوں کو خرید لیتا ہے۔ اُسے اپنے ہمسفر کی اِس پیش کش کو رد نہ کرنا چاہیئے تھا۔ کافی دیر تک وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتی رہی لیکن اُس کی خودداری اور اُس کے حسّاس دل نے اِس بات سے انحراف ہی کیا کہ وہ اپنے ہمسفر کی اِس پیش کش کو قبول کر لے۔

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چُکا تھا۔

لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی ٹھنڈ کے اثر سے اُسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔ اپنی اِس تکلیف دِہ کیفیت کا احساس کچھ کم کرنے کے لئے یا پھر اپنا خیال اُس طرف سے ہٹانے کے لئے اُس نے اپنے بریف کیس میں سے ایک ناول بھی نکال لیا تھا۔ لیکن وہ اُسے پڑھنے میں بھی ناکام رہی تھی۔ اچانک وہ چونک پڑی۔ اُس کا ہمسفر جُنیجہ نہ جانے اب تک کیوں نہ سو سکا تھا۔ جبکہ اُس کے پاس آرام دِہ بستر تھا؟ جُنیجہ اپنے بستر میں سے اُٹھا۔ اُس نے ایک طائرانہ نظر اُس پر بھی ڈالی۔ اُس نے جُنیجہ کو اپنی طرف متوجہ پا کر اپنی آنکھیں مُوند لیں۔ وہ اُسی طرح اپنی شال میں سمٹی ہوئی بیٹھی رہی اور جُنیجہ لیٹرن چلا گیا۔ کوئی خطرہ محسوس کرتے ہوئے اُس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور اُس کے گرم بستر کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ وہ ایک سُرعت کے ساتھ اپنی سیٹ سے اُٹھی اور جُنیجہ کے بستر سے تکیے کے طور پر استعمال ہونے والا کمبل اُٹھا لیا۔ ایک لمحہ کے لئے وہ پتھر کی مُورتی بنی کچھ سوچتی رہی اور پھر کمبل کو اپنی سیٹ پر ڈال دیا۔ دُوسرے ہی لمحہ وہ جُنیجہ کے گرم بستر میں لیٹ چُکی تھی۔ اُس نے اپنا مُنہ ڈھانپ لیا۔ آرام دِہ گرم بستر میں لیٹ کر اُسے اب سردی نہیں لگ رہی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا اُس کا جوان جسم عرق آلود ہو رہا ہے! وہ سوچنے لگی —— یہ گرمی جُنیجہ کے جسم کی گرمی ہے یا گرم بستر کی —— ! اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں —— آرام دِہ گرم بستر میں بھی وہ بہت دیر تک جاگتی رہی۔ بیداری میں بھی رنگین خواب دیکھتی رہی۔

جُنیجہ لیٹرن سے نکلا اُس نے سب کچھ ایک لمحہ ہی میں ڈھانپ لیا۔ اُس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ آ کر چلی گئی۔ اُس کی وہ ذہنی پریشانی شاید ختم ہو گئی تھی جس کے باعث وہ اب تک نہ سو سکا تھا! نہایت ہی خاموشی کے ساتھ وہ اپنا کمبل اوڑھ کر پُشپا کی سیٹ پر اطمینان سے بیٹھ گیا —— !!

نہ جانے کیوں ادھیڑ عمر جُنیجہ کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں —— وہ سوچنے لگا۔ کاش! یہ سفر کبھی ختم نہ ہو —— یہ رات کبھی ختم نہ ہو !!

---

# یادوں کے سمن زاروں میں

ساجد ابصار بی۔ ایس سی

جیپ فلیش لائٹ انڈسٹریز لمٹیڈ، شیروانی نگر، الہ آباد

محترم چچاجان! آداب

اپنا تازہ ترین افسانہ "یادوں کے سمن زاروں میں" لے کر "بیسویں صدی" کی بزم میں شریک ہونے کی جرأت کر رہا ہوں۔ گمنامی کے غار سے میدانِ عمل میں آنے کے لئے آپ کی ہمدردی اور شفقت ہی واحد ذریعہ ہے۔ افسانہ "بیسویں صدی" کے معیار پر پورا اُترے تو کسی قریبی شمارے میں جگہ دے کر ممنون ہونے کا موقع دیجئے گا۔ میری ربّ العزت سے یہی دُعا ہے کہ وہ آپ جیسے اُردو دوست کو رہتی دُنیا تک قائم رکھے . . . !

دُعاؤں کا طالب

ساجد ابصار

★

آج پھر آنسوؤں کا ایک ایک قطرہ آنکھوں سے نکل آنے کو مچل رہا ہے۔ انسان کی زندگی میں چند ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب اُسے اپنے جذبات و احساسات پر، اپنے کسی فعل پر کوئی اختیار نہیں رہ جاتا۔

جب تم مجھ سے جُدا ہو رہی تھیں تو لاکھ ضبط و تحمّل کے باوجود میں اپنے احساسات کو دبا نہ سکا تھا۔ حالانکہ وفورِ جذبات سے میرے مُنہ سے کوئی بات نہ نکل سکی تھی۔ لیکن آنسوؤں نے آنکھوں سے نکل کر حالِ دل تم پر عیاں کر دیا تھا۔

جُدا ہونے سے پہلے ایک دن جب میں نے تم سے کہا تھا ـــــ

"شبنم! چند دنوں میں تم مجھ سے الگ ہو کر دُور چلی جاؤ گی، میں اُس ساعت کا تصوّر کرتا ہوں تو میرا سارا وجود لرز جاتا ہے۔ اُس گھڑی کے خیال ہی سے میں بے چین ہو اُٹھتا ہوں۔ میرا دل ڈر رہا ہے کہیں میری محبت دُوری کی بھینٹ نہ چڑھ جائے، کہیں میرا پیار وقت اور فاصلے کے بوجھ تلے دب کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے مُنہ نہ موڑ لے۔ کہیں وہ حسین خواب جو میں نے تمھاری پلکوں کی چھاؤں میں رہ کر دیکھے ہیں، شرمندۂ تعبیر ہونے سے پہلے ہی بکھر نہ جائیں۔ کہیں یہ دُنیا میری آرزوؤں اور تمنّاؤں کا گلا نہ گھونٹ دے۔ خُدا نہ کرے، اگر ایسا ہُوا تو میں اپنے پیار کی لاش اپنے ناتواں کندھوں پر لے کر زندگی کے اِس طویل سفر میں ایک قدم نہ چل سکوں گا۔ وہ دن . . . میری زندگی کا آخری دن . . ." جذبات کی شدّت سے میرا گلا بھر آیا تھا۔

"خُدارا ایسا نہ سوچئے ـــــ" تم نے اپنی خوبصورت اُنگلیاں میرے ہونٹوں پر رکھ دی تھیں۔ "میں صرف آپ کی ہوں۔ میری زندگی کی ہر سانس میں آپ ہی کے محبت کے نغمے ہوں گے۔ میری آرزوؤں کا مرکز آپ ہوں گے۔ میرے مُنہ سے نکلا ہوا ہر لفظ آپ کی ذات سے منسوب ہوگا۔ میرے دل کی آخری دھڑکن میں آپ ہی کا نام ہوگا۔ جس طرح چاند کے بغیر چاندنی کا تصوّر ناممکن ہے، بادل کے بغیر بارش کا خیال غلط ہے اور دریا کے بغیر موجوں کا خیال ادھورا ہے، ویسے ہی

آپ کے بغیر میرا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا۔ خدا نہ کرے محبت کی جو شمع آپ نے میرے دل کے حریم میں روشن کی ہے، اُس کی روشنی کبھی مدھم پڑے اور کوئی اجنبی میرے احساسات اور خیالات پر حکومت کرنے کا دعویدار بن سکے —— ! میں شبِ انتظار کی تاریک راہوں کو اپنے وفا کی قندیلوں سے روشن کر دوں گی۔ میں آپ کا انتظار کروں گی، چاہے وہ انتظار کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو۔ زندگی کے اِس سفر کے آخری موڑ تک . . . اور اُس کے بعد بھی میری پیاسی رُوح آپ کی مُنتظر رہے گی —— ،تم نے میرے سینے سے لگ کر میرے دل کے بوجھ کو ہلکا کر دیا تھا۔

---

- اللہ اُنھیں دوست رکھتا ہے جو مُتّقی ہوتے ہیں۔ (قرآن مجید)
- جو انسان اپنے نفس کا اچھا مُعلّم نہیں ہو سکتا وہ دُوسرے کا کِس طرح ہوگا۔ (حضرتِ غوثِ اعظمؒ)
- میانہ روی نصف روزی ہے اور حُسنِ اخلاق نصف دین ہے۔ (حضرتِ غوثِ اعظمؒ)
- دُوسروں کی بُرائیوں اور خامیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے اپنی خامیوں اور بُرائیوں پر نظر ڈالو۔ (حضرت امام رازیؒ)
- سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو گُناہ سے باخبر ہوتے ہوئے بھی گُناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ (حضرتِ اعجاز بن بصریؒ)

وہ شام بھی میری آنکھوں کے سامنے پردۂ سیمیں کی تصویروں کی طرح گھوم رہی ہے . . .

سارے دن کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد دُور اُفق میں آفتاب اپنی کِرنوں کو سمیٹ رہا تھا۔ شفق کی سُرخی کسی عروسِ نَو کی طرح، ڈُوبتے ہوئے سُورج کا سُنہرا ٹیکہ ماتھے پر لگائے، بڑھتے ہوئے اندھیرے کے سایوں میں لاج سے چُھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ موسم بہت خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہَوائیں اُونچے اُونچے درختوں سے ٹکرا کر فضا میں عجیب سحر انگیز موسیقی بکھیر رہی تھیں۔ پرندے اپنے بسیروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سُورج کی آخری کِرن نے برگد کی سب سے اُونچی شاخ کو چُوم کر شب بخیر کہا۔ درختوں کے سلئے شام کی تاریکی میں ضم ہوگئے۔ اُنھوں نے اپنا وجود کھو دیا۔ تم قملیں گھاس پر چنبیلی کی بیل تلے وکٹوریہ کے مرمریں مجسمے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ میں بھی تمھارے پاس بیٹھا تھا۔ تمھارے جسم سے پھُوٹنے والی مدہوشش کُن خوشبو مجھے مدہوش بنا رہی تھی۔ مدہوشی و خود فراموشی کا وہ سرشار لمحہ کاش ! ابدی ہوتا !

میں سوچ رہا تھا کاش ! وقت کا دھارا رُک جائے۔ زمین اپنے محور پر گردش کرنا بند کر دے۔ میں اُن حسین لمحوں کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کاش ! یہ خوش آیند لمحے ابدی ہو جائیں۔ یہ لمحے ہمارے وجود کا ایک حصّہ بن جائیں۔

'کیا سوچ رہی ہو؟' میں نے تمھارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دباتے ہوئے پُوچھا تھا۔

'میں سوچ رہی ہوں جس دل کو دھڑکنے کے لئے سترہ سال تک میں نے اپنے سینے میں جگہ دی۔ جس کے ہر طرح کے ناز اُٹھائے، جس کے ہر جا و بے جا حُکم کی تعمیل کی اُسی پر میرا کوئی اختیار نہ ہُوا، کوئی حق نہ ہُوا۔ وہ ایک ہی نظر میں آپ کا ہوگیا —— !' یہ کہتے ہوئے تمھارا چہرہ گلنار ہوگیا تھا، تمھارے صبیح رُخسار شفق گوں ہوگئے تھے۔

'میرا دل بھی تو اب تمھارا ہو چُکا ہے ——' میں نے تمھاری عنبریں زُلفوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا، 'میرا دل اب تمھارے لئے دھڑکے گا اور تمھارا میرے لئے۔ اِن کی دھڑکنوں کا ہم آہنگ ہونا ہی ہمارا مقصدِ حیات ہوگا۔ اِن کی ہم آہنگی سے نِکلا ہُوا ترنم ہی ہماری زندگی کا حاصل ہوگا۔ اِن میں سے کِسی ایک کی بھی دھڑکن رُک جانے پر دوسرے کا مقصدِ وجود فنا ہو جائے گا . . . بولو ہو جائے گا نا . . . !' تم میرے سینے سے لگ گئیں۔ ہمارے دلوں کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہوگئیں —— تمھاری سانسوں کے زیر و بم سے نِکلی ہوئی آگ میرے سارے وجود میں پھیل گئی تھی اور میرا رُواں رُواں جلنے لگا تھا۔

---

وہ دن مجھے اب بھی یاد ہے، جب میں مُستقبل کے حسین خواب اپنی پلکوں پر سجائے تن تنہا منزل کی طرف گامزن تھا اور تم اچانک بہار کا پیغام بن کر میری ویران زندگی میں داخل ہوگئی تھیں۔ تمھارا قُرب پاکر میری رُوح گنگنانے لگی تھی ؎

زندگی ہی مری افسانۂ رنگیں بن جائے
تم سا عنواں جو کوئی میری نظر سے گزرے

تم پاکستان سے اپنے والدین اور چھوٹے بھائی بہنوں کے ساتھ ہندوستان آئی تھیں۔ میں یونیورسٹی سے حسبِ معمول چار بجے واپس ہوا تھا تو گھر میں غیر معمولی چہل پہل نظر آئی تھی۔ کچھ اجنبی چہرے نظر آئے تھے۔ امی نے پوچھنے پر بتایا تھا کہ ان کی رشتے کی بہن اُن کے بہت اصرار پر پاکستان سے ہندوستان آئی ہیں۔

جب میں اپنے کمرے میں گنگناتا ہوا داخل ہوا تھا تو تم دروازے کی طرف پُشت کئے ہوئے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ میں دروازہ ہی پر ٹھٹک گیا تھا۔ تم نے میری آہٹ سُن کر چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔ گھبرا کر تم اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھیں۔ تمھارا چہرہ گلنار ہوگیا تھا۔ تمھیں دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا قدرت کی ساری رنگینیاں اور رعنائیاں تمھارے پیکر میں سمٹ آئی ہیں! تم کیٹس کی نظم کی طرح حسین تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا عمر خیام کی رُباعیوں نے انسانی پیکر کا رُوپ دھار لیا ہو۔ بچپن جوانی سے گلے مل کر رخصت ہو رہا تھا۔ تمھاری شوخ آنکھوں میں حیا کی جھلک صاف مترشح تھی۔ اُن کی گہرائیوں میں ڈوب کر اُبھرنے کو جی نہ چاہ رہا تھا۔ میری البم جس کے تم اوراق پلٹ رہی تھیں، ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر گر گئی تھی۔ تم شرم و حیا کی تصویر بن گئی تھیں۔ میں مجسمۂ حیرت بنا دروازے پر کھڑا تمھیں دیکھ رہا تھا ——— سرو قد، متناسب بدن، میدہ کی طرح دُھلا ہوا رنگ، سیمیں کلائیاں، سیاہ گھنی پلکوں کے درمیان کالی کالی آنکھیں

'بیٹھئے۔ بیٹھئے ———' میرے مُنہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

'جی ... وہ یونہی ... ذرا بور ہو رہی تھی ... اِس لئے ... !'
فضا میں جلترنگ بج اُٹھے۔

'البم دیکھ رہی تھیں ——— ! ارے بھئی دیکھئے نا، میں کب منع کر رہا ہوں ———' میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

'جی ٹھیک ہے' اور تم نظریں جھکائے ہوئے باہر جانے لگی تھیں۔

'ارے! آپ پوری البم نہ دیکھیں گی؟' میں نے تمھیں روکنا چاہا تھا۔

'دیکھ لی ہے' تم دروازے کے پاس پہنچ گئی تھیں۔

'سنئے! آپ کا نام کیا ہے؟' نہ جانے کیسے میرے مُنہ سے نکل گیا۔

'شبنم ...!' تم نے میری طرف دیکھ کر نظریں جھکا کر جواب دیا تھا اور خوشبو کے جھونکے کی طرح میرے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی شیریں نغمہ گونجا ہو۔ آسمان پر قوسِ قزح لہرا کر غائب ہوگئی ہو۔

چند ہی دنوں میں تم میرے بہت قریب آگئی تھیں۔ فاصلے قربت میں بدل چکے تھے۔ اجنبیت، اپنائیت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اب تو میرے دل کی دھڑکن، میرے لبوں کی تھرتھراہٹ، میرا سکون سب کچھ ہی تم تھیں۔ کبھی کبھی جُدائی کے خیال سے طبیعت اُداس ہو جاتی تھی۔ لیکن جوانی کی تُند اور تیز موجیں مستقبل کا خیال کب کرتی ہیں؟

---

- پھل کی خواہش کے بغیر عمل کرو۔ (مہابھارت)
- جھوٹ ناکام رہتا ہے، آخرکار فتح سچائی ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ (گُرو گرنتھ صاحب)
- مُبارک، وہ جو امن پسند ہیں، سعادت مند ہیں وہ جو اپنے والدین کی خدمت کرتے ہیں۔ (مہاتما بُدھ)
- سب کچھ ایشور کر رہا ہے اور وہ جو کچھ کر رہا ہے بھلے ہی کے لئے کر رہا ہے۔ (سوامی رام داس)
- جو خود غرضی کی بڑھتی ہوئی آگ کو بے غرضی کے پانی سے سرد کرتا ہے۔ وہی اچھے اوصاف کا حامل ہے۔ (مہاتما منگت رام جی)

---

ایک دن امی اور خالہ کی باتوں سے ظاہر ہو جانے پر کہ انھوں نے میرے لئے خالہ سے تم کو مانگ لیا ہے، میں احساس کی جنت میں کھو گیا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا، فائنل کا امتحان پُورا کرتے ہی میں جلد از جلد تمھارے پاس آجاؤں گا۔ تم نے کہا تھا میں انتظار کروں گی! میری آنکھیں آپ کے لئے فرشِ راہ بنی رہیں گی!

---

وقت کا دھارا بہتا رہا اور ایک دن تم مجھے چھوڑ کر واپس چلی گئیں۔ تمھارے آنے سے پہلے میں تنہا تھا او[illegible] پھر تنہا ہوگیا تھا۔ لیکن نہیں! اب تنہا کہاں تھا؟ اب تو تمھ[illegible] ساتھ بیتے ہوئے حسین لمحات کی حسین یاد میرے ساتھ تھی۔

چند مہینوں تک تمھارے خطوط برابر آتے رہے اور تمھاری وفا کا یقین دلاتے رہے۔ ہر خط میں تم اصرار کر رہی تھیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو پاسپورٹ بنوا کر میں تمھارے پاس چلا آؤں۔ میں جواب میں تمھیں ضبط کی تلقین کرتا رہا۔ حالانکہ خود میرے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

اور پھر ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ گئی۔

جنگ! جس کا تصور ہی بھیانک ہے، جس کا انجام تباہ کاری ہے۔ جو ملکوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ جس کے خوفناک شعلے انسانیت، ہمدردی اور محبت کے جذبوں کو فنا کر دیتے ہیں۔

جنگ نے میری محبت پر بھی اپنی منحوس پرچھائیں ڈال دی۔ اب تو خطوط کا آنا جانا بھی بند ہو گیا تھا۔ میں نے امریکہ کے اپنے ایک دوست کے توسط سے تمھیں کئی خط لکھے جن میں چند کے جواب موصول ہوئے۔ تم ہر خط میں بے چینی اور پریشانی کا اظہار کر رہی تھیں۔ تمھارے ہاتھوں سے ضبط کا دامن چھوٹا جا رہا تھا۔ دو سال کا عرصہ بیت گیا ——

وقت بڑھتا گیا اور خط کم ہوتے گئے۔

---

میں نے جدائی کا غم اس لئے برداشت کیا تھا کہ دیر سینہ ہی سہی، فراق کی ان گھڑیوں کا ماحصل تم تھیں۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ وقتی جدائی ہے۔ لیکن ہم تو اُن ناتواں تنکوں کی طرح تھے جنھیں موجوں کی روانی نے چند لمحوں کے لئے یکجا کر دیا تھا اور وقت کے سیلاب نے ایک کو اٹھا کر ساحل کی طرف پھینک دیا اور دوسرے کو بے رحم موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ بیتے دنوں کی یادیں بھی کتنی جاں گسل، کتنی پرکیف ہوتی ہیں۔ ان میں عجیب سی لذت ہوتی ہے۔ جس میں غم اور خوشی دونوں کی آمیزش ہوتی ہے۔ کون کہتا ہے گزرے ہوئے لمحات واپس نہیں آتے۔ میں تو جب بھی انھیں یاد کرتا ہوں وہ آ آ کر میری پیاسی روح کی تشنگی کو کم کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں۔ یہی ماضی ہی تو میرا کُل سرمایہ ہے، تمام کائنات ہے جس کی لاش میں اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے غم اور فراق کے اس وسیع ریگستان کو عبور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس سفر میں میرے پائے احساس میں بڑے بڑے آبلے پڑ گئے ہیں، جن میں ایک ٹیس اٹھتی ہے، ایک جلن ہوتی ہے، ایک درد ہوتا ہے اور جب درد کی شدت سے تڑپ کر میں کسی مرحلے پر رُکتا ہوں تو تنہائی میں تمھاری یاد چپکے سے ذہن کے دریچوں میں داخل ہوتی ہے اور پھر گرم گرم نمکین قطروں کا روپ دھار کر آنکھوں کے راستے باہر نکل پڑتی ہے۔

میں نے تمھاری عنبریں زلفوں کو اپنے سفر کی شب تصور کیا تھا اور اکثر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر ان کی چھاؤں میں سکون کی نیند لی تھی۔ لیکن مجھے پتہ نہ تھا کہ اُس کے بغیر میری ساری زندگی کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔ مجھے خبر نہ تھی کہ محبت کے جو پھول میں نے اپنی ویران زندگی میں کھلائے ہیں وہ کانٹے بن جائیں گے۔ تم تو خوابوں کی مانند تھیں اور میں انھیں خوابوں کا متلاشی تھا۔ لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ میری پلکوں پر پلے یہ حسین خواب جب حقیقت کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرائیں گے تو چکنا چور ہو جائیں گے اور ان کی کرچیں میری روح کو زخمی کر دیں گی، لہولہان کر دیں گی۔

کچھ دنوں پہلے میں نے تمھیں خط میں لکھا تھا کہ میری محبت کی راہیں تمھارے نازک قدموں کی آہٹ کو ترس گئی ہیں، آؤ اور

---

ان پر اپنے نقش پا چھوڑ دو جو میرے دل سے گزر کر میرے وجود میں ضم ہو جائیں۔ میری بے چین روح قفس کے قیدی کی طرح تم سے ملنے کے لئے پھڑپھڑا رہی ہے۔ امریکہ کے انھیں دوست کے توسط سے جن کے ذریعہ میں اب تک تمھیں خط لکھتا رہا ہوں، جواب میں تمھارا یہ سفید لفافہ آیا ہے اور اس میں میری میز پر پڑا ہوا یہ سُرخ پرچہ تمھاری میری نگاہیں اس پر جمی ہوئی ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے اس پرچے کا رنگ میری محبت کے خون سے رنگا ہوا ہے اور یہ لفافہ میرے پیار کا کفن بن کر اس کی میت کے ثبوت کے طور پر آیا ہے۔
تم نے لکھا ہے ——

" فراق کی جان لیوا راتیں میں نے اس اُمید میں گزاریں کہ خوشیوں کی کرنیں کبھی تو اُن کے دامن کو چاک کریں گی —— کبھی تو تاریک رات کی سحر ہوگی۔ زمانے کی نگاہوں سے میں نے اپنی عمر اور اس کے تقاضے کو جہاں تک ہو سکا چھپائے رکھا —— لیکن ماں باپ کی ضد کے آگے ہار گئی ہوں... ہاں، میں بے وفا ہوں...! لڑکی جو ہوں... ! ماں باپ کے اوپر بوجھ جو ہوں...! ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ چند دنوں بعد میری رخصتی ہے...!؟

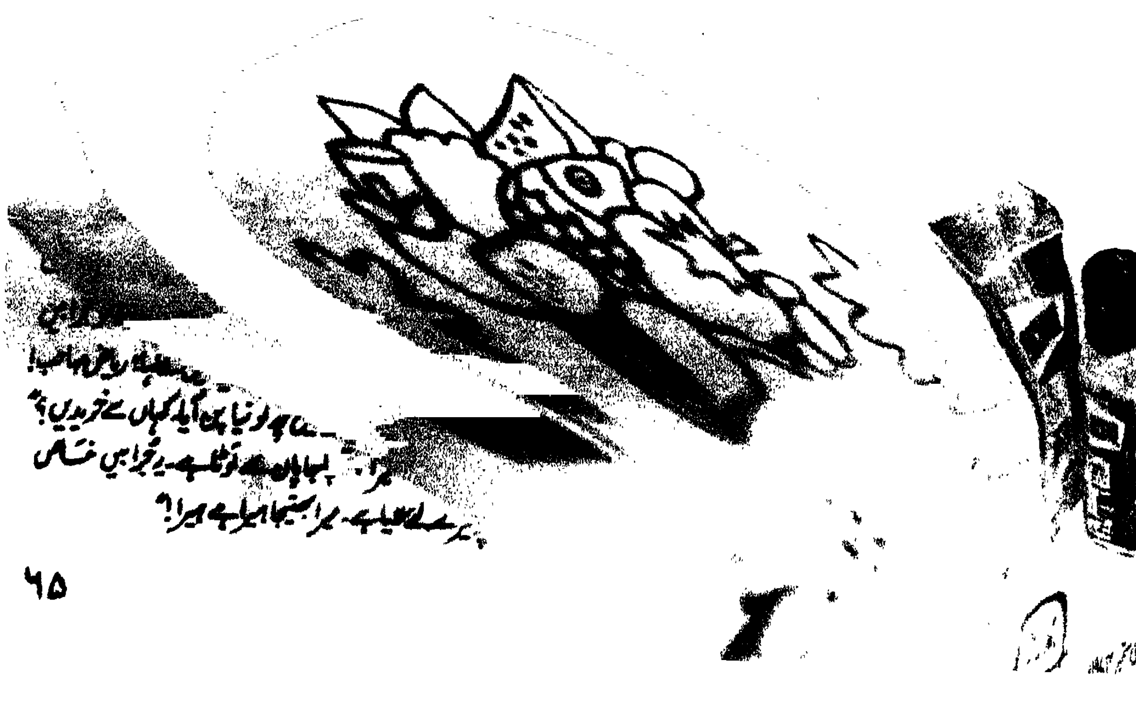
بد نصیب
شبنم"

اب تک اس خط کو میں اتنی بار پڑھ چکا ہوں کہ اس کا ایک ایک لفظ آنسوؤں سے دُھل گیا ہے، تحریر ناقابلِ فہم ہو چکی ہے —— میں یادوں کے سمن زاروں میں کھو گیا ہوں ——!!

---

۱۔ "بیسویں صدی" میں آج بھی تین تین روپے والے رسائل سے زیادہ مضامین ہوتے ہیں۔
۲۔ "بیسویں صدی" میں اشتہارات کم اور مضامین زیادہ ہوتے ہیں۔
۳۔ "بیسویں صدی" کو ہم نے کبھی اشتہارات کا پلندہ نہیں بنایا۔
۴۔ "بیسویں صدی" میں ۴۲۰ اور بوگس قسم کے وہ اشتہارات کبھی شائع نہیں ہوتے جن کا مقصد خریداروں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا ہوتا ہے۔





# غزلیں

## نشاط فہمی

دل کا ہر تار سے کہ لرزاں ہے
وہ تصور میں یوں غزل خواں ہے

یہ نظامِ چمن، یہ شبنم و گُل
کوئی گریاں ہے کوئی خنداں ہے

سوزِ غم آپ ہی کی ہے بخشش
دردِ دل آپ ہی کا احساں ہے

کوئی مغرور باوجودِ گُناہ
کوئی سجدوں پہ بھی پشیماں ہے

شکریہ اے تصورِ جاناں
دل میں اِک شمع سی فروزاں ہے

## اختر بستوی ایم۔اے

پی لے جو کوئی ہنس کر زہرِ غمِ جانانہ
ہو جائے گا دُنیا کے ہر عیش سے بیگانہ

بیتابی و بیچینی، مایوسی و محرومی
سوغات ہے اُلفت کی، چاہت کا ہے نذرانہ

تعظیمِ صنم گویا سرمایۂ عرفاں ہے
دل نذرِ بتاں ہو کر بنتا ہے خدا خانہ

انساں کی کوشش سے ابتک نہ ہوا کچھ بھی
افسوس کہ ہستی کے گیسو رہے بے شانہ

دیکھے جو اِسے دُنیا وآرث کی نگاہوں سے
اختر کی کہانی بھی رانجھا کا ہے افسانہ

## قوی ٹونکی بی۔اے

بچ کے گر راہِ حقیقت سے گذر جائیگی
زندگی خواب کی مانند بکھر جائیگی

تا سحر جانبِ در میری نظر جائیگی
شبِ فرقت اِسی عالم میں گذر جائیگی

ایسا محسوس بہر لحہ مجھے ہوتا ہے
تُم نہ آؤگے تو یہ رات ٹھہر جائیگی

یاد افسانہ ترے ظلم کا رہ جائیگا
زندگی میری بہر حال گذر جائیگی

مُجھکو مرنے نہیں دیتا ہے یہ احساس قوی
زُلف اُس کی مرے ماتم میں بکھر جائیگی

---

## چندر پرکاش جوہر بجنوری

مقام ایسے بھی اکثر عشق کی منزل میں آتے ہیں
جہاں ہم دل کی اُمیدیں صلیبوں پر سجاتے ہیں

وہ کوئی اور ہوں گے جن کو ساحل کی طلب ہوگی
یہاں تو ڈوب کر، موجوں سے ہم ساحل بناتے ہیں

بہت رنگین و دلکش ہیں تری یادوں کے وہ لمحے
ترے آنے سے پہلے جو ترا پیغام لاتے ہیں

اُنہی نغموں سے ہے یہ عالمِ امکاں تہ و بالا
یہ نغمے جنکو ہم سازِ غزل پر گنگناتے ہیں

ابھی تک زندگی دہرا رہی ہے غم کا افسانہ
ابھی تک میری پلکوں پر ستارے جھلملاتے ہیں

نہیں موجِ دتلاطم ہی پہ کچھ موقوف اے جوہر
کنارے آکے بھی اکثر سفینے ڈوب جاتے ہیں

# پچھلا ہفتہ کیسے گزرا؟

فکر تونسوی

پچھلے ہفتے کیا ہُوا ــــــ ؟ اس پر کوئی چاہے تو ایک فلمی ناول لکھ سکتا ہے۔ جس کا انجام "ہنی مون" پر ہوگا اور کوئی چاہے تو پورے ہفتے کو ایک فقرے میں نرخا سکتا ہے کہ پچھلا ہفتہ بناسپتی گھی کے انتظار میں گزر گیا۔ بناسپتی گھی کسی کو گھٹیا لگے تو وہ اُسے محبوبہ کے انتظار میں گزار سکتا ہے۔ لیکن بناسپتی گھی ہو یا محبوبہ ــــ! جب دونوں ماضی کی چیز بن جائیں تو بے حد رومانٹک لگتی ہیں۔ کیونکہ ماضی ہمیشہ حسین لگتا ہے، حال ہمیشہ بھونڈا لگتا ہے۔ لیکن جب وہ گزر جائے تو اُس کی یاد میں ایک دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔

پچھلے ہفتے میرے محلّے میں ایک واقعہ ہُوا۔ کہ ایک صاحب نے اینٹ اٹھا کر پڑوسی کے سر پر عرض کر دی۔ اُس اینٹ میں دو خوبیاں تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اُس پڑوسی کی اپنی اینٹ تھی اور جب وہ اُس کے سر پر لگی تو مجھے یوں لگا جیسے مالک کا کُتّا مالک ہی کو بھونکنے لگا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ اینٹ کچّی تھی۔ اُس میں ملاوٹ تھی۔ کسی کا سر پھوڑنے کے لئے آج کل اینٹوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ مارنے سے پہلے اینٹ سے پُوچھ لینا چاہئے کہ کون سے بھٹّے سے آئی ہو۔ کیا کسی سیاست دان کا بھٹّہ تو نہیں ہے۔

بہرکیف دونوں کے جھگڑوں میں ایک تیسرا جھگڑا یہ پیدا ہو گیا کہ دونوں کو اینٹ کی کوالٹی پر اعتراض ہو گیا۔ جس نے اینٹ ماری اُسے رنج تھا کہ مفت میں رُسوائی ہوئی۔ بلکہ اُلٹے اہلِ محلّہ نے اُسے بھی مذاق کا موضوع بنا لیا۔ ایک کہنے لگا: "سپاہی کو میدانِ جنگ میں اُترنے سے پہلے اپنا اسلحہ ضرور چیک کر لینا چاہئے" ــــ اور جس کے اینٹ لگی اُسے غصّہ تھا کہ اینٹوں کے سپلائر نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ حالانکہ یہ زیادہ بہتر ہوتا کہ میرے سر سے خون کی دھاریں بہہ نکلتیں تو میڈیکل رپورٹ بھی شاندار ہو جاتی اور پولیس تھانے والے بھی رپٹ لکھتے ہوئے نہ خود شرمائے نہ مجھے شرمندہ کرتے۔

چنانچہ ٹھنڈی آہ بھر کر دونوں نے صُلح کر لی۔ بلکہ اُن کے محلّے والوں نے متفقہ ریزولیوشن بھی پاس کر دیا کہ اینٹیں سپلائی کرنے والے ٹھیکے دار کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔

چنانچہ جب یہ واقعہ گزر گیا اور گزرے ہوئے قریباً ایک ہفتہ بھی ہو گیا تو میں نے کل کافی ہاؤس میں دیکھا، دونوں اصحاب ایک ہی میز پر بیٹھے قہقہے لگا رہے ہیں اور اُس اینٹ کی حسین یاد سے لُطف اندوز ہو رہے ہیں۔

غرض زندگی میں لُطف پیدا کرنے کے لئے اینٹ بہت ضروری ہے۔ پچھلے ہفتے جس کی زندگی میں بھی اینٹ آئی وہ خوش نصیب رہا۔ باقیوں کا ہفتہ ڈل رہا۔ جو لوگ اینٹ کو پسند نہیں کرتے، وہ اپنی زندگی میں لُطف حاصل کرنے کے لئے جُرابیں پیدا کر لیتے ہیں۔ پرسوں جنابِ ریاض احمد سے ملاقات ہوئی جو اپنی باقیماندہ زندگی یادِ خُدا کی بجائے ٹُرنڑ پیلنے میں گُزار رہے ہیں۔ ملاقات پر میں نے محسوس کیا کہ وہ بات چیت پر مُسکرا رہے ہیں۔ میں نے اِس تبسّم زیرِ لب کا سبب پُوچھا تو اُنھوں نے کہا: "آپ دیکھ نہیں رہے، میرے پاؤں میں نئی جُرابیں ہیں"۔

مجھے افسوس ہُوا کہ اُن کی مسرّت کا معیار اِس حد تک گر گیا ہے کہ جُرابوں سے آگے نہیں بڑھتا۔ انسان جب اِس حد تک بُوڑھا ہو جائے کہ صُبح کی سیر بعد آکسیجن خوری کے لئے جانے لگے تو جُرابیں ہی اُس کا ملجا و ماویٰ بن کر رہ جاتی ہیں۔ میں نے کہا: "ریاض صاحب! نئی جُرابیں مُبارک! زندگی میں کچھ تو نیا پن آیا۔ کہاں سے خریدیں؟"

بولے: "میرا بھتیجا پاکستان سے آیا تو لایا ہے۔ یہ جُرابیں خاص طور پر میرے لئے لایا ہے۔ میرا بھتیجا ہے میرا!"

لہٰذا جس کی جراب ہیرا بن کر جاپان سے آجاتی ہے، اُس کا ہفتہ عیش و عشرت میں گزر جاتا ہے۔ دُنیا کا ہر ریاض احمد پچھلے ہفتے کسی نہ کسی ہیرے کی تلاش میں مصروف رہا۔ کسی کو ہیرا مل گیا، کسی کا مٹی میں مِل گیا۔ جیسے ایک آنسو تھا جو ضائع ہو گیا۔ فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے جیوتشی پنڈت رام دھن شرما کی لڑکی کی آنکھ ایک ایکسیڈنٹ میں پھوٹ گئی تو پچھلے ہفتے فٹ پاتھ ویران رہا۔ تقدیر کے مارے ہوئے لوگ فٹ پاتھ پر بھٹکتے رہے۔ لیکن اپنی تقدیر کو دیکھنے کی حسرت لئے لوٹ جاتے رہے۔ کیونکہ رام دھن جیوتشی آنسو بہانے میں مصروف تھا۔ نہ جانے اُس کے کتنے آنسو پچھلے ہفتے ضائع چلے گئے۔ اِس دُنیا میں کسی کی آنکھ ضائع ہو جاتی ہے اور کسی کے آنسو اور ہم سب اُسے نوشتۂ تقدیر کہتے ہیں۔ نہ جانے یہ کیسا نوشتہ ہے جو جیوتشیوں کو بھی اپنے ہاتھ کی لکیروں پر نظر نہیں آتا۔ نہ اپنی ہتھیلی پر نہ بیٹی کی ہتھیلی پر۔

لیکن مجھے اُمید ہے کہ پنڈت رام دھن جیوتشی آئندہ ہفتے پھر اِسی فٹ پاتھ پر آبیٹھے گا۔ وہی پنجرے میں بند نیلی، پیلی، چتکبری چڑیاں لے آئے گا جو باہر کیوٗں میں رکھے لفافے چونچ سے اُٹھایا کریں گی جن پر نوشتۂ تقدیر لکھا ہوگا۔ کیونکہ وہ صرف انسان کا نصیب جانتی ہیں، اپنا نہیں۔ اُن کے نصیب میں تو یکسانیت ہے، کوئی ورائٹی نہیں۔ وہ ہر روز، ہر ہفتے، ہر مہینے وہی کام کرتی ہیں اور اِس کے بدلے میں دانہ دُنکا پاتی ہیں۔ چڑیاں ہوں یا جیوتشی، دونوں کی زندگی دانے دُنکے کے گرد ہی گھومتی رہتی ہے۔ ہم میں سے اکثریت کی زندگی اِس روزمرّہ کی بوریت کا شکار رہتی ہے۔ مُرغا ہر روز صُبح بانگ دیتا ہے، بلّی ہر روز میاؤں میاؤں کرتی ہے۔ چوہے ہر روز غلّے کی بوری کاٹتے ہیں اور جیب کترے ہر روز لوگوں کی جیب کاٹتے ہیں۔ روزمرّہ کی بوریت میں چوہوں اور جیب کتروں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ پچھلے ہفتہ بھی ان پر وہی گزری پچھلے ہفتے میں نے کسی جیب کترے کی زبانی یہ نہیں سُنا کہ اُس نے کسی کی جیب سے بٹوا نِکال کر اُسی شخص کو وہی واپس کر دیا —— جو جیب کترے بھی ایسا کرتے ہیں، مورّخ اُن کا ذِکر تاریخ میں ضرور کرتے ہیں۔ لیکن تاریخ میں تو صرف چند ہی آدمیوں کا ذِکر آتا ہے۔ ورنہ لاکھوں کروڑوں انسان تو بغیر کسی معقول وجہ کے اِس دُنیا میں آتے ہیں اور بغیر کسی معقول وجہ کے انتقال کر جاتے ہیں۔

پچھلے ہفتے بھی ایسی ہی ایک نامعقولیت ہوئی کہ میں نے بُوڑھے مکند لال کو دیکھا۔ وہ حسبِ عادت محلّے ہی کی گندی نالی پر بیٹھنے کے لئے صُبح آٹھ بجے آگیا اور نَو بجے تک بیٹھ کر کھانستا رہا۔ وہ باقاعدگی سے کھانستا ہے۔ کلائی میں گھڑی باندھ کر کھانستا ہے۔ کیونکہ وہ وقت کا سختی سے پابند ہے۔ وہ پچھلے سے پچھلے ہفتے بھی اسی طرح کھانستا تھا۔ آنے والے ہفتے میں بھی اِسی طرح کھانسے گا اور کھانسی کا کورس پُورا کرنے کے بعد چائے کا کپ پیئے گا۔ بیڑی سُلگائے گا اور پہلے کش ہی پر مسرور ہو کر کہے گا "اوہ! زندگی کتنی خوبصورت ہے، کتنی پُرکشش۔ جس میں کھانسی کا نغمہ بھی موجود ہے اور بیڑی کا لذیذ کش بھی؟"

اور کوئی بھی بُوڑھے مکند لال کو یہ نہیں بتاتا کہ بابا! تم تو "روٹین" کا شکار ہو۔ تمھاری زندگی میں صرف کھانسی ہے، صرف چائے کا کپ اور بیڑی کا کش۔ اِن میں کوئی ورائٹی پیدا کرو۔ صُبح آٹھ بجے سے نَو بجے تک قہقہے لگایا کرو کہ تم گندی نالی کو اچھی طرح صاف کیوں نہیں کرتے۔ جیسے میں اپنے سینے کی گندی نالی کو کھانس کھانس کر صاف کرتا رہتا ہوں۔ لیکن نہیں۔ مکند لال زندگی میں ورائٹی نہیں لانا چاہتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ قہقہے لگانے کا کام اعلیٰ افسر کا ہے۔ جو کھالیں اُدھیڑنے اور بیچنے کا کام کرتا ہے۔ جب بھی ایک کھال بِک جاتی ہے اُس کے لئے ایک قہقہہ لاتی ہے اور وہ بے ساختہ کہہ اُٹھتا ہے: "قہہ قہہ قہہ! آج سالے گاہک کو خوب بیوقوف بنایا۔"

کسی کی بے وقوفی ہی اعلیٰ افسر کا قہقہہ بن جاتی ہے۔ ہم سب کا قہقہہ بن جاتی ہے، اور مکند لال اُس میونسپل خاکروب کو اِس لئے نہیں پھٹکارتا کیونکہ یہ ڈیوٹی بنسی دھر نے سنبھال رکھی ہے۔ بنسی دھر اُس میونسپل خاکروب پر ہر روز دھونس جماتا ہے: "ابے اَبہرا ہے کیا، سُنتا نہیں تو سُنو کہ میرا چچا میونسپل کونسلر تھا۔ تمھیں لہٰذا پھٹکارنا میرا حق ہے۔"

لیکن مکند لال کا چچا میونسپل کونسلر نہیں تھا۔ بلکہ تانبے پر سونے کا ملمّع چڑھانے کا دھندا کرتا تھا۔ لہٰذا ملمّع کا میونسپل خاکروب سے کوئی آفیشل تعلّق نہیں ہے۔ وہ اُسے کیسے پھٹکار سکتا ہے۔ اُس کا اصول ہے کہ جس کا کام اُسی کو ساجے۔ میونسپل کمشنر پھٹکارتا ہے۔ زرگر ملمّع چڑھاتا ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا فیلڈ ہے، ہر ایک اپنے اپنے فیلڈ کا مارشل ہے اور یہ اصول خُداوند کریم کی طرف سے زمین پر اُترا ہے۔

بیسویں صدی دہلی ستمبر ۱۹۷۴ء

کیونکہ سہ

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

ہاں، جب میں گزرے ہوئے ہفتے پر نگاہ دوڑاتا ہوں تو وہ بڑا رومانٹک نظر آتا ہے۔ کیونکہ وہ اب ماضی بن چکا ہے اور ماضی چاہے آنسوؤں سے بھیگا ہوا ہو یا مسکراہٹوں سے گلگوں ہو وہ حسین لگتا ہے۔ حتیٰ کہ روٹین تک حسین لگتی ہے۔ گزشتہ ہفتے جو آدمی لوکل بس کے تعاقب میں بھاگا تھا تو اپنی عینک تڑوا بیٹھا تھا۔ لیکن اب پھر اس نے نئی عینک خرید لی ہے اور عینک ٹوٹنے کے منظر کو یاد کرکر کے بار بار مسکرا دیتا ہے اور اس کے مقابلے پر جس آدمی نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب بسوں کا تعاقب کرنا بند کر دے گا تاکہ اپنی عینک بچا سکے۔ اس نے سکوٹر خرید لیا ہے اور بس پر ذلیل ہونے والوں سے الگ ہو گیا ہے۔ ان سے بلند ہو گیا ہے۔ اِس بلندی کا فائدہ اس نے یہ اٹھایا ہے کہ اپنی بیوی کو اب اپنی بیوی سمجھنے لگا ہے اور اسے سکوٹر کے پیچھے بٹھا کر انڈیا گیٹ کی سیر پر لے جاتا ہے اور بیوی پر پہلی مرتبہ انکشاف ہوتا ہے کہ اس کا خاوند عظیم ہے۔

لیکن پچھلے ہفتے صرف ایک ہی خاوند عظیم ہو سکا۔ سماج میں ہر خاوند تو عظیم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر بیوی کو بدستور پچھلے ہفتے والا خاوند لگتا ہے اور پچھلے ہفتے کا خاوند ہونے کے باوجود برا نہیں لگتا۔ کیونکہ بیوی کی نگاہ میں وہ خاوند نہیں ہے بلکہ ایک روٹین ہے۔ جیسے مکند لال کی کھانسی روٹین ہے، اعلیٰ افسر کا کھال سے نکلا ہوا قہقہہ روٹین ہے۔

اور روٹین کبھی بری نہیں لگتی۔ کیونکہ ہم روٹین کے عادی ہو گئے ہیں۔ جیسے ہم مہنگائی کے عادی ہو گئے ہیں، ملاوٹ اور مصنوعی قلت کے عادی ہو گئے ہیں۔ لیڈروں کے جھوٹے وعدوں کے عادی ہو گئے ہیں اور لیڈر خود بھی جھوٹے وعدے کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی لیڈر اپنے جھوٹے وعدے کو سچ میں بدلتا دیکھ لے تو اسے ہارٹ اٹیک ہو جائے۔ ہر لیڈر ہارٹ اٹیک ہی سے انتقال کرنے کا عادی ہو گیا ہے کیونکہ اس کے دل میں ہر وقت اِس بات کا دھڑکا رہتا ہے کہ کہیں میرا کوئی وعدہ سچا نہ ہو جائے۔ اِس سے تو میں رسوا ہو جاؤں گا۔ میری شخصیت فنا ہو جائے گی، میرا وجود ختم ہو جائے گا۔

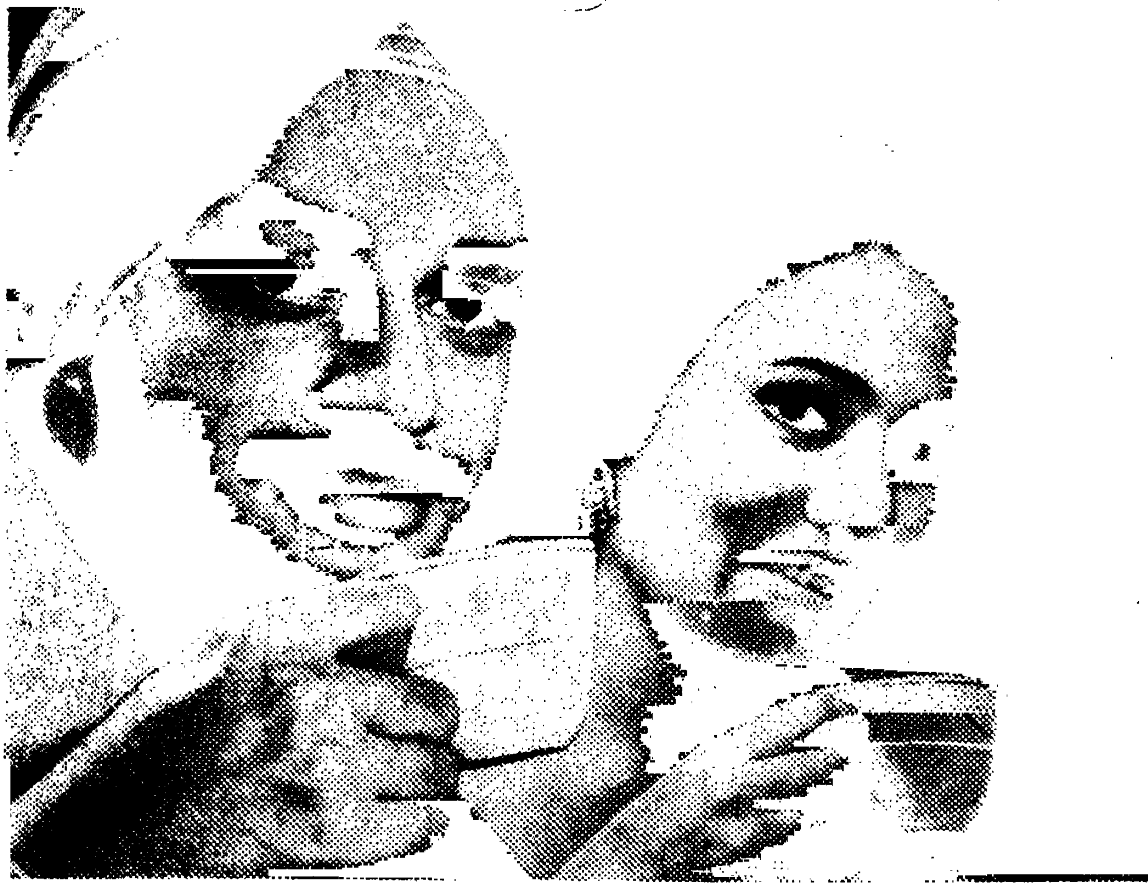
ہاں، یہ عادتیں اب ہمیں بری نہیں لگتیں اور اِس لئے نہیں لگتیں۔ کیونکہ انھیں برا کہنے کے لئے ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے۔ زندگی اتنی تیز ہو گئی ہے کہ اگر ہم کسی کو برا کہنے بھی لگیں تو بس نکل جاتی ہے، ٹرین چھوٹ جاتی ہے، ہوائی جہاز اڑ جاتا ہے، رشوت کا ریٹ بڑھ جاتا ہے، کوئلہ اور گھی اور دودھ وغیرہ بیچنے والا بلیک کے لئے مزید روپے طلب کرنے لگتا ہے۔ ہمارے پاس تو محبوبہ سے یہ کہنے کا ٹائم بھی نہیں ملتا کہ پھر ملیں گے، اور تھری وہیل سکوٹر پر بیٹھ کر چل دیتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ محبوبہ کے مقابلے پر سکوٹر آسانی سے نہیں ملتا۔ ہنھ! محبوبہ کا کیا ہے؟ وہ سکوٹر کی پشت پر خود ہی پڑھ لے گی۔ جس پر جلی الفاظ میں لکھا ہوتا ہے ———

"پھر ملیں گے !!"

---

اور میں تو پسند کرتی ہوں اس کی خوشبو

مجھے تو اس کی تیزی پسند ہے



# لہٰذا لپٹن کی یلو لیبل۔
# ان کی پسندیدہ چائے ہے۔ کیونکہ اس میں یہ دونوں خوبیاں موجود ہیں




خوشبو اور تیزی کے لئے۔ وہی چائے پیجئے جس میں یہ دونوں خوبیاں ہیں۔ اور وہ ہے لپٹن کی یلو لیبل۔ اسے چوٹی کے ماہروں نے ترتیب دیا ہے اور انہوں نے لپٹن کی یلو لیبل چائے میں یہ دونوں خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔

LIPTON

لپٹن کی یلو لیبل
خوشبو اور تیزی کا لاجواب مجموعہ

## لپٹن یعنی اچھی چائے

LTC-58/73 URDU

بیسویں صدی دہلی ستمبر ۱۹۷۴ء

# غزلیں

## حامد مینائی شاہجہانپوری

ہر کاوشِ غم دل سے مٹا کیوں نہیں دیتے
جب درد دیا ہے تو دوا کیوں نہیں دیتے

آنکھوں سے برس جائیں گی خود غم کی گھٹائیں
تم آگ مرے دل میں لگا کیوں نہیں دیتے

آغاز کا ڈر اور نہ انجام کی پروا
بیگانۂ احساس بنا کیوں نہیں دیتے

بیگانۂ آداب ہیں جس رند کی نظریں
اُس رند کو محفل سے اُٹھا کیوں نہیں دیتے

پھر اُٹھی ہے وہ شوخ نظر پرسشِ غم کو
حالِ دلِ بیتاب سُنا کیوں نہیں دیتے

جس نے تمہیں برباد کیا راہِ وفا میں
حامد اُسے تم دل سے بھلا کیوں نہیں دیتے

## فرحت قادری

ضبط کی تاب نہیں، درد ہے اس درجہ فزوں
فاش ہو جائے نہ اے دوست کہیں رازِ دروں

ستم و جور، غم و رنج، سبھی سہہ لوں گا
یہ مگر اور بتا دو کہ جیوں یا نہ جیوں؟

جس کو سننا تھا وہی گوش بر آواز نہیں
وارداتِ شبِ غم کس سے کہوں، کیسے کہوں

عقل والو! مری تصویر سے اندازہ کرو
اپنے بگڑے ہوئے ماحول کا نقشہ میں ہوں

ہوش والے جو نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں فرحت!
رنگ لائیگا کسی دن مرا اندازِ جنوں

## شوراج بہار

کیا کہوں کس سے محبت ہو گئی
ہر اذیت مجھ کو راحت ہو گئی

کچھ تو بخشا ہے بلا سے غم سہی
دل بہل جانے کی صورت ہو گئی

جب سے سمجھا ہے تمہیں غم خوارِ دل
ہم کو غم کھانے کی عادت ہو گئی

مسکرا کر تم نے کیا دیکھا مجھے
زندگی سے پھر محبت ہو گئی

آدمی جتنی ترقی کر گیا
زندگی اُتنی پُر آفت ہو گئی

دیکھ کر رنگِ گلستاں اے بہار!
ہم کو پھولوں سے بھی نفرت ہو گئی

## آزاد گورداسپوری بی۔ اے

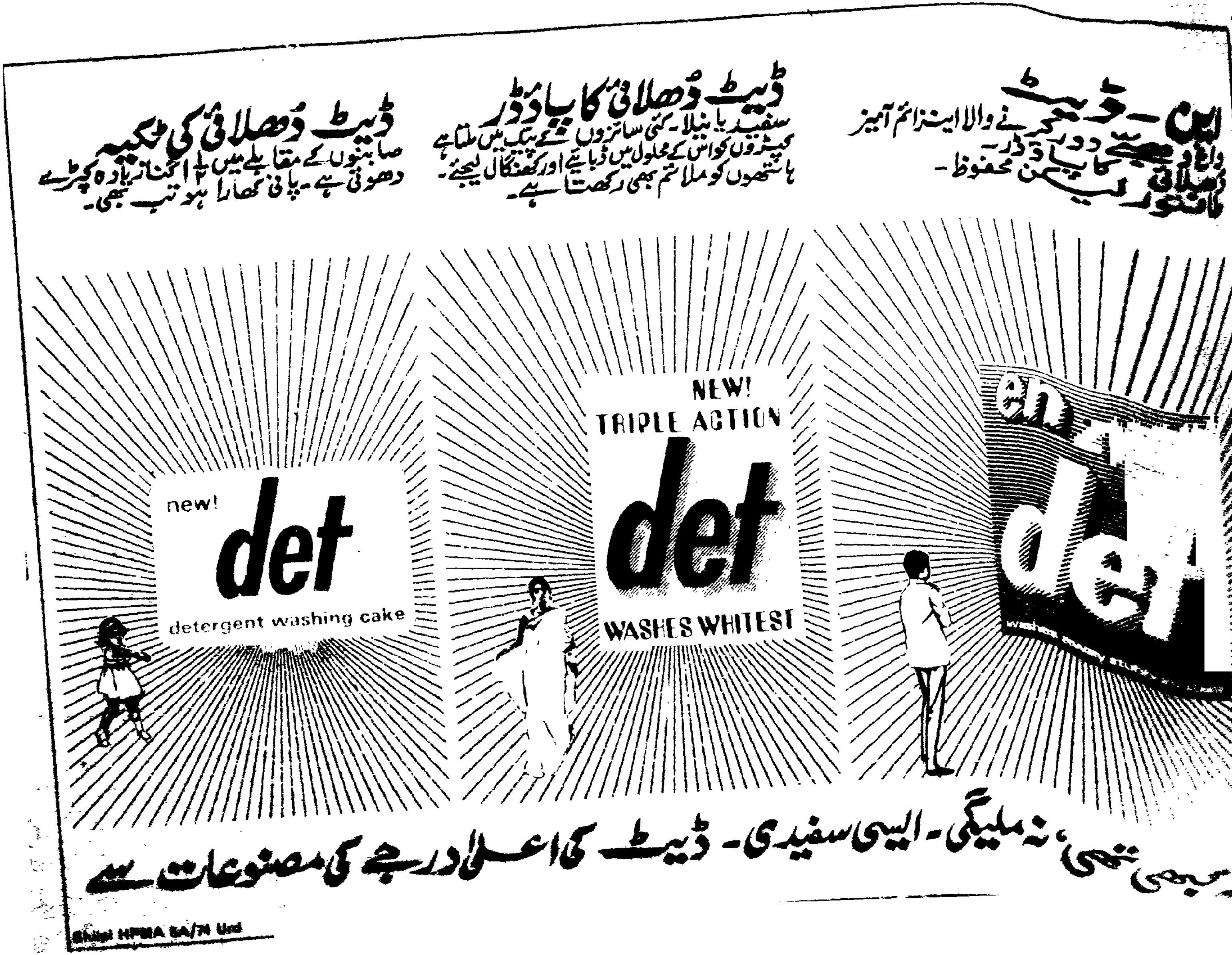
جفا سہہ کے بھی لب پہ شکوہ نہیں ہے عنایت کی اُن کی نظر ہو تو کیا ہو
اندھیرے میں بھی خوش ہے ناکامِ اُلفت اگر شامِ غم کی سحر ہو تو کیا ہو

تغافل کا انداز اپنی جگہ پر مسیحائی پر حرف آئیگا اُس کی
مرا چاہنے والا دم توڑتا ہے مسیحا کو اِس کی خبر ہو تو کیا ہو

ہر اک مرحلہ کامیابی سے طے ہو قدم چومنے آئے خود بڑھ کے منزل
مجھے ٹھوکریں اب جو کھلوا رہا ہے، وہ ظالم شریکِ سفر ہو تو کیا ہو

نگاہوں میں شوخی ہے لب پر تبسم، زباں پر ہیں جاری لگاوٹ کی باتیں
ستم پروری پر تو یہ دلبری ہے اگر مہرباں فتنہ گر ہو تو کیا ہو

کہاں جا رہا تھا کدھر آ گیا ہوں میں اکثر یہ تنہائی میں سوچتا ہوں
سکوں جس نے آزاد لوٹا ہے میرا وہ رہزن اگر راہبر ہو تو کیا ہو



این - ڈیٹ
میل دور کرنے والا اینزائم آمیز دھلائی کا پاؤڈر -
ہاتھوں کیلئے محفوظ -
ڈیٹ دھلائی کا پاؤڈر
سفید یا نیلا - کئی سائزوں کے پیک میں ملتا ہے
کپڑوں کو اس کے محلول میں ڈبایئے اور کھنگال لیجئے۔
ہاتھوں کو ملائم بھی رکھتا ہے۔
ڈیٹ دھلائی کی ٹکیہ
صابنوں کے مقابلے میں ½ 1 گنا زیادہ کپڑے دھوتی ہے - پانی کھارا ہو تب بھی۔
new!
det
detergent washing cake
NEW!
TRIPLE ACTION
det
WASHES WHITEST
det
کبھی نہیں، نہ ملیگی - ایسی سفیدی - ڈیٹ کی اعلیٰ درجے کی مصنوعات سے
Shilpi HPMA 5A/74 Urd

# اصلی رُوپ

محمد رفیع انصاری بی۔ اے (آنرز)

۵۳۔ درگاہ روڈ، بھیونڈی، ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

مکرمی خوشتر صاحب! آداب و تسلیمات

"بیسویں صدی" کے کسی نمبر میں شامل ہونے کی دیرینہ آرزو ہے۔ اپنی اِس خواہش کی تکمیل کے لئے میں نے ایک افسانہ "اصلی رُوپ" حال ہی میں لکھا ہے۔ جسے میں افسانہ نمبر ۷۴ء کے لئے اِرسال کر رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہی نہیں یقین ہے کہ آپ میری اِس دلچسپ تخلیق کو ضرور قبول کریں گے۔ اپنی رائے ضرور لکھئے۔ قارئینِ کرام کی رائے کا بھی میں انتظار کروں گا۔

آپ کا اپنا

محمد رفیع انصاری

★

پہلی مُلاقات

"کیا نام ہے تمھارا؟"

"خورشید، اور آپ کا؟"

"مجھے عاشق کہتے ہیں"

"واہ! کہیں عشق کیا ہے آپ نے؟"

"ابھی تک تو نہیں"

"اب شاید ارادہ ہے؟"

"ہوں، کیسا رہے گا؟"

"اچھا رہے گا"

"تو پھر ٹھیک ہے"

"اچھا عاشق صاحب! ایک بات بتایئے!"

"پُوچھو"

"میری اداکاری پسند آئی آپ کو؟"

"بہت!"

"میک اَپ کیسا تھا؟"

"بالکل پریوں جیسا!"

"لباس؟"

"بالکل حُوروں جیسا!"

"آواز؟"

"جیسے جلترنگ!"

"چہرے کے تاثرات؟"

"ایک دم جیسے مونالزا!"

"اور سراپا؟"

"ہو بہو جیسے حقیقی لیلیٰ!"

"شکریہ!"

"تمھیں دیکھ کر تو میں سُدھ بُدھ کھو بیٹھا!"

"کل ایک اور شو ہو رہا ہے!"

"اُسی تھیٹر میں؟"

"جی ہاں"

"بڑی خوشی کی بات ہے"

"آپ آئیں گے؟"
"بصد شوق!"
"اپنے احباب کو بھی لائیے گا۔"
"وہ کس لئے؟"
"ڈرامہ دیکھنے کے لئے۔"
"اچھا میں چلتا ہوں۔"
"خدا حافظ!"
"اور ہاں! اسے قبول کیجئے۔"
"یہ کیا؟"
"تمھارا انعام!"

---

◆ کاموں کی بہتری اعتدال میں ہے۔
(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

◆ خدا کے دوست وہ ہیں جنھیں دیکھنے سے خدا یاد آئے۔
(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

◆ اپنی اولاد کی عزت کرو اور انھیں اچھا ادب سکھاؤ۔
(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

◆ وقت کاٹنے والی تلوار ہے۔ (حضرت امام شافعیؒ)

◆ دل کی نرمی چاہتے ہو تو اکلِ حلال کے عادی بنو۔
(حضرت امام احمد حنبلؒ)

---

"بہت بہت شکریہ!"

---

## دوسری ملاقات

"خورشید!"
"جی!"
"آج تو تمھارا رنگ روپ دیکھ کر میں حیران رہ گیا!"
"نیا روپ کیسا رہا؟"
"جولیٹ کے کردار میں تم نے تو پاگل بنا دیا!"
"کون سا سین آپ کے من کو بھایا؟"
"ہر منظر اپنی جگہ لاجواب تھا!"
"پھر بھی؟"
"ہاں وہ منظر تو بے خود کر گیا!"
"کون سا؟"
"تیسرا منظر!"
"یہ منظر آپ کو کیوں پسند آیا؟"
"اس سین میں حسن اور عشق بہت قریب آگئے تھے اور...؟"
"اور کیا؟"
"اور حسن کا عشق سے یہ کہنا کہ..."
"کیا کہنا؟"
"کہ رومیو میں تمھارے لئے ہر شے قربان کر سکتی ہوں!"
"ہوں۔"
"کتنا نیچرل تھا!"
"واقعی آپ عاشق ہیں!"
"تم بھی کافی مردم شناس ہو۔"
"ایک بات کہوں؟"
"صرف ایک بات؟"
"ایک زحمت دینی ہے آپ کو!"
"قبول!"
"یہ لیجئے!"
"یہ کیا ہے؟"
"یہ ہمارے آئندہ پروگرام کا اشتہار ہے۔"
"اسے کیا کروں؟"
"اسے اپنے احباب میں تقسیم کر دیجئے۔"
"جو حکم ہو!"
"آپ جا رہے ہیں؟"
"ہاں۔"
"اور میرا انعام؟"
"کس قدر چاہیئے؟"
"میری بساط ہی کیا ہے!"
"یہ لو!"
"شکریہ! کل ضرور آیئے گا!"

"ضرور!"

## تیسری ملاقات

"لو میں آگیا!"
"خوش آمدید!"
"آج پھر لیلیٰ بنی بیٹھی ہو؟"
"کیا یہ رُوپ آپ کو پسند نہیں؟"
"یہ رُوپ تو جادو داں ہے!"
"صحیح فرمایا!"
"ایک بات پُوچھنی ہے تم سے؟"
"پُوچھیے؟"
"تم کب سے اس لائن میں ہو؟"
"کچھ زیادہ دنوں سے نہیں"
"پھر بھی!"
"یہی کوئی دو تین سال سے"
"یہ زندگی تمھیں پسند ہے؟"
"بہت پسند ہے!"
"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے!"
"کیا ہو سکتا ہے؟"
"کہ یہاں کے بعد کی زندگی اِس سے بھی خوبصورت ہو!"
"مجھے اِس کی توقع نہیں"
"میں تمھیں یقین دلاتا ہوں"
"کمال کر رہے ہیں آپ بھی!"
"عاشق جو ٹھہرا!"
"تعجب ہے!"
"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو"
"دراصل آپ نے مجھے پہچانا نہیں"
"مجھے ایسا بھی نہ سمجھیے"
"پھر کیا سمجھوں؟"
"مجھے عاشق سمجھیے!"
"چلیے یہی سہی!"

"یہی میں سُننا چاہتا تھا"
"اب کہیے کیا ارادہ ہے؟"
"میں فیصلہ سُننا چاہتا ہوں"
"فیصلہ کل ہوگا!"
"مجھے منظور ہے!"
"اور ہاں! سُنیے"
"کل ہمارا آخری شو ہو رہا ہے!"
"آخری شو؟"
"جی ہاں!"
"کل آپ میرا بالکل انوکھا رُوپ دیکھیں گے!"

---

- محبت سب سے کرو اور اعتبار چند ہستیوں کا، اور بدی کسی کے ساتھ روا نہ رکھو۔ (شیکسپیئر)
- سب سے بڑی دولت صحت مند جسم ہے۔ (ایمرسن)
- مریض کے لئے شاد و مسرور چہرہ اُتنا ہی اچھا ہوتا ہے، جتنا صحت بخش موسم۔ (بنجامن وینکن)
- جب کوئی مصیبت آئے تو استقلال اور بہادری کے ساتھ ہر مشکل کا مقابلہ کرکے اُسے آسان بناؤ۔ (لُقمان)
- خود پسندوں کا لباس بھی اُن سے نفرت کرتا ہے۔ (ہوم)

---

"تمھارا ہر رُوپ انوکھا ہی تو ہوتا ہے!"
"لیکن کل مجھے دیکھ کر آپ چونک پڑیں گے!"
"اچھا"
"ہُوں"
"تو یہ لو نئے رُوپ کا پیشگی انعام!"
"زہے نصیب!"

## آخری ملاقات

"آئیے جناب عالی!"
"تم کون ہو؟"

"میں اِس ڈرامے کا ایک کردار تھا جسے آپ نے ابھی دیکھا۔"

"غالباً تم نے سہراب کا رول ادا کیا تھا۔"

"خوب پہچانا آپ نے!"

"ایک بات بتاؤں؟"

"فرمائیے؟"

"لیلیٰ کہاں ہے؟"

"کون لیلیٰ؟"

"وہی جس نے جولیٹ کا کردار بھی ادا کیا تھا۔"

"مگر اُس کا اصلی نام یہ تو نہیں۔"

"مجھے معلوم ہے اُس کا نام خورشید ہے۔"

"کیوں کیا بات ہے؟"

"مجھے اُس سے ملنا ہے!"

"بہت خوب!"

"وہ کہاں ہے؟"

"وہ یہیں ہے۔"

"کہاں؟"

"پہلے انعام!"

"یہ لو، اب بتاؤ!"

"بتاؤں؟"

"جلدی!"

"پہچانئے!"

"کہاں ہے وہ؟"

"وہ اپنے اصلی رُوپ میں آپ کے سامنے ہے!!"

---

## رسالہ نہ ملنے کی شکایت

دو مرتبہ چیک کرنے کے بعد بھیجا جاتا ہے
ہر ماہ باقاعدگی سے بذریعہ ڈاک بھیجا جاتا ہے۔
اس کے باوجود شکایتی خطوط وصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔
۲۵ تاریخ کے بعد شکایتی خطوط وصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمہ ڈاک سے بھی کیجیے ——— منیجر

---

# صحت و زندگی

## ۱ــــ نمک ــــ فائدے اور نقصان

نمک غذا کا ضروری جزو ہے۔ نمک سے غذا لذیذ [illegible] ہوتی [illegible] نمک کا استعمال بہت [illegible] نمک انسان کو نہ ملے تو وہ کمزور اور نحیف ہو جاتا ہے۔ [illegible] پھلوں سے بھی [illegible] نمک ملتا ہے۔ نمک انسان کی [illegible] ہے۔ یہ نہ صرف ہماری غذا کو [illegible] تندرستی قائم رکھنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ غذا کو ہضم ہونے میں مدد دیتا ہے۔ بدہضمی دفع کرتا ہے۔ نمک غذا میں شامل نہ کیا جائے تو طرح طرح کے امراض کا باعث ہوتا ہے۔ اگر انسان کو نمک نہ ملے یا وہ خود نمک کھانا چھوڑ دے تو اس کے جسم میں نمک کی جو مقدار موجود ہوتی ہے وہ کم ہو جاتی ہے۔ اس سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے اور انسان طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نمک ہاضمہ کے لئے مفید ہے۔ ہاضمہ کو تیز کرتا ہے، بدہضمی کو دور کرتا ہے۔ اس سے اشتہا میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ریاح کو تحلیل کرتا ہے۔ پیشاب لاتا ہے۔ نمک معدہ اور انتوں میں عفونت نہیں پیدا ہونے دیتا۔ پیٹ کے درد کو دور کرتا ہے اور جراثیم کو ہلاک کرتا ہے۔ خون کی خرابی اور جگر و طحال کی کمزوری میں بہت مفید ہے۔

نمک کا مزاج گرم اور خشک ہے۔ یہ پیاس بڑھاتا ہے۔ زیادہ مقدار میں استعمال کریں تو قے آجاتی ہے۔

امریکہ کے ایک فاضل ڈاکٹر نے لکھا ہے ــــ "گلے کی تکلیف کی بہترین دوا نمک کے غرارے ہیں۔ ایک گلاس گرم پانی میں چائے کے آدھا چمچہ کے برابر نمک حل کر کے غرارے کریں۔ یہ عمل نزلہ، زکام، کھانسی، گلے کی خراش کے لئے بے حد فائدہ بخش ہے۔"

بلغمی کھانسی میں نمک کی ڈلی منہ میں رکھنے سے کف خارج ہونے لگتا ہے۔ کھانسی [illegible] آتی ہے۔
[illegible] رات [illegible] نمک [illegible]
[illegible] ہے۔
[illegible]
[illegible] ہو جاتی ہے۔
[illegible]
[illegible] ہے۔
نمک [illegible] ہے اور [illegible]
[illegible] ریاح خارج ہوتی ہے۔

گرمیوں کے موسم میں پسینے کے ساتھ جسم سے جو نمک خارج ہوتا ہے وہ کمی پوری کرنے کے لئے موسم گرما میں قدرے زیادہ مقدار میں نمک استعمال کرنا چاہئے۔

گرمیوں کے موسم میں جب تیز گرم ہوائیں چل رہی ہوں، تو گھر سے باہر نکلنے سے پہلے بہت تھوڑی مقدار میں پسا ہوا نمک ایک گلاس پانی میں ڈال کر پی لینے سے لو کا اثر نہیں ہوتا۔ نمکین شکنجبین بھی بہت مفید ہے۔

نمک کا اعتدال سے زیادہ استعمال دماغ اور بصارت کے لئے مضر ہے۔ بعض مردانہ امراض میں نمک کا استعمال کم کرنا چاہئے۔ زیادہ نمک خون کو جلاتا اور خارش پیدا کرتا ہے۔ نمک زیادہ کھانے سے مرض سرطان، معدے کی رسولی اور بصارت میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ موتیا بند، گلاکوما وغیرہ آنکھوں کے امراض میں نمک کا استعمال نہایت مضر ہے۔ اس لئے معتدل اور مناسب مقدار میں نمک کھانا چاہئے۔ ایک آدمی کو دن اور رات میں دو ماشہ تک نمک کی ضرورت ہوتی ہے۔

## ۲ــــ تکان سے بچئے

تکان یا خستگی کو خطرے کی گھنٹی سمجھئے۔ یہ حالت عموماً عمر کے

"میں اِس ڈرامے کا ایک کردار تھا جسے آپ نے ابھی دیکھا۔"
"غالباً تم نے سہراب کا رول ادا کیا تھا۔"
"خوب پہچانا آپ نے!"
"ایک بات بتاؤں؟"
"فرمایئے؟"
"لیلیٰ کہاں ہے؟"
"کون لیلیٰ؟"
"وہی جس نے جولیٹ کا کردار بھی ادا کیا تھا۔"
"مگر اُس کا اصلی نام یہ تو نہیں۔"
"مجھے معلوم ہے اُس کا نام خورشید ہے۔"
"کیوں کیا بات ہے؟"
"مجھے اُس سے ملنا ہے!"
"بہت خوب!"
"وہ کہاں ہے؟"
"وہ یہیں ہے۔"
"کہاں؟"
"پہلے انعام!"
"یہ لو، اب بتاؤ!"
"بتاؤں؟"
"جلدی!"
"پہچانئے!"
"کہاں ہے وہ؟"
"وہ اپنے اصلی روپ میں آپ کے سامنے ہے!!"

---

## رسالہ نہ ملنے کی شکایت

دو مرتبہ چیک کرنے کے بعد بیسویں صدی ہر ماہ باقاعدگی سے سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اِس کے باوجود شکایتی خطوط موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے ۵ تاریخ کے بعد شکایتی خطوط موصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمہ ڈاک سے بھی کیجئے ——— منیجر

# صحت و زندگی

## ۱ — نمک — فائدے اور نقصان

نمک غذا کا ضروری جز ہے۔ نمک سے غذا لذیذ نہیں ہوتی۔ نمک کا استعمال صحت کو قائم رکھنے کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اگر نمک انسان کو نہ ملے تو وہ کمزور اور بیمار ہو جاتا ہے۔ سبزیوں اور پھلوں سے بھی ہمیں نمک ملتا ہے۔ نمک انسان کی ضروری غذاؤں میں سے ہے۔ یہ نہ صرف ہماری غذا کو مزیدار بناتا ہے بلکہ اس کا استعمال تندرستی قائم رکھنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ غذا کو ہضم ہونے میں مدد دیتا ہے۔ بدہضمی رفع کرتا ہے۔ نمک غذا میں شامل نہ کیا جائے تو طرح طرح کے امراض کا باعث ہوتا ہے۔ اگر انسان کو نمک نہ ملے یا وہ خود نمک کھانا چھوڑ دے تو اس کے جسم میں نمک کی جو مقدار موجود ہوتی ہے وہ کم ہو جاتی ہے۔ اس سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے اور انسان طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نمک ہاضمہ کے لئے مفید ہے۔ ہاضمہ کو تیز کرتا ہے، بدہضمی کو دور کرتا ہے۔ اس سے اشتہا میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ریاح کو تحلیل کرتا ہے۔ پیشاب لاتا ہے۔ نمک معدہ اور آنتوں میں عفونت نہیں پیدا ہونے دیتا۔ پیٹ کے درد کو دور کرتا ہے اور جراثیم کو ہلاک کرتا ہے۔ خون کی خرابی اور جگر و طحال کی کمزوری میں بہت مفید ہے۔

نمک کا مزاج گرم اور خشک ہے۔ یہ پیاس بڑھاتا ہے۔ زیادہ مقدار میں استعمال کریں تو قے آجاتی ہے۔

امریکہ کے ایک فاضل ڈاکٹر نے لکھا ہے — "گلے کی تکلیف کی بہترین دوا نمک کے غرارے ہیں۔ ایک گلاس گرم پانی میں چائے کے آدھا چمچے کے برابر نمک حل کر کے غرارے کریں۔ یہ عمل نزلہ، زکام، کھانسی، گلے کی خراش کے لئے بے حد فائدہ بخش ہے۔"

بلغمی کھانسی میں نمک کی ڈلی منہ میں رکھنے سے کف خارج ہونے میں مدد ملتی ہے۔ کھانسی بھی کم آتی ہے۔

رات میں سوتے وقت گرم دودھ میں تھوڑا نمک ڈال کر پی لینے سے تھکن دور ہو جاتی ہے۔

گرم دودھ میں چاول بھر نمک ڈال کر صبح و شام پینے سے دماغ کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔

سبزیوں کی ترکاری میں نمک کا پانی سبزیوں کو بہت تازگی بخش ہوتا ہے۔

نمک جسم کی گرمی کو دور کرتا ہے۔ بھوک خوب لگتی ہے اور جسم سے ریاح خارج ہوتی ہے۔

گرمیوں کے موسم میں پسینے کے ساتھ جسم سے جو نمک خارج ہوتا ہے وہ کمی پوری کرنے کے لئے موسم گرما میں قدرے زیادہ مقدار میں نمک استعمال کرنا چاہئے۔

گرمیوں کے موسم میں جب تیز گرم ہوائیں چل رہی ہوں تو گھر سے باہر نکلنے سے پہلے بہت تھوڑی مقدار میں پسا ہوا نمک گلاس پانی میں ڈال کر پی لینے سے لو کا اثر نہیں ہوتا۔ نمکین شکنجبین بھی بہت مفید ہے۔

نمک کا اعتدال سے زیادہ استعمال دماغ اور بصارت کے لئے مضر ہے۔ بعض مردانہ امراض میں نمک کا استعمال کم کرنا چاہئے۔ زیادہ نمک خون کو جلاتا اور خارش پیدا کرتا ہے۔ نمک زیادہ کھانے سے مرض سرطان، معدے کی رسولی اور بصارت میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ موتیا بند، گلاکوما وغیرہ آنکھوں کے امراض میں نمک کا استعمال نہایت مضر ہے۔ اس لئے معتدل اور مناسب مقدار میں نمک کھانا چاہئے۔ ایک آدمی کو دن اور رات میں دو ماشہ تک نمک کی ضرورت ہوتی ہے۔

## ۲ — تکان سے بچئے

تکان یا خستگی کو خطرے کی گھنٹی سمجھئے۔ یہ حالت عموماً عمر کے

چالیس برس گزر جانے کے بعد طاری ہونے لگتی ہے۔ اکثر اِس کا سبب نفسیاتی ہوتا ہے۔ مُسلسل خفگی یا غُصّہ، رنج و غم، رشک و حسد اور پریشانی ـــــ یہ سب چیزیں انسان کو بے چین رکھ کر صحت کے لئے گھُن کا کام کرتی ہیں۔ راتوں کی نیند اُچاٹ ہوجاتی ہے اور اگر کافی نیند آ بھی جائے تو بھی صبح بیدار ہونے پر خستگی اور تکان کا احساس موجود ہوتا ہے۔

ایسے نفسیاتی تکان کے مریض کے لئے اپنی توانائی کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور سکون و آرام سے رہنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اودھیڑ عُمر کے آدمی کو اپنے لئے ایسے مقاصد متعین کرنے چاہئیں جو قابلِ حصول ہوں۔ ناممکنات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش و کاوش میں مضطرب و پریشان رہنا ترک کر دینا چاہئے۔ اُسے چاہیے کہ ناممکن الحصول چیزوں کے لئے ناحق پریشان نہ ہوں۔

مزمن خستگی میں مُبتلا چالیس سال سے اُوپر لوگوں کے لئے بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ چند گھنٹے سکون و خاموشی کے ساتھ گزار کر اپنے ماضی، حال اور مُستقبل پر نظر ڈالیں۔ ماضی تو اب گزر چُکا ہے، حال کے متعلق بھی اُنھیں مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ وہ سارے گذشتہ مصائب و آلام سے سلامتی کے ساتھ گزر کر موجودہ منزل میں پہنچ گئے ہیں۔ رہا مُستقبل تو اُنھیں یہ خیال دُور کر دینا چاہئے کہ اب وقت گزر چُکا ہے اور کچھ کرنے کا وقت نہیں رہا۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جس کی عُمر زیادہ ہوچکی ہے اُس کا وجود بیکار محض ہے، دُنیا کے بازار میں جس کی کوئی قیمت نہیں ہے ـــــ یہ حقیقت ہے کہ زیادہ عُمر والوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ تجربہ اور فہم و بصیرت کے اعتبار سے زیادہ عُمر والے جوانوں کے مقابلہ میں زیادہ برتری رکھتے ہیں۔

یہ مُشاہدہ ہے کہ تکان و خستگی کی حالت میں جب کوئی نئی دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے تو ساری تکان، ساری خستگی جلد ہی دُور ہوجاتی ہے۔ بیشتر حالتوں میں کوئی بھی تفریحی مشغلہ فائدہ بخش ہوسکتا ہے۔ آپ بچپن میں بہت سی من بھاتی باتیں پُوری نہ کرسکے تھے، اب بڑے ہوکر اُن کی تلافی کرسکتے ہیں۔ ایسا کرنا کوئی طفلانہ حرکت نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ٹانک یا مقوّی دوا ہے جس سے تکان اور خستگی دُور ہوکر جوش اور اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دُوسرا کوئی نفسیاتی یا جسمانی مرض اِتنا نقصان رساں نہیں ہوسکتا جتنا کہ تکان کا عارضہ!

## ۳ ـــــ اعصابی خوف سے بچئے

اعصابی خوف کسی تباہ کُن مرض سے کم نہیں ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی اصل ہوتی ہے نہ حقیقت۔

پروفیسر گلبرٹ اوکلے نے لکھا ہے ـــــ "اِس مرض میں مُبتلا لوگ کہتے ہیں، میں تو کسی شدید عارضے میں مُبتلا ہوں، لیکن ڈاکٹروں کی سمجھ ہی میں نہیں آتا، وہ کہتے ہیں تم تندرست ہو۔ اُس کے بعد بہت سی تکلیفیں بیان کرکے اپنی شدید بیماری کا رونا روتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ بیمار نظر آتے ہیں، ورنہ حقیقت میں وہ بیمار نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کو یقین کر لینا چاہئے کہ اِن کا مرض صرف اعصابی اضطراب یا بے بُنیاد وہم و خوف ہے۔"

اعصابی خوف بجائے خود کوئی مرض نہیں ہے، لیکن مُسلسل پریشانی اِس خوف کو انسان کے ذہن، جسم اور دل پر مسلط کرکے ضعف و توانائی کے امراض میں مُبتلا کر دیتی ہے اور اعصاب کا وہمی انسان واقعی مریض بن جاتا ہے۔

خوف، خیال کا خواب ہے۔ صحت مند دماغ کا پہلا عمل یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بیدار رکھے اور وہم میں مُبتلا ہوکر اِس خیالی خواب میں صحت تباہ نہ کرے۔ جو لوگ خوف یا اعصابی اضطراب کو اپنے اُوپر سوار کرلیتے ہیں، وہ اپنے اندر ایک ایسے خطرناک کیڑے کو پالتے ہیں، جو اُنھیں اندر ہی اندر گھلاتا اور اُن کا خون چوستا رہتا ہے۔ رفتہ رفتہ اُن کے جسمانی اعضاء اور قوائے عمل کو کمزور و معطّل کر دیتا ہے۔

اُن کی قوتِ عمل مفقود ہو کر اُنھیں ناکارہ بنا دیتی ہے۔ کسی بات کو وقت سے پہلے سوچنا سمجھنا اچھا ہے، لیکن عمل کے بغیر محض اُس کی فکر میں پریشان رہنا فضول ہے، بے سُود ہے۔

## ۴۔۔۔ کیا آپ جانتے ہیں؟

- تمباکو یا سگریٹ سے صرف سرطان ہی نہیں پیدا ہوتا۔ قلب، پھیپھڑے اور ہوا کی نالیوں سے دوسرے مہلک امراض بھی پیدا ہوتے ہیں۔ تمباکو اعصاب و دماغ کے لئے بھی بہت مُضر ہے۔ ڈاکٹر ہارڈ بے ڈبلیو ویلی نے لکھا ہے ــــــ "تمباکو موت کے سایہ کا ایک قریبی رشتہ دار ہے۔ اِس کا خاص زہریلا جُز نکوٹین ہوتا ہے جو ہلاکت کا باعث ہوسکتا ہے۔"
- ڈاکٹر اِس بات پر متفق ہیں کہ پائیوریا کا کم خرچ و موثّر علاج سبز آملہ ہے۔ سبز آملے کے استعمال سے آپ کے دانت اکثر امراض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ آملہ بچے، بُوڑھے مرد و عورت سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ جس موسم میں سبز آملہ نہ ملے، آملہ کا اچار یا مُربّہ سے وہی فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔ آملہ وٹامن 'سی' کا خزانہ ہے۔
- سردی یا کمزوری کی وجہ سے دل کی حرکت میں بے قاعدگی آجائے تو شہد کا ایک چمچہ زندگی کی نئی لہر دوڑا دیتا ہے۔
- بھاڑ کے بھُنے ہوئے چنے چباتے رہنے سے معدے اور آنتوں کو طاقت و تقویت حاصل ہوتی ہے۔ قبض اور مُنہ کی بدبُو دُور ہوتی ہے۔ ذیابیطس کا خطرہ نہیں رہتا۔
- ناشپاتی سیب کے مقابلہ میں بہت ارزاں پھل ہے، پھر بھی سیب سے زیادہ مفید ہے۔ سیب قابض ہے، ناشپاتی قبض کُشا ہے۔ ہضم بھی جلد ہوتی ہے۔ مفرّحِ قلب ہے۔ معدہ اور جگر کو تقویت بخشتی ہے۔ جسم میں صفرا کی خرابیوں کو زائل کرتی ہے۔
- شہد ایک طاقت بخش اور صحت پرور غذا ہے۔ ہر عُمر کے آدمی کے لئے مفید ہے۔ لیکن بچّوں، بُوڑھوں اور کمزوروں کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔
- وٹامن 'سی' کی موجودگی آنکھوں، دانتوں اور مسوڑھوں کے امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔ خون کی کمی اور جسم کی لاغری کو رفع کرتی ہے۔

---

# سرگوشیاں

اِس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدّنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں فلمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے ہر شخص خواہ وہ "بیسویں صدی" کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ (ایڈیٹر "بیسویں صدی" دہلی)

### ڈاکٹر زبیر احمد شمسی۔ محمد آباد گوہنہ

س۔ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہئے؟

ج۔ زندگی کو مثالی زندگی بنانا۔

س۔ کیا محبت ہی سب سے اعلیٰ جذبہ ہے؟

ج۔ جی ہاں۔ لیکن وہ محبت نہیں جس سے ہوس بھی شرمائے۔

### سلطان احمد اشک۔ کریم نگر

س۔ پالک اور شلغم کے فوائد بتایئے۔

ج۔ ماہرین تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پالک میں فولاد اور کیلسیم کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ فولاد خون بڑھاتا ہے، جگر کو تقویت دیتا ہے۔ کیلسیم ہڈیوں کی ساخت کو مضبوط، پائدار اور سخت بناتا ہے۔ جن لوگوں کے جسم میں خون کی کمی ہو انھیں پالک کا ساگ کھانا چاہیئے۔ طبیبوں کا کشتۂ فولاد کھانے سے اتنا خون نہیں بڑھ سکتا جتنا پالک کھانے سے بڑھتا ہے ــــ شلغم بھی بے حد مفید سبزی ہے۔ ذیابیطس کے مریضوں کے لئے خاص طور پر بہت مفید ہے۔ قبض کشا ہے۔ اِس میں وٹامن 'اے' 'بی' 'سی' پائے جاتے ہیں۔ اِس سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔ سبز پتّوں کی ترکاریوں میں شلغم کے پتّوں کے رس میں سب سے زیادہ کیلسیم ہوتا ہے۔

### پیاری سلطانہ، نسرین سلطانہ۔ گنتور

س۔ حد سے زیادہ چاہت نفرت میں کب بدلتی ہے؟

ج۔ جب چاہت میں غرض شامل ہو جاتی ہے۔

س۔ دَولت کے نشے میں چُور انسان اپنی حقیقت کو کیوں بھُول جاتا ہے؟

ج۔ اِس لئے کہ دَولت کا نشہ اُس کے ذہن کو ماؤف کر دیتا ہے۔

س۔ کچھ اچھی باتیں بتایئے۔

ج۔ • حیا سراپا خیر ہے۔

• تواضع سے درجہ بلند ہوتا ہے۔

• صبر اور شکر سے بڑھ کر کوئی شے لذیذ نہیں۔

• مسرّت ایسی شے ہے جو اچھے نیک خیالات بھلائی کے چھوٹے چھوٹے کاموں اور بے لوث خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔

### شبیر احمد منشال۔ گلبرگہ

س۔ انسان زندگی سے کب بیزار ہو جاتا ہے؟

ج۔ جب اُس کی آنکھیں زندگی کا حُسن دیکھنے سے عاری ہو جاتی ہیں۔

### شہناز رحمٰن۔ کلکتہ

س۔ جسے ساری زندگی پیار نہ ملے وہ کیا کرے؟

ج۔ خود اپنی ذات سے پیار کیا کرے۔

س۔ مستقبل کی فکر کرنی چاہئے یا حال کی؟

ج۔ دونوں کی۔

[illegible]

س۔ [illegible]

ج۔ [illegible] سمجھیں ان کے نقشِ قدم پہ چلے۔

[illegible] مرزا پور [illegible]

س۔ کچھ اچھی باتیں بتایئے۔

ج۔ • جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اس پر اللہ عذاب نازل کر دیتا ہے۔
• اہلِ صدق کی مجلس میں بیٹھو اور خلوصِ دل سے بیٹھو۔
• نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ صحبت میں بڑا اثر ہوتا ہے۔
• خدا اور موت کو کبھی نہ بھول۔ اپنی نیکی اور دوسروں کی بدی کو بھول جا۔

س۔ شاعر دبلے اور لیڈر موٹے کیوں ہوتے ہیں؟

ج۔ بیچارے شاعر کا لیڈر سے کیا مقابلہ؟ شاعر خونِ جگر پی پی کر اشعار کہتا ہے اور مشکل سے صرف داد پاتا ہے۔ لیڈر عام سی بھی تقریریں کر کے منسٹر بن جاتا ہے اور پھر اسے موٹا ہوتے دیر نہیں لگتی۔

---

ساجد حسین کامل جگری۔ [illegible]

س۔ زندگی کب [illegible] ہو جاتی ہے؟

ج۔ جب زندگی کا دامن حسنِ عمل کے پھولوں سے بھر جاتا ہے۔

---

[illegible]

س۔ قدرتی علاج سب سے زیادہ کہاں مقبول ہے؟

ج۔ جرمنی میں۔ آج سے دس سال پہلے جرمنی کے مغربی حصوں میں صحت افزا مقامات اور قدرتی علاج کے اسپتالوں میں تین ہزار مریضوں کا قدرتی طریقوں سے علاج کیا گیا۔ قدرتی علاج سے شفا پانے کے لئے ایک لاکھ پندرہ ہزار سے زیادہ غیر ملکی مریض جرمنی گئے۔

س۔ کیا آپ قدرتی علاج کے موجد کا نام بتا سکتے ہیں؟

ج۔ قدرتی علاج کے موجد کا نام ونسنز پریسنٹز تھا۔

---

بہاؤ الدین شیخ۔ لندن

س۔ راحیل کے لفظی معنی کیا ہیں؟

ج۔ کوچ کرنے والا۔

س۔ ہماری بہنیں میک اپ کی دلدادہ کیوں ہوتی جا رہی ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ مغربی تہذیب کے پرستار ہمارے بھائی بھی پسند کرتے ہیں۔

---

سوشیلا کور۔ بھٹنڈہ

س۔ کریلا کی تاثیر گرم ہے یا ٹھنڈی؟

ج۔ کریلا کی تاثیر گرم و خشک ہے۔

---

سیتلیا عنایت اللہ قادری۔ پربھنی

س۔ اپنے دل سے غم کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟

ج۔ یہ شعر گنگنانا چاہیے ؎

زندگی ان کو راس آتی ہے
جن نے غم سے حیات پائی ہے

•

جئے تو رنج و الم میں بھی مسکرا کے جئے
مگر یہ زندگی مشکل ہے آدمی کے لئے

س۔ یہ شعر کس کا ہے ؎

مرا رنگ روپ بگڑ گیا، مرا بخت مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصلِ بہار ہوں

ج۔ یہ شعر بہادر شاہ ظفر کا ہے۔

---

سید محمد جاوید اسلام۔ سدھو بنی

س۔ یہ شعر کس شاعر کا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ج۔ یہ شعر علامہ اقبال کا ہے۔

---

محمد مقبول حسین خاموش۔ بندی پیٹ

س۔ ہمارے ملک میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہے یا مردوں کی؟

ج۔ مردوں کی۔

س۔ دنیا کا سب سے غریب ملک؟

ج۔ ہندوستان جنت نشان! جسے کبھی سونے کی چڑیا کہتے تھے۔

---

مسلم آزاد۔ رمضان پور

س۔ آج کل انسان احسان فراموش کیوں ہو گیا ہے؟

ج۔ اس لئے کہ آج کا انسان انسان نہ رہا ؎

آدمی آدمی کے پیکر میں
اور کچھ ہو گا آدمی نہ رہا

---

س- [illegible] ... میری عمر ۱۹ سال ہے۔ کوئی
... [illegible] ... سے دل و دماغ
... [illegible] ...

ج- دماغی کام کرنے والوں کے لئے پھل،
... [illegible] ... مفید ہیں۔
اگر ... چاہتے ہیں تو یہ نسخہ استعمال کریں
مغز بادام (چھلکا اتار کر) ۵ عدد، تخم
خشخاش سفید ۳ ماشہ، چھوٹی الائچی ایک
ماشہ ... [illegible] ... ہیں
لیجئے تازہ مکھن ... ۵ تولہ ملا کر چینی
یا مصری سے میٹھا کر کے کھا لیا کیجئے۔ یہ نسخہ
دماغ کو طاقت دینے کے لئے آزمودہ ہے۔

س- انسان چاند پر جانے کے بعد اب کدھر کو
... [illegible] ...

ج- ہر ... کے بعد ... [illegible] ...
اس ... [illegible] ... کا
... گا۔

---

ضیاء الرحمٰن۔ [illegible]

س- پیاز کے ... فائدے

ج- پیاز دماغ ... اور ... پیدا کر
تحلیل کرتا ہے۔ اس کا عرق قاتل کرم
ہے۔ ... کے دنوں میں پیاز کھانا
بے حد فائدہ بخش ہوتا ہے۔ ہیضے کے
مریض کو پیاز کا رس دینا بہت مفید
ہے۔

---

ابن الحسن سعید سہسرام

س- غریبی؟

ج- [illegible]

س- [illegible]

ج- [illegible]

س- [illegible]

ج- [illegible] ہے!

---

[illegible]

س- [illegible]

ج- [illegible] ہے۔

س- انسان کی تخلیق کا مقصد؟

ج- انسانیت کو سر بلند کرنا۔

---

[illegible] ہار

[illegible]

[illegible] حسن کے نزدیک ساری دنیا کی [illegible] بنایا جا سکے؟

ج- حسن گوری رنگت میں نہیں ہے۔ کب حسن نظر ہوتا ہے ہر لڑکی حسین نظر آنے لگتی ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

تمہارے لب کی بات دلِ زلف و کمر کی بات
تشبیہ جمال ہے حسنِ نظر کی بات

کسی اور نے کہا ہے ؎

ایک پہلو تو دلکش ہے خیالوں کے اثر کا
خود حسن حقیقت نہیں دھوکا ہے نظر کا

---

### نواب اصغر علی محمد علی۔ دھنباد

س- انسان شرمندہ کب ہو جاتا ہے؟

ج- انسان کے شرمندہ ہو جانے کے بہت سے مواقع ہیں ــــ جب کوئی مسلمان ایم۔ ایل۔ اے یا ایم۔ پی کی کرسی پانے کے لالچ میں جن سنگھ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کے لئے بڑے طمطراق سے کھڑا ہوتا ہے لیکن ہار جاتا ہے تو اس کی شرمندگی کی حد نہیں ہوتی۔

جب کوئی شاعر اپنی بے جان غزل ہزار لہک لہک کر پڑھتا ہے پھر بھی سامعین اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ایک شعر پر بھی داد نہیں دیتے تو اس کی خجالت و ندامت کی انتہا نہیں ہوتی۔

س- فنکار کو کس چیز سے پرہیز کرنا چاہئے؟

ج- صفات کے لحاظ سے کیا آپ شاعر ہیں؟

---

### نرملا کپور۔ بمبئی

س- کیا ہندوستان کے بنے ہوئے رومال دوسرے ملکوں میں بھی پسند کئے جاتے ہیں؟

ج- ہندوستان کے بنے ہوئے رومال دوسرے ممالک میں بے حد پسند کئے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بنے ہوئے رومال کی برآمد سے پچھلے سال ۴ کروڑ ۷ لاکھ روپے کا زرِ مبادلہ حاصل ہوا تھا۔ ۱۹۷۱ء کے مقابلہ میں یہ رقم ۸۰ لاکھ روپے زیادہ رہی۔

س- ہندوستان میں یہ رومال خاص طور پر کہاں بنتے ہیں؟

ج- غیر ملکوں میں مدراس کے رنگین رومال سب سے زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ ۴۳ ملکوں نے ان رومالوں کو خریدا۔

---

### راندر پال سنگھ۔ پٹیالہ

س- کیا آپ بتا سکتے ہیں ہندوستان پر دوسرے ملکوں کا کتنا قرض ہے؟

ج- راجیہ سبھا میں وزیر خزانہ نے انکشاف کیا کہ بھارت پر ایک کھرب ۸۵ ارب روپے غیر ممالک کا قرض ہے۔

---

### سید نیاز اختر۔ لکھنؤ

س- بنگلہ دیش کی آبادی کتنی ہے؟

ج- ساڑھے سات کروڑ سے زیادہ۔

س- اس وقت ہندوستان کی آبادی کتنی ہے؟

ج- ۸۰ کروڑ۔

---

### آواز نرملی

س- نئی نسل اخلاقی پستی میں کیوں مبتلا ہو گئی ہے؟

ج- مغربی تہذیب کے طفیل!

س- غالب اردو کے بڑے شاعر تھے یا اقبال؟

ج- دونوں اردو کے بڑے شاعر تھے۔

س- آج کل نوجوان مغربی تہذیب کے زہر کو امرت سمجھ کر کیوں پی رہے ہیں؟

ج- اس لئے کہ ان کے ذہن مغربی تہذیب کے زہر سے مانوس ہو گئے ہیں۔

---

### تجمل حسین مکرانی۔ بستی

س- تنہائی کاٹ کھا رہی تھی تو میں نے شادی کر لی، اب کاٹ کھانے والا کام بی بی کر رہی ہے۔ طلاق دینا نا ممکن ہے اس لئے کہ مہر کی رقم زیادہ ہے۔ بتایئے کیا کروں؟

ج- یہ سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، بیوی ناحق آپ کو نہ کاٹتی ہوگی۔

---

### مہندر پال۔ جھانسی

س- ہندی کا پہلا اخبار کب نکلا تھا اور کہاں سے نکلا تھا۔ اس کا نام کیا تھا؟

ج- ہندی کا پہلا اخبار "ہیکی گزٹ" ۱۷۸۰ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔

[illegible]

س۔ [illegible] انسان زندگی کے [illegible] کامیاب ہو سکتا ہے؟

ج۔ [illegible] بزدل انسان سے کامیابی کی [illegible] نفرت کرتی ہے۔

---

**[illegible] صدیقی۔ حیدرآباد دکن**

س۔ انسان اپنے آپ سے کب نفرت کرنے لگتا ہے؟

ج۔ جب وہ کوئی قابلِ نفرین کام کرتا ہے [illegible] اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔

---

**محمد یٰسین رضوان۔ پٹنہ**

س۔ محبت کی شادی کامیاب ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ج۔ محبت کی شادیاں بہت کم کامیاب ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ ان کی بنیاد فہم و بصیرت نہیں جذبات ہوتے ہیں۔

س۔ پھلوں میں سب سے زیادہ کون سا پھل صحت کے لئے مفید ہے اور پھلوں کا بادشاہ کون پھل ہے؟

ج۔ پھلوں میں سب سے زیادہ مفید سیب اور انگور ہے۔ پھلوں کا بادشاہ آم ہے۔

---

**محمد امتیاز علی نصرت۔ کریم نگر**

س۔ تمناؤں کی دنیا یوں تو ہر انسان بساتا ہے مگر پاتا وہی ہے جو یہاں تقدیر لاتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟

ج۔ حُسنِ تدبیر سے تقدیر سنور جاتی ہے۔

س۔ خوشی انسان کا کب تک ساتھ دیتی ہے؟

ج۔ جب تک انسان بے معنی و لایعنی غم

---

[illegible]

---

**[illegible]**

س۔ کچھ حیات [illegible] ایسے [illegible] اپنی بیاض میں [illegible] جلتے [illegible]

ج۔ [illegible] وقت کے [illegible]

•

جو آپ اپنے سینے کا ناسور [illegible]
بلند [illegible] ہواؤں کے رُخ بدلتے ہیں

•

ہے تو رنج و الم میں بھی مسکرا کے جیے
وگرنہ زندگی مشکل ہے آدمی کے لئے

•

بہارِ زیست کی رنگینیاں انھیں سے ہیں
جنھوں نے ضبط کے کانٹوں سے دل کے چاک سیے

•

جو حادثاتِ زمانہ کی تاب لا نہ سکیں
رہِ حیات میں مشکل سے وہ سنبھلتے ہیں

---

**ایم نعمت خوابکار رانچی**

س۔ میں اپنے دُبلے پن سے بہت فکرمند ہوں۔ دُبلا پن دُور کرنے کے لئے کوئی آسان نسخہ بتائیے۔

ج۔ اگر آپ میں خون کی کمی ہے تو کشتۂ فولاد یا ایسا ہی کوئی اور ٹانک لیا کیجئے۔ غذا میں طاقت بخش اجزا کی کمی دور کرنے کے لئے وٹامن بی اور کیلشیم کی گولیاں کچھ دنوں تک برابر لیتے رہئے صبح اُٹھ کر فطری ضروریات سے فارغ

---

[illegible]

س۔ [illegible]

ج۔ [illegible]

زندگی [illegible]
زندگی [illegible]
زیست کی [illegible]
زندگی کا شعور [illegible] ہے

س۔ [illegible]

ج۔ • [illegible]
• ہر حال میں [illegible]
• جب عقل [illegible] کم ہو جاتی ہے۔
• برائی کے [illegible] بہتر عمل ہے۔

---

**ریاض [illegible]**

س۔ اقبال کا [illegible] انداز خاص [illegible]

ج۔ [illegible]

# ...زبان، صنعت وحرفت، کشیدہ کاری اور خانہ داری ... کتابیں

## ...کاریاں و ڈکشنریاں

| | |
|---|---|
| ...کاری ... ایم اے | ۴/- |
| ...کاری | ۵/- |
| ...ہ کاری البم | ۹/- |
| ...ی کلا | ۹/- |
| [illegible] | ۷/۵۰ |
| ...کاری | ۴/۵۰ |
| ...ری | ۶/- |
| ...جارتی کشیدہ کاری | ۷/- |
| ...ی کشیدہ کاری | ۳/- |
| ...ب درزی خانہ | ۲/۵۰ |
| ...کروشیا ڈیزائن بک | ۵/- |
| ...یہ کشیدہ کاری | ۱/۵۰ |
| ...کشیدہ کاری | ۳/- |

### ڈکشنریاں

| | | |
|---|---|---|
| ...ع اللغات | عربی۔ اردو | ۲۸/- |
| ...شوری | فارسی۔ اردو | ۱۸/- |
| ...ربی لغت | اردو | ۱۲/- |
| ...وعامرہ | " | ۷/۵۰ |
| ...ات | " | ۸/۵۰ |
| ...نات | مولوی کریم الدین | ۲/۵۰ |
| ...ردو ڈکشنری | عبدالحق | ۱۵/- |
| " | سنت سنگھ | ۱۲/- |
| ...لش " | " | ۱۱/- |
| ...ری " | فیاض احمد | ۳/۵۰ |
| ...ردو ڈکشنری | انگلش اردو | ۴/۵۰ |

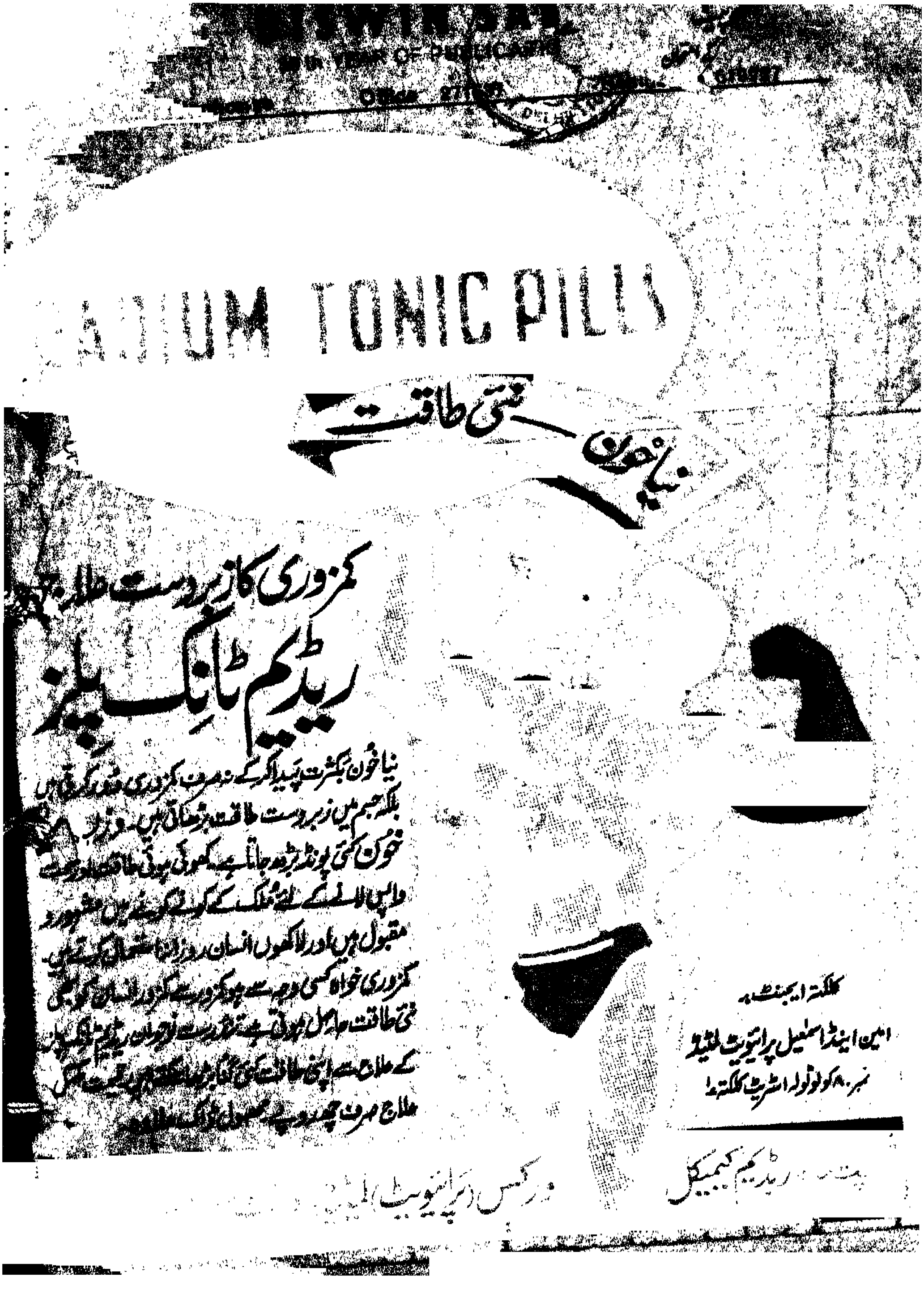
## صنعت وحرفت

| | |
|---|---|
| الیکٹرک انجینئرنگ بک | ۱۸/- |
| الیکٹرک گائیڈ | ۱۲/- |
| الیکٹرک وائرنگ | ۶/- |
| موٹر کار وائرنگ | ۶/- |
| بوٹ پالش سازی | ۴/۵۰ |
| الیکٹرک لائٹنگ | ۸/۲۵ |
| [illegible] | ۱/۵۰ |
| تجارتی مرغی خانہ | ۴/۵۰ |
| آئل وگیس انجن گائیڈ | ۱۵/- |
| آئل انجن گائیڈ | ۸/۲۵ |
| درزی ماسٹر | ۵/- |
| وائرلیس ریڈیو گائیڈ | ۸/۲۵ |
| ریڈیو سروسنگ (ریڈیو مکینک) | ۱۰/۵۰ |
| تانبا لگانے کا ہنر | ۴/۵۰ |
| چھوٹے ڈائنمو والیکٹرک موٹر بنانا | ۶/- |
| پریکٹیکل آرمیچر وائرنگ | ۱۰/۵۰ |
| ریفریجریٹر گائیڈ | ۱۲/- |
| ٹرانسفارمر گائیڈ | ۸/۲۵ |
| الیکٹرک موٹرز | ۱۲/- |
| خراد شکشا یعنی ٹرنر گائیڈ | ۶/- |
| ورکشاپ گائیڈ | ۶/- |
| خراد اور ورکشاپ گیان | ۱۲/- |
| پریکٹیکل گھڑی سازی | ۴/۵۰ |
| سائیکل ریپیرنگ | ۴/۵۰ |
| ڈیری فارمنگ | ۴/۵۰ |

## صنعت وحرفت وخانہ داری

| | |
|---|---|
| موم بتی کاروبار | ۴/۵۰ |
| کاروبار بڑھانے کی ترکیبیں | ۴/۵۰ |
| انڈو یوروپین کُکری بک / دیسی انگریزی کھانے | ۶/- |
| تمباکو کا کاروبار | ۴/۵۰ |
| پان کی دُکان | ۴/۵۰ |
| [illegible] ماسٹر | [illegible] |
| اسمال اسکیل انڈسٹری | ۱۸/- |
| آتش بازی کا کاروبار | ۴/۵۰ |
| وارنش سازی | ۴/۵۰ |
| پرفیومری ماسٹر | ۴/۵۰ |
| فنِ مصوری | ۴/۵۰ |
| بیکری بہار (بسکٹ، ڈبل روٹی، کیک) | ۴/۵۰ |
| پینٹری کا کام | ۴/۵۰ |
| اپٹوڈیٹ بوٹ پالش سازی | ۴/۵۰ |
| پلاسٹک گائیڈ | ۴/۵۰ |
| رنگ سازی | ۴/۵۰ |
| کنفیکشنری (انگریزی مٹھائیاں) | ۴/۵۰ |
| اپٹوڈیٹ انک ماسٹر / روشنائیاں بنانا | ۴/۵۰ |
| خوشبودار تیل بنانا | ۴/۵۰ |
| فائن ٹیلر ماسٹر | ۲/- |
| عصمتی دسترخوان | ۳/۵۰ |
| رضیہ کا شاہی دسترخوان | ۴/- |
| پریکٹیکل انگلش ٹیچر | ۶/- |

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶


ADIUM TONIC PILL
نیا خون — نئی طاقت
کمزوری کا زبردست علاج
ریڈیم ٹانک پلز
نیا خون بکثرت پیدا کر کے نہ صرف کمزوری دور کرتی ہیں
بلکہ جسم میں زبردست طاقت بڑھاتی ہیں۔ وزن
خون کئی پونڈ بڑھ جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ
واپس لانے کے لئے ٹانک کے کرشمے ہیں مشہور و
مقبول ہیں اور لاکھوں انسان روزانہ استعمال کرتے ہیں
کمزوری خواہ کسی وجہ سے ہو کمزور سے کمزور انسان کو بھی
نئی طاقت حاصل ہوتی ہے تندرست نوجوان ریڈیم ٹانک پلز
کے علاج سے اپنی طاقت کئی گنا بڑھا سکتے ہیں قیمت مکمل
علاج صرف چھ روپے محصول ڈاک علاوہ
کلکتہ ایجنٹ:
امین اینڈ اسمٰعیل پرائیویٹ لمیٹڈ
نمبر ۸۰ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ ۱
ریڈیم کیمیکل ورکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ





کوئی آیا نہ کوئی آئے گا　　کوئی سرگوشیوں میں کہتا ہے
خُوگرِ انتظار آنکھوں کو　　پھر بھی اِک انتظار رہتا ہے



گزشتہ دنوں پٹیالہ میں پنجاب راج بجلی بورڈ "رنگ منچ" کے زیرِ اہتمام ایک کُل ہند مُشاعرہ ہوا جس کی صدارت بورڈ کے چیرمین جناب وی۔ڈی سُود اور رسمِ افتتاح سردار زوراسنگھ براڑ ایڈمنسٹریٹر ممبر بورڈ نے فرمائی۔ جناب ساحرؔ ہوشیارپوری اپنی غزل کا جادو جگا رہے ہیں۔

زِندگی ہم سے خفا ہو جیسے — اَب دَوا ہو نہ دُعا ہو جیسے
تیری فُرقت میں ہُوا یُوں محسُوس — زِندگی ایک سزا ہو جیسے
اِس طرح کرتا ہوں پُوجا تیری — تُو محبّت کا خُدا ہو جیسے
اب تو احساسِ تمنّا بھی نہیں — قافلہ دِل کا لُٹا ہو جیسے
میرے ہونٹوں پہ ترا ذِکرِ جمیل — ہر نفَس موجِ صَبا ہو جیسے
تیری آنکھوں سے برستی مستی — ایک مَے خانہ کھُلا ہو جیسے
غم سے ملتی ہے مسرّت دِل کو — غم بھی تیری ہی ادا ہو جیسے
جھنجھنا اُٹھا ہے دِل کا ہر تار — آپ کا نام سُنا ہو جیسے

تلخیِ جام میں پنہاں ساحرؔ
دردِ دِل کی بھی دوا ہو جیسے



جناب رشتی پٹیالوی اپنے مخصوص ترنم میں غزل سنا رہے ہیں۔

اُمید تو کہتی ہے ہوں گے وہ عیاں ہوں گے / جب تک وہ عیاں ہوں گے ہم جانے کہاں ہوں گے

اُس وقت کے افسانے کس دل سے بیاں ہوں گے / جب سامنے آکر وہ نظروں سے نہاں ہوں گے

اے سوزِ غمِ اُلفت، روئیں بھی تو اب کیوں کر / اور آگ لگائیں گے آنسو جو رواں ہوں گے

کھوتے نہ گئے ہم تو پا جائیں گے منزل کو / کھو جائیں گے ہم تو بھی منزل کا نشاں ہوں گے

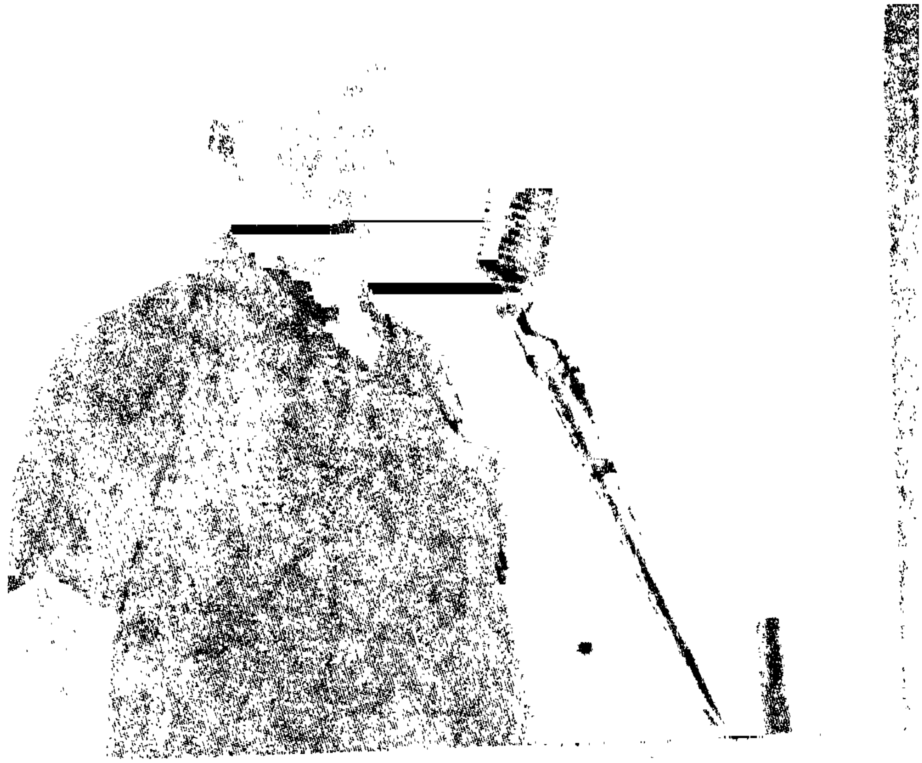
پردوں کو اُٹھانے سے پردہ تو نہ اُٹھے گا / اُس شوخ کے جلوے بھی جلووں میں نہاں ہوں گے

آنے کو ہزار آئے رہ رہ کے خیال اُن کا / یاد آئیں اور آجائیں، ایسے وہ کہاں ہوں گے

ہم ہجر نصیبوں کو کچھ راس نہ آئے گا / آئیں گی بہاریں بھی موسم بھی جواں ہوں گے

سوچا تھا رشتی لب پر لائیں گے نہ رازِ دل

کس کو تھی خبر ظالم آنسو بھی زباں ہوں گے



جناب طالب شلوی نغمہ ریز ہیں۔

ہر گوشہ گلستاں تھا کل رات جہاں میں تھا
اک جشنِ بہاراں تھا کل رات جہاں میں تھا

نغمے تھے ہواؤں میں جادو تھا فضاؤں میں
ہر سانس غزلخواں تھا کل رات جہاں میں تھا

دریائے محبت میں کشتی تھی جوانی کی
جذبات کا طوفاں تھا کل رات جہاں میں تھا

مہتاب تھا بانہوں میں جلوے تھے نگاہوں میں
ہر سمت چراغاں تھا کل رات جہاں میں تھا

ساقی کی عنایت سے میخانۂ ہستی میں
خورشید درخشاں تھا کل رات جہاں میں تھا

تھے چاند کے سائے میں پہرے گھنی زلفوں کے
اور حسن نگہباں تھا کل رات جہاں میں تھا

کل رات جہاں میں تھا مرنے کی تمنا تھی
جینے کا بھی ارماں تھا کل رات جہاں میں تھا

طالب یہ حقیقت ہے ناکردہ گناہوں پر
میں خوب پشیماں تھا کل رات جہاں میں تھا



بزرگ شاعر جنابِ عاجز شملوی قطعات و رباعیات سے سامعین کو محظوظ کرتے ہوئے۔

خوشگوار انقلاب لا ساقی ⁞ دور میں آفتاب لا ساقی
ہوش میں آنہ جائیں مستانے ⁞ جلد جامِ شراب لا ساقی

○

در در کی کبھی خاک نہیں چھانتے ہیں ⁞ خود دار ہیں انجامِ ہوس جانتے ہیں
محتاجِ معاش ہیں مگر اے عاجز ⁞ اِنسان کو رزّاق نہیں مانتے ہیں

○

ہندو نہ مسلمان کی جے بولیں گے ⁞ ہم وید نہ قرآن کی جے بولیں گے
پابند مذاہب کے نہیں ہیں عاجز ⁞ اِنسان ہیں اِنسان کی جے بولیں گے

# بیسویں صدی

ٹیلیفون دفتر ——— ۲۶۱۶۳۷
ٹیلیفون رہائش ——— ۶۱۹۹۳۷



قیمت فی پرچہ
دو روپے

دفتر بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

سالانہ قیمت
ہندوستان میں ——— بائیس روپے
ممالک غیر سے ——— تینتیس شلنگ

# تیر و نشتر

خوشتر گرامی

"خوراک کی کمی کے خوفناک نتائج" ایک عنوان —— لال بہادر شاستری نے ہفتہ میں ایک دن کا کھانا بند کیا تھا۔ اندرا جی ایک دن کھلا اور چھ دن بند رکھیں۔

---

"اسمگلروں اور سماج دشمنوں کو نظر بند کرنے کی تجویز زیر غور" ایک خبر —— عمل جامہ پہنانے کے لئے اگلے جنم کا انتظار کیجئے۔

---

"بمبئی کے ایک وزیر کی طرف سے شیو سینا کی حمایت" ایک خبر —— ان کو وزارت سے رخصت کرکے شیو سینا کا لیڈر بنا دو۔

---

"کانسٹبل کی دھکّم شاہی" ایک عنوان —— سیاستدانوں کے نقشِ قدم پر۔

---

"قانون انسدادِ ملاوٹ میں مجوزہ ترامیم۔ حلوائیوں اور ہوٹلوں کی مخالفت" ایک خبر —— ملاوٹ کو جائز قرار دینے کا بل لے آئیے سب باغ باغ ہو جائیں گے۔

---

"میرا عزم میرے کام آیا اور میرے حوصلوں نے میری رہنمائی کی" ایک فلم اسٹار —— ہمارے سیاسی اسٹاروں سے اچھا ہے جو عزم و عمل اور ہمت و حوصلہ سب سے محروم ہیں۔

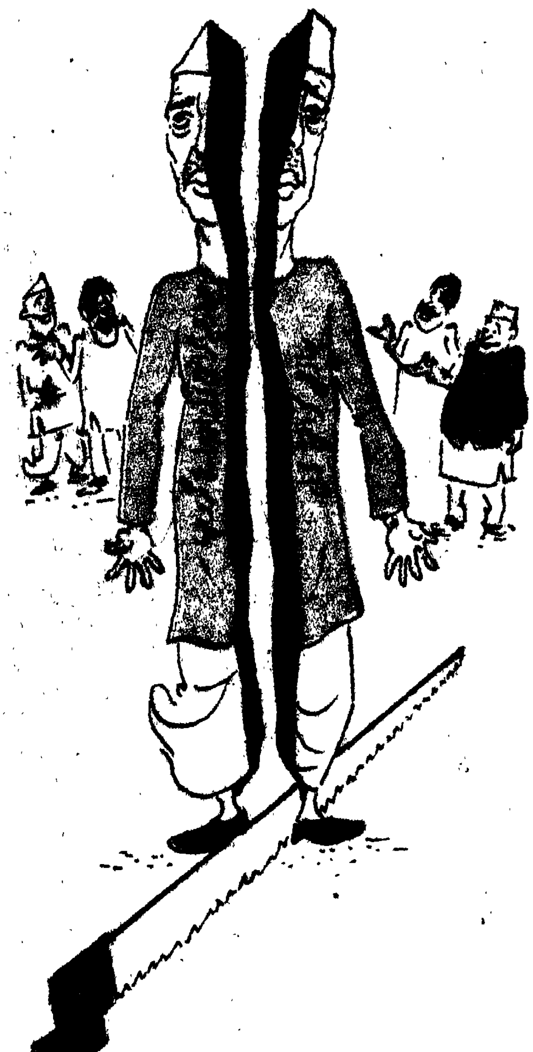
---

"دلی میں مکانوں کا مسئلہ" ایک عنوان —— حل کرنے کے لئے الماریاں بنوائی جائیں جن میں لوگ رات کو آکر سو جایا کریں اور دن میں [illegible] پھریں۔

---

"راجستھان کے پاور پلانٹ سرکاری تحویل میں نہیں لئے جائیں گے" ایک خبر —— خبر نہیں یہ خوشخبری ورنہ بیڑہ غرق ہو جائے گا۔

---



بھارتیہ کرانتی دل دو حصوں میں تقسیم۔



"سیکولرزم اور سوشلزم کی کامیابی ہے" فخر الدین علی احمد صاحب کی کامیابی پر صدر کانگریس کا تبصرہ ——— جی نہیں سیکولرزم کی حقیقی کامیابی اُس وقت ہوگی جب فخر الدین صاحب کی مادری زبان اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی۔

---

"کئی سیاست دان اسمگلروں کے پروردہ ہیں" ایک عنوان ——— اور کئی سیاست دان اسمگلروں کی پرورش کرتے ہیں ان سے دولت کماتے ہیں۔ یورپ کی سیریں کرتے ہیں۔ الیکشن لڑتے ہیں۔ اقتدار حاصل کرتے ہیں اور پھر اقتدار کے سایہ میں اسمگلروں کی پرورش کرتے ہیں۔

---

"دِلّی کے بدعنوان پولیس افسروں کی تحقیقات کے لئے مرکز کی ہدایت" ایک خبر ——— بدعنوان سیاستدانوں کی طرف سے چشم پوشی کی موجودگی میں بے معنی۔

---

"اُردو کو پاکستان یا اقلیتوں کی زبان کہنا غلط ہے" راجیہ سبھا میں خان خورشید عالم خان کی تقریر ——— پاکستان میں جن لوگوں کی زبان اُردو تھی وہ [illegible] زبان کو ہندوستانیوں سے زیادہ [illegible]

---

"وزیروں کے بھتے تنخواہوں سے [illegible]" ایک خبر ——— اے کاش ہم بھی وزیر ہوتے۔ بہت سے لوگ وزیر تو ہوتے آئے ہیں ہمیں بنا تنخواہ کا وزیر ہی بنا دو

میرے مولا بلا دو وزارت مجھے

---

"اُردو ملک کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان ہے" عثمانیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی تقریر ——— اردو کی ترقی کا ثبوت یہ ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی سے ذریعہ تعلیم اُردو کو جلاوطن ہی کر دیا گیا ہے

• اُردو کا ایک ابھرا ہوا شاعر جو ہے دور دور دور ۔ ایک عنوان ـــــ شکوہ جواب شکوہ منظوم شکوہ میں غائب۔

---

• بھوپال کے شعلہ نواز آواز ۔ ایک عنوان ـــــ جو اُٹھاتے ابھار کر دو۔

---

• کبھی تو رہا شنید ۔ ایک خبر ـــــ اب جے پرکاش نرائن اور سنجے گاندھی کے درمیان ہوگا۔

---

• اُردو کو ایک مذہب کے لوگوں کی زبان نہیں کہے بلکہ اس کا حق ملنا چاہئے ۔ ایک کانگریسی لیڈر کا بھاشن ـــــ
• کانگریسی اُردو کے لئے صرف لچھے دار تقریریں کرتے ہیں۔ ان کے پاس بھاشن ہیں عمل نہیں۔
تو شر گرامی کا جوابی بھاشن۔

---

• دہلی کے تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے دس نئی اسکیمیں ۔ ایک عنوان ـــــ

۱۔ سیاست میں گھس پیٹھ کریں۔
۲۔ اشتعال انگیز تقریریں کریں اور نئی سیاسی جماعتیں بنائیں۔
۳۔ وزیروں کے ساتھ فوٹو کھنچوائیں اور لوگوں پر تعلقات کا سکہ جما کر اُن سے پیسے بٹوریں۔
۴۔ اخبار نکال کر بلیک میلنگ کا دھندا شروع کریں۔
۵۔ جعلی پرمٹ اور پاسپورٹ بنوانے کا کام شروع کریں۔
۶۔ ٹیچنگ شاپس کھول کر گارنٹی اسکیم کے تحت طلباء کو پاس کرانے کے کام کی اشتہار بازی کریں۔
۷۔ سرکاری افسروں کو زر اور زن سپلائی کرنے کا کاروبار شروع کریں۔
۸۔ جعلی دوائیں، ملاوٹ کے مصالحہ جات تیار کریں۔
۹ بلیک میلنگ، چور بازاری اور منافع خوری کریں۔
۱۰۔ کالونائزر کا بورڈ لگا کر کام شروع کریں۔

---



جے پرکاش نرائن یو۔پی میں بہار جیسی ایجی ٹیشن شروع کریں گے۔



پاکستان گورنمنٹ نے ہند کے خلاف پروپیگنڈہ بند کرنے کی ہدایت کی۔

---

• "چھپے ذخیرے برآمد کرانے کے لئے پیہم جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے" اندرا گاندھی —— نہیں نہ آپ کو بلکہ جنابِ والا کی سرکاری مشینری کو جو اس طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھی ہے۔

---

• "پنجاب میں چھاپوں سے بلیک کرنے والے بیوپاریوں نے مہلت مانگی" ایک خبر —— جو بولے سو نہال۔ گیانی ذیل سنگھ زندہ باد۔

---

• "آسام میں عورتیں بازاروں میں بھیک مانگ رہی ہیں" ایک خبر —— ؎

شرم ، ہم کو مگر نہیں آتی

---

• "اتحاد اور تنظیم ہو تو حقوق محفوظ رہ سکتے ہیں" سید احمد ہاشمی ایم پی —— اور جے پرکاش انتشار اور بدنظمی سے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

---

• "نوجوان ٹیم پرسا پر ہیڈ ماسٹر کے قتل کا الزام" ایک خبر —— جائنٹ ٹیچنگ سسٹم شروع کرنے کے لئے۔

---

• "گولڈ کنٹرول ایکٹ میں ترمیم" ایک خبر —— مرار جی ڈیسائی ہائے ہائے۔

---

• "ریلوے کو لاکھوں کا دھوکا" ایک خبر —— اور غریب مسافروں پر کرایہ بھاڑے میں اضافہ کر کے کروڑوں کا بوجھ۔

---

• "جالندھر کے روزنامہ اخبار 'ہند سماچار' نے بجلی کٹ جانے پر ٹریکٹر کے ذریعہ مشین چلا کر اخبار کی پچاس ہزار کاپیاں چھاپیں" ایک خبر —— راشٹرپتی توجہ فرمائیں اور نئے سائنسی ایجادات کرنے والوں کے زمرے میں مالکانِ ہند سماچار کو ایوارڈ عطا کریں۔

... ایک عنوان ——— اور ہم ... ایڈیٹر اگر اور ایڈیٹر آگمر کے عنوان سے

... سے پریشان ہو کر ... ایک خبر ——— کئی ...

---

... نادہندگان جنھوں نے اکیس کروڑ کا ... ایک خبر ——— ان کو بھارت رتن کا اعزاز

"دلّی پر اُردو کا حق سب سے زیادہ ہے : دلّی کے چیف ایگزیکٹو کونسلر کا انٹرویو ——— اور آپ کے دور میں دلّی میں اُردو کے ساتھ سب سے زیادہ ناانصافی۔

---

... آباد میں سیلاب سے خطرہ : ایک خبر ——— ... آباد میں سیلاب سے ہوش اُڑ گئے۔

"بچے سے بڑا ہوٹل کی آیرش ... ایک عنوان ——— جیسے آج بچے سے بڑا انسان جھوٹ، فریب، مکر، بے ایمانی سے مبرا نہیں۔

---

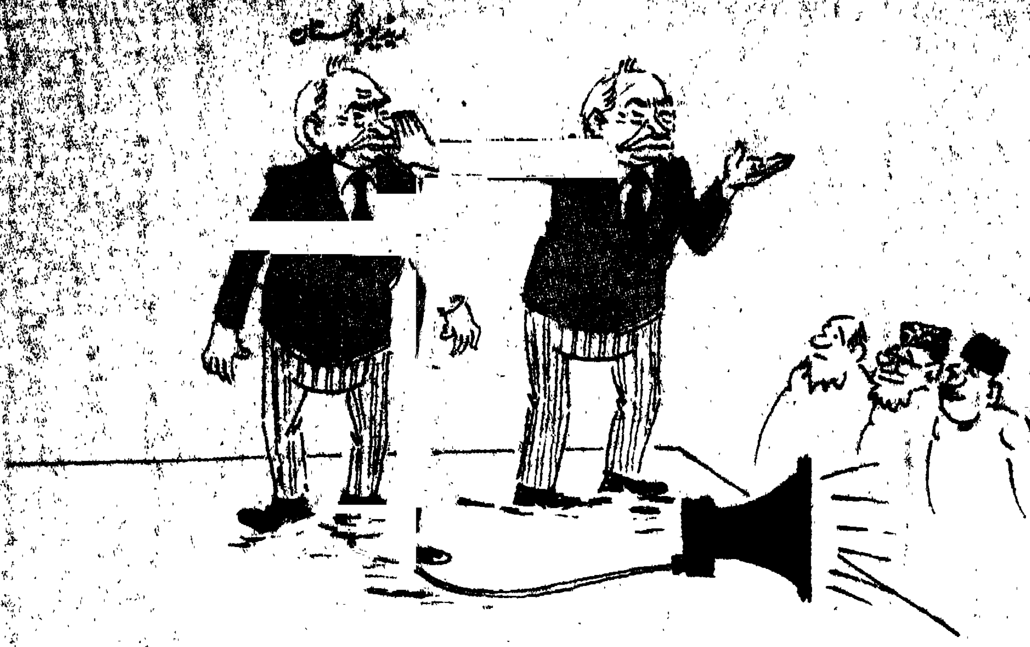
... لیڈروں کا آگرہ میں داخلہ ممنوع : ایک خبر ——— ان کے بھائی بندھو سنگھی، ہندو سبھائی اور جماعت ... والوں کو نہ بھولئے۔

"عورتوں نے وزیر کا گھیراؤ کیا : ایک خبر ——— مرد جوابی کارروائی کے لئے کسی خاتون وزیر کا انتخاب کریں۔

---



واٹر گیٹ سکینڈل میں امریکہ کے سابق صدر نکسن کی رُوسیاہی۔



پاکستان گورنمنٹ نے ہند کے خلاف پروپگنڈہ بند کرنے کی ہدایت کی۔

"ٹچپے ذخیرے برآمد کرانے کے لئے پیہم جدو جہد کرنے کی ضرورت ہے" اندرا گاندھی ——— نہیں نہ آپ کو بلکہ جناب والا کی سرکاری مشینری کو جو اس طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھی ہے۔

"پنجاب میں چھاپوں سے اچل کر پانہ بیوپاریوں نے مہلت مانگی" ایک خبر ——— جو بولے سو نہال۔ گیانی ذیل سنگھ زندہ باد۔

"آسام میں عورتیں بازاروں میں بھیک مانگ رہی ہیں" ایک خبر ——— ؎

شرم ، ہم کو مگر نہیں آتی

"اتحاد اور تنظیم ہو تو حقوق محفوظ رہ سکتے ہیں" سید احمد ہاشمی ایم پی ——— اور جے پرکاش انتشار اور بدنظمی سے حقوق حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

"نوجوان ٹیچرس پر ہیڈ ماسٹر کے کورس" ایک خبر ——— جانشنٹ ٹیچنگ سسٹم شروع کرنے کے لئے۔

"گولڈ کنٹرول ایکٹ میں ترمیم" ایک خبر ——— مرار جی ڈیسائی مارے جائے۔

"ریلوے کو لاکھوں کا دھوکا" ایک خبر ——— اور غریب مسافروں پر کرایہ بھاڑے میں اضافہ کے ذریعہ کروڑوں کا بوجھ۔

"جالندھر کے روز نامہ اخبار "ہند سماچار" نے بجلی کٹ جانے پر ٹریکٹر کے ذریعہ مشین چلا کر اخبار کی پچاس ہزار کاپیاں چھاپیں" ایک خبر ——— راشٹرپتی نوٹ فرمائیں اور اگلی دفعہ سائنسدانوں اور ایجادات کرنے والوں کے زمرے میں مالکان "ہند سماچار" کو انعام عطا کریں۔

• پنجاب سیلاب زدہ ہے ایک عنوان —— اور ہم یہاں خوشیاں کرتے ہیں۔ پیر اگر اور پیتیر اگر کے عنوان سے [illegible]

---

• بمبئی کے [illegible] نادہندگان جنہوں نے اکیس کروڑ کا [illegible] دبا رکھا ہے ایک خبر —— ان کو بھارت رتن کا اعزاز دیا جائے۔

---

• جھنگ آباد میں سیلاب سے خطرہ ایک خبر —— یعنی کچھ جھنگ آباد میں سیلاب سے بہہ کر آ گئے۔

---

• مسلم لیگی لیڈروں کا آگرہ میں داخلہ ممنوع ایک خبر —— ان کے بھائی بندھن سنگھی، ہندو سبھائی اور جماعت اسلامی والوں کو نہ چھوڑئے۔

---

• جنگ سے پریشان ہو کر عورتوں کی بچیاں فروخت کر رہے ہیں ایک خبر —— کفن چوروں سے بھی آگے نکل گئے۔

---

• دلی پر اردو کا حق سب سے زیادہ ہے۔ دلی کے چیف ایگزیکٹو کونسلر کا انٹرویو —— اور آپ کے دور میں دلی میں اردو کے ساتھ سب سے زیادہ ناانصافی۔

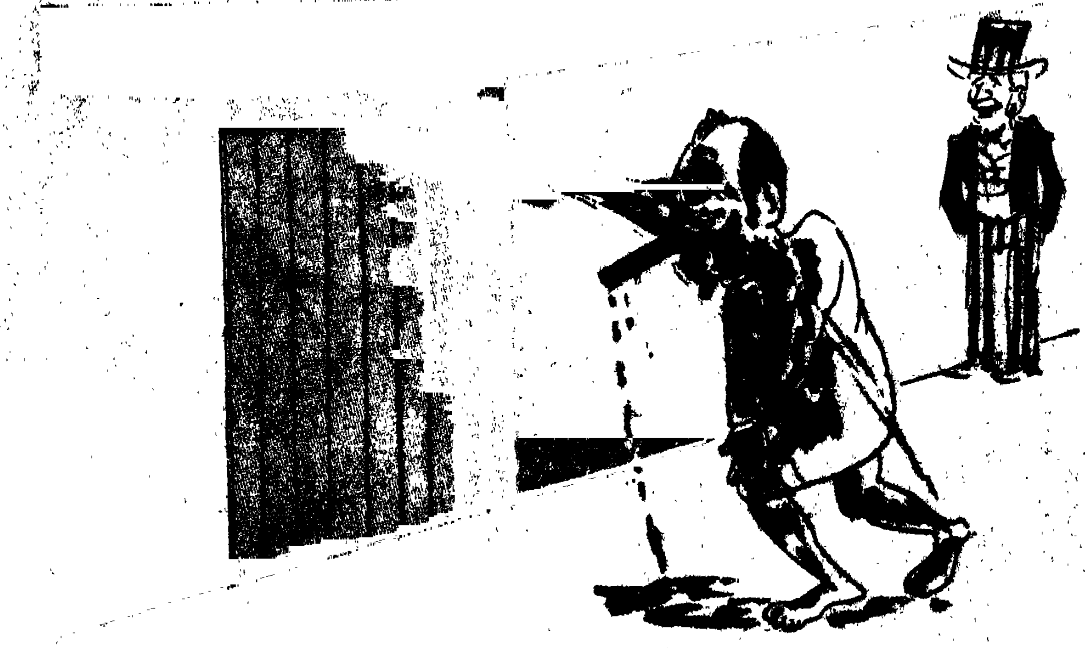
---

• بڑے سے بڑا ہوٹل بھی آمیزش سے خالی نہیں ایک عنوان —— جیسے آج بڑے سے بڑا انسان جھوٹ، فریب، مکر، بے ایمانی سے مبرا نہیں۔

---

• عورتوں نے وزیر کا گھیراؤ کیا ایک خبر —— مرد جو ان کا سوال سکتے [illegible] وزیر کا [illegible] کریں۔

---

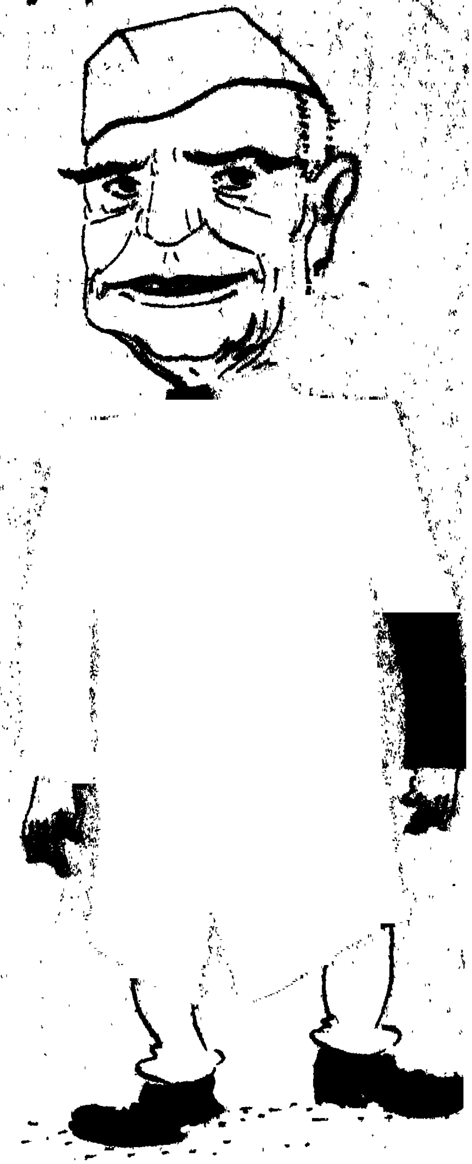


واٹر گیٹ سکینڈل میں امریکہ کے سابق صدر نکسن کی رُوسیاہی۔

# فخرالدین علی احمد

[illegible]

دیدہ زیب، کشادہ چہرہ زندگی کی کھلی کتاب۔ پیشانی کشادہ، تحمل و تدبر کا آئینہ۔ [illegible]
[illegible] سے معمور۔ لمبی اونچی ناک جو اب پورے ملک اور قوم و ملت کی ناک بھی ہے۔ [illegible]
[illegible] سے ناآشنا ہونٹ [illegible] الفاظ نکلتے [illegible] کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ یہ ہے [illegible] تصویر ہندوستان کے [illegible]
صدر جمہوریہ ہند [illegible] کا اسم گرامی ہے۔



## فخرالدین علی احمد

[illegible] فخر [illegible] بھی ہیں اور فخر علی و احمد بھی۔ [illegible]
ٹوپی، شیروانی اور چوڑی مہری کا پاجامہ ان کا لباس ہے۔ دلی میں پیدا ہوئے
اس لئے دلی کی تہذیب و ظرافت، خوش وضعی [illegible]
ہیں اور آج دلی کے تخت پر بیٹھ کر فخر [illegible] کر سکتے ہیں [illegible]
فخر یہ کہ ان کی پیدائش یہاں ہوئی اور [illegible]
جب کہ ان کی جوانی کا بڑا حصہ وہاں گزرا [illegible]
[illegible] حاصل کی [illegible] سیاست [illegible]
سیکولرزم، سوشلزم اور جمہوریت کے بنیادی اصولوں [illegible] کے
پیروکار ہیں۔ وطن دوستی، ہندو مسلم اتحاد اور [illegible]
[illegible] اتباع کرتے ہیں [illegible] غالب سے خاندانی تعلق [illegible]
کے باعث اردو ان کی مادری زبان ہے۔ تعلیم اور [illegible]
[illegible]

دل بدست آور کہ حج اکبر است

# اسٹیل پلانٹ

م۔ک۔ مہتاب ایم۔اے

A.1/78 پچھم پوری، روہتک روڈ، نئی دہلی نمبر ۲۶

مکرمی خوشتر صاحب! تسلیم

اظہار ہمدردی کے لئے ممنون ہوں۔ حسب ارشاد "اسٹیل پلانٹ" کو مختصر کرکے بھیج رہا ہوں۔ افسانہ کو مختصر کرنے میں مَیں نے پورا خیال رکھا ہے کہ افسانہ کی روح، افسانہ کا حُسن ذرا بھی مجروح نہ ہو۔ . .

آپ کا ——— م۔ک۔ مہتاب

جوان اور خوبصورت لڑکی کا ساتھ ——— ساون بھادوں کی موسلا دھار بارش، درختوں کے جھنڈوں میں اُلجھا ہوا طوفان۔ ایئر کنڈیشنڈ ڈبے کی تنہائی اور وندھیاچل کے پہاڑی دروں میں سے چکا چک چکا چک گزرتی ہوئی دکشن ایکسپریس۔ اس سے بڑھ کر رومانس اور کیا ہو سکتا ہے؟

"آپ شاعر ہیں یا افسانہ نویس؟"

"کچھ بھی نہیں۔ سائنس کا ایک ریسرچ ورکر، دھان کی نئی قسموں پر تحقیق کر رہا ہوں۔ اتنا نقص ضرور ہے کہ خوبصورت ماحول میں سائنسی دماغ میں کبھی کبھی ادبی شگوفے پھوٹنے لگتے ہیں۔"

وہ کھل کھلا کر ہنسی۔ جادو بھری پیاری ہنسی۔ جس طرح وہ کل رات ہنسی تھی جب کہ وہ سونا چاہتی تھی۔ لیکن میں بتی نہیں بجھا رہا تھا۔ مجھے گھنے ریشمیں بالوں میں اُس کا کتابی چہرہ اور سفید ریشمی گاؤن میں گلابی جسم بہت ہی بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چادر اوڑھتی پھر بے چین ہو کر اُتار دیتی۔ اُٹھ کر بیٹھ جاتی اور بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگتی۔

اس ڈبے میں ہم کل چار نہیں نہیں ساڑھے چار مسافر تھے۔ ایک ...منہ میں رہنا جو ورتی کی جھلسا دینے والی گرمی سے ایئر کنڈیشنڈ ڈبے کی ٹھنڈی فضا میں داخل ہوتے ہی اونگھنے لگے تھے، اب خراٹے لے رہے تھے، گہری نیند سو رہے تھے۔

اُس عورت کا شوہر خوبصورت تنومند نوجوان چاروں کھونٹ گھوما ہوا تجربے کار صنعت کار جو یورپ سے آرہا تھا جو بہت تھکا ہوا تھا۔ جس نے گاڑی چلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد دسترخوان بچھا دیا اور انواع و اقسام کے تازہ کھانوں کی خوشبو سے کمرہ بھر دیا۔ انھوں نے ڈٹ کر کھانا اور آئس کریم کھائی۔ کافی پی۔ بستر لگوائے اور لباس تبدیل کرکے لیٹ گئے۔ نوجوان نے بطور فیشن ایک چمکتا ہوا انگریزی ناول نکالا سگریٹ سُلگایا۔ لیکن چند ہی کش لینے کے بعد خراٹے لینے لگا۔

تیسری تھی ماڈرن گھرانے کی خوبصورت لڑکی اَنّو جس کے چہرے پر چمک اور ہونٹوں پر شگوفے پھوٹ رہے تھے۔ جس کے گھنے ریشمیں بال کبھی اپنے اور کبھی شوہر کے شانوں پر پھیل جاتے اور دونوں اس طرح ہنستے جیسے وہ ڈبے میں تنہا ہی ہوں۔ البتہ اُسے ڈبے میں میری موجودگی کا احساس ضرور تھا، کیونکہ اُس نے نائٹ گون میرے سامنے تبدیل نہیں کیا، کپڑے اُٹھا کر باتھ روم گئی۔

چوتھا مسافر تھا میں۔ یعنی میں جس کی آنکھیں بند لیکن نگاہیں گشت پر تھیں۔ جس کی ناک سونگھ رہی تھی، کان سن رہے تھے۔ زبان خوشبوئیں چاٹ رہی تھی اور جسم ہوا کی لہروں تک کو محسوس کر رہا تھا۔

باقی آدھا مسافر تھا کوئی ایک برس کا خوبصورت گول مٹول ٹماٹر کا سا بھرا بھرا بچہ جو باپ سے بھی زیادہ تھکا ہوا تھا۔ جس کے منہ میں دودھ کی بوتل دے دی گئی تھی اور نیند میں برتھ کے فرش پر

[illegible] بستر بالکل میرے برابر لگا تھا۔

"آپ بتی بند نہیں کریں گے؟" وہ ہاتھ باندھے کہہ رہی تھی۔

"میں خواب دیکھ رہا ہوں؟"

"اس کے لئے بتی کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں اندھیرے میں دیکھنے والا پرندہ نہیں ہوں۔"

میرے جواب پر اس نے بے یک قہقہہ لگایا جیسے شعلے میں سے پھول کھل اٹھا ہو۔

"آپ بھی کمال کے آدمی ہیں!" اس نے چادر اوڑھ کر منہ پھیر لیا۔

"میڈم! آپ کو نیند نہیں آ رہی ہے۔ آپ سونے کا بہانہ کر رہی ہیں۔ انسان کو نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے اور پلیٹ فارم کی ہزاروں بتیوں کے نیچے بھی۔ نیند نہ آنی ہو تو نہ ریشم کے بستر پر آتی ہے نہ ایئر کنڈیشنڈ کوٹھیوں میں۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں پلیز!" وہ گورے گورے ہاتھ جوڑے کہہ رہی تھی۔

"تو لیجئے! دیکھ لیجئے آپ پھر بھی جاگتی رہیں گی۔"

اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر میں نے وہیں لباس تبدیل کر لیا اور بستر پر لیٹ گیا۔

"معاف کیجئے گا! مجھے بہت بری عادت ہے کہ مکمل خاموشی اور پورے اندھیرے کے بغیر میں سو نہیں سکتی۔"

"خاصا نازک مزاج پایا ہے آپ نے!"

"نہیں! ایسا تو نہیں۔ انسان ماحول کا غلام ہو جاتا ہے۔"

"تو کیا میں بولنا بھی بند کر دوں؟"

اس پر پھر ہنسی کا دورہ پڑا۔ "آپ باتیں خوب کرتے ہیں۔ اچھا سو جائیے۔ ورنہ میرا تو صبح سر بھاری، گلا خراب اور موڈ آف ہو گا۔"

"میڈم! میں تو اب اندھیرے میں خواب دیکھوں گا۔ سائنس کے ایک حکیم کا قول ہے کہ آپ آنکھیں بند کر کے تصور کیجئے آپ کے سامنے بھیڑیں ایک نالے کو کود کر پار کر رہی ہیں۔ آپ انہیں گنتے جائیے۔ نیند آ جائے گی۔ اچھا شب بخیر!"

سو گئے کیا؟ کچھ دیر بعد اس نے آہستہ سے پوچھا۔

[illegible]

"آپ نے اگر [illegible]

دکھائی دیں گی۔ میں گزشتہ [illegible] قطار باندھے گزر رہی ہیں۔"

وہ ہنستے ہنستے [illegible]

ڈھکوسلہ ہے جیسے آپ یا نئے پہلے [illegible] کہ میں نے اپنی بہت کم لیبارٹری میں ایک ایسا [illegible] اُبالتے ہی مچھلی کے برابر بڑا ہو جاتا ہے۔"

"میڈم! اگر سائنس ڈھکوسلہ ہے [illegible] ڈبے کے اندر دسمبر کی سردی کا لطف نہ اٹھا رہی ہوتیں۔ [illegible] گئے اور سو جائیے۔"

میں نہیں جانتا کہ میں کب سو گیا۔ اسے نیند آئی یا نہیں [illegible] اتنا معلوم ہے کہ سونے سے پہلے ہم ایک دوسرے کے بارے میں [illegible] جان گئے تھے۔ مثلاً یہ کہ رو ڈر کیلا میں ان کا چھوٹا سا اسٹیل پلانٹ ہے۔ وہ تعلیم یافتہ شگفتہ مزاج لوگ ہیں۔ [illegible] کہ ایک بچہ اس کے پاس اور دوسرا اندھیرا ہے۔ [illegible] لوگ کتنی جلدی قریب آ جاتے ہیں۔ وہ [illegible] کی سیر کر رہے تھے اور اسٹیل پلانٹ کی بھٹی سے خزانوں کی آواز آ رہی تھی۔

صبح میں آٹھ بجے اٹھا۔ اب بھی بادلوں کے باعث ڈبے میں اندھیرا اندھیرا سا تھا۔ وہ اپنے مُشکبار ریشمیں بالوں کو جھٹک جھٹک کر کنگھا کر رہی تھی۔ اس کی گوری گوری بانہیں [illegible] کی طرح چمک چمک جاتی تھیں۔ [illegible] کسی سٹیشن پر رکنے کے بعد آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ باہر [illegible] کی موٹی موٹی بوندوں نے سنگترے کے باغیچوں [illegible] کر دیا تھا۔ لیکن میرے شیشوں کے پردوں کے باعث یہ [illegible] نہیں دے رہی تھی۔

"ڈاکٹر جی! [illegible]

[illegible]

[illegible] کے شعروں سے
[illegible] ہو جائے [illegible]
[illegible] نظروں سے مجھے دیکھ
[illegible]

"اسٹیل بہت سخت اور کھوپڑی بہت نرم ہوتی ہے۔"

وہ بے اختیار ہنستے ہوئے بولی: "آپ فکر مت کیجئے۔ میں نے آپ کے بارے میں پرکاش کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ میں آپ کے لطیفوں کی شائق ہوں۔ باہر دیکھئے موسم کیسا سہانا ہے۔ سنگتروں کے باغیچے ہوا میں جھوم رہے ہیں۔ گاڑی کے پہیوں سے کیسی کیسی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ انجن کی سیٹیاں پہاڑی گھاٹیوں میں کیسے شیر کی دھاڑ بن جاتی ہیں۔ بس باہر ہی دیکھتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ کیا شاعر لوگ اسی کو رومانس کہتے ہیں؟" اور جب میں نے رومانس کی تعریف کرنی چاہی تو اس کے رخسار گلابی ہو گئے۔ وہ شرما گئی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر میرے پاس وقت ہوا تو میں واپسی میں ضرور دو روز کیلئے ٹھہروں گا۔"

کیبن کا دروازہ کھلا۔ اسٹیل پلانٹ ہاتھ میں صابن تولیہ شیونگ سیٹ برش پکڑے اندر آیا۔ وہ کوئی دھارمک بھجن گنگنا رہا تھا۔ سٹین [illegible] سٹیل کا سا اجلا آدمی۔ ہم دونوں خاموش ہو گئے۔

گاڑی کچھ لیٹ تھی۔ اس لئے ناشتے کے بعد دوپہر کا کھانا بھی ڈبے ہی میں ہوا۔ وہ کھانے کے لئے کیا کچھ ساتھ لائے تھے۔ میں دیکھتے دیکھتے عاجز آ گیا۔ پرکاش یورپ کی خوشحالی کے قصے سنا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ سیمینار میں جا کر اعتراف کیا اعلان کر دوں کہ میں بدھو کی طرح میں جا رہا ہوں۔ میں لوگوں کے پیٹ میں ہونے والے دھماکوں کا کوئی علاج نہیں ڈھونڈ سکتا۔

راستے پور میں مجھے لینے کے لئے وہی کالی کار آئی جو اتو اور اس کے شوہر کو لینے کے لئے ناگپور سٹیشن پر آئی ہوئی تھی جہاں سے ہمارے راستے الگ الگ ہو گئے تھے۔ شوفر کے ہاتھ میں ایک رقعہ تھا لکھا تھا——

"مجھے امید ہے آپ کو وعدہ یاد ہو گا۔ بستر تاگر۔ گھبرانے یا [illegible] کی کوئی وجہ نہیں۔

اتو"

میں کار میں بیٹھا وہ رقعہ بار بار پڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اتو [illegible] ہو گی۔

# غزل

محمد عثمان عارف نقشبندی ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی ممبر پارلیمینٹ

ہر انگ تھرک کر نغمہ بانٹے پایل کی جھنکار ملے
جیون کی اندھیری راتوں میں کچھ دیر تو اس کا پیار ملے

اک ہنستی نظر سے دیکھنا پار اتر جاؤں گا
کشتی نہ ملے طوفان ملے ساحل نہ ملے منجدھار ملے

جب اٹھ گئی الفت دنیا سے یہ آن ہماری آج بھی ہے
اخلاص سے جو اک بار ملے ہم چل کے انہیں سو بار ملے

عشرت میں کنارہ کش رہنا، دکھ درد میں آکر مل جانا
اے دوست خدا لگتی کہنا ہم سے بھی کہیں غمخوار ملے

مشکل سی یہ میری مشکل ہے الجھن سی یہ میری الجھن ہے
آنکھوں سے تری اقرار ملے باتوں سے تری انکار ملے

یا پھول کھلا دے الفت کے یا آگ لگا دے سینے میں
اک بار نظر تو پڑ جائے ایسا تو کوئی دلدار ملے

کیا شکوہ بہاروں کا عارف، کس سے یہ شکایت کرتا ہے
شبنم کی طلب میں شعلے ملے پھولوں کی طلب میں خار ملے

اتو کوٹھی کے برآمدے میں کالے ستون کے پاس کھڑی میرا انتظار دیکھ رہی تھی۔ دور سے بالکل منی پلانٹ کی بیل معلوم ہوتی تھی۔ سبز ساڑی کے پلو میں بندھے چابیوں کے گچھے کو گھماتی ہوئی وہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ ہوا اس کے کھلے بال اڑا اڑا کر اس کے چہرے اور سفید گردن کو چوم رہے تھے۔

میں سوچ رہا تھا یہ کیسی آزادی ہے، زمانے میں یہ کیسی تبدیلی ہے۔ دوستی کا معیار اب کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے!

خوبصورت بنگلے کے سامنے خوبصورت لان۔ دونوں طرف پھلوں اور سبزیوں کے باغیچے۔ عقب میں فولاد کے کارخانے سے اُٹھتا ہوا ہلکا ہلکا شور۔ غیر مُلکی جدید طرز کے سامان سے آراستہ کمروں پر کسی پانچ ستاروں والے ہوٹل کا گمان ہوتا تھا۔ ڈرائنگ رُوم خوشبوؤں سے مہک رہا تھا اور میں سوچتے سوچتے بھاری مخملی صوفے کی تہہ میں دھنسا چلا جا رہا تھا۔

"آپ بیئر پئیں گے یا وہسکی؟" وہ فرج کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"جو آپ لیں۔"

"میں تو کافی لوں گی۔ لیکن یہاں گنگا جمنا ساتھ ساتھ بہہ سکتی ہیں۔"

"میں بھی کافی لوں گا۔"

"ٹھیک ہے پہلے سکویش لیجیے۔ اِتنے میں کافی آجائے گی۔" اُس نے ایک بٹن دبایا۔

"سکویش۔" انّو نے اندر آنے والے صاف ستھرے ملازم لڑکے کو یوں حُکم دیا جیسے وہ اِس سارے ماحول کی مالک کُل ہو۔ لڑکے نے جھٹ سے فالسے اور آم کے شربت کی بوتلیں سوڈا لائم واٹر بھرنے اور کٹ گلاس کے خوبصورت پیالے سامنے رکھ دیئے۔ ایک بڑی پلیٹ مصالحے دار کاجو سے بھر دی اور سلام کرکے چل دیا۔

"رِنڈ کافی۔" یعنی دو آدمیوں کے لئے کافی۔ انّو نے جاتے ہوئے ملازم کو تامل زبان میں ہدایت کی۔

انّو فالسے اور آم کے سکویش میں لائم واٹر اور سوڈا مِلاتے ہوئے بولی۔ اِس کاک ٹیل کو مون سون کہتے ہیں۔ ذرا چکھ کر بتلائیے کیسی رہی؟

"اوہ بیوٹی فُل!" میں ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے انّو کے اعلیٰ ٹیسٹ کی داد دئیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ میرے لئے دوسرا ڈرنک بناتے ہوئے کاجو اور بادام کی نمکین گری ساتھ کھانے پر اصرار کر رہی تھی۔ ہم دونوں ہنستے ہنستے صوفے میں دھنسے جاتے تھے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں مون سون سے خُشک سالی کی باتیں اور سٹیل کی سختی سے لے کر دل کی نرمی تک کے موضوعات زیرِ بحث تھے۔

"آپ نے مجھے یہاں بُلاکر غلطی تو نہیں کی۔ کسی کو اعتراض تو نہ ہوگا؟"

"آپ کیا بے وقت کی راگنی چھیڑ دیتے ہیں۔ پہلا خیال کیجئے آپ سائنس دان ہوکر کیا مندروں کے پجاریوں کی طرح سوچتے ہیں۔ یہ میرا گھر اور میرا وقت ہے جیسے چاہوں استعمال کروں۔ اس طرح کوئی مجھ پر اپنی پسند نہیں تھوپ سکتی۔"

"کیا پرکاش جی کافی پینے گھر آئیں گے؟" میں نے گھڑی کی طرف دیکھ کر پُوچھا جس کا پینڈولم میرے سر پر وزنی ہتھوڑے کی طرح ٹک ٹک رہا تھا۔

"ایک مِل مالک اِتنا خوش نصیب نہیں ہوتا مسٹر نائر! کبھی کبھی تو خود مجھے اُن کی شکل دیکھنے کے لئے کارخانے جانا پڑتا ہے۔ آج تو اُن کے ہاں کارخانے داروں کی میٹنگ ہے۔" انّو نے بٹن دبایا۔ پھر وہی لڑکا سلام کرتا ہُوا آیا اور تیزی سے کافی کے لئے سبز چینی کے خوبصورت برتن میز پر سجانے لگا۔ اندر گیا اور کھانے کے سامان کی ٹرالی دھکیلتا ہُوا لے آیا۔ گرم گرم کباب۔ سینڈوِچ۔ بُھنی ہوئی کلیجی فِش فنگر۔ انڈے۔ پیسٹری۔ خستہ نمکین۔ اچار۔ کریم اور کافی کا اُبلتا ہُوا پانی۔ میں نے نازک چینی کے ایسے عمدہ برتن زندگی بھر کبھی نہیں دیکھے تھے۔

کافی کے ساتھ باتوں کا موضوع تھا جنسیات۔ انّو اِس مضمون کی طالبہ رہ چکی تھی اِس لئے بے جِھجک باتیں کر رہی تھی۔ [illegible]س کی باتوں سے زیادہ اُس کی خوش حالی اور خوش نصیبی سے متاثر تھا۔ نہ حال کی فِکر نہ مستقبل کا غم۔ کوٹھی، کار، کارخانہ، مُستقل ذرائع آمدنی، نوجوان خوبصورت خاوند، کِھلے پھُول کا سا بچّہ، مُستقل رہائش۔ کہیں لغزش یا شِکست کا ڈر نہیں۔ جیسے زمانے کی گردش کو باندھ لیا ہو۔ چٹان جیسی محفوظ زندگی۔ زمانے کے گرم و سرد سے بے نیاز۔

"سائنس دان صاحب! کیا سوچنے لگے؟" اُس نے مجھے پکڑ لیا۔

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ یہی سوچ رہا تھا کہ آپ کا ذوقِ انتخاب کِتنا اچھا ہے۔ آپ کے ہاں کیسے خوبصورت کانچ کے برتن ہیں کیسی خوبصورت کراکری ہے۔ لیکن ایک چیز میں سمجھ نہ سکا کہ آپ فولاد بناتے ہیں اور برتن سب نازک کانچ اور چینی کے رکھتے ہیں؟ ہاتھ ذرا لرزا اور سب چکنا چُور!"

میری بات پر پھر انّو پر ہنسی کا دورہ پڑا۔

"آپ بھی کہیں گے کیا بے وقوف لڑکی ہے۔ ہنستی ہی چلی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے کانچ سے محبت ہے اور فولاد سے نفرت۔

# نیا آدمی

ابو اللیث جاوید بی۔ کام

بند کشوری کمپاؤنڈ، جیل روڈ، مظفر پور۔ ۸۴۲۰۰۱

بزرگ من! عقیدتیں

عنایت نامے ملتے رہے۔ افسانہ نمبر کے لئے افسانہ کی فرمائش نے ذہنی طور پر اُلجھا ضرور دیا تھا۔ لیکن شکریہ "نیا آدمی" آپ کی خدمت میں حاضر کر رہا ہوں۔ ملئے اور سائنسی ترقیوں کی داد دیجئے۔ شاید وہ دن دُور نہیں جب مشینوں کے Spare parts کی طرح انسانی اعضاء کے بھی Spare Parts آسانی سے ملنے لگیں ــــــ محترم عظیم اللہ صاحب تک آپ کی محبتیں پہنچا دی تھیں۔ . .

نیک خواہشات کے ساتھ

آپ کا بھائی ــــــ ابو اللیث جاوید

★

ارچنا اپنے نئے پڑوسی کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئی۔

وہ اُس کا دیرینہ محبوب گوتم تھا۔ وہی چھریرا بدن، کتابی چہرہ، گندمی رنگت اور ذہین آنکھیں۔ اُسے دیکھتے ہی ارچنا کا دل دھک دھک کرنے لگا اور اُس کے ہاتھ سے گلاس گر کر چکنا چور ہو گیا۔ فرش پر شیشے کی ساری کرچیاں بکھر گئیں۔ گوتم سامنے والے مکان کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا اور ارچنا اپنی بالکنی سے اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس پر ایک لرزہ طاری تھا۔ وہ بالکنی میں دھیرے دھیرے ٹہلتی ہوئی اپنی حالت پر قابو پانے کی کوششیں کرتی رہی۔

آہستہ آہستہ اُجالے کو اندھیرا نگلتا جا رہا تھا اور آسمان کی صاف و شفاف چادر پر کالک کے دھبے جیسا لگتا جا رہا تھا۔ ارچنا اپنے آپ میں پیچ و تاب سی کھاتی رہی۔ وہ گوتم کو کئی برسوں کے بعد دیکھ رہی تھی! اُس کے ذہن کے تالاب کی پُرسکون سطح پر گوتم کی آمد کی کنکری نے ہچکولے پیدا کر دیئے تھے جو اُس کی ننھی سی جان کے لئے باعث پریشانی تھا۔ اُسے کالج کے سارے لمحے یاد آتے رہے۔

ابھی کالج میں وہ نئی نئی تھی۔ اُس کی سہیلیوں میں بھی گوتم کا نام بہت محبت سے لیا جاتا تھا۔ راوھا، انوپما، رضیہ اور سنگیتا سے گوتم کی تعریفیں سن سن اُس کا بھی دل چاہا کہ اُس سے کبھی باتیں کرے لیکن اُس نے اپنے دل کی اِس خواہش کا اظہار کسی سہیلی سے نہ کیا۔ نہ جانے کیوں گوتم کی باتیں کھلے عام کرنے میں اُسے ہچکچاہٹ سی ہوتی رہتی لیکن دل کے اندر ایک کھلبلی سی ضرور ہوتی رہتی۔ اُس اُبھرتی ہوئی خواہش کی تکمیل کے لئے اُس نے نئی راہیں نکالیں۔ وہ لائبریری میں اُسے اکثر تلاش کرتی رہتی۔ اُس نے سنا تھا کہ گوتم وقفوں میں صرف لائبریری ہی میں وقت گزارتا ہے۔ کئی دنوں کی کوششوں کے بعد ایک دن وہ ایک گوشہ میں کتابوں کی دُنیا میں غرق نظر آیا۔ وہ اُس کے پاس کتاب ڈھونڈنے کے بہانے پہنچ گئی لیکن گوتم نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ ارچنا اُس کے پاس ہی کھڑی اُسے پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتی رہی۔ جب گوتم نے اُس کی طرف دیکھا تو ارچنا مسکرائی۔ گوتم نے کوئی بات محسوس نہ کی۔ لیکن جب ارچنا اُس کے قریب آ گئی تو گوتم نے یکایک پوچھ لیا ــــ

"کون سی کتاب چاہئے آپ کو؟"

"Come my Beloved" ارچنا بوکھلاہٹ میں کہہ گئی۔

”آپ کی اچھائی اپنانے کی کوشش کروں گا۔“

گوتم پہلی بار مسکرایا اور یہ ملاقات معمول بن گئی۔

گوتم ارچنا کے رگِ جان سے بھی قریب تر ہو گیا اور دو دلوں کی زبان ایک ہو گئی۔ آسمان پر جھلملاتے روشن ستارے انہیں زندگی کی تاریک راہوں میں روشنیاں بکھیرنے لگے اور ہر صبح کی لالی ارچنا کی مانگ کا مقدر بننے پر آمادہ ہو گئی۔ ہر شام کا مخملی اندھیرا محبتوں کے جگنو سمیٹے ارمانوں کی شہنائیاں بجایا کرتا

دونوں ایک دوسرے میں سما جانا چاہتے ——

وادی میں اپنی زندگی کی شام کر دینے

اُس کی اپنی دُنیا بھی۔ گھر گرہستی

پروان چڑھے۔



نوجوان تھا

مسکرا رہا تھا۔

پریشان

میں نے نہیں

بہت بہت

وہ بھی گوتم اُسے ڈولی میں لے تو نہیں آیا۔ وہ لجاتی شرماتی ہوئی بڑھی اور دھڑکتے دل سے دروازہ کھولا۔ ایک ننھا فرشتہ ہاتھوں میں تیر کمان تانے اُس کی طرف نشانہ بنائے کھڑا تھا۔ وہ اُسے دیکھ کر سہم گئی۔ ننھے خوب صورت کیوپڈ نے بہت تیزی سے تیر چھوڑ دیا اور وہ سیدھا اُس کے دل میں پیوست ہو گیا۔ پھر اُس کے جگر سے پار ہو کر شش سے گزر گیا۔ وہ دیکھتی رہ گئی

وہ خالی نظروں سے

”اور پھر یہ کہ آپ نے

سیکھا ہے۔“

وہ پھر بھی خاموش رہی۔

”مجھے انیل کہتے ہیں۔

آپ کا نام کیا پوچھ ......؟“

[illegible] بہت [illegible]

[illegible] سے ارچنا بہت متاثر ہوئی

[illegible] یان اجنبیت کا احساس قطعی نہیں ہوا۔

[illegible] میں انیل کے ساتھ بسر ہوتیں۔ گوتم کا خیال [illegible]

اپنے دل میں چھپے چور پر شرماتی رہتی۔ لیکن نہ جانے کیوں اُسے اب

[illegible] کا خیال زیادہ رہنے لگا تھا۔ ممکن تھا اس مادہ پرست دنیا کے

اصولوں کے تحت اُس نے انیل کی دولت اور اُس کے خوش آئند

مستقبل کو گوتم کے خلوص پر ترجیح دے دی ہو۔ اور اسی خیال

نے جانے اُسے بے وفائی کے غار کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا اور

[illegible] توانیل کا خیال اس کی

[illegible] بن چکا تھا۔

گوتم جب [illegible] مدت پر اُس سے ملا تو اس [illegible] اُس کے

[illegible] دھری محسوس کی اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا

[illegible] ارچنا اس سے کھنچی کھنچی رہنے لگی اور ایک دن وہ آیا جب

[illegible] شادی انیل سے ہو گئی۔

وہ شام گوتم کے لئے قیامت تھی۔ لیکن مجبور انسان

[illegible] برداشت کر کے بھی مسکراتا ہوا زندہ رہتا ہے۔ اُس نے بھی

اس زہر کو پی لیا اور لبوں پر تلخ ہنسی بکھیرتا رہا۔ وہ اندر ہی اندر

سلگتا رہا۔ اُس نے اپنی زندگی کا مقصد صرف مطالعہ کرنا بنایا

[illegible]

ناکام سی حسرت تھی دل میں، جو لب پہ بالآخر آ ہی گئی

گر دل کی تمنا بر آتی، ہم شکوۂ بے جا کیا کرتے

اور دنیا کے تمام علوم و فنون کی کتابوں کا ذخیرہ اپنے ذہن میں

[illegible] ارچنا شادی کے بعد انیل کے ساتھ انگلینڈ چلی گئی۔ گوتم

کے لئے ساری باتیں زہر بنتی رہیں۔ اُس کی زندگی کا سورج طلوع

ہوئے بغیر ہی فضاؤں کے غار میں ڈوب گیا۔

دس برسوں کے بعد جب [illegible] واپس ہوئی تو ناگاہ

گوتم کو دیکھ کر حیران ہوتی رہی۔ ان دس برسوں کی مدت میں انیل

"جی ——؟!"

"جی ہاں! ابھی تو نام ہے اُس ناول کا جسے میں ڈھونڈ رہی ہوں۔"

"آپ کتابیں بہت پڑھتی ہیں؟"

"کتابیں پڑھتی ہوں۔ لیکن بہت نہیں۔"

"کتابیں پڑھنا ایک اچھی ہابی ہے۔"

"آپ کی اچھائی اپنانے کی کوشش کروں گی۔"

گوتم پہلی بار مسکرایا اور یہ ملاقات معمول بن گئی۔

گوتم ارچنا کے رگِ جان سے بھی قریب تر ہوگیا اور دو دلوں کی زبان ایک ہوگئی۔ آسمان پر جھلملاتے روشن ستارے انھیں زندگی کی تاریک راہوں میں روشنیاں بکھیرنے لگے اور پھر صبح کی لالی ارچنا کی مانگ کا مقدر بننے پر آمادہ ہوگئی۔ ہر شام کا مخملی اندھیرا گوتم کے محبتوں کے جگنو سمیٹے ارمانوں کی شہنائیاں بجایا کرتا اور ایسے میں دونوں ایک دوسرے میں سماجانا چاہتے —— ارچنا نے اس حسین وادی میں اپنی زندگی کی شام کر دینے کے خواب دیکھے۔ خیالوں میں اُس کی اپنی دُنیا بھی۔ گھر گرہستی کا حسین کارواں سجا اور ننھے منے پروان چڑھے۔ انھیں ستاروں کی چھاؤں میں اُس کا سارا وجود ایک لطیف سی لذت محسوس کرتے کرتے سونے لگتی اور پھر زندگی کی سب سے بڑی نعمت تسکین اُسے نصیب ہونے لگتی۔ لیکن کبھی کبھی اُس کے دل میں ایک وسوسہ سا پیدا ہوتا کہ شاید گوتم کسی اور کو اپنا لے۔ یہ ایسا منحوس خیال تھا جس کے ذہن میں آتے ہی اُس کی روح تڑپ اُٹھتی۔

ایک رات ——

گوتم کے خیالوں کو اپنے دماغ کے چمن زار میں پھول کی خوشبو کی طرح سمیٹے وہ بہت آرام سے سوئی رہی، کھوئی رہی۔ صبح کی لالی آسمان کے مشرقی کناروں پر کھلنے لگی تھی کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی وہ بھی گوتم اُسے ڈولی میں بٹھاکر اپنے دل کی رانی بناکر لے جانے کے لئے تو نہیں آیا۔ وہ لجاتی شرماتی ہوئی بڑھی اور دھڑکتے دل سے دروازہ کھولا۔ ایک ننھا فرشتہ ہاتھوں میں تیر کمان تانے اُس کی طرف نشانہ بنائے کھڑا تھا۔ وہ اُسے دیکھ کر سہم گئی۔ ننھے خوب صورت کیوپڈ نے بہت تیزی سے تیر چھوڑ دیا اور وہ سیدھا اُس کے دل میں پیوست ہوگیا۔ پر اُس کے جگر سے پار ہوکر شش سے گزر گیا۔ وہ دیکھتی رہ گئی اور تیر کی نوک پر اُس کا دل اٹکا ہوا سات سمندروں پار چلا گیا۔

اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ رات کے اندھیرے میں اُسے خواب کے اِس منظر سے بہت ڈر معلوم ہوا۔ اُس کے آس پاس کہیں کوئی بھی تو نہ تھا۔ وہ بہت دیر تک جاگتی گھڑی میں رہی۔

کالج گرمیوں کے لئے بند ہوگیا اور ارچنا اپنے پاپا کے چھوٹے راجو کے ساتھ گرمیاں گزارنے کشمیر چلی گئی۔ کشمیر کی وادی میں موسم گل تھا۔ ہری بھری وادیوں میں قدرت کی مشاطگی دیکھتی رہی۔ ڈل جھیل کے صاف و شفاف پانی میں زندگی کی لہریں ہیں۔ نشاط باغ میں کیف و نشاط کے پھولوں کا انبار اور امرناتھ کی گپھا میں اس وشانتی کا پیامبر ملا۔ جھیل کے شفاف پانیوں پر جب شکارہ آہستہ آہستہ سُبک خرامی کرتا تو وہ ایسا محسوس کرتی ساری دشائیں اُس کی ہمسفر ہیں۔ اور چاند تارے اُس کی رہنمائی کر رہے ہوں۔

ایک صبح وہ یونہی ٹہلتی ہوئی کچھ دور نکل گئی۔ پہاڑی ڈھلوان سے سرکتے ہوئے اور پھر بلندیوں پر دوڑ کر چڑھتے بھیڑوں کے غول میں گھس کر ننھے منے میمنوں کو اٹھا کر گود میں دبوچ لینے سے اُسے بہت لطف آتا رہا۔ فضاؤں میں رچی بسی دُھن موسیقیت سے اُسے بہت ہی کیف مل رہا تھا۔ وہ یوں ہی کھیل میں مگن تھی کہ ایک ڈھلوان پر وہ پھسل گئی۔ اور گرتی چلی گئی۔ قریب تھا کہ وہ کھڈ میں گر جاتی کہ کسی نے اُسے ہولے سے تھام لیا۔ اُس نے اپنے مہربان کی طرف دیکھا تو وہ ایک خوبرو نوجوان تھا۔ جو اُسے اپنی بانہوں میں لئے اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ارچنا نے کو ایک نوجوان کی گرفت میں دیکھ کر پریشان ہوئی۔ وہ نوجوان مسکرایا

—— "آپ کو چوٹ تو میں نے نہیں آنے دی ہے۔!"

"جی —— بہت بہت شکریہ ——!"

"ویسے راستے کو چھوڑ کر چلنے کا انجام شاید یہی ہوتا ہے۔"

وہ خالی نظروں سے اُس کے سامنے کھڑی دیکھتی رہی۔

"اور پھر یہ کہ آپ نے دشوار راہوں پر ابھی چلنا بھی تو نہیں سیکھا ہے۔"

وہ پھر بھی خاموش رہی۔

"مجھے انیل کہتے ہیں۔ شکارہ ڈریم لینڈ میں ہوں۔ ویسے آپ کا نام کیا پوچھ ....... ؟"

"جی ——— میرا نام ارچنا ہے ۔ ہم لوگ میرین لینڈ میں ہیں ۔"

"بہت خوب صورت نام ہے ۔ بہت خوشی ہوئی ۔ کبھی میرے ڈریم میں آئیے ۔"

"جی ——— !!؟"

"جی ——— !"

اور وہ مسکرا کر چلتا بنا ۔ ارچنا بہت دیر تک اس کی گفتگو کے جادو میں کھوئی رہی ۔ اور اتفاق سے دوسری شام ڈریم لینڈ میں انیل کے ماں باپ سے مل رہی تھی ۔ یہ لوگ دہلی سے دو ماہ کے لئے کشمیر آئے تھے ۔ انیل نے اسی سال انگریزی ادب میں ایم اے فرسٹ کلاس میں کیا تھا اور وہ بہت جلد انگلینڈ جانے والا تھا ۔ وہ امیر ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اس لئے اس کی ہر خواہش بہت فراخدلی سے پوری کی جاتی تھی ۔ انیل کے گھر کے لوگوں سے ارچنا بہت متاثر ہوئی ۔ اسے ان لوگوں کے درمیان اجنبیت کا احساس قطعی نہیں ہوا ۔ اب ارچنا کی زیادہ تر شامیں انیل کے ساتھ بسر ہوتیں ۔ گوتم کا خیال آتے ہی ارچنا اپنے دل میں چھپے چور پر شرماتی رہتی ۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے اب انیل کا دھیان زیادہ رہنے لگا تھا ۔ ممکن تھا اس مادہ پرست دنیا کے اصولوں کے تحت اس نے انیل کی دولت اور اس کے خوش آئند مستقبل کو گوتم کے خلوص پر ترجیح دے دی ہو ۔ اور اسی خیال بے جانے اسے بے وفائی کے غار کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا اور دو مہینوں کے بعد جب یہ لکھنؤ لوٹی تو انیل کا خیال اس کی دل کی دھڑکنیں بن چکا تھا ۔

گوتم جب اتنی مدت پر اس سے ملا تو اس نے بھی اس کے رویہ میں سرد مہری محسوس کی اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہا ۔ ارچنا اس سے کھنچی کھنچی رہنے لگی اور ایک دن وہ آیا جب اس کی شادی انیل سے ہو گئی ۔

وہ شام گوتم کے لئے قیامت تھی ! لیکن مجبور انسان ہر غم برداشت کر کے بھی مسکراتا ہوا زندہ رہتا ہے ۔ اس نے بھی اس زہر کو پی لیا اور لبوں پر تلخ ہنسی بکھیرتا رہا ۔ وہ اندر ہی اندر سلگتا رہا ۔ اس نے اپنی زندگی کا مقصد صرف مطالعہ کرنا بنا لیا اور دنیا کے تمام علوم و فنون کی کتابوں کا ذخیرہ اپنے ذہن میں اتارتا رہا ۔ ارچنا شادی کے بعد انیل کے ساتھ انگلینڈ چلی گئی ۔ گوتم کے لئے ساری باتیں زہر بنتی رہیں ۔ اس کی زندگی کا سورج طلوع ہوئے بغیر ہی فضاؤں کے غار میں ڈوب گیا ۔

دس برسوں کے بعد جب وہ دہلی واپس ہوئی تو ناگاہ گوتم کو دیکھ کر حیران ہوتی رہی ۔ ان دس برسوں کی مدت میں انیل

# غزل

پروفیسر کرامت علی کرامت ایم ۔ ایس سی

گرداب بلا کے خوگر ہم، راحت کی تمنا کیا کرتے
موجوں کے تھپیڑوں کے عادی، ساحل کو گوارا کیا کرتے

تعبیرِ محبت کی خاطر، ہیں لوگ ازل سے سرگرداں
جو رازِ محبت پا نہ سکے، وہ راز کو افشا کیا کرتے

اُٹھنا ہی تھا اک دن پردۂ رُخ، ہونا ہی تھا اُن کو جلوہ نما
جو دل میں سمائے رہتے ہیں، نظروں سے وہ پردا کیا کرتے

ہم زیست کے ہاتھوں مرنے کو کس طرح شعارِ غم کہہ دیں
مر مر کے یہاں ہم جی ہی اُٹھے، مرنے کی تمنا کیا کرتے

ناکام سی حسرت تھی دل میں، جو لب پہ بالآخر آ ہی گئی
گر دل کی تمنا بر آتی، ہم شکوۂ بے جا کیا کرتے

نہایت بلند نگاہ اور قابلِ رشک شوہر ثابت ہوا تھا۔ ارچنا نے انیل کے مزاج کی شگفتگی اور خیالات کی وسعت دیکھ کر ہی اپنی پچھلی زندگی کی کتاب اُس کے سامنے کھول کر رکھدی تھی۔ اُسے گوتم سے ہمدردی سی ہوگئی تھی۔ اُس نے گوتم سے ملنے کی بھی خواہش ظاہر کی تھی۔ ارچنا سوچتی رہی کہ گوتم سے انیل کا ملنا کہیں کوئی گل نہ کھلا دے اور پھر اُسے اپنی پُرسکون زندگی کی صبح و شام میں کوئی گرم سا جھگڑا بھی تو پسند نہ تھا۔ لیکن اُس نے گوتم سے ملنے کا طے کیا۔ انیل جب شام کو لوٹا تو اُس نے گوتم کے متعلق اُسے بتایا۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں گوتم کے ڈرائنگ روم میں تھے۔

"میں آپ کا پڑوسی انیل اور یہ میری دھرم پتنی ارچنا ——"

"بہت خوشی ہوئی۔ مجھے پرکاش کہتے ہیں۔ آپ کے شہر میں آج ہی آیا ہوں۔"

"پرکاش ——!!" انیل اور ارچنا ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"جی ہاں —— ! پرکاش —— !! پرکاش پھر۔!!" پرکاش بولتا رہا۔ "میں ایک تھکا ہوا آدمی ہوں۔ کبھی فرصت میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا۔ پہلے آپ یہ بتائیے ٹھنڈا لیں گے یا گرم ——"

"جی —— ؛ ٹھنڈا ——!!"

انیل اور ارچنا ذہنی طور پر اُلجھے رہے۔ پرکاش ایک سنجیدہ باذوق آدمی تھا۔ اُس کے ڈرائنگ روم کی سجاوٹ ہی سے اُس کی بلند ذوقی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ پہلی ملاقات میں تو اُنہیں بے حد مایوسی ہوئی۔ لیکن اکثر ملتے رہنے کے باعث پرکاش نے اُن کے دل میں ایک مقام پیدا کر لیا۔ پرکاش نے اپنی زندگی کی کرِبناکیوں اور مایوسیوں کا بھی اکثر ذکر کیا۔ ارچنا بہت کشمکش میں مبتلا رہی کہ پرکاش بالکل گوتم ہے! ۔ لیکن وہ اِس طرح اجنبیت کا لبادہ کیوں اوڑھے ہوئے ہے ؟ شاید وہ اپنے غم کو اِس بناوٹی رنگ میں چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ارچنا اندر ہی اندر سُلگتی رہی۔

ایک شام جب آتیل اور ارچنا پرکاش سے ملے تو وہ بے حد مغموم تھا۔ پرکاش نے بتایا کہ وہ پانچ برسوں تک ملٹری میں سرجنٹ تھا اور چینی حملہ آروں کا مقابلہ کرتے ہوئے بُری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ جب وہ ملٹری ہوسپٹل سے طویل مدت کے بعد نکلا تو اُسے بتایا گیا کہ اُس کے گھر کے لوگ اُسے لینے آئے ہیں۔ جن لوگوں کو اُس کے والدین اور بھائی بہنیں بتایا گیا وہ لوگ قطعی اجنبی تھے۔ پرکاش نے اُن لوگوں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ وہ لوگ اُسے زبردستی پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن یہ بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھے اپنے گاؤں کا رُخ کیا۔ گاؤں بمباری سے تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اُس کا اپنا گھر مسمار ہو گیا تھا۔ گاؤں کے کچھ بچے کھچے لوگوں نے بھی اُسے پرکاش سمجھ کر نہیں پہچانا۔ وہ پھر ملٹری ہوسپٹل آیا۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اُس کا چہرہ اِس قدر مسخ ہو گیا تھا کہ پلاسٹک سرجری کے بعد نئی شکل دی جا سکی۔ اِس لئے پرکاش نے اپنی شکل کھو کر پہچان بھی کھو دی۔ جہاں جاتا اپنے پرائے سبھی اُس کے لئے بالکل اجنبی ہو جاتے۔ آخر کار دُنیا کے اِس سلوک سے تنگ آ کر اُس نے شہروں شہروں گھوم کر اپنی زندگی کے بچے کھچے دن گزارنے کا تہیہ کیا تھا۔ اُس نے ایک نئی شخصیت کے ساتھ نئی زندگی شروع کر دی تھی۔

پرکاش کی زندگی بے حد الم انگیز تھی۔ ارچنا بھی ماننے کو تیار نہ تھی کہ وہ گوتم نہیں ہے۔ وہ اِس راز کو جاننے کے لئے بے چین تھی۔ ایک دن پرکاش کی غیر موجودگی میں اُس کے نوکر ارجن سے اُس کے متعلق دریافت کیا۔ ارجن پہلے تو خاموش رہا۔ لیکن ارچنا کے اصرار پر وہ کہنے لگا ——— "بی بی جی ——— کیا بتاؤں، میرے صاحب کی داستان بڑی غمناک ہے۔ وہ ایک بار بیمار پڑے اور جب اچھے ہوئے تو اپنے کو پرکاش کہنے لگے اور اپنے تمام لوگوں کو پہچاننے سے بھی انکار کر دیا۔ میں اِن کے ساتھ اس لئے ہوں کہ اُن کی خیریت اُن کے گھر والوں کو بھیجوں۔ یہ کیسی بیماری ہے بی بی جی! مجھے پتہ نہیں، سُنتا ہوں کسی لڑکی نے اِن سے بے وفائی کی تھی جس کے غم میں یہ پاگل ہو گئے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اِن کے دماغ کا آپریشن ہوا تھا۔ اور پرکاش مہرہ نام کے ایک فوجی جوان کا دماغ اِن کے دماغ سے لگا دیا گیا تھا۔ اُس علاج نے ہم سے میرے صاحب کو چھین لیا بی بی جی! یہ میرے صاحب نہیں رہ گئے۔ جسم اور چہرہ تو اُن کا ضرور ہے۔ لیکن روح اور دماغ اُس فوجی کی آ گئی ہے۔

ارجن روتا رہا۔

ارچنا نے بے تابی سے پوچھا ——— "ارجن۔ تمہارے صاحب کا نام کیا تھا؟"

"بی بی اُن کا نام گوتم تھا ——— !"

اور ارچنا چیخ کر فرش پر گر کر بے ہوش ہو گئی ———

---

**مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ مضمون حاشیہ چھوڑ کر روشن سیاہی سے خوشخط لکھا کریں اور دو سطور کے درمیان فاصلہ چھوڑنا بہت ضروری ہے۔** بعض اچھے مضامین محض بدخط ہونے کی وجہ سے چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ ہمیشہ غیر مطبوعہ مضامین بھیجیں اور ایڈیٹر کی اطلاع کے لئے مضمون کے خاتمے پر "غیر مطبوعہ" لکھیں۔ بعض مضمون نگار مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں۔ یہ نہایت نامناسب اور غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ اپنے پاس مضمون کی نقل ضرور رکھیں۔ کیونکہ ناقابلِ اشاعت مضامین ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ ناقابلِ اشاعت مضامین کی واپسی کے لئے مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھیجنے کی بجائے اپنا پورا پتہ لکھا ہوا پوسٹ آفس کا لفافہ ارسال کریں ورنہ ہم مضمون کی واپسی سے قاصر رہیں گے۔ منیجر

---

# غزل

سید ممتاز علی تصوّر بی اے، ایل ایل بی

تغافل کی اداؤں میں محبت دیکھ لی ہم نے
بڑی مشکل سے پایا ہے سراغِ زندگی ہم نے

عجب کیفیتِ دل تھی کہ جو آہٹ سُنی ہم نے
اُسے سمجھا تری آوازِ پا کی نغمگی ہم نے

دمِ آخر بھی ہونٹوں پر سجائی تھی ہنسی ہم نے
کیا پیشِ اجل قائم وقارِ زندگی ہم نے

خیالِ یار آتے ہی جبیں نے سجدہ ریزی کی
نہ جانی عمر بھر اس کے سوا کچھ بندگی ہم نے

قفس میں آ گیا لطفِ بہاراں اہلِ زنداں کو
لہو کے آنسوؤں سے خوب کی منظر کشی ہم نے

زباں کو جب نہ اظہارِ تمنّا کی ہوئی جرأت
بنالی ترجمانِ جذبۂ دل خامشی ہم نے

خزاں اوجھل نہ ہو پائی نقابِ موسمِ گُل سے
نظر آیا گُلِ پژمردہ جب دیکھی کلی ہم نے

زمانہ میں تصوّر چھیڑ کر نغمہ محبت کا
فضائے تیرہ و تاریک میں کی روشنی ہم نے

# غزل

رشی پٹیالوی

نظر میں نور کتنا اور دل میں روشنی کتنی
چھٹک دی چار سُو اک ماہ وش نے چاندنی کتنی

محبت کرنے والے دل ہی کر سکتے ہیں اندازہ
محبت کی بدولت ہے دلوں میں روشنی کتنی

نگاہِ کامیابِ عاشقی کو دیکھنا یہ ہے
جفائے دوست سے دل کو ہوئی وابستگی کتنی

خدا معلوم ابھی کس کس بلا کا سامنا ہوگا
سزا جینے کی پائے گی نہ جانے زندگی کتنی

کرم ارزانیاں اُن کی کبھی تو غور فرمائیں
ہمیں برباد ہونے کے لئے فرصت ملی کتنی

بہاروں کے خزانے لوٹ کر بھی دل نہیں کھلتے
چمن زارِ تمنّا کو ملی افسردگی کتنی

یہ محسوسات کا عالم ہے محسوسات کا عالم
ہمیں ہوتی ہے تجھ کو دیکھ لینے پر خوشی کتنی

رہی محرومِ نظارہ رشی جلوؤں کے دامن میں
لئے بیٹھی تھی اُمیدیں نگاہ آگہی کتنی

# ادھورے سپنے

(ایسے سپنے جو کبھی پورے نہیں ہوتے)

پروفیسر ڈاکٹر سید محمّد محی الدین سبحانی ایم۔ اے، بی۔ ایل، پی ایچ۔ ڈی
شعبۂ سیاسیات۔ آر۔ ڈی۔ ایس کالج، مظفرپور (بہار)

محترم خوشتر گرامی صاحب! تسلیمات

"افسانہ نمبر" کے لئے ایک حسین تخلیق "ادھورے سپنے" بھیج رہا ہوں۔ شیلانگ کی یادیں کبھی کبھی جب بے حد ستاتی ہیں تو اسی طرح کی کہانیاں ذہن میں اُبھرتی ہیں۔ اُمید ہے آپ اور قارئین "بیسویں صدی" میری پچھلی کہانی 'لپ اسٹک' کی طرح اِسے بھی پسند کرینگے۔ کچھ خواتین خصوصاً کھاسی عورتوں کی عمر کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔ یہ تجربے کی بات ہے۔ اُمید ہے آپ شاندار افسانہ نمبر ترتیب دینے میں مصروف ہوں گے ....

آپ کا نیازمند ——— محی الدین سبحانی

★

وہ حسین تھی!
جوان تھی!
کافی فیشن ایبل تھی!
اُس کی پُرکشش آنکھیں مجھے بے حد پسند تھیں۔

میں نے اُسے کئی بار سٹی بس پر سفر کرتے دیکھا تھا۔ ایک بار مختصری رسمی گفتگو بھی ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک پرائیویٹ فرم میں سیلس اسسٹنٹ ہے اور لائی مکھرا میں رہتی ہے۔ پھر کبھی اُس سے طویل گفتگو کرنے کا مجھے موقع نہ مل سکا تھا۔ ایک دن بس پر وہ بھی ہم لوگوں کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ میں اپنے دوست کپور سے ایک کرائے کا مکان تلاش کر دینے کو کہہ رہا تھا۔ کیونکہ جب سے میرا تبادلہ شیلانگ میں ہوا تھا میں ہوٹل ہی میں رہتا تھا اور اب میں ہوٹل کی زندگی سے تنگ آچکا تھا۔ وہ ہماری باتیں غور سے سُن رہی تھی۔ ایک اسٹاپ پر جب بس رُکی تو بس سے اُترتے ہوئے اُس نے کپور سے کہا، "آپ کو کرائے کے مکان کی ضرورت ہے تو میں آپ کو دو کمروں کا مکان دے سکتی ہوں۔"

کپور اور میں اُس کے ساتھ ہی اُسی اسٹاپ پر اُتر گئے۔ لائی مکھرا میں اُس کا مکان تھا۔ مکان میں پانچ چھ کمرے تھے۔ تین چار کمروں میں وہ خود رہتی تھی۔ دو کمرے وہ کرائے پر لگانا چاہتی تھی جس کا کرایہ صرف سو روپئے تھے۔ اُس کے مکان کے کمروں اور میرے کمرے کے بیچ وارڈ روب کا ایک پارٹیشن تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ یہ اُس کا آبائی مکان ہے۔ کچھ دنوں پہلے تک اُس کی ماں بہنیں سبھی اِسی مکان میں رہتی تھیں۔ حال ہی میں اُس کی بہنوں نے شادی کر لی ہے اور اب وہ اپنے ہزبنڈ کے ساتھ رہتی ہیں۔ اُس کی ماں یہاں سے پچاس میل کے فاصلے پر ایک گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر ہے۔ وہیں اُسے رہنے کے لئے کوارٹر ملا ہوا ہے۔

مجھے اُس کا مکان بے حد پسند آیا۔ نہایت صاف ستھرا تھا۔

کمرے کافی کشادہ تھے۔ کھڑکیاں بڑی بڑی ہوادار کھلی ہوئی تھیں۔ باتھ روم بیڈ روم سے ملا ہوا تھا۔ فرنیچر بھی ماڈرن ڈیزائن کے تھے۔ کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ میں نے اُسی وقت اُسے سو روپے اڈوانس دے دیئے اور اُسی شام اپنا سامان ہوٹل سے اُٹھالایا۔

نئے مکان میں آتے ہی دو چار دنوں میں اُس سے کافی کھل مل گیا۔ اُس نے اپنا نام شیل بتایا۔ یہ نام مجھے بے حد پیارا معلوم ہوا اور میں نے اُس کی کافی دلجوئی کی۔ یہ حقیقت تھی کہ میں اُس کے رنگ روپ، ناک نقشے اور طرزِ رہائش سے بہت پہلے ہی سے متاثر تھا اور بس پر بھی اکثر اُسے کنکھیوں سے دیکھا کرتا تھا۔ اُس کی عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کھلتے ہوئے رنگ پر ہلکی پیازی ساری پہنے جب وہ گھر سے نکلتی تو فضا نکہت و نور میں ڈوب جاتی۔ اکثر لوگوں کی نگاہیں اُسی کے جانب ہوتیں۔ آفس سے واپس آنے پر اکثر شام کو اُس سے باتیں کرنے کا موقع ملتا۔ لیکن باتیں عموماً مختصر اور رسماً ہوتیں۔

ایک شام شیل کی طبیعت ذرا سُست تھی تو میں نے فوراً ایک اچھے سے ڈاکٹر کو بُلوالیا۔ اُس کی فیس دے دی اور اُس کے لئے چند ضروری دوائیں لا دیں اور گھنٹوں اُس کے کمرے میں بیٹھ کر اُس کی دلجوئی کرتا رہا۔ میرے اِس برتاؤ سے وہ بے حد متاثر ہوئی۔ اُس دن سے ہمارے مراسم کافی گہرے ہو گئے۔ دو ہی تین ہفتوں میں ہم اتنے قریب ہو گئے کہ صبح آٹھ بجتے بجتے شیل میرے کمرے میں چلی آتی۔ اُس وقت میں باتھ روم میں ہوتا یا شیو کرتا ہوتا۔ وہ آتے ہی کچن میں گھس جاتی۔ ٹوسٹر پر بریڈ سینکتی، اُن پر مکھن اور جیلی لگاتی اور انڈے بوائل کر کے ناشتہ میرے سامنے لگا دیتی۔ میرے بے حد اصرار کرنے پر مشکل سے وہ ایک آدھ سلائس لیتی ہوگی۔ میرے کمرے کی صفائی کرتی، گندے کپڑے ڈرائی کلیننگ میں بھیج دیتی اور خود تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر میرے ساتھ ہی دفتر کے لئے نکل پڑتی۔ کبھی میں اُس کا ٹفن باکس سنبھالتا، تو کبھی وہ میرا بیگ اُٹھا لیتی۔ ہم دونوں ایک ہی بس اسٹاپ پر اُترتے۔ وہ کچھ دُور ساتھ چلتے ہوئے اپنے فرم کی طرف مُڑ جاتی اور میں سیدھے آفس کی طرف بڑھ جاتا۔ واپسی میں جب کبھی وہ مل جاتی تو ہم دونوں بس کا انتظار نہ کرتے ٹیکسی پکڑ لیتے۔

ایک دن ٹیکسی میں جب ہم دونوں آ رہے تھے تو اُس نے میرے کاندھے پر اپنا سر ٹیک کر کہا۔ "پرکاش! میں مردوں کو دھوکہ باز، فریبی، جھوٹے سمجھنے لگی تھی۔ مجھے مردوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ لیکن تم سے مل کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے میں برسوں سے تمہاری تلاش میں بھٹک رہی تھی۔" میں نے پیار سے اُس کا گال تھپتھپایا۔ ایک ٹک ہم ایک دوسرے کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ اُس دن سے ہم اتنے زیادہ قریب ہو گئے کہ صبح سے شام تک فرصت کے سارے اوقات ساتھ ہی گزارنے لگے۔ صبح اُٹھ کر ساتھ ہی چہل قدمی کے لئے نکل پڑتے۔ گھنٹوں پہاڑوں کی سیر کرتے، پہاڑیوں کی اوٹ سے نکلتے ہوئے آفتاب کو دیکھتے۔ کبھی "ہیپی ویلی" جا کر کافی بلندی سے گرتے ہوئے "بیوٹی فال" کے نغمے سُنتے، کبھی "ایلیفنٹا فال"، کی طرف نکل پڑتے، تو کبھی "لیڈی ہائیڈری" جا کر گھنٹوں ٹہلتے رہتے، تو کبھی اُسے اپنی بانہوں کا سہارا دے کر اونچے اونچے درختوں کے سائے میں چلے جاتے اور اپنے پہلو میں اُسے بٹھا کر وائلن کے لطیف نغمے بکھیرتے۔ وہ وائلن سے نکلتی ہوئی آواز میں کھوئی مستی اور خمار آلود آنکھوں سے میری طرف دیکھتی۔ ہم دونوں ایک دوسری دنیا میں کھو جاتے، جہاں سپنے ہی سپنے ہوتے۔ میں یہ بھول جاتا کہ میں ایک بڑے دفتر میں اسسٹنٹ برانچ منیجر ہوں اور شیل ایک معمولی سیلس اسسٹنٹ ہے جو کاؤنٹر پر کھڑی ہو کر کمپنی کی بنی ہوئی چیزیں فروخت کرتی ہے۔ میں اُس کی زُلفوں کا اسیر ہو کر رہ گیا تھا۔ ہر اتوار کو اُس کے ساتھ پکنک کا پروگرام بناتا۔ ہم دونوں کسی ویران سی پہاڑی پر درختوں کے جُھنڈ میں دری بچھا کر بیٹھ جاتے۔ خوب کھاتے پیتے، سیر و تفریح کرتے۔ پھر تھک کر بیٹھ جاتے۔ میں اُسے نئے نئے لطیفے سُناتا۔ شیل خوب قہقہے لگاتی۔ پھر ہم دونوں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ جب دور چیرہ پونجی میں زوروں کی بارش ہوتی اور اُمڈتے ہوئے کالے بادل ساری فضا میں چھا جاتے اور بارش کی ننھی پھواریں کیف و سُرور برسانے لگتیں تو شیل ننھی منی بچّی کی طرح خوش ہو کر اپنی پیاری پیاری کھاسی زبان میں پیاری گیت گانے لگتی۔ پھر چُپکے سے کسی درخت کی اوٹ میں جا کر چُھپ جاتی۔ میں اُسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتا اور پھر کسی درخت کی اوٹ سے جھانکتے ہوئے دیکھ کر اُسے جا پکڑتا۔ یہ لمحے کافی خوشگوار تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا دنیا کی ساری خوشیاں مجھے ہی مل گئی ہیں!

اُنہی دنوں ایک دن گھر سے ممّی کا خط آیا۔ اُنہوں نے لکھا تھا۔ "بیٹا! تمہاری عمر تیس سال کے قریب ہونے کو آئی ہے اب تمہیں شادی کر لینی چاہیئے۔ اِس بار میں تمہاری ایک نہ سُنوں گی۔ میں نے ایک بہت ہی سُندر لڑکی پسند کی ہے۔ گھرانا بھی اچھا ہے۔ ہماری برادری کے لوگ ہیں وہ تمہیں ایک بار دیکھنا چاہتے ہیں۔ چھٹی لیکر ایک دن کے لئے یہاں چلے آؤ۔ لڑکی کی تصویر بھیج رہی ہوں۔" شیل کے مقابلے میں مجھے ماں کی بھیجی ہوئی تصویر ذرا بھی نہ پسند آئی میں نے تصویر یونہی لفافے میں بند کر کے رکھ دی۔ ماں کی شادی کی بات پر ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ شیل کے البم سے اُس کی ایک اچھی سی تصویر نکالی اور اُسے اپنی ماں کے پاس بھیج دیا اور اُنہیں لکھ دیا۔ "ایک لڑکی میری بھی نظر میں ہے تصویر بھیج رہا ہوں۔ آپ اپنی پسند لکھئے۔" میں ممّی کی فطرت سے واقف تھا۔ پھر بھی میں اُنہیں کا بیٹا تھا اور مجھے خود پر پورا بھروسہ تھا۔ اُس شام شیل نے مجھ سے کہا کہ وہ دو چار دنوں کے لئے اپنی ماں سے ملنے جا رہی ہے۔ رات ہم دونوں نے ایک ہوٹل میں ڈنر لیا اور بہت رات گئے تک شیلانگ لیک کے کنارے بیٹھے زندگی کے حسین سپنے دیکھتے رہے۔ میں نے اُس سے کہہ دیا کہ میں نے اُس کی تصویر ممّی کے پاس بھیج دی ہے۔ صرف اُن کی منظوری کی دیر ہے، اُس کے بعد ہی ہم دونوں ایک نئی زندگی کا آغاز کرینگے۔ میری باتیں سُن کر شیل فرطِ مسرت سے کھِل اٹھی۔ اور "پیرکاش!" کہہ کر میرے سینے سے لگ گئی۔ کافی رات گئے ہم واپس ہوئے۔

---

دوسرے دن صبح ہی شیل اپنی ماں سے ملنے چلی گئی۔ شام کو دفتر سے آکر مجھے تنہائی کا شدید احساس ہوا۔ شیل کا چہرہ نظروں کے سامنے گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ میں ٹہلتا ہوا پولس بازار کی طرف نکل پڑا۔ طبیعت ذرا بھی نہ لگی۔ ہوٹل میں کھانا کھا کر جلد ہی لوٹ آیا۔ دو تین دن کسی طرح گزارے۔ دل کو چین نہ ملا۔ طبیعت ہر وقت اُداس اُداس سی رہنے لگی۔ چوتھے دن آفس میں ممّی کا ٹیلیگرام ملا۔ وہ بیمار تھیں، اُنہوں نے فوراً آنے کو لکھا تھا۔ میں کشمکش میں پڑ گیا۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ باس کی نظر ٹیلیگرام پر پڑی۔ اُنہوں نے فوراً ہی چھٹی منظور کر دی اور مجھے گھر چلے جانے کیلئے اصرار کرنے لگے۔ میں اُسی دن ٹیکسی پکڑ کر گوہاٹی آیا اور وہاں سے آسام میل سے گھر چلا آیا۔ ممّی کچھ زیادہ بیمار نہ تھیں۔ پاؤں میں کچھ تکلیف ہو گئی تھی۔ علاج جاری تھا۔ اُنہوں نے بہانے سے مجھے بلایا تھا کیونکہ لڑکی والوں کا اصرار مجھے دیکھنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔ میرے گھر پہنچنے کے دوسرے ہی دن لڑکی کے والدین مجھ سے ملنے آئے۔ مختصر سی رسمی گفتگو ہوئی۔

# غزل

پروفیسر بیتاب پیلی بھیتی ایم۔ کام (علیگ)

تُو نے ساتھ کیا چھوڑا رہ گئے ہیں ہم تنہا
چل رہے ہیں راہوں پر لے کے بارِ غم تنہا

تیری یاد بھی اب تو ہم سفر نہیں اپنی
جادۂ محبت پر چل رہے ہیں ہم تنہا

غم میں ساتھ دیتا ہے کون کس کا دُنیا میں
اشکِ غم بہاتی ہے اپنی چشمِ نم تنہا

ایک دن تو وہ نظریں میری سمت اُٹھیں گی
غم میں ساتھ دیتا ہے دل کا یہ بھرم تنہا

صرف عزمِ محکم سے کر رہا ہوں طے بیتاب
زندگی کی راہوں کے سارے پیچ و خم تنہا

اُس شام میں نے ماں سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ شادی مجھے کرنی ہے، شادی میری پسند اور میری مرضی کے مطابق ہوگی۔ ممی بے حد ناراض ہوکر رونے لگیں۔ میں رات کی ٹرین پکڑ کر گوہاٹی چلا آیا اور پھر ٹیکسی کرکے دوسرے دن شیلانگ پہنچا۔ شیل واپس آ چکی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بچوں کی طرح چہک اُٹھی اور میرے سینے پر بچوں کی طرح سسکیاں لیتے ہوئے کہنے لگی ”پرکاش! میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ تم بھی مجھے ستیش کی طرح چھوڑ کر چلے گئے۔ میں نے زندگی میں بہت دُکھ جھیلے ہیں۔ اب مجھے کبھی چھوڑ کر نہ جانا!“ میں نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا ”شیل! بیتے دنوں کو بھول جاؤ۔ میں اوروں کی طرح بے وفا نہیں ہوں۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔“ میں نے اُسے ساری باتیں بتائیں۔ میری باتیں سُن کر چند ہی لمحوں کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ مسرور نظر آنے لگی۔ اُسی رات شیل نے مجھ سے کہا کل اُس کی ماں شیلانگ آنے والی ہے۔ دن کے بارہ بجے ہمیں اُنہیں لینے بس اسٹینڈ چلنا ہے۔

اُس رات نہ جانے کیوں مجھے ستیش بہت کھٹکا۔ مردوں کی فطرت شکی ہوتی ہی ہے۔ میرے دل میں یہ جاننے کی خواہش بار بار اُبھرنے لگی کہ ستیش کون تھا؟ شیل کے ساتھ اُس کے کیسے تعلقات تھے؟ پھر میں نے یہ سوچ کر دل میں اطمینان کر لیا کہ شادی سے پہلے ہر عورت یا مرد کی زندگی میں کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور پیش آتا ہے۔ تعلیم یافتہ ماڈرن انسان کو اُس کی طرف زیادہ توجہ نہ دینی چاہیئے۔

---

دوسرے دن ہم دونوں نے آفس جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ شیل نے صبح ہی سے گھر کی صفائی شروع کر دی اور وہ گھنٹوں کافی مصروف رہی۔ میری نظریں بار بار شیل کے چہرے کی طرف اُٹھ جاتی تھیں۔ اُداسی کی ایک ہلکی سی لہر اُس کے چہرے پر دوڑتی ہوئی نظر آتی تھی۔ وہ کچھ فکرمند سی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ پہلے کی طرح مسرور نہ تھی۔ میں ناشتے کے بعد اخبار پڑھتا رہا۔ شیل میک اَپ درست کرتی رہی۔ نارنجی رنگ کی ساری میں وہ بہت ہی حسین اور کمسن معلوم ہو رہی تھی۔ گیارہ بجے تیار ہوکر ہم بس اسٹینڈ کی طرف چل پڑے۔ بارہ بجے بس آ گئی۔ میں بس سے اُترتے ہوئے مسافروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ بس سے ایک اَدھیڑ عمر کی عورت تین بچوں کے ساتھ اُتری۔ بچے شیل کو دیکھتے ہی ”ممی!“ کہہ کر دوڑتے ہوئے اُس سے لپٹ گئے۔ [illegible] کی عمر دس سال کی تھی۔ دوسری لڑکی آٹھ نو سال کی ہوگی اور چھوٹا لڑکا پانچ چھ سال کا معلوم ہو رہا تھا۔ شیل نے مجھ سے کہا ”یہ تینوں ستیش نے ہی تین تحفے مجھے دیئے تھے۔ میں انہی کے سہارے جی رہی ہوں!“ بچوں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے میں نے محسوس کیا جیسے میرے پاؤں تلے کی زمین کھسکنے لگی۔

---

# غزل

جرار چھولسی

مجھے روز میکدے میں یونہی ختم رات کرنا
کبھی جام چوم لینا کبھی خم سے بات کرنا

تری بے رخی کا شکوہ نہیں صرف التجا ہے
کسی دن مری طرف بھی رخِ التفات کرنا

کوئی اب مری طرح یوں نہ تباہ ہونے پائے
نگہہ کرم مجھی پر غمِ حادثات کرنا

کہیں بن گیا قیامت کہیں بن گیا فسانہ
سرِ بزم اُن کا مجھ سے ذرا ہنس کے بات کرنا

سرِ کارگاہِ ہستی وہ کفن پہن کے نکلے
ہو اگر کسی کو رنگیں چمنِ حیات کرنا

مرے حوصلے کی پستی، مرا تھک کے بیٹھ جانا
مرے عزم کی اہانت طلبِ نجات کرنا

وہ رُکا رُکا تبسم وہ جھکی جھکی نگاہیں
وہ کسی کا مجھ سے پہلے پہل التفات کرنا

وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں مجھے آج دیکھنا ہے
مری چشمِ شوق! اٹھنا رخِ شش جہات کرنا

# غزل

محمد مرسلین شیدا بی۔اے

حریم ناز کے جلوے دکھائیے تو سہی
شعورِ اہلِ نظر آزمائیے تو سہی

یہ کیسی چپ سی لگی میرے غنچۂ دل کو
بہ رنگِ موجِ صبا گدگدائیے تو سہی

خوشی کی بزم میں شرکت تو کوئی بات نہیں
کسی کے درد میں آنسو بہائیے تو سہی

پناہ پھر نہ ملے ظلمتِ کدورت کو
دلوں میں شمعِ محبت جلائیے تو سہی

سکوں ملے گا دلِ بے طلب کی دنیا میں
نکل کے بزمِ تمنا سے آئیے تو سہی

یہ اشک غم کی امانت ہیں میری آنکھوں میں
کبھی یہ بارِ امانت اٹھائیے تو سہی

مری نظر سے تو روپوش ہو گئے لیکن
مرے خیال سے دامن بچائیے تو سہی

اداس اداس ہے شیدا فضائے بزمِ سخن
بہارِ حسنِ تغزل لٹائیے تو سہی

# سوال

شاکر کریمی

محلہ نمبر ۱، بتیا (مغربی چمپارن)

برادرم! سلام نیاز

یہ کہانی "سوال" طویل تھی۔ اب مختصر ہو گئی ہے۔ اس سے زیادہ مختصر ہو گی تو لطف جاتا رہے گا۔ یہ کہانی مجھے بہت پسند ہے۔ قارئین "بیسویں صدی" بھی ضرور پسند کریں گے۔ میں چاہتا ہوں یہ کہانی افسانہ نمبر میں جگہ پائے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو ــــــ کاغذ کی قلت سے صرف رسالے ہی نہیں ہم لکھنے والے بھی متاثر ہوئے ہیں۔ تخلیقات طویل نہ ہوں اس خیال سے خیالوں کو بھی سمیٹنا پڑتا ہے ......

آپ کا اپنا ہی ــــــ شاکر کریمی

★

شہر کے دامن میں بہتی ہوئی ترہبنی ندی کے کنارے حسین و دلکش مناظر کے درمیان راج گھاٹ انتہائی پُر فضا مقام ہے۔ میں نے راج گھاٹ کے قریب ہی ندی پر پُل بنانے کا ٹھیکہ لے رکھا تھا اور راج گھاٹ کے ایک خوب صورت کاٹج میں قیام پذیر تھا۔

سارے دن کی جھلسا دینے والی دھوپ کے بعد اچانک بادل گھر آئے تھے۔ ہلکی بارش ہو گئی تھی اور پھر بادل چھٹ گئے تھے۔ بادلوں کے چھوٹے چھوٹے سُرمئی اور سفید ٹکڑے ہواؤں کے دوش پر آسمان کی وسعتوں میں اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ سارا دن آگ برسانے والا سورج اپنی ساری تپش لٹا کر کنگال ہو گیا تھا اور اب اپنا شکست خوردہ زرد چہرہ بادلوں کی اوٹ میں چھپاتا بلندی سے پستی کی طرف گر رہا تھا۔ بارش میں دُھل کر ہر شئے نکھر گئی تھی۔ فرحت بخش خنک ہواؤں میں گیلی مٹی کی سوندھی خوشبو رچ گئی تھی۔ میں نے مشرق کی طرف شہر سے آنے والی سڑک کی طرف دیکھا۔ میری نگاہیں رنگین ہو گئیں۔ قوسِ قزح نے جیسے ہر طرف رنگ بکھیر دیا ہو، لال، پیلے، سبز، نیلے رنگ۔ مجھے محسوس ہونے لگا قدرت بھی میرا ساتھ دے رہی ہے۔ یہ سب سُدھا کے استقبال کی تیاریاں ہیں۔ بادلوں نے برس کر گرد و غبار دھو دیا ہے۔ فضا نکھر گئی ہے، درختوں اور پودوں نے غسل کر کے نیا لباس تبدیل کر لیا ہے، ندی کی چنچل لہروں کا بے ہنگم شور ترنم ریز ہو گیا ہے، نظر نہ آنے والے فرشتوں کے پَر متحرک ہو گئے ہیں اور قدرت نے قوسِ قزح کا خوبصورت محراب تعمیر کر دیا ہے اور اب سُدھا چھ گھوڑوں والے رتھ پر بیٹھی، ہواؤں کے دوش پر اُڑتی اس محراب سے گزر کر میرے پاس آئے گی اور پھر کائنات جھوم اٹھے گی، میں جھوم اٹھوں گا! سُدھا کا حسین خیال سُرور بن کر میری نس نس میں دوڑنے لگا۔

شدھا سے پہلی ملاقات شہر میں ہوئی تھی۔ میری جیپ کچھ خراب ہو گئی۔ میں نے پنجاب موٹر گیرج میں بننے کو دی تھی۔ تین چار گھنٹوں سے کم میں جیپ نہ بنتی۔ فرصت کے ان گھنٹوں کو گزارنے کے لئے میں اجنتا میں پہلا شو دیکھنے چلا گیا تھا۔ فلم ختم ہونے کے بعد رکشا اسٹینڈ آیا۔ رکشوں کی کمی کے باوجود ایک رکشا مل گیا۔ میں رکشا پر بیٹھنا ہی چاہ رہا تھا کہ ایک نسوانی آواز نے رکشا والے کو پکارا۔ میں پلٹ کر دیکھے بغیر جلدی سے رکشا پر بیٹھ گیا۔ یہ سوچ کر کہ ایسا نہ ہو میرے بیٹھنے سے پہلے کوئی بیٹھ جائے اور یہ آخری رکشا میرے ہاتھ سے نکل جائے۔ رکشا پر بیٹھ کر میں نے آواز کی طرف دیکھا اور تب مجھے اُس آواز کے ترنم ریز ہونے کا احساس ہوا۔ جب میں رکشا میں بیٹھ گیا تو سُنا یاس میں ڈوبی ایک آواز ——— اوہ! اور تب مجھے احساس ہوا ناحق کسی کا دل دکھایا ہے۔ مجھے اتنا خود غرض نہ ہونا چاہیئے میرا دل انسانیت کے جذبے سے لبریز ہو گیا۔ میں نے لڑکی کی طرف دیکھا اور رکشا سے اُتر گیا۔

"آپ جائیے رکشا سے، میں پیدل چلا جاؤں گا!"

"نہیں نہیں، آپ ہی جائیے!" لڑکی سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں آپ، دیکھتیں نہیں یہ آخری رکشا ہے۔ ویسے بھی آپ لڑکی ہیں، تنہا، اور رات کے نو بج چکے ہیں!" میں نے اُس کی طرف سے نظریں ہٹا کر رکشا والے کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ 'لے جاؤ بھائی' اور خود آگے بڑھ گیا۔ ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ رکشا میرے بغل میں آکر رُک گیا۔

"سُنیئے!" رکشا پر بیٹھی ہوئی اُس لڑکی نے مجھے مخاطب کیا۔

"فرمائیے؟" میں نے کہا۔

"کہاں جانا ہے آپ کو؟"

"زیادہ دُور نہیں، یہیں پنجاب گیرج تک!" میں نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آیئے، پنجاب گیرج میرے راستے ہی میں ہے" وہ ایک کنارے کھسک گئی۔

معاً مجھے خیال آیا یہ کوئی ایسی ویسی لڑکی تو نہیں جو مجھے خود ہی لفٹ دے رہی ہو! لیکن فوراً ہی میں نے ذہن سے جھٹک دیا۔ چلو ٹھیک ہے ایک خوبصورت لڑکی خواہ وہ کیسی ہو خود اپنے قریب بیٹھنے کا موقع دے رہی ہے تو کیوں نہ ——— اور میں اُس کے بغل میں بیٹھ گیا۔ جوان اور خوبصورت لڑکی کا قرب اُس کے جسم سے پھوٹنے والی مدہوش کن خوشبو اور جھٹکوں پر جسموں کا لطیف تصادم ——— مجھ پر نشہ کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میں نے سلسلۂ کلام شروع کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں رہتی ہیں آپ؟"

"شاستری نگر میں!" اُس نے کہا۔

"پڑھتی ہیں؟"

"نہیں ملازمت کرتی ہوں، ہندگلاس فیکٹری میں!"

"اور آپ کے فادر.....؟"

"اُنہیں گذرے ہوئے چھ سال ہو گئے، وہیں وکیل تھے!"

"آپ یہاں تنہا رہتی ہیں یا......؟"

"میرے ساتھ میری ماں ہیں، ایک چھوٹا بھائی ہے!"

"اور کوئی؟"

"نہیں اور کوئی نہیں!"

"اِس کا مطلب ہے گھر کی ساری ذمہ داری آپ ہی پر ہے؟"

"ہاں!" اُس نے مختصر سا جواب دیا۔

میں سوچنے لگا اب اور کیا پوچھوں، کیا کہوں کسی اجنبی سے رسمی طور پر جتنی باتیں کی جاتی ہیں اُس سے زیادہ ہی باتیں کر چکا ہوں۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ اُس کی آواز نے مجھے چونکا دیا ———

"یہی ہے نا پنجاب گیرج؟"

"آں...... ہاں!" میں نے رکشا والے کی پُشت پہ ہاتھ رکھا۔ رکشا رُک گیا اور میں اُتر گیا۔ رکشا والے کو کرایہ دینا چاہا تو وہ بولی۔ "رہنے دیجئے میں دے دوں گی!" رکشا آگے بڑھ گیا۔ میں جاتے ہوئے رکشا کو دیکھتا رہا۔ وہ چلی گئی تھی چند لمحوں کی یاد کی خوشبو چھوڑ کر۔

تیسری شام ——— میں بلا مقصد شہر کی مختلف سڑکوں

پر جیپ دوڑاتا خاص شاہراہ سے گزر رہا تھا کہ میری نگاہ کافی ہاؤس پر پڑی۔ میں نے جیپ سڑک کے کنارے کھڑی کر دی اور کافی ہاؤس میں داخل ہو گیا۔ میری نظر وسیع ہال کے ایک گوشے پر پڑی۔ وہی لڑکی سر جھکائے کافی کے گھونٹ لے رہی تھی۔ میرے قدم اِس طرح اُس کی طرف بڑھنے لگے جیسے اُس کا خوبصورت وجود مقناطیس ہو اور میں لوہے کا ایک ٹکڑا جو مقناطیس کی طرف کھنچا چلا جائے۔

"آپ!" میں نے اِس طرح کہا کہ وہ یہ نہ سمجھے میں اُسے دیکھ کر ہی اُس کے قریب آیا ہوں۔ اُس نے نظریں اوپر اُٹھائیں اور اِس طرح مجھے دیکھنے لگی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ ایسا نہ ہو یہ مجھے پہچاننے سے انکار کر دے پھر تو بہت خفت اُٹھانی پڑے گی۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بولی۔

"اوہ، آپ؟ تشریف رکھئے!"

"آپ یہاں؟" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آفس سے فرصت پا کر گھر جاتے ہوئے یہاں آجاتی ہوں۔ یہاں کی کافی مجھے پسند ہے اور آپ؟"

"بلا مقصد اِدھر سے گزر رہا تھا کہ کافی ہاؤس پر نظر پڑی اور پھر کافی پینے کی خواہش کو دبا نہ سکا!"

اُسے خاموش دیکھ کر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایسا مت سوچئے گا کہ آپ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آیا ہوں!" میرے لہجے میں صاف گوئی بھی تھی اور بے تکلفی بھی۔

"ایسا کیوں نہ سمجھوں؟" وہ شوخ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی

"اِس لئے کہ آجکل نوجوانوں میں یہ بیماری عام ہے جہاں کوئی اچھی لڑکی دیکھی پیچھے لگ گئے!"

"ایسا نہ سمجھوں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا!" اُس کی مسکراہٹ اور واضح ہو گئی۔

میں سٹپٹا گیا۔ جیسے اُس نے میرے اندر کے چور کو پکڑ لیا ہو۔ میں خاموش تھا کہ اُس نے کہا۔

"کیا منگاؤں آپ کے لئے؟"

# غزل

پروفیسر ایم اے حفیظ بنارسی ایم۔ اے

تصوّر میں ہم اُن کے کھوئے ہوئے ہیں
نہ جاگے ہوئے ہیں نہ سوئے ہوئے ہیں

رقم کر رہے ہیں حدیثِ محبت
لہو میں قلم کو ڈبوئے ہوئے ہیں

جو کل ہنس رہے تھے مرے حالِ دل پر
سُنا ہے اب آنکھیں بھگوئے ہوئے ہیں

میں اُن پر بھی کرتا ہوں پھولوں کی بارش
جو کانٹے مرے حق میں بوئے ہوئے ہیں

جگاتا نہیں حادثہ کوئی ہم کو
قیامت کی ہم نیند سوئے ہوئے ہیں

غزل پڑھ کے اپنی حفیظؔ اُٹھ گئے ہم
مگر کیف میں لوگ کھوئے ہوئے ہیں

"آپ کیوں تکلیف کریں، میں خود منگاؤں گا!"

"کوئی بات نہیں، آپ منگائیں یا میں۔ ایک ہی بات ہوگی۔ صرف کافی یا کچھ اور؟" اُس نے ویٹر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"صرف کافی!" میں نے کہا۔

"کالج کے علاوہ کا جو بھی یہاں اپنے تلے جاتے ہیں!" وہ ویٹر کو آرڈر دینے لگی۔

اُس شام ہم دو گھنٹے ساتھ رہے۔ باتیں کرتے رہے ایک دوسرے کو سمجھتے اور سمجھاتے رہے، ہنستے اور مسکراتے رہے باتوں کے دوران اُس نے میرا نام پوچھا اور اپنا نام بتایا، سُدھا —— اور جب پہلی بار میں نے اُس کا نام لیا تو محسوس ہوا جیسے میری زبان شہد میں ڈوب گئی ہو اور شہد کی مٹھاس میرے وجود کی گہرائیوں میں گھلتی جا رہی ہو۔ سُدھا سے یہ دوسری ملاقات تھی۔

اور پھر ہم ہر شام ملنے لگے۔ جلد ہی ہم ایک دوسرے سے اتنے بے تکلف ہو گئے تا آنکہ ہمارے درمیان اب اجنبیت کی دیوار حائل نہ تھی۔ لیکن وہ ایک بات جو اِن ملاقاتوں اور محبت کے لطیف جذبوں کا حاصل تھی وہ بات میں کہہ سکا تھا اور نہ سُدھا کہہ سکی تھی۔

کار کے ہارن کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ خیالوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ میں نے پُرشوق نگاہوں سے سامنے دیکھا۔ وہ آگئی —— لیکن کار سامنے سے گزر گئی۔ اور تب احساس ہوا شام کے سُرمئی اندھیرے میں قوسِ قزح کی رنگینیاں کھو گئی ہیں۔ میں اُداس ہو گیا۔ لیکن دل کے کسی گوشے میں اُمید کی ایک کرن اب بھی جھلملا رہی تھی۔ وہ آئے گی، اُسے آنا چاہیئے، اُس کے وعدے میں پختگی تھی، اعتماد تھا —— میری نظر شہر کی طرف سے آتی ہوئی ایک ٹیکسی پر پڑی۔ میرا دل آس اور یاس کی گتھیوں میں اُلجھا تیزی سے دھڑکنے لگا۔

ٹیکسی میرے قریب آکر رُک گئی۔ میں اپنی خوشی کو دبا نہ سکا۔ جی چاہا سُدھا کو باہوں میں لے کر جھومنے لگوں، رقص کرنے لگوں۔ میں والہانہ اُس کی طرف بڑھا ...... اور راج گھاٹ کی یہ حسین شام حسین تر ہوتی چلی گئی اور پھر باتوں کے دوران میں نے سُدھا سے وہ بات کہہ دی جو اب تک نہ کہہ سکا تھا اور جسے کہنے کے لئے بیتاب تھا۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"سُدھا، مجھے اپنی آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوب جانے دو، اِس طرح کہ پھر کبھی نہ اُبھر سکوں!"

"تو میری آنکھیں نہیں ملی ہوئیں!" سُدھا کے لہجے میں شوخی تھی۔

"ہاں سُدھا، یہ پہاڑی ندی جو سامنے بہتی ہے اُس میں لہریں ہیں، طغیانی ہے، زور و شور ہے لیکن پیار اور چاہت کا انمول موتی نہیں جو تمہاری آنکھوں کی گہری جھیل میں ہے۔ مجھے پا لینے دو وہ موتی!" میں جذباتی ہو گیا۔ وہ خاموش رہی تو میں نے پھر کہا۔ "اب تو میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے تمہیں پانا، تمہیں پا کر سب کچھ بھول جانا! سُدھا کہہ دو تم میری ہو، میری ہو جاؤ گی؟"

وہ تھوڑے توقف سے بولی۔

"اگر میں انکار کر دوں تو؟"

میں تڑپ اُٹھا۔ "نہیں سُدھا، نہیں۔ تم انکار نہ کرو گی۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو میں سامنے بہتی ہوئی ندی میں چھلانگ لگا دوں گا! اب تو میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا!" میری آواز کانپنے لگی۔

سُدھا نے میری طرف بھرپور نظروں سے دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔ کچھ بولی نہیں۔ پھر تو میرا دل ڈوبنے لگا۔ سُدھا کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اُس کے دامن میں جذب ہو رہے تھے۔ میں بے چین ہو گیا۔

"تم رو رہی ہو، کیوں؟ بولو سُدھا۔ کیا میں اِس قابل نہیں کہ ......؟" میری آواز گلوگیر ہو گئی۔

"نہیں برج، یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔ میں تو سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ تم مجھے اِتنا پیار کرتے ہو!"

"ہاں سُدھا، میں نے زندگی میں پہلی بار صرف تمہیں چاہا ہے، دل کی گہرائیوں سے۔ جواب دو کیا تم بھی مجھے ......!" میں نے ایک انجانے خوف کے زیرِ اثر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

سُدھا نے رخساروں پر ڈھلکتے ہوئے آنسوؤں کو خشک کیا اور بولی۔

"برج، اگر تم مجھے اِتنا ہی چاہتے ہو کہ ... جان بھی دے سکتے ہو تو سُن لو میں بھی تم سے پیچھے نہ رہوں گی۔ میں تمہاری ہوں، تمہاری رہوں گی! تمہارے سوا کسی اور کا تصور بھی اب میرے لئے پاپ ہے!" سُدھا نے اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا۔

ہم کھو گئے کیف و سرور کی وادیوں میں۔

کافی ہاؤس کے ایک کیبن میں میرے سامنے بیٹھی ہوئی سدھا کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ اُس کے چہرے پر گہری اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا بظاہر سدھا خاموش ہے۔ لیکن اُس کے اندر ایک طوفان سا اُٹھ رہا ہے اور وہ اپنی غیر معمولی ضبط کی صلاحیت کے ذریعہ اِس طوفان کو دبائے ہوئے ہے۔ اگر میں کچھ بھی بولا تو وہ اِس طوفان کو روک نہ سکے گی۔ لیکن مجھے تو بولنا ہی تھا، کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ میں نے بہت ہی آہستہ سے اُسے آواز دی۔ "سدھا!"

سدھا نے آنکھیں میچ لیں، میز پر پھیلے ہوئے اُس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ گئیں، جبڑے اِس طرح کس گئے کہ ہڈیاں اُبھر آئیں۔ میرے اندر کرب کی ایک لہر اُٹھی۔ اُف یہ صبر —— یہ ضبط —— ! میں نے کہا۔

"سدھا، مانا کہ میرا کام یہاں ختم ہو گیا ہے۔ والدین نے مجھے فوری طلب کیا ہے۔ میرا جانا ضروری ہے۔ لیکن میں اپنی ہر چیز یہاں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اپنا چین، اپنا دل اور تمہیں! وقتی طور پر میرا جسم تم سے جُدا ہو رہا ہے۔ لیکن میرا دل، میری آتما تمہیں رہے گی، تمہارے گرد۔ میں بہت جلد لوٹ آؤں گا!" میں نے سدھا کی بند مٹھیوں کو اپنی ہتھیلیوں میں لے کر دبا لیا۔

پھر تو سدھا کے ہاتھوں سے ضبط کا دامن چھوٹ گیا۔ وہ رو پڑی اور سسکیوں کے درمیان کہنے لگی۔

"بھول نہ جانا برج! میری آنکھیں تمہاری راہ تکتی رہیں گی میں ایک ایک پل تمہارا انتظار کروں گی، میری ہر سانس تمہارا انتظار کرے گی! تم انتظار کی گھڑیوں کو اتنی طویل نہ ہونے دینا کہ سانسوں کی ڈور ٹوٹ جائے، اور ...... اور میں ......!"

میں نے اُس کے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ دی۔ وہ رونے لگی میری آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں کسک لئے سدھا سے جُدا ہو گیا۔

گھر پہنچ کر میں نے جو کچھ سُنا وہ میرے لئے سوہانِ روح سے کم نہ تھا۔ میں تلملا گیا۔ والدین کے آگے منت سماجت کی کہ وہ سب کچھ نہ ہو جو وہ چاہتے ہیں، میری پسند اور خواہش کا خیال رکھا جائے، اِس لئے کہ نباہ تو مجھے ہی کرنا ہے۔ لیکن میری ایک نہ سُنی گئی۔ میرے آنے سے پہلے ہی سارے معاملات طے کر لئے گئے تھے۔ پتا جی —— اُف! اُن کا کلیجہ تو جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ اُنہیں تو میری موت گوارا تھی۔ لیکن اپنے کئے ہوئے وعدوں سے پھر جانا گوارا نہ تھا۔ اُنہوں نے سخت اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ "برج! خوب سوچ لو، تمہارا اِنکار میری موت کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ میں کسی کے سامنے شرمسار ہونا نہ چاہوں گا۔ ہمیشہ خاندانی رسم و رواج اور روایات کا پابند رہا ہوں!"

اور میں خاندان کی فرسودہ روایات کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ نندنی میری زندگی سے وابستہ کر دی گئی۔

میں ہر وقت اُداس اور کھویا کھویا سا رہنے لگا تھا۔ نندنی جو میری اُداسیوں سے ناواقف تھی، اپنی طرف سے میری حد سے بڑھی ہوئی بے توجہی کے باوجود ایک آدرش پتنی کی طرح اپنے دامن میں پیار کے پھول سجائے، وفاؤں کی خوشبو لئے میرے گرد منڈلانے لگی تھی اور جب شادی کے بعد ہفتوں بعد برسات کی ایک شب نندنی کو دیکھا تو محسوس ہوا نندنی بھرپور جوان ہے، خوبصورت بھی ہے اور وفا شعار بھی!

اور رفتہ رفتہ میں نندنی کی خوبصورتی، اُس کے دل لُبھانے والے ناز و ادا، اُس کی مسکراہٹوں اور بے لوث خدمتوں میں اِتنا کھوتا چلا گیا کہ سدھا کی یادوں پر فراموشی کے دبیز پردے تہہ در تہہ گرتے چلے گئے۔

اور اب میں تنہا بھی نہ تھا۔ میرا وجود چار حصّوں میں بٹ گیا تھا۔ میں، نندنی اور ہمارے دو بچے راجو اور رانی!

آج سدھا مجھے شدّت سے یاد آ رہی ہے۔ اُس کے ساتھ گزرے ہوئے روز و شب یاد آ رہے ہیں۔ اُس سے کئے ہوئے میرے وعدے مجھے تڑپا رہے ہیں —— دس سال بعد پھر مجھے راج گھاٹ آنا پڑا ہے۔ میں راج گھاٹ کے اُسی کالج میں مقیم ہوں جس میں قیام کے دوران سدھا سے ملاقات ہوئی تھی۔

شام ہو چکی ہے۔ خُنک اور فرحت بخش ہوائیں چل رہی ہیں۔ راج گھاٹ کی حسین وادی جنّت نشاں معلوم ہونے لگی ہے لیکن میں ماحول کی دلکشی سے بے پروا کالج کے دالان میں بیٹھا ماضی کی یادوں میں گم ہوں۔ نیچے لان میں کھیل رہے ہیں۔ نندنی

میرے قریب ہی بیٹھی میرے لئے سوئٹر بُن رہی ہے ——— اور پھر میں کالج کے گیٹ پر رُکنے والی ٹیکسی کو دیکھنے لگا۔ نندنی بھی اُدھر دیکھنے لگی اور لان میں کھیلتے ہوئے بچے بھی۔

ٹیکسی سے اُترنے والے کو دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور جیسے ہر دھڑکن سے ایک ہی آواز آرہی ہو سُدھا ——— سُدھا ——— سُدھا!

——— سُدھا ایک بڑا سا بنڈل لئے لان میں آئی۔ اُس نے میری چھوٹی بچی رانی کو گود میں اُٹھالیا اور پیار کرنے لگی۔ پھر رانی کو گود میں لئے ہوئے ہی دالان میں آئی، میرے اور نندنی کے قریب۔ اُس نے رانی کو گود سے اُتار دیا۔ کرسیوں کے درمیان رکھی چھوٹی میز پر بنڈل رکھ کر کھولنے لگی۔ بنڈل کھول کر اُس نے کچھ کھلونے اور ٹافیوں کا ایک ڈبہ رانی کو دیا اور ایسا ہی اپنے قریب کھڑے میرے بیٹے راجو کو۔ وہ بچوں سے بولی۔ 'یہ کپڑے بھی تمہارے لئے ہیں'۔ اور پھر اُس نے مجھے اور نندنی کو پرنام کیا اور ہمارے کہنے کا انتظار کئے بغیر ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور تب میں ایک بار پھر چونکا۔

"سُدھا تم!"

"ہاں میں!" وہ میری طرف غور سے دیکھنے لگی۔

"کیسی ہو؟"

"آپ دیکھ ہی رہے ہیں!" اُس کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ نمودار ہوئی جسے دیکھ کر مجھے ایسا ہی محسوس ہوا جیسے کوئی نشتر میرے دل میں اُتر گیا ہو۔

میں نے دیکھا چہرے پر شگفتگی نہ تھی، آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی، سیاہ بالوں میں سفید سفید باریک باریک لکیریں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے گھنگور گھٹاؤں میں بجلیاں کوند رہی ہوں۔ میری نگاہیں جھک گئیں۔ جیسے سُدھا سے نظریں ملانے کی تاب نہ ہو مجھ میں۔ تھوڑے توقف کے بعد میں نے نندنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اِن سے ملو، یہ نندنی ہیں میری.....!" میرا مقصد تھا سُدھا کا تعارف نندنی سے کرا دوں تاکہ وہ محتاط ہو کر گفتگو کرے۔ وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی۔

"جانتی ہوں، یہ آپ کی مسز ہیں اور یہ آپ کے بچے ——— بہت پیارے بچے ہیں!" وہ اپنے دائیں بائیں کھڑے میرے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں آیا ہوں؟" میں نے جانتے ہوئے بھی نندنی کی موجودگی میں سُدھا سے ایسی ہی باتیں کرنا چاہتا تھا کہ اپنی جگہ خاموش بیٹھی ہم دونوں کو پُرتجسس نگاہوں سے دیکھتی ہوئی نندنی کو مزید حیرت نہ ہو۔

"کل آپ لوگوں کو مینا بازار میں شاپنگ کرتے دیکھا تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"اُنہیں نہیں لائیں اپنے ساتھ؟" میں نے یونہی یہ بات کہہ دی۔

"کسے؟" وہ میری طرف دیکھنے لگی۔

"میرا مطلب ہے وہ ——— تمہارے ———!" میرے الفاظ اُلجھ گئے۔

"اوہ سمجھی ———!" وہ کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر کچھ عجیب انداز سے مُسکراتی ہوئی ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگی۔

"وہ ——— وہ تو وعدہ کر کے گئے تو اب تک نہ آئے اور ——— اور میں اب تک انتظار کر رہی ہوں ——— یہ جانتے ہوئے کہ وہ مجھ سے دُور چلے گئے ہیں ——— اتنی دُور کہ اب لوٹ کر نہ آ سکیں گے ——— کبھی نہ آ سکیں گے ——— لیکن میں انتظار کرتی ہوں ——— کرتی رہوں گی ——— اُس وقت تک کرتی رہوں گی جب تک سانسوں کی ڈور ٹوٹ نہ جائے!" اتنا کہہ کر وہ اُٹھ گئی اور تیز تیز قدم بڑھاتی لان سے باہر نکل گئی میں اُسے روک بھی نہ سکا، اُس سے کچھ کہہ بھی نہ سکا، اپنی مجبوریوں کی داستاں بھی نہ سُنا سکا۔

میں حیرت و یاس کا مجسمہ بنا جاتی ہوئی سُدھا کو دیکھ رہا تھا کہ نندنی کی آواز نے مجھے جھنجوڑ دیا۔

"کون ہے یہ؟ کس کا انتظار ہے اسے؟"

میں اپنے حواس کو سمیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچنے لگا نندنی کے اِس سوال کا کیا جواب دوں کہ وہ جو ابھی ابھی یہاں سے گئی ہے وہ جو میرا چین اور سکون اپنے ساتھ لیتی گئی ہے، وہ جس نے مجھے مضطرب کر دیا ہے' وہ کون ہے؟ اور ایک بے نام رشتے کے سہارے دس برسوں سے کس کا انتظار کر رہی ہے۔ کس کا ....؟؟

لیکن میں نندنی کے سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا!

# غزل

**پورن کمار ہوش**

مجھ کو ہر لو، کوئی پل انگ لگا لو مجھ کو
اپنے ہی روپ کا اک انش بنا لو مجھ کو

تازگی ہوں تو ملا لو مجھے اس یودن میں
مسکراہٹ ہوں تو ہونٹوں پہ سجا لو مجھ کو

رس بھرے کنٹھ میں بس جاؤں، مدھر بول بنوں
کسی لے میں کسی سنگیت میں ڈھا لو مجھ کو

اب تو اک خواب ہوں، اک یاد ہوں، بیتا پل ہوں
اب دھڑک جاؤں تو ہلکا سا دبا لو مجھ کو

لاج کا رنگ نہیں ہوں کہ جھلک جاؤں گا
صرف خوشبو ہوں، بدن ہی میں بسا لو مجھ کو

جاگتے نین کھلے پتر ہیں، پڑھ لے نہ کوئی
نیند بن جاؤں کہ پلکوں میں چھپا لو مجھ کو

تم نے آنکھوں میں کئی خواب سجائے ہوں گے
انہیں خوابوں میں کوئی خواب بنا لو مجھ کو

اب جو آیا ہوں تو اپنا لو مجھے، موقع ہے
کھینچ لے جائیں اندھیرے نہ اجالو! مجھ کو

میں کہانی نہیں، قصہ نہیں، افواہ نہیں
بات بے بات نہ محفل میں اچھالو مجھ کو

پھرتے رہتے ہیں سدا جس پہ تمہارے سائے
اپنے کمرے کی وہ دیوار بنا لو مجھ کو

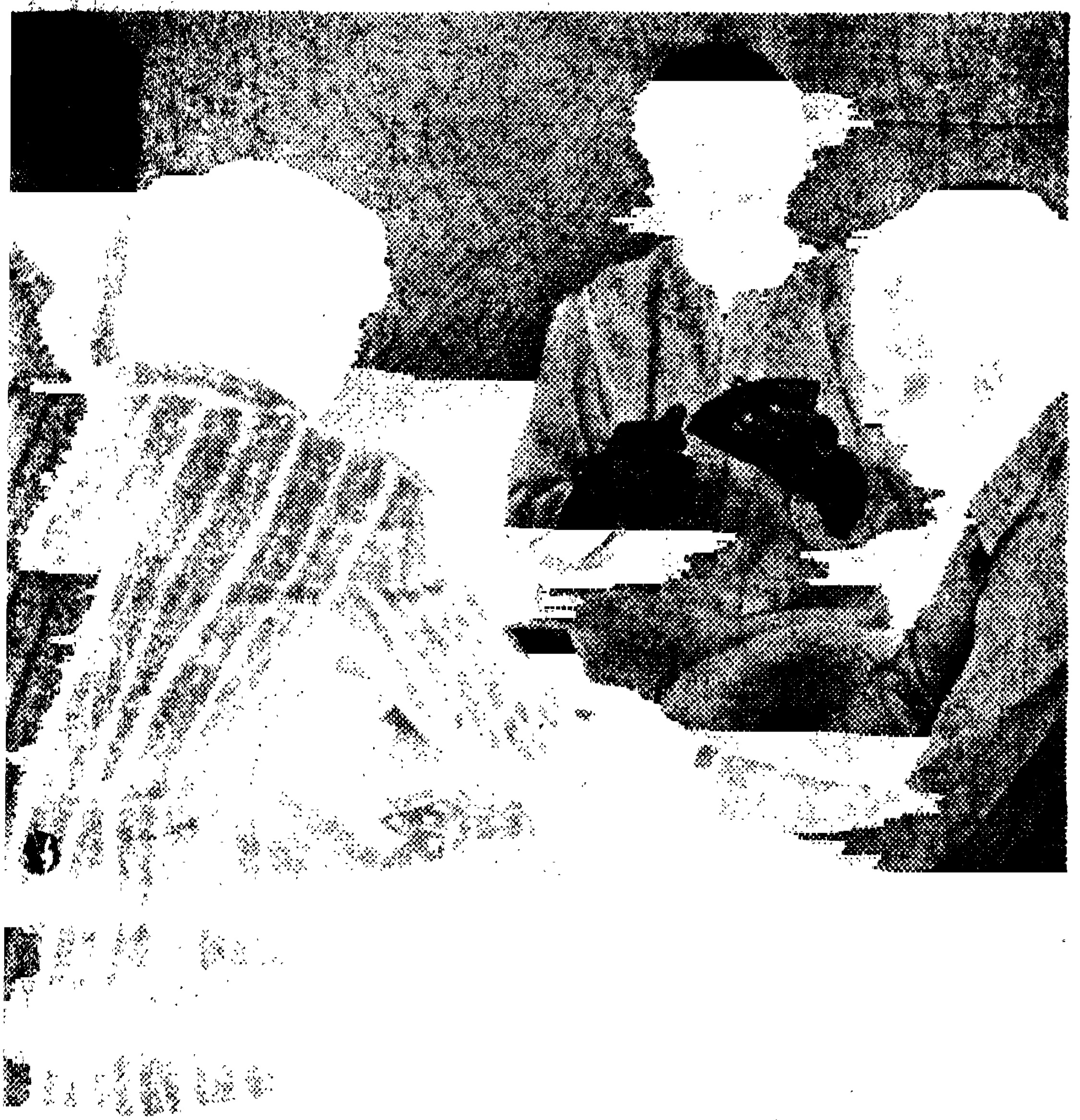
کوئی بے فکر ہوا بن کے مجھے اڑنے دو
"سوچ" کے ریشمی گنجل سے چھڑا لو مجھ کو

کھو گیا بھی تو خبر بن کے پلٹ آؤں گا
کل کے اخبار میں ممکن ہے کہ پا لو مجھ کو

سو برس بعد کی بھاشا میں لکھا کاغذ ہوں
کیا سمجھ پاؤ گے یوں دیکھنے والو مجھ کو

"ارتھ" کا گہرا سمندر بھی بنایا کس نے
میں تو اک 'شبد' تھا اے بولنے والو مجھ کو

کل تو میں ایک بدن تھا، مرا اک روپ بھی تھا
آج اک نام ہوں بانہوں پہ لکھا لو مجھ کو





بیسویں صدی دہلی ۱۹۸۷ء

# بانہوں کے سائے

ایم - الیف - پرویز ایم - اے

۳۳ ۸ رودی وارپیٹ پونا۔ نمبر ۲۔ ۴۱۱۰۰۲

محبوبِ فسانہ نگاراں محترمی خوشتر صاحب آداب عرض ہے

ایک افسانہ "بانہوں کے سائے" لئے حاضرِ خدمت ہوں۔ جاں نثار اختر کا ایک فلمی گیت آجکل بہت مقبول ہو رہا ہے جس کا ایک مصرعہ ہے۔

ع "ہمیں گھیر لیتے ہیں باہوں کے سائے"

اِسی سے عنوان بنالیا ہے۔ حالاتِ حاضرہ کی طرف اشارہ ہے۔ اُمید ہے پسندِ خاطر ہوگا۔ آپ کے اور "بیسویں صدی" کے لئے بہت سی نیک دعائیں۔

جاں بلب ——— ایم۔ الیف پرویز

کالج سے باہر نکلنے کے بعد میں سوچنے لگا کہاں جاؤں۔ شام ڈھل رہی تھی اور دِل اُداس تھا۔ اُن دنوں بمبئی کی خوبصورت سڑکوں پر گھومتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا۔ ہر طرف ہڑتال بازی اور غنڈہ گردی کا زور تھا۔ پتھروں کی بوچھار اور بندوق کی گولیوں کا خطرہ سر کے گرد منڈلاتا رہتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد پتہ چلا کہ جمہوریت میں ایسا بھی کچھ ہوتا ہے۔ لوگ دِن دہاڑے جسے چاہیں چاقو مار کر آرام سے کالر اونچا کئے گھوم پھر سکتے ہیں۔

میں ڈوبتے ہوئے سورج پر نظریں جمائے سیدھے سمندر کی طرف بڑھتا چلا گیا اور سُشما کے متعلق سوچنے لگا۔ آسمان پر چاند اُبھر آیا، موجیں شور مچاتی آگے بڑھنے لگیں۔ شاید اب سُشما کو شوٹنگ سے فرصت مل گئی ہو ——— میں قریب کے ایرانی ہوٹل کی طرف بڑھا تاکہ اُسے فون کر سکوں۔ لیکن ٹوٹے ہوئے شیشوں، اینٹوں اور سوڈا واٹر کی بوتلوں کے ریزوں کے سوا وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ آج بمبئی [illegible] لیکن غنڈہ گردی چاقو بستی کیونکہ جب بمبئی چالو رہتی ہے تب غنڈہ گردی کے پاؤں کچھ بندھے بندھے سے رہتے ہیں۔ میں دوسرے "اڈپی" ہوٹل میں گیا۔ لیکن اُس کی حالت اور بھی بد تر تھی۔

میں نے ایک ٹیکسی رُکوالی۔ لیکن ڈرائیور کہیں جانے کو تیار نہ تھا۔ دوسری ٹیکسی کو آواز دی۔ جس کا پچھلا شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ بمشکل راضی ہوا۔ "کارٹر روڈ" میں نے آہستہ سے کہا۔ ہوا بہت ٹھنڈی اور متوالی تھی۔ جی چاہا گنگنانے لگوں، ڈرائیور سے کچھ گپ شپ کروں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے خیال آیا ہو سکتا ہے "مہاراشٹری" نہ ہونے کی صورت میں میں بھی دہشت پسندی کا شکار ہو جاؤں۔ اِس لئے میں چُپ رہا۔ آج ہر طرف اندھیرا اندھیرا تھا۔ روشنیاں بند تھیں۔ دکانیں بند تھیں۔ بدصورت جھونپڑیاں اور بدبو کے تھپیڑے گاہے گاہے احساس دلا دیتے تھے کہ غریبی، مفلسی ابھی صدیوں قائم رہے گی کیونکہ حکومت ایٹمی توانائی کے لئے کروڑوں اور اربوں روپے تو خرچ کر سکتی ہے۔ لیکن غریبوں کے جسم سے چیتھڑے اُتارنے کے لئے کچھ نہیں کر سکتی!

"سُشما ڈیر! آج تم نے بہت پریشان کیا۔ ایک بار بھی فون

# گفتگو

تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو
تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں ——— فراق

بات بھی آپ کے آگے نہ زباں سے نکلی
لیجیے آئے تھے ہم سوچ کے کیا کیا دل میں ——— وزیر علی صبا

وہ ایک بات جو موضوعِ گفتگو بنتی
ملے جو آپ تو کمبخت یاد ہی نہ رہی ——— رضا القوی

نہ میں بات کرتا اگر جانتا
کہ یوں بات کرنے میں جائے گی رات ——— داغ

سامنے تیرے جسے کوئی بات
یاد آ آ کے بھول جاتی ہے ——— فراق

مرسلہ: احسان احمد کاکوی بی، اے، کاکو۔ گیا

نہیں کیا۔ آخر ہلو کہنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ میں نے کب کہا تھا تم مجھ سے باتیں کرو۔ بس ایک بار ہلو کہہ دیا کرو۔ تمہاری آواز سنتے ہی دل جھوم اُٹھتا ہے۔" میں نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"آج میرے دونوں فون آوٹ آف آرڈر تھے۔" سشما نے اپنا پرس میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے جواب دیا اور پھر دوسرے ہی لمحے نئی امپالا میرے سامنے کھڑی تھی۔

"پٹرول مہنگا ہے سشما اور فارن ایکسچینج کی کمی......" مگر میری بات اُس نے اَن سُنی کردی۔ کار کی رفتار کچھ اور تیز ہوگئی۔

جوہو کی ریت ٹھنڈی تھی۔ ناریل کے جھنڈوں میں اور دیواروں سے لگے کچھ نوجوان جوڑے اب بھی اپنی حسرتوں کے کنول کھلنے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ ہم موجوں کے قریب پہنچ گئے ——— ایک تیز ریلا آیا ہم جھپٹ کر پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے مضبوطی سے سشما کا بازو تھام لیا۔ اُس کے گداز جسم کا لمس بے حد حسین دلذت آفریں محسوس ہو رہا تھا۔

"کل ہم لوگ شوٹنگ کے لئے اجنتا جانے کی سوچ رہے ہیں۔" سشما نے بتایا۔ وہ نئی فلم "پتھروں کی دکان" میں کام کر رہی تھی۔

"کونسا منظر فلمانا ہے؟" میں اُس کے اور قریب آگیا۔

"اور کتنے دن یہ شوٹنگ چلے گی؟" میں نے پوچھا۔

"منظر تو بہت مشکل ہے اور بے حد نازک بھی!"

"بتاؤ تو سہی کیسا منظر ہے؟" میں نے اصرار کیا۔

"پتھروں کی دکان" کا ہیرو ببئی مشہور فلم [illegible] ایک مشہور سنگ تراش ہے۔ اُس کا شمار چوٹی کے فنکاروں میں ہوتا ہے۔ وہ خوبصورت ترین مورتیاں بناتا ہے۔ اُس کے فن میں زندگی کی جیتی جاگتی جھلکیاں ہیں۔ لیکن وہ اپنے فن کو بیچتا نہیں۔ ایک دن ایک غیر ملکی اُس کے فن پارے کی قیمت لگاتا ہے اور ایک مجسمہ خریدنا چاہتا ہے۔ لیکن فنکار مجسمہ کو فروخت کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔" سشما رک گئی کچھ دیر کے بعد بولی۔ "اور پھر میرا کام شروع ہو جاتا ہے۔"

"کس قسم کا مجسمہ ہے وہ؟"

"ایک بڑا بھاری پتھر ہے جس کے نیچے دبا ہوا ایک بے بس انسان ہے۔ پتھر پر ایک شاندار کرسی رکھی ہے۔ جس پر قوم کا ایک رہنما بیٹھا حقہ پی رہا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک عریاں عورت کی چھوٹی سی مورتی ہے۔ وہ اُس مورتی کے خدوخال میں کھویا ہوا ہے۔"

"ہاں واقعی تھیم تو قابل توجہ ہے۔"

"فارنر اس مجسمہ کو خریدنے کے درپے ہے۔ فنکار انکار کرتا ہے۔ لیکن اچانک ایک بات اور ہوتی ہے۔" سشما بولی۔

"اب اور کیا بات ہوتی ہے؟"

"میں اپنے اصلی رُوپ میں بصورتِ مجسمہ اُس مورتی کے قریب آکر کھڑی ہو جاتی ہوں۔ اِس ادا سے کہ فارنر مجھے بھی مجسمہ ہی سمجھ بیٹھتا ہے ——— اُس کی نظریں میرے جسم پر گڑ جاتی ہیں۔ وہ اپنا ارادہ بدل دیتا ہے اور کہتا ہے اب تو وہ یہی مجسمہ خریدیگا!"

میں نے سشما کے بازو میں اپنے ناخن سختی سے گاڑ دیئے۔

"میں شرم سے اچانک سمٹ جاتی ہوں۔ فارنر گھبرا جاتا ہے ———"

"پھر کیا ہوتا ہے ———" میں نے بیتابی سے پوچھا۔

"یہ تو اب تم فلم دیکھ کر ہی معلوم کر لینا" اُس نے [illegible] کر

[illegible]

کہا اور میں نے نارئیل کے ایک اونچے درخت کے سائے میں سشما کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ چاندنی پتوں سے چھنتی ہوئی ہمارے شوخ چہروں کو اور بیتاب کرنے لگی۔ رات دھیرے دھیرے خاموش ہوتی جا رہی تھی۔ دُور ایک کیفے سے طلعت محمود کے ایک پُرانے دلسوز گیت کی لہریں فضا میں گونج اُٹھیں۔

سشما اُسی کالج میں پڑھتی تھی جہاں میں پڑھاتا ہوں۔ دو سال پہلے اُس نے انگریزی ادب میں بی، اے کیا تھا۔ اُنہی دنوں وہ میری گہری دوست بن گئی تھی۔ میرے ہر لیکچر کے لئے وہ ہر دم تیار رہتی تھی۔ خصوصًا ٹی ایس ایلیٹ پر وہ میرے لیکچر نہایت ہی انہماک سے سُنتی تھی۔

اور آج وہ میرے کتنے قریب آ چکی ہے۔ کالج کے بعد وہ فلموں میں چلی آئی۔ اُس کے پتا جی مشہور ڈائریکٹر تھے۔ اِس لئے وہ آسانی فلموں میں آ گئی۔ لیکن اِس رنگین دنیا میں قدم رکھنے کے باوجود اُس کی دلچسپی مجھ سے کم نہ ہوئی۔ بلکہ بڑھتی ہی چلی گئی۔

"اجنتا چلو گے میرے ساتھ؟" اُس نے میری بانہوں کی گرفت سے آزاد ہو کر پوچھا —— "سشما — ! میں نے آسمان کی طرف دُور خلاؤں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "مجھے بہت دُور لے چلو —— اجنتا سے آگے —— FORM اور شکل وصورت کی دنیا سے اِس تہذیب وتمدّن سے بہت دُور۔ —— اُن اونچے بلند برفیلے پہاڑوں پر جہاں کسی تہذیب کا گذر نہیں۔ کیونکہ تہذیب سیاست کو جنم دیتی ہے۔ سیاست ماضی کی ایک رائی کو ڈھونڈ کر اُس کا پربت بناتی ہے۔ اور وہ پربت ہوتا ہے ماضی کے تمدّن کا —— جو دِلوں میں تعصب اور جھوٹے غرور کو جنم دیتا ہے اور پربت کے دونوں طرف رہنے والے انسانوں کے دل میں نفرت کے بیج بوتا ہے۔ اور لوگ نفرت کرتے ہیں۔ جھوٹے IDEAL بناتے ہیں اور قتل وغارتگری کرتے ہیں"
میں پھر لیکچر دینے کے موڈ میں تھا۔ لیکن جب اُس کے کپکپاتے ہاتھوں کی خوبصورت انگلیاں میرے ہونٹوں پر آ کر رک گئیں تو میں خاموش ہو گیا۔ رات کی خموشی اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

اچانک بہت زور سے کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ پھر خاموش فضا میں گولیاں چلنے کی آوازیں، اور پھر

## اشک

اشکوں سے تر ہے پھولوں کی ہر ایک پنکھڑی
روتا ہے کون تھام کے دامن بہار کا —— نذیر بنارسی

نہ جانے اشک سے آنکھوں میں کیوں ہیں آئے ہوئے
گذر گیا ہے زمانہ تجھے بھلائے ہوئے —— فراق

خود اپنی بیکسی کی اُڑائی ہے یوں ہنسی
آئے جو اشک آنکھ میں ہم مُسکرا دیئے —— موج

اشکوں کو میرے لے کر دامن پہ ذرا پرکھو
تھم جائے تو خوں سمجھو بہہ جائے تو پانی ہے —— حسرت موہانی

اُلجھے ہوئے ہیں کب سے دمِ واپسیں سے ہم
دو اشک پونچھنے کو تری آستیں سے ہم —— شکیل سعیدی

مرسلہ: زیبا محمود، دھنباد

غضبناک شور —— سشما سمٹ کر میری بانہوں میں آ گری۔

"ہمیں چلنا چاہیئے۔ شاید پھر کہیں ہنگامہ ہو گیا ہے" جب ہم پختہ سڑک پر آئے تو دیکھا بہت سی کاروں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ غنڈہ گردی یہاں بھی پہنچ گئی تھی۔

سشما کی کار کا پچھلا شیشہ ٹوٹ چکا تھا اور اندر سیٹ پر کرچیاں بکھر گئی تھیں۔ اُس نے جلدی سے اسٹیرنگ سنبھالا اور کار تیزی سے باندرہ کی طرف موڑ دی۔

آگے بہت بھیڑ تھی۔ لوگوں کے غول کے غول راستوں پر کھڑے تھے۔ سشما نے کار موڑ لی۔ پچھلی کار کے ہیڈلائٹ کو دھکا لگا اور اُس کے ڈرائیور کی گالیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سشما نے کار ایکسلریٹ کی، گیر بدلے اور ہم لوگ پھر سانتا کروز سے ہوتے ہوئے سمندر کی طرف نکل گئے۔

"آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟" سشما نے بیزاری سے پوچھا۔

"لوگ کہتے ہیں اناج کی ضرورت ہے۔ کیروسین کی ضرورت ہے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی کے خلاف یہ ساری جدوجہد ہے۔ لیکن دراصل چند خود پرست سیاست داں عوام کو غلط نعروں کا سہارا

دے کر توڑ پھوڑ کے لئے بھڑکا کر اپنا اُلو سیدھا یا اُلٹا ضرور کر لینا چاہتے ہیں اور پھر بمبئی کی چند فرقہ پرست جماعتوں نے مہاراشٹری اور غیر مہاراشٹری کا خطرناک کھیل بھی اِس آڑ میں کھیلنا شروع کر دیا ہے۔"

"ایلیٹ تم کہاں رہتے ہو؟" سشما مجھے ایلیٹ ہی کے نام سے پکارنے لگی تھی۔ کیونکہ (ELIOT) کا WASTE LAND ۔۔۔ میں مسلسل دو ماہ تک بی اے فائنل کو پڑھاتا رہا تھا۔ سشما نے پہلی بار مجھ سے یہ سوال کیا تھا۔ اِتنے دنوں میں اُس نے آج تک مجھ سے کبھی یہ سوال نہیں کیا تھا۔

"میں جہاں رہتا ہوں تم وہاں نہیں جا سکتیں۔" میں نے کچھ پریشان ہو کر کہا اور مجھے بتانا ہی پڑا کہ میں ورلی کی ایک سڑی ہوئی چال میں اپنے ایک دوست کے ہاں رہتا ہوں جس کے چار بچے ہیں، ایک قانونی اور ایک غیر قانونی بیوی ہے۔ لیکن اِن دنوں ہنگاموں کی وجہ سے وہ اپنے گاؤں چلے گئے ہیں۔

اُس کے بعد سشما نے کچھ نہیں پوچھا۔

ہم دونوں خاموش رہے۔ کار چلتی رہی۔ آدھی رات کب کی بیت چلی تھی۔ نیند سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ سمندر کے کنارے سڑک پر ہم نے کار پارک کر دی اور نیم دراز کی حالت میں نیند نے ہمیں اپنی بانہوں میں لے لیا۔

سمندر سے آتی ہوئی تیز ٹھنڈی ہوا اور سورج کی ہلکی سنہری کرنوں نے جلد ہی مجھے جگا دیا۔ میں نے اگلی سیٹ پر نظر ڈالی سشما وہاں نہ تھی۔ میں نے انگڑائی لی اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد ایک لڑکی کی آواز نے مجھے جگا دیا۔ "ساب گاڑی صاف کر دوں؟ سرف ایک روپیہ دیدو ساب۔"

ساڑھے سات بج رہے تھے۔ لیکن سشما کا کہیں پتہ نہ تھا۔ شاید وہ نہانے چلی گئی ہو۔ اچانک مجھے خیال آیا، کیونکہ اُس کی خوبصورت ساڑی اور بلاوز سیٹ پر احتیاط سے تہہ کر کے رکھے ہوئے تھے۔ میں تقریباً دوڑتا ہوا اُس ساحل تک پہنچ گیا جہاں سشما اکثر تیرنا پسند کرتی تھی۔ اُس وقت بہت ساری نوجوان لڑکیاں، بچے اور بہت سے بوڑھے اپنے نہایت مختصر لباس میں تیرنے میں مشغول تھے۔ اِن خوبصورت اور نوجوان نیم عریاں لڑکیوں

میں سشما کو پہچاننا مشکل تھا۔ میں نے صرف ایک بار اُسے بکنی پہنے دیکھا تھا۔ لیکن وہ وہاں نہ تھی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کہاں چلی گئی یہ دیوانی لڑکی کچھ بتائے بغیر!

کافی انتظار کے بعد بھی وہ نہ آئی تو میں نے پریشان ہو کر کار کالج کی طرف موڑ دی۔ اتفاق سے IGNITION KEY لاک ہی میں لٹک رہی تھی۔ کار کالج میں چھوڑنے کے بعد جب میں بس سے اپنی کالونی پہنچا تو کل کے "بند" کے نتائج جگہ جگہ نمایاں تھے۔

راستے میں بکھری بوتلوں، اینٹوں پتھروں سے دامن بچاتا جب میں اپنی چال کے سامنے پہنچا تو ٹھٹھک کر رہ گیا۔ میرے کمرے سے دھواں نکل رہا تھا۔ حواس باختہ میں کمرے کی طرف لپکا۔ ہر طرف جلا ہوا فرنیچر، جلی ہوئی کتابیں، جلے ہوئے کپڑے ۔۔۔ خاک ہی خاک ۔۔۔! کسی نے میرے سامان میں آگ لگا دی تھی۔ کاش سب کچھ جل جاتا۔ لیکن میری کتابیں بچ جاتیں۔ اُن سے مجھے کتنا پیار ہے! کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں سشما سے زیادہ میں اپنی کتابوں سے پیار کرتا ہوں۔ ہر اِک کتاب نہایت محنت سے چُنی ہوئی، بڑی دوڑ دھوپ سے حاصل کی تھی میں نے۔ پتہ نہیں وہ کون جانور تھا جس نے یہ بھیانک حرکت کی تھی ۔۔۔ کچھ ہی لمحوں میں وہاں لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا ۔۔۔ وہ مجھے خوفناک اور شعلہ بار آنکھوں سے گھور رہے تھے۔ جیسے مجھے کھا جانا چاہتے ہوں۔ آج یہ سب لوگ درندوں سے زیادہ بھیانک نظر آ رہے تھے جو کبھی مسکرا کر مجھ سے بات کیا کرتے تھے۔

"پروفیسر ۔۔۔ تم کو ہم سیدھا بولا۔ تم کو ادھر سے نکل جانے کو بولا۔ تم سُنا نئیں ۔۔۔ دیکھ لیا اب کہ اور دکھاؤں؟" ایک تگڑا آدمی آگے بڑھا جو ایک مقامی سیاسی پارٹی کا لیڈر تھا۔ اور چاہتا تھا کہ میں بھی اُس کی پارٹی کا ممبر بن جاؤں، جس کے نام ہی سے مجھے نفرت تھی۔

"اور وہ تمہاری باہر والی بھی آئی تھی۔ کالج کی چھوکری۔" دوسرا بولا۔ "گھر والی تو ہے نہیں ۔۔۔ ہم نے اُس کی بھی خوب سیوا کی اور ہاسپٹل پہنچا دیا ۔۔۔" بہت سے لوگ قہقہے لگانے لگے۔

یہ لوگ کس کا ذکر کر رہے ہیں؟ کون لڑکی؟ میں حیران ہو گیا۔ اچانک کسی نے پیچھے سے بہت زور سے میرے سر پر کچھ دے مارا۔

خوش قسمتی سے ہسپتال سے مجھے جلدی چھٹی مل گئی۔ دو تین دن میں بڑی اُلجھن میں رہا۔ جب کچھ لوگ گرفتار کر لئے گئے تو پتہ چلا کہ وہ پُراسرار لڑکی سشما تھی جو صبح سویرے میرے گھر چلی گئی تھی۔ مگر کیوں گئی تھی یہ بات اب بھی میری سمجھ میں نہ آئی تھی۔

جب میں اُس سے اسپتال میں ملا تو اُس کی حالت دیکھ کر نہایت صدمہ ہوا۔ میں غصّہ سے برس پڑا: "آخر یہ کیا پاگل پن تھا جو تم بغیر اطلاع دیئے مجھے تنہا چھوڑ کر گھر چلی گئیں۔ وہ جہاں چاروں طرف خطرہ ہی خطرہ تھا۔ مجھے تو بتا دیا ہوتا!"

اُس کے چہرے پر اب بھی کچھ خراشیں تھیں اور بازو پر پلاستر کیا ہوا تھا۔

"ساری رات کار میں تم گہری نیند میں ڈوبے پڑے رہے۔ مجھے نیند نہ آئی۔" سشما کہنے لگی ———— "اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ میں تمہارے گھر چلی جاؤں۔ مجھے محسوس ہوا جیسے یہ کار کار نہ ہو، ایک چھوٹا سا سجا سجایا خوبصورت کمرہ ہوتا۔ میں اُس چھوٹے سے گھر میں تمہارے لئے کھانا بناتی ———— تمہارا انتظار کرتی۔ ہمارے درمیان یہ دولت اور امارت نہ ہوتی۔ ———— اور جب صبح ہو گئی تو میں نے سوچا تمہیں اچانک ایک خوبصورت SURPRISE دوں۔ چُپ چاپ تمہارے گھر پہنچ جاؤں۔ تمہارے لئے خوب سارے لذیذ کھانے پکاؤں۔ پھر تمہیں فون کر کے کالج چھوٹنے سے پہلے ہی گھر بُلا لوں اور تم مجھے اپنے گھر دیکھ کر مارے خوشی کے مجھ سے لپٹ جاؤ ———— اور ———— میں نے اپنے قیمتی کپڑے کار میں رکھ دیئے اور نہایت سادے سُوتی کپڑے زیب تن کر لئے۔ لیکن جب تمہارے گھر پہنچی تو چند بدمعاشوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔"

"یہ تمہاری کسی نئی فلم کا سین تو نہیں ہے نا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اوہ ڈارلنگ! ہاؤ بیڈلی یو سفرڈ ——!" کہہ کر اُس نے میرے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ لیکن میں نے اُسے جھٹک دیا۔

"دولت اور امارت کی دیواریں تو تم نے گرا دیں ———— لیکن ہم لوگ تعصب تنگ نظری، ذات پات، فرقہ پرستی، صوبہ پرستی جیسی ہزاروں لعنتوں میں گھرے ہیں۔ تعصب کی اِن گھناؤنی باہوں کے سائے سے ہمیں آزاد ہو جانے دو۔ تب ہی یہ گداز اور خوبصورت باہیں خوشی بخش سکتی ہیں ————" میں نے کچھ جذباتی بن کر کہا۔

اور جب جوہو پر سمندر کی موجوں میں ہم کھو گئے تو ایسا محسوس ہوا کہ نفرت کی ساری دیواریں کچھ دیر کے لئے ہٹ گئی ہوں اور میں نے سشما کو اپنی باہوں کے سائے میں لے لیا۔

# قندِ پارسی

پروفیسر عبدالرّب عرفان ایم۔اے
صدر شعبۂ فارسی، وِدربھ مہا وِدیالیہ، امراوتی (مہاراشٹر)

محترم المقام! آداب بصد احترام

ادبی لطائف کی تازہ قسط ارسالِ خدمت ہے۔ اِس دَوران امتحانات کے سلسلے میں غیر معمولی مصروفیت ہی نہیں رہی، پندرہ دِنوں کے لئے مُستقر سے دُور بھی رہنا پڑا۔ خدا کرے یہ قسط وقت پر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جائے اور افسانہ نمبر میں جگہ پانے کا افتخار حاصل کر سکے۔ "قندِ پارسی" (مطبوعہ ماہ مئی ۱۹۷۴ء) کے سلسلے میں قارئینِ "بیسویں صدی" کے جو مکاتیب موصول ہوئے ہیں وہ میرے لئے دستاویزی حیثیت کے حامل ہیں۔ میں اُن تمام کرمفرماؤں کے خطوط کا جواب بھی تحریر کر رہا ہوں۔ ایسے ہی صاحبانِ فہم و شعور کی حوصلہ افزا اور صحت مند تنقید ہمارے ادب کی رفتارِ ترقی کو تیز تر کر سکتی ہے۔ . .

نیاز آگیں
عبدالرّب عرفان

محمد درویش المعروف بہ دہکی مولانا عبدالرحمٰن جامی کا ہم عصر تھا اور شہر قزوین کے محلّہ 'دہک' کا باشندہ تھا۔ اِسی مناسبت سے 'دہکی' کے نام سے مشہور ہُوا۔ وہ علم و فضل میں غیر معمولی دستگاہ رکھتا تھا اور صحت لغات و محاورات اُس کے کلام کا امتیازی وصف تھا۔ مولانا جامی اُس کے علمی تبحّر اور شاعرانہ محاسن کے بے حد معترف تھے۔ لیکن اِس کے برعکس دہکی اُن کے بارے میں اچھی رائے نہ رکھتا تھا اور انھیں "دُزدِ شعرائے سلف" کہتا تھا۔

مولانا جامی نے جب زیارتِ بیت اللّٰہ کے لئے احرام عزم باندھا تو دہکی سے مُلاقات کرنے گئے۔ اُس نے مولانا کی تواضع میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ لیکن اپنی اُفتادِ طبع پر قابو نہ رکھ سکا۔ اُسی وقت اُن کی خدمت میں اشعارِ ذیل پیش کر دئے ؎

ای بادِ صبا بگو بہ جامی — کای دُزدِ سخنورانِ نامی!
بردی اشعارِ کُہنہ و نو — از سعدی و انوری و خسرو
اکنوں کہ سرِ حجاز داری — وآہنگِ حجاز ساز داری
دیوانِ ظہیر فاریابی — در مکّہ بدُزد اگر بیابی"

("کہہ بادِ صبا ملے جو جامی — اے دُزدِ سخنورانِ نامی
اشعار چُرا لئے ہیں کتنے — سعدی، خسرو اور انوری کے
اب جب کہ سُوئے عرب نظر ہے — درپیش حجاز کا سفر ہے
دیوانِ ظہیر فاریابی — مکّہ میں چُرا، جو دے دکھائی")

---

فارسی کا معروف شاعر رشید الدّین وطواط اپنے عہد کا جیّد عالم اور آتش بیان مقرر بھی تھا۔ وہ بہت چھوٹے قد کا دھان پان انسان تھا اِس لئے ازراہِ مزاح عوام و خواص میں وطواط (ابابیل) کے نام سے مشہور ہُوا۔ اُس کا شمار سُلطان اتسز کے ندیمانِ خاص میں

چھوٹا تھا۔ سلطان کے دربار میں جب پہلی بار وہ باریاب ہوا تو اُسے علمائے دربار سے مناظرہ کرنا پڑا۔ اُس کی بحث نہایت پُرمغز، طرزِ بیان انتہائی شگفتہ، دلنشیں اور استدلال بڑا منطقی تھا۔ اُس کی گل افشانی گفتار پر حاضرین دم بخود تھے۔ اتفاق سے اُس وقت اُس کے سامنے دوات رکھی ہوئی تھی۔ سُلطان نے اِتنے مختصر سے آدمی کا یہ زورِ بیان دیکھا تو اُس کی رگِ ظرافت پھڑک اُٹھی۔ اُس نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ کوئی سامنے سے دوات ہٹائیے۔ دیکھوں تو اُس کے پیچھے بیٹھا ہُوا کون بول رہا ہے۔" سُلطان کے اِس مزاح کو وطواط نے اپنی تضحیک پر محمول کیا اور دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

سُلطان اُس کی لیاقت اور خوش بیانی سے بےحد متاثر ہُوا تھا، اُس نے قاصد بھیج کر اُسے کمالِ عزت و احترام کے ساتھ طلب کیا اور اپنے خاص ندیموں کے حلقے میں شامل کر لیا۔

---

عہدِ اورنگ زیب کے صوفی منش صاحبِ طرز شاعر مرزا عبدالقادر بیدل سے کسی نے دریافت کیا۔ کیا سبب ہے کہ آپ نے حمد میں ایک بھی شعر نہیں کہا؟ بیدل نے جواب دیا۔

پیش از گفت سعدیٔ شیراز
"بیدل از بے نشاں چہ گوید باز"
(کہہ گئے ہیں یہ سعدیٔ شیراز
کیا کہے رازِ بے نشاں بیدل)

(مصرعۂ ثانی شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ہے جس میں لفظ بیدل عاشقِ صادق کے لئے استعمال ہُوا ہے۔ بیدل نے اس کا اطلاق اپنے تخلص پر کرکے مزاح کا ایک لطیف پہلو پیدا کیا ہے۔)

---

ایک دن سُلطان محمود غزنوی گھوڑے کی سواری کے لئے تیار ہُوا۔ جب وہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور گھوڑا اچھلا تو اُس کے پیر لڑکھڑا گئے۔ سُلطان گھوڑے کی پُشت سے زمین پر گر پڑا اور اُسے کچھ معمولی چوٹیں آئیں۔ لیکن اُس کے احساسات بُری طرح مجروح ہوئے۔ وہ گھوڑے کی سرزنش کا حکم صادر کرنا ہی چاہتا تھا کہ اُس کے دربار کا ملک الشعراء عنصری جو ہمرکاب تھا، اُس کے مجروح

احساسات کی تسکین کے لئے فی البدیہہ کہہ اُٹھا ؎

شاہا ادبے کن فلکِ بدخو را
کافت برسانید رُخِ نیکو را
گر گوی غلط رفت بچوگانش زن
ور اسپ خطا کرد بمن بخش اورا

(دے چرخِ بداطوار کو اے شاہ سزا
موجب ہے گر آفت کا دہ خوش سیما
چوگاں سے لگا ضرب غلط جائے جو گیند
گھوڑے نے خطا کی تو مجھے کر دے عطا)

آخری مصرعہ میں "بمن بخش اورا" کے دو مطلب ہیں "میری خاطر اُسے معاف کر دے" اور "اُسے مجھے بخش دے"۔ یہ برمحل رُباعی جس میں حُسنِ طلب کا لطیف پہلو بھی ہے، سُن کر سُلطان کا سارا غصّہ کافور ہو گیا اور چہرے سے تکدّر کی ساری علامتیں رفع ہو گئیں۔ اُس نے مُسکراتے ہوئے گھوڑے کی عنان عنصری کے ہاتھ میں دے دی۔

کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ایک دن خاص ندیموں کی صحبت میں جبکہ گفتگو میں حجاباتِ تکلف اُٹھا دیے گئے تھے، سُلطان کو اچانک وہ واقعہ یاد آ گیا۔ اُس نے عنصری سے گھوڑے کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب میں عنصری نے اُسی وقت یہ رُباعی کہہ دی ؎

رفتم براسپ تا بجز مش بکشم
گفتا بشنو نخست ایں عذر خوشم
نے گاو زمینم کہ جہاں برگیرم
نے چرخ چہارمم کہ خورشید کشم

(گھوڑے کو خطا پر جو قتل کرنا چاہا
بولا کہ ذرا سُن لے مرا عذر بجا
کیا چرخِ چہارم ہوں کہ سُورج ہو سوار
یا گاوِ زمیں ہوں کہ اُٹھاؤں دنیا)

یہ مناسبِ حال رُباعی سُن کر سُلطان اِتنا خوش ہُوا کہ عنصری کو مزید انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

---

یزد کے حکمران شاہ نعمت اللہ خاں سے کسی بات پر ناراض ہو کر چند شعرائے معاصر نے اُس کی ہجو میں اشعار لکھے۔ جب اُسے علم ہوا تو اُس نے حکم صادر کر دیا کہ اُن تمام شعراء کو جنھوں نے اُس کی ہجو لکھی ہے، دربار میں حاضر کیا جائے۔ جب شعراء حاضرِ خدمت کر دیے گئے تو اُس نے اُن کے حق میں سزائے موت کا حکم دے دیا۔ معتوب شاعروں میں کتبوتی بھی تھا۔ اُس نے فی البدیہہ قطعۂ ذیل پڑھ دیا ؎

ما ہا زخانہ از پئے ایذائے شاعراں
بیروں میا کہ شہرۂ ایّام می شوی
ما ہجوی کنیم و تو ایذا، چہ فائدہ
ما کُشتہ می شویم و تو بدنام می شوی

(اے شاہ شاعروں پہ ستم ڈھانے گھر سے تو
باہر نہ آ کہ شہرۂ ایّام ہو چلا
ہم ہجو کرتے ہیں تو ستم، اِس سے فائدہ؟
ہم قتل ہو رہے ہیں تُو بدنام ہو چلا)

قطعہ سُن کر بادشاہ اِتنا متاثر ہُوا کہ نہ صرف شاعروں کے قتل سے درگزرا، بلکہ اُنھیں انعام و اکرام کے ساتھ دربار سے رُخصت کیا۔

---

نُورجہاں ملکۂ جہانگیر شعر فہمی کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی تھی اور خود ایک بلند پایہ شاعرہ تھی۔ اُس کی بدیہہ گوئی کی کئی مثالیں تذکروں میں نظر آتی ہیں۔ ایک بار ملکہ کا کوئی مذاق جہانگیر کے مزاج پر گراں گزرا۔ اُس کے جذبات سخت مجروح ہوئے۔ اُس نے نُورجہاں کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔ اُس وقت اُس کی آنکھیں شدتِ غضب سے گردش کر رہی تھیں۔ نُورجہاں کو صورتِ حال کی نزاکت کا احساس ہو گیا اور بے ساختہ اُس کی زبان سے نکلا ؎

ما تنگ ظرفاں حریفِ ایں قدر سختی نہ ایم
دانۂ اشکیم، ما را گردشِ چشم آسیاست

(ہم تنگ ظرف اِس قدر سختی اُٹھا سکتے نہیں
ہم ہیں دانے اشک کے اور گردشِ چشم آسیا)

---

"بیسویں صدی" کو ہم نے کبھی اشتہاروں کا پلندہ نہیں بنایا۔ اِس میں ۴۲۰ اور بوگس قسم کے وہ اشتہارات شائع نہیں کئے جاتے جن کا مقصد خریداروں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنا ہوتا ہے۔

# اس
# رفاقت میں
# برکت ہے۔
# اِسے نبھائیے

بی اُمید۔

آپ اُسے جانتے ہیں۔ وہ جلوہ نُمائی کی قائل
نہیں لیکن سچے معنوں میں آپ کی رفیق ہے۔
سچ پوچھو تو وہ زندگی کا سہارا ہے۔

حیا کے زیور سے آراستہ۔ کم گو۔ لیکن ارادہ کی مضبُوط
اور دُھن کی پکّی۔ اس کے صبر اور حوصلہ کی کوئی
حد نہیں۔ مصائب سے ہرگز نہیں گھبراتی۔ ازل سے
انسان نے اس پر بھروسہ کرنا سیکھا ہے۔
ہماری کاوشوں اور کامیابیوں کا یہی سرچشمہ ہے۔

وہ انسان سے صرف ایک چیز کی طلبگار ہے۔ وہ ہے
اعتماد، اپنے اُوپر اعتماد۔ وہ انھی پر مہربان
ہوتی ہے جو لگن اور محنت سے کام کرتے ہیں۔

بی اُمید ہر ایک کی غمگسار ہے۔
اُس کا دامن تھامئے!

davp 74/174

# غزل

شاطر حکیمی

سرحدِ احساس ہی تک گردشِ ایام ہے
ورنہ صبحِ عیش و عشرت ہے نہ غم کی شام ہے

دل ہی پر قابو نہ جانِ آرزو پر اختیار
زندگی شاید انھیں مجبوریوں کا نام ہے

دل میں گو باقی نہیں ہے اب وہ امیدِ وفا
آج بھی لیکن مرے لب پر تمہارا نام ہے

ناصحِ کم ذوق میری نامرادی پر نہ جا
کامیابِ مدعا وہ ہے کہ جو ناکام ہے

آشنا ہوں گے مصیبت میں شریک و غمگسار
اے دلِ کج فہم یہ تیرا خیالِ خام ہے

ختم ہوتا ہی نہیں ہے داستاں کا سلسلہ
لذتِ شرحِ تمنا کیا اسی کا نام ہے

آپ کے جاتے ہی بن آئی تھی جانِ زار پر
آپ کیا آئے مریضِ ہجر کو آرام ہے

آپ کو بھی کچھ خبر ہے آپ کے قدموں سے دور
آپ کا شاطر ہلاکِ گردشِ ایام ہے

# غزل

ڈاکٹر تسخیر فہمی بی-آئی-ایم-ایس

کسی کا غم ہے پریشاں، مری تلاش میں ہے
مری حیات کا عنواں، مری تلاش میں ہے

شمیمِ زُلفِ پریشاں، مری تلاش میں ہے
نشاط و کیفِ دل و جاں، مری تلاش میں ہے

بس اس خطا پہ کہ شیوہ ہے میرا حق گوئی
صلیب تاک میں، زنداں مری تلاش میں ہے

خزاں کی شامِ فسردہ نہ روک راہ مری
حسین صبحِ بہاراں مری تلاش میں ہے

تمہارے غم کی پناہیں مجھے میسر ہیں
بلا سے گردشِ دوراں مری تلاش میں ہے

مری حیات کی محرومیو! خدا حافظ
متاعِ عالمِ امکاں مری تلاش میں ہے

خود اپنے حسن میں جب سے میں ہو گیا ہوں گم
تمام بزمِ نگاراں مری تلاش میں ہے

مرے بغیر وہ رنگینیاں کہاں فہمی
سنا ہے محفلِ یاراں مری تلاش میں ہے

افسانہ

# نیا موڑ

خواجہ علی الدین گوہر بی۔کام (عثمانیہ)

مکان نمبر ۳-۵/۱۳۷، منڈی بازار۔ ورنگل (آندھرا)

مکرمی! ہدیۂ خلوص و آداب

"بیسویں صدی" کے لئے اپنی ایک تازہ ترین تخلیق "نیا موڑ" اِرسال کر رہا ہوں۔ اگر افسانہ نمبر کے لئے تاخیر نہ ہو گئی ہو تو اس کہانی کو افسانہ نمبر میں جگہ دے کر ممنون فرمائیں۔ اُمید ہے یہ کہانی آپ کو اور "بیسویں صدی" کے بے شمار قارئین کو ضرور پسند آئے گی! کہانی کے متعلق آپ کی گرانقدر رائے اور رسید کا انتظار رہے گا....

نیک تمناؤں کے ساتھ آپ کا ـــــ علی الدین گوہر

★

سُوپر ڈپارٹمنٹل اسٹورس کی مین گیٹ سے نکلتے ہی میں نے اُسے دیکھ لیا۔ دوسرے ہی پل اُس کی کار میرے قریب آ رُکی۔ غالباً وہ مجھے پہچان گئی تھی۔

"اوہ وِما ـــــ! تم یہاں کیسے ـــــ؟"

"میں تمہیں سے ملنے آ رہی تھی ستیش، کہو ـــــ اچھے تو ہو نا ـــــ؟" وہ کار کا انجن آف کر کے نیچے اُتر آئی۔

"ہاں ـــــ لیکن اِتنے عرصے بعد تم یہاں ـــــ؟ کچھ کھوئی کھوئی سی معلوم ہو رہی ہو؟"

"کیا ساری باتیں یہیں پوچھ ڈالو گے ـــــ؟ آؤ کہیں بیٹھیں ـــــ پھر باتیں ہوں گی۔"

"اوہ کیوں نہیں ـــــ ویسے میرا فلیٹ یہاں سے دُور نہیں۔ لیکن ہم فی الحال کسی ریسٹوران ہی میں بیٹھیں گے ـــــ شام کی چائے بھی پینے کو ملے گی ـــــ"

"ٹھیک ہے ـــــ" اُس نے میری تجویز پسند کر لی۔

شام نہایت خوشگوار تھی۔ سُرمئی دُھندلکے کائنات کو اپنی آغوش میں لے رہے تھے۔ ہم کار میں آ بیٹھے۔ کار ایک جھٹکے کے ساتھ رینگتی ہوئی تِلک روڈ کی طرف مُڑ گئی۔ کار کے نیم وا شیشوں سے ہوا داخل ہو کر وِما کے ریشمی آنچل کو لہرا رہی تھی۔ اُس کی سیاہ عنبریں زُلفوں سے اُڑتی ہوئی سینٹ کی خوشبو مجھے مدہوش کرتی رہی۔ اُس کی سیاہ زُلفوں سے جھانکتی ہوئی خوبصورت گردن میری نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی اسٹیرنگ گھماتے ہوئے اُس کا آنچل اُس کی گداز اور لچکیلی بانہوں کو عریاں کر جاتا اور اُس لمحہ میرے اعصاب پر چیونٹیاں سی رینگ جاتیں۔ اُس کے سپید مرمریں جسم سے پھوٹتی ہوئی شعاعیں میری آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔

میرے اِشارے پر اُس نے کار کو دائیں سمت موڑتے ہوئے کوہِ نُور رسٹورنٹ کے وسیع اِحاطے میں داخل کیا ـــــ اِنجن کو لاک کرنے کے بعد ہم نیچے اُتر آئے اور رسٹورنٹ میں لوگوں کی

## دیوانہ

مستی و نا آشنائی، وحشت و بیگانگی
یا تری آنکھوں میں دیکھی یا ترے دیوانے میں ——— ذوق

اُس کی وحشت کے لئے کتنی ادائیں ہو گئیں صرف
لاکھ برباد سہی آپ کا دیوانہ تو ہے ——— آل احمد سرور

عشق کو محض جنوں میں نے سمجھ رکھا تھا
عقل آئی مجھے مِل کر ترے دیوانے سے ——— جوش ملسیانی

موسمِ گُل میں عجب شان ہے دیوانوں کی
دھجیاں بانٹتے پھرتے ہیں گریبانوں کی ——— سید محمد عاقل دہلوی

دیوانے کے ہمراہ بھی رہنا ہے قیامت
دیوانے کو تنہا بھی تو چھوڑا نہیں جاتا ——— مشیر جھنجھانوی

مُرسلہ:- عبدالغفار خان - بی بی بگان کلکتہ نمبر ۵

گھما گھمی سے دُور ہال کے ایک الگ تھلگ گوشے میں آبیٹھے۔

"ہاں تو اپنے بارے میں سُنایا نہیں تم نے ———"
مَیں نے بیرے کو سموسوں اور چائے کا آرڈر دے کر گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"ایم۔ ایس سی کی تکمیل کے بعد بحیثیت لکچرر کے کام کر رہی ہوں۔ دو ماہ پہلے میرا ٹرانسفر یہاں کے ہِنگل کالج آف ویمن پر ہوا ہے۔"

"حیرت ہے! اتنے عرصے میں تم مجھ سے مِل نہ سکیں! کہاں ٹھیری ہو ——— ؟" مَیں نے سموسوں کا پلیٹ اُس کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

"کرشنا کالونی میں مَیں نے ایک فلیٹ کرائے پر لے رکھا ہے۔"

"سنہا صاحب ساتھ ہی رہتے ہیں... ؟" مَیں نے چائے کی چُسکی لے کر اُس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرے اِس سوال پر وہ جیسے ایکدم اُداس ہو گئی۔ اُس کے چہرے پر کرب کی گہری پرچھائیاں اُبھر آئیں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اِس سوال نے اُسے ذہنی اُلجھن میں جھٹک دیا ہو۔ میں بھونچکا اُس کی اِس کیفیت کو دیکھتا رہا۔

"معلوم ہوتا ہے جیسے اِن دنوں تم کچھ مطمئن نہیں ہو!" مَیں نے تجسس آمیز نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ ستیش ——— تمہیں کیا بتاؤں کہ پچھلے پانچ برس سے مَیں کِن کِن حالات کا شکار رہی ہوں۔ اِس طویل عرصے میں زندگی کے کتنے ہی نشیب و فراز مَیں نے دیکھے ہیں۔ کتنے ہی کٹھن اور جاں گُسل حالات کا مقابلہ میں نے کیا ہے! سچ تو یہ ہے کہ حالات کی تپتی ہوئی بھٹی میں میری ساری خوشیاں اور تمنائیں جل کر راکھ ہو چکی ہیں ———" یہ کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں ایک سیلاب سا اُمڈ آیا۔

"کیا سنہا صاحب نے تم سے قطع تعلق کر لیا ہے ——— ؟"
میری متجسس نگاہیں اُس پر جم سی گئیں۔

"نہیں ——— یہ بات نہیں!"

"تو پھر ——— ؟"

"پچھلے پانچ برسوں سے وہ بزنس کے بہانے دارجلنگ میں رہنے لگے ہیں!"

"بس اتنی سی بات ———!" میں متحیر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پانچ برسوں کے اِس طویل عرصے میں شاید ہی ایک آدھ ماہ وہ یہاں رہے ہوں۔"

کچھ توقف کے بعد وہ کہنے لگی۔

"طویل انتظار کے بعد کبھی کبھی اُن کا خط مِل جاتا ہے۔ بے ربط اور اپنائیت کے جذبے عاری جملے کیا مجھے آسودہ کر سکتے ہیں۔ ؟" اُس کی آنکھوں میں دُھند سی پھیلتی چلی گئی۔ ایک لمحہ کے بعد اُس نے کہا۔

"یہی نہیں اُن کے گھر والوں کا ناروا سلوک مجھے رات دِن گھُن کی طرح کھائے جاتا تھا۔ مجبوراً میں وہ گھر چھوڑ کر ماں کے پاس آ رہی... لیکن پچھلے برس ماں بھی چل بسیں۔ اب میں تن تنہا اِن سارے دُکھوں کا بوجھ اپنے سینے پر اُٹھائے ہوئے زندہ ہوں۔" اُس کا لہجہ نہایت خوابناک ہو چکا تھا۔

"تمھیں اُن کے گھر سے الگ نہ ہونا چاہئے تھا وِما" میں نے دبے لہجے میں اُس سے کہا۔

"کیا کرتی ——! مجھے وہاں رہنا ایک پل کے لئے برداشت نہیں! آنسوؤں کو پی پی کر میں وہاں کب تک زندہ رہتی!"

"پھر بھی تمہیں اتنی جلدی نہ کرنا چاہئے تھی ——"

"اوہ —— مجھے وہاں رہنے میں کوئی اعتراض نہیں۔ میں اُن کے گھر والوں کی ویسے بھی کب پروا کرتی ہوں، لیکن —— میں وہاں رہوں تو کس اُمید پر ——؟ مجھے کس کا سہارا حاصل ہے ——؟ اُن کی شدید بے نیازی سے مجھے اُن سے بھی نفرت ہوگئی ہے ... کاش وہ جانتے ہوتے کہ عورت کا دل کتنا نازک اور حساس ہوتا ہے —— وہ کسی کی محبت کے دو بول سُننے کیلئے کتنا ترستی ہے!"

اُس کے الفاظ میں شدت پیدا ہو چکی تھی اور آنکھیں جذبات کی شدت سے سُرخ ہوگئیں تھیں۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم خود اُن کے پاس چلی جاؤ؟" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"نہیں —— جب اُنھیں ہی میری پروا نہیں تو میں وہاں کیوں جاؤں گی؟ مجھے اُن کی ضرورت نہیں ... میں اُن کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی ——!!"

اُس کی آنکھوں میں پھر آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا۔

"تمہاری سوچوں میں بہت زیادہ EXTREMENESS ہے وِما! تمھیں اُن کے بارے میں ایسا نہ سوچنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی مصروفیت کے باعث نہیں ..."

"خاک میں جائیں اُن کی مصروفیات —— انھیں اتنی فُرصت بھی نہیں کہ دو گھڑی کے لئے میری خبر لیں۔ دیکھیں کہ میں یہاں کس حال میں ہوں —— کہاں رہتی ہوں —— کیا یہ جاننے کی انھیں ضرورت نہیں؟"

"تمھیں بتاؤ ستیش! کیا میں اتنی نادان ہوں کہ اِن ساری باتوں کو نہ سمجھ سکوں" یہ کہتے کہتے وہ رُک گئی اُس کے چہرے پر شدید کرب کی پرچھائیاں لہرانے لگیں۔ میں اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے لگا۔ کچھ توقف کے بعد وہ کہنے لگی۔

## تشنگی

مرا نصیب مجھے تشنگی ملے کہ شراب
کوئی مجھے مرے ساقی کے رُو برو کر دے —— شمیم جے پوری

نہ بندھے تشنگیٔ ذوق کے مضموں غالبؔ
گرچہ دِل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا —— غالبؔ

سرور و کیف سے مطلب نہ تشنگی کا گلہ
زمانہ پھر بھی ہمیں بادہ خوار جانے ہے —— شاعر فتحپوری

عبث ہے بادہ نوشو میکدے پر اعتماد اپنا
کہ ساقی خود بجھا سکتا نہیں اب تشنگی اپنی —— تنقیق جونپوری

تشنگی اپنی سلامت ہے تو میخانے بہت
پینے والا ہو کوئی، گردش میں پیمانے بہت —— نامعلوم

مرسلہ: اسلام الدین خاں۔ چمن گنج کانپور

"کبھی کبھی سوچتی ہوں شاید اُنھوں نے وہاں کسی اور سے شادی رچالی ہو —— ورنہ اُن کی اِس بے نیازی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟!"

میں خاموش بیٹھا سُنتا رہا۔ میرے ہوش تاب ساکت ہو چکے تھے۔ جیسے میری ساری قوتِ گویائی سَلب ہو چکی ہو۔

---

اُس رات جب میں اپنے فلیٹ پہنچا تو میرے ذہن میں خیالات کا ایک طُوفان برپا تھا۔ میں سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش بھرتے ہوئے ایک صوفے میں دھنس گیا۔ یادوں کے بند دریچے پتے بہ پتے کھُلتے گئے۔

پانچ ہی برس پہلے کی تو بات تھی ——

وِما سے پہلی ملاقات یونیورسٹی کے کنوکیشن فنکشن میں ہوئی تھی۔ فنکشن کے دوران وہ میرے برابر والی نشست پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے پر عیاں سنجیدگی کو دیکھ کر میں بھانپ گیا تھا کہ اُس کی شخصیت عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے۔ اُس کے چہرے کی یہ سنجیدگی اُس کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتی تھی۔

تقسیمِ اسناد کے وقت مائیک پر میری اعزازی کامیابی کا اعلان کرتے ہوئے یونیورسٹی کی جانب سے مجھے طلائی تمغہ پیش کیا گیا۔ تالیوں کی گونج تھی جب میں تمغہ لے کر اپنی نشست پر لوٹ آیا تو اُس کی مترنم آواز میری سماعت سے ٹکرا گئی ——— "کانگریچولیشن ٹو یُو (CONGRATULATION TO YOU) اُس نے نہایت پُر تمکنت انداز میں مُسکراتے ہوئے مجھے مُبارکباد دی۔

"تھینکس فار دی سینٹی مینٹس (THANKS FOR THE SENTIMENTS) میں نے بھی مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔

فنکشن کے دَوران وِ ما سے رسمی گفتگو رہی۔ لیکن اِن مختصر سے لمحات نے میرے دِل میں عجیب سی نہ ختم ہونیوالی کسک پیدا کی تھی۔ اِس اتفاقیہ مُلاقات کے بعد میرا دِل پھر اُس سے مِل لینے کے لئے بے تاب رہا۔

تقریباً دو ماہ کی چھٹیاں اپنے وطن میں گذارنے کے بعد اسٹے ٹِس ٹِکس (STATISTICS) سے ایم۔اے کرنے کی غرض سے میں نے پھر اسی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا ——— ایک دِن جب مَیں یونیورسٹی کی لائبریری کے ایک تنہا گوشے میں بیٹھا کسی انگریزی میگزین کے خوبصورت ٹائیٹل کو دیکھ رہا تھا کہ اُس کی مانوس سی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"ہیلو مسٹر ستیش! ہاؤ ڈُو یُو ڈُو ———"

"اوہ وِ ما تم ———!" میں حیرت زدہ ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بیٹھو" میں نے پاس پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو سُناؤ، اِن دنوں کیا کر رہی ہو ——— ؟"

"اِس سال میں نے ایم۔ایس سی میں داخلہ لے لیا ہے۔" اُس نے نہایت ہی دھیمے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

ہم باتیں کرتے ہوئے لائبریری ہال سے نکل کر باہر لان میں آ گئے۔ لان میں ہری ہری گھاس کے مخملیں فرش پر بیٹھے ہم کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔

اُس دِن کے بعد سے ہم ہر روز ملنے لگے۔ اُس کا قُرب پا کر میں یوں محسوس کرتا جیسے میرے اندر کی چھپی ہوئی کوئی حِس بیدار ہو رہی ہو۔ ہم گھنٹوں ساتھ گذارتے۔

اور پھر میں نے محسوس کر لیا کہ رفتہ رفتہ میرے دل میں اُس کی محبت کی شمع روشن ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے کئی بار اپنے مُدعا کا اظہار اُس کے سامنے کرنا چاہا لیکن ہر بار میرے عزم کا دامن اُس کی سنجیدہ شخصیت کے سامنے میرے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا۔ وِ ما سے مُلاقاتوں نے کبھی ایسا موقع ہی نہ دیا جو شرحِ محبت اظہارِ مُدعا کے لئے سازگار ہو سکے۔ میرے اور وِ ما کے درمیان جب کبھی کوئی گفتگو چھڑتی تو وہ سنجیدگی ہی کی بُنیادوں پر ہوتی۔ لاکھ کوششوں کے باوجود میں اُس سے بے تکلفی پیدا نہ کر سکا ہر لحظہ اُس کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی کا پَرتو چھایا ہوا رہتا۔ بہت کم مواقع ایسے ملے تھے جبکہ وِ ما نے کبھی مجھ سے کھل کر بات کی ہو اور جب کبھی ایسا موقع پا کر میں اُس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو وہ ایکدم سنجیدہ سی ہو جاتی اور میرے جذبات پر پھوار سی برس جاتی۔

آخر ایک دِن مجھ سے رہا نہ گیا۔

ایک خوشگوار سی شام کو ہم جہیز پارک کے ایک الگ تھلگ گوشے میں بیٹھے کسی دِلچسپ موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں مَیں نے اُس سے پوچھا

"تم نے اپنے مُستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے وِ ما؟"

میرے اِس سوال پر وہ کچھ دیر خاموش سوچتی رہی۔ پھر کہنے لگی "مُستقبل کے دامن میں خواب ہی تو بکھرے ہوتے ہیں۔ اپنے وجود کو خوابوں میں گُم کر دینا میں تضیعِ اوقات سمجھتی ہوں۔" اُس کے اِس رَدِ عمل اور فلسفیانہ جواب کو سُن کر میرے دل پر پہلی بار ایک ہلکی سی چوٹ کا احساس ہُوا۔ لیکن مَیں نے ہمت کر کے پھر پوچھا ———

"وِ ما ——— تم نے کبھی سے پیار کیا ہے ... میرا مطلب ہے تم نے کسی کو چاہا ہے ——— ؟" میرے اِس سوال پر وہ عام لڑکیوں کی طرح چونک نہیں پڑی ——— [illegible] سر جھکائے سوچتی رہی۔ اُس کے اِس انداز [illegible] گیا کہ وہ نہایت ہی خود اعتمادی سے جواب [illegible]

اُس نے کچھ توقف کے بعد اپنا سر اُٹھا کر کہا ——

"محبت کے رشتے بہت نازک ہوتے ہیں ستیش! اِس آگ سے کھیل کر میں نے کسی کو آسودہ نہیں دیکھا۔ زندگی کی فطری آزادی کو ختم کر کے سہم سہم کر جینا مجھے قطعی پسند نہیں ...... اور پھر آج کے اِس ترقی یافتہ دور میں ایسی باتیں سوچنا بھی تو حماقت ہی ہے —— !"

عجیب لڑکی ہے —— ! پیار کے ابدی اور کبھی نہ ٹوٹنے والے رشتے کے متعلق کتنا سطحی نظریہ رکھتی ہے! زندگی کی تلخیوں سے کب تک مُفر پا سکے گی! بزدل —— !! میں سوچوں کے بوجھ تلے دبتا گیا۔

---

وقت کا آتشیں دریا بہتا رہا ——

ایم۔ اے کے دو سال دیکھتے دیکھتے گذر گئے۔ اِس دوران رما سے جتنی ملاقاتیں ہوتی رہیں وہ عام اور رسمی حدود سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ میرے جذبۂ شوق نے کئی بار میرے دل میں اسے زندگی کا ہم سفر بنانے کی خواہش پیدا کی، لیکن کوشش کے باوجود وہ صرف میری ہمنشیں ہی ثابت ہو سکی! آخر کار میں نے اپنے کو اِس خود فریبی سے بچائے رکھنے کا تہیہ کر لیا۔

امتحانات کے بعد رما اپنے وطن چلی گئی ——

ایم۔ اے کر لینے کے بعد میں پبلک سروس کمیشن کے اِنتخابی عملے سے منسلک ہو گیا —— ملازمت کی جان توڑ مصروفیتوں میں اُلجھ جانے کے بعد ماضی کے سارے نقوش رفتہ رفتہ میرے ذہن سے حرفِ غلط کی طرح مٹتے گئے۔

ایک برس بعد ——

مجھے معلوم ہوا کہ رما بنگلور کے کسی متموّل گھرانے کی بہو بن چکی ہے —— نفرت کی دبی ہوئی چنگاری دل میں شعلہ بن کر بھڑک اُٹھی۔ اور میں اِس آگ کو دباتا رہا۔ لیکن پانچ برس کی طویل مدت کے بعد آج پھر وہ میرے سامنے آئی تھی —— ہزاروں اندیشوں اور واہموں کے طوفان میں گھری ہوئی ——

پگلی کہیں کی —— !

سوچتا ہوں پانچ برس کے اِتنے عرصے میں رما میں اِتنی ساری تبدیلیاں کیسے آگئیں! بات بات پر فلسفے بگھارنے والی یہ لڑکی بھی کہیں ....

صبح جب میں بستر سے اُٹھا تو میرا بدن تھکن سے چُور تھا —— نسیں تپ رہی تھیں۔ سہ پہر کے قریب جب میں رما کے فلیٹ پر اُس سے ملنے گیا تو وہ سراپا اِنتظار بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگی

"کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں —— بیٹھئے میں ابھی آتی ہوں۔" یہ کہہ کر رما اندر چلی گئی اور میں اُس کے مختصر سے لیکن نقش و نگار سے آراستہ خوبصورت ڈرائنگ رُوم میں اُس کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ چائے کا ٹرے لئے ہوئے آگئی۔ اُس کے بال اُلجھ گئے تھے اور چہرہ تمتما رہا تھا۔ ٹرے میرے آگے رکھتے ہوئے بولی —— "کالج کی چھٹیوں پر کبھی کبھی میں ساحل پر آیا کرتی ہوں۔ اِس طرح چھٹی کا سارا وقت بوریت میں گزر جانے کے بجائے ساحل کے قدرتی مناظر میں رہ کر کٹ جاتا ہے۔ آج اگر آپ بھی میرے ساتھ ساحل پر ...." وہ یہ کہتے ہوئے

سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"اوہ کیوں نہیں ـــــ" میں نے اُس کی بات کو سمجھتے ہوئے نہایت ہی پُر مسرّت لہجے میں کہا۔

کوئی نصف گھنٹے کی مسافت کرنے کے بعد ہم ساحل پر پہنچے۔ کچھ دیر تک چہل قدمی کرنے کے بعد ہم ایک جگہ ریت پر بیٹھ گئے۔ جوان اور خوبصورت عورت کے قُرب، اُس کے جسم سے پھوٹتی ہوئی خوشبو نے مجھے مدہوش بنا دیا۔ اب سورج غروب ہونے کو تھا اور سورج غروب ہونے کا منظر سمندر کے پانی میں نہایت ہی دلفریب دکھائی دے رہا تھا۔ ہم دیر تک وہاں بیٹھے صانعِ قدرت کی رعنائیوں پر تبصرہ کرتے رہے۔ ماحول بے حد رومان انگیز اور کیف بداماں تھا۔ فضا میں جیسے سُرور و انبساط کے نغمے گونج رہے تھے۔

آج وِما کے اندازِ گفتگو اور ہر ہر لفظ میں حزن کی جگہ شوخی آگئی تھی ـــــ اُس کا چہرہ جو کل تک اُداسی اور مایوسی کے کُہر میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا تھا، آج کِھلے ہوئے کنول کی طرح شاداب نظر آنے لگا تھا۔ آنکھوں سے سُرور و انبساط کی شراب سی چھلک رہی تھی۔ کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد وِما نے ادائے دلبری سے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"ستیش ـــــ کیا تُم اِس ریت میں دَوڑ سکتے ہو؟"

"مطلب ـــــ؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بس یوں ہی پوچھ لیا تھا ـــــ! میں اب بھی اِس ریت میں اُسی پُھرتی کے ساتھ دوڑ سکتی ہوں جس طرح اپنے بچپن میں دوڑ سکتی تھی!"

"تو پِھر بازی ہو جائے ـــــ!" میں نے برجستہ کہا۔

"جیت میری ہی رہیگی ـــــ!" اُس کے لہجے میں خود فریبی کی شوخی تھی۔

"خیر دیکھیں گے ـــــ!" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

وِما واقعی کمال پُھرتی کے ساتھ تیر کی طرح مجھ سے آگے نکلی جا رہی تھی۔ معاً اُس کے پیروں کا توازن بگڑتا چلا گیا۔ اگر بڑھ کر میں اُسے تھام نہ لیتا تو وہ پانی سے بھرے ایک گڑھے میں گر پڑتی اُس کی سانسیں بے تحاشا اُکھڑ رہی تھیں اور وہ بے سُدھ سی آنکھیں مُوندے ریت پر لیٹ گئی۔

"وِما اب رات ہو چکی ہے! ہمیں لَوٹ چلنا چاہئے؟" میں نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ستیش!" معاً اُس نے لیٹے لیٹے ہی میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

میں چونک سا گیا۔

"ستیش ـــــ کیا ـــــ تُم ـــــ مجھے سہارا دو گے ـــــ؟" اُس کے ہاتھوں کی گرفت میری کلائی پر اور بھی مضبوط ہو گئی۔ چاندنی بکھری ہوئی روشنی میں اُس کا چہرہ جذبات کی شدّت سے سُرخ انگارے کی طرح تمتما رہا تھا۔

ایک لمحہ گزر گیا ـــــ

"بولو ستیش ـــــ تُم مجھے سہارا دو گے نا ـــــ؟" وہ اُٹھ کر بے تحاشہ میرے سینے سے لگ گئی۔ اُس کی گرم گرم اُکھڑتی سانسیں میرے جسم میں جیسے دھنستی جا رہی تھیں، جِس کی تپش سے میرا رُواں رُواں کانپ رہا تھا۔ میں چُپ چاپ اُس کی کھوئی کھوئی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

دوسرے ہی لمحے وہ میرے بازوؤں کی گرفت میں سما گئی ـــــ اور میرے ہونٹ اُس کی اَبروؤں کے حسین اور دلکش خَم کو چُھونے کے لئے جُھکتے گئے ـــــ پاس ہی سمندر کے چڑھتے ہوئے پانی کا شور ہنگامہ برپا کئے جا رہا تھا!

---

# کاغذی ہے پیرہن

فکر تونسوی

اطلاعاً عرض ہے کہ اہلِ فرنگ پہلے ہمارے ملک سے شاستر اور پُران چرا کرلے گئے تھے۔ جن کی مدد سے انہوں نے ہوائی جہاز بنالیے۔ میرے پڑوسی کندن لال جی پردھان محلہ ست سنگ تو اکثر قریب قریب سرد آہ بھر کر کہا کرتے ہیں۔ سوئی دھاگہ بنانے کا نسخہ بھی ہمارے گرنتھ پُران میں درج تھا۔ افسوس! ہماری قوم اہلِ فرنگ کے چھکڑوں کے لیے گھاس کھودنے میں مصروف رہی اور ہماری مصروفیت سے آنکھ بچا کر وہ لوگ ہمارا گرنتھ پُران لے گئے اور سوئیاں بنا بنا کر ہمارے ہاں بھیجنے اور بیچنے لگے۔

ایکسپورٹ بھی ہماری ——— یعنی گرنتھ پُران
اور امپورٹ بھی ہماری ——— یعنی سوئیاں

بس ثابت ہوا کہ ہمارے لیے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے!

لیکن پچھلے دنوں ہمارے لیے ڈوب مرنے کا ایک اور مقام پیدا ہو گیا۔ یعنی یورپ سے ایک اور اطلاع آئی ہے کہ اہلِ فرنگ پہلے شاستر اور پُران لے گئے تھے، اب دیوانِ غالب لے گئے ہیں جس کے ایک شعر کی مدد سے انہوں نے کاغذ کا لباس تیار کرنا شروع کر دیا ہے وہ شعر یہ تھا ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

ہمارے لیے یہ شعر گھسا پٹا تھا۔ ہمارے ادبی انٹلکچوئلز نے زاویے بدل بدل کر اس کی کئی تشریحیں کیں۔ آخر تھک ہار کر شعر کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن کسی دانشور کا ذہن اس میں سے یہ نادر نکتہ تلاش نہ کر سکا کہ اِس شعر کی مدد سے کاغذ کا لباس بھی تیار کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ کاغذ کا لباس ہی اس شعر کی روح رواں تھا۔

بہرکیف، اب رونے دھونے سے کیا حاصل؟ ہم غالب کی قبر پر چونا کرانے اور قوالیاں کرانے میں مصروف رہے اور یورپ والوں نے دیوانِ غالب کو کاغذ ٹیکسٹائل مِل بنا کر دکھا دیا۔ یورپ میں اس کا ایڈیشن قدرے تاخیر سے پہنچا۔ ورنہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام اور جلدی آ سکتا تھا ———

لیکن گزشتہ دنوں میرا پڑوسی کندن لال ست سنگ میں بھاشن دیتے ہوئے بڑے فخر و مباہات سے کہہ رہا تھا۔

"بھائیو اور بہنو! اور ان کے ہونے والے بچو! گوشِ ہوش سے سن لو کہ ہمارا ماضی عظیم تھا۔ اگر ہمارے پاس دیوانِ غالب نہ ہوتا تو یورپ کبھی ترقی نہ کر سکتا تھا۔ ہماری مقدس دھرتی میں کئی بیش قیمت خزانے دفن ہیں۔ بہتر ہے کہ اب ان خزینوں کو ہم خود دریافت کرنا شروع کر دیں۔ اگر ہم اب بھی سنبھل جائیں تو، دیوانِ غالب سے ٹریکٹر، فرٹیلائزر، تھرمامیٹر تک کی کھوج کر سکتے ہیں۔ یورپ نے تو دیوانِ غالب سے کاغذ کا لباس تیار کر لیا۔ لیکن ہم بغیر لباس کے عزت اور وقار سے جینے کا طریقہ معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً غالب نے ایسے اشعار بھی کہے ہیں ———

ع قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
ع میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

کندن لال جی کا یہ غیرت مندانہ بھاشن سن کر ست سنگ میں پُرزور تالیاں بجائی گئیں اور دیوانِ غالب کا ایک نسخہ خریدنے کے لیے

ایک سو تیرہ روپے پینتالیس پیسے چندہ اکٹھا ہو گیا۔ (جن میں اٹھارہ کرنسی نوٹ میلے اور پھٹے ہوئے بھی تھے۔)

بہرکیف ہم یورپ کے خلاف سَت سنگ بھی کرتے رہیں گے اور اپنی اولاد کو سائنٹفک ٹریننگ کے لئے یورپ کی طرف بھی بھیجتے رہیں گے۔ یہ تو روحانیت اور مادّیت کی ریس ہے۔ ہم مادّیت اسمگل کر کے ہندوستان میں لاتے رہیں گے اور وہ لوگ روحانیت کو اسمگل کر کے یورپ کی طرف لے جاتے رہیں گے۔ دوسرے معنوں میں یہ تو اسمگلنگ کا کمپی ٹیشن ہے۔ ہم روحانیت سے اور وہ مادّیت سے بور ہو چکے ہیں۔ اِسی لئے ہم دونوں چیزوں

- فریب دینے والا فریب خوردہ ہے۔ (قرآن مجید)
- مجھے صرف رحم کے لئے بھیجا گیا ہے، بددُعا کے لئے نہیں۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)
- جس پر نصیحت اثر نہ کرے سمجھو اُس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)
- انسان کا ضمیر جب مُجرم ہو جائے تو اعترافِ جُرم کامیاب سفارش اور علاج ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ)
- دُعا ترکِ گُناہ کا نام ہے کہ اِس سے بغیر سوال کئے ہی موتی حاصل ہوتے ہیں۔ (حضرت سُفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ)

کا ایک دوسرے سے تبادلہ کرنے میں معروف ہیں۔ آسانی کے لئے آپ اِسے کلچرل ایکسچینج بھی کہہ سکتے ہیں۔

ایک برس سے ہمارا یہ ایمان بن چکا ہے کہ یورپ ترقی کر رہا ہے اور ہم پچھڑ گئے ہیں۔ اِس لئے ہم یورپ کی ہر ترقی کو اپنا لیتے ہیں۔ بلکہ یورپ کی نقل کرتے رہنے کو اپنے باپ دادا کا حق سمجھتے ہیں۔ یورپ ہمیں جو چیز بھی امپورٹ کرے ہم اُسے ترقی یافتہ چیز سمجھ لیتے ہیں اور حرزِ جان بنا لیتے ہیں۔ مثلاً یورپ نے صاحب بہادر کی پُرشوکت اصطلاح ایکسپورٹ کی۔ ہمارے ہر آئی اے ایس افسر نے اپنے آپ کو صاحب بہادر ماننا شروع کر دیا۔ صاحب بہادر کے علاوہ کالی میم صاحب، ہپی، ڈرگ، راک اینڈ رول،

[illegible] ہپی، ٹیلیویژن، ناول، بیوٹیشن، اور [illegible]

—— اور اب کاغذ کا لباس بھی ضرور امپورٹ کیا جائے گا۔ کیونکہ ظاہر ہے یہ یورپ ہی کی ایک اور ترقی کا ثبوت ہے [illegible] کوئی وجہ نہ تھی کہ جب افریقہ کے انسان نے ابھی کپڑے کا لباس پہننا بھی نہیں سیکھا اور ابھی تک "نیچرل" حالت میں گھوم رہا ہے۔ یورپ کپڑے کے لباس کو کنڈم کر کے کاغذ کے لباس تک آ پہنچا ہے۔ ہمارے اپنے ملک میں ابھی تک کئی پسماندہ افریقہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً آدی باسی قبائل کی عورتیں [illegible] کے پتوں سے اپنے نازک مقامات کو ڈھانپ کر سمجھتی ہیں کہ تہذیب ابھی تک پتوں ہی کی منزل پر پہنچی ہے۔ جبکہ یورپ کی حسینائیں "ٹاپ لیس" رہ کر آدی باسی عورتیں بن جانے کو نیچرل تہذیب سمجھتی ہیں۔ عریانی فرانس میں بھی ہے، عریانی انڈونیشیا میں بھی ہے۔ لیکن دونوں کی وجوہ الگ الگ ہیں۔

ہو سکتا ہے کاغذ کا لباس آ جانے سے ہم آدی باسی قبائل کو تہذیب کا ایک اور سبق دے سکیں اور اُنہیں پتوں کی چھال سے کاغذی پیراہن تک لے آئیں۔ کاغذی پیراہن یورپ کی بیگمات کے لئے نئے فیشن کی علامت ہے۔ مگر اڑیسہ کے لئے اقتصادی پسماندگی کا علاج ہے۔

میرا خیال ہے کاغذ کے ریڈی میڈ لباس جلد ہی بمبئی کی بندرگاہ پر اُتریں گے اور دہلی کی کناٹ پلیس کے تمام کلاتھ مرچنٹس اپنے بورڈ پر "نیو ارائیول" (NEW ARRIVALS) کے نام سے سفید چاک کے ذریعے کاغذی لباسوں کی مندرجہ ذیل فہرست لکھ دیں گے:

۱۔ آرٹ پیپر کی بُش شرٹیں ——

اِن بُش شرٹوں پر ہالی وڈ کی فلم ہیروئن ریٹا ہیورتھ کی سہ رنگی تصویریں چھپی ہوئی ہے۔ اسپیشل آرڈر دینے پر ریٹا ہیورتھ کا نام کاٹ کر ہیما مالنی کا نام بھی لکھوایا جا سکتا ہے۔

۲۔ نیوز پرنٹ بُش شرٹیں ——

ہندوستان کے صرف مفلس باشندوں کے لئے "غریبی ہٹاؤ" پروگرام کے تحت، انڈو فرنچ فرینڈشپ سوسائٹی کی [illegible] خاص طور سے تیار کیا ہوا ایرانڈ —— [illegible]

ان کی پیدائش بھی —— صرف شہر کے میئر کے تصدیقی سرٹیفکیٹ پر مل سکتی ہیں۔

۳۔ ہڑ پیپر کے دوپٹے ——

کالج کی حسین اور نازک اندام لڑکیوں کے لئے جو اپنے کالج کے پرنسپل سے ایک تحریری سلپ لکھوا کر لے آئیں کہ ہاں یہ لڑکی فرسٹ ایر کے ریگنگ کورس میں سو فی صدی کامیاب ہو کر نکلی تھی۔

اس دوپٹے کی مخصوص خوبی یہ ہے کہ دوپٹہ اور لڑکی دونوں صرف ایک پھونک سے اُڑ جاتے ہیں۔ آزمائش شرط ہے۔

۴۔ پوسٹر پیپر کے کرتے ——

یہ کرتے صرف سیاسی لیڈروں اور اُن کے چمچوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ اُن پر سیاسی جلسے کا اعلان بھی چھپا ہوا ہوگا —— جلسہ ملتوی ہو جانے پر کرتا بدل دینے کی گارنٹی۔

نوٹ :۔ گاہک حضرات اپنے آرڈر فوراً بک کرالیں بک کرانے اور سپلائی کرنے کے کیوز کا الگ الگ انتظام کر دیا گیا ہے۔ جلدی کیجئے، ورنہ اگر مال ختم ہوگیا تو دوسرے جہاز کی آمد کا انتظار کرنا پڑے گا۔ خطرہ یہ ہے کہ اگر اسرائیل اور مصر میں پھر جنگ چھڑ گئی جس کی انہیں عادت پڑ گئی ہے تو مال بردار جہاز نہر سوئز میں ڈبو دیا جائے گا۔

---

اسے سوئے اتفاق ہی سمجھئے کہ ہمارے ہاں کاغذ کا کرائسس بھی آ گیا ہے اور کاغذ کا لباس بھی۔ سرمایہ دار ممالک اسی طرح ہمارے سوشلسٹ ڈھانچے والے ملک کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ کاغذ کا یہ لباس دراصل ہماری غریبی کا مذاق ہے۔ ہم غریب ہیں اس لئے کاغذ ہی کا لباس ہمیں سوٹ SUIT کرتا ہے۔ کپڑا ملوں کا کپڑا ہم نہیں پہن سکتے کیونکہ مہنگا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے کاغذ کا لباس تیار کر لیا گیا کیونکہ وہ سستا رہے گا اور تیسرا مذاق یہ کیا گیا کہ کاغذ کے سستے لباس کا جھانسہ دے کر ہمارے ہاں کاغذ کا ٹکٹ پیدا کر دیا گیا۔

دوسرے لفظوں میں ہمیں کڑے امتحان میں ڈال دیا گیا کہ کاغذ سے یا تو بچوں کے لئے کتابیں تیار کر لو یا پہننے کے لئے لباس —— ظاہر ہے، ہم بچوں پر لباس کو ترجیح دیں گے۔ کیونکہ ننگا آدمی پڑھے گا کیا اور پڑھائے گا کیا! ننگا نہائے گا کیا اور نچوڑے گا کیا؟

اور اگر ہیپیوں کی طرح ہندوستان میں کاغذی پیراہن کا رواج بھی عام ہو گیا تو اس سے روئی کی صنعت پر بہت اثر پڑیگا۔ اور کاغذ کی صنعت پر اچھا۔ ہم کھیتوں میں روئی بونے کی بجائے کاغذ کے بیج بویا کریں گے۔ کیونکہ روئی کی ڈیمانڈ کم ہو جائے گی تو اُس کا منافع بھی کم ہو جائے گا اور ہماری ہندوستانی سنسکرتی یہ ہے کہ ہم ہر چیز منافع کے لئے پیدا کرتے ہیں، انسان کے لئے نہیں۔

---

- نیکی کرنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ (شری مد بھگوت گیتا)
- نیک لوگوں سے گفتگو کرنے سے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ (گرو گرنتھ صاحب)
- سچائی کے برابر کوئی ریاضت نہیں اور جھوٹ کے برابر کوئی گناہ نہیں۔ (بھگت کبیر)
- چار چیزیں ایسی ہیں جو کم بھی ہوں تو بہت ہیں فقر، دشمنی درد، آگ۔ (سوامی سارشبدانند)
- حقیقی راحت کے متلاشی ہو تو دل کو نیک خیالات کا نشیمن بناؤ۔ (مہاتما بدھ)

---

نتیجہ یہ ہوگا کہ مارکیٹ میں روئی اتنی سستی ہو جائے گی کہ امیر لوگ شرم کے مارے اُس کا استعمال ہی ترک کر دیں گے۔ اور بہت سے کھدر بھنڈار جو آج کل گاندھی جی کی روح کو تسکین پہنچانے کے لئے، امیر زادیوں کے فیشن کے شوق کے بل بوتے پر چل رہے ہیں، کلیتاً بند ہو جائیں گے اور دوسری طرف کاغذ جو پہلے ہی مہنگا ہو چکا ہے، مزید اتنا مہنگا ہو جائے گا کہ کالے دھن سے بھی نہ ملے گا۔ اور خطرہ ہے کہ اسکول کی کاپیاں اور اسکاچ وسکی کے ریٹ ایک سطح پر آ جائیں گے۔ کاغذ کا فضول استعمال ہونے لگا تو سرکار فضول پابندیاں لگا دے گی اور وہ لمحہ اور بھی دردناک ہوگا جب سرکار اپنے

اور بھی پابندیاں لگا دے گی تاکہ کم از کم بہ ظاہر تو سماج وادی نظر آئے اور پھر یہ جو آئے دن سماج واد کی بے معنی پبلسٹی کے لئے آئے دن بے مغز اور بوجھل میگزین، پمفلٹ اور دستاویز چھاپ چھاپ کر ردّی کے انبار لگاتی رہتی ہے، اُن سب کو بند کر دے گی۔ اِس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جنتا سُکھ کی سانس لے گی کہ چلو، سماج واد سے پنڈا چھوٹا —— البتہ ردّی کے سوداگر سپریم کورٹ کے دروازے کھٹکھٹائیں گے کہ ہمارا دھندا کانسٹی ٹیوشن کی کس دفعہ کے تحت چوپٹ کر دیا گیا۔

کاغذوں کے مطالعہ کی بجائے اگر کاغذوں کے لباس کو سوشلزم سمجھا گیا تو اُس اخباروں کی صنعت کو شدید صدمہ پہنچے گا (کاغذ کا لباس پہنچنے سے پہلے ہی کئی اخبار ہارٹ اٹیک کا شکار ہو چکے ہیں۔) اُن کے صفحات بے حد کم ہو جائیں گے اور قیمت بے حد زیادہ ہو جائے گی۔ اِس حد تک کم کہ کئی اخبار تو ایک دن اپنے قارئین تک صرف اخبار کا نام شائع کر کے بھیج دیا کریں گے اور اُس پر لکھ دیں گے کہ خبریں کل صبح کے اخبار میں ملاحظہ فرمائیں۔ جو اخبار قدرے سرمایہ دار ہوں گے، اُن کا اخبار صبح آپ کو ملے گا۔ جو صرف رومال سائز کے دو صفحوں پر مشتمل ہوگا اور قیمت دو روپے ہوگی۔ امیر لوگ تو اُسے پڑھ کر پھینک دیں گے لیکن غریب لوگ جب اُسے پڑھ چکیں گے تو بطور رومال جیب میں ڈال لیں گے اور بوقت ضرورت نکال کر اپنا پسینہ پونچھ لیا کریں گے۔

لیکن کچھ غریب حضرات ایسے بھی ہوں گے جو پانسالہ پلانوں کے قائل ہوں گے۔ وہ پندرہ دن کے اخبار جمع کر کے کسی ٹیلر ماسٹر کے حوالے کر دیں گے کہ اِن سے میرا ایک پاجامہ بنا دو اور اگر کچھ کترنیں بچا سکو تو اُن سے ننھے کا "انڈر رویئر" بھی سی دینا۔

ایک بات ظاہر ہے کہ کاغذی تہذیب کے باعث ٹیکسٹائیل ملیں بند ہو جائیں گی۔ کیونکہ کاغذی لباس بے حد سستا تیار ہو جائے گا۔ موجودہ اسٹینڈرڈ کے مطابق اگر کپڑے کی قمیص پتلون ڈیڑھ سو روپے میں آتی ہے تو کاغذی قمیص پتلون پر صرف ڈیڑھ روپیہ خرچ آئے گا اور پھر اُسے دھونے کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ گویا صابن کی بھی بچت ہو جائے گی۔ دھوبی نہ گھر کا رہے گا نہ گھاٹ کا —— یعنی کہ اچھا شخص [illegible] لباس بدل سکتا ہے۔ غریب آدمی ہفتے میں ایک بار [illegible] کلاس کا بابو ہفتے میں دو بار عیاشی کر سکتا ہے۔

لیکن اگر یہی بابو صاحب بس پر [illegible] کا نشانہ بن گیا تو قمیص اور پتلون دونوں پھٹ جائیں گی — انڈر رویئر پہن کر ہی گھر لوٹے گا۔ احتیاطاً انڈر رویئر [illegible] پڑے گا۔

کاغذ کی بھی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ جیسے انسانوں کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ مثلاً کئی اسمگلر ہوتے ہیں۔ کئی سرکاری [illegible]، کئی تامر بیٹے، اور کئی غنڈے —— اِس لئے ہر انسان اونچا ہی کوالٹی کا لباس پہننا پسند کرے گا۔ دولت مند لوگ آرٹ پیپر کے سوٹ تیار کروائیں گے، سفید پوش شرفاء وائٹ پرنٹنگ کاغذ، جن پر کتابیں چھپتی ہیں۔ وہ انسان کی بجائے کتابیں معلوم ہوں گے۔ لکھنؤ کے بانکے جو ململ کا کرتہ، موتئے کا ہار اور کان میں ادھ جلی بیڑی اٹکا کر نکلتے ہیں وہ ٹشو پیپر کا کاغذ استعمال کریں گے۔ لیٹر ہیڈ کے کاغذ کے کرتے صرف افسر لوگ پہنا کریں گے۔ تاکہ ذرا کلرکوں پر دھونس جما سکیں اور کلرک لوگ یا تو اخباری کاغذ سے بش شرٹیں بنوائیں گے یا اُس کرافٹ پیپر سے جسے سودا سلف لانے کے لئے بطور لفافہ استعمال کیا جاتا ہے۔ لفافہ کا لفافہ، کلرک کا کلرک۔

البتہ وہ اپنی نکٹائی ابری پیپر کی خریدیں گے۔ کیونکہ اُن کی بیوی اُنہیں صرف نکٹائی کی بدولت ہی پہچانتی ہے۔

اور فکر تونسوی جو ٹیرالین کا عاشق بنا پھرتا ہے، اور ٹیرالین اور فکر تونسوی دونوں کے نام بڑے اور درشن چھوٹے ہوتے ہیں، وہ پوسٹر پیپر کا سہارا لے گا۔ اور دور سے آتا ہوا یوں دکھائی دے گا۔ جیسے کسی ٹریڈ یونین کے مظاہرے کا پوسٹر چلا آ رہا ہو۔

ہاں، انسانوں کی طرح کاغذی لباس کے بھی الگ الگ طبقے بن جائیں گے۔ دکانوں پر کپڑوں کے تھان کی بجائے کاغذ کے تہہ کئے بڑے تھان رکھے نظر آئیں گے۔ اِن کاغذی کپڑوں کے بھی مختلف نام ہوں گے۔ مثلاً بزاز آپ سے پوچھے گا۔

"جناب! آپ کون سے کاغذ کا سوٹ بنانا پسند کریں گے؟"

"اجی وہی، جس پر فلمی میگزین چھپتے ہیں۔"

"عریاں تصویروں والے میگزین یعنی لباس والے؟"

"لباس والے۔ کیونکہ میں گرہستی آدمی ہوں۔"

"مگر جناب! آجکل تو ایسے فلمی میگزین غیر مقبول ہو گئے ہیں۔ اگر آپ ابھی گرہستی میں رہنا چاہتے ہیں اور طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں تو وہ کاغذ خریدیئے جس پر کیلنڈر چھاپے جاتے ہیں۔ ایک تانٹ سوٹ پندرہ دن چل جائے گا، نہیں تو دام واپس!

"تو وہی دے دیجئے۔ لیکن ٹھہریئے، کیا اس کاغذ پر نئے سال کا کیلنڈر بھی چھپا ہوا ہے۔"

"ہاں جناب! اسی لئے تو ہم نے اپنی دُکان کے باہر بورڈ پر لکھا ہے۔ "ایک ٹکٹ میں دو مزے" —— قمیص کی قمیص پہنو اور سال بھر تک کیلنڈر پر مفت تاریخیں دیکھ لو!"

"سال بھر؟ مگر قمیص تو پندرہ دن چلے گی۔ آپ نے خود کہا تھا؟"

"ہی ہی ہی! مگر ہماری دُکان کا اُصول یہ بھی تو ہے کہ بھول چوک معاف!"

---

**مشہور افسانہ نگار** حضرت آسی رام نگری مناسب حق محنت پر اصلاح کا کام بھی کرتے ہیں۔ ضرورت مند اصحاب خصوصاً نئے لکھنے والے اپنے مضامین، افسانوں اور کتابوں پر اصلاح لے کر ایک مستند ادیب کی خدمات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ یا ٹکٹ بھیجئے۔ پتہ: حضرت آسی رام نگری مظفر ائے (یوپی)

---

**آہنگِ حجاز** "قومی یک جہتی کے خیال سے ایک برہمن اگر رسول کریم کے اوصاف عقیدت مندانہ انداز سے نعتوں کی شکل میں پیش کرے تو یہ بڑی مستحسن بات ہے۔" جناب عرش ملسیانی کی ان نعتوں کا دیباچہ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے۔ کتابچہ آرٹ پیپر پر چھپا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

**نغمۂ سرمد** شہید سرمد کی فارسی رباعیوں کا ترجمہ اُردو رباعیوں میں۔ از عرش ملسیانی۔ سرمد کے سوانح بھی کتاب میں درج ہیں۔ پہلے اصل رباعی ہے اس کے نیچے اُردو ترجمہ۔ اُردو اور فارسی ادب اور تصوف کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نادر تحفہ۔ قیمت پانچ روپے

**پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶**

# آپ کو گھر میں کبھی کبھی بار ڈاکٹر کا کام بھی کرنا پڑتا ہے

## گھریلو دواؤں کے خانے میں تیز اثر اور بھروسے لائق اناسن رکھیے۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے۔

کوئی کوئی دن ایسا ہوتا ہے کہ سارے کام ہی الٹے ہوتے ہیں۔ آج آپ پہلے تو دیر سے اٹھیں پھر دیکھا کہ باورچی خانے میں کئی چیزیں ختم ہیں۔ اور اوپر سے آپکے لڑکے کو ایسی شدید سردی ہو رہی ہے جیسے اب اسکو فلو ہو جائے گا۔



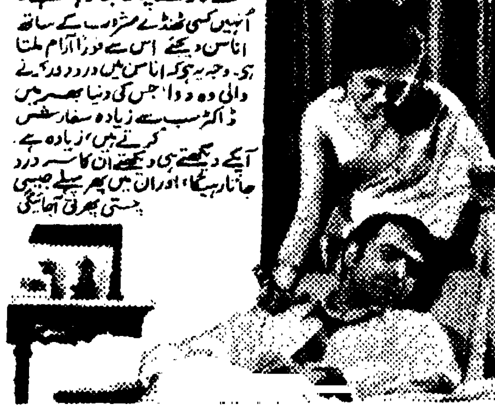
دوسرے کام تو ہوتے ہی رہینگے۔ پہلے اسے گرما گرم مشروب کے ساتھ اناسن دیکر آرام سے بستر پر لٹا دیجئے۔ اناسن تیزی سے اثر کرتی ہے اور سردی زکام اور فلو کی تکلیف سے جلدی آرام دلاتی ہے۔ اناسن بھروسے لائق بھی ہے، کیونکہ یہ آپکے ڈاکٹر کی قابل اعتبار دوائی طرح دواؤں کا ایک نپا تلا مرکب ہے۔

آج آپکی لڑکی اسکول سے جلدی آگئی ہے۔ بیچاری [illegible] بے آرامی کی وجہ سے بالکل [illegible]



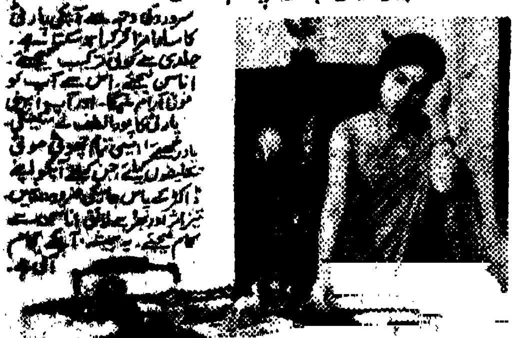
اسے گرم [illegible] کے ساتھ [illegible] اس کو [illegible] [illegible] اناسن [illegible] نازک [illegible] درد کی [illegible]

آج آپ کے شوہر کی اپنے افسر سے گرما گرمی ہو گئی جس سے اُن کا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔



اُنہیں کسی ٹھنڈے مشروب کے ساتھ اناسن دیجئے اس سے فوراً آرام ملتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اناسن میں درد دور کرنے والی وہ دوا جس کی دنیا بھر میں ڈاکٹر سب سے زیادہ سفارش کرتے ہیں، زیادہ ہے۔ آپکے دیکھتے ہی دیکھتے ان کا سر درد جاتا رہیگا، اور ان میں پھر پہلے جیسی چستی پھرتی آجائیگی

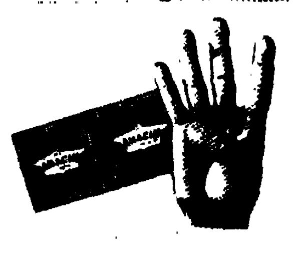
آج آپکے گھر میں پارٹی ہے، اور اس کے لئے آپکو تھوڑے سے وقت میں کتنے ہی کام کرنے تھے۔ اسی لئے تو آپ تھک ہار کر سر درد میں مبتلا ہیں۔ لیکن اب تو آپکے مہمان بھی آتے ہی ہوں گے۔



سر درد کی وجہ سے آپکی پارٹی کا سارا مزا کرکرا ہو سکتا ہے۔ جلدی سے کوئی ترکیب کیجئے۔ اناسن لیجئے۔ اس سے آپ کو فوراً آرام ملیگا۔ اور آپ اپنی پارٹی کا پورا لطف لے سکیں گی۔ [illegible] ڈاکٹر کے پاس [illegible] تیز اثر اور بھروسے لائق اناسن سے کام لیجئے۔ [illegible]

### تیز اثر اور بھروسے لائق

# اناسن



ہندوستان کی مقبول ترین درد سے نجات دلانے والی دوا

Regd. User of TM. Geoffrey Manners & Co. Ltd.

A-58

# غزلیں

## بالا کرشن گوپال مغموم بی۔ اے

زخم یادوں کے سرِ شام اُبھر آتے ہیں
کچھ ستارے مری پلکوں پہ نظر آتے ہیں

دل میں موجود ہیں وہ، پھر بھی نہیں صبر و قرار
پاس رہتے ہیں، مگر دُور نظر آتے ہیں!

کبھی رشکِ مہہ و اختر کے نظارے کے لیے
اِس زمیں پر مہہ و اختر بھی اُتر آتے ہیں

شہرِ جاناں میں ہم آتے تھے سکوں کی خاطر
اب جو آتے ہیں تو با حالِ دگر آتے ہیں

حُسن کی شوخ بہاروں کو جلَو میں لے کر
وہ تصوّر میں مرے شام و سحر آتے ہیں

اِک تبسّم پہ، تکلّم پہ، ترنّم ہی پہ کیا
دِلنوازی کے اُنہیں لاکھ ہُنر آتے ہیں

کیا خبر کیا ہو یہاں حال ہمارا مغمومؔ!
علم کے دشت میں ہم خاک بسر آتے ہیں

## پروفیسر مخمور جالی سنبھلی ایم۔ اے

جب توبہ کی بات ہوئی ہے
میخانے میں رات ہوئی ہے

اور کہو مجھ کو دیوانہ
تسکینِ جذبات ہوئی ہے

کوئی نہیں آواز کِسے دُوں؟
دُور ہے منزل، رات ہوئی ہے

راہنما پھر دیں گے دھوکا
پھر منزل کی بات ہوئی ہے

چُپ چپ ہے کیوں ساری محفل
کوئی تو آخر بات ہوئی ہے

شمع کے دِل سے پوچھے کوئی
رَوشن کیسے رات ہوئی ہے؟

آج ترا مخمورؔ ہے تشنہ
ساقی! یہ کیا بات ہوئی ہے؟

## عابدؔ مناوری

میں بے خبر تھا آج تک اپنے وجود سے
اے دوست! ایک بار پھر آواز دے مجھے

جب ذکر چھڑ گیا مرے حالِ تباہ کا
کچھ دوست جان بوجھ کر انجان بن گئے

دیکھا تو کیجیے کبھی دروازہ کھول کر
دستک یہ کون دیتا ہے روزانہ شب ڈھلے

معنی کی جستجو میں ہے عاجز ہر ایک لفظ
آداب جب سے بدلے ہیں گفت و شنید کے

پیاسی زمیں کی اور بھی کچھ پیاس بڑھ گئی
برسے بغیر آج بھی بادل گزر گئے

عابدؔ گئے ہیں جس قدر اُن کے قریب ہم
بڑھتے گئے ہیں اور بھی آپس میں فاصلے


ڈاکٹر کا کام بھی کرنا پڑتا ہے
گھریلو دواؤں کے خانے میں تیز اثر اور بھروسے لائق اناسن
یہ بڑے کام کی چیز ہے۔
آج آپ کے شوہر کی اپنے افسر سے گرماگرمی ہوگئی جس سے اُن کا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔
تیز اثر اور بھروسے لائق
اناسن
A-58

# غزلیں

## بالکرشن گوپال مغموم بی۔ اے

زخم یادوں کے سرِ شام اُبھر آتے ہیں
کچھ ستارے مری پلکوں پہ نظر آتے ہیں
دل میں موجود ہیں وہ، پھر بھی نہیں صبر و قرار
پاس رہتے ہیں، مگر دُور نظر آتے ہیں!
کسی رشکِ مہ و اختر کے نظارے کے لیے
اِس زمیں پر مہ و اختر بھی اُتر آتے ہیں
شہرِ جاناں میں ہم آتے تھے سکوں کی خاطر
اب جو آتے ہیں تو با حالِ دگر آتے ہیں
حُسن کی شوخ بہاروں کو جلو میں لے کر
وُہ تصور میں مرے شام و سحر آتے ہیں
اِک تبسم پہ، تکلم پہ، ترنم ہی پہ کیا
دِلنوازی کے اُنہیں لاکھ ہُنر آتے ہیں
کیا خبر کیا ہو یہاں حال ہمارا مغموم!
علم کے دشت میں ہم خاک بسر آتے ہیں

## پروفیسر مخمور جالی سنبھلی ایم۔ اے

جب توبہ کی بات ہُوئی ہے
میخانے میں رات ہُوئی ہے
اَور کہو مجھ کو دِیوانہ
تسکینِ جذبات ہوئی ہے
کوئی نہیں آواز کسے دُوں؟
دُور ہے منزل، رات ہوئی ہے
راہنما پھر دیں گے دھوکا
پھر منزل کی بات ہُوئی ہے
چُپ چُپ ہے کیوں ساری محفل
کوئی تو آخر بات ہُوئی ہے
شمع کے دِل سے پوُچھے کوئی
رَوشن کیسے رات ہُوئی ہے؟
آج ترا مخمور ہے تشنہ
ساقی! یہ کیا بات ہوئی ہے؟

## عابدؔ مناوری

میں بے خبر تھا آج تک اپنے وجود سے
اے دوست ایک بار پھر آواز دے مجھے
جب ذکر چھڑ گیا مرے حالِ تباہ کا
کچھ دوست جان بُوجھ کر انجان بن گئے
دیکھا تو کیجیے کبھی دروازہ کھول کر
دستک یہ کون دیتا ہے روزانہ شب ڈھلے
معنی کی جُستجو میں ہے عاجز ہر ایک لفظ
آداب جب سے بدلے ہیں گفت و شنید کے
پیاسی زمیں کی اور بھی کچھ پیاس بڑھ گئی
برسے بغیر آج بھی بادل گزر گئے
عابدؔ گئے ہیں جس قدر اُن کے قریب ہم
بڑھتے گئے ہیں اور بھی آپس میں فاصلے

# آہ

## شعیب رُدولوی

سینٹرل روڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ دہلی متھرا روڈ۔ نئی دہلی نمبر ۲۰

محترم خوشتر بھائی! خلوص و نیاز

"بیسویں صدی" ہر ماہ مل رہا ہے جو آپ کی محبت کی نشاندہی کرتا ہے تو ساتھ ہی میری کوتاہ قلمی کی یاد دہانی بھی۔ اِسی جذبہ کے زیرِ اثر یہ کہانی لکھی ہے۔ اُمید ہے آپ کو پسند آئے گی اور "بیسویں صدی" کی بزم سے طویل غیر حاضری کی تلافی بھی کر دے گی ....

نیاز مند ——— شعیب رُدولوی
ڈاکمنٹیشن آفیسر

★

"بیٹی! بھگوان کے لئے تو شادی کر لے۔"

میں یہ جُملہ سُن کر تڑپ اُٹھتی ہوں، میری زبان انگارے اُگل دیتی ہے ——— "ماں، ہمدردی کے تمہارے یہ بول بہت تلخ ہیں، یہ الفاظ میری روح میں زہریلی سوئیوں کی طرح تیر جاتے ہیں، بھگوان کے لئے کبھی ایسا مت کہا کرو۔" زہر میں بجھے یہ الفاظ پہلی اور آخری بار ماں کے لئے نکلے تھے، میں کئی دن دل ہی دل میں روتی رہی، پچھتاوے کی آگ بہت بھیانک ہوتی ہے، ماں نے زہر کی شدت کو محسوس کر لیا تھا، میری ویران زندگی سے پانچ سال آہستہ آہستہ گذر گئے۔ لیکن ماں نے ایک بار بھی یہ جُملہ نہ دُہرایا، بھول سے بھی میری شادی کا تذکرہ نہ کیا، حالانکہ میری طرف اُٹھتی ہوئی اُس کی ہر نگاہ میں یہی پیغام تھا، یہی التجا تھی اور یہی تلقین تھی۔ وہ مومی شمع کی طرح برابر پگھلتی جا رہی تھی، اُس کا سایہ روز بروز گھٹتا جا رہا تھا، ایک دن یہ سایہ بھی نہ رہے گا، پھر کیا ہوگا؟ میری زندگی کو روشنی کہاں سے ملے گی؟

تیرگی کب ختم ہوگی؟ اندھیرا کب دُور ہوگا؟

آج پھر دل میں درد اُٹھا ہے۔

"میرے بھگوان! تُو نے مجھے کون سے جُرم کی سزا دی ہے، میں نے پچھلے جنم میں کون سا ایسا بُرا کام کیا تھا کہ مجھے یہ دن دیکھنا پڑا۔ جب تجھ سے میری خوشی نہیں دیکھی جاتی تو ایسے مواقع فراہم ہی کیوں کرتا ہے؟ میں نے کون سا ایسا جُرم کیا تھا بھگوان؟" کرن پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، اُس کے اندر کا آتش فشاں آنکھ کے رستے پھٹ پڑا تھا۔

"بیٹی، صبر سے کام لے، ایسے بُرے الفاظ زبان سے مت نکال۔ تُو سسکتی ہے تو ہلکان ہوتی ہے، کچھ تو صبر کر۔ تو جب روتی ہے تو میرا کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے، میرا دل ڈوبنے لگتا ہے، سانس اُکھڑنے لگتی ہے لیکن پھر بھی ہم دونوں کو اُس وقت تک زندہ رہنا ہے جب تک سانسوں کا یہ سلسلہ باقی ہے۔" زمانہ شناس

مل کے [illegible] رہی ہے۔

میں سر اٹھا کر اپنی ماں کا جھریوں سے بھرا چہرہ دیکھتی ہوں۔ ایک بار پھر آنسوؤں کا بند ٹوٹ جاتا ہے، میری شفیق ماں مجھے سینے سے چپٹا لیتی ہے اور مجھے وقتی طور پر سکون مل جاتا ہے ———

رات کو جب میں لیٹی ہوں اور ستارے مجھ پر جھک آتے ہیں تو سکون پارہ پارہ ہو جاتا ہے، سمیر یاد آتا ہے، اُس کی باتیں یاد آتی ہیں، اب محسوس ہوتا ہے سب کچھ خواب تھا، ایک سراب کے سوا کچھ بھی نہیں، لیکن سمیر کی شخصیت میرے لئے ایک بھرپور حقیقت تھی۔

میرے مکان کے سامنے ہی سمیر کا مکان تھا۔ ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا تھا، اُس کی بہن میری دوست تھی، سمیر نے جب ایم۔ اے کر لیا تو ہمارے والدین نے ہمارا رشتہ طے کر دیا۔ میں سمیر سے ذہنی طور سے ساری زندگی کے لئے بندھ گئی۔ سمیر ایم۔ اے کرنے کے بعد دو سال کے لئے بزنس ڈپلوما کرنے کے لئے پیرس چلا گیا۔ اُس نے پیرس سے صرف دو خط بھیجے، خط لکھنے کے معاملے میں وہ بلا کا کاہل تھا، دو سال کا عرصہ خواب دیکھتے گذر گیا۔ ایک دن اُس کی بہن نے اطلاع دی کہ سمیر کل صبح کی فلائٹ سے آ رہا ہے۔ ساری رات فضاؤں میں شہنائیاں بجتی رہیں، پھولوں کے گجرے مہکتے رہے، صبح سویرے میں خوشبوؤں کا کارواں لئے ایئرپورٹ پہنچ گئی، جیسے ہی میری نگاہ جہاز پر پڑی، آرزوؤں کا طوفان مچل اُٹھا

---

- عقل مند سوچ کر بولتا ہے، بیوقوف بول کر سوچتا ہے۔ (حضرت اویس قرنیؒ)
- جو عبادت دکھانے کے لئے کی جاتی ہے زمین میں دھنس جاتی ہے اور جو خالق کے لئے کی جاتی ہے وہ آسمان پر پہنچ جاتی ہے۔ (حضرت شفیق بلخیؒ)
- مال و زر سے انسان مطمئن نہیں ہوتا۔ قناعت ہی سب سے بڑی دولت ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ)
- عقل جیسی کوئی تونگری نہیں، ادب جیسی کوئی میراث نہیں اور مشورہ جیسا کوئی مددگار نہیں۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ)

---

اگر پرواز کی طاقت ہوتی تو [illegible] جب جہاز سے اُترتے دیکھا تو دل چاہا [illegible] اُس کے قدموں میں آ جائے ——— اور پھر [illegible] اتنا یاد تھا کہ سمیر اپنے ساتھ فرانسیسی بیوی لایا ہے [illegible] والدین شرمندگی اور ندامت کے گہرے سمندر میں [illegible] اُس کی بہن مجھ سے ملتے ہوئے گھبراتی تھی [illegible] بکھر گئے، اُمیدیں ایک ایک کر کے دم توڑتی گئیں [illegible] نوحہ خواں ہو گئیں، مجھے سمیر سے نفرت ہو گئی، دُنیا کا ہر مرد مجھے سمیر معلوم ہوتا۔ میری نگاہ میں ہر مرد اپنا وقار، اپنا [illegible] کھو چکا تھا۔

نفرتوں کا یہ طوفان پانچ سال تک میرے دل میں [illegible] رہا۔

زہریلے سمندر کی زہریلی لہریں پانچ سال تک [illegible] پر بہتی رہیں کہ ایک دن مجھے پرکاش نظر آیا، روشنی کا پیکر! [illegible] گئی۔ میرے قدم اُکھڑ گئے، میری توبہ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ گئی۔ اُسے دیکھتے ہی مجھے ایسا سکون ملا جیسے میں جنم جنم سے اُسی کی منتظر تھی!

"مجھے پرکاش کہتے ہیں ———!" اُس نے [illegible] کے انداز میں اپنا تعارف کرایا۔

"اور مجھے کرن ———" میں اُس کی باوقار شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں پرکاش اور آپ کرن! ہم دونوں کے ستارے کچھ یکساں معلوم ہوتے ہیں۔" اُس نے بے تکلفی سے کہا۔

"دونوں کا تعلق روشنی سے ہے۔"

"لیکن آپ میں زیادہ دلکشی ہے!" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اِس پہلی ملاقات کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے سے ملتے رہے، خاموش جذبے ایک دوسرے کے لئے [illegible] پاتے رہے، پرکاش کے مزاج میں ظرافت تھی اور شوخی میری سرشت میں داخل تھی۔ ہم ایک دوسرے سے ملتے رہے، [illegible] آرزوئیں سنہرے خواب دکھاتی رہیں، [illegible]

... سمندر کی لہروں کی نقرئی سطح پر ہم
... تیرتے اُچھلتے، ساری فضا معطر آ گئی تھی اور
... نغمہ زار!
... میری زندگی کو منور کرتا گیا اور میں اُس کے لئے
... روشنی بکھیرنے کا ذریعہ۔ وہ مجھے لئے فضاؤں
...

"تم میں وہ لطافت ہے جو چاند کی کرنوں میں ہوتی ہے، اُسی طرح دلکش اور اُسی طرح نازک!"

"اور آپ کی تعریف؟" میں شوخی سے پوچھتی۔

"میں اندھیرے کا دشمن، تاریکی کا جان لیوا اور تمہارا ساتھی!"

"میرے خیال سے تمہاری حیثیت ایک چراغ کی سی ہے جو دوسروں کو روشنی دینے کے لئے خود جلتا بجھتا رہتا ہے۔" میں اُسے چھیڑتی۔

"یوں ہی سمجھئے، میم صاحب" وہ شوخی سے بولا "دوسروں کو روشنی میں رکھنے کے لئے خود کو جلاتے رہنا کتنی بڑی اعلیٰ ظرفی ہے، قربانی کی ایک بلند مثال ہے۔"

"لیکن ایسی روشنی کس کام کی جس سے نگاہیں خیرہ ہو جائیں!" میں ... کہاں ماننے والی تھی۔

"بیمار آنکھوں کا علاج پرکاش کے پاس نہیں ہے۔ میں تو صحت مند آنکھوں کی بات کرتا ہوں جو مجھے ٹھنڈک کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔ میں تمہاری بات کر رہا ہوں کرن ——" وہ میری آنکھوں میں اُترتا ہی چلا گیا۔

زندگی زندہ دلی کے دلنواز پیمانوں میں ڈھلتی رہی، وقت تیز رفتاری سے رواں دواں تھا، ہم دونوں ریگ زاروں سے گزر کر سبزہ زاروں میں پہنچ گئے۔

ایک شام میں اپنے باغیچہ میں تھی، پرکاش میرے سامنے والی کرسی پر تھا، میں اُس سے نہ جانے کیا کیا باتیں کر رہی تھی کہ گیٹ پر موٹر رکنے کی آواز نے سارا تسلسل توڑ دیا۔ میں اُٹھ کر گیٹ پر پہنچی، پرکاش کو دیکھتے ہی میں مجسم مسکراہٹ بن گئی۔ میں اُس سے ...

"پرکاش! تمہاری شخصیت بھی کچھ عجیب سی ہے، تم ابھی ابھی آ رہے ہو اور ابھی سے پہلے بھی تم میرے پاس کرسی پر بیٹھے تھے، تمہارے کتنے رُوپ ہیں پرکاش؟"

"من کی بھاونا بہت پگلی ہوتی ہے کرن! نہ جانے کیسے کیسے گورکھ دھندے رچاتی ہے، کیسے کیسے سپنے دکھاتی ہے، جہاں تک میرے رُوپ کی بات ہے تم اپنے دل کی آنکھوں سے مجھ میں جھانکو جو بھی رُوپ تمہیں نظر آئے وہی میری اصلیت ہے۔"

"اور اگر کوئی رُوپ نظر نہ آئے تو ——؟"

"تو تمہارے من میں کھوٹ ہے، تمہاری لگن سچی نہیں۔" پرکاش نے اپنا ہاتھ میرے شانوں پر رکھ دیا، میرا سارا وجود نغمہ بار ہو گیا۔

"کرن! آج میں نے بہت بڑا کارنامہ کیا ہے!" پرکاش کرسی

- ◆ زندگی میں میری کامیابی کا راز یہ ہے کہ میں اپنے کام پر ہمیشہ پندرہ منٹ پہلے موجود ہوتا ہوں۔ (نیلسن)
- ◆ بیوقوف اپنے عیبوں کو خود نہیں دیکھتا دُنیا دیکھتی ہے۔ (ڈاکٹر جارنر)
- ◆ عقل استقلال و تحمل کا نام ہے یعنی مشکل مسائل کو حل کرنے کے لئے مسلسل غور کرنا چاہئے۔ (بفن)
- ◆ بیماری ایک جرم ہے اور بیمار ایک مجرم! (برنارڈ شا)
- ◆ "کل" شیطان کا قول ہے۔ کل سُست کاہلوں اور نالائقوں کی جائے پناہ ہے۔ (رسکن)

پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کونسا قلعہ فتح کیا تم نے، میں بھی تو سُنوں؟"

"تم قلعہ کی بات کرتی ہو، میں نے ساری دُنیا فتح کر لی!" وہ اکڑتے ہوئے بولا۔

"آہستہ بولو، اگر نپولین کی روح نے یہ سُن لیا تو ہنسنے لگے گی۔"

"کرن! آج جب میں آفس پہنچا تو معلوم ہوا کہ کچھ تبادلے ہونے والے ہیں اور اُس اعزازی فہرست میں میرا بھی نام ہے، یہ سنتے ہی میں ہیڈ آفس پہنچا، وہاں معلوم ہوا کہ فہرست مرتب کی جا رہی ہے۔ بس میں نے ایسا جادو چلایا کہ میرا نام آ ہی نہ سکا ورنہ میری تو موت ہو جاتی!"

سکیں گی؟"

"تم سے چھوٹ کر ایسے کہیں نہ رہ سکتا کرن!" اُس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے خطرناک ارادے معلوم ہوتے ہیں!" میں اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"تمہارے بغیر چند گھنٹے تنہائی میں گذارنا بھی مشکل ہو جاتے ہیں۔" میں سوچنے لگی ایک ذمہ دار اعلیٰ افسر دل کے ہاتھوں کتنا غیر ذمہ دار ہو جاتا ہے۔

"بیٹی کھانا تو کھا لے، گیارہ بج رہے ہیں" برابر کے کرے سے ماں کی آواز پر ہم دونوں چونک پڑے، وقت کتنی تیزی سے گذر جاتا ہے، کوئی آہٹ نہیں ہوتی، کوئی احساس نہیں ہوتا۔ پرکاش جا چکا تھا۔ لیکن اُس کا وجود اُسی طرح مجھ سے ہمکنار رہا۔ اُس کی باتیں ایک ایک کر کے سرگوشیاں کرتی رہیں۔

"تم سے چھوٹ کر میں اب کہیں نہیں رہ سکتا کرن!" اِ غنچہ کی کلیاں چٹکنے لگی تھیں۔

تمہارے بغیر چند گھنٹے گذارنے مشکل ہو جاتے ہیں! ہوا کا ایک لطیف جھونکا مجھے گدگدا کر چلا گیا۔

میں خوابوں کے ساتھ آرزوؤں کے پالنے میں جھولا جھولتی رہی اور میری ماں اپنی دنیا میں اُسی طرح مصروف رہی، ساری دنیا کی وسعت اُس کے کمرہ میں سما گئی تھی، جہاں وہ پوجا پاٹ کرتی تھی۔ میں اُس کے تقدس کی بہت قائل تھی۔ پتاجی کی چھوڑی ہوئی ملکیت کی نگرانی مجھے ہی کرنی پڑتی، گھر کا سارا انتظام بھی میرے ہی ذمہ تھا جو رامو کی مدد سے ہو جاتا۔ ماں کی تجربہ کار آنکھوں نے میرے چہرہ کی چمک سے میری دلی کیفیات کا اندازہ کر لیا تھا اور شاید اسی لئے وہ بہت پُرسکون ہو گئی تھیں۔

ایک دن مجھے پرکاش کلب میں مل گیا۔ اُس نے خبر دی کہ اُسے دو سال کے لئے جرمنی بھیجا جا رہا ہے! میں اس خبر سے کھل اُٹھی، اپنے دلی جذبات کو اُس سے چھپا نہ سکی۔

"کرن! میں جرمنی نہیں جانا چاہتا!" پرکاش نے میرے چہرہ کا جائزہ لیا۔

"کیوں؟ بات کیا ہے؟" میں اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"[illegible] درمیان کتنے فاصلے حائل ہو جائیں گے۔"

"جب دل مل جاتے ہیں تو فاصلے ختم ہو جاتے ہیں [illegible]"

"لیکن میں ابھی نہیں جانا چاہتا۔ [illegible]" پہلی بار مجھے وہ انتہائی معصوم نظر آیا۔

"پرکاش! زندگی میں موقعے بار بار نہیں ملتے، [illegible] تو بہت تجربہ حاصل ہو جائیگا، آئندہ ترقیوں کے راستے کھل جائیں گے۔ زندگی کی آنے والی ذمہ داریوں کو محسوس کرو، اُن کا تقاضہ ہے کہ تم جذباتی سطح سے بلند ہو کر سوچو۔" میں اُسے بچوں کی طرح سمجھاتی رہی اور وہ خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔ چلتے وقت یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ میری باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا لیکن وعدہ نہیں کر سکتا۔

---

پرکاش ایک ہفتہ غائب رہا۔ میں اُس کا ہر لمحہ انتظار کرتی رہی۔ لیکن اُس کی مانوس آواز سے میرے کان نا آشنا رہے۔ جب دل کی وحشت حد سے بڑھی تو میں نے اپنے نوکر رامو کو اُس کے ہوسٹل بھیجا، پرکاش نے شام کو آنے کا وعدہ کر لیا۔

وہ شام بہت نشیلی تھی، سُرمئی بادل کے ٹکڑے آسمان پر لڑکھڑاتے گھومتے، سُرمئی دھندلکا بہت کیف آگیں تھا اور جب پرکاش آگیا تو فضا دوآتشہ ہو گئی! وہ آتے ہی اپنی غیر حاضری کی وجہ بتانے لگا۔

"کرن! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں کون سی ایسی قوت ہے کہ میں تمہارے سامنے بے بس ہو جاتا ہوں۔ میں نے ہر طرح سے اپنے آپ کو تیار کیا کہ جرمنی چلا جاؤں۔ لیکن میرا دل کسی طرح تیار نہ ہوا۔ تمہیں چھوڑنے کے لئے کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ میں نے ایک ماہ کی مہلت اور مانگ لی ہے ورنہ کل صبح تین بجے کی فلائٹ سے مجھے چلا جانا پڑتا ——— اور پھر تم چھوٹ جاتیں، تمہاری روح پرور غزالی آنکھیں چھوٹ جاتیں، تمہارا مسکراتا چہرہ طویل فاصلوں کی گرد میں ڈوب جاتا۔ میں نے گھر خط لکھ دیا ہے کل پتاجی اور ممی آ رہے ہیں، تمہاری ماتاجی سے بات کرنے۔ میں اب تم سے ایک لمحہ بھی جدا نہیں رہ سکتا۔" وہ بے حد جذباتی ہو گیا تھا [illegible]

گستاخ سے کو تیار تھیں۔

پرکاش بے انتہا پیار کے ساتھ میرے چہرہ پر جھکتے ہوئے بولا ——

"کون کہتا ہے کہ تاج محل سے زیادہ کوئی حسین شے نہیں، تمہاری آنکھوں میں جو کیف و مستی ہے وہ شراب میں نہیں، تمہاری قربت میں جو سکون ہے وہ کسی شوالے میں نہیں، تم سب سے زیادہ عظیم ہو، سب سے زیادہ دلکش!" وہ میرے چہرہ پر جھکتا ہی چلا گیا اور میں اس میں ساتی ہی چلی گئی!

بادل برس چکے تھے، طوفان گزر چکا تھا، پرکاش اُٹھ کر جانے لگا اور پھر میری طرف مُڑتے ہوئے بولا —— "کل تمہاری ماتا جی کے پاس میرے ڈیڈی اور ممی آئیں گے اور ایک ہفتہ کے بعد تم میرے پاس آجاؤ گی! اب ہم دونوں جرمنی ساتھ چلیں گے" پرکاش کے بول کانوں میں امرت ٹپکا گئے۔

جب وہ چلا گیا تو میں ندامت میں ڈوب گئی۔ جذبے ورتی ہوتے گئے اور احساس جرم لافانی —— میں بے اختیار رو پڑی۔

اگلی صبح میں نے دبے الفاظ میں ماتا جی کو بتا دیا کہ پرکاش کے ڈیڈی اور ممی آج بات کرنے آئیں گے۔ میں نے ساری کوٹھی کی صفائی کرائی، کمروں کے پردے بدلے، ڈرائنگ روم کو خوب سجایا اور مجسم انتظار ہو گئی۔ شام ہو گئی، جب سیاہی اور پھیلنے لگی تو ماتا جی نے رامو کو پرکاش کے ہوسٹل بھیجا۔

واپس آکر اس نے اطلاع دی کہ پرکاش کے ڈیڈی اور ممی تو آئے ہی نہیں اور پرکاش صبح کی فلائٹ سے جرمنی چلا گیا!۔

میری نگاہوں کے سامنے دُور تک آگ پھیلی ہوئی تھی۔

---

# آئینۂ کامرانی

ہریانہ نے مُلک میں ایک ریاست کے طور پر وجود میں آنے کے بعد سے اب تک ترقی کے مختلف میدانوں میں جو کامرانیاں حاصل کیں، مندرجہ ذیل حقائق اُن کی آئینہ دار ہیں۔

**خوردنی اجناس** خوردنی اجناس کے معاملہ میں ہریانہ نہ صرف آج اپنی ضروریات میں خود کفیل ہے بلکہ برس ۱۹۶۶ء کے کمی والے راجیہ کے مقابلہ میں فالتو اناج پیدا کر رہا ہے۔

**آبپاشی** برس ۶۸-۱۹۶۷ء کے ۵۷ء۳۳ لاکھ ایکڑ (۵۹ء۱۳ لاکھ ہیکٹر) آبپاشی رقبہ جات کے مقابلے اب برس ۱۹۷۴ء میں آبپاشی رقبہ جات بڑھ کر ۸۸ء۴۰ لاکھ ایکڑ ہو گیا ہے۔ مئی ۱۹۶۸ء میں ۲۹،۰۰۰ کارگر ٹیوب ویل تھے جب کہ آج اِن کی تعداد ۱،۲۹،۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔

**بجلی** ہریانہ مُلک کی واحد ریاست ہے جس نے نومبر ۱۹۷۰ء میں دیہاتوں میں بجلی پہنچانے کے کام کو مکمل کر لیا ہے جبکہ مئی ۱۹۶۸ء میں پانچ دیہاتوں میں سے صرف ایک کو یہ سہولت میسر تھی۔

**صنعت** مئی ۱۹۶۸ء میں ۴۵۹۸ رجسٹرڈ چھوٹے کاروباری یونٹوں کے مقابلے میں اِن کی تعداد برس ۷۴-۱۹۷۳ء کے آخر تک ۱۲۵۵۳ ہو گئی۔

**صاف پینے لائق پانی کی سپلائی** چھ برس پہلے ہریانہ میں صرف ۲۰۳ دیہاتوں کو صاف پینے لائق پانی کی سپلائی کا انتظام تھا جب کہ آج ۷۱۳ دیہات اس اسکیم سے مستفید ہو رہے ہیں۔ پہلے کے مقابلے میں اِس کام میں ۲۵۰٪ اضافہ رونما ہوا ہے۔

**ٹرانسپورٹ** نومبر ۱۹۷۲ء میں مسافر ٹرانسپورٹ کو پورے طور پر قومیایا جا چکا ہے۔ آج ہریانہ روڈویز کے پاس ۱۶۱۷ بسیں ہیں جب کہ مئی ۱۹۶۸ء میں صرف ۵۶۷ بسیں تھیں۔ ہریانہ روڈویز کو اپنی کارکردگی کے لئے مُلک میں امتیازی مقام حاصل ہے۔

**کمزور طبقوں کی بہبود** معمر اور جسمانی طور پر معذور اشخاص کو راحت پہنچانے کے لئے متعدد اسکیمیں بنائی گئیں۔ شیڈولڈ جاتیوں اور پسماندہ طبقہ جات کی حالت کو بہتر بنانے کی جانب خاص توجہ مبذول کی گئی ہے۔

**سڑکیں** ریاست کے جز ۶۳ دیہاتوں کو پکی سڑکوں کے ساتھ ملانے کا کام پورا کیا جا چکا ہے جب کہ مئی ۱۹۶۸ء میں صرف ۱۵۰۰ دیہات پکی سڑکوں کے ساتھ جوڑے گئے تھے۔ اب پکی سڑکوں کے ساتھ جوڑے گئے دیہاتوں کی تعداد ۴۲۱۰ تک پہونچ گئی ہے۔

جاری کردہ:—

ڈائریکٹر محکمہ تعلقاتِ عامہ ہریانہ
چنڈی گڑھ

# صحت و زندگی

## ۱۔ اگر آپ صحت مند رہنا چاہتے ہیں

اگر آپ صحت مند رہنا چاہتے ہیں تو اپنی غذا پر سب سے زیادہ توجہ دیں۔ صحت مند رہنے کے لئے تھوڑا تھوڑا کھانے پر ہمیشہ ہی کافی عمل ہے۔ صحت مند رہنے کے لئے ایسی غذائیں کھانا بہت ضروری ہے جو صحت بخش ہوں۔ پھل، بے چھنے آٹے کی روٹی اور سبزیاں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو ترکاریاں بلا پکائے ہوئے سلاد کی صورت میں استعمال کریں۔ انھیں تھوڑی توجہ سے خوش ذائقہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس طرح اِشتہا کو تحریک بھی پہنچ سکتی ہے۔

مغزیات، خشک میوے بھی اچھی اور طاقت بخش غذائیں ہیں۔ ایسی غذاؤں سے پرہیز و اجتناب کرنا چاہئے جو بہت زیادہ شیریں اور مُرغن ہوں۔ نشاستے دار غذاؤں کی کثرت بھی صحت کے لئے مُضر ہوتی ہے۔ میٹھے کیک، پیسٹری، مُربّے، چاکلیٹ، چربی دار گوشت اور مٹھائیاں بہت مُضر ہیں۔

میدے سے تیار کی ہوئی ہر طرح کی چیزیں، سفید شکر یا چینی بھی صحت کے لئے بے حد مُضر ہے۔ اگر آپ صحت مند رہنا چاہتے ہیں تو ہمیشہ بے چھنے آٹے کی روٹی، مشین کے بغیر صاف کی ہوئی کھانڈ کھایا کیجئے۔ مُضرِ صحت مٹھائیوں کے مقابلے میں شہد، اور کھجوریں بے حد فائدہ بخش ہیں۔ گُڑ سفید چینی کی نسبت خوش ذائقہ نہیں ہوتا، لیکن فائدہ بخش یقیناً ہوتا ہے۔ گُڑ ہاضمے کو درست کرتا ہے، طاقت بڑھاتا، خون صاف کرتا اور جسم کو موٹا کرتا ہے۔

کھجور دل اور معدے کو تقویت پہنچاتی، خون پیدا کرتی، معدے کی شکایات کو رفع کرتی ہے۔ جسم کو موٹا کرتی ہے۔

شہد سے مٹھاس ہی نہیں حاصل ہوتی، یہ ایک طاقت اور صحت پرور غذا ہے۔ اِسے آبِ حیات کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ ہر عمر والوں کے لئے مفید ہے، لیکن بچوں اور بُوڑھوں کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

صحت مند رہنے کے لئے کھانے کے اوقات کی پابندی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کھانے کا ایک وقت مقرر ہونا چاہئے۔ غذا کھانے میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ غذا کتنی ہی لذیذ اور تقویت بخش ہو اگر اس کی مقدار اور کھانے کے اوقات میں اعتدال ملحوظ نہ رکھا جاتے تو یہی نہیں ہوتا کہ جسم کو فائدہ نہیں پہنچتا، اُلٹا نقصان پہنچتا ہے۔ ہاضمے کی خرابی پیدا ہو کر صحت گرنے لگتی ہے اور طرح طرح کے امراض پیدا ہو کر جسم کی عمارت کو کھوکھلا کر دیتے ہیں، اِس طرح غذا صحت کا باعث بننے کی بجائے زہر ثابت ہوتی ہے۔ اِس لئے صحت مند رہنے کے لئے ضروری ہے کہ غذا کی مقدار اور اوقات کی پابندی کی جائے۔

## ۲۔ ایک شدید غلط فہمی

غلط فہمی کی بِنا پر لوگ ایک مفید چیز کو ضائع کر دیتے ہیں۔ آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہوگی کہ بھوسی میں بھی نہایت مفید اجزاء ہوتے ہیں۔ اس میں کچھ پروٹینز (اجزائے لحمیہ) بھی ہوتے ہیں اور کچھ روغنی اجزاء اور نشاستہ بھی پائے جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ بھوسی میں گندھک، فاسفورس، پوٹاشیم، سوڈیم اور دوسرے معدنی نمکیات بھی ملتے ہیں جو ہمارے جسم کے لئے بے حد ضروری ہیں۔ اِس میں وٹامنز بھی پائے جاتے ہیں۔ محققین نے انکشاف کیا ہے کہ بھوسی میں پچاس فی صد غذائی اجزاء ہوتے ہیں جو ہضم ہو کر ہمارے جسم کو غذائیت دیتے ہیں۔ باقی پچاس فی صد غذائیت کی

[illegible] نہیں رکھتے پھر بھی افادیت سے خالی نہیں۔ وہ غیر منہضم [illegible] ہوتے ہیں جو فضلہ بن کر نکل جاتے ہیں اور اپنے ساتھ ہی آنتوں میں تحریک پیدا کر کے اُن میں چمٹے ہوئے دوسرے فضلات کو بھی نکال لے جاتے ہیں۔ یہ ایک ملین دوا کا کام دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میدے کی روٹی یا میدے سے بنی ہوئی چیزیں کھانے سے قبض ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی اِس سے آنتوں میں سُدّے پیدا ہو کر قولنج جیسا درد پیدا ہو جاتا ہے۔

اِس لئے ایسے آٹے کی روٹی کھانی چاہئے جس میں سے کم سے کم بھوسی نکالی گئی ہو تاکہ آپ آٹے کے اِس مفید جُز سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

## ۳ ـــــ اگر آپ بُوڑھے ہو رہے ہیں

اگر آپ بُوڑھے ہو رہے ہیں تو ضروری ہے کہ اپنے رہنے سہنے کی عادتوں اور اپنے روزمرّہ کے طور طریقوں کو بدل کر حالات کے مطابق بنا لیں۔ بدلے ہوئے حالات میں جوش و خروش اور آپ کی سرگرمیاں بھی بدلنی چاہئیں۔ [illegible] سیر و تفریح میں بھی اِس کا لحاظ رکھنا ضروری [illegible] مرحلہ، اِس منزل میں پہنچ کر آپ کو چاہیے [illegible] کے کاموں اور مشاغل میں، سیر و تفریح کے اوقات [illegible] تناؤ نہ پیدا ہونے دیں۔ آپ اپنے اعصاب کو [illegible] دُور رکھیں گے اُتنا ہی بہتر ہوگا۔

بڑھاپے میں زیادہ دیر تک محنت و مشقت کرنے سے بچنا چاہیے۔ اِس لئے کہ اگر آپ ایسا کریں گے اور اپنی طاقت سے زیادہ محنت و مشقت جاری رکھیں گے تو وقت سے پہلے زیادہ بُوڑھے ہو جائیں گے اور بہت جلد موت سے ہمکنار ہوں گے۔

لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ساری عملی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ بڑھاپے میں بھی آپ کو زندگی کی بہت سی چیزوں سے دلچسپی لینا چاہیے اور بہت سے مشاغل سے تحریک حاصل کرنی چاہیے۔

اِس عُمر میں افسردگی سے خاص طور پر بچنا چاہیے [illegible]





ہمیشہ خود کو خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہنسنا اور قہقہے لگانا چاہیے۔ اگر آپ ہنسیں گے، برابر ہنسا کریں گے تو دیر میں بوڑھے ہوں گے۔ زندگی زندہ دِلی کا نام ہے۔ مُردہ دِلی بڑھاپے سے بھی بدتر ہے۔ کسی نے بالکل صحیح کہا ہے —— مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔

## ۴ —— کیا آپ جانتے ہیں؟

• ایلومینیم کے برتنوں میں پکا ہُوا کھانا بے حد مُضرِ صحت ہوتا ہے۔ اِن میں کھانا پکانے سے ایلومینیم کے زہریلے اجزاء غذا میں شامل ہو جاتے ہیں۔ جب یہ زہر عرصہ تک بار بار جسم میں پہنچتا رہتا ہے تو غیر محسوس صحت پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

• برف کے زیادہ استعمال سے معدہ کمزور ہو جاتا ہے۔ بھُوک میں کمی ہوتی ہے، قوتِ ہاضمہ میں فتور پیدا ہوتا ہے۔ برف دانتوں کو کمزور کرتی، اُن کی جڑوں کو کمزور کرکے پائیوریا کی بنا رکھتی ہے۔ نزلہ و زکام کی تحریک کرتی ہے۔ کھانسی، بلغم، ریح اور درد وغیرہ امراض میں سخت مُضر ہے۔

• جن لوگوں کی روزانہ خوراک میں گیہوں کی روٹی، خالص گھی یا مکھن، دودھ، دہی، دہی کی چھاچھ، سبزیاں اور دال شامل ہو، اُن میں طاقت، جُرأت، عزم و حوصلہ اور قوتِ برداشت پیدا ہوتی ہے اور وہ طویل عُمر پاتے ہیں۔

• امرود اختلاجِ قلب کے لئے بہت مفید ہے۔ روزانہ نہار مُنہ ایک تازہ امرود کھالیا جائے تو دل کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اِس کے تسلسل استعمال سے اختلاجِ قلب کی شکایت رفع ہو جاتی ہے۔ امرود دل، دماغ اور معدے کو طاقت دیتا ہے۔

• پانی میں لیموں کے چند قطرے ملا کر پی لینے سے معدہ صاف ہو جاتا ہے۔ گرمی کے دنوں میں لیموں بے حد مفید ہے۔ لیموں کے استعمال سے چہرے کا رنگ نکھر جاتا ہے اور صحت بھی ٹھیک رہتی ہے۔ لیموں کو عام طور پر جسم کا دھوبی کہا جاتا ہے۔

• جو لوگ کھیرا، ککڑی، خربوزہ اور تربوز استعمال کرتے رہتے ہیں۔ پتھری، ریگِ مثانہ اور دردِ گُردہ جیسے خوفناک امراض اُن کے قریب نہیں آتے۔

• تُرش پھل کھانے والے بلڈ پریشر جیسے موذی مرض سے محفوظ رہتے ہیں۔ اِملی، انار دانہ، سنگترہ، نارنگی، چکوترہ اور تُرش دہی، تُرش چٹنی اور اچار استعمال کرنا اِس مرض سے حفظِ ما تقدم کا بہترین ذریعہ ہے۔ بلڈ پریشر میں آملہ اور آملہ کا مُربّہ مفید ہے۔

• آلو بخارا دل کے لئے بے حد مفید ہے۔ دل کے سارے امراض خفقان اور اختلاج میں فائدہ بخش ہے۔ دل کے ایسے مریضوں کو جو قبض میں مُبتلا ہوں، آلو بخارا خاص طور پر مفید ہے۔ قبض دُور کرتا ہے، دل کو بھی تقویت دیتا ہے۔ بدن کی خشکی اور گرمی کو دُور کرتا ہے۔ آلو بخارا قے اور متلی کا موثر علاج ہے۔ معدہ کی تیزابیت اور جلن کے لئے مفید ہے۔ اِسے کھانے سے سینہ کی جلن دُور ہوتی ہے۔

---

**رسالہ نہ ملنے کی شکایت** دو مرتبہ پتے چیک کرنے کے بعد بیسویں صدی ہر ماہ باقاعدگی سے سپردِ ڈاک کیا جاتا ہے۔ اِس کے باوجود شکایتی خطوط وصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ ۲۵ تاریخ کے بعد شکایتی خطوط موصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمۂ ڈاک سے بھی کیجئے —— منیجر

---

# دلّی

## ترقی کی شاہراہ پر

## گذشتہ دو سالوں کے کارنامے

**صنعت** | دہلی میں نئی صنعتی بستیوں کا قیام کیا جا رہا ہے جہاں ایک ہزار سے زیادہ روزگار [illegible] کے لئے ۸۶۴ صنعتی زیر تعمیر ہیں۔

**پانچ لاکھ افراد کو روزگار فراہم کرنے کا پروگرام** | اس پروگرام کے تحت تقریباً ۱۹ ہزار تعلیم یافتہ بیروزگاروں کو روزگار فراہم کرنے والی ۹۵۶ [illegible] اسکیموں پر عمل درآمد ہو رہا ہے اور دیہی علاقوں کے بیروزگاروں کے لئے انقلابی پروگراموں پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے۔ اس سال بیس لاکھ روپے کی لاگت سے خصوصی روزگار اسکیمیں شروع کی گئی ہیں۔

**تعلیم** | دلّی میں تعلیم کو کام، تجربہ اور سائنس کے اعتبار سے مکمل بنانے کے لئے ترقی پروگرام شروع کئے گئے ہیں۔

**ہریجنوں کی فلاح بہبود** | ہریجنوں اور پسماندہ طبقوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو اضافی اسکیمیں چوتھے پلان میں مخصوص تھیں اُن کی تعداد دُگنی کر دی گئی اور ۲۰۰ ہریجن بستیوں کا سدھار کیا گیا۔

**طبی سہولیات** | ۷۴-۱۹۷۳ء میں پسماندہ اور جھگی جھونپڑی علاقوں میں مزید دس نئی ڈسپنسریاں کھول گئی ہیں اور اس طرح ڈسپنسریوں کی تعداد بڑھ کر ۵۰ ہو گئی ہے۔ اور ۵۰۰-۵۰۰ بستروں والے دو اسپتال زیر تعمیر ہیں۔

**کسانوں کو راحت** | کسانوں کو راحت پہنچانے کے لئے ایجنسیاں قائم کی گئی ہیں جو چھوٹے کسانوں کو مالی امداد اور کم سود پر قرضے دیتی ہیں۔ زیادہ دودھ دینے والی اچھی نسل کی گایوں کا فارم اور "مادہ منویہ بنک" قائم کیا گیا ہے۔

دلّی کے پانچویں پنجسالہ منصوبے میں سماج کے کمزور طبقوں کی فلاح و بہبود، بیروزگاری کو ختم کرنے، علاقوں کے سدھار، مکانات کی فراہمی اور زیادہ سے زیادہ شہری سہولیات مہیا کرنے کے کام کو ترجیح دی گئی ہے۔

## دلّی کو مثالی راجدھانی بنانے میں اپنا بھرپور تعاون دیجئے

جاری کردہ: ——— محکمۂ اطلاعات و اشاعت، دلّی انتظامیہ، دلّی۔

# سرگوشیاں

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دئیے جاتے ہیں۔ مذہبی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے۔ (ایڈیٹر "بیسویں صدی" دہلی)

**سید علی حیدر رضوی۔ میرٹھ**

س۔ آرزوؤں کی تکمیل کب ہوتی ہے؟

ج۔ جب آرزوؤں کی تکمیل کے لئے جدوجہد کی جاتی ہے۔

س۔ انسان کا ضمیر کب سوجاتا ہے؟

ج۔ انسان کا ضمیر کبھی نہیں سوتا۔

س۔ دولت اور علم میں کسے فوقیت حاصل ہے؟

ج۔ کبھی علم کو فوقیت حاصل تھی اب دولت کو فوقیت حاصل ہے۔

---

**نواب اصغر علی محمد علی۔ دھنباد بازار**

س۔ انسان خود کو کب شرمندہ ہوجاتا ہے؟

ج۔ جب کوئی ناروا اور نازیبا کام کرنے کے بعد اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے۔

س۔ عورت کو گھر کی زینت کیوں کہا جاتا ہے؟

ج۔ اس لئے کہ عورت گھر کی زینت ہے۔

مشہور مفکر ڈاکٹر ناصر نے کہا ہے ۔۔۔ "جس مکان میں عورت نہیں، سمجھ لو اس مکان میں شگفتگی، بشاشت اور مسرت کا قطعی گزر نہیں" گوڈاسمتھ نے کہا ہے ۔۔۔ "کانٹوں سے بھری ہوئی شاخ کو ایک پھول خوبصورت بنا دیتا ہے، اسی طرح غریب کے دل اور گھر کو نیک شعار عورت جنت بنا دیتی ہے"

س۔ ماں باپ کی نظروں میں ان کے بچے کیا ہوتے ہیں؟

ج۔ چاند ستارے!

---

**مرزا زبیر حسن۔ ملانہ امروہہ**

س۔ دنیا میں سب سے زیادہ آبادی کہاں ہے؟

ج۔ دنیا میں چین کی آبادی سب سے زیادہ ہے۔

س۔ سفید خون کن کن پرندوں کا ہوتا ہے؟

ج۔ پرندوں درندوں کا ذکر چھوڑئے، اب سب سے زیادہ سفید انسان کا خون ہوگیا ہے۔

---

**فرخ جہاں شیر بھٹکل۔ حیدرآباد**

س۔ ہمارے ملک میں سوشلزم کب آئے گا؟

ج۔ اربابِ سیاست اقتدار پسندی کی ہوس چھوڑ کر ملک کی خدمت کے لئے متحد ہوجائیں تو ہمارے ملک میں بہت جلد سوشلزم آسکتا ہے۔

س۔ شریف آدمی ساری زندگی پریشان کیوں رہتا ہے؟

ج۔ شرافت کا آبگینہ بہت نازک ہوتا ہے، اس کی حفاظت کے لئے شریف انسان پریشان رہتا ہے۔

س۔ بیکاری کی آگ سے نکلنے کے لئے بیکار آدمی کو کیا کرنا چاہئے؟

ج۔ کوئی کام پانے کے لئے جدوجہد۔

---

## [illegible]

س۔ کیا ہندوستان [illegible] بنے ہوئے جوتے دوسرے ملکوں کو بھی جاتے ہیں؟ میرا ایک دوست کہتا ہے بہت بڑی تعداد میں دوسرے ملکوں کو جاتے ہیں۔

ج۔ آپ کا دوست صحیح کہتا ہے۔ اپریل سے نومبر ۷۲ء کے دوران پانچ کروڑ، تیس لاکھ روپے مالیت کے چمڑے کے جوتے دوسرے ملکوں کو بھیجے گئے۔ ہندوستان سے ۷۲-۱۹۷۱ء کے دوران چمڑے کے جوتوں کے ۷۳ لاکھ، ۵۷ ہزار جوڑے مختلف ملکوں کو بھیجے گئے۔ اُن کی مالیت ۸ کروڑ ۵۸ لاکھ روپے تھی ــــ صرف روس نے ۱۰ لاکھ، ۵۷ ہزار، دو سو ۶۶ جوڑے جوتے

منگوائے۔

---

## ذکیہ بیگم۔ علیگڑھ

س۔ ۱۹۷۳ء میں شائع ہونے والی اُردو کتابوں پر اُتر پردیش اُردو اکاڈمی نے کتنے روپیوں کے انعامات دئے؟

ج۔ ایک لاکھ تین ہزار روپے کے انعامات۔

س۔ یہ انعامات پانے والوں میں کچھ خواتین بھی ہیں؟

ج۔ جی ہاں۔ کئی خواتین کو انعامات ملے ہیں۔ رضیہ سجاد ظہیر کو دو ہزار روپے کا انعام ملا ہے۔ صالحہ عابد حسین، ڈاکٹر مس اشرف رفیع، ڈاکٹر عطیہ نشاط، عفت موہانی، مینا چودھری، ہنس ریحانی، مایا گھنہ کو بھی انعامات ملے ہیں۔

---

## [illegible]

س۔ لندن، روس اور چین میں کتنے مسلمان ہیں؟

ج۔ لندن میں ۸ لاکھ [illegible] ایک کروڑ ۵۰ لاکھ [illegible] کروڑ ہیں۔

---

## سید غوث الدین علیم [illegible]

س۔ عورت کی سب سے بڑی کمزوری [illegible]؟

ج۔ خود کو کمزور سمجھنا!

س۔ انسان موت سے کیوں نہیں ڈرتا؟

ج۔ آپ نے عجیب بات پوچھی ہے۔ انسان موت سے بہت ڈرتا ہے۔ [illegible] انسان موت سے نہیں ڈرتا جو اپنی موت کو زندگی بنا لیتا ہے۔

---

### عبدالصبور۔ کھیر کھ شریف

س۔ جذباتی ہونا اچھا ہے یا بُرا؟

ج۔ جذباتی ہونا اچھا نہیں۔

---

### منشور عالم۔ کھیر (گیا)

س۔ دُنیا کی ۳۳ ہزار زبانوں میں اُردو کا درجہ کیا ہے؟

ج۔ تیسرا۔

---

### مہندر سنگھ۔ شملہ

س۔ دماغی کمزوری کیسے دُور کی جا سکتی ہے؟

ج۔ سائنسدانوں کا تجربہ ہے کہ فاسفورس دماغ کی تقویت کے لئے ضروری چیز ہے۔ اس لئے دماغ کی تقویت کے لئے ایسی غذا استعمال کرنی چاہئے جس میں فاسفورس کے اجزاء کافی مقدار میں ہوں۔ مچھلی، انڈے، مُرغی کے چُوزے، دودھ، مکھن اور خصوصیت سے بادام بہت مفید ہیں۔ چنے، مٹر، سویابین، مغزیات، کشمش، پستہ، اخروٹ اور پنیر بھی دماغ کی تقویت کے لئے اچھی غذا ہے۔ گھی، زردۂ بیضہ اور طاقت بخش غذائیں دماغ کو روشن رکھتی ہے۔

---

### ششی سرنا۔ کویت

س۔ کیا شادی محبت کی مَوت ہے؟

ج۔ بانو! ہمیں اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے—
اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا
اِک عشق ہی علاجِ غمِ زندگی نہیں

---

### امان اللہ گیل۔ دھنتور

س۔ انسان کا سب سے بڑا فریضہ؟

ج۔ انسانیت کو سربلند کرنا۔

س۔ کامیابی کا راستہ ... دار پُرخار بھی ہو تب کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ جب بھی مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہونے کے لئے جدوجہد جاری رکھنی چاہیئے۔

---

### اسحٰق دیوانہ۔ سہسرام

س۔ آج کا انسان اِتنی ... کی طرف کیوں جا رہا ہے؟

ج۔ اس لئے کہ آج کا انسان انسان نہ رہا—
آدمی آدمی کے پیکر میں
اور کچھ ہوگا آدمی نہ رہا

---

### کمال حسین صابر۔ اورنگ آباد۔ گیا

س۔ اِس دَور کا انسان اپنے آپ سے مطمئن کیوں نہیں ہے؟

ج۔ اِس لئے کہ اِس نے اپنی آرزوؤں کا دامن اپنی بساط سے زیادہ دراز کر لیا ہے۔

س۔ آکاش وانی کا کیا مطلب ہے؟

ج۔ آسمان سے آنے والی آواز۔

---

### شیخ عبدالقیوم۔ نلگنڈہ

س۔ خواجہ الطاف حسین حالی کی تاریخ پیدائش و مقامِ پیدائش بتائیں۔

ج۔ مولانا حالی ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔

س۔ کوئی مزاحیہ شعر سُنائیے۔

ج۔ حضرت اکبر الہ آبادی کا ایک قطعہ سُنئے ؎
بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پُوچھا جو اُن سے آپ کا وہ پردہ کیا ہوا؟
کہنے لگیں کہ عقل پہ مَردوں کی پڑ گیا

---

### جے نرائن۔ دربھنگہ

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں جب ہندوستان میں شام کے سات بجتے ہیں تو لندن میں کیا وقت ہوتا ہے؟

ج۔ ہندوستان میں شام کے ساڑھے سات بجتے ہیں تو لندن میں دن کے ڈھائی بجے ہوتے ہیں۔

---

### سورج کماری۔ الہ آباد

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ساری دُنیا میں کتنے اخبارات نکلتے ہیں اور اُن کی مجموعی تعدادِ اشاعت کتنی ہے؟

ج۔ ساری دُنیا میں ۷۵۰۰ روزانہ اخبارات نکلتے ہیں، جن کی مجموعی تعدادِ اشاعت ۲۱،۷۴،۷۴۹۰ ہے۔

س۔ شری چوان کا پُورا نام کیا ہے؟

ج۔ یشونت راؤ بلونت رائے چوان۔

---

### چندر دیو۔ مدھوبنی

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ہندوستان پر دوسرے مُلکوں کا کتنا قرض ہے؟

ج۔ وزیرِ خزانہ کے بیان کے مطابق ہند پر ایک کھرب ۸۵ ارب روپے غیر مُمالک کا قرض ہے۔

---

**وقار احمد۔ اعظم گڑھ**

س۔ ۱۹۷۳ء میں سوویت لینڈ کا نہرو ایوارڈ کن ہندوستانی ادیبوں کو ملا؟ اور کتنا ملا؟

ج۔ ۸ ہزار روپے فی کس کا پہلا ایوارڈ ان چار ہندوستانی شاعروں اور ادیبوں کو ملا — غلام ربانی تاباں، ہندی ادیب کیدار ناتھ اگروال، بنگالی ادیب موہن سیاپانویس اور ملیالم زبان کے مشہور ناول "چمین" کے مصنف کازی سیوسنکر کو ملا۔

س۔ مشہور ہندی شاعر دِنکر کا پورا نام کیا ہے؟

ج۔ رام دھاری سنگھ دِن کر۔

---

**محمد سفیان قاسمی۔ دیوبند**

س۔ محبت جذبۂ اختیاری ہے یا اضطراری؟

ج۔ زندگی صرف محبت ہی نہیں ہے اے دوست!
اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

---

**چندر بھوشن۔ پٹیالہ**

س۔ کیا ہندوستان سے دوسرے ملکوں کو بھی آم بھیجے جاتے ہیں؟

ج۔ ہندوستان سے دوسرے ملکوں کے لئے بہت آم بھیجے جاتے ہیں۔ ۷۳ء میں ایک لاکھ ۷۵ ہزار روپے کے آم پولینڈ کے لئے برآمد کئے گئے۔

س۔ میں نے سنا ہے امریکہ میں مردوں کی نسبت عورتوں کی تعداد ۴۸ لاکھ زیادہ ہے۔ ہندوستان میں عورتوں کی تعداد مردوں

**[illegible]**

ج۔ ہندوستان میں [illegible] تشویشناک [illegible]

س۔ اِس وقت ہندوستان کی آبادی کتنی ہے؟

ج۔ ۵۸ کروڑ۔

---

**شمیم احمد اختر۔ مونگیر**

س۔ اگر جسم کا بخار دوا سے اتر سکتا ہے تو دل کا بخار؟

ج۔ دل کا بخار اچھی باتوں سے اتر سکتا ہے۔

س۔ انسان اور آدمی میں کیا فرق ہے؟

ج۔ انسان اور آدمی میں بظاہر کوئی فرق نہیں لیکن جس آدمی میں انسانیت نہ ہو اسے انسان کہنا صحیح نہیں۔

---

### ایم۔ کاظمی۔ مظفرپور

س۔ زمانہ اُردو کو ختم کرنے پر تُلا ہوا ہے؟

ج۔ پھر کس سے یہ چراغ بجھایا جائے گا!

---

### سعید احمد خاں۔ نظام آباد

س۔ عورت کی نگاہ میں اور مرد کی نگاہ میں کیا فرق ہے؟

ج۔ عورت کی شرمگین نگاہ مرد کی طرف نہیں اُٹھتی۔ مرد کی بیباک نگاہ ایک ثانیہ میں عورت کے پُورے سراپا کا جائزہ لے لیتی ہے!

س۔ کیا یہ سچ ہے کہ عورت کی ذرا سی مُسکراہٹ مرد کی ساری زندگی کا سُکھ چَین چھین لیتی ہے؟

ج۔ عورت کی ذرا سی مُسکراہٹ مرد کی زندگی کو سارا سُکھ چَین بخش دیتی ہے۔ مشہور مفکّر گوپرنے کہا ہے ''ساری دُنیا کی بادشاہت مِل جائے، لیکن عورت نہ ہو تو مرد بھکاری سے بھی بُرا ہے۔ اُس سے تو وہ کنگال لاکھ درجہ خوش نصیب ہے جو سارا دن محنت کرتا ہے اور شام کو عورت کی صُورت دیکھ کر سارا دُکھ درد بھول جاتا ہے۔''

---

### فاطمہ بی۔ دہلی

س۔ کبھی ہندوستان کی تہذیب ساری دُنیا کے لئے مثال تھی۔ لیکن اب ہندوستان کی تہذیب ننگ تہذیب کیوں ہے؟

ج۔ اِس لئے کہ ہندوستان کے لوگ اپنی تہذیب کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوگئے۔

---

### مِس نجمہ۔ لکھنؤ

س۔ حضرت جوشؔ ملیح آبادی کا کوئی شعر سُنائیے۔

ج۔ ایک رُباعی سُنئے ؎

دَم توڑ چکی ہیں رنگ رلیاں دل کی
اب بھُول کے چٹکیں گی نہ کلیاں دل کی
میلہ سا جہاں روز لگا رہتا تھا
سُنسان پڑی ہیں گلیاں دل کی

س۔ یہ خوبصورت شعر کس کا ہے ؎

چاہتے تھے کچھ مہک جائے یہ تنہائی کی رات
چھیڑ کر ہم اُن کی زُلفِ مُشکبو کی داستاں

ج۔ یہ شعر حرمت الاکرام کا ہے۔ اِس شعر کا دوسرا مصرعہ اِس طرح ہے ؏

چھیڑ کر ہم تیری زُلفِ مُشکبو کی داستاں

س۔ کوئی حیات افروز شعر سُنائیے۔

ج۔ ایک رُباعی سُنئے ؎

حیات دُور ہے راحت کشانِ گیتی سے
گلوں کی سیج پہ سونا نہیں ہے اِس کا شعار
یہ وہ عروسِ شہیداں ہے جس کا حُجلۂ سُرخ
کبھی ہے عرصۂ مقتل کبھی ہے تختۂ دار

---

### بیگم شفیق بریجی، بیگم نواب اصغر علی۔ دھنباد

س۔ ناکامی سے تنگ آکر انسان خود کُشی کر لینے پر کیوں آمادہ ہوتا ہے؟

ج۔ بلند حوصلہ انسان ناکام ہو کر بھی بددل نہیں ہوتا۔ ناکامی سے اُس کا جذبۂ عمل اور بھی بیدار ہوتا ہے۔

س۔ تقدیر کا گلہ خُدا سے کرنا چاہیئے یا اپنے آپ سے؟

ج۔ تقدیر کا گلہ خود سے کرنا چاہیئے ؎

اے شکوہ سنج شوخیٔ تقدیر دیکھنا
ذوقِ عمل ہی تیرا کہیں خام تو نہیں؟

---

### صادق بھٹکل

س۔ جذبات پر قابُو پانے کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ عقل کی رہنمائی کرنی چاہیئے۔

---

### ایم۔ الیاس انصاری۔۔۔

س۔ دَولت پیاری ہے یا عزّت؟

ج۔ کبھی عزّت پیاری تھی، اِس زمانے میں دَولت پیاری ہے۔

س۔ کسی گُمراہ کی آنکھ کب کھُلتی ہے؟

ج۔ جب اُسے کوئی بڑی ٹھوکر لگتی ہے۔

---

### مِس رعنا عزیز۔ بریلی

س۔ میرے چہرے پر مہاسے ہیں۔ کیا میں اُن پر سنترے کے چھلکوں کا سفوف لگاؤں تو اُس سے فائدہ ہوگا؟

ج۔ کاغذی لیموں کی دو قاشیں لے کر مُنہ پر مَلیں۔ چند دنوں میں یہ شکایت دُور ہو جائے گی۔

س۔ میں خُدا سے اتنی دُعا کرتی ہوں اور سچّے دل سے دُعا کرتی ہوں، لیکن کوئی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ آپ کوئی آسان وظیفہ بتائیے، مہربانی ہوگی۔

ج۔ آپ پُورے یقین و اعتماد کے ساتھ یہ وظیفہ پڑھا کریں، یقیناً فائدہ ہوگا ــــ ''یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم، یا کریم'' یہ وظیفہ آزمودہ ہے۔

---

### لطیف پرویز۔ کریم نگر

س۔ خوشتر بھیا! نپولین نے کہا ہے دُنیا کی کوئی چیز حاصل کرنا ناممکن نہیں۔ کسی اور نے کہا ہے انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔ آپ کے خیال سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔

ج۔ بلند حوصلہ انسان کے لئے کوئی چیز حاصل کرنا ناممکن نہیں۔ آپ دیکھتے نہیں، زمین پر رہنے والا انسان آسمان تک پہنچ گیا۔

س۔ کیا دولت انصاف کو جھٹلا سکتی ہے؟

ج۔ آج کے دور میں تو یہی ہو رہا ہے۔

س۔ خوشتر بھیا! کچھ اچھی باتیں سُنائیے۔ جن پھولوں سے اپنے دل کا دامن بھر سکوں۔

ج۔ • حُسنِ اخلاق اللہ کی رحمت کی بانگ ہے۔
• جہاں عِلم اور حِلم جمع ہو جائیں اُن سے بہتر چیزیں یکجا نہیں ہو سکتیں۔
• جہل سے بڑھ کر کوئی غریبی نہیں، عقل سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔
• گود سے لے کر گور تک علم سیکھو۔

### نور جہاں۔ مدھوبنی

س۔ اُردو زبان کہاں وجود میں آئی؟

ج۔ اسی ہندوستان میں! جہاں اِسے بدیشی زبان کہا جا رہا ہے۔

س۔ ہندوستان میں اُردو کا مستقبل؟

ج۔ تاریک نہیں جیسا کہ اُردو کے بدخواہ سمجھتے ہیں۔ اُردو میں زندہ و پائندہ رہنے کی جو فطری صلاحیت ہے اُسے اُردو سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

س۔ ہندوستان میں اُردو زیادہ کہاں بولی جاتی ہے؟

ج۔ یو۔ پی میں۔ جہاں اُردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ نہیں دیا جا رہا ہے۔

### اظہار عالم پیمانہ۔ سہسرام

س۔ اقوالِ زرّیں کے کیا معنی ہیں؟

ج۔ سُنہرے اقوال۔

### زبیر احمد شمسی۔ محمد آباد گوہنہ

س۔ انسان عظیم کیسے بن سکتا ہے؟

ج۔ عظیم انسانوں کے نقش قدم پر چل کر۔

س۔ عورت کا سب سے مقدس رُوپ؟

ج۔ ماں۔

### ہدایت علی ساحل جھمری تلیّا

س۔ زندگی انسان کے لئے بارگراں کب بن جاتی ہے؟

ج۔ جب کاہل اور بے عمل انسان اُسے بارگراں بنا لیتا ہے۔

س۔ کیا ریڈیو سے ادب کی ترقی کا کام لیا جا سکتا ہے؟

ج۔ کیوں نہیں۔ ادب کی ترقی میں ریڈیو بہت اہم کردار ہے۔

### مس ذکیہ فاطمہ۔ علی گڑھ

س۔ کیا آپ دُنیا کے سب سے قدیم شہر کا نام بتا سکتے ہیں؟

ج۔ دُنیا کا سب سے قدیم شہر دمشق ہے۔

### [illegible]

س۔ [illegible]

ج۔ [illegible]

س۔ [illegible]

ج۔ ۱۹۳۶ء [illegible]

### [illegible]

س۔ برہمن کو [illegible]

ج۔ غریب کو [illegible]
تُلسی داس نے کہا ہے
مایا کو مایا ملے کر کر لمبے ہاتھ
تُلسی داس غریب کی کوئی نہ پوچھے بات

### ریاض الدین قریشی مراد آباد

س۔ ہندوستان میں پیدائش اور اموات کا تناسب کیا ہے؟

ج۔ ہندوستان میں ہر سال ۲ کروڑ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ۸۰ لاکھ موتیں ہوتی ہیں۔

س۔ فردوسی کے شاہنامہ میں کتنے اشعار تھے؟

ج۔ ساٹھ ہزار۔

س۔ البیرونی کا عہد کب تھا؟

ج۔ البیرونی محمود غزنوی کے زمانے میں تھا۔

س۔ ذوق کس کے شاگرد تھے؟

ج۔ نصیر کے۔

### [illegible]

س۔ ریلوں میں [illegible] والوں کی [illegible] نقصان ہوتا ہوگا؟

ج۔ ۲۰ [illegible]

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: خوشتر گرامی ـــ مطبوعہ: پربھات آفسیٹ پریس وکشمی پرنٹنگ ورکس دہلی ـــ ٹائٹل: برائٹ پریس دہلی ـــ [illegible]

# ڈکشنریاں، صنعت و حرفت، کشیدہ کاری اور خانہ داری کی بہترین کتابیں

## کشیدہ کاریاں و ڈکشنریاں

| | |
|---|---|
| بیسویں صدی کشیدہ کاری کرشنا کماری ایم۔ اے | ۴/- |
| ہماکشیدہ کاری | ۵/- |
| نیو کشیدہ کاری البم | ۹/- |
| سنگھار کڑھائی کلا | ۹/- |
| دلو دھن ۰ ۰ | ۷/۵۰ |
| لکشمی کشیدہ کاری | ۲/۵۰ |
| رانی کشیدہ کاری | ۶/- |
| سرلا بھارتی کشیدہ کاری | ۷/- |
| نوسوتی کشیدہ کاری | ۳/- |
| کامیاب درزی خانہ | ۲/۵۰ |
| زینت کروشیا ڈیزائن بک | ۵/- |
| قدسیہ کشیدہ کاری | ۱/۵۰ |
| حسین کشیدہ کاری | ۳/- |

### ڈکشنریاں

| | | |
|---|---|---|
| مصباح اللغات | عربی۔ اردو | ۲۸/- |
| لغات کشوری | فارسی۔ اردو | ۱۸/- |
| اردو عربی لغت | اردو | ۱۲/- |
| فرہنگ عامرہ | ۰ | ۷/۵۰ |
| نقاد اللغات | ۰ | ۸/۵۰ |
| کریم اللغات | مولوی کریم الدین | ۲/۵۰ |
| انگلش اردو ڈکشنری | عبدالحق | ۱۵/- |
| ۰ ۰ | سنت سنگھ | ۱۲/- |
| اردو انگلش | ۰ ۰ ۰ | ۱۱/- |
| اردو ہندی | ۰ فیاض احمد | ۲/۵۰ |
| جیمز آکسفورڈ ڈکشنری | انگلش اردو | ۴/۵۰ |

## صنعت و حرفت

| | |
|---|---|
| الیکٹرک انجینئرنگ بک | ۱۸/- |
| الیکٹرک گائڈ | ۱۲/- |
| الیکٹرک وائرنگ | ۶/- |
| موٹر کار وائرنگ | ۶/- |
| رٹ پالش سازی | ۴/۵۰ |
| الیکٹرک لائٹنگ | ۸/۲۵ |
| بغیر بجلی کا ریڈیو | ۱/۵۰ |
| تجارتی مرغی خانہ | ۴/۵۰ |
| آئل و گیس انجن گائڈ | ۱۵/- |
| آئل انجن گائڈ | ۸/۲۵ |
| درزی ماسٹر | ۵/- |
| وائرلیس ریڈیو گائڈ | ۸/۲۵ |
| ریڈیو سروسنگ (ریڈیو مکینک) | ۱۰/۵۰ |
| ٹانکا لگانے کا ہنر | ۴/۵۰ |
| چھوٹے ڈائنمو و الیکٹرک موٹر بنانا | ۶/- |
| پریکٹیکل آرمیچر وائرنگ | ۱۰/۵۰ |
| ریفریجریٹر گائڈ | ۱۲/- |
| ٹرانسفارمر گائڈ | ۸/۲۵ |
| الیکٹرک موٹرز | ۱۲/- |
| خراد شکشا یعنی ٹرنر گائڈ | ۶/- |
| ورکشاپ گائڈ | ۶/- |
| خراد اور ورکشاپ گیان | ۱۲/- |
| پریکٹیکل گھڑی سازی | ۴/۵۰ |
| سائیکل ریپئرنگ | ۴/۵۰ |
| ڈیری فارمنگ | ۴/۵۰ |

## صنعت و حرفت و خانہ داری

| | |
|---|---|
| موم بتی کاروبار | ۴/۵۰ |
| کاروبار بڑھانے کی ترکیبیں | ۴/۵۰ |
| انڈو یوروپین ککری بک<br>دیسی انگریزی کھانے | ۶/- |
| تمباکو کا کاروبار | ۴/۵۰ |
| پان کی دکان | ۴/۵۰ |
| حلوائی ماسٹر | ۴/۵۰ |
| اسمال اسکیل انڈسٹری | ۱۸/- |
| آتش بازی کا کاروبار | ۴/۵۰ |
| وارنش سازی | ۴/۵۰ |
| پرفیومری ماسٹر | ۴/۵۰ |
| فن مصوری | ۴/۵۰ |
| بیکری بہار (بسکٹ، ڈبل روٹی، کیک) | ۴/۵۰ |
| پینٹری کا کام | ۴/۵۰ |
| اپٹوڈیٹ بوٹ پالش سازی | ۴/۵۰ |
| پلاسٹک گائڈ | ۴/۵۰ |
| رنگ سازی | ۴/۵۰ |
| کنفیکشنری (انگریزی مٹھائیاں) | ۴/۵۰ |
| اپٹوڈیٹ انک ماسٹر<br>روشنائیاں بنانا | ۴/۵۰ |
| خوشبودار تیل بنانا | ۴/۵۰ |
| فائن ٹیلر ماسٹر | ۲/- |
| عصمتی دسترخوان | ۳/۵۰ |
| رضیہ کا شاہی دسترخوان | ۴/- |
| پریکٹیکل انگلش ٹیچر | ۶/- |

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

دسمبر



Rs.2'00

DELHI.



رُکا رُکا ترا عکسِ شباب پانی میں
کہ جیسے پرتوِ صد ماہتاب پانی میں —— سُلطان نازش

فوٹو۔ جگدیش کوشل ایم۔ اے شملہ



گذشتہ دنوں فرید کوٹ میں "حلقۂ اربابِ ذوق" فرید کوٹ کے زیرِ اہتمام اُردو کے برگزیدہ شاعر لسان الاعجاز سردار اودے سنگھ شائقؔ کے اعزاز میں "جشنِ شائقؔ" منعقد ہوا۔ اِس موقعہ پر موصوف کی خدمت میں اُن کے متعلق اُردو کے مشاہیر شعراء اور ادبا کے مضامین کا مجموعہ "یادگار نامہ" پیش کیا گیا اور ایک کُل ہند مُشاعرہ ہوا جس کی صدارت پنجاب کے وزیرِ اعلےٰ جنابِ گیانی ذیل سنگھ نے فرمائی۔ تصویر میں وہ حضرتِ شائقؔ کی گُل پوشی فرما رہے ہیں اور پنجاب کے راج کوی پنڈت میلا رام وفاؔ کھڑے ہیں۔ گیانی جی نے صدارتی تقریر میں فرمایا کہ "ہم لوگ ایسے بزرگوں کے احسانات کبھی فراموش نہیں کر سکتے جنہوں نے اپنے شعر و ادب کے ذریعہ جنگ آزادی کے دنوں میں مجاہدینِ آزادی کی ہر قدم پر حوصلہ افزائی فرمائی۔ یہ جشن بھی ایسی ہی عظیم ہستی کا ہے۔ شائقؔ صاحب کی اَدبی خدمات کا اعتراف تو ہر اُردو داں کرتا ہی ہے۔ مگر سرکاری عہدوں پر فائز رہتے ہوئے جس بے باکی اور فراخدلی سے اِنہوں نے مجاہدینِ آزادی کی ہر ممکن مدد فرمائی ہے اُس پر ہم لوگ بجا طور پر ناز کرتے ہیں" ——— وزیرِ اعلےٰ نے حلقۂ اربابِ ذوق کو اپنے اختیاری فنڈ میں سے پانچ ہزار روپے دینے کا اعلان فرمایا۔



لسان الاعجاز سردار اودے سنگھ شائق نے صدرِ مشاعرہ، شعرائے کرام اور منتظمینِ "جشنِ شائق" کا شکریہ ادا کرنے کے بعد لحنِ داؤدی میں غزل چھیڑی۔

سفر عشق کا درمیاں چھوڑ آئے ۔ بہت سخت تھا امتحاں چھوڑ آئے

ہمیں تو چمن کی بس اتنی خبر ہے ۔ کہ جلتا ہوا آشیاں چھوڑ آئے

یہ بھٹکے ہوئے زندگی کے مسافر ۔ خدا جانے منزل کہاں چھوڑ آئے

تری جستجو میں جہاں بھی گئے ہم ۔ محبت کی اک داستاں چھوڑ آئے

محبت میں ناگفتنی ہیں یہ باتیں ۔ نہ پوچھو کہ دل ہم کہاں چھوڑ آئے

پہنچ کر بھی منزل پہ پہنچے نہ شائق

کہ لٹتا ہوا کارواں چھوڑ آئے



پنجاب کے راج کوی پنڈت میلارام صاحب وفاؔ اپنے کلامِ بلاغت نظام سے حاضرینِ جلسہ کو محظوظ فرماتے ہوئے۔

کیا کہیئے وعدوں پہ یقیں ہم کیوں لاتے جاتے ہیں
دھوکا کھانا پڑتا ہے دھوکا کھاتے جاتے ہیں

طاقتِ ضبطِ غم دل سے رُخصت ہوتی جاتی ہے
ارماں نالے بن بن کر لب پر آتے جاتے ہیں

راتیں عیش و عشرت کی، دن دُکھ درد مصیبت کے
آتی آتی آتی ہیں، جاتے جاتے جاتے ہیں

آج سحر سے غیر بہت حال ترے بیمار کا ہے
افسردہ افسردہ ہیں لوگ جو آتے جاتے ہیں

آندھیوں اور بگولوں سے کم نہیں تیرے دیوانے
خاک اُڑاتے آتے ہیں خاک اُڑاتے جاتے ہیں

غیر تو ہیں پھر غیر وفاؔ غیروں کا شکوہ ہی کیا
بدحالی میں اپنے بھی آنکھ چُراتے جاتے ہیں



کوروکشیتر یونیورسٹی کے یوتھ ولفیئر ڈیپارٹمنٹ کے ایک مُشاعرے میں جنابِ مہیندر پرتاپ چاند نے اپنی نظم ”تجدیدِ وفا“ کے چند بند سُناکر سامعین سے خوب خوب داد حاصل کی۔

کون پھر آیا ہے چُپکے سے مِرے خوابوں میں؟ ہاں وُہی خواب جو شرمندۂ تعبیر نہیں
کِس نے ہمدرد نگاہوں سے یہ دیکھا مجھُ کو؟ میں تو سمجھا تھا مِری آہ میں تاثیر نہیں
وُہی انداز وُہی حُسن وُہی طرزِ ادا وُہی معصُوم تبسّم وُہی سادہ سا لباس
وُہی بہتے ہوُئے جھرنوں کی سی پُر کیف آواز وہی اندازِ تکلّم وُہی لہجے کی مٹھاس
شعر و فن سے بھی محبت ہے اُسے تیری طرح سازو نغمہ سے بھی آراستہ ہے اُس کا شعور
اُس کی ہر بات پہ کچھُ ایسا گماں ہوتا ہے جس طرح اُس کو تعلّق ہو کوئی تجھ سے ضرُور
سوچتا ہُوں میں کہیں بڑھ کے نہ کچھُ کہہ بیٹھُوں ٹوٹ جائے نہ کہیں حُسن کا معصُوم سا دِل
اپنی تقدیر میں جب غم کے سِوا کچھُ بھی نہیں دبی چنگاریاں سُلگانے سے پھر کیا حاصل؟

میں یہی سوچ کے اُس رہ سے پلٹ آیا ہوں
پھر وُہی میں ہُوں وُہی غم وُہی تنہائی ہے
اور یہ دِل میں جو کچھ زخم ہیں پھر تازہ سے
مَیں نے کچھُ تازہ خطاؤں کی سزا پائی ہے

ٹیلیفون دفتر ——— ۳۷۶۶۳۷
ٹیلیفون رہائش ——— ۶۱۹۹۲۷

# بیسویں صدی





**قیمت فی پرچہ**
**دو روپے**
پتہ۔ رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

**سالانہ قیمت**
ہندوستان میں ——— بائیس روپے
ممالک غیر سے ——— تینتیس شلنگ

[illegible] بیسویں صدی کے لئے [illegible] کی حسین اور دلکش [illegible]

## تیر و نشتر



شری دیو کانت بروا کانگرس کے نئے صدر

خوشتر گرامی

• "غلہ گوداموں میں پڑا پڑا کیڑے کھا جاتا ہے" وزیرِ زراعت کا بیان ـــــ غلہ ایسے پیٹ بھرتا ہے جو آپ کے بیان سے۔

---

• "یورپ کی مشترکہ منڈی ہندوستان سے زیادہ کپڑا خرید کرے گی" ایک خبر ـــــ ہندوستان کو ننگا رکھنے کے لئے یورپ کی مشترکہ کوشش۔

---

• "اسمگلروں کے بعد اسمگلنگ کا خاتمہ ہونا چاہئے" ایک عنوان ـــــ گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے سیاست داں بالکل ہی بھوکے مر جائیں۔

---

• "ایس۔ کے۔ پاٹل کو جعل سازی اور جھوٹ بولنے کے الزام میں گرفتار کرو" جناب جنا داس اختر مدیرِ "سویرا" دلّی کا مطالبہ ـــــ الزامات کی فہرست کم ہے۔ گرفتار کرو تو فہرستِ الزامات قوم پیش کرے گی۔

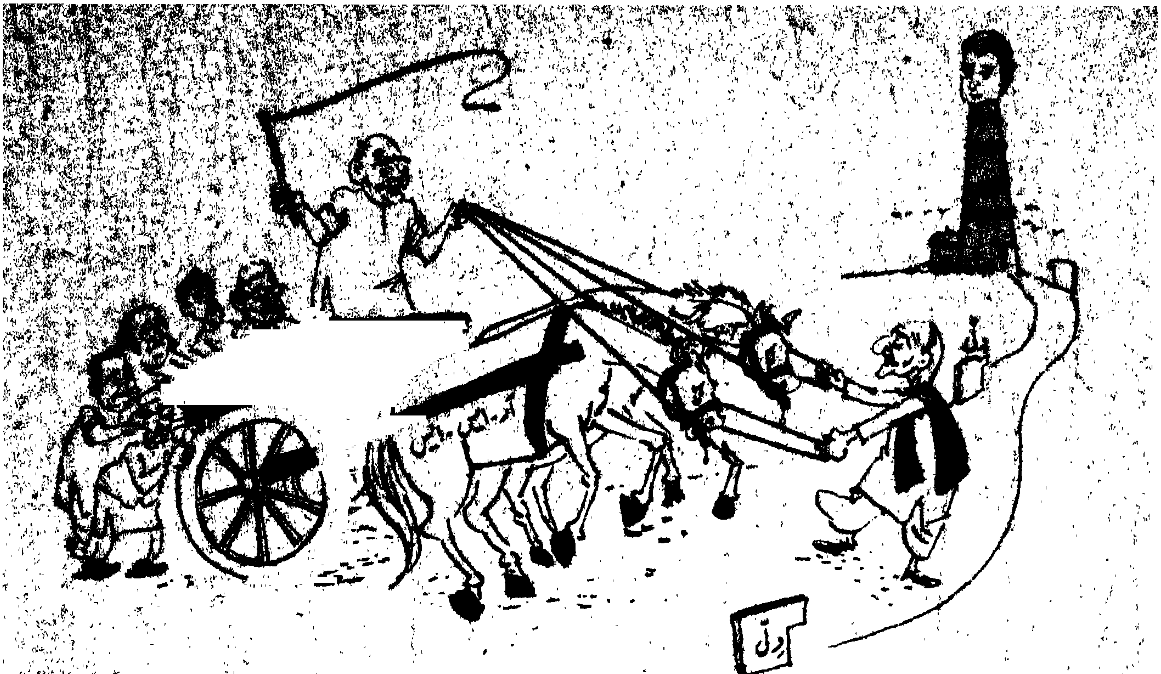
---

• "اسمگلر مستان مرزا سے سابق وزیر مسٹر پاٹل، ایک موجودہ وزیر اور سرکردہ لیڈروں کے تعلقات کا انکشاف" ایک عنوان ـــــ جستجو کروگے تو ایک سابق اور ایک موجودہ وزیر کا نہیں بہت سے وزیروں کا اور ایک مستان سے نہیں بہت سے مستانوں سے تعلقات کا انکشاف ہوگا۔

---

• "مستان سنڈیکیٹ لیڈروں کو بھرپور مالی امداد دیتا رہا ہے" ایک خبر روزنامہ "سویرا" دلّی ـــــ سنڈیکیٹ لیڈروں کے علاوہ جن سنگھی اور مسلم لیگی لیڈروں کا بھی معاون و مددگار رہا ہے۔

---




جے پرکاش نرائن نے اپنی تحریک کو دِلّی تک پھیلانے کا اعلان کر دیا

"سیلون میں عید ملن" ایک خبر —— ریلوے سیلون میں یا حجام کے سیلون میں۔

"جے پرکاش نرائن سے دس سوال" ایک عنوان —— دس نمبر بہت معنی خیز ہے۔

"پاکستان دسمبر میں حملہ کر دے گا" ایک جن سنگھی لیڈر —— اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سوجھی

"کئی سنڈیکیٹی لیڈروں نے مستان کو سوشل ورکر قرار دیا تھا" —— اِن کا بس نہیں چلا ورنہ فرشتہ بنا دیتے۔

"پنجاب کے ایک وزیر کے دو رشتہ دار گرفتار" ایک خبر —— گیانی ذیل سنگھ کے راج ہی میں ہو سکتا ہے۔

"شراب سازی کے کارخانے پر چھاپہ" ایک خبر —— اور دوکان محفوظ۔ کیونکہ دِلّی ایڈمنسٹریشن نے بھی فروخت کا کام شروع کر دیا ہے۔

"اُردو اساتذہ کو یو۔پی میں مساوی حقوق" ایک خبر —— مگر اُردو زبان کو مساوی حقوق حاصل نہیں۔ ایں چہ بوالعجبی است۔

"جے پرکاش نرائن کو ایک لاکھ روپے کی تھیلی پیش کی گئی" —— بلیک مارکیٹ کی کمائی جے پرکاش کو چڑھائی۔

"ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہاکی کا کھیل ہونا چاہیے" پاکستانی ٹیم کے منیجر کرنل دارا کی تجویز —— اور ان ٹیموں کے کپتان اندرا گاندھی اور ذوالفقار علی بھٹو کو بنایا جائے۔

"[illegible] کی نئی [illegible]" ایک خبر —— [illegible] میں بدل دیں۔

"[illegible] سنگھ سے [illegible] ہو گئی" —— [illegible] والے کم [illegible]

"جے پرکاش کے خلاف کانگریس جوابی مہم چلائے گی" ایک خبر —— یہ مردوں کا کام ہے کانگریسی کیا کر پائیں گے

"دِلّی سے ممنوعات کی برآمد" ایک عنوان —— معمولی کارروائی۔

"یہ ماڈرن راون" ایک عنوان —— عوام کی مصیبتوں سے فائدہ اُٹھا کر اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایجی ٹیشن چلا رہے ہیں۔

"پلکوں کے سائبان" ایک عنوان —— اجازت ہو تو کھاٹ بچھا لیں۔

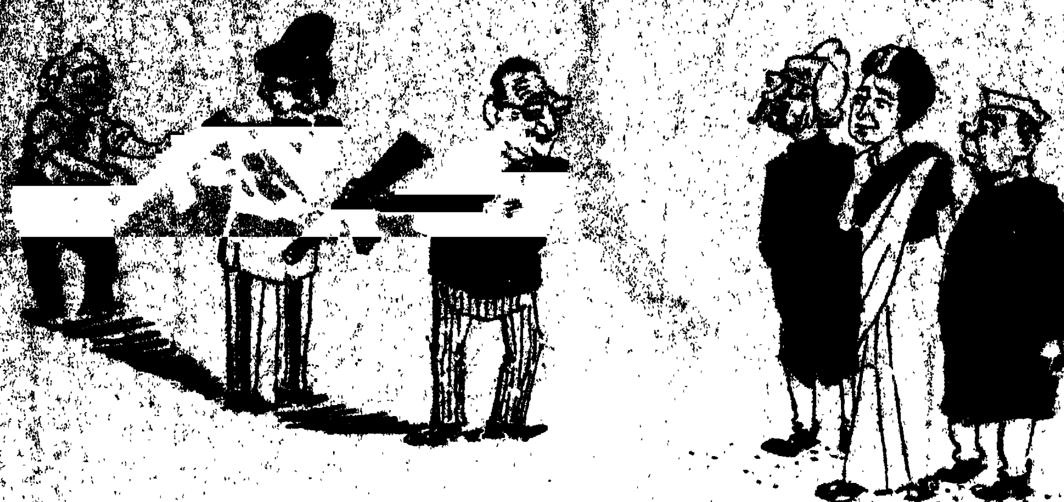
"یو۔پی اُردو ایڈیٹرز کانفرنس کا افتتاح وزیر اعلیٰ بہوگنا کریں گے" —— مگر اُردو کا مسئلہ اِس سے حل نہ ہوگا۔ اِس کے لئے اُردو کو دوسری سرکاری زبان تسلیم کرنا پڑے گا۔ اُردو والے ان کانفرنسوں کی بجائے اِس طرف توجہ دیں۔

"آر۔ ایس۔ ایس کے چیف سے چرن سنگھ کی مُلاقات" ایک خبر —— ہر چیز اپنی اصلیت کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک مقولہ۔

"جامع مسجد دِلّی کے علاقے میں دنگے" ایک خبر —— اور پولیس تماشائی بنی ہے۔



جے پرکاش نرائن نے متوازی حکومت بنانے کا اعلان کر دیا۔ مگر خواب میں۔



"امریکہ پاکستان کو مہلک ہتھیار نہیں دے گا" ایک خبر

"کئی نامی اسمگلر ابھی تک آزاد گھوم رہے ہیں" ایک خبر
—— کئی نامی لیڈروں کے ساتھ تعلقات کا نتیجہ۔

"پولیس کے لباس میں تلاشی لینے والے ڈاکو" ایک خبر ——
لیکن کبھی کبھی پولیس اپنے لباس میں بھی ڈاکوؤں سے بدتر بن جاتی ہے۔

"سنہری موقع" ایک عنوان —— وزارت ملنے کا، سفارت کا،
گورنری کا یا اسمگلنگ کا؟

"آر۔ ایس۔ ایس ہمدرد کی دوا" ایک عنوان —— اور اقتدار
کا ہر بھوکا اس کے ذریعہ مراد پانے کے وہم میں مبتلا۔

"مگر مچھ پر بھی ہاتھ ڈالا" ایک عنوان —— [illegible]
[illegible]

"حکومت ذخیرہ اندوزوں اور منافع خوروں کا صفایا
کرے گی" ایک خبر —— ع
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

"[illegible] کی تلاش سی۔ بی۔ آئی کرے" ایک عنوان ——
ہماری مرغی اور ہمارے پڑوس کی گائے غائب ہے۔ اس کا
بھی سی۔ بی۔ آئی خیال رکھے۔

"اسمگلر کی بیوی کو شوہر سے ملنے کی اجازت" ایک خبر ——
تاکہ اسمگلنگ کا کاروبار جاری رکھنے کے لئے شوہر سے ہدایات
حاصل کر سکے۔

"کھانے پینے کی [illegible]" ایک عنوان —— [illegible]

"بناسپتی کی پیداوار میں اضافہ" ایک خبر ـــــ بلیک کرنے والوں کے لئے خوشخبری۔

---

"ناجائز کوٹے اور پرمٹ حاصل کرنے والے بھی لپیٹ میں" ایک خبر ـــــ مگر دینے والے محفوظ ہیں۔

---

"پنجاب میں ایک کروڑ روپے کی انکم ٹیکس کی چوری پکڑی گئی" ایک خبر ـــــ گیانی ذیل سنگھ کے کارناموں میں ایک اور کا اضافہ۔

---

"مشرقی یوپی کے اُردو اساتذہ کی حالت" ایک عنوان ـــــ اُردو زبان سے کچھ ابتر ہی ہوگی۔

---

"نکسن دوبارہ ہسپتال میں" ایک خبر ـــــ واٹرگیٹ کا مسئلہ دوبارہ کھڑا ہو جانے کا نتیجہ۔

---

"پیداوار میں اضافہ پر زور" ایک عنوان ـــــ دو یا تین اور بس کا نعرہ ختم۔

---

"یوپی میں سرکاری زمینوں پر ناجائز قبضہ کی مہم" ایک خبر ـــــ دلی کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش۔

---

"وزیروں اور لیڈروں کے یہاں چھاپوں کی باری آنے والی ہے" ایک خبر ـــــ آپ کے منہ میں گھی شکر۔

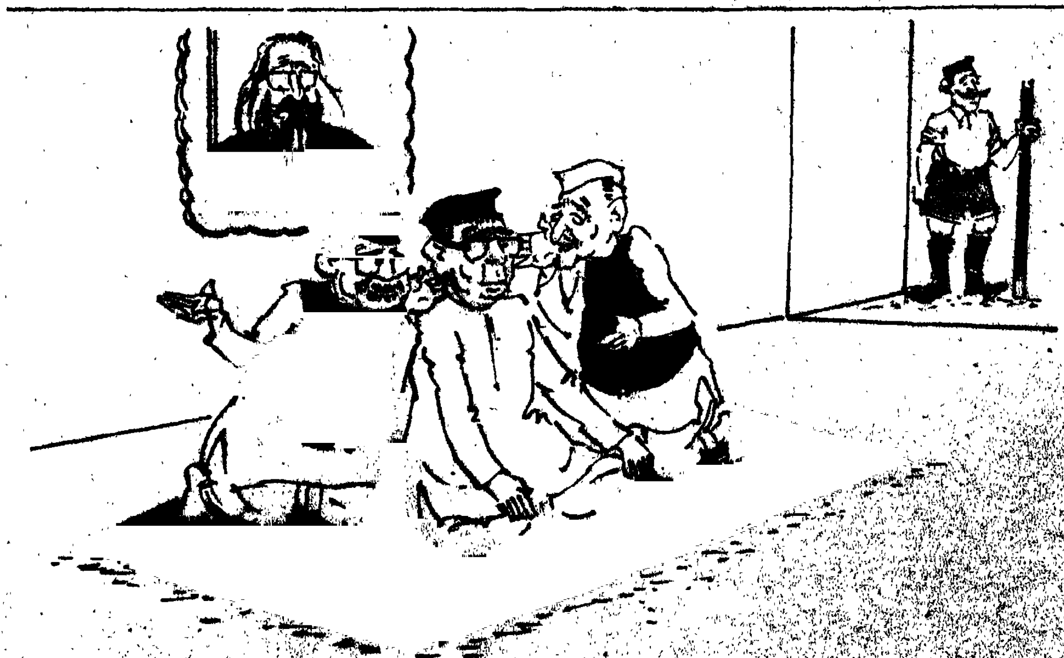
---

"ہندوستانی کھلاڑی چین جائیں گے" ایک خبر ـــــ اور چاؤ ماؤ کے ساتھ پنگ پانگ کھیلیں گے۔

---

"مرکزی حکومت کے اُردو انفارمیشن آفیسر کا ٹیلیفون ختم" ایک خبر ـــــ اُردو سے حسنِ سلوک کا ایک نمونہ۔

---



بھارتیہ لوک دل کا تعاون حاصل کرنے کے لئے آر ایس ایس کے چیف سے راز و نیاز۔

# ڈاکٹر ہنری کیسنجر

## خوشتر گرامی

دوہرا بدن۔ قد [illegible]۔ کمین شیر۔ کشادہ پیشانی [illegible] سے دور دہن۔ [illegible]
[illegible] آنکھیں۔ اندر دل کی گہرائیوں تک جھانکنے کے لئے چشمہ۔ پہاڑی طوطے کی چونچ جیسی ناک [illegible]
[illegible] کی بات سمجھنے والے۔ [illegible]
امریکی وزیر خارجہ ——

### ڈاکٹر ہنری کیسنجر

جرمن نژاد یہودی، ہٹلریت کا شکار ہوکر راہِ فرار اختیار کی اور امریکہ میں اماں لی اور آج امریکہ میں صدر کے بعد دوسرے عہدے پر ہیں اور دنیا بھر کے یہودیوں میں سب سے زیادہ نامور۔ پہلے امریکہ کے صدر نکسن کے ذاتی مشیر تھے —— بنگلہ دیش کی جنگ کے وقت خلیج بنگال میں امریکہ کا ساتواں بیڑہ بھیجنے کا مشورہ دینے کا شرف و عزت حاصل کی۔ لیکن دنیا کی بڑی طاقت کی عزت کا وہ سفینہ خلیج بنگال میں غرق ہوگیا —— ہندوستان کو دشمنی میں نام پیدا کیا۔ پاکستان کے ایسے دوست بنے کہ آسمان کو دشمن کی ضرورت نہ رہی اور امریکہ کے قصرِ صدارت میں زلزلہ آیا۔ ہندوستان کے عظمت و استقلال، عزت و شوکت، خودداری و سربلندی کا سکہ جما اور چین و روس کی طرح ہندوستان کی دوستی کا احساس پیدا ہوا —— ابتدائی پیشہ معلمی اور بچوں کو پڑھانا تھا۔ آج کل استادِ سیاست بنے ہوئے ہیں اور دنیا کے سیاستدانوں کو پڑھانے کے لئے کوشاں۔ ادیب تو ہیں، لیکن شاعر نہیں۔ غالب کو شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا تھا۔ انھیں بیوی کے انتخاب نے بدنام کیا —— بہترین آلاتِ حرب کی تیاری اور ہتھیاروں کے انبار بھی انھیں طاقت آزمائی میں کامیاب نہ بنا سکے۔ پہلے ویتنام میں فوجی طاقت رسوا ہوئی۔ رہی سہی کسر ۱۹۷۳ء کی جنگ میں عربوں نے پوری کر دی اور امریکہ کا دم خم ختم ہوگیا اب امن و مفاہمت کی جستجو میں سرگرداں ہیں۔ کبھی چاؤ ماؤ کے پیچھے بھاگتے ہیں تو کبھی کوسی گن کے در پہ دستک دیتے ہیں۔ کبھی سادات پہ ڈورے ڈالتے ہیں اور کبھی ہندوستان کو مناتے ہیں اور دل ہی دل میں یہ گنگناتے ہیں کہ

جو خود حق سے مٹ جاتا ہے وہ باطل ہوتا ہے



اظہار الحسن ایم اے ایم فل

[illegible]

سسپنس کے بلند ذوق قارئین نے "مشتعارات" کو بھی پہلے دوسرے افسانوں کی طرح بہت پسند کیا اور مجھے خوبصورت خط لکھے۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اُن تمام کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے "سسپنس" کا سہارا لے رہا ہوں ـــــ ایک اور تازہ ترین افسانہ "محسن" حاضر ہے۔ دنیا میں ان گنت قسم کے احسان، محسن اور احسان مند موجود ہیں۔ لیکن اِس افسانہ کا محسن اور احسان مند اپنی مخصوص نوعیت کے ہیں۔ کبھی کبھی وقت کے چند لمحے بھی ہماری پوری زندگی کا عنوان بدل دیتے ہیں۔ یہ محض افسانوی بات نہیں ہے، حقیقی زندگی کے حادثات سے بہت قریب کی بات ہے ـــــ آپ کی گرانقدر رائے اور قارئین کی آراء کا منتظر رہوں گا۔

والسلام ـــــ اظہار الحسن

★

[illegible] میموریل ڈگری کالج کے پرنسپل کی پوسٹ کا انٹرویو [illegible] بیٹھتے ہی مجھے ایک نمایاں خوشی کا احساس ہوا تھا۔ چند سال سے [illegible] کی نوکری کرتے کرتے میں بیزار سا ہو گیا تھا اور [illegible] ایک ہفتہ باقی تھا اور [illegible] ایک ہفتہ [illegible] سال کی طرح گزرا تھا۔

[illegible] تاریخ پر [illegible] کالج پہنچ گیا تھا۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] کے ساتھ [illegible] سے معلوم ہو گئی ہیں۔

جیسا آپ کو بھی پتہ ہے مجھے ایک تجربہ کار شخص کی ضرورت تھی جو کالج کو اپنا کالج سمجھے اور لگن اور ایمان داری کے ساتھ کام کرے۔ آپ [illegible] تشریف رکھیے مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔

[illegible] کر رہے تھے کہ [illegible] موجود تھی۔

"شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں ـــــ مگر صاحب!"

"میری پہلی ہی نظر نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ [illegible] صاحب ہیں نا؟"

"جی ہاں میرا نام [illegible] ہے۔ لیکن یہاں مجھے سب لوگ سر [illegible] کے نام سے جانتے ہیں۔ [illegible] صاحب کے انتقال کے بعد [illegible] میں [illegible] مقرر کیا گیا ہے۔ اگر آپ اس کالج کی [illegible]

[illegible] آ گئے ہیں [illegible]
[illegible] دنوں میں انھی کے
[illegible]

[illegible] سامنی کی سمت
[illegible]

[illegible] حادثات کا مرکز۔۔۔
[illegible] کے ساتھ میرے برابر والے کمرے
[illegible] عبرت وا شتہاب سے
[illegible] تھا۔ جس کا اندازہ شایدخاں صاحب
[illegible] ایک شام کہنے لگے۔۔۔ مسٹر
[illegible] اور دل کے معاملے میں کوئی قانون
[illegible] وقت [illegible] بھی ہے گزرنے کے لئے۔ لیکن یہ دل
[illegible] جوان ہوسکتا ہے اور جوان ہوکر بھی بوڑھا۔۔۔
[illegible] بکھر گیا تھا۔ رشو میرے برابر والا کرسی
[illegible] گنگناتی ہوئی آ رہی تھی۔

ایک شام میں کشتی پر بیٹھا رشو کا انتظار کر رہا تھا جہاں وہ
[illegible] کے پہاڑ کے دامن کے گہرے ہوتے
جا رہے تھے۔ پوری وادی فطرت کی آغوش میں ایسی معلوم ہو رہی
تھی جیسے کسی ماں کی گود میں بچی اٹھلا رہی ہو۔ میں رشو کے خیال میں گم بیٹھا
تھا کہ پیچھے سے دو کنول کی کوپلوں نے میری آنکھیں ڈھانپ
دی تھیں۔ 'رشو!' میری زبان سے نکلا تھا اور فضا میں جلترنگ
بج اٹھا تھا۔ وہ کشتی پر اس انداز سے بیٹھی کہ اپنے
دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنا خوبصورت چہرہ ہتھیلیوں
پر رکھ لیا تھا۔۔۔۔۔۔ اور مجھے اسٹیٹ پر رکھا آئینہ
یاد آنے لگا تھا۔

کشتی کے جنبش کرتے ہی رشو نے [illegible] کا سہارا لے کر
[illegible] تھی اور مجھے خاں صاحب کی [illegible]
[illegible] تھا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
یا نہیں بے پناہ [illegible]
[illegible] تھا [illegible]
کی آنکھوں، [illegible]
[illegible] آواز [illegible]
وہ چھپ گئی تھی۔۔۔۔۔ [illegible]
رشو کو بہت تاکید کر رہی تھی۔
خاں صاحب کہنے لگے [illegible]
یہی کہا۔۔۔۔۔ 'رشو! آپ [illegible]
نیدی کے ساتھ [illegible] آ گیا [illegible]
شکریہ!'
[illegible] پھر گھر کر پڑے [illegible]
[illegible] ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ [illegible]
تازہ پھولوں کی تازگی اور [illegible]
خوشبو کے شاور نے ماحول کو معطر کر دیا تھا۔ [illegible]
کیف و سرور میں ڈوب گئی تھی۔
'معاف کیجئے گا میں آپ کو پہلے [illegible]
وہ صوفے کے بازو پہ بیٹھ گئی تھی۔
'اور میرا خیال ہے میں آپ کو [illegible]
'اچھا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ [illegible]
کہتے ہوئے اس نے [illegible]
سے شراب انڈیلتا ہے۔
[illegible] کے متعلق میں [illegible]
کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

# غزل

[illegible] ایم اے [illegible]

لب شعلہ رخسار پہ رنگِ گل سا ہے

[illegible]

ہر محفل میں جو ہنستے ہنستے [illegible] ہے

دُنیا نے اُسے پیار کا انداز کہا ہے

ہونٹوں پہ ہنسی چہرہ پہ جو رنگِ حیا ہے

اُلفت کا حسیں پیغام میں اقرار چھپا ہے

ہر انگ میں اُبھرا ہوا وہ جوشِ جوانی

سر تا بہ قدم ایک قیامت سی بپا ہے

محبوب کا ہر ناز ہر اک غمزہ و انداز

دیکھو تو ادا ہے اُسے سمجھو تو قضا ہے

اے بادِ صبا چھیڑ نہ یوں غنچہ و گل کو

احساس بہت [illegible] رہا ہے

دل ٹوٹ کے آتا ہے جب آتا ہے کسی پہ

عارف یہ جوانی بھی قیامت ہے بلا ہے

جہاں میرے خوابوں کا شہنشاہ رہا کرتا تھا اور لمبی لمبی سانس لیتا تھا میرے سامنے [illegible] لگتا ہے اور میرا [illegible] لگتا ہے۔ یہ [illegible] ساتھ [illegible] کبھی ہاتھ [illegible] کبھی۔ [illegible] کبھی دھیان نہیں جاتا [illegible] اس عظیم الشان عمارت

[illegible]

[illegible] ہیں۔

ہم [illegible] آپ سوچتے ہوں گے میں بہت [illegible] میری دوست لڑکیاں بھی مجھے بہت [illegible] حقیقت [illegible]

بحیثیت پرنسپل سنبھالا [illegible] بہت خوشی ہوگی۔ آئیے گھر چلیں۔ ایک مدت کے بعد ملاقات ہوئی ہے نہ جانے کتنی یادیں دفن ہیں ماضی کے مقبرے میں۔"

مسٹر خان نے کار اسٹارٹ کی اور میرا ذہن ماضی کی سمت دوڑنے لگا ——

شملہ... پہلی ملاقات، یادوں کا سنگم، حادثات کا مرکز...

رشو اپنے عمر رسیدہ شوہر کے ساتھ میرے برابر والے کمرے میں "ہیرالڈ ڈائز ہوٹل" میں ٹھہری ہوئی تھی۔ میں حیرت و استعجاب سے اُس جوڑے کے تضاد کو دیکھتا تھا۔ جس کا اندازہ شاید خاں صاحب کی تجربہ کار نگاہوں نے کر لیا تھا —— ایک شام کہنے لگے —— "مسٹر زیدی کیا سوچتے ہو؟ عمر کے سال اور دل کے معاملے میں کوئی تال میل نہیں ہوتا —— وقت تو ہوتا ہی ہے گزرنے کے لئے۔ لیکن یہ دل بڈھا ہو کر بھی جوان ہو سکتا ہے اور جوان ہو کر بھی بوڑھا ——"
اور ایک مصنوعی قہقہہ فضا میں بکھر گیا تھا۔ رشو میرے برابر والی کرسی پر بیٹھی کافی کے تلخ گھونٹ حلق سے اُتار رہی تھی۔

ایک شام میں کشتی پر بیٹھا رشو کا انتظار کر رہا تھا جہاں وہ اسکیٹنگ کے بعد آنے والی تھی۔ شام کے دُھندلکے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ پوری وادی فطرت کے آغوش میں ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے کسی ماں کی گود میں پہلی اولاد! میں رشو کے خیالی پیکر بناتے میں محو تھا کہ پیچھے سے دو کنول کی کونپلوں نے میری آنکھیں ڈھانپ دی تھیں 'رشو!' میری زبان سے نکلا تھا اور فضا میں جل ترنگ بج اُٹھا تھا۔ وہ کشتی پر اِس انداز سے بیٹھی کہ اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنا خوبصورت چہرہ ہتھیلیوں پر رکھ لیا تھا —— اور مجھے اسٹینڈ پر رکھا آئینہ یاد آنے لگا تھا۔

کشتی کے جُنبش کرتے ہی رشو سیٹ کے تکیہ کا سہارا لے کر نیم دراز ہو گئی تھی اور مجھے خاں صاحب کی قسمت پر رشک آنے لگا تھا۔ سفید بیل باٹم پر چپکی ہوئی بشرٹ، شانوں پر کھلے ہوئے ریشمیں بال اِسی طرح پھیلے تھے جیسے کسی طوفانی ہوا کے جھونکے نے سنبل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہو۔ کشتی جھیل کے وسط میں آ چکی تھی۔ رشو کے اشارے پر کشتی کے پہاڑی ملاح نے چپوؤں کی حرکت روک دی تھی۔ کچھ دوسری کشتیاں بھی ساکت و جامد تھیں۔ چاروں طرف پہاڑیوں پر چاندنی کی ہلکی گہری پرچھائیاں تیر رہی تھیں۔ ماحول پُر سکوت تھا۔ جھیل کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ ستاروں کی دُنیا چمک رہی تھی اور چاند اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

"ڈگلریز! یہ تنہائیاں، یہ پُر سکون وادیاں، یہ ساکت جھیل کی لہریں، جوان و پُر شباب ماحول۔ ہم سے کچھ چاہتا ہے ڈگلریز!"
رشو کی نشیلی بوجھل آواز نے مجھے قریب لاتے ہوئے متوجہ کیا تھا۔ وہ بہکنے لگی تھی —— میں نے کشتی واپس کرنے کو کہا تھا —— اور رشو کو یہ بات ناگوار گذری تھی۔

خانصاحب کلب میں برج کھیل رہے تھے رشو کو دیکھتے ہی بول اُٹھے —— اوہ رشو! اتنی جلدی!! اچھا ایسا کیجئے آپ مسٹر زیدی کے ساتھ ہوٹل چلئے میں بس ابھی آتا ہوں۔ مسٹر زیدی پلیز! تھینکس!'

ہوٹل پہونچ کر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد میں اخبار دیکھ رہا تھا کہ رشو گلابی سلیپنگ گون میں داخل ہوئی۔ چہرے پر گلاب کے تازہ پھولوں کی تازگی، ہونٹوں پر کلیوں جیسی مُسکراہٹ اور جسم سے خوشبو کے شاور نے ماحول کو معطر کر دیا تھا۔ فضا نکہت دلنوز کیف و سُرور میں ڈوب گئی تھی۔

'معاف کیجئیگا میں آپ کو بہت بور کرتی ہوں!' کہتی ہوئی وہ صوفے کے بازو پر بیٹھ گئی تھی۔

'اور میرا خیال ہے میں آپ کو بہت پریشان کرتا ہوں'۔

'اچھا چلو۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں!' کہتے ہوئے اُس نے اِس طرح قہقہہ لگایا جیسے کوئی بھری ہوئی بوتل سے شراب انڈیلتا ہے۔

خوشگوار گفتگو کے دُوران میں نے رشو اور خانصاحب کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ رشو یک لخت سنجیدہ ہو گئی۔ اُس نے خانصاحب سے شادی کے سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا:

"یہ تو آپ تسلیم کیجئے کہ دولت دنیاوی خدا کا درجہ رکھتی ہے۔ خانصاحب لاکھوں کی جائداد کے تنہا مالک ہیں۔ تین شادیاں کر چکے ہیں۔ بیٹے کی تمنا خانصاحب کو روزِ ازل ہی سے اور آج بھی باقی ہے جب پیسہ ہو، مواقع ہوں اور طبیعت بھی من چلی ہو تو بغیر عورت کے زندگی کس

طرح رنگین ہوسکتی ہے۔ خانصاحب یہ کس طرح گوارا کرسکتے تھے کہ دو بیویوں کی مفارقت کے بعد بغیر "عشرتِ زندگی" کے زندگی بسر کریں، جبکہ گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہو۔ لڑکی کی تلاش شروع ہوئی اور بدقسمتی یا خوش قسمتی سے میری کلائی خانصاحب کے ہاتھ لگ گئی اور میں اُن کی بیوی بن گئی ——— ہر جوان لڑکی کی طرح کچھ سنہرے خواب، شرمیلی نوخیز آرزوئیں، اچھوتی خواہشیں میرے دل میں تھیں جو خانصاحب کے طلائی زیورات اور نقرئی سکّوں کے تلے دم توڑ رہی ہیں۔ خانصاحب نے مجھے ہر طرح آزادی دے رکھی ہے اور وہ مجھے زیادہ سے زیادہ خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اِس نازونعم اور آزادی سے مجھے کبھی کبھی نفرت ہونے لگتی ہے۔ میری حالت اُس تیز بہتی ہوئی ندی کی طرح ہے جو جس وقت اور جس سمت چاہے اپنا دھارا موڑ سکتی ہے۔ جس سمت چاہے بہہ سکتی ہے میرا دل خواہش کرتا ہے۔ کاش اِس ندی پر کوئی مضبوط ساحل ہوتا، کوئی اٹل باندھ ہوتا جو اِس کی سمت کا تعین کرتا اور ندی کی بھٹکتی لہریں اُس ساحل کی آغوش میں اماں پاتیں۔ میں ساری آسائشوں کے باوجود اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر پاتی۔ ایک خلش ہے، ایک کسک ہے جو رہ رہ کر مجھے پریشان کرتی ہے۔ ایک تشنگی ہے جو دریا میں رہتے ہوئے بھی پیاسا رکھتی ہے۔ ایک بھوک ہے جو مجھے بہکاتی، ورغلاتی ہے، بغاوت پر آمادہ کرتی ہے اور میرے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ اور..... کچھ کہتے کہتے وہ خاموش ہوگئی۔ جذبات کی شدت سے اُس کا گلا روندھ گیا اور مجھے اُن پرندوں کی یاد آنے لگی جو سونے کے پنجرے میں قید رہنے کی بجائے بھوکے پیاسے رہ کر کھُلی فضا میں پرواز کرنا پسند کرتے ہیں۔

وہ پھر بولنے لگی ——— آپ سوچتے ہوں گے میں بہت خوش قسمت ہوں۔ میری دوست لڑکیاں بھی مجھے بہت خوش نصیب سمجھتی ہیں اور جب میں خود کو فریب دیتی ہوں تو میں بھی ایسا ہی سوچتی ہوں۔ لیکن جب روح کی گہرائیوں سے دُھواں اُٹھتا ہے تو فریب کی یہ چادر دُھندلکوں میں گم ہو جاتی ہے۔ میں سونے کی گرمی سے پگھلنے لگتی ہوں۔ نازونعم کی یہ ریت کی دیواریں بگولوں کے ساتھ اُڑ جاتی ہیں اور باقی رہ جاتی ہے حقیقت۔ صرف حقیقت۔ جہاں میرے خوابوں کا شہنشاہ کھانستا ہوا اور لمبی لمبی سانس لیتا ہوا میرے سامنے لڑکھڑانے لگتا ہے اور میرا سُلگتا ہوا بدن جلنے لگتا ہے۔ یہ ہمارا سماج، ہماری سوسائٹی اپنی دُکھتی رگ پر کبھی ہاتھ نہیں رکھتی۔ جسم کے بدنما رستے ہوئے ناسور پر اِس کا کبھی دھیان نہیں جاتا اور جا بھی کس طرح سکتا ہے۔ سماج کی اِس عظیم الشان عمارت

## غزل

محمد عثمان عارف نقشبندی ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی۔ ایم پی

لب شعلۂ رُخسار پہ رکھنے کی سزا ہے
دِل چاندنی راتوں کی بھی ٹھنڈک میں جلا ہے

محفل میں جو ہنستے ہوئے مُنہ پھیر لیا ہے
دُنیا نے اُسے پیار کا انداز کہا ہے

ہونٹوں پہ ہنسی چہرہ پہ جو رنگِ حیا ہے
اُلفت کا حسیں پردوں میں اقرار ہوا ہے

ہر انگ میں اُبھرا ہوا وہ جوشِ جوانی
سرتا بہ قدم ایک قیامت سی بپا ہے

محبوب کا ہر ناز، ہر اِک غمزہ و انداز
دیکھو تو ادا ہے اُسے سمجھو تو قضا ہے

اے بادِ صبا چھیڑ نہ یوں غنچہ و گُل کو
حسّاس بہت ہوں مِرا دل ڈوب رہا ہے

دل ٹوٹ کے آتا ہے، جب آتا ہے کسی پر
عارفؔ یہ جوانی بھی قیامت ہے بلا ہے

کی بنیادیں سونے اور چاندی کے لاوے سے بنی ہیں۔ ہر سمت پیسہ، پیسہ! یہ سوسائٹی کیا ہے؟ پیسے کی دبیز چادر ہے جس کے اندر تمام کالی کرتوتوں کو پناہ ملتی ہے۔ ذرا اِس سنہری چادر کو ہٹا کر دیکھئے سماج اور سوسائٹی کے بدنما اور داغدار جسم عریاں ہو کر رہ جائیں گے۔

رشو ایک قومی رہنما کی طرح بول رہی تھی اُس کے ہر ہر لفظ سے صداقت پھوٹ رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا، اِس معصوم سی لڑکی کے دل میں کتنے شعلہ فگن جذبات ہیں! گفتگو کے درمیان خانصاحب آ گئے۔ انھوں نے بہت پیار بھرے انداز میں معذرت کے ساتھ کہا تھا۔ "ڈارلنگ! معاف کرنا آج پھر دیر ہو گئی۔ بہت چاہا جلد اُٹھ جاؤں۔ لیکن صاحب یہ کمبخت برج بس وقت کی دشمن ہے دشمن! ایک گھنٹہ، بیس منٹ کا معلوم ہوتا ہے!"

ایک رات ——

خانصاحب کی برج کا فائنل میچ تھا وہ کلب ہی میں رُک گئے تھے اور میں اور رشو ہوٹل واپس ہوئے تھے۔ کھانے کا پروگرام بھی رشو ہی کے ہاں تھا۔ اُس سے پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ لیکن آج کی رات رشو کے انداز کچھ بدلے ہوئے تھے۔ اُس کے بے ترتیب کھلے کھلے بال رُخساروں کے گلاب چُرا رہے تھے۔ نیم باز آنکھوں میں گھلی ہوئی مستی کے سُرخ ڈورے، لبوں پر بکھری ہوئی پیاسی شوخ مُسکراہٹ، دعوتِ شوق دے رہی تھی۔ رات کی خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ پہاڑی کے سینے سے اُٹھتا ہوا دُھواں فضا میں دُھندلکوں کو گہرا کر رہا تھا۔ ہوٹل کی زندگی سو چکی تھی۔ گرم حوالی ملازم ایک دوسرے سے چمٹے خراٹے لے رہے تھے۔ اسٹول پر بیٹھا گورکھا چوکیدار دیوار کا سہارا لے چکا تھا اور بڑے بڑے بالوں والا کتا ایک کونے میں گٹھری بنا پڑا تھا۔

"کیا مجھے خود اِس رات کا مطلب سمجھنا ہو گا گلریز!" رشو نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا رشو کے بدن سے بھاپ اُٹھ رہی تھی۔ میرے اندر ضمیر اور نفس کی جنگ چھڑی تھی۔ نفس کو حُسن و شباب کی کمک پہونچ رہی تھی، ضمیر زخمی ہو رہا تھا۔

جذبات کے سوتے کی تڑک میں ضمیر کے شمعی [illegible] تھیں۔ رشو کے حُسن کا نشہ مجھے قریب بلا رہا تھا اور میں نے رشو کا ہاتھ ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔ "رشو! تم نے کہا تھا تم ایک آلاؤ بنی ہوئی ہو کی مانند ہو۔ تم اپنا راستہ نہ چھوڑو۔ ندی جب اپنا راستہ چھوڑ کر بہتی ہے تو نجانے کتنے بے گناہوں کا خون اپنے سر لیتی ہے۔ کتنی آبادیوں کو ویرانے میں بدل دیتی ہے۔ کتنی سرسبز لہلہاتی کھیتیاں [illegible] برباد ہو جاتی ہیں۔ تم سے میری یہی التجا ہے کہ سماج نے تمہاری جو راہ بنا دی ہے اُسے نہ چھوڑو۔ یہی وہ راستہ ہے جو تمہاری منزل کو جاتا ہے۔ یہ جذباتی لمحے تمہاری زندگی کو برباد کر سکتے ہیں۔ تمہاری لغزشیں تمہارے مستقبل کی عمارت کو مسمار کر سکتے ہیں۔ خانصاحب اور تمہارے درمیان اعتماد کی جو دیوار ہے اُسے نہ ڈھاؤ —— طوفان گزرنے کے بعد اُس کی تباہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اِس جذباتی طوفان کی زد سے بچو رشو! ٹھنڈے دل سے غور کر کے فیصلہ کرو۔ ٹھنڈے دل سے کئے ہوئے فیصلوں کی بُنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ وہ دیرپا ہوتے ہیں ....، میری باتیں سُن کر رشو کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی —— میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا تھا۔

وہ رات عجیب کشمکش میں گزری تھی۔ مجھے خود اپنے پر حیرت ہو رہی تھی یہ سب کچھ کس طرح ہو گیا اور میں نے اِس بھیانک طوفان سے اپنے کو کس طرح بچا لیا۔ حُسن و شباب کی تند آندھی میں کس طرح میرے ضمیر کا چراغ روشن رہا —— یہ بات آج بھی میری سمجھ سے باہر ہے۔

ایک ماہ بعد ہی شملہ سے واپس آ گیا تھا۔ اس کے بعد میری ملاقات کبھی رشو سے نہیں ہوئی۔

وقت کا تیز رو دریا بہتا رہا۔ یادوں کی کشتی ہچکولے کھاتی رہی۔ رشو کے خیالات کی شمع آہستہ آہستہ پگھلتی رہی اور ایک دن آیا جب یہ شمع موم بن کر یادوں کے دریچوں سے [illegible] کار کے بریک نے مجھے ماضی سے گھسیٹ کر حال میں پہونچا دیا۔ رشو کے ساتھ ساتھ میں ایک عالیشان مکان میں داخل ہوا۔ پُرتکلف ڈرائنگ روم میں خانصاحب کی تصویر کا پورٹریٹ سیمیں فریم میں چمک رہا تھا اور قد آدم آئینے کے [illegible] اور میری تصویر خوبصورت فریم میں مُسکرا رہی تھی جس کے [illegible]

## غزل

مخمور سعیدی

ہنس کر جو مجھے دیکھا بے وجہ کو کب دیکھا
اُس نے مری باتوں میں کچھ حُسنِ طلب دیکھا

خود اپنے ہی اندر کیا منظر تھے قیامت کے
اب تک جو نہ دیکھا تھا آنکھوں نے وہ اب دیکھا

یہ خواب تو تھا جیسے آنکھوں میں ہمیشہ سے
کچھ یاد نہیں آتا پہلے تجھے کب دیکھا

کٹتے ہوئے ساحل پر ٹھہرا نہ کوئی دم بھر
چڑھتے ہوئے دریا کا جب قہر و غضب دیکھا

گم گشتہ بہاروں کی رُوداد سناتے تھے
سوکھے ہوئے پتّوں کو افسانہ بہ لب دیکھا

روشن تری یادوں سے تھیں دن کی گزرگاہیں
آباد ترے غم سے کاشانۂ شب دیکھا

کانوں نے جو سُنتے تھے سُن سُن کے ہی ڈرتے تھے
مخمورؔ ان آنکھوں سے ہم نے بھی وہ سب دیکھا

## غزل

باوا کرشن گوپال مغمومؔ بی۔ اے

کشمیری گلشنوں سے سج کر کون آنگن میں آیا ہے
مستانوں نے کس کا آنچل میرے سے سرکایا ہے

مست جوانی، نین شرابی، شوخ ادا، متوالی چال
میرا سپنا سچا ہو کر میرے سامنے آیا ہے!

اُس کی آنکھوں کے ڈوروں میں سُرخ شراب کے جلوے ہیں
اُس نے شاید میری خاطر اِک ساغر چھلکایا ہے

تجھ کو بھی معلوم تو ہو گا مَیں نے ساری عمر یونہی
تیری یاد میں آنسو پی کر تیرا ہی غم کھایا ہے

اِس کو اور بھی بھڑکاتی ہے میرے اشکوں کی برسات
پاک محبت کے شعلے نے میرا دل گرمایا ہے

اُس میں میرے دل کی دھڑکن اے مغمومؔ کوئی سُن لے
جو بھی غزل لکھی ہے مَیں نے، جو بھی گیت سُنایا ہے

## غزل

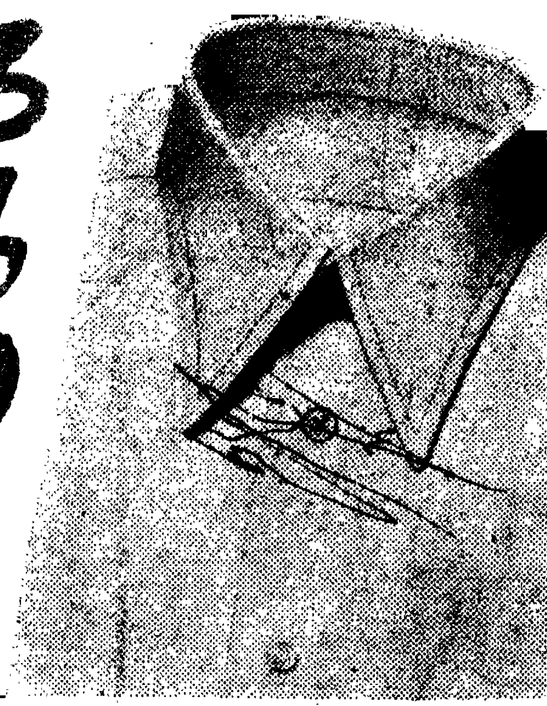
مسز رفیعہ شبنم عابدی ایم۔ اے بی۔ ایڈ

غیروں کے لب پہ ہے مرے اشکِ نہاں کی بات | پہنچی اُس انجمن میں کہاں تک کہاں کی بات
صیّاد کو عزیز مرے بال و پر کا ذکر | ہے برق کو پسند مرے آشیاں کی بات
اِتنا ہی شوق اگر ہے تو پھر آزما ہی لو | ہر وقت کرتے رہتے ہو کیوں امتحاں کی بات
ناصح! خدا کے واسطے خاموش ہو بھی جا | معلوم خود ہمیں بھی ہے سود و زیاں کی بات

شبنمؔ جہاں میں یوں تو زبانیں ہیں بے شمار
لیکن کچھ اور ہے مرے اُردو زباں کی بات

# ایک کے دام چکائیے اور پائیے تین قمیصیں

1 = 3
2 = 6
3 = 9



یہ سن کر آپ چونک اٹھے ہوں گے کیونکہ 'ٹیرین'® میں واقعی چونکا دینے والے فائدے ہیں۔ 'ٹیرین' کی قمیص ایک عام قمیص کے مقابلے میں تقریباً ۳ گنا زیادہ چلتی ہے۔ قیمت اس کی زیادہ ہوتی ہے ضرور لیکن اس سے ۳ گنی زیادہ مدت تک یہ چلتی بھی تو ہے۔ اسی لئے 'ٹیرین' ٹریڈ مارک دیکھ کر خریدنے سے آپ فائدے میں رہتے ہیں۔

نہ صرف یہ کہ 'ٹیرین' کپڑے بہت دنوں چلتے ہیں بلکہ ان کی دیکھ ریکھ میں بھی بڑی سہولت ہے۔ خرچیلے لانڈری بلوں سے آپ نجات پا جاتے ہیں۔ 'ٹیرین' کی قمیصوں کو آپ گھر پر ہی آسانی سے دھو سکتے ہیں اور بے فکری کے ساتھ پہن بھی سکتے ہیں۔ پھر بھی سلوٹوں کا نہ نام نہ نشان۔

**کپڑے پر آپ صرف 'ٹیرین' ٹریڈ مارک دیکھ کر ہی اس کی کوالٹی کے بارے میں پورے اطمینان کا اظہار کر سکتے ہیں۔**

TERENE

® 'ٹیرین' کیمیکلس اینڈ فائبرس آف انڈیا لمیٹیڈ کا رجسٹرڈ ٹریڈ مارک ہے۔

CHAITRA-CAFI-313 UR

# اُنسیت

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد محی الدین سبحانی ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی
شعبۂ سیاسیات آر۔ ڈی۔ ایس کالج مظفر پور (بہار)

محترمی! تسلیمات

جولائی کے افسانہ نمبر میں میری کہانی "دوسرا مرد" آپ نے شائع کی تھی۔ جسے قارئین نے بیحد پسند کیا۔ بہت سے خطوط موصول ہوئے۔ اُن خطوط ہی کے ذریعہ مجھے معلوم ہوا کہ میری کہانی افسانہ نمبر میں شریک ہے۔ یہاں ڈاک کی بدعنوانی کے باعث "بیسویں صدی" نہیں مل پاتا۔ جب میں نے ریلوے بک اسٹال پر جولائی کا شمارہ تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ سارا کا سارا آتے ہی بک چکا ہے۔ آخر ایک دوست کے یہاں سے وہ شمارہ منگوانا پڑا ——— "ایک افسانہ "ادھورے سپنے" بھیجا تھا۔ اُس کی بھی رسید اب تک نہیں ملی۔ ایک کہانی بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے آپ کو اور قارئین "بیسویں صدی" کو پسند آئیگی۔ اپنے ایک ناول کے پلاٹ کو میں نے کہانی کا روپ دیا ہے۔ اب اپنی رائے اور رسید روانہ کریں۔

نیازمند ——— سید محمد محی الدین سبحانی

★

دروازہ کھول کر جوں ہی ڈاکٹر سنہا کمرے میں داخل ہوئے سولہ سترہ سالہ شیل کے ننگے گداز شانوں اور سفید مرمریں سڈول باہوں کو دیکھ کر ٹھٹک سے گئے۔ اُس کے تارتار شلوار اور فراک کے ٹکڑے فرش پر بکھرے پڑے تھے۔ اپنی لمبی سیاہ زُلفوں کو شانوں پر بکھرائے وہ دیوانوں کی طرح دیوار سے لگی چھت کو گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر سنہا کو دیکھتے ہی تقریباً چیخ سی پڑی، "ہلو ڈیڈی! ہلو!" اور اُنکے احتجاج کے باوجود وہ بچوں کی طرح اُن سے لپٹ گئی۔ ڈاکٹر سنہا کے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔ سولہ سترہ سال کی تنگ دھڑنگ خوبصورت لڑکی کے گلابی جسم کو دیکھ کر جذبات کی شدت سے اُن کے سارے جسم میں ایک گرم لہر سی دوڑ گئی۔ وہ لپک کر اُن کے کوٹ کا کالر پکڑ کر کہنے لگی ——— "ڈیڈی! تم اب مجھے چھوڑ کر مت جانا، نہیں تو میں مرجاؤں گی! ڈیڈی! مت جانا!" قریب قریب وہ رو پڑی۔

اِتنے میں مسز شرما آگئیں۔ اُنہوں نے بہت ہی پیار سے شیل کو سمجھایا۔

"شیل! شیل ہوش میں آؤ، یہ تمہارے ڈیڈی نہیں ڈاکٹر سنہا ہیں!"

"نہیں! نہیں! یہ میرے ڈیڈی ہیں!" وہ بچوں کی طرح دیوار پر مُکّے برسانے لگی۔ ڈاکٹر سنہا اپنے سفید کوٹ کا کالر درست کرتے ہوئے فوراً ہی مسز شرما کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اُنہوں نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے مسز شرما سے کہا ——— "آپ کو اِنہیں مینٹل ہوسپٹل میں داخل کرانا ہی ہوگا۔ کل صبح انہیں لے کر آپ ہوسپٹل چلے آئیے۔ گھبرانے

کی کوئی بات نہیں ہے سب ٹھیک ہو جائیگا۔" مسز شرما کے چہرے کی افسردگی اُسی طرح برقرار رہی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اُنہیں کار تک رخصت کرنے آئیں۔

اگلے روز دن کے دس بجے مسز شرما شیل کو لے کر ہنٹس ہوسپٹل پہنچ گئیں۔ ڈاکٹر سنہا کو تلاش کرنے میں اُنھیں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ داخلے کا فارم بھر کر اُنہوں نے ڈاکٹر سنہا کے سامنے بڑھا دیا۔ فارم پر دستخط کر کے وہ شیل کا معائنہ کرنے سات نمبر روم میں گئے۔ شیل شیفون کی اُلٹی سیدھی ساری لپیٹے، وارڈ بوائے اور نرسوں کی گرفت سے نکلنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اُس کی چیخوں کی آواز سارے وارڈ میں پھیلی ہوئی تھی "بچاؤ! بچاؤ یہ لوگ مجھے جان سے مار ڈالیں گے!" اُس نے اپنا بلاؤز پھاڑ ڈالا تھا۔ اُس کا سینہ برہنہ ہو گیا تھا۔ معائنہ کے دوران اُس کے جواں جسم سے اُٹھتی ہوئی مدہوش کن خوشبو نے ڈاکٹر سنہا کے دل میں اُس کے لیے ایک نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ اُس کے کیس میں زیادہ دلچسپی لینے لگے تھے۔ معائنہ کے بعد پیشنٹ اٹینڈنس روم میں داخل ہوتے ہی اُنہوں نے مسز شرما سے دریافت کیا، "آپ مجھے کیس ہسٹری سنائیے۔" مسز شرما آنکھوں میں آنسو بھر کر آہستہ آہستہ کہنے لگیں ——— "ڈاکٹر! شیل کی یہ حالت پچھلے ہفتے سے ہے۔ بچپن ہی سے اِسے اپنے ڈیڈی سے بیحد پیار تھا اور آج اُسی پیار نے اس کی یہ حالت بنا دی ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں میرے ہزبنڈ ڈاکٹر شرما کو شکاگو گئے تین سال سے بھی زیادہ ہو گئے۔ شیل تین سال سے برابر اپنے ڈیڈی کے واپس آنے کے سپنے دیکھتی رہی ہے اور گذشتہ ہفتے جب اُن کا ایک خط آیا کہ اُنہوں نے ایک امریکن لیڈی سے سول میرج کر لی ہے اور اِدھر آنے کا کوئی ارادہ نہیں تو شیل بیچین ہو اُٹھی اور اُن کی تصویریں سے لپٹ کر چیخنے لگی اور اپنی یہ حالت بنا ڈالی۔"

ڈاکٹر سنہا نے کیس ہسٹری نوٹ کر کے اطمینان کی سانس لی اور بولے "اب آپ جا سکتی ہیں۔ اگر ضرورت پڑی تو میں آپ سے فون پر باتیں کر لوں گا۔" مسز شرما بوجھل قدم اُٹھاتی کمرے سے نکل آئیں۔ ڈاکٹر سنہا کی زندگی میں یہ کیس اپنی نوعیت کا پہلا کیس تھا۔ اِنہیں شیل سے ہمدردی سی ہو گئی تھی۔ اُس کی معصومیت اور بھولے پن نے

اُن کے دل میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی۔ اپنی زندگی کے کئی سال انگلینڈ میں گزارنے کے باوجود وہ کسی لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ شیل کے لئے اُن کے دل میں ایک جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اِس کیس کے سلسلے میں اُنہوں نے کئی تجربہ کار ڈاکٹروں کی صلاح کی اور ہیجانی کیفیت کو دیکھتے ہوئے اُسے الکٹرک شاک دیئے۔ وہ مسلسل چیختی رہی اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

شام کو مسز شرما شیل کو دیکھنے ہوسپٹل آئیں تو وہ سو رہی تھی۔ اُس کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر معلوم ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر سنہا ہوسپٹل میں نہ تھے۔ فون پر مسز شرما سے باتیں ہوئیں، اُنہوں نے کہا وہ بہت جلد اُن سے ملنے اُن کے بنگلے پر آئیں گے اور بیماری کے نفسیاتی پہلو پر غور کریں گے۔

اگلے روز صبح سات بجے ہی ڈاکٹر سنہا مسز شرما سے ملنے اُن کے بنگلے پر گئے۔ اُنہوں نے مسز شرما کو اپنا فیملی البم لانے کو کہا۔ البم کے ورق اُلٹتے ہوئے اُنہوں نے شیل کے ڈیڈی کی کئی تصویریں جو مختلف پوز میں تھیں نکال کر اپنے بیگ میں ڈال لی اور مسز شرما سے دریافت کیا، "کیا آپ ڈاکٹر شرما کے ہابی (HOBBY) بتا سکتی ہیں؟"

"اُنہیں پینٹنگز کا بہت شوق تھا اور وہ ماڈرن آرٹ کے دلدادہ تھے۔" مسز شرما نے اُٹھتے ہوئے کہا، "آئیے میں آپ کو اُن کی کچھ پینٹنگز دکھاؤں۔" ڈاکٹر سنہا اُن کے ساتھ ہو لئے۔ ڈاکٹر شرما کے روم میں کینوس پر کھنچی بہت سی تصویریں بکھری پڑی تھیں کچھ پینٹنگز جو شیل کو بیحد پسند تھیں اُنہوں نے اپنی کار میں رکھ لیں اور گھنٹوں شیل اور ڈاکٹر شرما کے متعلق معلومات فراہم کرتے رہے۔

مسز شرما کہنے لگیں، "شیل تو زیادہ تر اپنے ڈیڈی کے قریب رہی ہے اور اُنہیں کو اپنا آئیڈیل مانتی رہی۔ میں زیادہ تر اسکول کے کاموں میں اُلجھی رہتی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اِسے اپنا زیادہ وقت نہ دے سکی۔"

ڈاکٹر سنہا نے اُٹھتے ہوئے کہا "مسز شرما! آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائیگا۔" مسز شرما کے افسردہ چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

ہوسپٹل پہنچ کر ڈاکٹر سنہا سیدھے شیل کے وارڈ کی طرف چل پڑے۔ نرس کو بلا کر اُنہوں نے کچھ خاص ہدایات دیں اور شیل کا

ڈاکٹر سنہا آہستہ سے اُس کے روم میں گئے۔ شیل پلنگ پر بیٹھی اپنی خوابیدہ پلکوں کو کبھی کھولتی کبھی بند کرتی تھی۔ سفید کاغذ کے ایک ورق کو اپنے سامنے کئے ہوئے اُس نے اپنی دونوں کہنیوں کو بستر پر ٹکا رکھا تھا اور ہاتھوں کے پیالے میں اپنے پورے چہرے کو لا کر اُس سادہ کاغذ کے ورق کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی، "ڈیڈی! ڈیڈی! تم کب آؤ گے؟ تم کب آؤ گے.....؟"

ڈاکٹر سنہا نے اُس کے قریب پہنچ کر بہت ہی پیار سے کہا "لاؤ میں تمہارے ڈیڈی کی تصویر دیکھوں؟" اور انہوں نے سادہ کاغذ کے اُس ورق کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور دل ہی دل میں مسکرا کر بہت پیار سے شیل کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اتنے میں نرس دودھ اور بریڈ لے کر آگئی۔ اُسے دیکھتے ہی شیل چیخ پڑی "بچاؤ! ڈاکٹر مجھے خون پلانے آگئی ہے! اس نے مجھے بہت مارا ہے۔ یہ دیکھو زخم۔ میں نے زخم پر پٹیاں باندھ رکھی ہیں" اُس نے اپنی رانوں کو قریب قریب ننگی کر دیا۔ ڈاکٹر سنہا نے غور سے دیکھا۔ شیل نے ساری کا آنچل پھاڑ کر دو تین جگہ رانوں میں پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔

"گھبراؤ مت، میں سب ٹھیک کر دوں گا" انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا اور خود آہستہ آہستہ شیل کے پاؤں کی پٹی کھولنے لگے۔ دودھ کا گلاس اُٹھا کر انہوں نے بہت پیار سے شیل کے لبوں سے لگا دیا۔ شیل بچوں کی طرح ضد کرنے لگی، "میرے ڈیڈی کب آئیں گے؟ میرے ڈیڈی کو بلوائیے!"

"پہلے دودھ پی لو، پھر ڈیڈی سے مل لینا" ڈاکٹر سنہا نے اُسے دودھ کا گلاس ختم کر لینے پر مجبور کیا اور اپنے کوٹ کی جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا "لو اپنے ڈیڈی سے ملو"

تصویر دیکھ کر شیل بچوں کی طرح خوش ہو کر زور زور سے ہنسنے لگی۔ ڈاکٹر سنہا اُسے ہنستی چھوڑ کر چل دئے۔

شام کو مسز شرما شیل کو دیکھنے آئیں۔ وہ اپنے ساتھ بہت سے نئے کپڑے سلا لائی تھیں۔ ڈاکٹر سنہا نے کپڑے بدلوا کر شیل کو لان میں لانے کو کہا۔ مریض کو چہل قدمی کرانا ضروری تھا۔ مسز شرما کی کوششوں کے باوجود شیل اپنا کمرہ چھوڑنے پر تیار نہ ہوئی بہت مشکل سے اُس نے [illegible] نئے فراک اور شلوار پہنے۔ جب ڈاکٹر سنہا کو خبر ملی کہ شیل کمرہ چھوڑنے کو تیار نہیں تو وہ خود ہی اُسے لانے کے لئے چل دئے۔ شیل کمرے میں بیٹھی بغیر پلکیں جھپکائے اپنے ڈیڈی کی تصویر دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر سنہا نے اُس تصویر پہ ایک دوسری تصویر رکھتے ہوئے کہا، "اپنے ڈیڈی کی یہ دوسری تصویر دیکھو۔ ایسی بہت سی تصویریں میرے پاس ہیں۔ آؤ میں تمہیں اپنے بنگلے کی سیر کراؤں۔" شیل چپ تھی اور نرس کو اپنے قریب آتے دیکھ کر زور زور سے چیخنے لگی، "بچاؤ! بچاؤ! ممی مجھے جان سے مار ڈالنے

# غزل

پروفیسر کرامت علی کرامت ایم۔ایس سی

ازل سے قافلۂ زندگی ہے محوِ خرام
کہ منزل اس کی کوئی صبح ہے نہ کوئی شام

جلا دو زیست کی راہوں میں شمعِ عزم و یقیں
کہ جس سے دوریٔ منزل ہو اک تصورِ خام

مرے شعور میں دھڑکن ہے قلبِ گیتی کی
مری زباں پہ مچلتا ہے وقت کا پیغام

شفق کا رنگ ہے اس میں کہ رنگِ پیراہن
جو خونِ دل سے میں بھرتا ہوں زندگی کا جام

جہانِ زلف میں، دار و رسن کی محفل میں
کہاں کہاں مجھے لے کر پھرا تصورِ خام

نہ دیکھ چشمِ عنایت سے مجھ کو اے ساقی
چھلک نہ جائے کہیں میری زندگی کا جام

شعورِ پختہ کے سانچے میں ڈھل گئے الفاظ
بلا سبب تو کرامت نہیں یہ حسنِ کلام

آرہی ہے!" اُس نے اپنے بچاؤ کے لئے نرس کے ہاتھوں سے ٹرے چھین لیا اور حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ ڈاکٹر سنہا نے اُسے پکڑ کر بیڈ پر لٹا دیا اور نرس نے انجکشن لانے کو کہا۔ دو منٹوں میں نرس نے اُس کے بازو پر انجکشن لگا دیا۔ وہ احتجاج کرتی اور شور مچاتی رہی۔ آخر تنگ آکر ڈاکٹر سنہا کو مجبوراً اُسے الکٹرک SHOCK کے لئے لے جانا پڑا۔ اُس کی چیخیں اور کراہیں دُور تک گونجتی رہیں۔

ایک ہفتے کے اندر اندر شیل کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہو گئی تھی۔ نرس اور مسز شرما کو دیکھ کر اس درمیان صرف ایک ہی بار دورا پڑا تھا۔ وہ چیختی چلاتی رہی تھی۔ "مجھے بچاؤ! مجھے بچاؤ! امی مجھے مار ڈالنے آرہی ہے!" جب وہ حد سے زیادہ پریشان کرنے لگی تو مجبوراً اُسے [illegible] لگانے پڑے۔ وہ بیہوش ہو گئی اور پھر ہوش میں آنے کے بعد بھی گھنٹوں سوتی رہی۔ اب وہ پہلے سے بہت بہتر معلوم ہو رہی تھی۔ برابر دودھ، سلائس اور دوائیں لیتی رہی۔ ڈاکٹر کی ہر بات وہ قریب قریب ماننے لگی تھی۔ اُن کا اشارہ سمجھتی تھی اور کبھی کبھی بغیر پلکیں جھپکائے اُن کی طرف دیکھنے لگتی۔

---

ایک دن شام کو ڈاکٹر سنہا شیل کو گھمانے لان میں لے گئے۔ یہاں سے وہ اُسے اپنے بنگلے پر لے آئے اور طرح طرح کے پھول توڑ کر اُنہوں نے اُس کے آنچل میں بھر دیا۔ وہ پھولوں کو لے کر بچوں کی طرح کھیلتی رہی۔ پھر تتلیوں کے پیچھے بھاگنے لگی۔ ڈاکٹر سنہا نے اُسے سنبھالا اور ایک بڑا سا گلاب توڑ کر اُس کے جوڑے میں لگا دیا۔ شیل خوش ہو کر بہت دیر تک اُن کے ساتھ چہل قدمی کرتی رہی۔ جب تھک گئی تو اُنہوں نے اُسے اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے نوکر سے کولڈ ڈرنک لانے کو کہا اور پائن ایپل جوس پیتے ہوئے اُسے اپنا البم دکھانے لگے۔ وہ بچوں کی طرح ڈاکٹر سنہا کی مختلف پوز میں کھینچی تصویروں کو دیکھتی رہی۔ چہرے پر عجیب عجیب طرح کی مسکراہٹیں بکھرتی رہی۔ کچھ دیر کے لئے سب کچھ سے بے خبر اُن تصویروں کے پیچھے کسی دوسرے چہرے کو تلاش کرتی رہی۔ اُن تصویروں میں ایک تصویر جس میں ڈاکٹر سنہا پینٹنگز کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ شیل کی نظروں کے سامنے تھا۔ وہ اُس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھ بیٹھی، "ڈاکٹر! تمہیں پینٹنگز کا بھی شوق ہے؟"

اُس کے اِس سنجیدہ سوال پر ڈاکٹر سنہا نے مسکراتے ہوئے کہا، "آؤ شیل! میں تمہیں اپنی پینٹنگز دکھاؤں۔" شیل کا ہاتھ پکڑ کر اُنہوں نے آہستہ سے اُسے اُٹھایا۔ شیل اُن کے ساتھ چلتی ہوئی اُس کمرے تک آئی جہاں کینوس پر بنی بہت سی تصویریں پڑی تھیں۔ شیل بہت ہی اشتیاق سے اُن تصویروں کو دیکھنے لگی۔ اُس کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

---

# غزل

لال چند پرارتھی چاندکلوی

ہر آستاں پہ اپنی جبینِ وفا نہ رکھ
نازک سا آئینہ ہے اسے جابجا نہ رکھ

افسوس ہمنوائی کے معنی بدل گئے
میں نے کہا تھا، ساتھ کوئی ہم نوا نہ رکھ

منزل ہی اُس کی آہ کے شعلوں سے جل نہ جائے
ہمراہ کارواں کے کوئی دلِ جلا نہ رکھ

وُسعت میں اس کی سارے جہاں کو سمیٹ لے
محدود اپنے خانۂ دل کی فضا نہ رکھ

گھر اپنا جان کر، ہیں مکیں تیرے دل میں ہم
ہم غیر تو نہیں ہیں ہمیں غیر سا نہ رکھ

ہوتا تو ہوگا ذکر مرا بھی بہار میں
مجھ سے چھپا کے بات کوئی اے صبا نہ رکھ

آواز دے کہیں سے تو اے منزلِ مُراد
ہم گُم ہوں کو اور شکیب آزما نہ رکھ

راہِ وفا میں تیری بھی مجبوریاں سہی
یہ بھی بہت ہے دل سے تو مجھ کو جُدا نہ رکھ

روشن ہو جس کی راہِ عدم تیری یاد سے
اُس خستہ تن کی قبر پہ جلتا دِیا نہ رکھ

تنہا تجھے یہ راہ سے بھٹکا نہ دے کہیں
دِل کو کبھی دماغ سے اپنے جُدا نہ رکھ

ممکن ہے تیرے "آج" کی قسمت میں "کل" نہ ہو
جو آج کر سکے اُسے کل پر اُٹھا نہ رکھ

انسانیت کا نُور ترے دل میں ہے اگر
پھر زندگی میں اور کوئی رہنما نہ رکھ

اے چاند آرزوؤں کی تکمیل ہو چکی
وقتِ سفر تو دِل میں کوئی مدّعا نہ رکھ

# غزل

ضیا فتح آبادی ایم۔ اے

دشوار کارِ زیست تھا، آساں نہ ہو سکا
کیا کرتے، کوئی کارِ نمایاں نہ ہو سکا

امرت نہیں تو زہر ہی بھر دیتا جام میں
اتنا بھی تجھ سے ساقیِ دوراں نہ ہو سکا

وہ دل کرے تلاشِ سکونِ دوام کی
جو صیدِ خوابِ زُلفِ پریشاں نہ ہو سکا

نا آشنا رہا خلشِ نوکِ خار سے
میں شاخِ گل پہ بھی تو غزلخواں نہ ہو سکا

اللہ رے یہ وسعتِ آغوشِ دل کہ اب
شکوہ گزارِ تنگیِ داماں نہ ہو سکا

تجھ کو جفا پسند تو مجھ کو وفا عزیز
جو تیرا دین ہے، مرا ایماں نہ ہو سکا

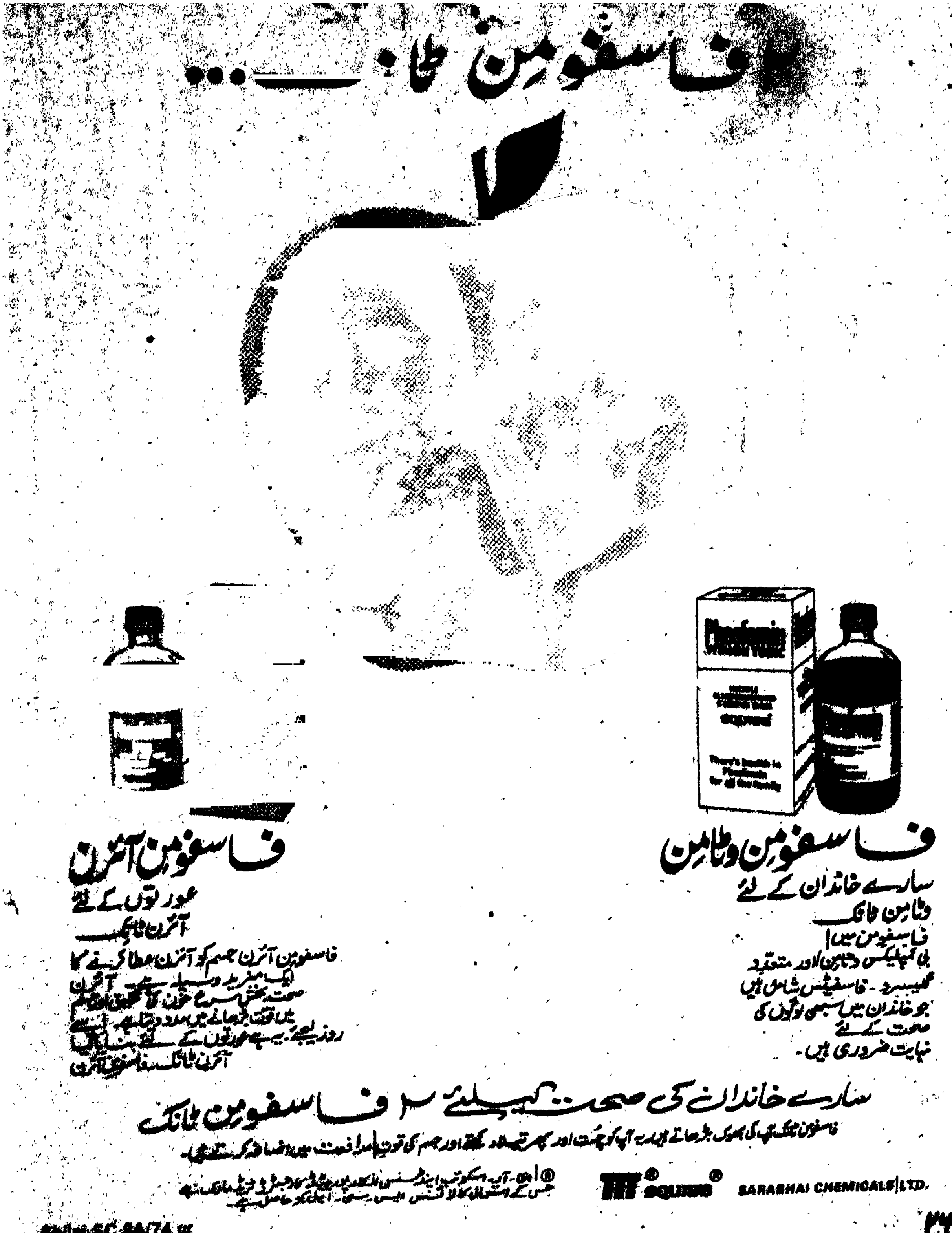
ہر چہرے کے ہے پردے میں اک چہرہ اور ہی
انساں بن کے بھی کوئی انساں نہ ہو سکا

آخر پناہ لینی پڑی آہ و نالہ کی
صبر و رضا سے زیست کا ساماں نہ ہو سکا

ارماں بغیر مل نہ سکا کچھ سُراغِ دل
پیدا بغیرِ دِل کوئی ارماں نہ ہو سکا

کنجِ قفس میں وہ دمِ عیسیٰ سے کم نہیں
جھونکا جو وقفِ صحنِ گلستاں نہ ہو سکا

پگھلی نہ برف یادوں کی جس دل میں اے ضیاؔ
وہ موج موج ہی رہا، طوفاں نہ ہو سکا


فاسفومن ٹانک…
فاسفومن آئرن
عورتوں کے لئے
آئرن ٹانک
فاسفومن وٹامن
سارے خاندان کے لئے
وٹامن ٹانک
فاسفومن میں
بی کمپلیکس وٹامن اور متعدد
گلیسرو - فاسفیٹس شامل ہیں
جو خاندان میں سبھی لوگوں کی
صحت کے لئے
نہایت ضروری ہیں۔
سارے خاندان کی صحت کیلئے ۲ فاسفومن ٹانک
SARABHAI CHEMICALS|LTD.

# تحریر کی خوشبو

مس رونق زیدی ایم۔ اے

اسماعیل نگر۔ میرٹھ (یو۔پی)

محترم بھائی! آداب

پہلی بار ایک افسانہ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہی ہوں ——— بیسویں صدی کے معیار پر پورا اُترے تو شائع فرما کر ممنون کیجئے گا ——— آپ کی گرانقدر رائے کی منتظر رہوں گی ——— خدا کرے مزاج بخیر ہو ——— میرے لائق کوئی خدمت؟

نیک تمناؤں کے ساتھ آپ کی خیر اندیش،

مس رونق زیدی

★

ڈیئر رشمی!

تمہارا پُر خلوص اور خوشبوؤں میں بسا ہوا خط ملا ——— یاد فرمائی اور جواب خط کے لئے شکریہ ——— دُھندلی راتیں؟ میرا افسانہ پڑھا ہے ——— ؟ ذرا تفصیل سے اُس کے بارے میں اپنی رائے لکھنا۔ سمجھیں ——— یوں نہیں کہ بس.... رسمی باتیں لکھ دیں ——— اچھا یہ بتاؤ کہ تم سے کس نے کہہ دیا میں بلند پایہ ادیب اور شاعر ہوں ——— ؟ کبھی اتنی بلندی پر مت چڑھاؤ کہ نیچے اُترنے کے بعد پستی کا شدید احساس ہونے لگے ——— GREETING CARD ملا ——— جس میں تمہاری شخصیت کی دلکشی اور زیبائش کی چھاپ موجود ہے ——— اس کے لئے شکریہ ——— بلا سے بیدی ہی جز سہی ——— اچھا تو اب اجازت؟

تمہارا ——— رونق شرما

ڈیئر رشمی! مسٹر میں!!

تمہاری تحریر اپنے دامن میں قوسِ قزح کے رنگوں کی دلآویزی لئے ہوئے نظر نواز ہوئی۔ اگر میرے جواب میں تاخیر ہوئی تو کیا تم نے کم انتظار کرایا ——— تمہارا خط آج ہی ملا ہے اور ابھی جواب دے رہا ہوں۔ لیکن تمہیں شکایت ہے کہ جواب تاخیر سے دیتا ہوں۔ دراصل میں سخت ذہنی اُلجھنوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوں ——— ایک عجیب کرب، انتشار اور گھٹن محسوس کرتا ہوں۔ میں کیا چاہتا ہوں، مجھے خود معلوم نہیں ——— کبھی کبھی تو اپنے آپ کو گنگا کی بیتاب لہروں کے حوالے کر دینا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کسی دن تمہیں یہ خبر بھی مل جائے۔ چند لمحوں کے لئے ایک اجنبی، ایک شناسا کا خیال آئے گا۔ اور پھر تم بھول جاؤ گی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ یہ تو روز ہوتا ہے کوئی نیا کھیل نہیں۔

تھیسس جلد سے جلد مکمل کر کے ڈگری لے لینا چاہتا ہوں۔ لیکن میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہی دیکھو نا میں ابھی کیا چاہتا ہوں ——— جی چاہتا ہے تم میرے پاس ہوتیں ——— تمہاری باتیں سُنتا.... سنتا رہتا اور.... سو جاتا، خواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ——— پھر وہی گفتگو، وہی باتیں، وہی قرب اور وہی تخاطب

اور میں چاہتا ہوں خواب کا یہ سلسلہ کبھی نہ ختم ہو۔ اسی رنگ و نکہت کی دنیا میں کھونا چاہتا ہوں ۔۔۔ آپ نے نہ یہ پاگل پن میرا ۔۔۔ کیوں ۔۔۔ غلط کہہ رہا ہوں؟

سنو! کیا یہ ممکن نہیں کہ کچھ وقت نکال کر اس بدنصیب انسان کو بھی عنایت کر سکو اور تمہارا یہ ایک صفحہ کا خط پھیل کر تین چار صفحہ کا ہو جائے۔ رات کے گیارہ بجکر چار منٹ ہو رہے ہیں۔ دیکھ رہا ہوں تمہاری آنکھیں نیند سے بند ہوتی جا رہی ہیں ۔۔۔ اب سو جاؤ ۔۔۔ میں تمہارے خیال میں کھویا ہوا کب تک تارے گنتا رہوں گا، میں نہیں جانتا۔

تمہارا ہی ۔۔۔ روی شرما

میری دوست!

میری ......!

تمہارا خط اپنے دامن میں تمہارے احساسات اور جذبات کی خوشبو لئے ہوئے موصول ہوا ۔۔۔ لیکن تمہیں کیا معلوم کسی کے شب و روز کیسے گذرتے ہیں ۔۔۔؟ اُس کی آرزوئیں اور تمنائیں کیا ہیں۔ تم راتوں کی نیند کی بات کرتی ہو یہاں دن میں خواب نظر آتے ہیں ۔۔۔ دل کش و دل نواز خواب ۔۔۔ رنگین و خوش آئند خواب۔ ہاں جو نہ ہوں تو زندگی کتنی سونی، کتنی بے کیف ہوتی، جیسے میرا کمرہ!

دل کی عجیب حالت ہو رہی ہے کیا لکھوں اور کیسے لکھوں۔؟ کچھ لوگ تو احساسات اور جذبات کی زبان بھی سمجھتے ہیں۔ سلگنے اور پگھلنے کی آنچ کا احساس دوسروں کو بھی ہونے لگتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ ساری زندگی سلگتے رہتے ہیں۔ اُن کی زندگی کا مقصد ہی پگھلنا ہوتا ہے۔ محرومی اور ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملتا انھیں۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر کوئی اجنبی بن جاتا ہے اور اُن کی تہی دامنی پلکوں پر شبنمی آگ کے سوا کچھ نہیں دیتی۔

جانتی ہو نیند سے مجھے بھی بے حد پیار ہے۔ سردیوں کے دنوں میں لحاف میں دبک کر گیارہ بجے تک سوتا ہوں ۔۔۔ لیکن اب تو سونے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا۔ ایک بات بتاؤں؟ جس رات میں نے تمہیں خط لکھا تھا اُس رات میں سوتا اور جاگتا رہا۔ جاگتا اور سوتا رہا۔ پتہ نہیں کیا کیا دیکھتا رہا ۔۔۔ لیکن تمہیں تو یقین ہی نہ آئے گا۔ بتاؤں ۔۔۔ اوں ہوں ..... یوں نہیں ..... اچھا تم بتاؤ ..... کیا دیکھا تھا میں نے خواب میں؟

ہم دونوں اتنی دور ۔۔۔ لیکن تم مجھ سے تو دور نہیں ہو یہ بات اور ہے کہ تم مجھے دور رکھتی ہو ۔۔۔ اور رکھنا بھی چاہیے ایک انسان جس کی کوئی منزل نہیں، سلگنا جس کا نصیب ہو وہ کسی کو کیا دے سکتا ہے۔ اور دوسرے لوگ بھی تو کچھ نہیں دیتے اسے سوائے درد و کرب، آنسو، انتشار کے سوا ۔۔۔ دیکھو! میری باتوں میں سے جملوں سے کچھ اور نتیجہ نہیں اخذ کر لینا۔

میرے خیالوں میں ۔۔۔ میرے تصور میں کون رہتا ہے یہ تم مجھ سے پوچھتی ہو ۔۔۔ سنو! ذرا اپنی خوابگاہ میں جا کر قد آدم آئینے کے سامنے اپنے سراپا کا جائزہ لو گی، میرے اس سوال کا جواب مل جائے گا ۔۔۔ اب رہی سب سے اچھی بات تو بتا دوں ۔۔۔ ذرا کان لاؤ تو میرے ہونٹوں کے قریب ۔۔۔ کہیں میری جلتی سلگتی اور سلگتے ہونٹوں نے اپنے نشانات چھوڑ دیئے تو ۔۔۔؟ لوگ پوچھنے لگیں تو شرمانے لگیں۔ بالکل اُسی طرح جیسے کوئی عروس نو حجلۂ عروسی میں کسی کی آہٹ پا کر سمٹ جاتا ہے اُس کا چہرہ گلنار ہو جاتا ہے۔

یہاں سردی بہت کم ہو گئی ہے، موسم بہت خوشگوار ہو گیا ہے۔ ایسے موسم میں اگر کسی حسین اور ٹوٹ کر چاہنے والے ساتھی کی یاد کا دامن تھام کر چھوڑ دے تو انسان پاگل کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ابھی دیکھو شام کی سیاہی گہری ہوتی جا رہی ہے۔ سڑکوں پر رونق اور بھیڑ بڑھتی جا رہی ہے کسی خوش قامت اور حسینہ نازک کو دیکھ کر جی چاہتا ہے تمہارا نام لے کر پکار لوں ۔۔۔ کیوں ۔۔۔؟ نہ بتاؤ گی مجھے؟ ارے تمہارا چہرہ گلنار کیوں ہو گیا؟

اچھا تو اب چلتا ہوں ۔۔۔ پھر ملیں گے۔

تمہارا ہی ۔۔۔ روی

میری جان!

میری زندگی!!

میں جانتا ہوں تم مجھ سے بہت خفا ہو گی۔ کیا سچ مچ؟ غصے کے عالم میں تمہیں دیکھ پاتا کہ غصے میں تم کتنی اور حسین تر ہو جاتی ہو۔ اور میں تمہاری شبنمی آنکھوں میں اپنے وجود کو ڈوبا دیکھتا ۔۔۔ پھر تمہارے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اُس کی تحریر پڑھتا رہتا ۔۔۔ دیکھتا رہتا ۔۔۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ دل کانپنے لگتا ہے اور روح

…نگ اشتی ہے۔ کاش! تمہیں اس کا احساس ہوتا۔ کاش تم نے میری حالت دیکھی ہوتی۔

میں اچانک چند دنوں کے لئے اپنے گاؤں چلا گیا تھا۔ میری بات نہیں کہ تم وہاں یاد نہ آئیں۔ یقین کرو کہ تم کہاں اور کس وقت یاد نہیں آئیں ـــــ؟ خیالوں میں ہر لمحہ رہنے والے کو کوئی کیسے بھول سکتا ہے۔ جس کا احساس شعلہ بنکر رگوں میں دوڑے، اُس کی یاد سے غافل رہنا ممکن ہے ـــ؟ جس کی شبیہ ہر وقت نگاہوں کے سامنے اُبھرتی اور ڈوبتی رہے وہ دور کیسے رہ سکتا ہے۔

تمہارے خطوط مل گئے۔ اُن خطوط کے لفظوں اور جملوں میں کھویا ہوا ہوں ـــــ ڈوبا ہوں ـــــ نہ جانے کتنی بار پڑھ چکا ہوں انھیں ـــــ ایک عجیب اضطراب، ایک عجیب سکون کا احساس ہو رہا ہے ـــ تم کتنی سنگدل اور کٹھور ہو ـــ یوں بھی کوئی کسی کو تڑپاتا ہے کہ اُس کی زندگی دو بھر ہو جائے۔ خوابوں میں آکر ستانے کی یہ ادا کہاں سے سیکھی ہے تم نے ـــ؟

تمہاری دل آویز شخصیت نے مجھے پاگل بنا دیا ہے۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز بنا رکھا ہے۔ گردو پیش سے بے خبر کر دیا ہے۔ ریسرچ کا کام بھی بالکل نہیں ہو پایا ان دنوں ـــ جبکہ پروگرام یہ ہے کہ ایک دو ماہ کے اندر تھیسس جمع کر دوں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہی حال رہا تو اِس جنم میں تو ممکن نہیں کہ میں تھیسس جمع کر سکوں۔

ایک بات بتاؤں؟ چاند میری بہت بڑی کمزوری ہے۔ گھر جاتا ہوں تو گاؤں سے باہر کسی ویرانے میں بیٹھ کر یا لیٹ کر گھنٹوں چاند کو دیکھتا رہتا ہوں ـــــ اُسے چھونے کی خواہش ہوتی ہے۔ اُسے پانے کی تمنا ـــــ اُن دنوں چاندنی رات تھی اور میں بہت دیر تک چاند کو دیکھتا رہتا تھا ـــــ اور اُس میں تمہاری شبیہ ڈھونڈا کرتا تھا۔ اسے کیا کہو گی۔

تنہا ہوں میں، جانتی ہو کتنی قریب رہتی ہو میرے ـــ؟ اتنا قریب کہ ..... ہٹاؤ شرما جاؤ گی تم ـــــ بالکل ایسے ہی جیسے .... چھوڑو کبھی الفاظ ہی نہیں ملتے ـــــ اچھا اب اجازت دو۔

تمہارا ـــــ اور صرف تمہارا ـــــ 'روی'

میری جان!

وہ کون سی بات ہے جو تم زبان پر لانے سے گھبرا رہی ہو۔ مجھ سے

# غزل

ڈاکٹر زرتش ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی

جب سے یہ دل حضور کا شیدائی بن گیا
دُنیا جہان کے لئے سودائی بن گیا

واللہ کیا غضب ہے جمالِ رُخِ حبیب
جس شخص نے بھی دیکھا تمنائی بن گیا

تیری ہی یاد تھی جو بنی صبح دم صبا
تیرا ہی تھا خیال جو پُروائی بن گیا

آیا خیال مجھ کو کبھی وصل کا اگر
"احساس گونجتی ہوئی شہنائی بن گیا"

جب سے ہوئے ہیں خوگرِ غم اے زرتش ہم
قصہ غموں کا بات گئی آئی بن گیا

کیا چھپانا۔ میں تو اپنے وجود میں تمہارے وجود کو مدغم کر دینا چاہتا ہوں ـــ میں نے جو بھی محسوس کیا اُس کا برملا اظہار کر دیا، بے کم و کاست! حضور! یہ راہ بہت پُر خطر ہوتی ہے۔ مجھیں ـــ یوں خوف کھانے سے کام نہ چلے گا۔

جانتی ہو اِس وقت رات کے سوا گیارہ بج رہے ہیں ـــ میں

اپنے کمرے میں بیٹھا تمہیں یاد کر رہا ہوں ——— اور سوچ رہا ہوں تم میرے پاس ہوتیں وقت ہوتی [illegible] ——— اپنی باہوں میں لے کر تمہاری پلکوں اور ہونٹوں پہ کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ دیتا ——— اتنا پیار کرتا کہ شرم سے تمہارا چہرہ گلنار ہو جاتا۔

اچھا تو اب جلدی سو جانا چاہتا ہوں ——— تاکہ ....

تمہارا اپنا ——— [illegible]

میرے پیار!

میری زندگی!!

تم ابھی تک روٹھی ہوئی ہو کیا ——— ؟ ارے بھئی مان بھی جاؤ۔ یوں کسی کی زندگی اور سکون سے کھیلنے سے کیا حاصل ——— یہی نا کہ تشدد تمہیں پسند ہے۔ [illegible] میں نے اِس سے پہلے خط میں لکھ دیا ہے کہ تم کم ظالم نہیں ہو ——— تمہاری عنایت بھی دیکھ لی ——— روز انتظار کرتے کرتے بُرا حال ہے۔ گھنٹوں ڈاک کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہوں ——— لیکن تمہیں اِن باتوں کا احساس کیا ہوگا ——— پتھر بھی کہیں پسیجا ہے۔

اچھا بتاؤ ایسی خاموشی کیوں ——— ؟ میں نے اپنی مجبوریاں لکھ دی تھیں۔ حضور اتنی سزا مت دیجئے کہ زندگی دو بھر ہو جائے ——— یوں بھی میری زندگی میں کیا ہے، [illegible] آنسوؤں کے سوا کیا ہے ——— اس پر طرّہ یہ کہ تم مزید ایسی [illegible] چھوڑ دینا چاہتی ہو جنہیں میں اپنی روح سے چمٹائے ہوئے زندگی کی منزل طے کر جاؤں۔ چلو یہ سوغات مجھے پسند ہے کچھ تو دو گی تم ——— !

تمہارے خط کا شدت سے انتظار کر رہا ہوں ——— ہو سکتا ہے [illegible]

[illegible]

بتانا چاہتا ہے۔ [illegible]

تم کیا جانو میری کیا حالت ہوتی ہے۔ [illegible]

تک کیسے جی سکوں ——— [illegible]

کاش تم اس شہر میں ہوتیں یا قریب ہی کسی [illegible] فاصلے سے جدائی کی آگ کہیں کم ہو [illegible] سی آگ جس میں روز تنہا سلگ رہا ہے۔ [illegible] نہ ہوگا مجھے۔

بھلا اس جنت سے کون آنا چاہے گا [illegible] ہو، دُکھ درد کا شریک، قدم قدم پہ ساتھ چلنے والا ——— [illegible] جس کی زلفیں، جس کا وجود شجر سایہ دار کی [illegible] کس کو اور کیا چاہئے۔ ایک غریب انسان کے لئے یہ دولت کیا کم ہے؟

رات سے اب تک نہ جانے کتنی بار تمہارا خط پڑھ چکا ہوں اور ہر بار ایسا محسوس ہوتا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی ہو [illegible] کے پیڑوں کی اوٹ سے چاند نکل آیا ہو۔ محبوب کی [illegible] باہوں میں جکڑتی چلی جا رہی ہو اور میں سب کچھ سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔

بتاؤ ہم دونوں یونہی کب تک تڑپتے رہیں گے۔ [illegible]

کب تک اسی طرح پیاسی رہیں گی میرے ہونٹ [illegible]

میری آنکھیں کب تک اسی طرح انتظار کرتی رہیں گی؟

جانتی ہو رات کیا ہوا ——— [illegible] کتنا حسین منظر تھا۔ تم بھی ساتھ تھیں۔ اِن البیلی دنیا بھی کتنی حسین ہوتی ہے! ہاں تو ایک وعدہ کرو۔ پورا کرو گی؟ رات پھر آنا ..... کہیں ..... اتنا پیار کروں گا کہ ... تم گلنار ہو جاؤ گی۔ اچھا اب چلا۔

تمہارا ——— [illegible]

[illegible]

[illegible] ہوں۔
[illegible] جاتے ہو؟
کیا تمہیں [illegible] معلوم [illegible] کیا میرے جذبے
کی صداقت پر اعتماد نہیں ہے؟ کیا میرے خطوط میں سچی
محبت کی [illegible] محسوس نہیں ہوتا ہے؟
اچھا اب قریب آ جاؤ ۔۔۔ اتنا قریب کہ ہمارا وجود ایک
ہی ہو جائے۔

تمہارا اپنا ۔۔۔ حدی

میری کائنات!

عین عالمِ انتظار میں خوشبوؤں میں بسا ہوا تمہارا خط ملا۔
جانتی ہو ان دنوں یونیورسٹی مورننگ ہو گئی ہے۔ اس لئے سویرے
جاگنا پڑتا ہے۔ پھر چلچلاتی دھوپ میں ہوسٹل آتا ہوں ۔۔۔ اور
وہاں سے اپنے کمرے میں۔ یونیورسٹی کیفیٹیریا، لائبریری اور چلچلاتی
دھوپ انہی کے گرد گھومتی ہے میری زندگی۔

تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں تمہاری تصویر دیکھتا ہوں ۔۔۔
کیوں دیکھوں؟ آگ کو اور بھڑکانے کے لئے؟ نیند کو حرام کرنے
کے لئے؟ ذہن و دماغ کو مفلوج کر دینے کے لئے؟ اور ......

بس دیکھو تمہارے [illegible] کرسی پر بیٹھا، میز پر کہنی ٹکا کر تمہیں
یاد کر رہا ہوں ۔۔۔ تم میرے پاس ہو ۔۔۔ میری کرسی کے
بازو پر بیٹھی ہو ۔۔۔ میرے اوپر جھکی ہوئی ۔۔۔ تمہاری سانسوں
کی گرمی، قرب کی خوشبو اور لمس کی آگ میرے وجود کو خاکستر ......

تمہارا اپنا ۔۔۔ روی

میرے پیار!

میری زندگی!!

جانتی ہو میں جلد ہی تم سے ملوں گا۔ وعدہ! تم گھبرا گئیں کہ یہ کیسے
[illegible] مجھے یہ جملہ کو سری نگر پہنچنا ہے۔ اور تمہیں بھی
[illegible] ۔۔۔
[illegible] ہو جائے گی
[illegible] تم نے تو غدار رہوں
[illegible] ہے ۔۔۔ شاید اُن لمحات کو جاوداں

جب جانتے ہو ہم دونوں کشمیر کی برف پوش وادیوں میں گزریں گے
شاید تم مجھے بانہوں میں بھر لو گی ۔۔۔ ورنہ جانتی ہو میں ٹوٹ کر
بکھر جاؤں گا ۔۔۔

تمہارا ۔۔۔ روی

رشمی ڈیئر!

تم خفا ہو نا؟ ۔۔۔ لیکن تمہیں اِس کا احساس کہاں کہ
کسی کی زندگی کس طرح گزر رہی ہے؟ میں صرف عرض کر رہا تھا۔
تم سے درخواست کی، التجا کی، لیکن تم نے اُس کا مطلب غلط نکالا۔
۔۔۔ خیر میں تم پر حکومت تو نہیں چلا سکتا۔ اور نہ ہی ایسا کوئی قانونی
حق ہے مجھے۔ اگر محبت کی قلمرو میں کچھ پابندیاں نہ ہوتیں تو جانتی ہو میں
کیا کرتا .... کاش! تم میرے ساتھ کشمیر گئی ہوتیں ۔۔۔ کیا بتاؤں
کتنا یاد آئیں تم۔ جب بھی کوئی خوبصورت منظر یا حسین چیز پر نگاہ
پڑ جاتی تو تم بے اختیار یاد آ جاتیں ۔۔۔ ڈل جھیل ہو یا جہلم ندی۔
چار چنار ہو یا چشمہ شاہی، نشاط باغ ہو یا خانیار، گل مرگ ہو یا لال
چوک ہر جگہ تمہاری پرچھائیں، تمہاری شبیہ اور تمہارے وجود کا
احساس ہوتا رہا ۔۔۔

آج کل ذہنی طور پر بہت پریشان ہوں ۔۔۔ شاید یہ میرا
مقدر بن گئی ہے۔ چاہتا ہوں اِن الجھنوں سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا
حاصل کر لوں، ابدی نیند سو جاؤں۔ ہو سکتا ہے اُس وقت تمہیں یاد
آ جاؤں ۔۔۔ ایک پاگل، ایک دیوانہ، ایک سودائی کی تصویر آنکھوں
کے سامنے پھر جائے ۔۔۔

صرف تمہارا ۔۔۔ روی شرما

رشمی ڈیئر!

تم نے خوب خوب انتظار کرایا ۔۔۔ پریشان کرنا اور خواب
دکھانا کوئی تم سے سیکھے۔ نہ جانے تمہارے ترکش میں کیسے کیسے تیر ہیں۔
کیا اس درد جان میں کم ڈوبا رہا ہوں ۔۔۔ [illegible]
۔۔۔ اور قریب آ جاؤ ...
اتنا قریب کہ ... [illegible]
[illegible] تو اپنا مقدر بن گیا ہے۔ ایک بار جان ہی کیوں نہیں
لے لیتی ہو ۔۔۔ ؟ یوں تڑپا تڑپا کر مارنے سے کیا حاصل؟ شاید تم
اذیت پسند ہو ۔۔۔ اور اسی جذبے کی تسکین کے لئے ایسا کرتی ہو۔

تمہارا … رضا

بیس سال بعد آج دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں مخاطب کر رہی ہوں ۔۔۔ بیس سال تک میری زندگی بے رنگ رہی … میں جلتی رہی ہے۔ تمہارے خطوط تمہاری تصویر … زندگی کی دشوار گزار راہوں … ہوں ۔۔۔ اب میری زندگی میں سوا کیا ہے … میری آنکھوں کی پتلیاں تمہیں تلاش کرتے کرتے پتھرا گئی ہیں ۔۔۔ بستر مرگ پر پڑی آخری سانسیں لے رہی ہوں۔ … دنیا کو خیرباد کہہ جاؤں گی۔

اس وقت تمہارے سارے خطوط میرے بستر پر بکھرے ہوئے ہیں۔

۱۔ "بیسویں صدی" …

۲۔ "بیسویں صدی" میں … اشتہارات …

۳۔ "بیسویں صدی" کو … اشتہارات کا بہترین ذریعہ بنائیے۔

۴۔ "بیسویں صدی" … اشتہارات …

# تضمین

بر غزل محمد ایوب حقی مرحوم

عبدالکریم حقی بھیرڑوی

ایسی تجھ پر نشیمن کی سزا پائی کہ بس | چار تنکے سے ہمسفر وہ ہوا آئی کہ بس
یوں تنک بدن میں ایسی یوں روح گھبرائی کہ بس | وقت کی دیوی نے لی اِک ایسی انگڑائی کہ بس
دیکھتے ہی دیکھتے وہ بجلی لہرائی کہ بس

در بدر پھرتا رہا اکثر تمہارے شہر میں | شہر سے کھاتا رہا پتھر تمہارے شہر میں
قافلہ ہی بے وفا گھر گھر تمہارے شہر میں | دوستی کے نام پر اکثر تمہارے شہر میں
دل فگاروں کی ہوئی ایسی پذیرائی کہ بس

بے سبب سمجھا گئے یہ بات بے جا بے شعور | آبلہ پائی کا غم تھا اور بدن زخموں سے چور
سمت کا تاریکیوں نے چھین رکھا تھا شعور | جس قدر آگے بڑھے منزل ہوئی اتنی ہی دور
رہنماؤں نے ہمیں وہ راہ دکھلائی کہ بس

پڑ گیا ہے اب شرافت، عشق اور جینے کا نام | ہیں گریباں چاک اور لیتے نہیں سینے کا نام
زندگی اب بن گئی زہراب غم پینے کا نام | بھول کر بھی اب کوئی لیتا نہیں جینے کا نام
زیست کی وہ شکل وہ صورت نظر آئی کہ بس

جاوداں اپنی محبت کو بنانے کا خیال | تجھ سے ملنے کی تمنا تجھ کو پانے کا خیال
دور کر کے ذہن سے ظالم زمانے کا خیال | اِک ذرا کیا آ گیا تھا مسکرانے کا خیال
مدتوں بجتی رہی وہ غم کی شہنائی کہ بس

ذہن پہ چار سال اور دل میں سب کے غم کا روگ | شاعرانِ بھیرڑی نے جیسے لے رکھا ہے جوگ
فہمیؔ و بیتابؔ کا غم مضطرؔ و آغاؔ کا سوگ | پھر نہ وہ محفل نظر آئی نہ وہ محفل کے لوگ
اک ذرا جھپکی پلک اِک نیند سی آئی کہ بس

اے حقی عمر کو بحث ہے آگہی کا اعتبار | جاودانی غم نہیں تو کیا خوشی کا اعتبار
اس جہاں میں کم کرے کوئی کسی کا اعتبار | آ گیا فہمی مذاقِ زندگی کا اعتبار
شیشۂ حقی میں وہ صورت نظر آئی کہ بس

محمد طیب فہمی ۔ محمد اسحاق بیتاب ۔ محمد ایوب مضطر ۔ غلام رسول آغا ۔ بھیرڑی کے معتبر مرحوم شعراء

# اگر آپ ۱۹۴۷ء کے یوم آزادی سے پہلے پیدا ہوئے تھے تو یہ پورا اشتہار ضرور پڑھیے



## ۳۰ سال کی عمر کو پہونچنے والے دس میں سے ۹ افراد کے بال جھڑتے ہیں . . . . اور وہ اس سے بے خبر ہوتے ہیں !

### اگر آپ شمار ان ۹ افراد میں ہے تو آج ہی پیور سلویکرن کا استعمال شروع کر دیجئے۔

آپ کی کنگھی میں آنے والے بال اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ کے بال جھڑنے لگے ہیں اور اس سے پہلے کہ آئینے میں آپ کو گنجا پن ظاہر ہونا شروع ہو فوراً عمل کیجئے۔ آج ہی پیور سلویکرن کا استعمال شروع کیجئے۔

### پیور سلویکرن بالوں کو جھڑنے سے روکتا ہے

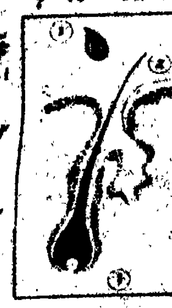
پیور سلویکرن بالوں کی تندرستی کے لئے سترہ اہم امینو ایسڈز کا ایک انوکھا فارمولا ہے۔ یہ فوراً بالوں کی جڑوں تک پہنچ کر بالوں کی قدرتی خوراک کی کمی پورا کرتا ہے۔ بالوں کو مضبوط بناتا ہے اور ان کی صحت مند نشوونما میں مددگار ہوتا ہے۔

### پیور سلویکرن کیسے اثر کرتا ہے

۱۔ پیور سلویکرن کی انفرادیت بے مثال ہے۔ یہ سترہ امینو ایسڈز کا مرکب ہے جو جسم کی قدرتی جڑ کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔

۲۔ امینو ایسڈز بالوں کی اہم قدرتی خوراک ہیں۔ اگر ان کی کمی ہو جائے تو بال خراب ہو جاتے ہیں اور جھڑنے لگتے ہیں۔ جب تک یہ کمی دور نہ کی جائے، بال متواتر جھڑتے رہتے ہیں۔

۳۔ سائنسی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ پیور سلویکرن بالوں کی جڑوں تک پہنچ جاتا ہے۔ بالوں کی قدرتی خوراک کی کمی پوری کرتا ہے اور بالوں کو پھر سے صحت مند بناتا ہے۔



### اچھے نتائج حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ استعمال

پیور سلویکرن سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے اسے لگاتار کم سے کم ۹ ماہ تک باقاعدہ استعمال کیجئے۔ باقاعدہ استعمال سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ پیور سلویکرن کی چند بوندیں ... سر کی اچھی طرح مالش کیجئے۔ اس کا استعمال اس وقت تک جاری رکھئے جس وقت تک آپ کے بال جھڑنا بند نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ کے لئے سلویکرن ہیئر ڈریسنگ موزوں رہے گا ... یہ آپ کے بالوں کی مکمل حفاظت کرے گا۔ یہ ایک واحد ہیئر ڈریسنگ ہے جو تیل اور پیور سلویکرن پر مشتمل ہے۔



# پیور سلویکرن

بالوں کی قدرتی پروٹین خوراک

# بیمار مسیحا

## نکہت پروین

۲۹ نادر علی بلڈنگ ۔ میرٹھ

محترمی! آداب

"بیمار مسیحا" کے ساتھ "بیسویں صدی" کی بزم میں پہلی بار شریک ہو رہی ہوں۔ اُمید ہے افسانہ آپ کو پسند آئے گا....

نکہت پروین

★

زینت آپا ہمارے خاندان میں پہلی لڑکی تھیں جنھوں نے ساری گذشتہ روایات کو توڑ کر اسکول میں تعلیم پائی۔ اُن سے پہلے ہمارے خاندان میں اُن لڑکیوں کو تعلیم یافتہ کہا جاتا تھا جو کلام پاک پڑھ جاتی تھیں اور اُردو میں تھوڑی سی شُدبُد رکھتی تھیں۔ لیکن جب زینت آپا کی بسم اللہ کرائی گئی تو اُسی وقت ابا حضور نے ارادہ کر لیا تھا کہ زینت آپا کو اسکول میں تعلیم دلائی جائے گی اور ابا حضور کے اچانک انتقال کے بعد امی جان نے اُن کے اِس ارادے کو اس طرح پایۂ تکمیل تک پہونچایا کہ ہمارے خاندان میں وہ پہلی لڑکی جس نے بی۔ اے تک تعلیم پائی زینت آپا تھیں۔

ہم تین بہن اور دو بھائیوں میں سب سے بڑی زینت آپا تھیں اور سب سے چھوٹی میں تھی۔ جب زینت آپا زیر تعلیم تھیں اور انٹر میں تھیں تو مجھے [illegible] جو لقوعش میں [illegible] زینت آپا کو [illegible] کے ساتھ ساتھ ہمارے [illegible] جاوید بھائی زینت آپا سے [illegible] تھیں تو وہ [illegible] شاعری سے اِتنی دلچسپی تھی جتنی اُردو کے طلبا کو بھی نہ تھی۔ ترنم بھی بہت اچھا تھا اُن کا۔ گرمیوں کی راتوں میں اکثر صحن میں سب بیٹھے ہوتے اور وہ امی جان کے کہنے پر اپنی آنکھیں بند کر کے تاثر انگیز آواز میں ——

تیری ذات پاک ہے اے خدا تیری شان جلّ جلالہٗ

سُناتے تو جذبۂ عبودیت سے بوجھل ہو کر امی جان کی آنکھیں بھی بند ہو جاتیں اور تب جاوید بھائی کی آنکھیں کھلتیں اور وہ زینت آپا کی طرف دیکھ کر ابروؤں سے اشارہ کر کے جب یہ کہتے —— "تیرا ثانی نہیں کوئی دوسرا" تو زینت آپا شرما کر بیر بہوٹی ہو جاتیں۔ اُن کی مخمور آنکھوں پر حیا سے بوجھل پلکیں چلمن بن کر گر جاتیں۔ جاوید بھائی مُسکرا کر آنکھیں بند کر لیتے۔

لیکن جب امی نہ ہوتیں تو وہ ہمیں غزلیں سُناتے جن کا مطلب ہم خاک نہ سمجھتے لیکن زینت آپا کو خوش دیکھ کر ہم بھی خوش ہو جاتے۔ اِس لئے کہ بچوں کو خوش ہونے کے لئے وجہ درکار نہیں۔ کبھی کبھی یہ بزم رات گئے تک جمتی۔ بیت بازی ہوتی اور بحثیں چھڑتیں۔ غالب، میر، فانی، مومن اور ان گنت شاعر زیر بحث آتے۔ اِس لئے کہ زینت آپا کی اِس وقت میں اُن سے پیچھے نہ تھیں۔ حالانکہ سب باتیں اُس وقت [illegible]

[illegible] میں کہ کوئی بسی ہوتا ہے [illegible]
[illegible] عمر ابھرا تھا احساس کے ساتھ ذوق سے جاوید بھائی
بہت [illegible]

---

ابھی بات زینت آپا کی ہے۔ گورا رنگ، خوبصورت سرو قامت لمبی کالی
ناگن جیسی لٹیں تھیں۔ وہ ایک پھول جیسی تر و تازہ، شاداب ملائم
مرمریں جسم کا پیکر اور یہ دلکش سراپا [illegible]، بلا کا دلفریب تھا۔
یاد آتا ہے کہ ایک دن میں زینت آپا سے لگی بیٹھی تھی۔ وہ سفید
لباس میں تھیں۔ سامنے جاوید بھائی بیٹھے تھے۔ وہ پلکیں جھپکائے
بغیر زینت آپا کو تکے جا رہے تھے۔ مدت بعد میں نے آپا سے
آہستہ سے پوچھا "کیا دیکھ رہے ہیں؟"
جاوید بھائی نے جواب دیا "سنگِ مرمر کی ایک مورت کو!" اور
سنگِ مرمر پر شفق کی سرخیاں بکھر گئی تھیں۔ اُن کا صبیح چہرہ شفق گوں
ہو گیا۔ وہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے زمین کو کریدنے لگی تھیں اور
نہ جانے کس جذبے کے تحت مجھے پکڑ کر اپنی گود میں لٹا لیا تھا۔ میرا
کان اُن کے دل کے قریب تھا اور اُن کے دل کی دھڑ دھڑک
آج تک میرے کانوں میں بسی ہوئی ہے۔

---

پھر نہ جانے کیا بات ہوئی، ہاں اتنا یاد ہے کسی تقریب کے
موقعہ پر ہوئی تھی۔ جاوید بھائی کی امی سے ہماری امی کی کچھ تکرار
ہوئی اور اتنی ہوئی کہ پھر کبھی یہ دونوں گھرانے ایک نہ ہو سکے۔ دونوں طرف سے
ملنا جلنا بند ہو گیا۔ اُس رات زینت آپا خوب روئی تھیں اور شاید
وہ آخری موقعہ تھا جب میں نے اُنھیں روتے دیکھا تھا۔ پھر وہ بہت
اُداس رہنے لگی تھیں اور پھر کچھ ایسا یاد آتا ہے کہ ایک دن امی جان
اُن پر بہت بگڑی تھیں اور اُس بگڑنے جھگڑنے میں جاوید بھائی کا نام بھی
آیا تھا اور اُس کے بعد ہاں یہ اچھی طرح یاد ہے کہ پھر کبھی زینت آپا کو
ہم نے ہنستے نہیں دیکھا۔ اُن کے ہونٹوں سے ہنسی جیسے کسی نے
چھین لی تھی۔ اکثر وہ خاموش رہتیں۔ کسی بات پر جب ہم کھل کھلا کر
ہنستے تو وہ صرف مسکرا دیتیں اور اُن کی یہ مسکراہٹ بھی کچھ عجیب سی
ہوتی [illegible] تھی۔ وہ سب سے زیادہ پیار مجھ سے کرتی تھیں اور میں
اُن سے کتنی ہی بار [illegible] کاش! ہنسی بازار میں بکنے والی کوئی

[illegible]

---

اور آج [illegible] زینت آپا کا [illegible]
[illegible]
[illegible] اشعار اور [illegible]
کے جاوید بھائی کے کچھ خطوط [illegible]
خط میرے ہاتھ لگ گیا ہے۔

[illegible]

تم سے ملنا میرا مقدر نہیں [illegible]
میں تمہیں ہمیشہ کے لئے کھو چکا ہوں۔ یہ احساس شاید مجھے زندگی کے
آخری موڑ پر جلد پہنچا دے۔ لیکن [illegible]
مبتلا کر دیتا ہے اور ایک آس جو آخری سانس تک [illegible]
ہوگی مجھے جینے کے لئے [illegible] تہذیب، فریب اور [illegible]
بن چکے ہیں۔ میں جینا نہیں چاہتا لیکن جئے جا رہا ہوں۔ تمہارے
لئے، صرف تمہارے لئے!

جاوید

اُف جاوید بھائی! اگر یہ تم ہو تو [illegible]
کی تھی اُس زینت آپا سے جو خود یاس و حرماں کا ایک پیکر تھیں۔ میرے
سامنے ابھی اور خطوط ہیں۔ مجھ میں ہمت نہیں ہے اُنھیں پڑھنے کی۔
لیکن تجسس ہے کہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۱۰ فروری

گذشتہ پندرہ برسوں پر نظر ڈالتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے
کہ میں نے کس طرح جادۂ حیات پر تمہارے بغیر اتنی طویل مسافت طے کی۔
اپنا گھر چھوڑا، شہر چھوڑا اور صرف تمہاری [illegible]
تمہاری آرزو تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں سو وہ پوری ہو گئی۔ اب شہر سے [illegible]
مضافاتی علاقے میں میں نے پریکٹس شروع کر دی ہے۔ یہاں [illegible]
چھوٹا سا مکان ہے۔ اس مکان کے کمرے کی کھڑکی سے [illegible]
اور میں [illegible] یہ خط لکھ رہا ہوں۔ کھڑکی سے باہر [illegible]
پہاڑوں کی سربفلک [illegible] چوٹیاں نظر [illegible]
آسمان شفاف ہے [illegible]
اور چڑیوں [illegible] ایک [illegible]

[illegible]

یہ میرا [illegible] ہے کہ [illegible] گھر کی یاد آئی ہے جب [illegible]

[illegible] میں جواب دینا

[illegible] اس کی

[illegible] ایک دن میں

[illegible] ایک چھوٹا سا مکان

بنا ہوا تھا۔ تمہاری کا شندہ تھی میں شاکر ہوں۔ میری آرزو تھی کہ

پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا سا مکان ہو۔ مدتوں کی آرزو تھی پوری

ہو گئی لیکن [illegible] ایک آرزو ادھوری تھی۔ پہاڑ کے دامن

میں اس چھوٹے سے مکان کو آباد کرنے کی۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ

تھا۔ سوچتا ہوں [illegible] تو کائنات کا کتنا سا نظام درہم

برہم ہو جاتا تم اس گھر کی زینت ہوتیں یہ قسمت کو کہیں منظور نہ تھا

کیوں؟۔۔۔!

اس حد کی [illegible] زینت آپا کے ہاتھ سے لکھا

ہوا تھا۔

[illegible]

بانسری کا رہی تھی دور کہیں

رات کیوں درد یاد آتے ہو تم ،

---

ایسی ان گنت راتیں مجھے یاد ہیں جن میں اکثر میں نے زینت آپا کو

جاگتے دیکھا ہے۔ امی کی موت کے بعد میں اُن کے پاس ہی سویا کرتی تھی

جب کبھی آنکھ کھل جاتی تھی تو رات کے اندھیرے میں کتنا ڈر لگتا تھا۔

[illegible] زینت آپا کی بانہوں میں منہ دے کر دبک جاتی۔ وہ جاگتی ہوتی

تھیں اُن کے بدن کی [illegible] مجھے تھپک تھپک کر سُلا دیتی

تھیں [illegible] اتنا ہوش کہ کہاں تھا کہ

[illegible]

[illegible]

[illegible] لیے میری ماں

# غزل

**[illegible] مہاجانی**

دل میں ہیں جب غم و درد کے پیکر کتنے
ایک قطرے میں سمائے ہیں سمندر کتنے

یوں پرواز بشر کر گئی پامال انہیں
خود پہ مغرور تھے ورنہ مہ و اختر کتنے

اپنی آنکھوں سے لگایا انہیں پھولوں کی طرح
جو پرستش میں بھٹکتے رہے پتھر کتنے

شکر ہے دل میں چھپائے ہیں کئی غم ورنہ
رگِ احساس پہ چلتے رہے نشتر کتنے

غیر ممکن تھا کہ میں دستِ طلب پھیلاتا
سامنے میرے چھلکتے رہے ساغر کتنے

در و دیوار سے پوچھا ہے تعارف اپنا
اپنے گھر میں ہیں مگر ہم بھی ہیں بے گھر کتنے

اب خیالات بہت وقت کے ہاتھوں کی شکن
اب ہیں حالات کے بگڑے ہوئے تیور کتنے

اب بھی دل میں ہیں سُلگتی ہوئی یادیں کتنی
اب بھی آنکھوں میں ہیں جلتے ہوئے منظر کتنے

[illegible] دل میں سما کر کریں اس کی تلاش
اپنی ہی ذات سے ہم رہ گئے کٹ کر کتنے

ہے ایک گہرا سناٹا ہے۔ میری زندگی کی طرح۔ میرے پچھلے خطوں کے
جواب میں تمہارا خط میرے سامنے ہے جسے بار بار پڑھ چکا ہوں۔
اس میں میرے لئے نصیحت تو ہے۔ لیکن چارہ سازی و غم گساری نہیں
ہے۔ تم نے لکھا ہے میں دنیا سے محبت اور محبت کو کبھی الگ نہیں
کر سکتے ہیں ہے۔ لیکن اب میں ان مراحل سے گزر چکا ہوں جہاں

[illegible]
تمہیں دنیا کی [illegible] کی محبت
[illegible] مجھے اپنے قریب [illegible]
مجھے اس زینت کی یاد میں [illegible] جس نے ساری زندگی میرا
ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا اور جو کسی اور کی نہ ہو سکی۔ جس کی ماں
اسے دلہن بنانے کا خواب دیکھتی ہی رہ گئی۔ جو خواب عدم میں کھو گئی
وہ زینت جو ہرگز مشورہ نہیں دے سکتی کہ کسی اور سے شادی کر لے گا۔

---

۱۸ر اپریل

دو برس سے تمہیں کچھ نہیں لکھا تھا اور سمجھا تھا کہ اس طرح تمہیں بھلا دوں گا لیکن کیا کہوں ——

چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا
ہم نے جانا تھا کہ اے میر یہ آزار گیا

رات مجھے معلوم ہوا کہ کیسے دو برس کبھی دو پل بن جاتے ہیں اور کبھی دو صدی۔ تمہارے ساتھ گزارے ہوئے دو برس دو لمحوں کی طرح بیت گئے تھے، لیکن یہ دو برس دو صدیاں بن کر میرے سینے پر سے گزرے ہیں۔ میں نے تمہیں بھلانے کی ایک ناکام کوشش کی تھی۔ میں یہاں سے چلا گیا تھا دور بہت دور، سکون کی تلاش میں۔ میں کہاں کہاں گیا، لیکن سکون نہ ملا۔ دو برس تک دنیا کی گلی گلی سے [illegible] تمہیں بھلانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ میں ڈاکٹر ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ دل کا کام خون کو پمپ کرتے رہنا ہے، لیکن یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرے دل کا کام خون کو پمپ کرنا نہیں، خون کے ایک ایک قطرہ پر تمہارے نام کی تسبیح پڑھتے رہنا ہے۔ آخر کار میں پھر یہیں واپس آگیا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ جس گوشے سے تمہارے عشق کا سورج طلوع ہوا تھا اسی گوشے میں میری زندگی کا سورج غروب ہونا ہے.....

زینت آپا نے اس خط کا جواب دیا تھا یا نہیں یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اپنی عادت کے مطابق خط کے نیچے چھوٹی سی سادہ جگہ میں انھوں نے جو شعر لکھا تھا اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے میں وہ شعر یہاں نقل کر رہی ہوں۔ انھوں نے لکھا تھا۔

کر چکے تم تو دشت پیمائی
مجھ سے گھر بیٹھے خاک چھنوائی

[illegible]
وہ موت کے [illegible]
اب انھیں یہ معلوم ہو کہ ڈاکٹر [illegible]
[illegible] ہے۔ اب قرآن میں ایک [illegible]
[illegible] زندگی کا آخری [illegible] سکتا ہے...

میں یہ خط پڑھ ہی رہی تھی [illegible] پر یہ خبر [illegible] ہے "ڈاکٹر مسیحا چلا گیا" [illegible] تفصیل درج ہے [illegible] اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ڈاکٹر [illegible] کا انتقال [illegible] ڈاکٹر موصوف عوام میں خصوصاً غریبوں میں بہت مقبول [illegible] موصوف نے دولت کمانے کے لئے یہ پیشہ نہیں اختیار کیا تھا [illegible] خدمت خلق کے لئے اختیار کیا تھا اور اس پر تاعمر عمل پیرا رہے۔ موصوف "غریبوں کا مسیحا" کہلائے جانے لگے [illegible] اُن ہزاروں عوام کے غم میں برابر کا شریک ہے جن [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] علاوہ [illegible] ملی ہیں جن کا
بیٹا [illegible] جاوید بھائی
[illegible] تمہیں اپنا [illegible] کوشش [illegible] اس جہاں
کے بعد تمہیں [illegible] والا کون تھا؟ جاوید بھائی کو کسی اور سے شادی
کا مشورہ دینے کے بجائے تم خود آگے کیوں نہ بڑھیں؟

تم کیا نہیں کرسکتی تھیں آپا! لیکن تم نے کچھ نہیں کیا! اس لئے کہ تمہارے ایک طرف محبت تھی، دوسری طرف فرض تھا۔ ماں کی آن کا، خاندان کے عزت و وقار کا، مشرقی عورت کی شرم و حیا کا اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی عزت و ناموس کا۔ زندگی تم سے قربانی مانگتی تھی اور تم نے قربانی دی۔ اپنی بھی اور جاوید بھائی کی بھی۔

آج مجھے معلوم ہوا زینت آپا کہ تم نے ہم سب کو عشق و محبت کی شعر و شاعری سے کیوں بچایا۔ جب تم اپنی [illegible] قائم رکھنا چاہتی تھیں اور ہم پر جان نثار کرنے کے باوجود تم اس دنیا میں کسی دوسرے کو نہیں دیکھ سکتیں لیکن مجھے معلوم تھا آپا کہ یہ سیدھی تمہارے لئے خارزار تھا جس پر تم تنہا چلتی رہیں۔

سارے خط ابھی ختم نہیں ہوئے لیکن میری آنکھوں میں آنسو ہیں اور میرے کانوں میں تمہارے دل کی وہ دھڑکن ہے۔ آج مجھے معلوم ہوا زینت آپا کہ تم دنیا جہان کو محبت کیوں بانٹتی پھرتی تھیں اور کیوں جاوید بھائی کو غریبوں نے اپنا مسیحا مانا تھا۔

---

جاوید بھائی اور زینت آپا! زمانے نے جو تمہیں نہیں دیا وہ تم نے زمانے کو دیا ہے۔ تمہاری عظمت کو لاکھوں سلام! تم وہ مشعل راہ ہو جو خود جل کر دوسروں کو راستہ دکھاتی ہے۔ خدا قیامت تک تمہاری لحد پر نور برسائے۔

---

مدیر [illegible] صدیقی کے نام خطوط لکھتے وقت ہمیشہ اختصار سے کام لیا کریں تاکہ آپ کے ارشادات فوراً شامل ہوسکیں۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

خود کو دوسروں کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے۔ میں، جسے اب خود اپنی پروا نہیں دنیا کی پروا کیا کروں گا۔ کبھی کبھی تو میں سوچتا ہوں تم بھی وہ زینت نہیں ہو جس کا پانا میری زندگی تھی۔ تم مجھے اپنے فریب میں نہ پھنساؤ۔ مجھے اُس زینت کی یاد میں کھویا رہنے دو جس نے ساری زندگی میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا اور جو پھر کسی اور کی نہ ہو سکی۔ جس کی ماں اُسے دُلہن بنانے کا خواب دیکھتے ہی دیکھتے خود خوابِ عدم میں کھو گئی۔ وہ زینت ہرگز مشورہ نہیں دے سکتی مجھے کسی اور سے شادی کرنے کا!

---

۱۸ اپریل

دو برس سے تمہیں کچھ نہیں لکھا تھا اور سمجھتا تھا کہ اس طرح تمہیں بھلا دوں گا لیکن کیا کہوں ——

چشمِ خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا
ہم نے جانا تھا کہ اے میر یہ آزار گیا

رات مجھے معلوم ہوا کیسے دو برس کبھی دو پل بن جاتے ہیں اور کبھی دو صدی! تمہارے ساتھ گذارے ہوئے دو برس دو لمحوں کی طرح بیت گئے تھے، لیکن یہ دو برس دو صدیاں بن کر میرے سینے پر سے گذرے ہیں۔ میں نے تمہیں بھلانے کی ایک ناکام کوشش کی تھی۔ میں یہاں سے چلا گیا تھا دُور بہت دُور۔ سکون کی تلاش میں۔ میں کہاں کہاں نہ گیا، لیکن سکون نہ ملا۔ دو برس تک دنیا کی گھما گھمی سے دُور تمہیں بھلانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ میں ڈاکٹر ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ دل کا کام خون کو پمپ کرتے رہنا ہے، لیکن یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرے دل کا کام خون کو پمپ کرنا نہیں، خون کے ایک ایک قطرہ پر تمہارے نام کی تسبیح پڑھتے رہنا ہے۔ آخر کار میں پھر یہیں واپس آ گیا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ جس گوشے سے تمہارے حُسن کا سورج طلوع ہوا تھا اُسی گوشے میں میری زندگی کا سورج غروب ہونا ہے .....''

زینت آپا نے اِس خط کا جواب دیا تھا یا نہیں یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اپنی عادت کے مطابق خط کے نیچے چھوٹی ہوئی سادہ جگہ میں اُنھوں نے جو شعر لکھا تھا اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے میں وہ شعر یہاں نقل کر رہی ہوں۔ اُنھوں نے لکھا تھا:

کر چکے تم تو دشتِ پیمائی
مجھ سے گھر بیٹھے خاک چھنوائی

۲۴ جون

تم نے کہا تھا ڈاکٹر بن کر دنیا کے درد دُور کرنا۔ یہی کیا میں نے۔ دوسروں کے درد دُور کئے۔ ہاں اپنا درد دُور نہ کر سکا۔ اِس بستی کے لوگ اب تمہارے جاوید کو ''ڈاکٹر مسیحا'' کہتے ہیں۔ وہ کیا جانیں اُن کا مسیحا خود بیمار ہے۔ اب تو دل میں ایک درد سا رہنے لگا ہے۔ نہ جانے کوئی بھی لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہو سکتا ہے ....''

میں یہ خط پُورا نہیں پڑھ سکی ہوں۔ میری نظر اخبار کے ایک تراشے پر پڑ رہی ہے جو اِن خطوں کے بیچ میں رکھا ہوا ہے۔ جس کا عنوان ہے ''ڈاکٹر مسیحا چلا گیا'' اور نیچے تفصیل درج ہے —— کل صبح اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ڈاکٹر جاوید کا انتقال ہو گیا۔ ڈاکٹر موصوف عوام میں خصوصاً غریبوں میں بہت مقبول ڈاکٹر تھے۔ موصوف نے دولت کمانے کے لئے یہ پیشہ نہیں اختیار کیا تھا، کسی کے کہنے پر خدمتِ خلق کے لئے اختیار کیا تھا اور اُس پر آخر دم تک اِس طرح عمل پیرا رہے کہ موصوف ''غریبوں کا مسیحا'' کہلائے جانے لگے۔ ادارہ اُن ہزاروں عوام کے غم میں برابر کا شریک ہے جنھیں وہ اپنے پیچھے روتا

بلکتا چھوڑ گئے ہیں۔

میرا گلا رُندھ گیا ہے اور آنسو اُمڈے آتے ہیں۔ اُف آپا! زینت آپا! کن ہاتھوں سے یہ غیر تراش کران خطوں کے بیچ میں رکھی ہوگی تم نے۔ ہائے آپا! تمہارے مسلک میں تو دوسرے جنم کا عقیدہ ہی نہ تھا۔ پھر تم نے خود کو اس طرح برباد کیوں کیا؟ زندگی جس کی گھڑیاں نپی تلی ملتی ہیں، جس کا بیتا ہوا کوئی پل واپس نہیں آتا، تم نے اس کے لمحہ لمحہ میں جاوید بھائی کو چاہا۔ لیکن کسی بھی لمحہ انہیں اپنانے کی کوشش نہ کی۔ کیوں؟ امی جان کے بعد تمہیں روکنے والا کون تھا؟ جاوید بھائی کو کسی اور سے شادی کا مشورہ دینے کے بجائے تم خود آگے کیوں نہ بڑھیں؟

تم کیا نہیں کر سکتی تھیں آپا۔ لیکن تم نے کچھ نہیں کیا! اس لئے کہ تمہارے ایک طرف محبت تھی، دوسری طرف فرض تھا۔ ماں کی آن کا، خاندان کے عزو وقار کا، مشرقی عورت کی شرم و حیا کا اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی عزت و ناموس کا۔ زندگی تم سے قربانی مانگتی تھی اور تم نے قربانی دی اپنی بھی اور جاوید بھائی کی بھی۔

آج مجھے معلوم ہوا زینت آپا کہ تم نے ہم سب کو عشق و محبت کی شعر و شاعری سے کیوں بچایا۔ چھوٹی آپا کہتی تھیں کہ ایسا کر کے تم اپنی برتری قائم رکھنا چاہتی ہو اور ہم پر جان نثار کرنے کے باوجود تم اس میدان میں کسی دوسرے کو نہیں دیکھ سکتیں۔ لیکن کسے معلوم تھا آپا کہ یہ میدان تمہارے لئے خارزار تھا جس پر تم تنہا چلتی رہیں۔

سارے خط ابھی ختم نہیں ہوئے۔ لیکن میری آنکھوں میں آنسو ہیں اور میرے کانوں میں تمہارے دل کی وہ دھک دھک ہے۔ آج مجھے معلوم ہوا زینت آپا کہ تم دنیا جہان کو محبت کیوں بانٹتی پھرتی تھیں اور کیوں جاوید بھائی کو غریبوں نے اپنا مسیحا جانا تھا۔

---

جاوید بھائی اور زینت آپا! زمانے نے جو تمہیں نہیں دیا وہ تم نے زمانے کو دیا ہے۔ تمہاری عظمت کو لاکھوں سلام! تم دونوں مشعلِ راہ ہو جو خود جل کر دوسروں کو راستہ دکھاتی ہے۔ خدا قیامت تک تمہاری لحد پر نور برسائے۔

---

مدیر "بیسویں صدی" کے نام خطوط لکھتے وقت ہمیشہ اختصار سے کام لیا کریں تاکہ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہوسکے۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

# غزل

مسعودہ حیاتؔ ایم۔ اے، بی۔ ٹی

پھولوں کی تمنا کی ہم نے اور خار بچھائے لوگوں نے
خوشیوں کے عوض اس دنیا میں کچھ زخم لگائے لوگوں نے

کھلا گئیں کلیاں دم بھر میں مرجھا گئے کتنے لالہ و گل
تعمیر چمن کے پردے میں طوفاں وہ اٹھائے لوگوں نے

اک ایک نفس گزرا جن کا دنیائے چمن مہکانے میں
ان کے بھی نشیمن کے تنکے چن چن کے جلائے لوگوں نے

الجھے ہوئے کانٹوں سے اپنا دامن بھی بچا کر کیا کرتے
رستے ہوئے دل کے زخموں پر جب تیر چلائے لوگوں نے

بجھتی ہوئی شمعوں کو ہم نے طوفاں میں روشن رکھا ہے
جلتے ہوئے سانسوں کے دیپک دم بھر میں بجھائے لوگوں نے

اس حرص و ہوس کی دنیا میں مشکل ہے شرافت سے جینا
مریم پر اور سیتا پہ بھی الزام لگائے لوگوں نے

کیا کہئے حیاتؔ اس دنیا کو اتنا بھی گوارا ہو نہ سکا
سمجھے تھے جنہیں ہم دولتِ دل وہ نقش مٹائے لوگوں نے

# غزل

اقبال سکندر شاہینؔ

کوئی مجبورِ بیاں ہو جیسے
درد سینے میں نہاں ہو جیسے

نرم لہجے کی کسک سینے میں
لطف بھی کاہشِ جاں ہو جیسے

پوچھتے ہیں سببِ خستہ دلی
میرے منہ میں بھی زباں ہو جیسے

میرے ہونٹوں پہ ہنسی آتی ہے
یہ بھی اک طرزِ فغاں ہو جیسے

زیست آتش ہے، چمن زار نہیں
ہر نفس شعلہ فشاں ہو جیسے

ہر رہِ عیش پہ چھایا ہے غبار
آگ لگنے سے دھواں ہو جیسے

کتنی جاں بخش ہے قربت تیری
صبح کا ٹھنڈا سماں ہو جیسے

دوست کا لطف و کرم اے شاہینؔ
سایۂ ابرِ رواں ہو جیسے

# غزل

شرافت اللہ وفاؔ سلونوی

نہ دیکھ مست نگاہوں سے بار بار مجھے
کہ مجھ میں کچھ تو سنبھلنے کی تاب رہنے دے

جنوں مصر ہے کہ بے پردہ ان کو دیکھوں گا
مگر خرد کو یہ ضد ہے، حجاب رہنے دے

میں ہم کلام ہوں اس سے مخل نہ ہو کوئی
یہ خواب ہے تو مجھے محوِ خواب رہنے دے

ابھی نہ چھیڑ قیامت کا تذکرہ واعظ
ابھی یہ ذکرِ عذاب و ثواب رہنے دے

شعارِ اہلِ جنوں بس یہی ہے دنیا میں
وفاؔ کو تو یونہی خانہ خراب رہنے دے

# آخری سبق

قمر زیدی - بی - کام

۱۷، کھارڈینک روڈ، بمبئی - ۳

محترم خوشتر گرامی صاحب! آداب و نیاز !!

ایک عرصہ بعد آج پھر ایک کہانی "آخری سبق" لے کر بزمِ 'بیسویں صدی' میں شریک ہونے کی جرأت کر رہا ہوں۔ کہانی کے بارے میں صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی کہنے کی زحمت نہیں کی ہے۔ ٹیلیفون کی گفتگو خود ہی کہانی کو اختتام تک پہونچا دیتی ہے۔ پھر میں کیوں کباب میں ہڈی بنوں؟ امید ہے یہ تکنک آپ ضرور پسند فرمائیں گے۔ آپ کے گرانقدر مشورے کا شدت سے انتظار رہیگا....

آپ کی دعاؤں کا طالب ——— قمر زیدی

ٹرن - ٹرن ....ر...ن...!

"ہیلو!"

"شائستہ جاوید؟"

"جی ہاں! فرمائیے آپ کون ہیں؟"

"میں خان بول رہا ہوں۔"

"اوہ! آداب عرض خان صاحب! کہئے مزاج کیسے ہیں؟"

"غم پوچھ کے محفل میں رُسوا نہ کرو ہم کو ——— ویسے تو یہ عالم ہے روتے ہیں نہ ہنستے ہیں"

"اللہ خیر کرے۔ بیگم کا موڈ تو ٹھیک ہے نا؟"

"وہ ٹھیک ہو یا نہ ہو۔ لیکن تم اُن کا ذکر کر کے میرا اچھا خاصہ موڈ کیوں بگاڑ دیتی ہو۔ یقین جانو شائستہ! تمہارے سامنے مجھے اُن میں کوئی بھی دلکشی نظر نہیں آتی۔ نہ جانے تم میں کون سی خوبی ہے جس نے مجھے پہلی ہی نظر میں اپنا دیوانہ بنا لیا اور اسی لئے میں نے انٹرویو میں اتنی ساری لڑکیوں پر صرف تمہیں ترجیح دی۔ محض اس خیال سے کہ ملازمت کے بعد کم از کم تم سے گفتگو کا شرف تو حاصل ہی ہو جایا کرے گا۔ لیکن تم نے آج تک نہ تو مجھے سمجھنے کی کوشش کی نہ ایسا موقع دیا کہ میں خود ہی تمہارے حضور میں عرض حال کرتا۔ تمہاری شخصیت ہی ایسی ہے کہ رُعبِ حُسن کی تاب نہ لا کر جرأتِ کلام جواب دے دیتی ہے۔ زبان گُنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی لئے بہت کچھ سوچ سمجھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج فون ہی پر تم سے سب کچھ صاف صاف کہہ دونگا۔"

"معاف کیجئے گا مسٹر خان! یہ ضروری نہیں کہ محبت کرنے والے اظہارِ محبت بھی کریں۔ محبت تو ایک لطیف احساس کا نام ہے جسے صرف دل ہی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے اُس کا اظہار کر کے محبت کے بلند معیار کو گرانا ہے۔ اِس لطیف احساس کے لُطف سے محروم ہو جانا ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کی نگاہوں میں محبت کی کہانیاں پڑھی ہیں۔ ——— اور اُس کے تاثرات کے عکس بھی احساس کے آئینہ میں دیکھے ہیں۔ ہم نے نہ جانے کتنے بے کیف لمحوں کو اپنے قہقہوں کے ترنم سے رنگین بنایا ہے۔ ہماری کتنی ہی شامیں ہوٹلوں، پارکوں [illegible] اور [illegible]

# شباب

آنچل ڈھلا رہا مرے مستِ شباب کا
اُوڑھا گیا کبھی نہ دوپٹہ سنبھال کر ——— ریاض خیرآبادی

ابھی شباب ہے کر لو خطائیں جی بھر کے
پھر اِس مقام پہ عمرِ رواں ملے نہ ملے ——— آنند نارائن ملاؔ

شوخی، شباب، ناز، تبسم حیا کے ساتھ
دِل لے لیا ہے آپ نے کس کس ادا کے ساتھ ——— سحر

خیال اور کسی کا اگر نہیں، نہ سہی
مجھے تو چین سے تیرا شباب رہنے دے ——— امید امیٹھوی

ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں ——— مومن

مرسلہ:۔ محمد ولی ریاض۔ بھاگلپوری

میں گذری ہیں۔ حالانکہ میں جانتی ہوں اگر میرے شوہر کو اس کا علم ہو گیا تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ پھر بھی میں کبھی آپ کی کوئی بات ٹھکرا نہ سکی۔ کوئی خواہش رد نہ کر سکی یہ میری کمزوری کہئے یا مجبوری....."

[illegible]

"[illegible] شام تک تمہیں فون کروں گا۔"

ٹرن۔ ٹرن.... ٹرن۔ ٹر... ر.... ر....!

"ہیلو! مسز خان اسپیکنگ"

"ہیلو بیگم! آج مجھے ایک میٹنگ میں جانا ہے ہو سکتا ہے [illegible] اس لئے تم رات کے کھانے [illegible]

انتظار نہ کرنا۔"

"بہتر ہے۔ کہئے تو چیسٹر بھجوا دوں۔ واپسی میں سردی کافی بڑھ جائے گی۔"

"نہیں اُسے تم خود پہن لو اور مجھے اپنی کاشمیری شال بھجوا دو۔ چیسٹر تو مجھ سے اُٹھے گا بھی نہیں۔ ہاں! شال کا دامن شاید سنبھال لوں۔"

"جائیے آپ تو مذاق کرنے لگے۔"

"میری جان! تم فکر نہ کرو۔ اب میں اتنا بھی نازک نہیں کہ معمولی سردی بھی برداشت نہ کر سکوں۔ اچھا ہائی۔ بائی!"

---

ٹرن۔ ٹرن.... ٹرن۔ ن....

"ہیلو!"

آپ مسز نامی بول رہی ہیں؟"

"جی! ہاں آپ کون صاحب ہیں؟"

"میں پربھات فیکٹری کا منیجر بول رہا ہوں۔ [illegible] زحمت نہ ہو تو بازو کے روم سے مسٹر جاوید کو فون پہ بلا دیں"

"وہ اِس وقت تو گھر پہ نہیں ہیں [illegible] فون آیا تھا اُن کی طبیعت کچھ نا ساز ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

"جی نہیں [illegible]

"نہیں بس یوں ہی پوچھ رہا ہوں۔ میں نے ابھی تمہارے شوہر کو فون کیا تھا۔ لیکن مسیز نامی نے بتایا کہ ابھی کسی مسز خان کا فون آیا تھا۔ اُن کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ وہ اُنھیں کے یہاں گئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے آپ ہی کی وائف کا فون آیا ہو۔"

"لیکن ابھی آدھ گھنٹے پہلے اُن سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اُنہوں نے مجھ سے تو کچھ نہیں بتایا۔ اور پھر اگر اُن کی طبیعت ناساز ہی ہو گئی تھی تو ڈائرکٹ کسی ڈاکٹر کو فون کر سکتی تھیں۔ تمہارے شوہر کو کیوں تکلیف دی؟"

"کیا اُنھیں یہ علم ہے کہ آج آپ دیر سے گھر آئیں گے؟"

"ہاں! میں نے اُنھیں یہی بتانے کے لئے تو فون کیا تھا۔"

"اوہ! سمجھ گئی ـــــ تب تو ضرور کچھ دال میں کالا ہے!"

"وہ کیسے ـــــ؟"

"وہ اِس طرح کہ ہر مرد کو اپنی بیوی سے زیادہ دوسروں کی بیویاں خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے میرے شوہر کو بھی مجھ سے زیادہ آپ کی بیوی میں دلکشی نظر آئی ہو ـــــ خیر چلیے یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ اب تو کوئی کسی پر اُنگلی نہ اُٹھا سکے گا۔ ایک حمام میں سب ننگے!"

"شٹ اپ! ـــــ"

"ہیلو! خان صاحب! ہیلو۔ ہیلو!!"

---

ٹرن۔ ٹرن .... ٹرن۔ ٹرن ....!

"ہیلو!"

"ہیلو! مسز خان؟"

"اسپیکنگ!"

"میں شائستہ بول رہی ہوں۔"

"ہیلو! شائستہ بہن! کہو کیسی ہو؟ تمہارے شوہر تو اب اچھے ہیں نا؟"

"ہاں! بہن! اب تو اللہ کا شکر ہے۔ لیکن ڈاکٹروں نے ابھی اُنھیں ایک ماہ اور آرام کرنے کو کہا ہے بہن! آج میں نے ایک گستاخی کی ہے۔ اُمید ہے آپ مجھے معاف کر دیں گی۔ آپ تو جانتی ہی ہیں کہ مجھے اپنے شوہر کی علالت کی وجہ سے مجبوراً نوکری کرنی پڑی لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ نوکری کر کے میں ایک نئی مصیبت میں گرفتار

# خط

پڑھ کے تیرا خط مرے دل کی عجب حالت ہوئی
اضطرابِ شوق نے اِک حشر برپا کر دیا ـــــ حسرت موہانی

لے کے خط اُن کا کیا ضبط بہت کچھ، لیکن
تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا ـــــ جگر مرادآبادی

اے ظفر پڑھتا ہے خط میرا وہ اِس عنوان سے
غیر کو بتلا رہا ہے مضمون سُن کر یاد ہے ـــــ ظفر بہادر شاہ

قاصد کے آتے آتے خط اِک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں ـــــ مرزا غالب

خطِ شوق اپنا لفافے میں رکھو!
آرزوؤں کو کفن پہناؤ شاد!! ـــــ شاد عظیم آبادی

مرسلہ: کے۔ رحمت اللہ خاں، بنگلور نمبرا

ہو جاؤں گی۔ میری تقرری کے بعد ہی سے مسٹر خان کی نگاہِ شوق مجھ پر تھی لیکن اپنی ملازمت کی وجہ سے مجبوراً مجھے اُن کا ہر حکم ماننا پڑا۔ اُن کی ہر خواہش کا احترام کرنا پڑا۔ حالانکہ میں نے کبھی اُنھیں اظہارِ شوق کا موقع نہ دیا۔ پھر بھی اِدھر کچھ دنوں سے اُن کی پیاسی آنکھیں دیکھ کر مجھے اپنی عزت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ اسی لئے آج ملی جلی سازش سے مسز نامی نے اُن سے فون پر کہا ہے کہ مسز خان نے فون کر کے مسٹر جاوید کو اِس وقت گھر بلا لیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ آگ بگولہ ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کی غرض سے ابھی گھر پہونچیں اور آپ کو شکوک نظروں سے دیکھیں۔ لیکن بہن! سانچ کو آنچ نہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ اگر وہ آپ کی پاک دامنی پر کسی طرح کا شک کریں تو آپ اُنھیں لے کر مسز نامی کے گھر آ جائیے گا۔ ہم لوگ آپ کی پوزیشن صاف کر دیں گے۔"

"میں تو سمجھتی ہوں وہاں تک آنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔ تمہارے ڈرامے کا نفسیاتی اثر اُنھیں خود ہی یہ احساس دلائے گا کہ وہ بذاتِ خود آج تک غلطی پر تھے۔ بہن اِن مردوں کی بھی عجیب فطرت ہے۔ نہ جانے کیوں وہ اپنی بیوی سے زیادہ پرائی عورتوں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ کاش! وہ کسی دوسری عورت پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ سوچ سکیں کہ وہ بھی کسی نہ کسی مرد کی امانت ہے۔ اچھا خدا حافظ! جاوید بھائی کو تسلیم کہنا ـــــ خدا حافظ!!"

بیسویں صدی دہلی دسمبر ۱۹۷۴ء

# غزل

شکیل احمد عاصم بریلوی ایم۔ اے، ایم کام، بی۔ ٹی

اے اہلِ ہوس غور سے دیکھو، کہ میں کیا ہوں
دنیا میں وفا مجھ سے ہے میں رُوحِ وفا ہوں

میں نے رسن و دار کو لبیک کہا ہے
میں عشق و محبت کا نگہبان رہا ہوں

قصداً نظر انداز کیا تیرے ستم کو
دانستہ محبت میں کئی بار لُٹا ہوں

بُت خانہ میں رکھو کہ مجھے طاقِ حرم میں
اے شیخ و برہمن میں محبت کا دیا ہوں

شاید ترے عارض پہ پریشان ہیں گیسو!
تقدیر کے ماتھے پہ شکن دیکھ رہا ہوں

آئینۂ احساس میں دیکھو مری تصویر
ہوں خواب مگر تلخ حقیقت میں ڈھلا ہوں

ہر دور سے گذرا ہوں رہِ عشق میں عاصم
نظروں میں بسا ہوں کبھی نظروں سے گرا ہوں

# غزل

پروفیسر مخمور صہبائی سنبھلی ایم۔ اے (علیگ) بی۔ ایڈ

حرف گیری پہ مری سارا جہاں رہتا ہے
پھر بھی اِک نام ہے جو وردِ زباں رہتا ہے

میں نے دیکھا ہے ترا عکس ہر اِک چہرے میں
دل ترے ساتھ ہی رہتا ہے جہاں رہتا ہے

مصلحتِ عشق میں دیکھی ہیں جوانی اے دوست
آنکھ لگ جائے تو پھر ہوش کہاں رہتا ہے؟

عشرتوں میں بھی چھپے رہتے ہیں غم کے پہلو
نغمہ زن ہو کے بھی دل محوِ فغاں رہتا ہے

غم کے ماحول سے گھبراؤ نہ دُنیا والو
غم سے انسان کا احساس جواں رہتا ہے

صاحبِ جذب کو ساقی سے شکایت کیوں ہو؟
مے برستی ہے وہاں رند جہاں رہتا ہے

جن کے کوچے میں بھٹکتے ہوئے مدت گزری
پوچھتے ہیں وہی، مخمور کہاں رہتا ہے

# غزل

ظہیر غازی پوری

جو لویں سلیبوں سے وابستہ زندگی ہوگی
تو کیا کسی کے لب و رُخ میں دلکشی ہوگی

بڑی حسین لگی اب کے گردشِ دوراں
تمہارے جسم کا اِک لمس پا گئی ہوگی

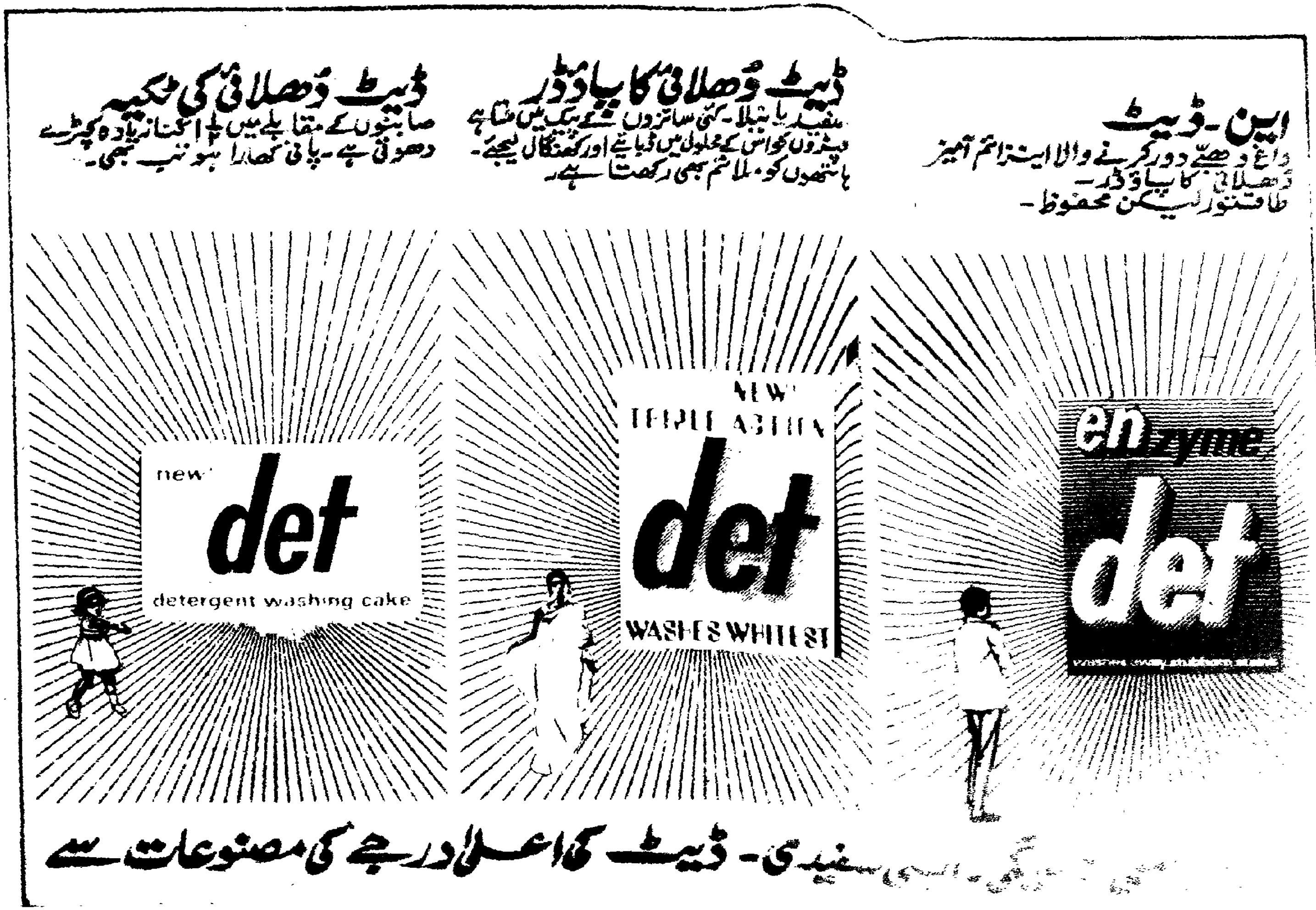
نظر میں شعلے سے، چہرہ کبھی تمتمایا ہوا
شرارت آپ سے کچھ آئینے نے کی ہوگی

ہماری آنکھ میں آنسو کا مرتبہ ہی کیا
تمہاری آنکھ سے چھلکے تو روشنی ہوگی

یہی ہے شرط تو پھر ظلمتوں کا شکوہ کیا
لہو جلے گا ہمارا تو روشنی ہوگی

اگر حیات کا باقی سفر طویل رہا
تو میرے ہاتھوں ہی تزئینِ شاعری ہوگی

بکھرتا جاتا ہے شیرازہ جہل کا جو ظہیر
تو اِس سے آگے یقیناً آگہی ہوگی


ڈیٹ دھلائی کی ٹکیہ
صابنوں کے مقابلے میں ۱½ گنا زیادہ کپڑے
دھوتی ہے۔ پانی کھارا ہو تب بھی۔
new
det
detergent washing cake
ڈیٹ دھلائی کا پاؤڈر
سفید یا نیلا۔ کئی سائزوں کے پیک میں ملتا ہے
کپڑوں کو اس کے محلول میں ڈبائیے اور کھنگال لیجئے۔
ہاتھوں کو ملائم بھی رکھتا ہے۔
NEW
TRIPLE ACTION
det
WASHES WHITEST
این۔ڈیٹ
داغ دھبے دور کرنے والا اینزائم آمیز
دھلائی کا پاؤڈر۔
طاقتور لیکن محفوظ۔
enzyme
det
سفیدی۔ ڈیٹ کی اعلیٰ درجے کی مصنوعات سے

# چکر

ایم۔ ایچ خان شاہجہاں پوری
معرفت ... [illegible] ... شاہجہانپور (یو۔پی)

مکرمی و محترمی! خلوص و نیاز

... یہ دنیا ایک چکر ہے۔ اس حقیقت سے شاید کسی کو انکار نہ ہوگا۔ ... لیکن یہ پیش خدمت ... کہانی لکھی گئی ہے۔ اُمید ہے پسند آنے کی۔ میں اس کہانی کو اپنے ان خلوص کاروں کی خدمت میں خاص طور سے پیش کر رہا ہوں جو اس طرح کی کہانیوں کے لئے وقتاً فوقتاً مجھ سے تقاضہ کرتے رہتے ہیں۔ اُمید ہے وہ ہمیشہ کی طرح اپنی گرانقدر آراء سے نوازیں گے۔ میں نے اپنے کرم فرماؤں کی پُر خلوص رائے کو ہمیشہ مشعل راہ سمجھا ہے۔ پہلی کہانی کی پسندیدگی کے لئے میں سب کا ممنون ہوں۔

نیاز مند — ایم۔ ایچ خان

★

یہ دُنیا ایک چکر ہے۔ فضاؤں میں چکر ہے، حسین نظاروں میں چکر ہے، چاند ستاروں میں بھی چکر ہے — اور جب زندگی میں بھی چکر آتا ہے تو کہکر نہیں آتا۔ بس مختلف انداز سے آہی جاتا ہے۔ میری زندگی میں ایک چکر ایک حسین لڑکی کے رُوپ میں آیا۔ کب آیا — کیسے آیا؟ اِس کا احساس کبھی نہ ہو سکا۔ اُس کا نام ... تھا۔ وہ میرے ساتھ ... میں ایم۔ اے کر رہی تھی۔ وہ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ خوش گفتار اور خوش اخلاق بھی تھی۔ اُس کی بڑی سیاہ آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ اُس سے نظر ملا کر بات کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ اُس نے مجھے اتنا متاثر کر لیا کہ میں ... اُس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ وہ گرلس ہوسٹل میں ... [illegible] ... [illegible] ... زیادہ تر آرٹ، باتیں اور کبھی سائنس پر!

ایک دن ہم دونوں خان پر تھے ... کی ہری ... گھاس پر بیٹھے تھے تو محبت کا موضوع زیر بحث آ گیا تھا۔ وہ بات بات پر دلنواز ادا سے مُسکرا رہی تھی۔ جیسے ایک نور کا دریا ہے جس میں وہ بہتی جا رہی ہے — پھر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ ... سے چیخ پڑی "محبت؟ نہیں، نہیں!" وہ اُٹھی ... جیسے کسی زہریلے کیڑے نے ڈنک مار دیا ہو، میں حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ میری سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ اُس کے چہرے کا رنگ اُڑا اُڑا تھا۔ آنکھیں سُرخ تھیں! وہ تیز تیز سانسیں لے رہی تھی۔ پھر وہ برق کی طرح تڑپ ... اُٹھی اور ... بھاگ گئی۔ میری نگاہیں بھی اُس کا تعاقب ... میں ... سے اُٹھ کر اُس کے کلاس روم ... کے دیکھ ... وہ ... [illegible] ... اپارٹمنٹ

# شمع

ٹپک اے شمع آنسو بنکے پروانہ کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری ——— علامہ اقبالؒ

کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک تو ہم نے بھی دیکھا کہ پروانہ گیا ——— میر

شمع بھی کم نہیں کچھ عشق میں پروانے سے
جان دیتا ہے اگر وہ تو یہ سر دیتی ہے ——— ذوق

یوں تو کہتے ہیں ہوئی شمع فروزاں لیکن
موم کے جسم میں دھاگے کا جگر جلتا ہے ——— نامعلوم

پگھل کر دل لہو ہو ہو کے بہہ جاتا ہے آنکھوں سے
ستم ہے شمع کو جو زینتِ محفل سمجھتے ہیں ——— اثر صہبائی

مرسلہ ایم آر اجمل بی ایس سی (آنرز) علیگ

چھان مارا۔ لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ جس سے پوچھا اُس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ دوسرے دن اُس کے ہوسٹل جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ اُسے نوکل سے کسی نے نہیں دیکھا، صبح کو اُس کا کمرہ بھی خالی پایا گیا۔ میری کیا، کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کون تھی، اور کہاں چلی گئی؟ اُس کا وجود ایک پُراسرار خواب کی طرح باقی رہ گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں اُس سے محبت کرنے لگا تھا——— اور اُس کے غائب ہونے سے میں نے اپنی زندگی کو جیسے بے کیف محسوس کیا۔ میرے گرد ایک تکلیف دہ خلا سا پھیل گیا۔

——— وقت تو گذرتا گیا، لیکن بیتتے ہوئے لمحے میرے درد کا درماں نہ بن سکے۔ کوشش کے باوجود میں نشاط کو بھلا نہ سکا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب کبھی کسی سے پیار نہ کروں گا۔ پیار ایک فریب ہے ——— اور عورت ایک سراب؟ میں نے تعلیم ختم کر کے اپنا وطن چھوڑ دیا اور ایک انجان مقام پر ایک کالج میں ملازمت کر لی۔ وہیں شہر سے الگ ایک کرائے کے مکان میں تنہا رہنے لگا——— نہ کوئی ساقی، نہ مونس، نہ غمخوار! ساتھ میں ایک ملازم تو ضرور تھا۔ لیکن وہ مکان کے باہر ایک کمرے میں رہتا تھا۔ وہ مکان بستی سے بالکل الگ تھا اس لئے اُس کا ماحول پُرسکون اور خوشگوار تھا———

لیکن ایک دن میرے اُس سکون کا بھی شیرازہ بکھر گیا۔ میں غسل کر رہا تھا۔ میں نے صابن کے لئے ملازم کو آواز دی۔ لیکن ذرا دیر بعد غسل خانے کا کواڑ کھلا اور ایک خوبصورت نسوانی ہاتھ اندر داخل ہوا۔ اُس کی حسین انگلیوں میں صابن دانی تھمی تھی۔ میں خوف سے لرز گیا۔ لیکن وہ ہاتھ اتنا خوبصورت تھا کہ میں نے صابن دانی کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ ہاتھ غسل خانے کے باہر چلا گیا۔ پھر میرے کانوں میں اِس انداز کی گھنگھروؤں کی آواز آئی جیسے کوئی آہستہ آہستہ چل کے جا رہا ہے۔ ایک طرف اُس خوبصورت ہاتھ کا تاثر تھا اور دوسری طرف اُس کی پُراسراریت، حیکر اور بڑھ گیا۔ کسی طرح غسل کر کے غسل خانے سے نکلا تو باہر بھی کوئی نہ تھا۔

کافی دن گذر گئے اور کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی۔ لیکن میں نے اکثر رات کے وقت دور گھنگھروؤں کی آواز سُنی۔ وہ آواز بہت پُرکیف ہوتی تھی۔ اکثر میں نے اُس آواز کے تعاقب کے لئے خود کو آمادہ بھی پایا۔ لیکن خوف نے مجھے اجازت نہ دی۔ ایک دن مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ رات کا وقت تھا۔ گیارہ بجے تھے۔ ہوا میں خوشگوار خنکی تھی۔ ابھی چاند پہاڑوں کی اوٹ میں تھا اس لئے دور کی چیز صاف دکھائی نہ دے رہی تھی۔ میں آنگن میں چبوترے پر ٹہل رہا تھا۔ باغ میں کھلنے والی کھڑکی کی طرف سے پھر اُن گھنگھروؤں کی آواز آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ کھڑکی سے ایک دھندلا سا عکس نکلا اور آہستہ آہستہ چل کر زینے پر چڑھنے لگا۔ اُس کے چلنے کا انداز بیحد حسین تھا۔ یقیناً وہ عورت ہی کی چال تھی۔ کئی لمحے میں اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر معاً میرے قدم زینے کی طرف بڑھنے لگے۔ اس سے پہلے مجھے چھت پر جانے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ آج اُس آواز کی کشش اور پُراسرار عکس نے مجھے بلا ارادہ چھت پر جانے کے لئے مجبور کر دیا۔ میں محتاط قدموں سے چڑھ کر اُوپر پہونچ گیا۔ وہاں مجھے ایک بھینی بھینی خوشبو کا احساس ہوا——— نٹ اور خوشبو! میں اُس کی طرف بڑھتا ہی گیا۔ لیکن چند قدم چلنے کے بعد پھر مجھے کچھ بھی ہوش نہ رہا۔ جب مجھے ہوش آیا تو دوسرے دن کی صبح تھی۔ میں اپنے کمرے میں پلنگ پر لیٹا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے بس اِتنا یاد رہ گیا تھا کہ رات میں کسی حسین لیکن پُراسرار عکس کے تعاقب میں

چھت پر گیا تھا۔ ایک مدہوش کن خوشبو سے سرشار ہوا تھا۔۔۔۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ بھی یاد نہ تھا۔ وہ پُراسرار اور بہت نازک وجود میرے دل کے گوشوں میں پھیلتا سا جا رہا تھا۔۔۔ اور دوسری طرف عورت سے بیزاری کا احساس بھی ذہن میں موجود تھا۔

ایک دن پھر میں اُس سایہ کے تعاقب میں چھت پر پہنچ گیا اور فیصلہ کر لیا کہ آج اس پُراسرار وجود اور اُس راز کا پردہ فاش کروں گا۔ اُس دن میرے ہاتھ میں پسٹل بھی تھا اور ٹارچ بھی۔ چھت پر وہی ویرانی تھی جیسے وہاں سینکڑوں سال سے کسی متنفس کا گذر نہیں ہوا ہے۔ مکڑی کے جالے نے در و دیوار کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جگہ جگہ ملبہ کا ڈھیر پڑا تھا [illegible] رہی تھی۔ ہُو کا عالم تھا۔ ذرا دُور پر ایک کمرے کا دروازہ [illegible] تھوڑا سا کھلا تھا اور [illegible] آ رہی تھی جیسے کوئی [illegible] میں سرشار [illegible] اسی آواز نے میرا ہر اُصول، ہر عہد شکست کر رہا تھا۔ میرے قدم بے اختیار اُسی کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ [illegible] تیزی سے دروازہ کھول دیا۔۔۔۔ اور اب مجھے [illegible] میری آنکھوں نے وہاں جو کچھ دیکھا تو خوف سے [illegible] دماغ کی رگیں پھٹ گئیں، میں پاگل [illegible] ہو گیا۔ کمرے کے اندر انسانی [illegible] کے ڈھانچے بکھرے پڑے تھے۔ خوف سے میرا رُواں رُواں کانپ [illegible] میں اُلٹے قدموں وہاں سے بھاگ آیا۔ [illegible] دوسرے دن کالج نہ جا سکا۔ [illegible] ملازم بھی چھٹی لے کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس لئے مجھے آج [illegible] کام خود ہی کرنا تھا۔ لیکن جب میں غسل خانے کے اندر گیا تو غسل کا سارا سامان موجود تھا۔ غسل سے فارغ ہو کر میں کمرے میں داخل ہوا تو میز پر کھانا بھی سلیقے سے چُنا رکھا تھا۔ پلیٹوں سے گرم گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ یہ سب اور دیگر حادثات بالکل اسی طرح ہو رہے تھے جیسے جادو ہو رہا ہے۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا ذہن اُس کے بارے میں پہلے سے سوچ سکتا تھا اور نہ ابھی میں کچھ سمجھ میں آتا تھا۔ بہت دیر تک میں میز کے پاس ششدر کھڑا رہا۔ چند لمحے بعد ایک آواز گونجی "کھانا کھائیے!" میں اِدھر اُدھر تکنے لگا۔ لیکن کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ آواز اتنے قریب تھی جیسے بالکل میری پشت سے آئی ہے۔

## دل

تری ذات [illegible] ادائے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] گیا

[illegible]

میں نے پوری [illegible] اس عظیم ہستی کو دیکھنا چاہتا ہوں جو پُراسرار ہونے کے ساتھ ساتھ میری ہمدرد بھی ہے؟ دوسرے ہی لمحے ایک ایسے قہقہے کی آواز آئی جیسے کہیں دور جلترنگ بج اٹھی ہو [illegible] تو دیکھتے ہیں۔ میرا تعاقب بھی کرتے ہیں۔ لیکن کبھی پاس آنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ مجھے دُور سے دیکھا جا سکتا ہے محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن [illegible] نہیں۔" میں تھوڑے سے پس و پیش کے بعد اللہ کا نام لے کر کھانا کھانے لگا۔ جب میں ہاتھ دھونے حمام میں گیا اور واپس آیا تو میز صاف تھی۔

تین ماہ گزر گئے۔ اس درمیان میں نے گھنگھرو کی آواز [illegible] شام [illegible] معطر [illegible] لیکن [illegible] ویسی ہی [illegible] خوشبو [illegible] چھانے لگی۔ کمرے [illegible] آپ سے [illegible] میری

## شمع

[illegible] ہے

سراپا حسرت [illegible] داستاں میری ——— علامہ اقبال

[illegible] پیچ و تاب

شمع تک ... بھی دیکھا کر پروانہ گیا ——— میر

شمع بھی کم نہیں کچھ عشق میں پروانے سے

جان دیتا ہے اگر وہ تو یہ سر دیتی ہے ——— ذوق

یوں تو کہتے ہیں جلتی شمع فروزاں لیکن

موم کے جسم میں دھاگے کا جگر جلتا ہے ——— اسلام

پگھل کر دل یہ جو بہہ جاتا ہے آنکھوں سے

ستم ہے شمع کو جو زینت محفل سمجھتے ہیں ——— اختر صہبائی

مرسلہ: ایم آر اقبال ... اسٹوڈنٹ ہینگ

چھوڑ ملا۔ لیکن اُس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ جس سے پوچھا اُس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ دوسرے دن اُس کے ہوسٹل جا کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ اُسے تو کل سے کسی نے نہیں دیکھا۔ صبح کو اُس کا کمرہ بھی خالی پایا گیا۔

میری کیا کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کون تھی، اور کہاں چلی گئی؟ اُس کا وجود ایک پُراسرار خواب کی طرح باقی رہ گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں اُس سے محبت کرنے لگا تھا ——— اور اُس کے غائب ہونے سے میں نے اپنی زندگی کو جیسے بے کیف محسوس کیا۔ میرے گرد ایک تکلیف دہ خلا سا پھیل گیا۔

——— وقت تو گزرتا گیا، لیکن بیتتے ہوئے لمحے میرے درد کا درماں نہ بن سکے۔ کوشش کے باوجود میں شائلا کو بھلا نہ سکا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب کبھی کسی سے پیار نہ کروں گا۔ پیار ایک فریب ہے ——— اور عورت ایک سراب؟ میں نے تعلیم ختم کر کے اپنا وطن چھوڑ دیا اور ایک انجان مقام پر ایک کالج میں ملازمت کر لی۔ وہیں شہر سے الگ ایک کرائے کے مکان میں تنہا رہنے لگا ——— کوئی ساتھی، نہ مونس، نہ غمخوار! ساتھ میں ایک ملازم تو ضرور تھا۔ لیکن وہ مکان کے باہر ایک کمرے میں رہتا تھا۔ وہ مکان بستی سے

بالکل الگ تھا اس لئے اُس کا ماحول پُرسکون اور پُروقار تھا۔ لیکن ایک دن میرے اُس سکون کا بھی شیرازہ بکھر گیا۔ میں غسل خانے میں تھا۔ میں نے صابن کے لئے ملازم کو آواز دی۔ لیکن غسل خانے کا کواڑ کھلا اور ایک خوبصورت نسوانی ہاتھ اندر داخل ہوا۔ اُس کی حسین انگلیوں میں صابن دبی تھی۔ میں خوف سے سہم گیا۔ لیکن وہ ہاتھ اتنا خوبصورت تھا کہ میں نے صابن لینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ ہاتھ غسل خانے کے باہر چلا گیا۔ پھر میرے کانوں میں اس انداز کی گھنگھروؤں کی آواز آئی جیسے کوئی آہستہ آہستہ چل کے جا رہا ہے۔ ایک طرف اُس خوبصورت ہاتھ کا تاثر تھا اور دوسری طرف اُس کی پُراسراریت۔ چکرا اور ڈر گیا۔ کسی طرح غسل کر کے غسل خانے سے نکلا تو باہر بھی کوئی نہ تھا۔

کافی دن گزر گئے اور کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی۔ لیکن میں نے اکثر رات کے وقت دور گھنگھروؤں کی آواز سُنی۔ وہ آواز بہت پُرکیف ہوتی تھی۔ اکثر میں نے اُس آواز کے تعاقب کے لئے خود کو آمادہ بھی پایا۔ لیکن خوف نے مجھے اجازت نہ دی۔ ایک دن مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ رات کا وقت تھا۔ گیارہ بجے تھے۔ ہوا میں خوشگوار خنکی تھی۔ ابھی چاند پہاڑوں کی اوٹ میں تھا۔ اس لئے ہر چیز صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میں آنگن میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ باغ میں کھلنے والی کھڑکی کی طرف سے پھر اُن گھنگھروؤں کی آواز آئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ کھڑکی سے ایک دھندلا سا عکس ابھرا اور آہستہ آہستہ چل کر زینے پر چڑھنے لگا۔ اُس کے چلنے کا انداز بے حد حسین تھا۔ یقیناً وہ عورت ہی کی چال تھی۔ کئی لمحے میں اُسی کو گھورتا رہا۔ پھر میرے قدم زینے کی طرف بڑھنے لگے۔ اس سے پہلے مجھے چھت پر جانے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ آج اُس آواز کی کشش اور پُراسرار عکس نے مجھے بلا ارادہ چھت پر جانے کے لئے مجبور کر دیا۔ میں دھیمے قدموں سے چڑھ کر اُوپر پہونچ گیا۔ وہاں مجھے ایک بھینی بھینی خوشبو کا احساس ہوا ——— نشہ آور خوشبو۔ میں اُس کی طرف بڑھتا ہی گیا۔ لیکن چند قدم چلنے کے بعد مجھے کچھ بھی ہوش نہ رہا۔ جب مجھے ہوش آیا تو دوسرے دن کی صبح تھی۔ میں اپنے کمرے میں پلنگ پر لیٹا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے بس اتنا یاد رہ گیا تھا کہ رات میں کسی حسین لیکن پُراسرار عکس کے تعاقب میں

چھت پر گیا تھا، ایک مدہوش کن خوشبو سے سرشار ہوا تھا ——— اس کے بعد مجھے کچھ بھی یاد نہ تھا۔ وہ پُراسرار اور ہیبت ناک وجود میرے ملنے کے گوشوں میں پھیلتا سا جا رہا تھا ——— اور دوسری طرف عورت سے بیزاری کا احساس بھی ذہن میں موجود تھا۔

ایک دن پھر میں اُس سایہ کے تعاقب میں چھت پر پہنچ گیا اور فیصلہ کر لیا کہ آج اس پُراسرار وجود اور اُس راز کا پردہ فاش کر دوں گا۔ اُس دن میرے ہاتھ میں پستول بھی تھا اور ٹارچ بھی! چھت پر وہی ویرانی تھی جیسے وہاں سینکڑوں سال سے کبھی متنفس کا گذر نہیں ہوا ہے۔ مکڑی کے جالے نے در و دیوار کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جگہ جگہ چمگادڑ لٹکے تھے۔ وحشت برس رہی تھی، ہُو کا عالم تھا۔ ذرا دُور پر ایک کمرے کا دروازہ البتہ تھوڑا سا کھُلا تھا اور اُس دروازے سے وہی گھنگھروؤں کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی حسینہ نشے میں سرشار بے ربط رقص کر رہی ہو۔ بس اِسی آواز نے میرا ہر اُصول، ہر عہد شکست کر رکھا تھا۔ میرے قدم بے اختیار اُسی کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ پاس پہنچ کر میں نے تیزی سے دروازہ کھول دیا ——— اور اب مجھے خود حیرت ہے کہ میری آنکھوں نے وہاں جو کچھ دیکھا تو خوف سے میرے دماغ کی رگیں کیوں نہ پھٹ گئیں، میں پاگل کیوں نہ ہو گیا؟ کمرے کے اندر انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے بکھرے پڑے تھے۔ خوف سے میرا رواں رواں کانپ اُٹھا۔ میں اُلٹے قدموں وہاں سے بھاگ آیا۔ میرا ذہن اتنا ماؤف ہو گیا کہ میں دوسرے دن کالج نہ جا سکا۔ اُس دن ملازم بھی چھٹی لے کر اپنے گھر چلا گیا، اِس لئے مجھے آج سب کام خود ہی کرنا تھا۔ لیکن جب میں غسل خانے کے اندر گیا تو غسل کا سارا سامان موجود تھا۔ غسل سے فارغ ہو کر میں کمرے میں داخل ہوا تو میز پر کھانا بھی سلیقے سے چُنا رکھا تھا۔ پلیٹوں سے گرم گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ میرے اردگرد حادثات بالکل اسی طرح ہو رہے تھے جیسے جادو ہو رہا ہے۔ جو کچھ بھی ہوتا آ رہا تھا نہ ذہن اُس کے بارے میں پہلے سے سوچ سکتا تھا اور نہ بعد ہی میں کچھ سمجھ میں آتا تھا۔ بہت دیر تک میں میز کے پاس ششدر کھڑا رہا۔ چند لمحے بعد ایک آواز گونجی "کھانا کھائیے!" میں اِدھر اُدھر تکنے لگا۔ لیکن کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ آواز اتنے قریب تھی جیسے بالکل میری پُشت سے آئی ہے۔

# دل

تری تڑپ سے نہ تڑپا تھا میرا دل لیکن
ترے سکوں سے بے چین ہو گیا ہوں میں ——— ساحر

نہ وہ شانِ عہدِ شباب ہے نہ وہ رنگِ قہر و عتاب ہے
دلِ بے قرار پہ ان دنوں ہے ستم یہی کہ ستم نہیں ——— شکیل بدایونی

دلِ پاس خو کی اداسی کے ہاتھوں
بہاروں میں وقفِ خزاں ہو گئے ہم ——— کرشن موہن

معصوم آرزو کا ہر اک خواب لے گیا
دل کیا گیا خیالات کے اسباب لے گیا ——— مظفر حنفی

دل کو بہا کے دیدۂ پُر آب لے گیا
کیسے حسین شہر کو سیلاب لے گیا ——— جاوید

مرسلہ:- ریحانہ پروین، دہلی

میں نے یونہی کہا "میں اِس عظیم ہستی کو دیکھنا چاہتا ہوں جو پُراسرار ہونے کے ساتھ ساتھ میری ہمدرد بھی ہے۔" دوسرے ہی لمحے ایک ایسے قہقہے کی آواز آئی جیسے کہیں دور جلترنگ بج اُٹھی ہو۔ "ہم نہ ہی تو دیکھ سکتے ہیں۔ میرا تعاقب بھی کرتے ہیں۔ لیکن کبھی پاس آنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ مجھے دُور سے دیکھا جا سکتا ہے، محسوس کیا جا سکتا ہے بس اور کچھ نہیں۔" میں تھوڑے سے پس و پیش کے بعد اللہ کا نام لے کر کھانا کھانے لگا۔ جب میں ہاتھ دھونے حمام میں گیا اور واپس آیا تو میز صاف تھی۔

تین ماہ گذر گئے۔ اِس درمیان نہ میں نے گھنگھروؤں کی آواز سُنی اور نہ وہ کیف آگیں خوشبو ہی مشامِ جاں کو معطر کر سکی۔ لیکن ایک دن میں سو کر اُٹھا تو میرے بستر سے ویسی ہی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی۔ پُراسرار سائے پھر میرے ذہن پر چھانے لگے۔ کمرے کے کواڑ چوپٹ کھلے تھے۔ تکیے کے نیچے سے ایک سبز رنگ (میرا پسندیدہ رنگ) کا کاغذ جھانک رہا تھا۔ میں نے کاغذ نکال کر کھولا اور پڑھنے لگا۔ اُس میں لکھا تھا "آج کی رات میں نے آپ کے بہت قریب رہ کر گذاری اور میں محسوس کرتی ہوں کہ یہ رات میری

زندگی کی حاصل [illegible] ہے۔ لیکن اب ایسا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ میری شدید غلطی رہی ہے [illegible] غلطی کو بار بار دُہرانا نہ چاہیئے۔ البتہ آپ مجھ سے ملنے آسکتے ہیں۔ آپ [illegible] رہے ہوں گے کہاں؟ چھت پر اُسی کمرے میں جہاں آپ ایک بار جا چکے ہیں۔ خوفزدہ ہونے کی بات نہیں ہے۔ اپنی اپنی پسند ہے۔ مجھے ہڈیوں کے ڈھانچے ہی پسند ہیں۔ آج رات کو بارہ بجے میں وہیں آپ کا انتظار کروں گی۔ آپ آئیں گے نا؟"

میں نے پرچہ اُنگلیوں سے مروڑ کر پھینک دیا۔ عورت کے چکر کا دائرہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ نشاط بھی ایک عورت تھی جس نے میری زندگی میں اسرار کا زہر گھول دیا تھا اور یہ پُراسرار وجود بھی ایک عورت ہی کا ہے جس نے میرا سکون غارت کر رکھا تھا ——

پھر بھی میں نے فیصلہ کر لیا کہ اُس خوفناک کمرے میں جاؤں گا اور اُس خوفناک بلا کا راز فاش کر کے رہوں گا۔ چاہے وہ جگہ میری اپنی موت کا موجب ہی کیوں نہ بن جائے۔ رات کے ٹھیک بارہ بجے میں —— LOADED پسٹل لئے چھت پر پہونچ گیا۔ میں نے خود کو ہر حادثے سے مقابلے کے قابل بنا لیا تھا۔ ہمت کر کے میں اُس خونخوار کمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن جیسے ہی سامنے نظر پڑی میرے منہ سے دبی ہوئی چیخ نکل گئی۔ اُن ہڈیوں کے ڈھانچوں سے ٹکا ہوا ایک ڈھانچہ [illegible] بالکل سیدھا کھڑا تھا۔ اُس کا جسم لکڑی کے تختے کی [illegible] اُس کی آنکھیں [illegible] رہ گئی تھیں۔ ویران جگہ [illegible] سے [illegible] آنکھوں کے [illegible]

[illegible]

دیکھا بہت مشکل سے میں اپنے حواس برقرار رکھ سکا [illegible]

[illegible]

[illegible] کی اس انداز سے جا رہی تھی جیسے میں اُس کی موجودگی سے بے خبر ہوں۔ موت میرے سر پر منڈلاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ فرار کے لئے بھی کوئی راستہ نہ تھا۔ چند ہی لمحے بعد اُس کا اوزار والا ہاتھ اُٹھا —— لیکن

میرے اوپر وار نہ ہوا۔ ہاتھ پھر اُٹھا اور پھر رُک گیا۔ [illegible] اور تیزی سے اچانک ہاتھ اُٹھایا لیکن ہاتھ پھر ڈھیلا پڑ گیا —— چند لمحے اور گزر گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اُس نے جھنجھلا کر اوزار [illegible] پر پھینک دیا۔ پھر وہ بڑی سرعت سے جھپٹ کر مجھ سے لپٹ گئی اور چیخ پڑی "نہیں، نہیں —— یہ نہیں ہو سکتا؟"

"لیکن اب میں تیرا خون پی لوں گا ظالم!" میں نے اُسے زور سے دھکا دے دیا۔ وہ دُور جا کر گر پڑی۔ میں نے پسٹل کا رُخ اُس کی طرف کر دیا —— اور جب اُس پر میری نظر پڑی تو میری عقل کے ٹانکے ٹوٹ گئے۔ میری آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ نشاط تھی اور آہستہ آہستہ اُٹھ کر میرے پاس آگئی۔ اُس وقت بھی اُس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔ تھوڑے توقف سے وہ بولی "اب سے پانچ سال پہلے اِس دل میں محبت کا جو ننھا سا پودا اُگا تھا، اور جسے میں نے اپنی نفرت کی موٹی تہہ میں دفن رکھنے کی کوشش کی تھی، وہ اندر ہی اندر پرورش پاتا رہا —— اور آج وہ تناور درخت کی طرح سر اُٹھا کر میرے ارادے اور میرے بیچ میں حائل ہو گیا۔ میں آپ کا خون چوسنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ لیکن میں ایسا نہ کر سکی۔"

"لیکن یہ سب چکر کیا ہے۔ مجھے صاف صاف بتاؤ۔ اگر اب مجھے فریب دینے کی کوشش کی تو میں تمہارا خون پی لوں گا؟"

"اب میں خود آپ کو سب کچھ بتا دینا چاہتی ہوں۔ میری [illegible] اب [illegible] ہے کہ دل کے سارے راز آپ کے سامنے اُگل دوں۔ [illegible] سب کچھ [illegible]

[illegible] ہو چکا۔"

[illegible] ساتھ [illegible] ایک طرف کو چلی۔ میں [illegible]

[illegible]

[illegible] کرنے کے [illegible] ایک سُرنگ میں داخل ہو گئی۔ [illegible] میں سیڑھیاں ختم کر کے وہ ایک تنگ راہداری سے گزر [illegible] ہر لمحہ محتاط تھا۔ پھر وہ ایک خوبصورت [illegible] میں داخل ہوئی [illegible]

آپ تو بالکل گدھی ہیں

ہمارا نام کی صفحہ

۸۰

نمبر ہے

کمرے سے کر جھاڑ فانوس تک کا معیار قابلِ دید تھا۔ اُس نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا اور خود بھی میرے بالکل قریب بیٹھ گئی۔ بہت دیر تک وہ خاموش رہی۔ اُس کے چہرے پر کئی رنگ آتے جاتے رہے۔ پھر یکایک اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اُس نے رومال سے آنکھوں کو خشک کیا، ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور بولی "پچیس سال پہلے ایک بدنصیب عورت نے کسی سے محبت کی تھی ——— اور وہ بدنصیب عورت میری ماں تھی۔ ایامِ جوانی ہو، کسی سے والہانہ محبت ہو، بے پناہ اعتماد ہو تو بہک جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ میری ماں نے بھی اُسے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا، اُس پر اعتماد کیا تھا ———

اور وہ بہک گئی تھی۔ لیکن اُس غیطان نما انسان نے کچھ عرصہ بعد میری ماں کو بالکل اسی طرح فراموش کر دیا جس طرح بھونرا ایک پھول کو سونگھ کر دوسری طرف اُڑ جاتا ہے۔ اُس کا چاہنے والا بلکہ اُس کی زندگی کو برباد کرنے والا دوسری لڑکی سے رُومان لڑانے لگا اور اُس نابکار عہد کی نشانی میری ماں کے پیٹ میں پرورش پا رہی تھی۔ وہ ایک معزز خاندان کی چشم و چراغ تھی، اُس جگر پاش حادثے نے میری ماں کو انتقام کی آگ سے شعلہ بداماں کر دیا تھا اور ایک دن اُن شعلوں نے اُسے شدید انتقام کے دہانے پر پہونچا دیا تھا۔ ایک دن اُس نے اپنے محبوب کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ پھر جنونی کیفیت میں اُس کا بہنے والا سارا خون پی گئی۔ پھولوں کی سی لطیف و نازک عورت چوٹ لگنے پر خنجر و شمشیر بھی بن سکتی ہے، میری ماں نے ثبوت پیش کر دیا تھا۔ میری ماں نے یہ بھی اُسی وقت سے عہد کر لیا تھا کہ وہ ہر سال اسی تاریخ کو کسی مرد کا خون چوسا کرے گی اور وہ اپنا عہد ہمیشہ پورا کرتی رہی۔ پھر وہ راتوں رات وہاں سے فرار ہو کر اس شہر میں آگئی تھی اور جیسے قدرت اُس کے ساتھ تھی۔ یہ مکان آسیب کی غلط فہمی کی وجہ سے خالی پڑا تھا وہ اسی میں رہنے لگی۔ اس میں تہہ خانہ بنا ہوا بھی تھی۔ وہ ہر سال کسی نہ کسی طرح ایک مرد کو پھانس کر لاتی اور اُس کا خون چوس لیتی۔ اس مکان میں اُسے سب سہولت بھی حاصل تھی وہ ہمیشہ رات کے اندھیرے میں گھر سے نکلتی تھی اس لئے آج تک کسی کو نہیں معلوم کہ اس مکان میں کوئی رہتا بھی ہے۔ میری پیدائش بھی اسی مکان میں ہوئی تھی۔ ہڈیوں والے کمرے میں سُرنگ کا راستہ تو آپ نے دیکھا ہی ہے۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر کبھی اتفاق سے سُرنگ والے کمرے میں کوئی پہونچ بھی جائے تو انسانی ڈھانچوں سے خوفزدہ ہو کر بھاگ جائے۔ پورے مکان میں تھوڑی تھوڑی دُور پر دیواروں میں اسپیکر پوشیدہ ہیں۔ یہاں سے بولنے پر وہاں آواز گونجنے لگتی ہے۔ یہ سب کام میری ماں نے شہر سے کاریگر لا کر کرائے تھے۔ لیکن وہ مرد تھے اس لئے اُنھیں پھر جانا نصیب نہ ہوا۔ مجھے بھی میری ماں نے مردوں سے نفرت سکھائی تھی۔ پہلے مجھے میری ماں نے خود پڑھایا تھا پھر مزید تعلیم کے لئے علیگڑھ بھیج دیا تھا۔ وہیں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے ہر چند اپنی ماں کی نصیحت کا احساس تھا پھر بھی نہ جانے کیوں میں آپ کی طرف کھنچتی چلی گئی تھی ———

لیکن ایک دن اچانک مجھے اپنی ماں کی خواہش کا اِس شدت سے احساس ہوا کہ میں آپ کو چھوڑ کر بھاگ آئی تھی۔ میں نے گھر پہونچ کر اپنی ماں کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ اُس کا میری ماں کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بیمار پڑ گئی اور پھر جانبر نہ ہو سکی۔ مرتے وقت اُنھوں نے مجھ سے عہد کرایا تھا کہ میں محبت کے خبط میں مُبتلا نہ ہوں گی ——— لیکن قدرت کا کرشمہ اور محبت کا اثر دیکھئے کہ کچھ عرصہ بعد آپ بھی یہاں آکر رہنے لگے اور میرا عہد متزلزل ہو کے رہ گیا۔ پھر آپ میں میری دلچسپی بڑھ گئی۔ صابن دینے والی میں تھی، گھنگھرو بجانے والی میں تھی، کھانا پیش کرنے والی میں تھی۔ میرا عہد مجھے آپ کو خوفزدہ کرکے بھگانے پر مجبور کرتا تھا اور محبت کھینچ کر آپ کے پاس لے جاتی تھی۔ عجیب کشمکش تھی۔ سُرنگ کے ذریعہ میں آپ کے کمرے میں بھی چلی جاتی تھی ——— لیکن کل پھر ماں کی نصیحت اور وصیت کا ٹھوکا لگا اور پھر آپ سے نفرت کا جذبہ اُبھر آیا۔ میں نے اپنے دل پر جبر کرکے آپ کو اُس کمرے میں آپ کا خون کرنے کا ناقابلِ شکست تہیہ کر لیا تھا۔ ایک دن پہلے میں شہر سے ایک مرد کو اپنے حُسن اور جوانی کے فریب میں پھانس کر لائی تھی اور اس کا خون بہایا تھا۔ آپ کمرے میں آگئے تھے۔ میں آپ کا خون کرنے کو تیار تھی ——— لیکن محبت قتل کے ارادے پر فتح پا گئی۔ میں وار ہی نہ کر سکی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر اُس نے شدید نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی "مجھے معاف کر دیجئے۔ اُس کا انتقام اتنا تھا کہ میرا غصہ ختم ہو گیا ——— اور میں سوچنے لگی کہ کاش انسان اپنے سینے میں ایک انسان کا دل پیدا کر سکے تو ایسی درد بھری داستانیں جنم نہ لیں" ——— قدرے توقف سے اُس نے پھر مجھے ایسی معصوم اور التجا آمیز نظروں سے دیکھا جیسے میرے وجود میں سمٹی جا رہی ہو ———

اور تب میں نے مُسکرا کر اُسے اپنے بہت قریب کر لیا!



افسانہ

# قسم لے لو

سیف الرحمٰن (عبّاد) ایم۔ایس سی (علیگ)
معرفت محفوظ الرحمٰن، رُوم نمبر A/97 سی۔ایس۔آئی۔آر، رفیع مارگ، نئی دہلی

محترم خوشتر صاحب! تسلیمات

اُمید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ "قسم لے لو" کا موضوع ویسے نیا تو نہیں۔ پھر بھی ع

بات کہنے کے سو طریقے ہیں

افسانہ کے بارے میں آپ کی اور قارئین کی رائے جاننا چاہوں گا۔

آپ کا

سیف الرحمٰن (عبّاد)

★

میری شادی ہوتے پانچ سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اتنی مُدت میں تو ایک عورت پُوری طرح اپنے شوہر کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ ایک جان دو قالب کی طرح۔ لیکن میرے ساتھ ایسا نہ ہو سکا ہے یا میں ایسا نہ کر سکی ہوں۔ بظاہر میں اپنے شوہر کے غم اور خوشیوں میں اُن کے ساتھ برابر کی شریک ہوتی ہوں، اپنی ہر مُسکراہٹ اُن پر نچھاور کرنے کی سعی کرتی ہوں لیکن اِس حقیقت کا اعتراف بھی مجھے کرنا ہی ہوگا کہ میرا باطن کسی اور کا ہے۔ میرے شوہر شہر کے مقتدر رئیسوں میں سے ہیں۔ خوبصورت بنگلہ، بیش قیمت کار، آگے پیچھے نوکر چاکر۔ اِس کے علاوہ ہزاروں کا بنک بیلنس۔ آسائش کی یہ ساری چیزیں ہر بڑے آدمی کی طرح اُن کے پاس بھی ہیں۔ پھر بھی میں تہی دست ہوں۔ میری زندگی میں ایک ایسا خلاء ہے جس کی حد میں آکر ہر احساس منجمد ہو جاتا ہے۔ بس ایک ہی احساس میں حرارت باقی رہ جاتی ہے اور وہ احساس ہے ماضی کی اُن گھڑیوں کا جب اِس دل نے پیار کے بدلے پیار کا سودا کیا تھا۔ میں جب بھی اِس خلاء میں جھانکتی ہوں یہ مجھے پہلے سے زیادہ وسیع نظر آتا ہے۔ سوچتی ہوں دل کا سکون کتنی بڑی چیز ہے۔ ایک بادشاہ کے تخت و تاج سے بھی انمول! کون اِس راحت کا متمنی نہیں لیکن اِس حقیقت کو بھی تو نہیں جھٹلایا جا سکتا کہ دُنیا میں سب تو من چاہی چیزیں نہیں مِل جاتیں۔ جب سے اِس گھر میں آئی ہوں ایک کانٹا سا خون کی گردش کے ساتھ میرے وجود میں تڑپ رہتا ہے جو اکثر و بیشتر جسم کی بالائی سطح تک آکر ڈنک سا مارنے لگتا ہے۔ میں اُس وقت تلملا کر رہ جاتی ہوں۔ یہ وہی کانٹا تو ہے جو اُس دن میرے دل میں چُبھ کر ٹوٹ گیا تھا اور پھر وجود کے کسی حصّے میں گم ہو گیا تھا جس دن میں ایک اجنبی کے ہاتھوں سونپ دی گئی تھی۔ اُس شادی میں میری رضامندی شامل نہ تھی۔ میں نے اظہارِ مُدعا بھی تو نہ کیا تھا، نہ اقرار میں شرما کر گردن خم کی تھی اور نہ اِنکار ہی میں واویلا مچایا تھا۔ خاندانی وقار اور گھر کی روایت نے مجھے کچھ بھی کہنے نہ دیا تھا۔ میری خاموشی کو گھر والوں نے میرا اقرار یا سعادت مندی سمجھا اور میری تمنّاؤں کا جنازہ ایسے اُٹھ گیا کہ میں محوِ حیرت تو رہی، لیکن رو سکی نہ چیخ سکی۔ سُنا تھا شوہر کے گھر آکر لڑکی سب کچھ بھُول جاتی ہے۔ لیکن مجھے تو جو بات بھُول جانی چاہیے تھی وہی اب تک شِدّت سے یاد آتی رہتی ہے۔ میں اچھی طرح

جانتی ہوں یہ اپنے شوہر کے ساتھ کھلی بے وفائی ہے۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ بہت ہی مجبور۔ عورت اپنے لوحِ دل پر زندگی میں پہلی اور آخری بار صرف ایک ہی تصویر کا عکس آتارتی ہے اور پھر آنکھیں بند کر کے ساری زندگی اس محبت کی پرستش کرتی رہتی ہے۔ تم سے کئے ہوئے وعدوں کو کیسے فراموش کر دوں، ساری زندگی ساتھ نبھانے کی اُن قسموں کو کیسے بھول جاؤں۔ تم نے مجھے پیار بھی دیا اور زندگی بھی۔ یہ سچ ہی تو ہے کہ تمہارے پیار کی گرمی نے اب تک مجھے زندہ رکھا ہے ورنہ اس سرد وجود میں رکھا ہی کیا تھا تم تو شاید اب تک مجھے بھول بھی چکے ہوگے یا کبھی یاد بھی کرتے ہوگے تو بے وفا کے نام سے۔ یہ نام مجھے ملنا ہی چاہئے تھا۔ تمہاری بے لوث محبت کا

- انسان جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے۔ خُدا اُس سے بے نیاز ہے۔ (قرآنِ مجید)
- تم اپنے نفس کی کتاب کا مطالعہ کرو وہی تمہارا فیصلہ کر دے گی۔ (قرآنِ مجید)
- کھانا کھاتے وقت خاموش رہو۔ ایسا نہ ہو کھانے کی نالی سے پہلے سانس کی نالی کھل جائے اور جان کے لالے پڑ جائیں۔ (توریت مقدس)
- فضول گفتگو سے احتراز کرو۔ صرف اتنی بات کرو جتنی ضروری ہو۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

کیا صلہ دیا میں نے۔ جاتے جاتے تم سے مل بھی نہ سکی۔ کچھ نہ سہی تو کم سے کم تمہارے سامنے اپنی بدنصیبی کا رونا ہی رو لیتی، تم سے معافی ہی مانگ لیتی —— تمہاری صورت ہر وقت آنکھوں میں بسی رہتی ہے۔ کاش! میں نے محبت کی ہی نہ ہوتی۔ تمہیں کھو دینے کا غم ایک ایسی صلیب ہے جس پر سے اُتر سکتی ہوں نہ پھانسی ہی پا سکتی ہوں۔ اگر میرا بیٹا پنکو جو میری اُداس راہوں کا مُسکراتا ہوا پھول ہے، میری زندگی میں نہ آیا ہوتا تو شاید اب تک میرا وجود قبر کی گہرائی میں سڑ چکا ہوتا۔ ماں اپنے بچے کو اپنی انگلی پکڑا کر چلنا سکھاتی ہے۔ لیکن میں تو پنکو کی انگلی تھامے چل رہی ہوں۔ میرے لڑکھڑاتے قدموں کا بس یہی ایک سہارا ہے۔ پنکو کا خیال آتے ہی میری

سوچیں اُلجھنے لگتی ہیں۔ میں سوچنے لگتی ہوں اپنے شوہر کی زندگی میں بس جاؤں، اُس گھر کے آنگن میں اپنا ماضی دفن کر دوں ورنہ دل میں چھپا چور ضرور کسی نہ کسی دن باہر آکر طوفان کھڑا کر دے گا پھر پنکو کا کیا ہوگا۔ میں چاہتی ہوں پنکو کی معصوم زندگی میں کسی بھی غم کا گذر نہ ہو، وہ پڑھ لکھ کر ایک بڑا آدمی بن جائے، اپنے پاپا کی طرح ایسی وجہ سے کہیں وہ باپ کی شفقت سے محروم نہ ہو جائے۔ اِن خیالات نے اکثر مجھے آگھیرا ہے۔ میں اِس مسئلے کا حل کیسے نکالوں؟

پنکو کا خیال آتے ہی آج پھر وہی مسئلہ ایک سوالیہ نشان بن کر میرے ذہن میں اُبھر آیا ہے۔ چند دنوں پہلے میں نے ایک راہ ڈھونڈی تھی۔ سوچا ہے تمھیں بھول جانے کی ایک آخری کوشش اور کر لوں۔ اگر میں اِس کوشش میں کامیاب ہو گئی جبھی یہ سر پر منڈلاتا ہوا خطرہ ٹل سکتا ہے ورنہ دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ حالانکہ اِس سلسلے میں میری پچھلی کئی کوششیں بُری طرح ناکام ہو چکی ہیں۔ کتنی ہی بار میں خیالات کا سفر طے کر کے تمھیں اپنے ذہن سے دُور چھوڑ آئی ہوں۔ لیکن جب مطمئن ہو کر دل کی دھڑکنوں کا حساب لینے لگی ہوں، ہر بار تم نہ جانے کہاں سے آکر ذہن کے کسی دریچے سے جھانکنے لگے ہو، پھر بھی آج جو قدم میں اُٹھانے والی ہوں اُس میں ایک نیا عزم ہے —— میرے کمرے کے بائیں گوشے میں تپائی پر جو سفید تاج محل رکھا ہوا ہے، تمھارا ہی تو دیا ہوا ہے۔ میری شادی کے موقعے پر تم نے اپنی چھوٹی بہن کے ہاتھوں یہ تحفہ بھیجا تھا۔ اُسی وقت سے یہ برابر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی بے ساختہ نگاہیں اُس کی طرف اُٹھ جاتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ماضی حال سے بغلگیر ہونے لگتا ہے۔ میں نے سوچا ہے تمھاری اِس یادگار کو اپنے سے دُور کر دوں تو شاید تمھیں بھولنا آسان ہو جائے۔ میں چھوٹے چھوٹے قدموں سے کچھ سوچتی ہوئی اپنے ارادے کی تکمیل کے لئے چل پڑی ہوں۔ قریب پہنچ کر میں نے عقیدت سے تاج محل کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھا لیا ہے۔ میرے دماغ میں ایک ہیجان برپا ہے۔ دل ایسے دھڑک رہا ہے جیسے آج دھڑک کر پھر کبھی نہ دھڑکے گا۔ میں کھڑکی کے قریب آگئی ہوں۔ آخری بار محبت کے اِس پھول کو آنکھوں سے لگا کر میں نے آنکھیں بند کر لی ہیں اور ہاتھوں کو کھڑکی سے باہر نکال کر دل پر جبر کرتے ہوئے اُسے نیچے سڑک پر گرنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ باہر ایک چھناکا ہوا ہے اور پھر جیسے ساری کرچیاں میرے قلب و جگر میں چُبھ گئی ہیں۔ میں گہری گہری سانسیں لیتی ہوئی قریب رکھی کُرسی پر بیٹھ گئی ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں کوئی بہت بڑا جُرم کر بیٹھی ہوں —— ابھی ابھی میرے کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا ہے۔ پنکو کے پاپا کمرے میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں کنکھیوں سے اُنھیں دیکھ رہی ہوں۔ اُن کے قدم میری ہی طرف اُٹھ رہے ہیں۔ میرے قریب آکر وہ رُک گئے ہیں اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے ہیں: "دیکھو پنکو نے شاید تمھارا یہ تاج محل باہر پھینک دیا تھا۔ میری نظر پڑی تو لیتا آیا۔ دو ہی ٹکڑے ہوتے ہیں۔ جُڑ سکتا ہے۔"

میں چونک کر اُن کی طرف دیکھنے لگی ہوں۔ ٹوٹا ہوا تاج محل اُن کے ہاتھوں میں دیکھ کر مجھے ایک جھُرجھُری سی آگئی ہے۔ میں نے بیقراری سے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر اُسے احتیاط سے اپنی گود میں لے لیا ہے، کسی مقدّس کتاب کی طرح۔

وہ باہر جا چکے ہیں۔ میں سر جُھکائے کھڑی ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے تم میرے رُوبرو کھڑے ہو اور اپنی محبت کی توہین دیکھ کر ایک طنزیہ مُسکراہٹ سے مجھے مخاطب کر رہے ہو۔ میرے جسم کے تمام حصّوں سے ایک ساتھ پسینہ پھوٹ پڑا ہے۔ میں

- بزرگوں کی صحبت سے کھوٹا بھی کھرا ہو جاتا ہے۔
  بُری صحبت سے اچھا بھی بُرا ہو جاتا ہے۔
  (گوسوامی تُلسی داس)
- عورت اِس دُنیا کا ایک ضروری حصّہ ہے۔ (گورو گرنتھ صاحب)
- خُدا جِس پر مہربان ہوتا ہے اُسے علم اور جمعیتِ خاطر عطا فرماتا ہے۔ (باباگورو نانک صاحب)
- جیسے تمھارے اعمال ہوں گے ویسا ہی اگلے جنم میں تمھیں اُن کا پھل مِلے گا۔ جیسا کروگے ویسا پاؤگے۔
  (مہاتما بُدھ)

...ہوں وہیں دھنستی سی جارہی ہوں۔ میری نظریں اُوپر ... رہیں۔ من من بھر کے قدموں سے چند گز کا فاصلہ طے کر کے میں نے گود میں لئے ٹکڑوں کو ملا کر تپائی پر رکھ دیا ہے اور ایک نحیف مریض کی طرح نڈھال ہو کر بستر پر گر پڑی ہوں۔ ٹوٹا ہوا تاج میری نگاہوں کے دائرے میں ہے۔ میں ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھ رہی ہوں۔ اُس کے ٹکڑے مجھے اپنے ہی دل کے دو ٹکڑے محسوس ہو رہے ہیں اور اِن ٹکڑوں کے بیچ کی دراڑ ایک گہری خراش بن کر میری شہ رگ کو اذیت دے رہی ہے۔ میری آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے ہیں۔ میں تکیے میں مُنہ چُھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ہوں ——— "نہیں میرے محبوب! نہیں! تمھیں بُھلا دینا اتنا آسان نہیں جتنا میں نے سمجھا تھا۔ تم نے مجھے معاف نہ کیا تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ راہِ وفا سے میرے قدم ڈگمگانے لگے تھے۔ لیکن محبت کی کشش نے پھر میرا ایمان پُختہ کر دیا ہے۔ آج میں نے تمھیں اپنے دل سے نکالنا چاہا تھا لیکن دیکھو یہ کشش پھر تمھیں میرے پاس کھینچ لائی۔ تم خود بہ خود میرے پاس چلے آئے۔ مجھے پھر اپنی محبت مل گئی ہے۔ اب میں ساری زندگی اِسے سینے سے لگائے رکھوں گی! میں مقدر کی ... ہی ... میرا جسم کسی اور کا ہے تو کیا ہوا۔ میری سوچیں، میرے جذبات ہمیشہ کنوارے رہیں گے۔ ہمیشہ ——— قسم لے لو ———!"

---



---

# غزلیں

## مجاہد رمزی نگینہ پوری

سنوار گیسوئے دوراں کو جتنا
کچھ اتنا ہی پریشاں ہو گیا ہے

شبِ غم میں یہ کس کی یاد آئی
دل و جاں میں چراغاں ہو گیا ہے

تمہارے دور میں اے باغبانو!
یہ کیا رنگِ گلستاں ہو گیا ہے

نہ ہمدردی، نہ پاسِ آدمیت
اب انساں، ننگِ انساں ہو گیا ہے

اندھیری رات کا کیا غم مجاہد!
چراغِ دل فروزاں ہو گیا ہے

## حنیف کیفی بریلوی ایم۔ اے

سب کے غم سینے سے لگا کر بانٹی ہے دنیا کو خوشی
دل کے لہو سے ہم نے دی ہے ہنستے چہروں کو سرخی

ٹوٹ گیا اک جنبشِ لب سے عظمتِ دل کا تاج محل
اک مدت میں بات بنی تھی اک لمحے میں بات گئی

تم کیا جانو ہم نے کس کس غم پہ پردہ ڈالا ہے
کتنے درد سمیٹ کے یارو آئی ہے ہونٹوں پہ ہنسی

ساتھ کوئی دو چار قدم بھی چلنے کو تیار نہیں
مارا مارا پھرتا ہوں میں لاش لئے ارمانوں کی

پیمانہ لبریز تھا کیفی لاکھ سنبھالا پھر چھلکا
توڑ کے سارے ضبط کے بندھن آ ہی گئی آنکھوں میں نمی

## شاہد احسن مرادآبادی

اللہ یہ کمال ہے ابھی خیر نہ شر ہے
کیا کوئی کسر چھوڑ دی تخلیقِ بشر میں؟

معلوم نہ تھا سیلِ رسومات سے ڈر کر
تم چھوڑ کے چل دو گے مجھے ریت کے گھر میں

چلنے لگیں حالات کی مسموم ہوائیں
کچھ پھول کھلے ہی تھے محبت کے شجر میں

ہر بار جو یہ تارِ نظر ٹوٹ رہا ہے
لگتا ہے یقیناً کوئی دیوار ہے در میں

احسن مرے اپنے بھی مجھے بھول گئے کیا
کچھ روز سے پتھر نہیں آئے مرے گھر میں

## منوہر شرما ساغر پالم پوری

تبسم ریز ہے کوئی حسیں تحریر آنکھوں میں
ملن کے رت جگوں کی ہے ابھی تاثیر آنکھوں میں

نہ جانے کن بہاروں کا ہے غم تحریر آنکھوں میں
ہے اک سہمی ہوئی سی بے زباں تقریر آنکھوں میں

ہوئے صد ہا برس جب گاؤں کے پنگھٹ پہ آیا تھا
کوئی رانجھا، بسائے ہیر کی تصویر آنکھوں میں

وہ غم جس کو زمانے سے چھپانا چاہتے تھے ہم
اسی کی کر رہے ہیں اشک اب تشہیر آنکھوں میں

نظر آتے ہو ساغر کھوئے کھوئے سے بتاؤ تو
بسی ہے کیا کسی کی موہنی تصویر آنکھوں میں؟

# دنیا کا اولین ڈٹرجنٹ ڈھلائی کا بار
# سپر ۷۷۷



پیسہ بچاؤ، سفیدی بڑھاؤ




سوپر ۷۷۷ ڈھلائی کی دنیا میں ایک اعجوبہ ہے۔ یہ ایک نیا فارمولا ہے۔ کھارے پانی میں بھی بہت زیادہ کپڑے کہیں زیادہ صاف، کہیں زیادہ سفید دھونے کی قوت رکھتا ہے اور قیمت؟ عام بار صابنوں کے مقابلے میں کم!

**آج ہی استعمال کیجئے اپنے کپڑوں کیلئے ایک نئے قسم کا بار۔ سوپر ۷۷۷ ڈٹرجنٹ ڈھلائی کا بار!**

3A '74 URD

# ہندسے بولتے ہیں!

ہندسے بولتے ہیں!

فکر تونسوی

### ایک ●

ایک کا ہندسہ اللہ کی وجہ سے پیدا کیا گیا۔ کیونکہ اللہ ایک ہے (یعنی اللہ بعد میں پیدا کئے گئے) شروع شروع میں اِس ہندسے کو صرف اللہ کے لئے ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن انسان اللہ پر قناعت نہیں کرتا اور اللہ کی ہر خصوصیت ہتھیا لینے کا عادی ہے۔ اِس لئے اُس نے اللہ سے ایک کا ہندسہ بھی ہتھیا لیا۔ اُسے اپنی جدّی جائداد بنا لیا اور ہر ایری غیری جیسر کے لئے اِس کا استعمال شروع کر دیا۔ مثلاً ایک آدمی ایک درخت، ایک بادشاہ، ایک اُلّو، ایک روپیہ ــــــ

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک صرف خدا ہی ہے، ورنہ باقی اشیا تو لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ؏

پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں

کے مصداق اِدھر سے اُدھر بھٹکتی پھرتی ہیں۔ لاکھوں آدمی، کروڑوں درخت، سینکڑوں اُلّو اور اربوں روپے۔

پس ثابت ہوا کہ ایک کا ہندسہ ایک دُم چھلاّ ہے لیکن ہر دُم اگر یہ چھلاّ لگا لے تو وہ خدا نہیں بن سکتی۔ نہ اُلّو خدا بن سکتا ہے، نہ شیر، نہ بادشاہ نہ درخت نہ روپیہ۔

اگرچہ روپیہ کے بارے میں سر توڑ کوشش کی جا رہی ہے کہ یہ خدا بن جائے اور وہ چیزیں بھی پیدا کر کے دکھا دے جنہیں خدا بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ روپے میں خدا بننے کے تھوڑے بہت جراثیم موجود ہیں اور اُس کے نام پر ایسی ایسی بدمعاشیاں کی گئی ہیں جو خدا کے نام پر بھی نہیں کی گئیں۔ لیکن ایک بدستور خدا رہا اُس نے روپے کے لئے اپنا تخت خالی نہیں کیا۔

لیکن اِس کے باوجود ایک کے ہندسے سے بڑے بڑے بڑے کام نکالے گئے۔ کبھی خدا سے نظر بچا کر کبھی خدا کو گھر کی مُرغی سمجھ کر ــــــ مثلاً ایک کے دائیں طرف ایک صفر لگا دیا گیا تو وہ دس بن گیا۔ فرض کیجئے، خدا ایک کا ہندسہ ہے اور خدا کا بھگت بالکل صفر ہے۔ اُس کی اپنی الگ کوئی ہستی نہیں، کوئی وقعت نہیں لیکن جوں ہی یہ بے معنی اور بے رس صفر خدا کے ساتھ چسپاں ہو جاتا ہے تو ایک خدا دس خداؤں میں بدل جاتا ہے۔ خدا کی حیثیت دس گنا بڑھ جاتی ہے اور اگر خدانخواستہ (کیونکہ خدا خود کچھ نہیں چاہتا) خدا کے ساتھ دو صفر یعنی دو بھگت لگا دیئے جائیں تو خدا کی قیمت ایک سو ہو جاتی ہے۔ جیسے اپنی مناپلی بنانے کے لئے دونوں بھگت ایک دوسرے کی ٹانگیں توڑ دیتے ہیں۔ خدا کے ساتھ ایسے جتنے بھگت مارکہ صفر لگتے جاتے ہیں، بھگتوں کی ٹانگیں ٹوٹتی جاتی ہیں۔ اور خدا کی پاپولریٹی بڑھتی جاتی ہے۔

اِسی طرح مندر کا مہنت ایک ہوتا ہے۔ لیکن مندر پر چڑھاوا چڑھانے والے صفر اُس کے ساتھ لگتے ہیں تو مہنت لاکھوں میں کھیلنے لگتا ہے اور مندر کی ساری جائداد کا مالک بن بیٹھتا ہے اور اپنے ملک میں بے معنی صفروں کی کمی نہیں ہے اِس لئے وہ غول در غول مکھیوں کی طرح بھن بھناتی ہوئی آتی ہیں اور مہنت کے ایک کے ہندسے کے ساتھ آ کر جُڑ جاتی ہیں اور مہنت اِتنا طویل ہو جاتا ہے کہ اُس کا سر آسمان سے جا لگتا ہے ــــــ اور پھر بعض لوگ اُسے آسمان کا خدا کہنے لگتے ہیں۔

یہی حال ایک لیڈر کا ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ عوام کے صفر لگ جاتے ہیں تو وہ پارلیمنٹ کا ممبر بن جاتا ہے۔ ایک شمع پر لاکھوں پروانے جل کر قربان ہو جاتے ہیں اور صفر مر جاتے ہیں۔

[illegible] کی روشنی نہیں مرتی۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ صفر ایک کے [illegible] کے بائیں طرف لگ جاتے ہیں تو لیڈر کی ضمانت ضبط ہو جاتی ہے اور لیڈر اعلان کرتا ہے کہ صفر اَن پڑھ اور بے وقوف ہیں اور اِن کی وجہ سے ڈیموکریسی خطرے میں ہے۔

کبھی کبھی ایک کا ہندسہ نہایت معمولی اور گھٹیا بھی بن جاتا ہے۔ مثلاً بھیک مانگنے والے کو آپ ہمیشہ ایک ہی پیسہ دیں گے۔ اگر آپ کے پاس صرف ایک قمیص ہے تو آپ سوسائٹی کے نہایت گھٹیا آدمی ہیں۔ اگر آپ صرف ایک کوٹھری میں رہائش رکھتے ہیں تو آپ کو محلّے کا دُکاندار ایک پیسے کی چیز بھی اُدھار نہ دے گا۔ اگر کسی سرکاری افسر کو صرف ایک روپیہ

---

- مانگو گے تو تمہیں دیا جائے گا، ڈھونڈو گے تو پاؤ گے، دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے لئے دروازہ کھولا جائے گا۔ جو کوئی مانگتا ہے اُسے ملتا ہے۔
(حضرت عیسیٰ علیہ السّلام)
- مصیبت پڑنے پر گھبرانا خود مصیبت ہے۔
(حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ)
- تمہارے ساتھ کوئی نیکی کرے یا بدی، تمہیں چاہیئے کہ ہر آدمی کے ساتھ احسان کرو۔
(حضرت امام ابو حنیفہؒ)

---

رشوت دیجئے تو وہ اپنے آپ کو چپراسی سمجھے گا اور آپ کو ایک روپے سمیت بوٹ کی ٹھوکر مار کر باہر نکال دے گا۔

اس لئے ایک کے ہندسے کا ڈبل رول ہے۔ وہ کبھی گدّی پر بیٹھتا ہے اور کبھی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترپ کا ایک پتّہ کئی دوسرے ذلیل پتّوں کو سمیٹ کر لے جاتا ہے اس لئے اپنے پتّوں پر ہمیشہ نگاہ رکھنی چاہیئے کہ اُن میں سے وہ ایک پتّہ کون سا ہے جو ترپ کہلاتا ہے۔ ورنہ معمولی پتّے تو آپ پر بوجھ بنے رہتے ہیں اور آپ ہی کا پتّہ کاٹ دیتے ہیں۔

لیکن ترپ کا پتّہ ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ کسی دفتر میں اگر ایک آسامی خالی ہو تو جب تک آپ کے پاس ترپ کا پتّہ نہ ہوگا یعنی کسی بڑے آدمی کی سفارش نہ ہوگی آپ اُس آسامی کو حاصل نہ کر سکیں گے۔ ساری زندگی ایمپلائمنٹ ایکسچینج کے دوار کھٹ کھٹا کر کہتے رہیں گے: "میں ہسٹری میں فرسٹ کلاس ایم۔ اے ہوں۔ مجھے کہیں چپراسی کی نوکری دلا دیجئے۔"

جاتے جاتے ایک اور بات بھی سُن لیجئے کہ بیوی بھی ایک ہی ہوتی ہے اور بہت کافی ہوتی ہے۔ بلکہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی کافی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں خاوند کا ایک اور بیوی کا ایک مل کر دو ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ قطعی غلط ہے۔ کیونکہ ایک کا ہندسہ چاہے بیوی میں جمع کیا جائے یا تفریق۔ تقسیم کیا جائے یا ضرب دی جائے۔ جواب وہی ایک بیوی ہی رہتی ہے اور اپنی الگ ہستی کبھی ختم نہیں کرتی۔

## دو

دو کے ہندسے کا خیال آتے ہی دو مختلف خیال آتے ہیں (اور اُسے دوئی کہتے ہیں) ایک تو یہ کہ دو دوست ہوتے ہیں جو ایک دوسرے پر جان چھڑکتے ہیں۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی دو مُلّاؤں کا بھی خیال آتا ہے۔ جن کے درمیان مُرغی حرام ہو جاتی ہے۔ دو مُلّا جو اپنے آپ کو حلال چیز سمجھتے ہیں، مل کر تیسری چیز یعنی مُرغی کو حرام کر دیتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں اتحادی اور فاسسٹ دو مُلّا ہی تھے۔ جنہوں نے مُرغی یعنی معصوم عوام کو حرام کر دیا اور لاکھوں عوام کھیت رہے۔

دو کی ٹریجڈی یہ ہے کہ ہمیشہ دو ہی چیزیں ایک دوسرے سے ٹکرایا کرتی ہیں اور تیسرا اُن کا تماشہ دیکھتا ہے اور اکثر و بیشتر وہی تیسرا ہی فائدہ اُٹھا جاتا ہے۔ اس لئے اگر دو کا ہندسہ نہ ہوتا تو دُنیا میں کوئی چیز ایک دوسرے سے نہ ٹکراتی۔ ایک مزدور دوسرے مزدور سے اِس لئے ٹکرا جاتا ہے کیونکہ نوکری ایک ہوتی ہے اور اُمیدوار دو ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مزدوروں کے اتحاد پر زور دیا جاتا ہے۔ "دُنیا بھر کے مزدورو! ایک ہو جاؤ۔ اور نوکری کی پرواہ مت کرو۔"

لیکن ایک تھیوری یہ بھی ہے کہ دو چیزوں کو باہم ضرور ٹکرانا چاہیئے۔ کیونکہ اُن سے تیسری [illegible] ہوتی ہے [illegible]

چیز اصلی ہوتی ہے۔ دو پتھر ٹکرائیں تو آگ کا شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ اور شعلے ہی میں زندگی، رنگ اور حرارت ہے، پتھروں میں نہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت ٹکرا جائیں تو بچہ وجود میں آتا ہے جو اصلی چیز ہے۔ ماں باپ تو کوئی چیز نہیں۔ بچے کے پیدا ہوتے ہی بے معنی ہو جاتے ہیں۔

دو تلواریں ہوں تو ایک میان میں نہیں رہ سکتیں۔ دو مذہب ہوں تو ایک ملک میں نہیں رہ سکتے اور ہمیشہ ایک دوسرے کا سر اور ٹانگ وغیرہ توڑنے میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ تھیوری ایک حد تک صحیح ہے کہ دو مذہب آپس میں ٹکرائیں تو ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے یعنی فسادات ـــــ دو لیڈر ہوں تو ہمیشہ ایک دوسرے کو عوام کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے جہاں بھی دو لیڈر ہوں گے، وہاں عوام بدھو بنتے رہیں گے اور مرغی کی طرح حرام ہوتے رہیں گے۔

کہتے ہیں، دو اور دو مل کر چار ہوتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا۔ جب ایک اور تین مل کر بھی چار ہوتے ہیں تو دو اور دو چار والے کی مخصوص اہمیت کیوں ہے اور پھر چار ہونے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ کیا صرف اس لئے کہ دو اور دو آنکھیں چار ہوں تو محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اکثر یہ دیکھا ہے کہ آنکھیں چار ہوں تو محبت کم اور شرم زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ شرم کے مارے آنکھیں چار نہیں کرتے۔ مثلاً نئی نویلی دلہن، وعدہ خلاف لیڈر، دوست نما دشمن، رنگے ہاتھوں پکڑا ہوا جیب کترا، حسینہ کو اغوا کر کے لے جانے والا سادھو ـــــ یہ سبھی اپنی دونوں آنکھیں نیچی ہی رکھتے ہیں۔

کان دو ہوتے ہیں، ایک سنتا ہے دوسرا اڑا دیتا ہے۔ خدا نے دو کان اسی مقصد سے بنائے ہیں، روز سننے کے لئے ایک ہی کان کافی تھا۔ اس لئے کان کے معاملے میں دو کا ہندسہ کافی سود مند رہتا ہے۔ ہاتھ بھی دو ہوتے ہیں۔ ایک رخسار پر پیار سے ہاتھ پھیرنے کے لئے دوسرا رخسار پر طمانچہ لگانے کے لئے۔ کبھی کبھی دوسرا ہاتھ جیب کاٹنے کے لئے بھی وقف کر دیا جاتا ہے۔ ٹانگیں دو ہوتی ہیں جو توازن قائم رکھتی ہیں۔

آپ جہاں بھی توازن کو بگڑا ہوا دیکھیں۔ سمجھ لیں کہ اس کے پیچھے کوئی لنگڑا کارفرما ہے۔ پاؤں بھی دو ہی بنائے گئے ہیں اور بالکل فضول بنائے گئے ہیں۔ ٹھوکر لگانے کے لئے ایک ہی پاؤں کافی تھا۔ دو پاؤں اقتصادی طور پر بھی نقصان دہ رہتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے لئے دو بوٹ خریدنا پڑتے ہیں۔ دو جرابیں لینا پڑتی ہیں۔

جہاں کہیں دو آدمی اکٹھے ہو جائیں، وہاں تنہائی ختم ہو جاتی ہے۔ دل کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ بالخصوص جب دو عورتیں اکٹھی ہو جائیں تو اُن کے ملتے ہی محلّے میں فساد اور جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن فساد کے باوجود ہر انسان دوسرے انسان کی تلاش میں دیوانوں کی طرح گھومتا پھرتا ہے۔ ایک انسان معصوم اور بے ضرر ہوتا ہے۔ لیکن دو انسان ہمیشہ خطرے کی علامت بن جاتے ہیں۔ غرض دو کے ہندسے نے سماج میں خوف و ہراس بھی پیدا کیا ہے اور عشق و مستی بھی اور ہراس اور عشق دونوں کا مارا ہوا انسان، ہراس اور عشق سے مارے ہوئے دوسرے انسان کو صدیوں سے ڈھونڈنے میں مصروف ہے کہ شاید وصال کا وہ ازلی لمحہ انہیں مل جائے جب دوئی باقی نہیں رہتی۔

---

- سارے دکھوں کی بنیادی وجہ غرور ہے۔
(مہاتما بدھ)
- کتابوں کی قیمت موتیوں سے بھی زیادہ ہے۔
(مہاتما گاندھی)
- انسان جب حیوان بن جاتا ہے اُس وقت حیوان سے بدتر ہو جاتا ہے۔ (مہاکوی ٹیگور)
- اگر آپ کو زندگی عزیز ہے تو وقت کو ضائع نہ کیجئے۔ کیونکہ زندگی وقت کے صحیح استعمال ہی سے بنتی ہے۔
(فرینکلن)

---

تین ـــــ •

تین کا ہندسہ بڑا خوفناک ہندسہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا

ہے۔ جیسے اُس سے کسی بھلائی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ مثلاً جوسر میں اگر تین کانے پڑ جائیں تو کھیلنے والا صرف لنگوٹی ہی بچا کر باہر نکلتا ہے۔ دو آدمی اگر ایک دوسرے سے لڑ پڑیں۔ کیونکہ لڑتے صرف دو ہی ہیں۔ تو تیسرا ہی آدمی ثالث بنتا ہے جو دونوں فریقوں کو اکثر کچھ دیتا دلاتا نہیں۔ اگر کچھ دیتا بھی ہے تو دونوں یوں محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں گھاٹا دیا گیا ہے۔ لیکن سوسائٹی کی تاریخ مرتب کرنے والے مورخ اُس گھاٹے کو "انصاف" سے تعبیر کرتے ہیں۔

تکڑم بازی کی اصطلاح بھی تین ہی کے ہندسے سے بنائی گئی ہے۔ سماج میں جہاں بھی اور جب بھی کوئی سازش گھڑی جاتی ہے۔ اُس میں تین ہی آدمی شامل ہوتے ہیں۔ جس میں سے تیسرے آدمی کی پرولیج پوزیشن ہوتی ہے۔ وہ کبھی ایک کے ساتھ ہو جاتا ہے اور کبھی دوسرے کے ساتھ۔ اور اس طرح میجارٹی پیدا کر لیتا ہے۔ میجارٹی اونٹ کی کروٹ ہوتی ہے جو ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ تین آدمیوں کا گروپ جہاں بھی ہوگا۔ اُن کی طاقت کا توازن ہمیشہ تیسرے کے ہاتھ میں رہے گا۔ جو توازن کو بگاڑتا رہتا ہے۔ یعنی جس گروپ کی طرف زیادہ فائدہ مل جاتے وہ اُس کی طرف جھک جاتا ہے۔ بلکہ کئی بار تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ تیسرا آدمی دونوں فریقوں سے رعایت حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن جھکتا کسی کی طرف نہیں۔

عرفِ عام میں اُسے غیر جانبداری بھی کہا جاتا ہے۔

اگر ایک فرم میں تین حصہ دار ہوں یا ایک جماعت کے تین لیڈر ہوں۔ یا چوری کے مال کے تین حصے دار ہوں تو وہاں تنازعہ فطری ضرورت بن جاتا ہے۔ جس طرح شہر میں جتنے بھی ترا ہے ہوتے ہیں، وہاں ٹریفک کے حادثے سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ تین لکیروں والی تکون خطرے کی سُرخ علامت بن جاتی ہے۔ اس لئے فیملی پلاننگ کے سبھی بورڈوں میں خطرے کا نشان یعنی تکون ہمیشہ نمایاں کر دی جاتی ہے۔

شو شنکر کی تیسری آنکھ کے بارے میں تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جب وہ کھلتی ہے تو سب کو تاخت و تاراج کر دیتی ہے۔

دوسری عالمگیر جنگ میں تین بڑوں نے ہی مل کر لڑائی لڑی تھی روس، امریکہ اور برطانیہ ——— اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان اتحادیوں کے جو مخالف تھے۔ وہ بھی تین ہی تھے۔ یعنی جرمنی، اٹلی اور جاپان۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس اتحادِ ثلاثہ نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا!

حُسن اور محبت کے معاملے میں بھی تین ہی فریق ہوتے ہیں۔ ایک عاشق، ایک معشوق اور ایک رقیب۔ جسے رُوسیاہ بھی کہا جاتا ہے اور ان تینوں کی بدولت ایک المیہ ادب جنم لیتا ہے۔ المیہ ناولوں اور ڈراموں میں رقیب کو بالآخر موت قبول کرنا پڑتی ہے۔ زر، زن اور زمین بھی تین ہیں جو سماج کے ہر تنازعہ کی بنیاد بنتی ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تین کا ہندسہ اتنا منحوس ہے اور اتنے مصائب پیدا کر دیتا ہے تو پھر اسے ہندسوں میں سے نکال باہر کیوں نہیں پھینک دیا جاتا۔

---

# غزلیں

## عدیل عباسی جامی چریاکوٹی

ہم اپنا حالِ دل جو چشمِ نم کہتے تو کیا کہتے
ستمگر سُن کے رودادِ الم کہتے تو کیا کہتے

صنم خانے میں بھی نورِ خدا مجھ کو نظر آیا
مری نظروں کو یہ اہلِ حرم کہتے تو کیا کہتے

متاعِ ہوش بھی گم ہو گئی تھی اُن کے جلووں میں
ستم کہتے تو کیا کہتے، کرم کہتے تو کیا کہتے

نہ آنسو تھے، نہ آہیں تھیں، نہ لب پر تھا کوئی شکوہ
ہم اپنا حالِ دل اب اُس سے کم کہتے تو کیا کہتے

چلے تھے سوئے کعبہ اور میخانے میں آ بیٹھے
جنابِ شیخ کے نقشِ قدم کہتے تو کیا کہتے

دلی جذبات کا اظہار ہے اس کے سوا جامی
غزل سُن کر مری اہلِ قلم کہتے تو کیا کہتے

## ایم۔ اے۔ ج دیپک شکوہ آبادی ایم۔ اے (علیگ)

خوبصورت خواب دیتے جائیے
زیست کے اسباب دیتے جائیے

جاتے جاتے اک اُچٹتی سی نظر
ساز کو مضراب دیتے جائیے

میری خاطر اِک تبسم بر محل
آنسوؤں کو آب دیتے جائیے

مضطرب ہی مجھکو رکھنا ہے اگر
فطرتِ سیماب دیتے جائیے

زندگی برہم کئے جاتے ہیں آپ
ضبط کی بھی تاب دیتے جائیے

آپ دیپک وقت کی روداد کو
اِک درخشاں باب دیتے جائیے

## اختر بستوی ایم۔ اے

مری حیات ہے پیاسی تری نظر کی قسم
بس اِک نگاہ ہے کافی تری نظر کی قسم

اُٹھی جو چشمِ کرم، دوسروں کی سمت گئی
ہُوا نہ پھر بھی میں شاکی تری نظر کی قسم

خفیف عکس بھی گر مست انکھڑیوں کا پڑے
سرور بخش ہو پانی تری نظر کی قسم

جنونِ عشق کا جادو جہاں میں جب بھی چلا
خرد نے آنکھ چرالی تری نظر کی قسم

سمجھ سکی نہ مری عقل جن اشاروں کو
وہ لائے دل پہ خرابی تری نظر کی قسم

بفیضِ یک نگہِ التفات، اختر کو
ملی یہ شعلہ مزاجی، تری نظر کی قسم

## کاشف الہاشمی اجینی

جو تم نے دُور رہ کر ہم کو تڑپانا نہیں چھوڑا
تو سُن لینا ہمیں تنہائی نے زندہ نہیں چھوڑا

میں وہ بگڑے ہوئے حالات پیچھے چھوڑ آیا ہوں
کہ جن حالات نے برسوں مرا پیچھا نہیں چھوڑا

بہاروں نے تسلی دی، خزاں نے آنکھ دکھلائی
مگر شبنم نے رونا، پھول نے ہنسنا نہیں چھوڑا

بہت ممکن ہے، دل جل کر کسی دن راکھ ہو جائے
جوان جلتے ہوئے لمحات نے پیچھا نہیں چھوڑا

وہی تشنہ دہن ہے میکدے کی آبرو کاشف
کہ جس نے عمر بھر ساقی کا دروازہ نہیں چھوڑا


عید مبارک
رمضان المبارک کے اختتام پر
بادلوں کی اوٹ سے جھانکنے والا ہلال،
عید کی انتہاء خوشیوں کا پیغام
لے کر آتا ہے۔ آپ کی
خوشیوں میں برابر کا شریک باٹا
تہوار کے لطف کو دوبالا کرنے کیلئے آپ سے درخواست
کرتا ہے کہ گھر کے تمام افراد کے ساتھ تشریف لائیے اور اس کے
جوتوں کو اپنے پاؤں کی زینت بنایئے۔
بولی ٹیل ۱۴
سائز ۹-۱۱،
۱۲-۱، ۲-۵
ٹفیز ۱۰
سائز ۹ - ۱۱
۱۲-۱، ۲-۵
لائٹ فٹ ۳۲
سائز ۵ - ۱۰
لائٹ فٹ ۲۵
سائز ۲ - ۷
جوبلی ۷۵
سائز ۲ - ۷
Bata

افسانہ

# تحفہ

## رضوانہ اقبال ایم۔ اے (علیگ)

۳۹۱ - ۵ - ٦ - دوسری منزل۔ نیو بھوئی گڑہ۔ سکندرآباد (آندھرا)

محترمی خوشتر صاحب! سلام خلوص

یہ چوتھی بار مایوسی کا سامنا ہوا۔ بڑی اُمید اور آرزو تھی کہ آپ سے شرفِ ہم کلامی حاصل ہوگا۔ لیکن ہر بار زینوں سے چڑھ کر ع

بیٹھ جاتے ہیں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

کہتی بیٹھی رہی۔ اُمید ہے افسانہ زیرِ نظر پسند آیا ہوگا۔ آپ ادب کے جوہری ہیں۔ آپ کی گہر شناس نظریں کیسا رہا مطلع فرمائیں۔ کئی افسانے جو میں نے "بیسویں صدی" کے لئے لکھے تھے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے نشر ہوگئے......

نیازکیش ——— رضوانہ اقبال

وہ میری زندگی کا سب سے مبارک دن تھا۔ یونیورسٹی کالینڈ اسکیپ گارڈن روشنیوں، خوبصورت لان اور حسین پھولوں کے تختوں سے دولہن بنا ہوا تھا۔ سارے طلب اپنی آنے والی ذمہ دارانہ زندگی کا حلف اُٹھانے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ رنگین ملبوس اور زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور چہرے فضا میں رنگینی پیدا کر رہے تھے۔ ایک عجیب سا انبساط و مسرت کا ماحول تھا جس میں مستقبل کے خوش آئند خیالات کے ساتھ ساتھ خوشگوار ماضی کے مٹتے نقوش افسردہ بھی کر رہے تھے۔

ڈائس نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ اسٹاف کے سارے ممبر اور مہمان اپنی جگہ لے چکے تھے۔ گورنر کے آتے ہی جلسۂ تقسیم اسناد کی کارروائی شروع ہوئی۔ پکارا جانے والا تیسرا نام میرا تھا۔ میں نے یونیورسٹی کے شعبۂ کیمیا میں گولڈ میڈل حاصل کیا تھا۔ اپنا نام سنتے ہی دل کی دھڑکنیں سنبھالتی۔ بکھرآئی مسکراہٹ کو سمیٹتی میں ڈائس پر پہنچی۔ گورنر نے مبارکباد کے ساتھ میڈل لگایا اور جب میں نے مڑکر فاتحانہ انداز میں ہزاروں افراد کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرف دیکھا تو سب لوگ بے تحاشہ تالیاں پیٹنے لگے۔ لیکن یہ کیا ——؟

سامنے کی قطار میں بیٹھی ایک عورت۔ جو لباس اور رکھ رکھاؤ سے کافی پُروقار اور معزز معلوم ہو رہی تھی اپنی آنکھوں پر دستی لگائے بے تحاشہ روئی چلی جا رہی تھی۔ میرا دل دھک سے رہ گیا اور میرا نشۂ داد و تحسین ایک پل میں ٹوٹ گیا۔ ڈائس سے اُترتے ہوئے میری حالت عجیب سی ہوگئی۔

میں نے مسز کلکرنی کو جا پکڑا جو معزز مہمانوں کی لسٹ لئے اُنہیں اپنی سیٹ تک پہنچ جانے میں مدد دے رہی تھی۔

میرے دریافت کرنے پر مسز کلکرنی نے بتایا کہ یہ مسز یزدانی ہیں۔ جن کی لڑکی عالیہ یزدانی کی تصویر تم نے شاید پرنسپل آفس اور لائبریری میں دیکھی ہوگی۔ اور اچانک میری آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیل گئیں۔ اچھا تو یہی ہیں عالیہ یزدانی

کی ماں!

میرے دل میں اُن سے ملنے کی تڑپ پیدا ہوگئی۔ لیکن اُس وقت اُن سے ملنا ممکن نہ تھا۔ میں دل برداشتہ سی بیٹھی بور ہوتی رہی۔ لوگ مجھے مبارکباد دیتے رہے اور میں بے دلی سے شکریہ ادا کرتی رہی۔ پھر گھر لوٹ آئی میری ساری خوشی کافور ہوچکی تھی۔

دوسرے دن میں نے ڈائرکٹری میں اُن کا نمبر ڈھونڈ نکالا اور اُن سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اُنہوں نے میرا نام سُنتے ہی فوراً شام کی چائے پر مجھے مدعو کرلیا۔

دل کی غمگینی کو چھپائے ڈرتے ڈرتے میں نے کال بیل دبائی، وہ میری منتظر تھیں۔ اُن کا ڈرائنگ روم بے حد نفاست سے آراستہ تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ یہ ڈرائنگ روم سے زیادہ کسی طالب علم کا اسٹڈی روم معلوم ہو رہا تھا۔ بُک شیلف کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ عالیہ کی تصویریں مختلف سائز کے فریموں میں دیواروں پر آویزاں تھیں۔

اُنہوں نے مجھے بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا اور نوکر کو چائے لانے کے لئے آواز دی۔ میں نے کل کے واقعہ پر توجہ دلائی اور کہا کہ آپ کے آنسوؤں نے مجھے ساری رات بے چین رکھا۔ آپ مجھے عالیہ کی جگہ اپنی بیٹی سمجھیں۔ یہ سُنتے ہی اُنہوں نے مجھے سینے سے لگالیا۔ اپنے سینے سے کھینچتے ہوئے اُن کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ دل جب ذرا ہلکا ہوا تو اُنہوں نے نہایت محبت سے مجھے چائے پلائی۔ گفتگو کے دوران اُنہوں نے بتایا کہ عالیہ اُن کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ابتدا ہی سے وہ بے حد ذہین اور ہونہار لڑکی تھی۔ کالج تک پہنچتے پہنچتے اُس کے شوق نے جنون کی شکل اختیار کرلی۔ وہ گھنٹوں نت نئے تجربات کرتی رہتی۔

کالج میں ہر سال وہ میڈل حاصل کرتی۔ یونیورسٹی میں اُس کے نام کا چرچا ہونے لگا۔ علم سے والہانہ شغف یہ بتاتا تھا کہ وہ ضرور اپنے ملک کا نام روشن کرے گی۔ ایم۔ ایس۔ سی کے بعد اسکالرشپ پر وہ جرمنی چلی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد اُس کے پاپا کا انتقال ہوگیا۔ لیکن وہ نہ آسکی۔ پھر پی۔ ایچ۔ ڈی کی تکمیل کے بعد وہ لندن پہنچی۔ میں نے بھی اُس کی تعلیم میں رکاوٹ نہ ڈالی۔

چھ سال بیت چکے تھے۔ میں بیمار رہنے لگی تھی۔ مجھے عالیہ کی واپسی کا شدت سے انتظار تھا۔ اُدھر یونیورسٹی والے بھی اُس کی واپسی کے منتظر تھے، اس لئے اُس نے وطن لوٹنے کا ارادہ کیا اور مجھے اطلاع دی۔ وہ بھی مجھ سے ملنے کے لئے بیتاب تھی اور میری بے چینی تو فطری تھی۔ اُس کی ڈائری سے تمہیں اُس کے اضطراب کا اندازہ ہوگا۔

میں نے جلدی سے چائے ختم کی اور اُس کی ضخیم ڈائری کے اوراق اُلٹنے لگی۔ اُس میں اُس کے شب و روز کے سارے حالات قلمبند تھے۔ تعلیم ہی تعلیم کا ہر جگہ تذکرہ تھا۔ اُس کی روز افزوں ترقی اور ہر جگہ تذکرہ تھا۔ قدر و منزلت کا تذکرہ ہر صفحہ پر بکھرا تھا۔ میں نے تیزی سے اوراق اُلٹے اور آخری صفحوں پر نظریں جمادیں۔

۲۶ رمئی ——— میری پیاری ماں سے ملنے میں صرف تین دن باقی ہیں۔ اُن کے آنچل میں پناہ لینے کے بعد دنیا کے سارے سرد و گرم بھول جاؤں گی۔ اُن کے بغیر یہ چھ سال میرے

بے چھ صدیوں سے کم بھی گزرے!

۲۷ر ... میں نے جانے کی ساری تیاری مکمل کر لی ہے۔ دوست احباب، اپنے عزیزوں اور اساتذہ کے لئے بہت سی چیزیں خرید لی ہیں۔ امی کے لئے بھی بہت کچھ ہے۔ لیکن مجھ چاہتا ہے کوئی نادر اور نایاب تحفہ اُن کے لئے لے لوں۔ کل بازار جاؤں گی۔ اپنی ماں کے قدموں میں اس عظیم تحفہ کو رکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ آج سونے سے پہلے کوئی چیز منتخب کر لونگی۔ کل رات میں روانگی ہے۔ پھر تو ڈائری کو چند دن کی چھٹی ہو جائے گی۔ اللہ وہ دن جلد دکھائے کہ اپنی عظیم ماں کے قدموں میں پہنچ جاؤں!

میں نے ڈائری بند کر دی اور سوالیہ نظروں سے مسز یزدانی کی طرف دیکھا۔ بڑے صبر و ضبط اور معتبر آواز میں انہوں نے کہا۔

"جانتی ہو بیٹی وہ عظیم تحفہ کیا تھا ــــ؟ اُس کی ساری ڈگریاں، لندن اور جرمن کے کئی تمغہ جات اور اُس کی جواں سال لاش!!"

مسز یزدانی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ جب ذرا حالت سنبھلی تو انہوں نے بتایا کہ وہ میرے لئے تحفہ لانے گئی تھی۔ اُس کی لینڈ لیڈی نے تار کے ذریعہ مجھے اطلاع بھجوائی کہ سڑک پار کرتے ہوئے وہ حادثہ کا شکار ہوگئی۔ حکومت نے سارے سازوسامان کے ساتھ اُس کی لاش منگوالی۔ میں اُس کی یاد کو برقرار رکھنے کے لئے ہر سال تقسیم اسناد کے جلسہ میں ضرور جاتی ہوں تاکہ عالیہ کی طرح آسمان کی بلندیوں کو چھونے والی لڑکی کو دیکھ کر خوش ہو سکوں۔ لیکن آنسو میرے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مجھے معاف کر دو بیٹی ــــــــ

---

رسالہ نہ ملنے کی شکایت دو مرتبہ پتے چیک کرنے کے بعد "بیسویں صدی" ہر ماہ باقاعدگی سے سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود شکایتی خطوط موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ ۲۵ر تاریخ کے بعد شکایتی خطوط موصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمہ ڈاک سے بھی کیجئے ـــ مینجر

# یونٹ مالکوں کے لئے

## کیا آپ کو اپنا منافع مل گیا ہے؟

براہ مہربانی
ان سوالوں کو
دھیان سے پڑھیے

1. کیا آپ نے اپنا منافع ڈیویڈنڈ وارنٹ کے ذریعہ یا منی آرڈر کے ذریعے بھیجے کو کہا ہے؟
**اگر منی آرڈر کے ذریعے بھیجے کو کہا ہے تو براہ مہربانی کچھ دن اور انتظار کیجیے۔**

---

2. کیا آپ نے ہمیں وارنٹ اپنے بنک/ڈاک گھر کے اپنے کھاتے میں جمع کرنے کو بھیجے کے لئے کہا ہے؟
**اگر ایسا ہے تو براہ مہربانی ہمیں لکھنے سے پہلے اپنے بنک/ڈاک گھر سے پتہ کریں۔**

---

3. کیا آپ کے پتے میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے جس کی اطلاع آپ نے ہمیں 31 مئی سے پہلے نہیں دی؟
**اگر ایسا ہے تو براہ مہربانی آپ پہلے اپنے پرانے پتہ پر معلوم کریں۔**

---

4. کیا آپ نے ہمیں یہ لکھا تھا کہ آپ کا منافع ری انوسمنٹ پلان کے تحت دوبارہ پونجی کے طور پر لگا دیا جائے؟
**اگر ایسا ہے تو آپ کو ہماری طرف سے اب تک ایک علیحدہ چٹھی مل چکی ہوگی۔ براہ مہربانی جانچ کر لیں۔**

---

اس کے بعد ہی ٹرسٹ کے متعلقہ دفتر کو چٹھی لکھیئے اور اپنی چٹھی میں اپنے یونٹ سرٹیفکیٹ 13/18 ہندسوں والا کوڈ نمبر لکھنا کبھی نہ بھولیں۔

**ہمیں تعاون دیجیے**
**تاکہ ہم آپ کی بہتر خدمت کر سکیں**

**یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا**
بمبئی • نئی دہلی
کلکتہ • مدراس

deva 74/292

# صحت و زندگی

## ۱۔ صحت کی محبوبہ

اگر آپ صحت کی محبوبہ کو رام کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ صحت مند رہنا چاہتے ہیں تو صحت کے اصولوں کی پابندی کو اپنا معمول بنا لیجئے۔ پُرسکون اور پُراعتدال زندگی بسر کیجئے۔ کھانسی، بھاگ دوڑ اور ہیجان و اضطراب سے پرہیز کیجئے۔ اپنے کام کاج اور تفریح کے روزانہ معمولات سادگی اور سکون کے ساتھ انجام دیجئے۔ کبھی کبھی ان میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے گھر سے باہر سیر و تفریح، سماجی جلسوں، دوستوں سے ملنے جلنے، مہمان داری اور دعوتوں وغیرہ جیسے ہلکے پھلکے لطف انگیز مشاغل میں بھی حصہ لیا کیجئے۔ غذا اور کھانوں میں ہمیشہ اعتدال ملحوظ رکھئے صرف اتنی غذا کھائیے جس سے اچھی صحت اور جسمانی قوت برقرار رہے۔ خیال رکھا کیجئے کہ آپ کی بیشتر غذا غذائیت بخش ہو۔ لیکن بسیار خوری سے ہمیشہ اجتناب کیجئے۔ کھلے میدانوں، باغوں اور دریا کے ساحل کی ہوا شہر کی ہوا سے بہت اچھی اور صحت بخش ہوتی ہے۔ ان مقامات کی سیر صحت کے لئے بہت ضروری ہے۔ صبح کے وقت ہوا خوری سے جسمانی طاقت بڑھتی ہے۔ قوتِ ہاضمہ میں اضافہ ہوتا اور دورانِ خون صحیح ہوتا ہے۔

ہر صبح سورج کی حیات بخش کرنوں سے آبِ حیات حاصل کرنے کے لئے کچھ دیر تک کھلے جسم پر سورج کی کرنیں پڑنے دیا کیجئے۔

جو لوگ ان باتوں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں وہ ہمیشہ صحت مند رہتے ہیں۔ فاضل ڈاکٹر اس حقیقت پر متفق ہیں کہ تندرستوں ہی کے لئے نہیں، مریضوں کے لئے بھی دواؤں کی نسبت صاف ہوا اور صحیح غذا کہیں زیادہ ضروری ہے۔

غذا کے علاوہ ہوا، روشنی، ورزش اور نیند بھی آپ کے جسم کی مناسب پرورش، نشوونما اور صحت کے لئے ضروری ہے۔

صحت مند رہنے کے لئے کام، محنت اور ورزش میں باقاعدگی کو اپنا معمول بنا لیجئے۔

کھانے اور سونے کے اوقات میں پابندی بے حد ضروری ہے۔ ہر کام میں اعتدال پسندی بہتر صحت کی ضامن ہے۔ جذبات اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھئے۔ بکثرت تازہ ہوا اور کھلی فضا کو اپنی پسند بنا لیجئے۔ محنت اور ورزش کے احساس سے شاد کام ہونا صحت کے لئے بے حد فائدہ بخش ہے۔

## ۲۔ صحت کے لئے گہری نیند

رات کی اچھی نیند صرف آنکھیں بند ہو جانے کا نام نہیں ہے۔ جب تک گہری نیند نہ ہو نیند کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ صحت کو برقرار رکھنے کے لئے گہری اور بھرپور نیند ضروری ہے۔ دن بھر کے کام کے بعد آنکھوں ہی کو نہیں جسم کے خودکار نظام کے سوا جو قلب کی حرکات اور اہم حیاتی افعال کا کفیل ہوتا ہے۔ دماغ اور دوسرے سارے اعضاء کو راحت کے وقفے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ اکثر لوگ اس کی اہمیت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

آج کی پُرآشوب اور ہنگاموں سے لبریز زندگی میں بہت سے لوگوں کو سونے کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے۔ انھیں گہری اور بھرپور نیند نصیب نہیں ہوتی۔ بہت سے بستر پر تو جا لیٹتے ہیں لیکن ان کے جسم کی بے چینی اور تناؤ میں افاقہ نہیں ہوتا۔ وہ بستر پر گھنٹوں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور ان کا دماغ دن کے مسائل کی ادھیڑ بن میں مشغول رہتا ہے۔ کچھ لوگ آدھی رات میں چائے کی پیالیاں پی کر اپنی حالت اور خراب کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ گہری

پینے سے گریز کرتے ہیں اور صبح بہت جلد جاگ اٹھتے ہیں اور [illegible] سے انجام دینے کے قابل نہیں ہوتے۔

گہری نیند لانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو یقین نہیں ہوتا کہ انہیں گہری نیند میسر آئے گی۔ وہ سوچتے ہیں موسم گرم ہے اور [illegible] ہے۔ ایسی حالت میں کیا نیند آسکے گی۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ تازہ ہوا میں [illegible] ہوں ورنہ ان کو بھی ورزش کریں انہیں گہری نیند آئے گی۔

سونے سے پہلے تیز قدموں چہل قدمی نیند لانے میں معاون ہوتی ہے۔ سونے سے پہلے کسی طرح کا دماغی کام کرنے سے نیند نہیں آتی۔ سونے سے پہلے دماغ کو ہر طرح کے خیالات سے خالی کر دینا چاہئے۔

روسی سائنسدان نیند پر تجربات کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جسم میں جسمانی مشقت کرنے کے بعد گہری نیند آئے تو تھکاوٹ کے لئے چھ گھنٹے کی نیند کافی ہوتی ہے۔"

ایک دوسرے سائنسدان کی رائے ہے کہ "دن رات میں وقفوں کے ساتھ سونا ساری رات مسلسل سونے سے زیادہ تازگی بخش ہوتا ہے۔"

گرمیوں کے دنوں میں دوپہر کے وقت تھوڑی دیر سونا مفید ہی نہیں بہت ضروری ہے۔ سائنسدانوں کا دعویٰ ہے کہ وقفوں کے ساتھ سونے سے عمر کو دراز کیا جا سکتا ہے۔

گہری نیند سونے کے لئے نرم و گداز بستر بھی ضروری ہے۔ سوتے وقت کمرے کی کھڑکیاں کھلی رکھنی چاہئیں۔ جاگنے اور سونے دونوں حالتوں میں تازہ ہوا کی بڑی اہمیت ہے۔

سونے سے پہلے چائے یا کافی پینے سے بھی نیند نہیں آتی۔ نیم گرم دودھ پینا نیند لانے میں معاون ہوتا ہے۔

## ۴— مولی — ایک صحت بخش ترکاری

[illegible]

یرقان، آنتوں اور معدے کے امراض میں [illegible] ہے۔ مولی کھانے سے منہ صاف رہتا ہے اور جلد کا کوئی روگ نہیں ہوتا۔ مولی کھانے سے چہرے کا رنگ نکھر آتا ہے۔

مولی غذا کو فوراً ہضم کرتی ہے [illegible] ہے۔ اس کا پتہ ایسے ہضم کر دیتا ہے۔ اس لئے مولی کھانے کے بعد اس کے پتے ضرور کھانے چاہئیں۔ پتے ہضم کرنے کے لئے [illegible] بہت ضروری ہے۔ ہم جو بھی غذا کھاتے ہیں مولی اسے ہضم کرتی ہے مگر خود دیر میں ہضم ہوتی ہے۔

مولی میں دو جوہر ایک دوسرے کے متضاد پائے جاتے ہیں ایک جوہر ارضی ہے جو کثیف اور دیر ہضم ہوتا ہے۔ دوسرا جوہر گرم لطیف ہے۔ مولی کے اسی دوسرے جوہر ہی میں قدرت نے شفا بخش کی تاثیر عطا کی ہے۔

اکثر اطباء کے لئے مولی کو ایک نعمت سمجھا جاتا ہے۔ اس سے پیشاب کھل کر آتا ہے۔ اس میں قوت ادرار بہت زیادہ ہے اس لئے یرقان اور استسقاء میں نہایت مفید ہے۔ اس کے پتوں کا پانی نکال کر اسے نمک سے پھاڑ کر پلایا جائے تو یرقان جاتا رہتا ہے اور گردے اور مثانے کی پتھری بھی ٹوٹ کر خارج ہو جاتی ہے۔ یہی پانی سات تولے کی مقدار میں پیا جائے تو استسقاء کے لئے نافع ہے۔

مولی میں وٹامن اے، بی، سی کے علاوہ فولاد، فاسفورس اور چونا (کیلشیم) ہوتا ہے جس سے انسانی جسم کی نشوونما ہوتی ہے۔ مولی میں معدنی اجزاء بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

مولی جگر کے لئے خاص طور پر بے حد مفید ہے۔ جو لوگ بواسیر یا جگر کی کمزوری کے مریض ہوں انہیں مولی ضرور کھانی چاہئے۔

مولی جسم کو طاقت پہنچاتی ہے اور [illegible]

[illegible]

مفید ہے۔ قدیموں کے نزدیک مولی پیشاب میں اکر لانے یا ذیابیطس اور پیٹ کے بڑھنے کی صورت میں مفید ہے۔ مولی نمک اور کالی مرچ کے ساتھ کھائی جائے تو دانتوں کے لئے فائدہ بخش ہے۔ اور منہ و دہن کی بدبو کو دور کرتی ہے۔ ہرے پتوں اور پیٹ کے کیڑوں کو زائل کرتی ہے۔

مولی کے رس کو چنوں کے برابر پیس کر گولیاں بنالیں اور صبح کے وقت دو دو گولیاں کھائیں۔ نہایت مفید ہے۔

مولی کمزور معدے اور حلق کو نقصان پہنچاتی ہے۔ زیادہ کھانے سے بلغم پیدا کرتی ہے۔ مولی زیادہ کھانے سے موڈ اور اخلاط میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔

## ۴۔ اگر آپ خوش رہنا چاہتے ہیں

دُنیا میں کون ایسا انسان ہوگا جو خوش نہ رہنا چاہتا ہو۔ آپ بھی یقیناً چاہتے ہوں گے۔

مشہور ماہرِ نفسیات رابرٹ لوئی نے لکھا ہے ــــ اگر تم خوش رہنا چاہتے ہو، اگر تم خوشگوار زندگی گزارنا چاہتے ہو تو تمھیں حسبِ ضرورت اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیے۔ تمھارے حالات تو آسانی سے بدل نہیں سکتے۔ تم خود کو آسانی سے بدل سکتے ہو۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خود کو ہر حالت میں خوش رکھ سکتے ہیں اور وہ ہر حالت میں خوش رہتے ہیں۔

"سب سے زیادہ مطمئن اور خوش وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو کسی کام میں مصروف رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ یا تو دُنیا کو فائدہ پہنچاتے ہیں یا کسی دوست کی مدد کرتے ہیں یا پھر کسی کام کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔ اُن کے کام کی نوعیت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ کوئی بھی کام ہو جو انھیں پسند ہو، جو اُن کے ذوق کے مطابق ہو۔ وہ کام دوسروں کی نظروں میں اہم نہ ہو، لیکن انھیں ناقابلِ بیان خوشی بخشتا ہے۔"

## ۵۔ کیا آپ جانتے ہیں؟

- بادام قوت بخش غذا ہی نہیں، بہترین دوا بھی ہے۔ یہ دماغ کی تقویت اور قوتِ حافظہ میں اضافے کے لئے بیش بہا چیز ہے۔ بادام بیٹائی اور معدہ کو قوت بخشتا ہے۔ ذیابیطس کے مریضوں

کے لئے مفید غذا ہے۔

- کھجور دل اور معدے کو تقویت پہنچاتی اور بادی جسم کو مٹاتی ہے۔ خون پیدا کرتی اور خون کی شکایات کو رفع کرتی ہے۔ جسم کو موٹا کرتی ہے، قوتِ باہ کو خصوصیت سے تقویت دیتی ہے۔ خشک کھانسی اور دمے میں مفید ہے۔

- ماہرین تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پالک میں فولاد اور کیلسیم (چُونا) کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ فولاد خون بڑھاتا اور جگر کو تقویت دیتا ہے۔ چُونا ہڈیوں کی ساخت کو مضبوط، سخت اور پائدار بناتا ہے۔ جن لوگوں کے جسم میں خون کی کمی ہو پالک کھائیں۔ اطبّاء کا کُشتہ فولاد کھانے سے خون اتنا نہیں بڑھ سکتا، جتنا پالک کھانے سے بڑھتا ہے۔ پالک پتھری، یرقان، مالیخولیا اور گرمی کے بخاروں میں بھی مفید ہے۔

- لہسن صرف مصالحہ ہی کا ایک خاص جُز نہیں ہے۔ دوائی اعتبار سے بھی لہسن بہت اہمیت رکھتا ہے۔ دل کی کمزوری، پھیپھڑے کے زخم، تپ دق اور پُرانے بخاروں میں بہت مفید ہے۔ اِس کے استعمال سے خون میں سُرخی پیدا ہوتی ہے، چہرے کا رنگ نکھر جاتا ہے۔ جوانی میں لہسن کھانے سے جوانی کا عرصہ طویل ہو جاتا ہے اور بڑھاپا جوانی میں بدل جاتا ہے۔ یہ مقوّی معدہ، مقوّی باہ، مقوّی بدن اور مقوّی دماغ ہے۔ بدہضمی، بادگولہ، قلّت ہاضمہ، بلغمی کھانسی، دمہ، ورم بدن، بادی بواسیر اور پیٹ کے کیڑوں کو دُور کرنے کے لئے بھی بے حد مفید ہے۔ قوتِ حافظہ میں اضافہ کرتا ہے۔ اِس سے آنکھوں کی بینائی بڑھتی ہے۔ موتیا بند کا پانی لہسن کھانے سے بند ہو جاتا ہے۔ لہسن کم نظری کا مجرّب علاج ہے۔

- آنتوں، گُردوں اور پھیپھڑوں کی صفائی کے لئے سب سے اچھے پھل سنگترہ، مالٹا، لیموں، ٹماٹر اور انگور ہیں۔ لیموں اور سنگترے تو وٹامن سی کی قیمتی بوتلیں ہیں۔ قدرت نے لیموں میں سب سے زیادہ جراثیم کُش اور دافعِ تعفّن طاقتیں بھر دی ہیں۔

[illegible]

# کامیابیاں ایک نظر میں

ہریانہ نے ملک کے ایک ریاست کے طور پر وجود میں آنے کے بعد اب تک ترقی کے مختلف شعبوں میں جو کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ مندرجہ ذیل حقائق ان کی آئینہ دار ہیں۔

**خوردنی اجناس** | ملک کی ضروریات کے مقابلے میں ہریانہ نہ صرف اپنی ضروریات میں خود کفیل ہے بلکہ 1966 کے مقابلہ میں جبکہ یہ کمی والا صوبہ تھا اب فالتو اناج پیدا کر رہا ہے۔

**آبپاشی** | 1967-68 کے 33.57 لاکھ ایکڑ آبپاشی رقبہ جات کے مقابلے اب 1974 میں آبپاشی رقبہ جات بڑھ کر 40.88 لاکھ ایکڑ ہو گیا ہے۔
مئی 1968 میں ریاست میں ٹیوب ویلوں کی تعداد 29000 تھی۔ آج ان کی تعداد 129000 تک پہنچ گئی ہے۔

**بجلی** | ہریانہ ملک کی واحد ریاست ہے جس نے نومبر 1970 میں دیہاتوں میں بجلی پہنچانے کے نشانہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ مئی 1968 میں پانچ دیہاتوں میں سے صرف ایک کو یہ سہولت میسر تھی۔

**صنعت** | مئی 1968 میں 4598 رجسٹرڈ چھوٹے کاروباری صنعتی یونٹوں کے مقابلے میں ان کی تعداد 1973-74 کے آخر تک 14308 ہو گئی۔

**پینے لائق پانی کی بہم رسانی** | چھ برس پہلے ہریانہ میں صرف 203 دیہاتوں کو صاف پینے لائق پانی کی بہم رسانی کا انتظام تھا جبکہ آج 7136 دیہات اس سکیم سے مستفید ہو رہے ہیں۔ پہلے کے مقابلے اس کام میں 250 فیصدی اضافہ ہوا ہے۔

**ٹرانسپورٹ** | نومبر 1972 سے یاتری بسوں کو پورے طور پر قومیا لیا جا چکا ہے۔ آج ہریانہ روڈویز کے پاس 1641 بسیں ہیں جبکہ مئی 1968 میں صرف 567 بسیں تھیں۔ ہریانہ روڈویز کو اپنی کارکردگی کے لئے ملک میں امتیازی مقام حاصل ہے۔

**کمزور طبقوں کی بہبود** | عمر اور جسمانی طور پر معذور اشخاص کو راحت پہنچانے کیلئے متعدد سکیمیں چالو کی گئی ہیں۔ شیڈولڈ ذاتیوں اور پسماندہ طبقہ جات کی حالت کو بہتر بنانے کی جانب خاص توجہ دی جا رہی ہے۔

**سڑکیں** | راجیہ کے 64% دیہاتوں کو پکی سڑکوں کے ساتھ ملانے کا کام پورا کیا جا چکا ہے جبکہ مئی 1968 میں صرف 1500 دیہات پکی سڑکوں کے ساتھ جوڑے گئے تھے۔ اب پکی سڑکوں کے ساتھ جوڑے گئے دیہاتوں کی تعداد 4240 تک پہنچ گئی ہے۔

جاری کردہ:
**ڈائریکٹر محکمہ تعلقات عامہ ہریانہ**
**چنڈی گڑھ**

D.P.R. HARYANA (8/97-74)

# مدیر بیسویں صدی کے نام ایک گالیوں بھرا خط

خوشتر گرامی

میں جس سرزمین پر پیدا ہوا وہ آج پاکستان کہلاتی ہے۔ ایک سیاسی لکیر ہندوستان کے نقشے پر کھینچ دی گئی اور میرا وطن میرا پیارا وطن مجھ سے چھٹ گیا۔

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے

وطن سے نکل کر میری کیفیت وہی ہے جو پانی سے نکل کر مچھلی کی ہوتی ہے۔ مجھے آج بھی اپنے اس وطن سے بے پناہ محبت ہے جس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ میرا سینہ چیر کر ہی دکھاؤں تو شاید یقین آسکے ——— آج بھی سید یزدانی جالندھری (رکن ادارہ "بیسویں صدی" لاہور) جناب طفیل ہوشیارپوری (مدیر "محفل" لاہور) رگِ جاں کی طرح مجھ سے وابستہ ہیں۔ آج بھی اپنے لاہور کے لئے میں تڑپ رہا ہوں۔ اپنے لاہور سے مجھے وہی پیار ہے، وہی لگاؤ ہے اور وہی محبت ہے۔ آج بھی لارنس گارڈن لاہور (باغِ جناح) کے گل ولالہ کی عطر بیز خوشبو سے میرا دماغ معطر ہے اور میرا دل وہاں جانے کے لئے تڑپ رہا ہے ؎

خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر

میرے اس وطن پر سیاستدانوں کی ناعاقبت اندیشیوں سے جو کچھ گزری اس کو بھی میرا ہی دل جانتا ہے۔ "بیسویں صدی" کے صفحات گواہ ہیں کہ موجودہ وطن کے ناخدا اور وہ لوگ جن کی حرص و آز نے ہمارے ملک کو نقصان پہنچ سکتا ہے، تیر و نشتر کی زد سے نہیں بچے پھر اگر میں نے اپنے وطنِ مالوف کے ناعاقبت اندیش رہنماؤں پر نکتہ چینی کی تو اپنی روش سے ہٹ کر یا تجاوز کر کے نہیں کی۔ پاکستان کے سینکڑوں حقیقی ہمدرد، محبانِ وطن مجھ سے متفق ہیں اور ان کے درد بھرے خطوط مجھے ملتے ہیں۔ لیکن ذیل میں ابو ظبی سے موصولہ ایک پاکستانی بھائی کا خط پیش کر رہا ہوں۔ ان کے لب و لہجہ کو میری طرح قارئینِ "بیسویں صدی" بھی معاف فرمائیں۔ مجھے اس سے دکھ نہیں ہوا، رحم آیا۔ اس لئے کہ حق کہنے والوں کو اس طرح کی باتیں سننی ہی پڑتی ہیں۔ انھیں مسٹر بھٹو کے قلمی چہرے سے تکلیف ہوئی ہے۔ کاش وہ ان کے دل میں ایک ایسی شمع روشن کر سکیں کہ پاکستان کے عوام اپنے خود غرض حکمرانوں اور سیاستدانوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات پا سکیں جنھوں نے پاکستان کے دو ٹکڑے کرا دئے اور شیخ مجیب الرحمٰن کو وہ دلوا دیا جو انھوں نے کبھی نہیں مانگا تھا۔

جو بھائی مجھ پر اور ہندوستان کے لوگوں پر غیظ و غضب کا اظہار فرما رہے ہیں وہ مورخ کو یہ لکھنے سے نہیں روک سکیں گے کہ قائدِ اعظم مسٹر محمد علی جناح نے بغیر کسی قربانی کے جو مملکت حاصل کی تھی، بھٹو اور یحییٰ خاں کی خود غرضی اور ناعاقبت اندیشی کے باعث زبردست شکست و خون کے بعد نصف سے زیادہ پاکستان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

آخری بات میرے دوست یہ نوٹ فرما لیں کہ یہ ایک ہندوستانی ہی کا دل گردہ ہے اور ہندوستان میں اخبارات کی آزادی کی دین ہے کہ ہندوستان کے خلاف یہ زہریلا خط صفحاتِ "بیسویں صدی" میں آرہا ہے۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی ہندوستانی کا ایسا خط پاکستانی اخبارات کے صفحات پر کبھی جگہ نہیں پا سکتا یا "بیسویں صدی" میں شائع شدہ مسٹر بھٹو کا قلمی چہرہ جو اس خط کے مقابلے میں

اپنی ترشی و تلخی کے اعتبار سے ایک ہے۔ شائع نہیں ہو سکتا ——— خدا جلد سے اُس پاس کے بھائیوں کو [illegible] کی [illegible]
خط درج ذیل ہے ———
[illegible] اگست ۱۹۷۳ء

محترم ایڈیٹر بیسویں صدی جناب خوشتر گرامی صاحب السلام علیکم

بیسویں صدی کے ستمبر ۱۹۷۳ء کے شمارہ میں آپ نے پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو [illegible] کے بارے میں چند الفاظ بھی لکھے تھے۔ چند سالوں سے آپ کی اصلی صورت کے خدوخال عیاں ہو رہے ہیں۔ [illegible] آپ نے خود کو ایک ترقی پسند اور سیکولر ہندوستانی ثابت کرنے کے لئے آج تک کی ہے۔ آپ کی متعصبانہ ذہنیت نہیں چھپ سکی۔ آپ [illegible] میں لکھا ہے جو مگرمچھ کے آنسو بہاتے تھے وہ بھی ماضی کی ایک طویل داستان کا ردِعمل تھے۔ آپ نے خود کو ایک [illegible] طور پر پیش کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے۔ لیکن بھٹو صاحب کے لئے جو کہ آپ کے ہمسایہ ملک کے وزیر اعظم ہیں، نازیبا الفاظ [illegible] کی غمازی کرتے ہیں۔

اگر آپ کی یادداشت کمزور نہیں تو ہندوستان کی موجودہ وزیر اعظم کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے گذشتہ وزراءِ اعظم پر نظر ڈالیں [illegible] سب مکر و فریب کے پتلوں کا توڑ ہیں۔ ہندوستان کا سب سے بڑا مکار پنڈت جواہر لال نہرو تھا۔ جس نے یو۔ این۔ او کے اندر کشمیر میں جنگ بندی کی درخواست کی تھی۔ ساری دنیا کے نمائندوں کے سامنے کشمیر میں رائے شماری کا وعدہ کیا اور پھر اپنی روایتی مکارانہ سیاست کا مظاہرہ سب کو دکھایا۔ آج کشمیر کو ہندوستان کا اٹوٹ انگ کہا جا رہا ہے۔ (جو کہ دیوانے کا خواب ہے)

دنیا نے دیکھا اندرا گاندھی کی مکاری مشرقی پاکستان میں رنگ لائی۔ چند قوم پرست (میر قاسم) بک گئے۔ (ماضی کی تاریخ [illegible]) مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کی ناکارہ کشتی مہیا کی اور گرداب میں چھوڑ دیا۔ بنگلہ دیش کیوں بنا اور مشرقی پاکستان میں کیوں مداخلت کی گئی؟ تاریخ کا قاری یہ بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اگر آپ تنگ نظر اور متعصب نہ ہوتے تو یقیناً دو بھائیوں کے علیحدہ ہو جانے پر چراغ نہ جلاتے، مٹھائیاں تقسیم نہ کرتے۔ آخر یہ کھسیانی خوشی کیوں؟ لیکن یاد رہے۔

"خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا"

کل کا انتظار کریں۔ اُفق سے پرے دیکھیں۔ ایک نیا طوفان اُٹھ رہا ہے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کا درد ایک ہے۔ پشاور سے [illegible] تک ایک ہی آواز ہوگی۔ جس آواز کی بدولت پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا۔ ڈھاکہ اور لاہور یک قلب دو جان تھے۔ (یکجہتی [illegible] ہے) یہ پھر ایک ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ انشاء اللہ۔ عنقریب۔ آمین۔ ثم آمین۔

دو بھائی جب جھگڑے کے بعد ملاپ کرتے ہیں تو جھگڑے کا سبب بننے والا ذلیل اور رسوا ہوا کرتا ہے۔ بنگلہ دیش کا ہندوستان [illegible] سال کے اندر جو استحصال کیا ہے وہ جاری نہیں رہ سکتا۔ مسلم بنگال کی راکھ سے اُٹھنے والی چنگاریاں پورے ہندوستان کو جلا کر خاکستر کر دیں گی۔

اگر آپ صحافی ہیں تو ہندوستان کے ۶۵ کروڑ عوام پر نظرِ عنایت ڈالیں۔ کروڑوں ہندوستانی چلتی پھرتی بے جان زندہ لاشیں ہیں [illegible] کے سمندر میں زندگی کے سانس گن رہے ہیں اور آپ کی صحافت کا ماتم کر رہی ہیں۔

پاکستان سے تعصب چھوڑیئے۔ ایک نام نہاد سیاسی بالشتئے کا لہجہ نہیں ایک بے لاگ صحافی بن کر لکھیے۔ اگر آپ میرا یہ خط شائع کر دیں گے تو یقیناً قارئینِ کرام آپ کو نیک مشورہ دیں گے۔ دیگر آپ کی جرأت کا اندازہ ہوگا اور اگر یہ خط شائع نہ ہوا تو میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گا کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دھوکا دیتے ہیں یہ بازی گر کھلا

والسلام
نیاز کیش ——— [illegible]
ڈیفنس انجینئر، ابوظہبی ڈیفنس فورس، پوسٹ بکس نمبر ۳۰۹، ابوظہبی (متحدہ عرب امارات)



بیسویں صدی [illegible] دسمبر ۱۹۷۳ء

# سرگوشیاں

اس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں۔ فلمی، اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شاملِ اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ بیسویں صدی کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے ——— (ایڈیٹر "بیسویں صدی" دہلی)

**ابن الحسن سعید۔ سہسرام**

س۔ دورِ حاضرہ کی سیاست؟

ج۔ اب سے پہلے خوبصورت فریب تھی، اب نفرت انگیز فریب ہے!

س۔ اگر کوشش کے باوجود کامیابی نہ ملے تو؟

ج۔ بددل نہ ہونا چاہئے۔ ایک جرمن مفکر نے کہا ہے ــــ "ناکامی ہی کامیابی کا زینہ ہے"

---

**نواب اصغر علی۔ جہان آباد، بہار**

س۔ انسان دوسروں کو بیوقوف کب سمجھنے لگتا ہے؟

ج۔ جب خود کو سب سے عقلمند سمجھنے لگتا ہے۔

س۔ چور کب مشہور ہوتا ہے؟

ج۔ آپ نے چور کی وضاحت نہیں کی پھر بھی بتایا جاتا ہے چور کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں ــــ کام چور، نام چور، غزل چور، حسن چور، لہجہ چور، افسانہ چور، کہانی چور۔

س۔ انسان دوراہے پر آکر کب کھڑا ہو جاتا ہے؟

ج۔ جب خود اعتمادی سے محروم ہونے کے باعث کسی معاملے میں صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا۔

---

**منظور عالم منظر۔ دربھنگہ**

س۔ تقدیر کب ساتھ دیتی ہے؟

ج۔ جب تقدیر کی تکمیل کے لئے انسان جدوجہد کرتا ہے۔

س۔ تقدیر بڑی ہے یا تدبیر؟

ج۔ محض تدبیر سے تقدیر سنور جاتی ہے

---

**نسیم سحری۔ رانچی**

س۔ عورت شعلہ ہے یا شبنم؟

ج۔ کبھی شعلہ کبھی شبنم!

س۔ جوانی میں دل و دماغ کی کشمکش میں دل کی بات ماننے والوں کو کیا ملتا ہے؟

ج۔ مسرت کے بجائے حسرت و ندامت ملتا ہے۔

---

**محبوب حسرت۔ ناگپور**

س۔ آپ پیار محبت اور عشق کو دیوانگی اور دماغ کا خلل کہتے ہیں تو لیڈروں کے وزارت کی کرسی سے پیار کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟

ج۔ وہ دماغ کا خلل نہیں بلکہ دیوانگی یقیناً ہوتی ہے۔

---

**اسلم نواب۔ شیرگھاٹی۔ گیا**

س۔ دنیا کا سب سے امیر آدمی کون ہے؟

ج۔ جو خود کو غریب نہیں سمجھتا۔ جو اپنی ضرورتوں کا دامن اپنی حیثیت سے زیادہ دراز نہیں کرتا۔

---

[illegible]

س۔ سب سے [illegible]
ج۔ جس کا دل بُرا نہیں ہوتا جو کسی کا بُرا نہیں چاہتا، جو کسی بُرائی کی تائید نہیں کرتا۔

س۔ سب سے اچھی عورت؟
ج۔ جو عفت و عصمت کو اپنا زیور سمجھتی ہے۔

س۔ سب سے اچھی زبان؟
ج۔ اپنی زبان!

---

عتیق احمد صدیقی حیدرآباد

س۔ جو عورت حسن کے سوا اور کوئی جوہر نہیں رکھتی اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

ج۔ وہ عورت اُن گڑیوں سے [illegible] بہت مشابہ ہے آرائش کے لئے [illegible] لیکن اچھے کردار سے محروم ہیں۔

س۔ تنقید آسان ہے یا تخلیق؟
ج۔ تنقید۔

س۔ آپ کے جیون کی سب سے بڑی دلچسپی؟
ج۔ وہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

---

ڈاکٹر زبیر احمد قریشی۔ محمد آباد گوہنہ

س۔ انسان گناہوں سے آشنا ہو کر بھی کیوں گناہ کرتا ہے؟
ج۔ اس لئے کہ گناہ میں کشش ہوتی ہے۔

س۔ کیا [illegible] کا دوسرا نام [illegible] ہے؟
ج۔ [illegible]

---

کلیم انجم [illegible]

س۔ [illegible]
ج۔ [illegible]

کہتے ہیں جس کو عشق [illegible]

---

سید ظہیر انور [illegible]

س۔ دنیا میں کتنے مسلم ممالک ہیں؟
ج۔ ۳۰ سے زیادہ۔

س۔ [illegible] غالب [illegible] شعر [illegible]
ج۔ عشق نے غالب نکمّا کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

---

### بیگم شفیق پریمی۔ ٹاٹا نگر

س۔ عقل کب آجاتی ہے؟

ج۔ جب عقل نہ ہونے سے کوئی بڑی ٹھوکر لگتی ہے۔

س۔ انسان کی حوصلہ افزائی کب ہوتی ہے؟

ج۔ مشاعروں میں جب کسی متشاعر کو سخن ناشناس داد دینے والے مل جاتے ہیں یا الیکشن میں کسی اُمیدوار کو روپے اینٹھنے کے لئے کامیابی کا جھوٹا یقین دلانے والے خود غرض ساتھی مل جاتے ہیں۔

س۔ مجبوری میں انسان کیا کر جاتا ہے؟

ج۔ جو نہ کرنا چاہیئے۔

---

### ایم۔اے۔صمد۔بھیونڈی

س۔ انسان غلطی کرکے فخر و غرور کیوں کرتا ہے؟

ج۔ ہر انسان غلطی کرکے فخر و غرور نہیں کرتا۔ اچھے انسان غلطی کرکے نادم و شرمسار ہوتے ہیں۔

---

### جگموہن سنگھ بینس۔ نابھہ

س۔ آپ کے ذاتی خطوط کا "بیسویں صدی" میں شائع ہونا...؟

ج۔ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ لیکن ایسے حقائق کو منظرِ عام پر پیش کرنا ہم پسند نہیں کرتے جس میں خودستائی ہو۔

س۔ افسانہ نسوانی کردار کے بغیر...؟

ج۔ بے جان اور پھیکا ہوگا۔

---

### مس عاصمہ بیگم۔ سیکرے۔ ہاسن

س۔ ضبط کی آخری منزل؟

ج۔ جب ضبط کا دامن چھوٹ جائے؟

س۔ انکل! تنہائی کا علاج؟

ج۔ غالب نے آج سے بہت پہلے تنہائی کا علاج بتایا تھا ؎

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

---

### خسرو پرویز۔ کریم نگر

س۔ کشمیر میں کیا کشش ہے جو ہندوستان اور پاکستان دونوں اس پر فریفتہ ہیں؟

ج۔ کشمیر جنت ارضی ہے اور رجائے وقوع کے اعتبار سے بھی بہت بڑی سیاسی اہمیت رکھتا ہے۔

س۔ وہ کون سی حکومت ہے جہاں انسان کو سکون مل سکے؟

ج۔ آج دنیا میں ہر جگہ سکون ناپید ہے۔

---

### اختر بانو حسین۔ کرڈوئی

س۔ انسان اپنی ذات سے کب اور کیوں نفرت کرتا ہے؟

ج۔ جب کوئی بُرا کام کرنے کے بعد اُس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا ہے، اُس کے دل کو ٹھیس لگتی ہے تو وہ اپنی ذات سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

س۔ کچھ اچھی باتیں بتایئے۔

ج۔ • دانا وہ ہے جو وقت کو دیکھ کر کام کرے۔

• خاموش رہو، یا ایسی بات کہو جو خاموشی سے بہتر ہو۔

• جھوٹ کو سچائی سے فتح کرنا چاہیئے۔

س۔ اپنی پسند کا کوئی شعر سنایئے۔

ج۔ تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی

---

### محمد نظیر۔ پربھنی

س۔ "صحت و زندگی" کے عنوان سے آپ بے حد قابلِ قدر و حیات افروز خیالات و معلومات پیش کرتے ہیں۔ لیکن ایک بات ہمیشہ کھٹکتی ہے وہ انگریز دانشوروں کے نام ہیں۔ کیا ساری دنیا میں دانشور اور مفکر انگریز ہی ہیں؟ یا دوسروں کے خیالات آپ تک نہیں پہنچ سکتے؟

ج۔ انگریزوں کے علاوہ بھی دانشور اور مفکر ہیں، لیکن پڑھنے والے انگریز دانشوروں اور مفکروں کے خیالات کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔

---

### شہناز ایم۔جی خان۔ اٹرے گاؤں وردھا

س۔ غالب کی بے پناہ عظمت کا راز؟

ج۔ غالب کا عظیم شاعر ہونا غالب کی بے پناہ عظمت کا راز ہے۔

س۔ میں لکھنا بہت کچھ چاہتی ہوں۔ ہر لمحہ کوئی کہانی میری تخلیق جس کو بیدار کرتی ہے پھر بھی میں لکھ نہیں سکتی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ج۔ آپ احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں۔ ہمت کرکے لکھنا شروع کردیجئے۔ لکھنے لگیں گی۔

---

## [illegible]

**عبدالستار سرخیل۔ [illegible]**

س۔ غالب کے ان دونوں شعروں میں سے کون سا شعر صحیح ہے ؟

گو ہاتھ کو جنبش نہیں ہاتھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

•

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ج۔ دوسرا شعر صحیح ہے۔

---

**نجیب الرحمن۔ سدی پیٹھ**

س۔ اگر نیک امیدیں کرنے کے بعد برا پھل ملے تو ؟

ج۔ جب بھی دل برداشتہ نہ ہونا چاہئے۔ اپنے عمل کا جائزہ لینا چاہئے ۔

اے شکوہ سنج شوخیٔ تقدیر دیکھنا
ذوقِ عمل ہی تیرا کہیں خام تو نہیں

س۔ میر تقی میر کے دو شعر سنایئے۔

ج۔ صبح گزری شام ہونے آئی میر
تو نہ چیتا اور بہت دن کم رہا

•

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

---

**کملا کانت بھاٹیہ۔ لدھیانہ**

س۔ امریکہ میں مرد زیادہ ہیں یا عورتیں ؟

ج۔ امریکہ میں مردوں کی نسبت عورتوں کی تعداد ۴۸ لاکھ زیادہ ہے۔

س۔ ڈاک، تار، ٹیلیفون کے محصولوں میں اضافہ سے مرکزی حکومت کی کتنی

**آصف برجیس ؟**

ج۔ [illegible] خوبصورت ہے

---

**رعنا شکیل ۔۔۔**

س۔ [illegible]

ج۔ [illegible]

•

[illegible]
انساں نہ ہو سکا [illegible]

---

**قاضی سعید الدین۔ بدنیرہ گنگاتی**

س۔ علامہ اقبال کی جائے پیدائش ؟

ج۔ سیالکوٹ (پاکستان)

**انور بیگ ۔ نیل ٹول ۔**

س۔ آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟

ج۔ آتی نہیں پڑھی جتنی ہے ناز۔

س۔ دوسروں کی نظروں میں پسندیدہ ہونے کا راز کیا ہے؟

ج۔ دوسروں کی پسند کو اپنی پسند بنا لینا۔

---

**تارا شنکر جین ۔ الہ آباد**

س۔ لنکا کی راجدھانی کا کیا نام ہے؟

ج۔ کولمبو۔

س۔ لنکا کی وزیر اعظم بھنڈار نائک کا پورا نام کیا ہے؟

ج۔ سری ماؤ بھنڈار نائک۔

س۔ اسرائیل کے جنم داتا کا کیا نام ہے؟

ج۔ ڈیوڈ بن گوریان۔

---

**لال بہادر سکسینہ ۔ بمبئی**

س۔ پنڈت جواہر لال نہرو کب اور کہاں پیدا ہوئے تھے؟

ج۔ ۱۴ نومبر ۱۸۸۹ء کو الہ آباد میں۔

س۔ جواہر لال کتنے دن جیلوں میں رہے؟

ج۔ ۳۲۵۱ دن مختلف جیلوں میں گزارے۔

س۔ ہندوستان میں پہلا پنجسالہ پلان کب شروع کیا گیا؟

ج۔ اپریل ۱۹۵۱ء میں۔

---

**مس رقیہ جمیل ۔ حیدر آباد**

س۔ ایران کی شہزادی اشرف پہلوی کو پنجاب یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری کب دی تھی؟

ج۔ ستمبر ۱۹۷۲ء میں۔

س۔ کیا یہ سچ ہے کہ ۱۹۷۲ء میں دہلی یونیورسٹی کے آنرس رزلٹ میں تین مضامین میں لڑکیوں نے ٹاپ کیا تھا؟

ج۔ جی ہاں۔ مس نیلو فر اما جنے انگریزی میں، مس نوشابہ پروین نے سنسکرت میں، مس اندرا گھوش نے معاشیات میں امتیازی پوزیشن حاصل کی تھی۔

---

**ہدایت علی ساحل ۔ مجھری تلیا**

س۔ اردو ادب میں عورت کا مقام؟

ج۔ بہت بلند ہے۔ اردو کے عظیم شاعر علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ\
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں\
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی\
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں

س۔ دنیا میں شہرت، عزت اور نیک نامی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

ج۔ شہرت، عزت اور نیک نامی پانے والوں کے نقشِ قدم پر چل کر۔

س۔ بنگلہ دیش کی آبادی کتنی ہے؟

ج۔ ساڑھے سات کروڑ۔

---

**نعمت خوابکار ۔ رانچی**

س۔ شراب کیوں حرام ہے؟

ج۔ اس لئے کہ شراب اُمّ الخبائث ہے۔

س۔ غریب دانے دانے کو ترس رہے ہیں، دھن والوں نے گودام بھر رکھے ہیں! یہ کب تک ہوتا رہے گا؟

ج۔ جب تک غریب کسی حقیقت آشنا کے اس پیام پر عمل نہ کریں گے ؎

تیرگی اپنے مقدر کی مٹانے کے لئے\
چھین کر چاند ستاروں سے اُجالا لے لو

●

دردِ اس دَور کی تقدیر ہے لیکن اے دوست!\
صرف اِک معرکۂ محنت و زر ہونے تک

---

**کمال احمد ۔ ڈیبر گڑھ**

س۔ دنیا کی موجودہ پریشانی کا سبب کیا ہے؟

ج۔ دولت و اقتدار کی ہوس!

س۔ محبت اور مروت میں کیا فرق ہے؟

ج۔ مروت انسان کو پاگل نہیں بناتی، محبت پاگل بنا دیتی ہے۔

---

**بشیر الدین ساحل ۔ کورٹلہ**

س۔ کیا رنگ دار مٹھائی سے معدہ کے امراض پیدا ہوتے ہیں؟

ج۔ جی ہاں۔

س۔ صحت کے لئے لیموں کیسا ہے؟

ج۔ بے حد مفید۔

س۔ زیادہ طاقت بخش کیا ہے۔ گیہوں یا چاول؟

ج۔ گیہوں۔

---

**ارشاد احمد صدیقی ۔ سلیم پور**

س۔ خوشتر بھیا! شادی بربادی ہے یا خانہ آبادی؟

ج۔ زن و شوہر اس مقدس رشتہ کا احترام کریں تو شادی خانہ آبادی ہے۔

---

خالد یوسف۔ سمبار پور

س۔ موٹے ہونے کی، تندرست ہونے کی ترکیب بتایئے۔

ج۔ موٹا ہونا تندرست ہونے کی علامت نہیں ہے۔ آپ تندرست رہنا چاہتے ہیں تو صحت کے اصولوں کی پابندی کو اپنا معمول بنا لیجئے۔

س۔ کیا شکنجبین اورنج جوس کا کام کرتی ہے؟

ج۔ **بہت حد تک کرتی ہے۔**

س۔ شاعر کا کیا مذہب ہوتا ہے؟

ج۔ یہ پوچھئے شاعر کا مذہب کیا ہونا چاہئے؟ شاعر کا مذہب انسانیت و دوستی ہونا چاہئے۔

---

پروین سلطانہ نسرین سلطانہ۔ گنٹور

س۔ کیا دنیا میں سب سے غریب ملک ہندوستان ہے؟

ج۔ جی ہاں، ہندوستان جنت نشان!

---

محمد یسین رضوان۔ جھری تلیا

س۔ کچھ اچھی باتیں بتایئے تاکہ دل کو سکون اور روح کو غذا ملے۔

ج۔ • تم میں خدا کے نزدیک بزرگ و محترم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

• سخی اللہ سے قریب اور آتشِ دوزخ سے دور ہے۔

• اللہ تعالیٰ کریم ہے اور کرم اسے محبوب ہے۔ سخی ہے اور سخاوت اسے محبوب ہے۔

• انسان کا سب سے بڑا دشمن گناہ ہے۔

س۔ لڑکیوں کی شادی کتنی عمر میں ہو جانی چاہئے؟

ج۔ جب سن بلوغ کو پہنچ جائیں۔

---

نزہت رضوان۔ دیبا پور

س۔ **انگور کے فوائد بتایئے۔**

ج۔ **انگور خون صاف پیدا کرتا ہے**، دل اور جگر کے لئے بے حد مفید ہے۔ تمام اعضائے رئیسہ کو تقویت پہنچاتا ہے۔ قبض کشا اور زود ہضم ہے۔ دماغی اور قلبی عوارض میں اس کا استعمال اکسیر ہے۔ معدے اور پھیپھڑے کو طاقت دیتا ہے۔ چھوٹے بچوں کے لئے انگور کا عرق نعمت غیر مترقبہ ہے۔

س۔ میں بہت سوتی ہوں۔ کیا کروں جس سے رات میں نیند کم آئے؟

ج۔ رات میں کھانا کم کھایا کیجئے۔

---

مس سروج۔ نئی دہلی

س۔ پپیتہ کی تاثیر گرم ہے یا سرد؟

ج۔ گرم تر۔

---

محمد پرویز حسن۔ مظفر پور

س۔ آپ کا پورا نام کیا ہے؟

ج۔ حیرت ہے کہ پورا نام آپ کو ادھورا معلوم ہوتا ہے۔

---

[illegible]

س۔ کیا یہ شعر آپ کا ہے [illegible]

ج۔ یہ پہلا شعر نہیں ہے [illegible]
چلا جاتا ہوں [illegible]
(اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے)

---

محمد اشفاق احمد۔ گیا

س۔ **کیا آپ موت سے گھبراتے ہیں؟**

ج۔ ہاں! جس طرح بزدلوں کی زندگی نہیں جینا چاہتے اسی طرح بزدلوں کی موت مرنے سے ہم گھبراتے ہیں۔

س۔ تقدیر کب ساتھ نہیں دیتی؟

ج۔ جب انسان تدبیر کا دامن چھوڑ دیتا ہے۔

---

ایم۔ اے۔ رؤف تمنا۔ جوگی پیٹ

س۔ اگر پیار پر ہوس کا سایہ پڑنے لگے تو؟

ج۔ پھر پیار پیار نہیں رہتا۔

س۔ انکل! عورت رات کا تارہ اور صبح کا ہیرا ہے تو مرد؟

ج۔ مرد اپنے کردار کے آئینے میں خود اپنے کو دیکھ لے!

---

چندر بھوشن۔ نینی تال

س۔ "دکھ گناہ کا نتیجہ ہوتا ہے" یہ کس کا قول ہے؟

ج۔ مہاتما بدھ

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: خوشتر گرامی —— مطبوعہ: پربھات آفسیٹ پریس و گلشن پرنٹنگ ورکس دہلی —— ٹائیٹل: بلائنڈ پریس دہلی —— [illegible]

# ڈکشنریاں، صنعت و حرفت، کشیدہ کاری اور خانہ داری کی بہترین کتابیں

## کشیدہ کاریاں و ڈکشنریاں

| | | |
|---|---|---|
| جمیلہ اسدی کی کشیدہ کاری | کرشنا کماری ایم اے | چار روپے |
| زینت کشیدہ کاری | زینت کوثر | پانچ روپے ۵۰ پیسے |
| شمع 〃 | 〃 | چار روپے ۵۰ پیسے |
| رشیدکی 〃 | رشیدہ خاتون | تین روپے ۵۰ پیسے |
| دلہن 〃 | زینب انور | دو روپے ۵۰ پیسے |
| حسین 〃 | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| شبنم 〃 | قدسیہ انور | ایک روپیہ |
| قدسیہ 〃 | 〃 | ایک روپیہ |
| کامیاب درزی خانہ | زینب انور | دو روپے |
| تکیہ کے اشعار | شرف بانو عفران | دو روپے |
| زینت کروشیا ڈیزائن بک | زینت کوثر | پانچ روپے |

### انگریزی اردو میں اپنی قابلیت بڑھایئے

اردو انگریزی کی کامیاب ترین ڈکشنریاں

| | | |
|---|---|---|
| جیمز پاکٹ ڈکشنری | انگریزی سے اردو ہندی | چار روپے |
| مصباح اللغات | | بیس روپے |
| اردو ہندی ڈکشنری | | بیس روپے |
| کریم اللغات | مولوی کریم الدین | دو روپے ۲۵ پیسے |
| اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری | عبدالحق | بیس روپے |
| اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری | 〃 | بارہ روپے |
| لغات کشوری | نول کشور | نو روپے |
| جامع اللغات | | دو روپے ۵۰ پیسے |
| جیمز آکسفورڈ ڈکشنری | انگریزی سے اردو ہندی | تین روپے |
| اردو ادبی لغت | | آٹھ روپے |
| فیروز اللغات جدید کلاں | | چوبیس روپے |
| فرہنگ عامرہ | مولوی | سات روپے ۵۰ پیسے |
| نیر | | چھ روپے ۵۰ پیسے |

## صنعت و حرفت

| | | |
|---|---|---|
| الیکٹریکل انجینئرنگ بک | نریندر ناتھ | بارہ روپے |
| الیکٹرک گائیڈ (ریڈیائیشن) | 〃 | آٹھ روپے |
| الیکٹرک وائرنگ | 〃 | چار روپے ۵۰ پیسے |
| موٹر کار ڈرائیونگ | 〃 | چار روپے ۵۰ پیسے |
| بوٹ پالش سازی | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| الیکٹرک فٹنگ | 〃 | چھ روپے |
| بغیر بجلی کا ریڈیو | | ایک روپیہ |
| تجارتی مرغی خانہ | | دو روپے |
| آئل و گیس انجن گائیڈ | 〃 | دس روپے |
| آئل انجن گائیڈ | 〃 | چھ روپے |
| رہنمائے بجلی | 〃 | تین روپے ۵۰ پیسے |
| وائرلیس ریڈیو گائیڈ | 〃 | چھ روپے |
| ریڈیو سروسنگ (ریڈیو مکینک) | 〃 | آٹھ روپے ۵۰ پیسے |
| ٹانکا لگانے کا ہنر | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| چھوٹے ڈائنمو الیکٹرک موٹرز بنانا | 〃 | تین روپے ۵۰ پیسے |
| پریکٹیکل آرمیچر وائنڈنگ (اے سی۔ ڈی سی) | | سات روپے ۵۰ پیسے |
| ریفریجریٹر گائیڈ | نریندر ناتھ | آٹھ روپے ۵۰ پیسے |
| ریڈیو رسیور | 〃 | تین روپے |
| ٹرانسفارمر گائیڈ | 〃 | چار روپے ۵۰ پیسے |
| الیکٹرک موٹرز | 〃 | آٹھ روپے |
| خرادشکشا یعنی ٹرنر گائیڈ | 〃 | تین روپے |
| ورکشاپ گائیڈ (فٹر ٹریننگ) | 〃 | تین روپے |
| خراد اور ورکشاپ گیان | 〃 | چھ روپے |
| پریکٹیکل گھڑی سازی | رام اوتار | چار روپے ۵۰ پیسے |
| سائیکل ریپیرنگ | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |

## خانہ داری

| | | |
|---|---|---|
| عصمتی دسترخوان | آمنہ نازلی | تین روپے |
| رضیہ کا دسترخوان | رضیہ سلطانہ چمن | دو روپے ۵۰ پیسے |
| رنگ سازی | پروفیسر نریندر ناتھ | دو روپے ۵۰ پیسے |
| پلاسٹک گائیڈ | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| اپٹوڈیٹ بوٹ پالش ساز | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| اپٹوڈیٹ انک ماسٹر / روشنائیاں بنانا | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| کنفیکشنری (انگریزی مٹھائیاں بنانا) | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| ہیئر آئل (خوشبودار تیل) | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| بیکری بہار (بسکٹ ڈبل روٹی کیک) | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| پینٹری کا کام | 〃 | چار روپے ۵۰ پیسے |
| فن مصوری (چترکاری) | 〃 | چار روپے ۵۰ پیسے |
| پرفیومری ماسٹر | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| وارنش ماسٹر (وارنش سازی) | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| آتش بازی کا کاروبار | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| اچار مربہ، چٹنی | چمبی رانی گپتا | دو روپے ۵۰ پیسے |
| حلوائی ماسٹر | چندر بھان سہگل | دو روپے ۵۰ پیسے |
| تمباکو کا کاروبار (تمباکو کی دوکان) | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| پان کی دوکان | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| فائن ٹیلر ماسٹر | 〃 | ایک روپیہ ۵۰ پیسے |
| انڈو یوروپین ککری بک / دیسی انگریزی کھانے | کالی چرن | چار روپے |
| کاروبار بڑھانے کی ترکیبیں | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| موم بتی کا کاروبار | 〃 | دو روپے ۵۰ پیسے |
| ڈیری فارمنگ | 〃 | چار روپے |

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی دریا گنج، دھلی نمبر ۶

# BISWIN SADI

38 th YEAR OF PUBLICATION

Telephones Office 271687 Residence 81998?


# RADIUM TONIC PILLS

## نیا خون — نئی طاقت

## کمزوری کا زبردست علاج

## ریڈیم ٹانک پلز



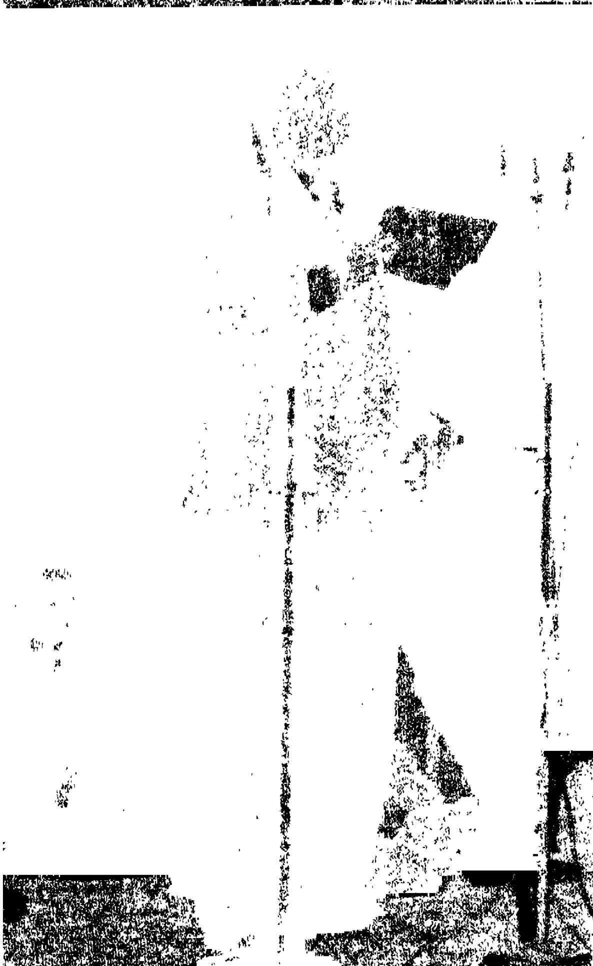
نیا خون بکثرت پیدا کرکے نہ صرف کمزوری دور کرتی ہیں بلکہ جسم میں زبردست طاقت بڑھاتی ہیں۔ وزن اور خون کئی پونڈ بڑھ جاتا ہے۔ کھوئی ہوئی طاقت اور صحت واپس لانے کے لئے ملک کے کونے کونے میں مشہور و مقبول ہیں اور لاکھوں انسان روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ کمزوری خواہ کسی وجہ سے ہو کمزور سے کمزور انسان کو بھی نئی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ تندرست نوجوان ریڈیم ٹانک پلز کے علاج سے اپنی طاقت کئی گنا بڑھا سکتے ہیں قیمت مکمل علاج صرف چھ روپے۔ محصول ڈاک علاوہ۔

کلکتہ ایجنٹ:۔

امین اینڈ اسمٰعیل پرائیویٹ لمیٹڈ

نمبر ۸۰ کولوٹولا اسٹریٹ کلکتہ ۱

ورکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ



چاند [illegible] جیسے [illegible]

[illegible] ہے

گو زمانے میں آتش بہ جاں تو رہے

اُس کی رحمت سے ہم شادماں تو رہے

گرچہ نام وفا آج بدنام ہے

وہ کریں گے وفا یہ گماں تو رہے

آنسوؤں ہی سے ظاہر مرا حال ہو

مضطرب دل کی کوئی زباں تو رہے

زندگی کاٹنے کا کوئی ڈھب تو ہو

فصلِ گل ہو نہ ہو، آشیاں تو رہے

عاشقی کا تقاضہ ہے یہ دوستو

لب پہ تھوڑی سی آہ و فغاں تو رہے

او [illegible] آفریں اُس مسافر پہ جو

[illegible] سے منزل [illegible] رواں تو رہے



جناب [illegible] شہباز ہیں
قوال [illegible] رہے ہیں

بلند اتنا کہ عرش بریں نے کھینچ لیا
[illegible] اتنا کہ اس کو زمیں نے کھینچ لیا

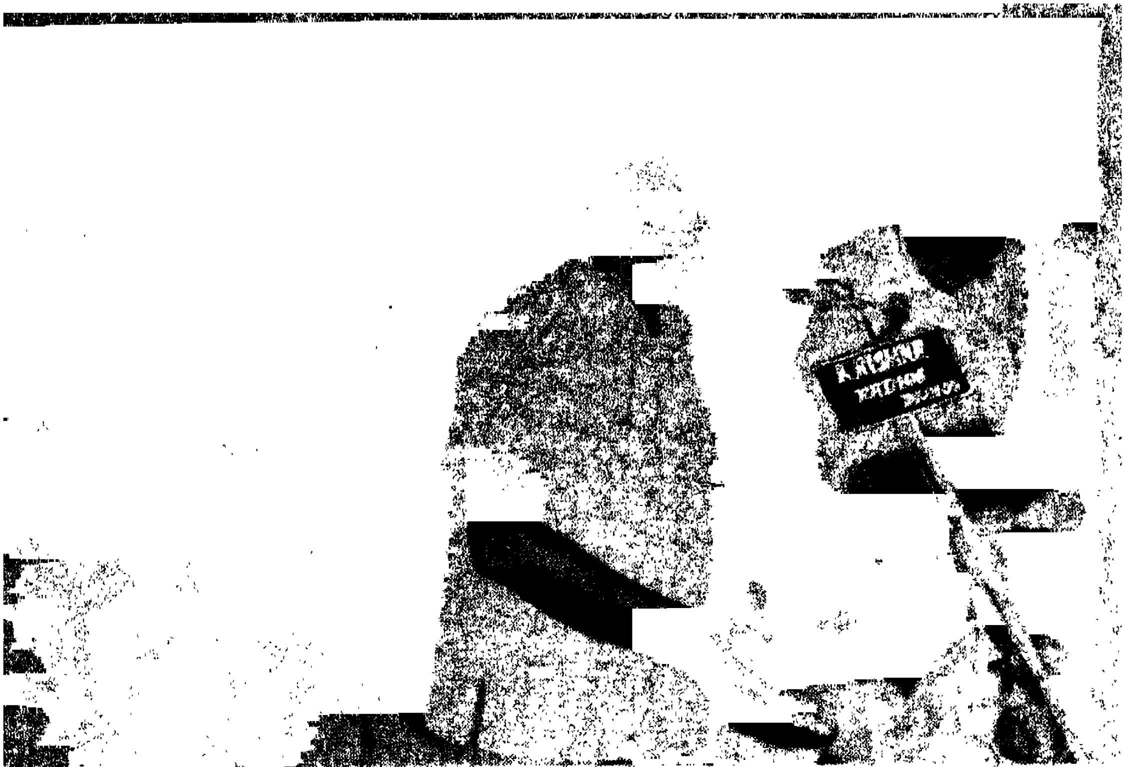
[illegible] ٹوٹے ہوئے رشتے پہ سوگوار نہیں
جنہیں نے ہاتھ بڑھایا تمہیں نے کھینچ لیا

بڑا ہجوم تھا اب کے فقیر کے ڈیرے
تمام شہر ہی گوشہ نشیں نے کھینچ لیا

نہیں تھی جسم میں جنبش جنوں میں تو دم تھا
کسی کے در کو کسی کی جبیں نے کھینچ لیا

انا کا [illegible] کا غار تھا کب سے
[illegible] کے بالآخر جبیں نے کھینچ لیا

[illegible] سمندر کا فرش ریت کے در
[illegible] کا نقشہ مکیں نے کھینچ لیا



گذشتہ دنوں زرعی نمائش بجنور میں ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا، جس میں نامور شاعر جناب چندر پرکاش [illegible]

بہاروں کا نہ کر شکوہ، بہاروں کی خطا کیا ہے
نہیں تابِ نظر تجھ میں، نظاروں کی خطا کیا ہے

لکھا تھا ڈوبنا ہی جب سفینے کے مقدر میں
تو کیا الزام موجوں پر کناروں کی خطا کیا ہے

مقابل برق کے کیا تھی حقیقت چار تنکوں کی
شرارے پھر شرارے ہیں شراروں کی خطا کیا ہے

یہ مانا عشق کی راہیں بہت دشوار ہیں لیکن
مسافر خود لٹے تو رہ گزاروں کی خطا کیا ہے

کوئی اب چلنے والا ہی نہیں ہے شب کی راہوں میں
ستارے اب بھی روشن ہیں ستاروں کی خطا کیا ہے

سہارے آبگینوں کی طرح ہوتے ہیں اے جوہر
سہارے ٹوٹ جائیں تو سہاروں کی خطا کیا ہے

# بیسویں صدی دہلی

نومبر ۱۹۷۵ء

ٹیلیفون دفتر ——— ۲۷۱۶۳۴
ٹیلیفون رہائش ——— ۶۱۹۹۲۷

ایڈیٹر: خوشتر گرامی

جوائنٹ ایڈیٹر: رحمٰن نیر

جلد ——— ۳۹
شمارہ ——— ۱۱







قیمت فی پرچہ
دو روپے ۵۰ پیسے

سالانہ قیمت
ہندوستان میں ——— ستائیس روپے
ممالک غیر سے ——— چالیس شلنگ

پتہ: بیسویں صدی پبلیکیشنز، دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

# تیر و نشتر

خوشتر گرامی

"امریکہ دوسرے ملکوں میں دخل اندازی سے باز نہیں آسکتا" فورڈ کا اعلان —— چاہے اُسے بار بار جنوبی ویتنام کی طرح جوتے ہی کھانے پڑیں۔

---

"سنڈیکیٹ کانگرس نے جن سنگھ سے گٹھ جوڑ کرکے اپنے اصولوں کو ذبح کر دیا" —— اور چھری چلائی مرارجی ڈیسائی نے۔

---

"بی بی سی اب ایمرجینسی کی ضرورت کو سمجھنے لگا ہے" اوم مہتہ کا بیان —— بہت کم فہم ہے کہ اتنی دیر سے سمجھا۔

---

"جوتے سستے تیار کئے جائیں" ایک خبر —— تاکہ سستے پڑیں۔

---

"اناج کے ساتھ ساتھ سبزیاں اُگانے پر بھی زور دیں" ڈاکٹر گیانی ذیل سنگھ —— غنیمت ہے کہ کھانے پر زور نہیں ورنہ مرغ و ماہی والے پریشان ہوتے۔

---

"فسادیوں پر قابو پانے کے لئے ربڑ کی گولیاں" ایک خبر —— لوہے کی گولیاں استعمال کرلی جائیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

---

"اُجرتوں اور ملازمتوں میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق" ایک عنوان —— اب مرد دردِ زہ میں بھی برابر کے شریک ہونے کو تیار رہیں۔

---

"جانوروں میں عشق" —— اور کیا بشر عشق کرتے ہیں؟

---



"نقلی دواسازوں کو عبرتناک سزا دی جائے" جنیوا کانگرس کی سفارش۔



"مرارجی ڈیسائی نے تنظیمی کانگریس پر جن سنگھ کے اتحاد کو جبراً ٹھونسا" ہتیندر ڈیسائی کا اعلان۔

---

• "ریڈی میڈ کپڑوں کی برآمد بڑھانے کی تجویز" ایک خبر ——— موقع ہو تو ریڈی میڈ اپوزیشن لیڈر بھی برآمد کروائے جائیں۔

---

• "ڈاکٹروں کو چاہئے کہ غریبوں پر زیادہ توجہ دیں" ڈاکٹر گیانی ذیل سنگھ ——— اور گیانی جی کی طرح غریب نواز ہو جائیں۔

---

• "نوجوان طلباؤں نے دلی کی گندی بستیوں کی صفائی کی" پروفیسر شریف الحسن نقوی اے۔ ڈی۔ ایم دلی ——— اور تمہاری مہلائیں گندگی پھیلانے سے باز نہیں آتیں۔

---

• "ڈاکٹر گیانی ذیل سنگھ کی طرف سے اردو کو ناگری حروف میں لکھنے کی مخالفت" ایک عنوان ——— زندہ باد گیانی جی کہ
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

---

• "امریکہ اور چین کا مفاد اسی میں ہے کہ پاکستان طاقت ور بنا رہے" ایک عنوان ——— طاقت ور بنا رہے یا اُلو بنا رہے۔

---

• "مرارجی ڈیسائی نے وعدہ سے پھر کر جن سنگھ سے گٹھ جوڑ کیا" ایک عنوان ——— بُرا ہو گدی کی خواہش اور ہوسِ اقتدار کا۔

---

• "طلباء کو کانگریس کی تاریخ ضرور پڑھائی جائے" پروفیسر نقوی اے۔ ڈی۔ ایم دلی ——— مگر اس میں ان ریشہ دوانیوں کا ذکر ضرور ہونا چاہئے جو آر۔ ایس۔ ایس نے کانگریس کے خلاف کیں۔

---

• "جہیز کی لعنت" ایک عنوان ——— بھارتی سماج پر کلنک کا ٹیکہ۔

• "درسگاہوں میں اخلاقی تعلیم کے تجربے" ——— تجربہ نہیں فوری نفاذ کی ضرورت۔

• "پانچ ہزار بچھوؤں کی آبادی" ایک عنوان ——— یہ سب خلافِ قانون جماعتوں کے ممبر ہوں گے۔

• "ڈاکٹر دیہات میں کام کریں" ڈاکٹر گیانی ذیل سنگھ ——— شہروں میں عطائی اور نیم حکیم بہت مل جاتے ہیں۔

• "پٹنہ میں وباؤں کی روک تھام" ——— اس میں اسمبلی توڑ دینا بھی شامل ہے۔

• "آزادی بے لگامی نہیں" ایک عنوان ——— بے لگامی اور بے لگاموں کی جگہ اب جیل میں ہے۔

• "پنجاب میں کوآپریٹو سیکٹر میں موثر قدم اُٹھائے گئے ہیں" ——— ڈاکٹر گیانی ذیل سنگھ سے کوآپریشن کا کامیاب نتیجہ۔

• "افراتفری اور تشدد میں یقین رکھنے والے ہی گرفتار کیے گئے" ایک خبر ——— اور اب انھیں کبھی اِس کا موقع نہ ملے گا کہ وہ افراتفری پھیلا سکیں۔

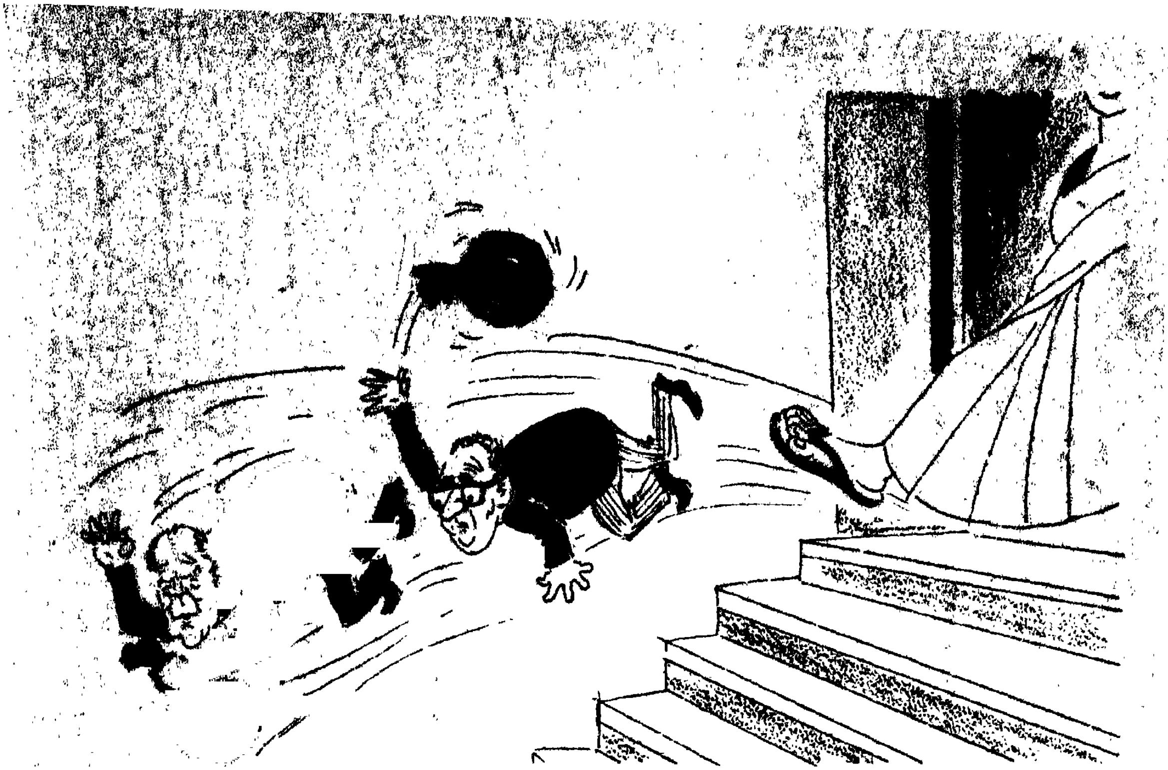
• "ایک فارم سے نو خوبصورتیاں ملیں" ——— فصل اچھی رہی۔

• "بھٹو کی کشتی بھنور میں" ——— کیا اسلام آباد میں سیلاب پہنچ گیا۔

• "بیوپاری لاپتہ" ایک خبر ——— یا انکم ٹیکس کے چھاپوں کے اندیشہ سے رُوپوش۔



ہندوستانی معاملات میں فورڈ کی مداخلت پر ہندوستان کے کونے کونے سے احتجاج۔



مسز گاندھی کی طرف سے جمہوری ڈھانچوں کو تباہ کرنے کے لئے دی جانے والی امداد کی مذمت۔

---

"جیب کترا بنانے کے لئے لڑکے کا اغوا" ایک خبر —— مزہ جب ہے کہ وہ اُستاد کی جیب پہلے صاف کرے۔

---

"پنجاب یونیورسٹی میں اُردو کا شعبہ کھولنے پر اُردو کمیٹی غور کرے گی جس کے مُدیرِ بیسویں صدی بھی ایک ممبر ہیں" ایک خبر —— شاید کہ ڈاکٹر گیانی ذیل سنگھ کی بدولت اُردو کا مقدر کُھل جائے۔

---

"گیہوں میں چُھپائے ہوئے زیورات پکڑے گئے" ایک خبر —— گیہوں کے ساتھ بوئے گئے ہوں گے۔

---

"امریکہ اور روس میں جنگ کی بُنیاد" مجلسِ اقوامِ متحدہ میں چین کی تنقید —— ایک خبر
اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سُوجھی

---

"سونی پت میں دو بازاری مجنوؤں کا جلوس، کالا منہ کرکے بازاروں میں گُھمایا" ایک خبر —— گدھے پر بٹھا کر جُوتوں کے ہار بھی ڈالتے تو شان دوبالا ہوتی۔

---

"نوجوان قیمتوں پر کنٹرول کریں" ایک عنوان —— بُوڑھی قیمتوں کو چھوٹ ہے۔

---

"اُردو اساتذہ کے مسائل" ایک عنوان —— اِتنے ہی پیچیدہ اور ناگفتہ جِتنے خود اُردو زبان کے مسائل ہیں۔

---

"امرتسر سے پٹنہ تک گولڈن ٹیمپل ایکسپریس جس میں گولڈن ٹیمپل کی تصاویر بھی آویزاں ہوں گی" —— ڈاکٹر گیانی ذیل سنگھ کی گرانقدر کوششوں کا پھل۔

"طبِ یونانی کے فروغ کے لئے" ایک عنوان ——— گلِ بنفشہ، گاؤزبان، عناب کی پیداوار بڑھاؤ۔

---

"عوام کی دولت" ایک عنوان ——— جمہوریت، سیکولرزم اور سوشلزم۔

---

"میں نے لڑکی کو اغوا نہیں کیا خود بھاگ آئی" ایک خبر ——— یہ بھی بیان دے دیتا تو کون روک سکتا تھا کہ لڑکی مجھے بھگا لے گئی تھی۔

---

"اُن تمام ریاستوں میں اُردو کو سرکاری زبان تسلیم کیا جائے جہاں خاصی تعداد میں اُردو والے رہتے ہیں" جنرل سکریٹری کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا ——— ط

کون سنتا ہے فغانِ درویش

---

"ایمرجنسی ہٹنے کا انحصار اپوزیشن پر" وزیرِ اعظم ——— اور وہ جب تک ناک رگڑ کر توبہ نہ کرے اُس وقت تک اِس مسئلہ پر غور بھی نہ ہونا چاہئے۔

---

"یو۔پی میں جرائم کی تعداد میں زبردست کمی ہوگئی" بہوگنا کا اعلان ——— اچھے راجہ کا پرجا پر اچھا اثر پڑا۔

---

"مسلمانوں کو تمام جمہوری حقوق حاصل ہیں اور وہ ان کے مستحق ہیں" ایک عنوان ——— جو اِس کی مخالفت کرے وہ سچا ہندوستانی نہیں۔

---

مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ وہ "بیسویں صدی" کے لئے مختصر افسانے ہی تحریر فرمایا کریں۔ کاغذ کی موجودہ ہولناک گرانی اور نایابی کے زمانے میں مختصر افسانوں کو طویل افسانوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مضامین خوشخط اور روشن سیاہی سے لکھنے کی زحمت فرمایئے

---



نیشنل کانفرنس اور کانگریس کے رشتہ کا فیصلہ شریمتی اندرا گاندھی کے مشورہ سے ہوگا

## تعارف

### خوشتر گرامی

کسی بھی ترقی یافتہ زبان کی طرح اردو صحافت و ادب کا دامن بھی شخصیتوں کے جواہر سے مالا مال ہے۔ ایک سے ایک گوہر نایاب اپنی چمک دمک سے چشمِ زمانہ کو خیرہ کر رہے ہیں۔ لیکن حقیقت شناس نگاہیں جب اردو صحافت کے گنج گرانمایہ پر پڑتی ہیں تو چند قد آور شخصیتیں انتہائی نمایاں نظر آتی ہیں جن میں ایک ہیں، بین الاقوامی شہرت کے حامل عزیزی رحمان نیّر۔

دورِ آغاز سے ہی اردو کی ترویج و اشاعت میں صوبۂ پنجاب (غیر منقسم) کا جو نمایاں کردار رہا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ سرزمینِ پنجاب نے اردو کے دامن میں جو بیش بہا چاند ستارے ٹانکے ہیں ان کی تنویریں لازوال ہیں۔ عزیزی رحمان نیّر کا تعلق بھی، سرزمینِ پنجاب [illegible] ہی ہے، ان کا خاندان شرافت و نجابت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ زمانۂ طفلی سے ہی عزیزی رحمان نیّر ادب و صحافت کے میدان میں کچھ کر دکھانے کا جذبہ رکھتے تھے اور اس عمر میں جب عام نوجوان لہو و لعب میں کھوئے رہتے ہیں انہوں نے ہند و پاک کی اردو صحافت میں پہلی بار ایک رنگین ادبی، فلمی ماہنامہ جاری کیا جس کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ ان کی لگن اور متواتر جد و جہد کا ثمرہ ہے کہ [illegible] جو نہایت قلیل سرمایہ سے انتہائی نامساعد حالات میں جاری ہوا تھا آج ہند و پاک کے چند گنے چنے جرائد کا اہم پلہ ہے۔ ایک چھوٹا سا ادارہ [illegible] گروپ آف پبلی کیشنز کے تحت کئی مقبولِ عام اردو ہندی کے جریدے اور مطبوعات شائع کر رہا ہے۔

قارئین بیسویں صدی کے لئے یہ امر باعثِ مسرت ہوگا کہ عزیزی رحمان نیّر نے اپنی گوناگوں مصروفیات سے [illegible] بیسویں صدی کی [illegible] سنبھالنے میں عملی تعاون دینا قبول کر لیا ہے۔ اب یقیناً بیسویں صدی پہلے سے کہیں [illegible] [illegible] کے تحت پہنچا سکیں گے۔

# دوسری غلطی

رضا الجبار۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل بی

فلیٹ نمبر (۲) ۔ ۱۳۰ ۔ بی، گورنمنٹ کالونی، باندرہ ایسٹ، بمبئی ۵۱

ڈیر خوشتر بھائی! تسلیمات

پچھلے افسانے کی رسید مجھے مل گئی۔ "بیسویں صدی" کے بہت سارے مقامی اور غیر مقامی قارئین کو مجھ سے گلہ ہے کہ میں نے "بیسویں صدی" میں لکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اُن کی خواہش کا احترام کرنے کے لئے میں کوشش کر رہا ہوں کہ اپنی معروفیت میں سے کچھ وقت لکھنے کے لئے نکال سکے۔ زیر نظر کہانی اسی کوشش کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنی کہانیوں کو زندگی کے مسائل کا اشتہار نہیں بنایا۔ افسانہ میرے نزدیک زندگی کا ایک مختصر لیکن اپنی جگہ مکمل واقعہ کا نام ہے۔ اب اس واقعے میں انسانی زندگی کی نفسیاتی کشمکش بھی آسکتی ہے، جذبات و احساسات بھی ہو سکتے ہیں اور زندگی کے مسائل بھی۔ انسانی زندگی کے مسائل یوں بھی دیکھا جائے تو زندگی کے ہر لمحے میں گنجان آبادی کی طرح بکھرے ہوتے ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر افسانہ راست یا بالراست انسانی مسائل ہی کا افسانہ ہے۔ پھر چند مسائل کو چن کر اُن پر لکھنے کے لئے الگ سے ایک خانہ بنانے کی میں ضرورت نہیں سمجھتا....

آپکا بھائی ——— رضا الجبار

★

گلاب کے پھول کی طرح کھلے ہوئے تر و تازہ نازک اور خوبصورت چہروں پر ایک بار بھولی بھٹکی سی نظر پڑ جاتی ہے تو بے اختیار دل چاہنے لگتا ہے۔ نظر اُٹھا کر اُس چہرے کو پھر دیکھئے۔ بار بار دیکھئے دیکھتے ہی رہیے!

سامنے کی صف میں نمایاں طور پر میرے روبرو بیٹھی ہوئی لڑکی کو میں نے اس لئے نہیں دیکھا تھا خوبصورت چہرے کو پھر دیکھنے اور بار بار دیکھنے کا میرا جذبہ اسی وقت مر گیا جب بہت سال پہلے میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ اُس ذہنی حادثے نے میری نظر کے زاویوں کو بدل دیا ہے۔ اب گلاب کے پھول پر نگاہ جلی بھی جاتی ہے تو خیال اُس کی خوبصورتی اور نزاکت کا نہیں، اُس کے کانٹوں کا آتا ہے۔

میں نے اچانک دیکھا تھا کہ سامنے جو ایک خاتون بیٹھی ہوئی ہیں وہ مسز عائشہ صدیقی ہیں۔ اس لئے میں کسی قدر چونک گیا تھا۔ میں اُس وقت ٹیبل ٹینس کے ایک مقابلے کا جج تھا۔ میرے آس پاس سامنے اور پیچھے تماشائیوں اور کھلاڑیوں کا ہجوم ہے۔ دوبارہ میں نے مسز عائشہ صدیقی کو دیکھا اور ذرا سا خائف ہو کر بیٹھ گیا۔ دل کی سچی ترجمانی کرنا اگر ضروری ہے تو یہ کہنے میں مجھے جھجک نہ ہونا چاہیئے کہ میں اپنے اندر ایک عجیب سے احساس کی کیفیت

[illegible] تھا کہ [illegible] یا شک کا
احساس تھا [illegible] کی جس کے [illegible] مسز عائشہ
صدیقی کا ساتھ [illegible] چاہتا تھا اور ان کو [illegible] میں [illegible]
[illegible] رہے تھے۔

اٹھارہ سال [illegible] مسز عائشہ صدیقی [illegible]
[illegible] تھیں۔ اٹھارہ سالوں کو کیا اتنی
[illegible] پر [illegible] ڈال سکے [illegible] کے بال پر
[illegible] سالوں کو کوئی سفیدی [illegible] میرے ذہن
میں بہت سے سوال ابھرے۔ ٹیبل ٹینس کا مقابلہ دیکھنے میں وہ
منہمک تھیں۔ کھلاڑیوں کی اداؤں پر مسکرائے جا رہی تھیں تو
میں نے اندازہ لگایا کہ ہونٹوں سے نکلنے والے ان کے تبسم کے
شرارے وقت کی [illegible] نہیں ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے مسز عائشہ
صدیقی کے متناسب بدن اور خوبصورتی کو مسلسل دیکھنے کے لئے
اٹھارہ سال اپنے ہاتھ باندھ کر بہت دور کھڑے رہے اور وقت
ان پر رک گیا۔

میں یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس ٹیبل ٹینس کے
مقابلے کا جج بننے کی حیثیت سے میں یہاں وی آئی پی بن کر آیا ہوں۔
اس لئے مقابلے کے اختتام تک یہ پوزیشن ایک زنجیر بن کر میرے
پاؤں کو جکڑ کر رکھے گی۔

بہت سال گزر گئے۔ عائشہ کا نام لے کر محبت کی ایک
شمع میرے وجود کے اندر روشن ہوئی تھی۔ اس شمع کی روشنی
بڑھتی چلی گئی تھی۔ بڑھتی ہی چلی گئی تھی۔

میں اپنا بچپن نہیں بھول سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے میرے
ذہن کو میری جسمانی عمر سے زیادہ بڑا اور پختہ بنا کر قدرت نے میرے
ساتھ مذاق کیا تھا۔ عائشہ میری پڑوسن تھی۔ عائشہ کا مکان ہمارے
مکان کے سامنے تھا۔ میں ان دنوں ہائی اسکول کی ابتدائی کلاس
میں تھا اور عائشہ زنانہ کالج جایا کرتی تھیں۔ اسکول کی تعلیم کے
ساتھ ساتھ ادبی ذوق اور شعر پڑھنے اور سمجھنے کے شعور کے معاملے
میں میں اپنے سارے ساتھیوں سے بہت آگے تھا۔ پہلی بار میں نے
غزل لکھی تھی اور اسکول کے ٹیچر کو سنائی تھی تو انہیں یقین نہ
آیا تھا کہ میں نے لکھی ہے۔ جب میں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ یہ

غزل میں نے [illegible]
[illegible]
[illegible] کرنے لگا۔ میں [illegible]
کرتا تھا کہ [illegible]
کے پہلے [illegible]
کی غرض سے [illegible]
کر دیا ہے [illegible]
محبت کا اظہار کر دیا [illegible] لڑکے کے [illegible]
اور [illegible] کی طرح [illegible]
اور طلب کے ساتھ [illegible]
تنہائیوں میں اپنے چاند سے باتیں کرتا رہا۔

میرے دل کی آواز [illegible]
نہ آئی اور مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ میرا امتحان قریب تھا اور میں
تیاری میں لگا ہوا تھا۔ عائشہ کا امتحان ختم ہو گیا تھا۔ [illegible]
کے [illegible] میرا امتحان [illegible] تھا۔ اچانک [illegible]
گولی کی طرح میرے کان کے پاس سے گزری کہ عائشہ کی شادی
ہونے والی ہے۔ [illegible]
تو کتابوں کے اوراق [illegible]
والا ختم نہیں ہوا کوئی [illegible]
پڑھنے میں [illegible]
کے گھر چلا گیا تھا۔ عائشہ [illegible]

"آؤ [illegible]" عائشہ نے [illegible]
"تمہارا امتحان سر پر آ گیا [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible] صحت سے رہتے ہیں۔

[illegible] آنکھ سے آنسو
[illegible] عائشہ سے تعلق
[illegible] آگیا تھا۔ اپنی تنہائی میں
[illegible] مجھے یوں احساس
ہوا کہ عائشہ میری ہے، اسے میرے قریب ہی رہنا
چاہئے، میری بن کر رہنا چاہئے۔ جب یہ نہیں ہو رہا تھا تو میں اپنے
آپ کو بالکل تنہا اور کسی خزاں زدہ پتے کی طرح پاتا تھا۔
زندگی بے کیف سی معلوم ہونے لگی۔ میری طبیعت اچاٹ ہو گئی۔
اسکول کی کتابیں پڑھنے کے لئے قطعی موڈ نہ تھا۔ عین میرے
امتحان کے دوران عائشہ کا بیاہ تھا۔ عائشہ کا گھر مہمانوں سے بھر گیا۔
ہمارے گھر والے بھی عائشہ کے گھر مہمان بن کر گئے۔ پھولوں کے
[illegible] سہرے باندھے خوبصورت سا دولہا آیا۔ میں پھٹی پھٹی
آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ شادی کی دھوم دھام جب
عروج پر آ گئی تو بینڈ باجوں کے ساتھ دُلہن بن عائشہ اصغری سے
مسز عائشہ صدیقی بن کر اپنے دولہا کے ساتھ چلی گئی۔ میں نے محسوس
کیا کہ میری زندگی کے سارے رنگ چلے گئے۔ مجھے دولہے کی قسمت
پر رشک آیا اور سوچتا رہا کہ اپنی مایوس زندگی کو اب ختم کر دینا
چاہئے! میں ساری رات بے حد اُداس رہا۔ مجھے پاگل بنانے
کے لئے ہر طرف عائشہ نظر آ رہی تھی۔ میرے پرچے خراب ہو گئے
اور خود میں بھی بیمار پڑ گیا۔ امی اور ابا کو میری صحت کی بڑی فکر
ہو گئی۔ مجھے یوں خاموش اور کھویا ہوا دیکھ کر وہ بہت پریشان
ہو جایا کرتے تھے۔ انھیں اس بات کی فکر زیادہ تھی کہ کہیں
میری صحت پر بہت بُرا اثر نہ پڑ جائے! میں امتحان میں فیل ہو گیا۔
ایک لڑکا جو بہت محنتی تھا، کلاس میں ہمیشہ فرسٹ آیا کرتا تھا
جس کی ذہانت اور محنت کی مثال دی جاتی تھی، اُس لڑکے نے
اپنے دل میں محبت کے گھن کو پال کر اپنا ایک برس کو ضائع
کر دیا!

شادی کے بعد عائشہ اکثر اپنے میکے آ جایا کرتی تھی اور میں
[illegible] کبھی چھپ کر اور کبھی سامنے آ کر عائشہ کو دیکھ کر
ایک آہ بھر لیتا تھا۔ سننے میں آیا کرتا تھا کہ عائشہ اپنے سسرال
سے خوش نہیں ہے۔ عائشہ کی ساس بہت ہی بد مزاج عورت ہے اور
ساس کی وجہ سے عائشہ کے روابط اپنے شوہر سے بھی خراب ہو رہے
ہیں۔ میں یہ سب سن سن کر کڑھتا تھا۔ کیونکہ عائشہ کی تکلیف میری
اپنی تکلیف تھی۔
ایک دن یہ بُری خبر بجلی کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑی کہ یکایک

# غزل

مخمور سعیدی

درگزر کر، کہ یہی ایک سزا ہے میری
جرم ایسا ہے کچھ ایسی ہی خطا ہے میری

شعلۂ درد کی خوشبو پہ لپکتے کیوں ہو؟
تم اسے چھو نہ سکو گے یہ صدا ہے میری

آسمانوں سے جو ٹکرا کے پلٹ آئی ہے
سر پٹکتی ہوئی ناکام دعا ہے میری

---

دل کی چوکھٹ پہ پڑی ہے کسی پرچھائیں کی لاش
دوستو! کیا یہی مقتول انا ہے میری!

عمر گذری ہے مجھے خود سے ملاقات کئے
آئنہ شکل بھی اب بھول گیا ہے میری

نقش اور عکس کا رشتہ ہوا دھندلا کتنا
خال و خط سے مرے، تصویر جدا ہے میری

سایۂ ابرِ رواں بن کے ترے ساتھ رہوں
جلتی راہوں کے مسافر! یہ دعا ہے میری

رات اک شخص مرے ساتھ رہا تھا کچھ دیر
صبح سے شہر میں مخمور! ہوا ہے میری

ایک [illegible] کے شوہر کا انتقال ہو گیا اس کے گھرے سے
کمرے میں [illegible] کی آوازیں آنے
لگیں۔ عائشہ [illegible] اس خوبصورت اور کمسن لڑکی نے قدرت
[illegible] قدرت نے اس کی معصومیت، خوبصورتی اور کم عمری کا
[illegible] اس کے سہاگ کو اُجاڑ دیا۔

شوہر کے انتقال کے چالیس دنوں کے بعد عائشہ اپنے والدین کے گھر آ گئی۔ میں نے اُسے غور کر دیکھا اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غم سے نڈھال ہو گئی ہے۔ اُس کے ہاتھ چوڑیوں سے خالی تھے۔ سادی سفید ساڑی اور ڈھیلے ڈھالے سے بال۔ کوئی سنگھار نہیں جسم پر کوئی شوخ رنگ نہیں۔ کیونکہ وہ بیوہ تھی۔ لیکن قدرت نے بے پناہ حسن اور نزاکت دی ہے وہ سادہ لباس اور سنگھار کی بے سروسامانی میں بھی اپنے حسن اور نزاکت کو نہ چھپا سکتا۔ میرے دل میں عائشہ کے لئے بے انتہا ہمدردی ہی نہیں، بہت بڑی جگہ تھی۔

ایک دن جب میں عائشہ کے کمرے میں گیا تو وہ اکیلی تھی، مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ بات کا موضوع میری اس سال کی ناکامی بن گیا۔ عائشہ کو اس بات پر بے حد حیرت تھی کہ میں امتحان میں ناکام ہو گیا ہوں۔ میری ناکامی اُس کے لئے غیر معمولی ہی نہیں بہت ہی حیرت کی بات تھی۔ وہ مجھ سے میری ناکامی کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میری آرزو کو زبان مل گئی ہے جیسے میری تمنا کے مرجھائے ہوئے پودے پر اب ایک پھول کھلے گا۔ میں نے اپنی جرأت کو یکجا کر کے کہا۔

"میری ناکامی کا سبب تم ہو اُس وقت جب میں امتحان دے رہا تھا تو تمہاری شادی ہوئی اور تمہیں کوئی لے کر چلا گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں زندگی کے میدان میں ہار گیا ہوں، جبھی سے میرا دل ——"

عائشہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اُس کے چہرے پر غصہ کی جھلک آئی اور گہری ہوتی چلی گئی۔ غصہ سے اُس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ میں اُس کی حالت کا تجزیہ کر رہا تھا اور ڈر رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے مجھے برہم آواز میں ڈانٹا۔

"یہ سب سوچنے کے لئے میں نے تمہیں کبھی نہیں اُکسایا تھا۔ ابرار آج تم مجھے بے وقوف معلوم ہو رہے ہو۔ سرکین کے ہونے کی طرح سے معلوم ہوتے ہو۔ [illegible] شرم آنی چاہیے تھی۔"

میں اپنا سر نیچا کئے وہاں سے بھاگ آیا۔ میں [illegible] تھا۔ عائشہ کے جملے ایک بم کی طرح پھٹے اور اس کا [illegible] جیسے عائشہ کے جملے تیز اثر والی زہر کی گولیاں تھے۔ جنہیں [illegible] آدمی کو اپنی حرکتوں کا ہوش نہ چلا ہے اس کے بعد آہستہ آہستہ [illegible] ہونے لگتا ہے۔ پھر آدمی گھٹتا جاتا ہے، بے ہوش ہو جاتا ہے مر جاتا ہے۔ کیا محبت کرنا بے وقوفی ہے؟ کیا محبت کا اظہار [illegible] کیا مجھے شرم آنی چاہئے تھی؟ "ہاں ہاں ہاں"! میرے اندر کی [illegible] شخصیت کو محبت کرنے کا شعور تھا، خوبصورتی کو پرکھنے کا احساس تھا۔ مجھے اُس پیاری شخصیت پر بہت ناز تھا۔ لیکن یہ شخصیت جس کے ساتھ بہت سے حسین خواب وابستہ تھے، ایک شدید حادثے کا شکار ہو گئی اور پریسیڈنٹ کینیڈی کی طرح جواں سال موت مر گئی۔

---

ٹیبل ٹینس کا مقابلہ جاری تھا۔ ہار اور جیت کا سلسلہ چل رہا تھا۔ میں اپنے ہی خیال کے ٹیبل پر ماضی کے بیاٹ کے ساتھ عائشہ کے تصور کے سفید گولے سے کھیلتا رہا۔ دفعتاً اناونسر نے نام پکارے۔

"مس آمنہ صدیقی بمقابلہ مس نسرین تانبا والا"

وہی لڑکی اُٹھی جس کے چہرے کو میں نے چند بار دیکھا تھا اوہ وہ عائشہ نہیں آمنہ ہے!

میں جسے مسز عائشہ صدیقی سمجھ رہا تھا وہ مس آمنہ صدیقی نکلی۔ آمنہ نے اپنے چہرے سے گوگلز ہٹاتے تو میری آنکھوں کے سامنے سے غلط فہمی کا پردہ ہٹ گیا۔ وہ عائشہ نہ تھی آمنہ تھی۔ اُسی لمحہ میں نے یاد کیا کہ عائشہ کے جملوں کا ایٹم بم میرے دل کی دنیا پر گرنے کے چار پانچ مہینوں کے بعد عائشہ کے ایک لڑکی ہوئی تھی اُس کا نام آمنہ رکھا گیا تھا۔

یہ اٹھارہ سال پہلے کی بات ہے۔ آمنہ اٹھارہ ہی سال کی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اب عائشہ چالیس اکتالیس کے آس پاس ہو گی اور میرے سر تینتالیس برس گن رکھے ہیں۔

آمنہ اور نسرین کا مقابلہ ہوا۔ آمنہ کو کھیلنے میں بڑی مہارت تھی، وہ کسی ہرنی کی طرح چستی کے ساتھ گولے مارتی رہی اور تماشائی

[illegible]

آمنہ جیت کر ہی فائنل میں آئی اور وہاں سے جیت کر فائنل میں آئی۔

فائنل مقابلے آٹھ دنوں کے بعد تھے۔

کھیل ختم ہونے کے بعد کھلاڑیوں کو اور کھیل کے تینوں ججوں کو عصرانے کے لئے رک جانے کی ہدایت تھی۔ لان میں جہاں بہت سے پھول کھلے تھے۔ چائے شربت وغیرہ کا انتظام ہوا تھا۔ میرے گلاس میں سیب کا شربت تھا جس کا ایک گھونٹ لے کر میں نے سُرور محسوس کیا تو سامنے آمنہ نظر آئی۔ وہ مجھ سے نظریں ملاتی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ اُس مسکراہٹ کا مطلب یہی تھا کہ میں اُس کے کھیل کی تعریف کروں اور مُبارکباد دوں۔ اُس سے باتیں کرنے یہ پتہ چلانے کے لئے کہ وہ عائشہ ہی کی لڑکی ہے میں خود ہی ایسے موقعہ کا متلاشی تھا۔

میں نے خوب دل کھول کر اُس کی تعریف کی۔ وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے بڑی خوش مزاجی سے دوبارہ کہا۔

"آٹھ دنوں کے بعد جب فائنل ہوگا تو آپ اپنے ڈیڈی کو بھی لائیے گا وہ بھی آپ کا کھیل دیکھ کر خوش ہوں گے۔"

آمنہ یکایک اُداس ہوگئی اور بولی "یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں بچپن ہی سے اپنے ڈیڈی سے محروم ہوں۔ اُنھیں دیکھنے کا بھی زندگی میں موقعہ نہ ملا۔"

آمنہ کی آنکھیں نم ہوگئیں تو میں نے کہا "مجھے افسوس ہے۔ خدا کی یہی مرضی ہوگی۔ ایسے نقصان کی تلافی قدرت دوسری طرح بھی کر دیتی ہے۔"

"جی ہاں۔ میری امّی نے کبھی مجھے محسوس نہ ہونے دیا۔ وہ بڑی آئیڈیل عورت ہیں۔ اُن کے لئے میرے دل میں بڑی جگہ ہے!"

پارٹی ختم ہوئی۔ آمنہ میری کار کے پاس ہی تھی۔ میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا "میں چرچ گیٹ جا رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو لفٹ دے سکتا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہوئی!" آمنہ نے اُچھل کر کہا "میں یونیورسٹی کے گرلس ہاسٹل میں رہتی ہوں۔ چوپاٹی سے ذرا آگے۔ آپ کے راستے میں آئے گا۔ مجھے چھوڑ دیجئے گا پلیز!"

میں نے آمنہ کو خوش آمدید کہا اور اگلی سیٹ پر جب وہ میرے برابر بیٹھ گئی تو گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال تھا آپ اپنی امّی کے ساتھ رہتی ہیں۔"

"امی کے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہوں۔ لیکن مجبوری ہے۔ اُنھیں ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے یو این او کا ایک اسکالرشپ ملا ہے۔ وہ اپنے تھیسس کے سلسلے میں مشاہدے کے لئے جاپان گئی ہیں۔ اس لئے مجھے ہاسٹل میں رہنا پڑا۔ واپسی پر اب وہ مستقل طور پر بمبئی میں رہیں گی۔ تب میں ہاسٹل چھوڑ دوں گی"

"جاپان ــــ؟" میں نے چونک کر پوچھا اور ساتھ ہی گاڑی سٹارٹ کر دی۔

"ہاں جاپان" آمنہ نے اطمینان سے کہا۔ "آپ ہم سب جانتے ہیں کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرا تھا۔ زمین اور جائیداد ہی نہیں کتنے لوگوں کی جانیں بھی برباد ہوگئیں۔ جو کسی طرح زندہ رہ گئے اُن کے جذبات اور احساسات پر بہت ہی زبردست نفسیاتی ردّ عمل ہوا ہے۔

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے آمنہ میرے دل کے بارے میں بتا رہی ہے۔ میں چُپ چاپ سُنتا ہوا ماضی کے دریچوں میں جھانکتا رہا اور بولا۔

"ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم پھینکنا۔ ایک ایسا تشدد ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا!"

"میں اسی پوائنٹ پر آ رہی تھی۔" آمنہ نے ہنس کر کہا۔ "امّی نے اپنے مقالے میں یہی بحث کی ہے کہ ایسے تشدد کا جواب تشدد ہی سے دیا جانا چاہیئے یا اُن نتائج کو سامنے رکھ کر یہ بھیانک تصویر دُنیا کو دکھانی چاہیئے تاکہ آئندہ ایسے عمل سے دنیا [illegible]"

میں اپنے قابو سے باہر ہوگیا۔ میرا خون کھولنے لگا اور اسٹیرنگ پر زور سے مُکا مار کر بولا۔ "تشدد کا جواب تشدد سے دیا جانا ہی چاہیئے تاکہ ظالم کو سزا ملے اور دوسروں کے لئے عبرت کا ایک سبق بنے۔ کسی کے جذبات و احساسات کو یوں روند ڈالنا کہ وہ ہمیشہ کے لئے تباہ اور برباد ہو جائے کہاں کی انسانیت ہے؟"

ایک ... کے شوہر کا انتقال ہو گیا! اس خبر سے محلے بھر میں ... سامنے کے گھر سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ عائشہ کا سہاگ لٹ گیا۔ اُس خوبصورت اور کمسن لڑکی نے قدرت کا کیا بگاڑا تھا۔ قدرت نے اُس کی معصومیت، خوبصورتی اور کم عمری کا ... اُس کے سہاگ کو اُجاڑ دیا۔

شوہر کے انتقال کے چالیس دنوں کے بعد عائشہ اپنے والدین کے گھر آ گئی۔ میں نے عائشہ کو دیکھا۔ اُس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غم سے نڈھال ہو گئی ہے۔ اُس کے ہاتھ چوڑیوں سے خالی تھے۔ سادی سفید ساڑی اور ڈھیلے ڈھالے سے بال۔ کوئی سنگھار نہیں جسم پر کوئی شوخ رنگ نہیں۔ کیونکہ وہ بیوہ تھی۔ لیکن قدرت نے جسے بے اندازہ حسن اور نزاکت دی ہے وہ سادہ لباس اور سنگھار کی بے سر و سامانی میں بھی اپنے حسن اور نزاکت کو نہ چھپا سکتا۔ میرے دل میں عائشہ کے لئے بے انتہا ہمدردی ہی نہیں، بہت بڑی جگہ تھی۔

ایک دن جب میں عائشہ کے کمرے میں گیا تو وہ اکیلی تھی۔ مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ بات کا موضوع میری اِس سال کی ناکامی بن گیا۔ عائشہ کو اس بات پر بے حد حیرت تھی کہ میں امتحان میں ناکام ہو گیا ہوں۔ میری ناکامی اُس کے لئے غیر معمولی ہی نہیں بہت ہی حیرت کی بات تھی۔ وہ مجھ سے میری ناکامی کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میری آرزو کو زبان مل گئی ہے، جیسے میری تمنا کے ہرے بھرے پودے پر اب ایک پھول کھلے گا۔ میں نے اپنی جرأت کو یکجا کر کے کہا۔

"میری ناکامی کا سبب تم ہو! اُس وقت جب میں امتحان دے رہا تھا تو تمہاری شادی ہوئی اور تمہیں کوئی لے کر چلا گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں زندگی کے میدان میں ہار گیا ہوں۔ جبھی سے میرا دل ——"

عائشہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اُس کے چہرے پر غصہ کی جھلک آئی اور گہری ہوتی چلی گئی۔ غصہ سے اُس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ میں اُس کی حالت کا تجزیہ کر رہا تھا اور ڈر رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے مجھے برہم آواز میں ڈانٹا۔

"یہ سب سوچنے کے لئے میں نے تمہیں کبھی نہیں اُکسایا تھا۔ ابرار! آج تم مجھے بے وقوف معلوم ہو رہے ہو۔ سر کیوں کے بولنے کی طرح مسخرے معلوم ہو رہے ہو۔ یوں سوچنے اور کہنے کے لئے تمہیں شرم آنی چاہیے تھی!"

میں اپنا سر نیچا کئے وہاں سے بھاگ آیا۔ میں ... تھا۔ عائشہ کے جملے ایک بم کی طرح پھٹے اور اُس کا رد عمل ... جیسے عائشہ کے جملے تیز اثر والی زہر کی گولیاں تھے۔ جنہیں ... آدمی کو اپنی حرکتوں کا ہوش رہتا ہے۔ اُس کے بعد آہستہ آہستہ ... ہونے لگتا ہے۔ پھر آدمی ڈوبتا جاتا ہے، بے ہوش ہو جاتا ہے مر جاتا ہے۔ کیا محبت کرنا بے وقوفی ہے؟ کیا محبت کا اظہار ... کیا مجھے شرم آنی چاہیئے تھی؟ "ہاں ہاں ہاں!!" میرے اندر کی ... شخصیت کو محبت کرنے کا شعور تھا، خوبصورتی کو پرکھنے کا احساس تھا۔ مجھے اُس پیاری شخصیت پر بہت ناز تھا۔ لیکن یہ شخصیت جس کے ساتھ بہت سے حسین خواب وابستہ تھے، ایک شدید حادثے کا شکار ہو گئی اور پریسیڈنٹ کینیڈی کی طرح جواں سال موت مر گئی۔

---

ٹیبل ٹینس کا مقابلہ جاری تھا۔ ہار اور جیت کا سلسلہ چل رہا تھا۔ میں اپنے ہی خیال کے ٹیبل پر ماضی کے بیاٹ کے ساتھ عائشہ کے تصور کے سفید گولے سے کھیلتا رہا۔ دفعتاً اناؤنسر نے نام پکارا۔

"مس آمنہ صدیقی بمقابلہ مس نسرین نانباوالا"

وہی لڑکی اُٹھی جس کے چہرے کو میں نے چند بار دیکھا تھا

اوہ وہ عائشہ نہیں آمنہ ہے!

میں جسے مسز عائشہ صدیقی سمجھ رہا تھا وہ مس آمنہ صدیقی نکلی۔ آمنہ نے اپنے چہرے سے گوگلز ہٹائے تو میری آنکھوں کے سامنے سے غلط فہمی کا پردہ ہٹ گیا۔ وہ عائشہ نہ تھی آمنہ تھی۔ اُسی لمحہ میں نے یاد کیا کہ عائشہ کے جملوں کا ایٹم بم میرے دل کی دنیا پر گرنے کے چار پانچ مہینوں کے بعد عائشہ کے ایک لڑکی ہوئی تھی اُس کا نام آمنہ رکھا گیا تھا۔

یہ اٹھارہ سال پہلے کی بات ہے۔ آمنہ اٹھارہ ہی سال کی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اب عائشہ چالیس اکتالیس کے آس پاس ہوگی اور میرے سر سے بتیس برس گزر چکے ہیں۔

آمنہ اور نسرین کا مقابلہ ہوا۔ آمنہ کو کھیلنے میں بڑی مہارت تھی۔ وہ کسی ہرنی کی طرح چستی کے ساتھ گولے مارتی رہی اور تماشائی

تالیوں پر تالیاں مار تے رہے۔

آمنہ جیت کر سیمی فائنل میں آئی اور وہاں سے جیت کر فائنل میں آئی۔

فائنل مقابلے آٹھ دنوں کے بعد تھے۔

کھیل ختم ہونے کے بعد کھلاڑیوں کو اور کھیل کے تینوں ججوں کو عصرانے کے لئے رُک جانے کی ہدایت تھی۔ اان میں جہاں بہت سے پھول کھلے تھے۔ چائے شربت وغیرہ کا انتظام ہوا تھا۔ میرے گلاس میں سیب کا شربت تھا جس کا ایک گھونٹ لے کر میں نے سُرور محسوس کیا تو سامنے آمنہ نظر آئی۔ وہ مجھ سے نظریں ملاتی ہوئی مُسکرا رہی تھی۔ اُس مُسکراہٹ کا مطلب یہی تھا کہ میں اُن کے کھیل کی تعریف کروں اور مُبارکباد دوں۔ اُس سے باتیں کرتے یہ پتہ چلانے کے لیئے کہ وہ عائشہ ہی کی لڑکی ہے میں خود ہی ایسے موقعہ کا متلاشی تھا۔

میں نے خوب دل کھول کر اُس کی تعریف کی۔ وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے بڑی خوش مزاجی سے دوبارہ کہا۔

"آٹھ دنوں کے بعد جب فائنل ہوگا تو آپ اپنے ڈیڈی کو بھی لائیے گا وہ بھی آپ کا کھیل دیکھ کر خوش ہوں گے۔"

آمنہ یکایک اُداس ہوگئی اور بولی "یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں بچپن ہی سے اپنے ڈیڈی سے محروم ہوں۔ اُنھیں دیکھنے کا بھی زندگی میں موقعہ نہ ملا۔"

آمنہ کی آنکھیں نم ہوگئیں تو میں نے کہا "مجھے افسوس ہے۔ خدا کی یہی مرضی ہوگی۔ ایسے نقصان کی تلافی قدرت دوسری طرح بھی کر دیتی ہے۔"

"جی ہاں۔ میری امّی نے کبھی مجھے محسوس نہ ہونے دیا۔ وہ بڑی آئیڈیل عورت ہیں۔ اُن کے لئے میرے دل میں بڑی جگہ ہے!"

پارٹی ختم ہوئی۔ آمنہ میری کار کے پاس ہی تھی۔ میں نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا "میں چرچ گیٹ جا رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو لفٹ دے سکتا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہوئی!" آمنہ نے اُچھل کر کہا "میں یونیورسٹی کے گرلس ہاسٹل میں رہتی ہوں۔ چوپاٹی سے ذرا آگے۔ آپ کے راستے میں آئے گا۔ مجھے چھوڑ دیجئے گا پلیز!"

میں نے آمنہ کو خوش آمدید کہا اور اگلی سیٹ پر جب وہ میرے برابر بیٹھ گئی تو گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال تھا آپ اپنی امّی کے ساتھ رہتی ہیں۔"

"امی کے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہوں۔ لیکن مجبوری ہے۔ اُنھیں ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے یو این او کا ایک اسکالرشپ ملا ہے۔ وہ اپنے تھیسس کے سلسلے میں مشاہدے کے لئے جاپان گئی ہیں۔ اِس لئے مجھے ہاسٹل میں رہنا پڑا۔ واپسی پر اب وہ مستقل طور پر بمبئی میں رہیں گی۔ تب میں ہاسٹل چھوڑ دوں گی"

"جاپان——؟" میں نے چونک کر پوچھا اور ساتھ ہی گاڑی سٹارٹ کر دی۔

"ہاں جاپان" آمنہ نے اطمینان سے کہا "آپ ہم سب جانتے ہیں کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرا تھا۔ زمین اور جائیداد ہی نہیں کتنے لوگوں کی جانیں بھی برباد ہو گئیں۔ جو کسی طرح زندہ رہ گئے اُن کے جذبات اور احساسات پر بہت ہی زبردست نفسیاتی ردِ عمل ہوا ہے۔

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے آمنہ میرے دل کے بارے میں بتا رہی ہے۔ میں چُپ چاپ سُنتا ہوا ماضی کے دریچوں میں جھانکتا رہا اور بولا۔

"ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم پھینکنا۔ ایک ایسا تشدد ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا!"

"میں اِسی پوائنٹ پر آ رہی تھی" آمنہ نے ہنس کر کہا۔ "امّی نے اپنے مقالے میں یہی بحث کی ہے کہ ایسے تشدد کا جواب تشدد ہی سے دیا جانا چاہیئے یا اُن نتائج کو سامنے رکھ کر یہ بھیانک تصویر دُنیا کو دکھانی چاہیئے تاکہ آئندہ ایسے عمل سے دنیا احتراز کرے۔"

میں اپنے قابو سے باہر ہو گیا۔ میرا خون کھولنے لگا اور اسٹیرنگ پر زور سے مُکا مار کر بولا "تشدد کا جواب تشدد سے دیا جانا ہی چاہیئے تاکہ ظالم کو سزا ملے اور دوسروں کے لئے عبرت کا ایک سبق بنے۔ کسی کے جذبات و احساسات کو یوں روند ڈالنا کہ وہ ہمیشہ کے لئے تباہ اور برباد ہو جائے کہاں کی انسانیت ہے؟"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں راکھ کا ایک ڈھیر ہوں۔ لیکن تہ میں ایک چنگاری دبی ہوئی ہے جو بھڑکنے کے لئے موقع تلاش کر رہی ہے۔ اِس چنگاری کو میں نے اٹھارہ سالوں سے دبا کر رکھا ہے۔ بدلہ لینے کا خیال یہ کیسی آگ ہے جو ذرا سی ہوا میں بھڑک اٹھتی ہے۔ میں عائشہ سے انتقام لوں گا۔ اُسے سبق دوں گا! یہ جذبہ تیزی سے ابھرا تو میں زور زور سے بولنے لگا اور اسٹیرنگ پر زور سے مکّہ مارا۔ میری پیشانی پر پسینے کے قطرے اُبھر آئے۔ میرے چہرے کا رنگ سُرخ ہو گیا۔ انتقام کے جذبے کی شدت سے میرا بدن کانپنے لگا۔ سچی بات کہنے سے زبان جب معذور ہو جاتی ہے تو جسم کے سارے عضو زبان بن کر سچی بات کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کار میرے قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ میں اگلی کار سے ٹکراتے ہوئے بچا۔ زور سے بریک داب کر میں نے کار کو روک دیا۔ میری غیر ہوتی ہوئی حالت کو دیکھ کر آمنہ سہم گئی اور بولی "کیا ہو گیا آپ کو؟ اِتنے جذباتی مت ہو جائیے۔ میری امی کو پتہ چلے گا تو وہ آپ کے نفسیاتی مشاہدے میں مصروف ہو جائیں گی۔"

"ہاں" میں نے اپنے دل میں سوچا اگر میں یوں اپنے آپ کو ظاہر کر دوں گا تو انتقام کیسے لوں گا۔ اِس لئے مُسکرا کر جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں آپ جانتی ہیں کہ بم گرنے کے بعد وہاں سمندر کے پانی کی بھی تاثیر بدل گئی۔ ساری نسل متاثر ہو گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں اُنھیں کا حصّہ ہوں اِس لئے اُن کا درد میرا درد بن جاتا ہے۔"

دوسرے لمحے میں نے اپنے آپ کو قابو میں کر لیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ گرلس ہاسٹل آیا تو آمنہ کو ڈراپ کر دیا۔ احتیاطاً میں نے آمنہ کو اپنا فون نمبر دے دیا تھا اور کہا تھا کہ کسی ضرورت پر وہ مجھ سے ربط قائم کر سکتی ہے۔

آٹھ دنوں کے بعد دفتر پر آمنہ کا فون آیا تو مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے کہا "میں ضرور آپ کو پک اپ کر لوں گا۔ آپ ہاسٹل کے باہر ٹھیک تین بجے میری راہ دیکھیں۔"

دوسری ملاقات میں آمنہ کسی قدر مجھ سے بے تکلف تھی اور فراخدلی سے اپنی مُسکراہٹیں نچھاور کر رہی تھی۔

فائنل ٹورنمنٹ جہاں ہونا تھا ہم اُس ہال میں پہنچے۔ تماشائیوں [illegible] کی تھی۔ آمنہ [illegible] بہت جستجو اور انتظار تھا۔ دیکھنے کے لئے [illegible] ہے؟" آمنہ میرے بازو بیٹھی تھی لیکن مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اِس لئے میں اپنے آپ کو تنہا ہی محسوس کر رہا تھا۔ [illegible] کہ میں عائشہ سے انتقام لوں گا۔ اسٹیج ہال کی [illegible] بہت اہتمام سے سجائی گئی تھی۔ اوپر گیس سے بھرے رنگ برنگے غبارے چھت کی سطح سے لگے ہوئے تھے۔

کھیل شروع ہونے میں کچھ دیر تھی۔ لوگ گپ شپ میں مصروف تھے۔ آمنہ نے مجھ سے کہا "آپ اِتنے خاموش کیوں ہیں؟"

چھت پر ایک کونے میں ایک غبارہ دوسرے سب غباروں سے الگ کسی قدر دُور چپکا ہوا تھا۔ آمنہ کو وہ غبارہ بتا کر میں نے کہا۔

"میں وہ غبارہ ہوں!"

آمنہ میری بات سے لُطف اندوز ہوتی رہی اور بار بار دلچسپی سے اُس تنہا غبارے کو دیکھتی اور اُس کے بعد مُسکرا کر میری طرف بھی دیکھ لیتی۔ اوپر کُھلے ہوئے روشندان تھے۔ کبھی کبھی اُن روشندانوں سے ہوا کے جھونکے آ جاتے تھے۔ ایک شریر جھونکے کی اٹھکیلی سے ایک غبارہ گروپ میں سے ہٹ کر اکیلے تنہا غبارے کے پاس آ کر چپک گیا۔ آمنہ ہنسنے لگی اور اُنگلی کے اشارے سے بتا کر بولی۔

"اب وہ غبارہ تنہا نہیں ہے۔ ایک غبارہ اُس کے پہلو میں آ گیا ہے۔"

فائنل مقابلے شروع ہوئے۔ لوگوں کا انہماک بڑھا۔ آمنہ جان توڑ کر جیت جانے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن آخر میں اُس کی ہار ہو گئی۔

میں نے اپنے دل میں کہا یہ ہار اِس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ آخر میں عائشہ کی ہار ہو گی۔ میں آمنہ کے ذریعہ عائشہ سے انتقام لوں گا۔

واپسی کے وقت آمنہ خاموش تھی۔ میں نے اُسے دلاسا دیا کہ کھیل میں ہار اور جیت کو نہیں، کھیلنے والوں کے جذبات کو دیکھا جاتا ہے۔ میں نے آگے کہا۔

"آپ نے بہت اچھا کھیلا ہے۔ آپ نے اپنے کھیل کا مظاہرہ




کس کام کر دیا؟

"شاید میرا وہ سر قیاس غلط نکلا۔ اگلی سیٹ پر وہ مجھ سے قریب آگئی اور سکی کے بعد میرے کندھے پر اپنا سر ٹکا کر بولی۔

"ملک، ایسی کی تنہائی جب دوسرے سے شادی ہو گئی تو [illegible] فیصلہ ہوں!"

میرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر تھا۔ بات بدلتے ہوئے بولا۔

"خدا کے لئے [illegible] کر اپنا وجود کھو دینے ہی کے کھیل آتے ہیں!"

"[illegible] سے سروکار نہیں۔ آپ ہی نے تو پتے کی بات بتائی [illegible] کھلاڑی کا جوش اور کھیل کا جذبہ دیکھا جاتا ہے!"

آمنہ میرے قریب آتی چلی گئی۔ اتنی قریب کہ اکثر وہ پھولوں کے گجرے لے کر آتی اور کہتی میں اپنے ہاتھ سے اُسے پہناؤں تاکہ اس کی خوشبو سے اُس کی روح بھی معطر ہو جائے۔ باتیں کرتے کرتے کئی بار وہ رُک جاتی اور سنجیدگی سے پوچھتی اُس کے بارے میں میں کیا سوچتا ہوں۔ مجھے اُس کی نادانی پر ترس آجایا کرتا تھا۔ لیکن جب سوچنے کی بات آتی تو سوچتا      تم بھی فائنل میں جیتنے والی مجھ سے فائنل بازی ہار جاؤ گی اور سبق تمہاری ماں کو ملے گا۔ اب بازی پلٹ گئی ہے۔

عائشہ جاپان سے واپس آگئی تو آمنہ نے ہاسٹل چھوڑ دیا اور وہ دونوں [illegible] کہیں فلیٹ میں رہنے لگیں۔ مجھے برابر فون کرنا آمنہ نے نہ چھوڑا۔

ایک دن آمنہ نے فون پر بتایا کہ اُس نے اپنی ممی سے میرے بارے میں بتایا ہے۔

دوسرے [illegible] پر اُس نے بہت خوشی کے ساتھ اطلاع دی کہ ممی کو [illegible] پسند آگئی ہے۔ ممی راضی ہو گئیں۔

[illegible] جب نئے سال کے موقع پر ہم ہوٹل کے شیرٹن میں [illegible] بیٹھے تھے تب آمنہ نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ ہم جیون ساتھی بن جانے کے لئے عہد و پیمان کر لیں۔ سارے دوستوں اور [illegible] کو بلا کر ایک بڑی پارٹی کریں گے۔ آمنہ کی اس تجویز پر [illegible] منظوری کی مہر تھی۔

[illegible] کیونکہ بدلہ لینے کے لئے مجھے گرہن [illegible]

سگنل مل گیا تھا۔ منگنی کی تاریخ طے ہوگئی۔ آمنہ نے دعوت نامے چھپوائے۔ لوگوں میں تقسیم کروائے۔ میری طرف سے کچھ بھی نہ ہوا۔ کیونکہ میں نے طے کیا تھا کہ اُس دن میں اُس پارٹی میں نہ جاؤں گا۔ اپنے گھر میں بھی نہ رہوں گا۔ مہمانوں کے سامنے ماں اور بیٹی کی جب خوب ہنسی اُڑے گی تو دونوں بپھر کر میرے پاس آئیں گی تب میں اُنھیں کھری کھری سُنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا۔

منگنی کی پارٹی کا دن آگیا۔ پانچ بجے سے مہمان جمع ہونے والے تھے اور طے یہ ہوا کہ چھ بجے ہم ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائیں گے۔ میں تین ہی بجے سے اپنے گھر سے نکل گیا۔ کار خراب ہوگئی تھی، اِس لئے پیدل اور بس کے ذریعہ میں بے مقصد گھومتا رہا۔ کملا نہرو پارک میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوا میں اپنے ضمیر کی چیخ و پکار سُن رہا تھا۔ آمنہ کے جذبات کو مجروح کرنے کے بعد اُسے دلی صدمہ دوں گا تو کیا میرے دل میں بھڑکتی ہوئی بدلے کی آگ بجھ جائے گی؟ سات بجے چوپاٹی پہ سمندر کی موجیں بڑھ بڑھ کر میری طرف آرہی تھیں جیسے یہ آمنہ کی آہیں ہوں۔ آمنہ انتظار کر رہی ہوگی۔ عائشہ کی آنکھیں دروازے پہ لگی ہوں گی۔ اُنہوں نے گھر پہ فون کیا ہوگا۔ کیا پتہ میری تلاش میں وہ میرے گھر بھی گئی ہوں گی۔ میرے گھر کو مقفل دیکھ کر معلوم نہیں اُنھوں نے کیا قیاس آرائیاں کی ہوں گی۔ میں کیسے آمنہ کا سامنا کروں گا۔ میں کیسے اُسے کھری کھری سُناؤں گا؟ لیکن اب وقت نکل گیا ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔

میرے چہرے پہ پسینے کی بوندیں ابھر کر آگئی تھیں۔ میں نے سوچا چلو بینڈ اسٹانڈ چلیں۔ دل تو بہل جائے گا۔ وقت کٹ جائیگا۔ سڑک پار کرکے میں ولسن کالج کے قریب آیا۔ ایک ٹیکسی کو آواز دی۔ وہ رُکے بغیر آگے نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دوسری ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ اُس طرف نہ جائے گا۔ کچھ لمحہ اور گزر گئے میں نے تیسری ٹیکسی کو روکنا چاہا۔ لیکن کسی نے مجھ سے پہلے بڑھ کر ٹیکسی حاصل کر لی۔ اِس اثناء میں ایک اور ٹیکسی آئی۔ ایک نسوانی آواز بھی ٹیکسی کو پکار رہی تھی۔ میں جھپٹا تاکہ ٹیکسی مجھے مل جائے۔ وہ ٹیکسی مجھے مل گئی۔ میں اندر بیٹھ گیا۔ دفعتاً وہ عورت بھی وہاں آگئی اور یہ کہتی ہوئی دروازہ کھولنے لگی۔

"جہاں تم جارہے ہو وہیں میں بھی جارہی ہوں!"

وہ اندر آگئی۔ میں نے عائشہ کو پہچان لیا۔ وہ مسکرائی۔

"جب میں نے آمنہ سے تمہارا نام سُنا تو ایسا لگا جیسے ... ہوئی اُس سے زیادہ خوشی ہوئی۔ میں تمہارے بچپن ہی سے تمہیں پسند کرتی تھی۔ تمہاری عادتیں، ذہانت اور محنت دیکھ دیکھ کر سوچا کرتی تھی کاش! تم میرے بیٹے ہوتے اور میں تمہارے ذہن کو ... دیکھو خدا نے کیسے میری بات مان لی۔ خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے میرے پاس موزوں الفاظ نہیں ہیں۔ تم آمنہ کی زندگی میں آنے ہوئے پہلے اور آخری مرد ہو۔ آج میری خوشی کا دن ہے۔ ... میں ضروری میٹنگ تھی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ جلد میٹنگ ختم ہو اور میں چھوٹ جاؤں۔ جب یہ توقع نظر نہ آنے لگی تو میں نے گھر پہ آمنہ کو فون کیا تھا کہ منگنی کی رسم کو آٹھ بجے تک کے لئے ملتوی کر دو۔ تب تک میں یقینی طور پر آجاؤں گی۔ شاید آمنہ نے تمہیں بتادیا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ تم مجھے لینے کے لئے ہی آئے ہو۔ چلو ٹھیک ہوا۔ دونوں ساتھ چلیں گے۔"

میں سن سا رہ گیا۔ مجھے احساس ہونے لگا، عائشہ سے محبت کا اظہار کرکے میں نے زندگی میں ایک بڑی غلطی کی تھی۔ اب کیا آمنہ کی محبت کو ٹھکرا کر دوسری غلطی کردوں؟ کیا میری زندگی دوسری غلطی کے بوجھ کو بھی سہار سکے گی؟

---

مدیرِ بیسویں صدی کے نام خط لکھتے وقت اختصار سے کام لیکریں تاکہ آپکے ارشاد کی تعمیل فوراً ہوسکے۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

---

# غزل

کرشن موہن ایم۔اے

وہ اُسے کھینچ کے لائے تو غزل ہو جائے — وہ جو خود ملنے کو آئے تو غزل ہو جائے
آس جو راس رچائے تو غزل ہو جائے — یاسِ احساس پہ چھائے تو غزل ہو جائے
چھوڑ دیں اپنے پرائے تو غزل ہو جائے — دُور ہٹنے لگیں سائے تو غزل ہو جائے
کام کہرام مچائے تو غزل ہو جائے — آدمی کام سے جائے تو غزل ہو جائے
بیوی جو پیار جتائے تو کوئی شعر نہ ہو — داشتہ نازِ دکھائے تو غزل ہو جائے
نین بے چین، ہیں دن رین تری فرقت میں — تُو اگر جلوہ دکھائے تو غزل ہو جائے
مدبھرے پیار سے رجنی میں رسیلی سجنی — رُوٹھے ساجن کو منائے تو غزل ہو جائے
سوز کا پوز پہن کر جو ملاقات کی رات — آرزو ناچ نچائے تو غزل ہو جائے
فکرِ آوارہ کبھی، کاوشِ محرومی کا — دل کو احساس دلائے تو غزل ہو جائے
نگہِ ناز کوئی جلوۂ طنّاز کوئی — راز سے پردہ اُٹھائے تو غزل ہو جائے
ایک مدت سے ہے جو آنکھ چُرائے مجھ سے — آنکھ سے آنکھ ملائے تو غزل ہو جائے
نازو انداز سے محفل میں کوئی عشوہ طراز — اپنی آنکھوں سے پلائے تو غزل ہو جائے
سُننے والے یہ سمجھتے ہیں کوئی نغمہ سرا — بزم میں رنگ جمائے تو غزل ہو جائے
اگلے وقتوں کے ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں — قافیہ بات بنائے تو غزل ہو جائے
خوب سمجھے ہیں یہ تجرید کے حامی نقّاد — کچھ سمجھ میں جو نہ آئے۔ تو غزل ہو جائے

کرشن موہن جو سرِراہ خوشی سے کوئی
کامنی آنکھ لڑائے تو غزل ہو جائے

[1] اسے ہرگز حذف نہ کیجئے۔ اِس شعر میں طنز ہے۔


لباس بدن کی شان ہیں
ایسی شان
جو دن بھر،
دنوں دن
قائم رہے۔
شان؟
لباس؟
سب بکواس!
کپڑوں کے
ٹکاؤ شان کے لئے
ٹیبلائزڈ، چھاپ دیکھئے
ٹیبلائزڈ کپڑے سلوٹ نہ پڑنے والے جانچیں پرکھے کپڑے ہیں اسی لئے یہ کبھی سمبائے سے نہیں دکھتے، ان میں سلوٹیں نہیں پڑتیں ان کی خوبصورتی ہر جگہ، ہر پل قائم رہتی ہے۔
دنیا بھر میں مشہور ٹیبلائزڈ کی بھروسہ لائق چھاپ آپ اپنے من پسند کے سبھی کپڑوں پر پائیں گے
اروند، بامبے ڈائینگ، بنی، ڈی سی ایم، مفت لال، شری امبیکا، ٹاٹا اور ٹھکرسی جیسی بھارت کی سبھی مشہور ملوں میں بنے کپڑوں پر ٹیبلائزڈ کی چھاپ دیکھ کر ہی کپڑے خریدیئے۔
TESTED CREASE RESISTANCE
TEBILIZED
MINIMUM IRONING • DURABLE GOOD LOOKS
ٹیبلائزڈ کپڑے
طویل مدت تک ٹکاؤ شان والے
سلوٹیں نہ پڑنے والے جانچیں پرکھے کپڑے
ٹریڈ مارک کے مالک
میٹور بیرڈ سیل لمیٹیڈ، پوسٹ باکس نمبر ۷، مدراس ۶۰۰۰۰۱
Sista's-MBT-336/75 Urd

# نئی عینک

کوثر چاندپوری

ہمدرد ریسرچ، نرسنگ اینڈ نرسنگ ہوم، آصف علی روڈ، نئی دلی

حضرت خوشتر گرامی! سلام خلوص

بہت دنوں سے واجب الادا کا صیغہ بنا ہوا ہوں۔ کئی ہفتے گذر گئے کہ آپ نے زبانی فرمایا تھا شرح رشتگی کی تاریخی قید تھی۔ شرمندہ ہوں دیر میں تعمیل کر رہا ہوں، آپ کے لئے نظری شادی کی استقبالیہ تقریب شاندار اور آپ کی روایات کے عین مطابق تھی۔ صدر جمہوریہ لے کانی رقص کا اور پروگرام میں دلچسپی بھی لیتے رہے۔ وہ وقت بہت اہم تھا جب اُن کا اردلی ہاروں کی کشتی اور چاندی کی خوبصورت طشتریاں لے کر آیا اور صدر جمہوریہ نے دولہا دُلہن کو ہار پیش کیں۔ اُنکا یہ جمہوری کردار ناقابلِ فراموش ہے اور یہ لمحہ اُن کے لبوں پر بکھری مُسکراہٹ کی پوری نمائندگی کرتا ہے۔ ایسا اجتماع جس میں دہلی کی شائستہ اور مہذب روایات ہوں بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ مجھے اچھے دوستوں سے ملاقات ہوگئی۔ رام لعل بھی ملے، صغیر صوفی بھی۔ دونوں میں خلوص کی گرمی اور محبت کی مٹھاس تھی۔ موجودہ دور میں یہ چیزیں نایاب ہیں۔ جب کوئی ایسا دوست مل جاتا ہے تو ذوق کا یہ شعر یاد آجاتا ہے ؎

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

دیسے گیانی گرمکھ سنگھ مسافر ایم۔پی کے رُوپ میں خضر کی زیارت بھی ہوگئی۔ ڈاکٹر ظفر احمد نظامی نے کئی نئے چہروں سے روشناس کرایا۔ گیانی جی کی پنجابی نظم سے پریم کا امرت ٹپک رہا تھا۔ کرشن مضطر کی تہنیتی تخلیق خوبصورت اور خوشی کے پاکیزہ جذبات سے مملو تھی۔ کیک کاٹنے کی رسم میں لطف آگیا۔ وہ لمحات کیک سے زیادہ شیریں تھے جنہیں دولہا نے بڑے بڑے کیک چھُری سے کاٹے۔ دولہا دُلہن کے چہروں پر مسرت کی چمکیلی سُرخی تھی۔ مسز خوشتر مشتاق نگاہوں سے اُنھیں دیکھے جا رہی تھیں۔ ماتا کا سمندر سچ مچ اتھاہ ہوتا ہے آپ کی شخصیت شکریوں کے شربت میں گھلی جا رہی تھی۔

خدا کرے یہ شادی آپ کو ہمیشہ عید اور دیوالی کی خوشیاں دیتی رہے....

نیاز کیش ——— کوثر چاندپوری

★

شدھا میرے آفس میں سیکشن آفیسر تھی، دن میں ایک بار فائلوں پر احکام لینے میرے پاس آجایا کرتی تھی۔ افسر ہو یا اردلی وہ

عورت کو کسی [illegible] سے دیکھتا ضرور ہے۔ میں اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ میں نے پہلی ہی نگاہ میں محسوس کر لیا تھا کہ وہ نہایت افسردہ دل خاتون ہے۔ اُس کی مسکراہٹ میں کلیوں اور غنچوں کی سی شگفتگی کا انداز نہ تھا۔ دبی دبی کراہ تھی۔ ہر شخص اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب ہی ایک بابو کا خیال تھا کہ سُدھا اور مُسکراہٹ میں ایک اٹوٹ رشتہ ہے تبسّم اُس کے ہونٹوں کی جاگیر ہے۔ پھُول شاخ پر کھِل کر مُرجھا جاتا ہے۔ سُدھا کے کھِلے ہوئے لبوں پر کبھی افسردگی نہیں آتی۔ دفتر کا یہ بابو عینک لگانے کے باوجود ٹھیک طور پر چیزوں کو نہ دیکھ سکتا تھا، اُسے سُدھا کے دل میں دبی ہوئی غم کی چنگاری دکھائی نہ دی۔ میں نے اُس کی دھیمی آنچ کو احساس کے آئینہ کی گرمی سے جان لیا تھا۔ وہ مجھے اپنا ہمدرد اور بہت رمز شناس سمجھتی تھی۔ کچھ بے تکلف بھی ہوگئی تھی۔ ایک دن میز کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اُس نے بہت عجلت میں پوچھا۔

"انیل بابو! ——— یہ کہانی ہے" اُس کی پلکیں جلدی جلدی جھپک رہی تھیں اور تعجب انگیز بات یہ تھی کہ اُس کا چہرہ اِس انداز کا نہیں تھا جسے فوٹوگرافی کی اصطلاح میں اسمائلنگ فیس کہتے ہیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ لبوں سے تبسّم نوچ کر پھینک آئی تھی، اور اُمید و یاس کے عالم میں داد طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ مجھے اُس کی معصوم اور للچائی ہوئی مغموم آنکھوں پر ترس آگیا، اُف! وہ آنکھ جس میں شراب تند کیسا تھ کرب کے انگارے بھی ہوں، اُس کا حُسن اُداس ہو کر بہت ہوش رُبا ہو گیا تھا۔ گلابی رخسار شعلوں کی طرح دہک رہے تھے۔ میں نے پہلے اُس کی خوبصورتی کو سراہا۔

"سُدھا! یہ کمانی بہت سج رہی ہے تمہارے چہرے پر۔ سوچتا ہوں عینک ساز بڑا فن کار ہے۔ اُس نے یہ بگ تمہارے ہی لئے بنایا ہے جس طرح عیش غالب کے زمانہ میں تجمل حسین خاں کے لئے بنا تھا۔ یہ لال لال بیر بہوٹیوں کا خون خاص تمہاری عینک کے لئے کشید کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے آنکھیں اور بڑی ہوگئی ہیں۔ اِن میں ولایتی شراب کا خمار بھر گیا ہے۔ پہلے اِن سے نشہ برسا کرتا تھا اب بادۂ انگور ٹپک رہا ہے۔ کئی کمانیاں بدل چکی ہو اِسے ہرگز مت بدلنا، سدھا کا کتابی چہرہ ایک ہی لمحہ میں رات کی رانی کا پھُول بن گیا۔ مہک سی اُڑنے لگی، دماغ تازہ ہو گیا۔ سُدھا ایک دم چُپ ہوگئی۔ نہ ہنسی نہ شرمائی، نہ خفا ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا شدّت کی بھوک میں اُس کا پیٹ نفیس باتوں ہی سے بھر گیا ہے۔" وہ بہت بولنے والی عورت تھی نہایت برجستہ جواب دیا کرتی تھی۔ اُس وقت بالکل لا جواب ہوگئی تھی۔ ذرا دیر بعد اُس نے بہت ہی لمبی سانس لی۔ اُسے سانس کہنا بھی غلط ہے۔ وہ ایک طرح کی سِسکی تھی جو سخت درد کے وقت مُنہ سے نکل جاتی ہے۔ میں ڈر گیا، سوچنے لگا سُدھا ضرور چیخ کر رونے لگے گی۔ آفس میں کھلبلی مچ جائے گی، سانس پر قابو پا کر سدھا بولی۔

"کمانی آپ کو پسند آئی شکریہ! لیکن اسے تبدیل نہ کروں یہ میرے بس کی بات نہیں۔"

"کیوں؟"

"چکریش کو آپ جانتے ہیں۔ پُرانا دوست ہے آپ کا پروفیسر بن گیا ہے۔ دن رات تھیسس میں اُلجھا رہتا ہے۔ ڈاکٹریٹ لینا چاہتا ہے۔ اُسے عینک اور اُس کی کمانیوں سے کوئی بحث نہیں نہ آنکھوں سے ٹپکی ہوئی شراب کا مزہ اُس نے چکھا کبھی، جن چیزوں پر ریسرچ کرنی چاہئے اُنھیں دیکھا تک نہیں۔ تیسری بار میں نے ایک نئے اوپ ٹیشن (               ) مشورے سے یہ عینک لگائی اور اُس سے پوچھا۔

'کیسی لگی چکریش تمھیں عینک؟'

وہ جماہی لیتے ہوئے موٹی سی ڈکشنری کے ورق اُلٹنے لگا جیسے عینک یا اوپ ٹیشن کے معنی ڈھونڈ رہا ہو۔

وہ سرسری طور پر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ہر عینک اچھی ہے بشرطیکہ ٹھیک لگ جائے، دیکھ لیتی ہو اچھی طرح اس سے؟"

میں جل گئی، دل ٹوٹ گیا میرا، جھلا کر بولی۔ بالکل نہیں چکریش تمہارا سارا مجسمہ دُھندلا گیا۔ اِس وقت، تم قطعی دکھائی نہیں دے رہے ہو۔"

"پھر اُتار لو جلدی سے؟"

"اس طرح دُھندلا جائیگی آنکھوں کی۔ تم ڈاکٹر بننا چاہتے ہو افسانہ نگار کیوں نہیں بن جاتے جو کبھی لغت نہیں دیکھتا، ہر لفظ کے

معنی اُسے اپنے کسی حسین کردار کی آنکھوں میں مل جاتے ہیں" جملہ پورا کر کے میں نے زور سے فرش پر پاؤں پٹک کر ایک بات اور کہی

"ادھر دیکھو چکریش غور سے! عینک کیسی لگی؟"

"مجھ سے کیوں پوچھتی ہو آئینہ میں دیکھ لو۔"

"آئینہ تمہاری طرح گونگا ہے، وہ سب کچھ نہیں کہہ سکتا جو مرد کی زبان کہہ ڈالتی ہے۔"

"سُدھا! میرے ہاتھ میں قلم ہے قینچی نہیں۔"

میں اُس کے کمرے سے نکل آئی، صبر نہ آیا چکریش کی بے حسی پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ ذرا ٹھہر کر پھر اسٹڈی روم میں گئی۔ بولا۔

"کہانی لائی ہو؟"

"نہیں"

"پھر کیوں آئی ہو؟"

"دیکھو میری طرف اس کمانی کا رنگ سُرخ ہے۔ اس سے پہلے سبز تھا۔ اُس سے پہلے سیاہ۔ بتاؤ یہ نئی عینک کیسی ہے؟"

"رنگ کی کوئی اہمیت نہیں سدھا! عینک میں نمبر دیکھے جاتے ہیں۔"

"جیسے کسی غبی لڑکے کی مارک شیٹ!

نہیں، کہانی نہیں ملیگی۔"

"کیوں؟"

"تم کہانی کی ترنگ میں لکھنے لگتے ہو۔"

"اور کروں بھی کیا، مجھے دُنیا میں مقالہ سے زیادہ کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ اسی پر مستقبل کا انحصار ہے۔"

"مجھ سے بھی نہیں؟ میں بھی دلچسپی کا مرکز نہیں بن سکتی کیوں آخر کیوں؟"

میں دیوانہ وار چیخ پڑی، چکریش حیرت میں رہ گیا۔ اتنے زور سے کبھی اُس کے سامنے نہیں بولی تھی۔

"سُدھا چلاؤ مت۔ تم بیوی ہو دلچسپی کا مرکز بھی ہو گھر کی مالک ہو بہت عزت کرتا ہوں تمہاری۔"

"بکتے ہو چکریش! میں کسی چیز کی مالک نہیں۔ مجھے عزت نہیں محبت چاہئے۔ میں تعریف سُننا چاہتی ہوں کہانی کی تمہارے منہ سے۔ تمہارا مستقبل میرے اندر چھپا ہوا ہے۔" کاغذ کے بے حقیقت پُرزے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ عورت میں اُس کی جیتوں میں اور اُس کے دل کی گہرائیوں میں سب کچھ ہے، سُن رہے ہو سب کچھ ہے عورت کی مٹھی میں!"

# غزل

عبدالقدوس ناطق نیروی

کس مہ جبیں کے حسن کا اظہار ہو گیا
مطلع غزل کا مطلع انوار ہو گیا

حالِ زبوں نے سب کو بتایا ہے درد مند
**ناصح بھی کھا کے غم میرا غم خوار ہو گیا**

ساقی کی چشم ناز کا دیکھے کوئی فسوں
جس پر نگاہ پڑ گئی سرشار ہو گیا

اے حسن تیری جلوہ نمائی کا شکریہ
جس سے آنکھ اُٹھ گئی دیدار ہو گیا

میخانے چل کے دیکھئے ناطق نہ ہو کہیں
اک یار سا سنا ہے کہ میخوار ہو گیا

چکریش چپ رہا۔ رگوں میں، ذرا بھی گرمی نہ آئی۔ اُس کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے نہیں جھلکے ——— اور آج انیل بابو! میں سُرخ کمانی کی یہ عینک لگا کر آپ کے پاس آئی ہوں، آپ کہتے ہیں یہ بہت اچھی ہے۔" اُس کے شفق گوں رنگ نے میری آنکھوں کی جھیلوں کو گہری کر دیا ہے اُن میں موجیں اٹھنے لگی ہیں۔ آپ کا مطلب اپنے الفاظ میں دُہرا رہی ہوں۔ کیا پہلے آپ یہی کہہ رہے تھے؟"

"بالکل یہی تم نے میرے سیدھے سادے الفاظ کو لطیف نثر میں بدل دیا۔" میں نے تمہاری باتوں کو غور سے سُنا ہے تم بول رہی تھیں میں گلاب کی اِن پنکھڑیوں کو لرزتے دیکھ رہا تھا جن سے شبنم کی جگہ الفاظ کی بوندیں سچّے موتیوں کی طرح ٹپک رہی تھیں۔ سُدھا کوئی تعریف کرے یا نہ کرے اِس کمانی کو مت بدلنا ورنہ میں تمہاری محبوبیت سے روٹھ جاؤں گا۔

سُدھا کی چھاتی میں خوشی کا سمندر بھر گیا اُس میں جوار بھاٹا آتا رہا۔ غور سے مجھے دیکھتی رہی۔ آنکھیں جھپکتی ہی نہ تھیں۔ وہ تعریف کی بھوکی تھی۔ چکریش نے اُس کی فطرت کے حریری پردوں کو کبھی چھوا نہ تھا، ان پر انگلی تک نہ رکھی تھی۔ وہ عورت کی نفسیات کو سمجھتا ہی نہ تھا۔

"کتنے اچھے ہیں آپ انیل بابو! سارے مرد آپ جیسے کیوں نہیں!"

وہ میرے قریب آ گئی، اُس کی سانس کی گرمی میرے لمس سے ٹکرانے لگی۔

"میں آسکتا ہوں سر؟" شریف خاں کلرک پردے کے قریب آ کر بولا۔ سُدھا پرے ہٹ گئی مجھے بھی ہوش آ گیا، سوچا۔

سُدھا چکریش کی بیوی ہے وہ میرا دوست ہے۔

"گھر آؤں گی کسی وقت۔"

میں کاغذات دیکھنے لگا۔ سُدھا چلی گئی۔

---

اگلی شام کو وہ میرے گھر آ گئی۔ بہت چکیلی پھولدار ساری میں لپٹی ہوئی۔ "یہ ساری کیسی ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"کیا بات ہے سُدھا اِس وقت تم دیوی نظر آ رہی ہو!"

"دیوی؟" وہ چونکی ——— "اور کچھ نہیں؟"

"دیوی سب کچھ ہوتی ہے سدھا! تم میرے اندر کام کرتی ہو، ایک بات کہوں مانو گی؟"

"ضرور!"

"ابھی چکریش کے اسٹڈی روم میں چلی جاؤ اور اُس سے یہی سوال کرو۔"

"کبھی نہیں! میں اُس سے کوئی سوال نہ کروں گی، پتھر کے بُت سے کچھ پوچھنا بیکار ہے، میں صرف آپ ہی سے اِس طرح کے سوالات کیا کروں گی۔" وہ کرسی قریب لے آئی۔ میں نے گھنٹی پہ انگلی رکھدی، پہلو کے کمرے سے چکریش نکل آیا۔ اُس نے سر سے پاؤں تک سُدھا کو دیکھا۔ دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر ہنستے ہوئے بولا ——— "سُدھا! سچ مچ تم کتنی حسین ہو! یہ ساری اور عینک تمہاری خوبصورتی میں کتنا اضافہ کر رہی ہے بس کچھ نہ پوچھو!"

انیل نے قہقہہ لگا کر کہا ———

"چکریش رقیب کو سب گردن زدنی سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ محبوب کی قدر و قیمت بڑھا دیتا ہے۔ میری رقابت نے تمہیں شوہر پن کا ہنر سکھا دیا ——— سُدھا! اب چکریش تم پر ریسرچ کرینگے، مقالہ میں ایک چیپٹر مجھ پر بھی ہوگا!"

---

# غزل

شفیق مینائی

نہیں بدلی ادائے نرگسِ ستانہ برسوں سے
اُسی انداز سے گردش میں ہے پیمانہ برسوں سے

بہاریں ڈھونڈھتی پھرتی ہیں ویرانہ بہ ویرانہ
خدا جانے کہاں روپوش ہے دیوانہ برسوں سے

وہی ساقی وہی صہبا وہی مے خوار ہیں لیکن
نظر آتی نہیں وہ عظمتِ میخانہ برسوں سے

نیا عنواں بدل کر روز ہم دہرائے جاتے ہیں
وہی دیرینہ حسن و عشق کا افسانہ برسوں سے

گدازِ شمع بھی ہے سوزِ پروانہ بھی ہے باقی
مگر باقی نہیں ہے گرمیٔ کاشانہ برسوں سے

جو رندانِ قدح کش جراتِ رندانہ کھو بیٹھے
وہ مے خانے میں بیٹھے ہیں تہی پیمانہ برسوں سے

یہ داغِ حسرت و حرماں یونہی تازہ رہیں یارب
منور ہے اِنہیں سے دل کا ظلمت خانہ برسوں سے

اُدھر بھی ایک دن مشقِ خرامِ ناز ہو جائے
تمہارا منتظر ہے سبزۂ بیگانہ برسوں سے

جہاں سے کاروانِ رنگ و بو اکثر گزرتے تھے
ترستا ہے بہاروں کو وہی ویرانہ برسوں سے

شفیق اِس راز کو اہلِ خرد سمجھیں تو کیا سمجھیں
کہ آخر کس لئے خاموش ہے دیوانہ برسوں سے

# غزل

پورن کمار ہوش

ہولی میں دھنش رنگ کھلونی ہوئی کایا
چھلکے ہے وہ انگ انگ سنجوئی ہوئی کایا

پھر زور سے جھکجور سے نکھری سی لگے ہے
ماکھن سی وہ لسی میں بلوئی ہوئی کایا

ہر انگ مدھر تان میں اِک راگنی چھیڑے
گوپال کی بنسی میں سموئی ہوئی کایا

دیکھے تو نظر آپ ہی سماں سے جھک جاتے
مورت سی وہ اِک دودھ میں دھوئی ہوئی کایا

باہنوں میں کوئی جسم تو چاہوں میں کوئی خواب
جھومے ہے بدن دھیان میں کھوئی ہوئی کایا

ہونٹوں پہ چٹکتی ہوئی کلیوں سے مدھر گیت
آنکھوں میں برہ گیت، سہی روئی ہوئی کایا

بولے ہے تو بولوں کبھی چپ چاپ نہاروں
پل پل وہی جاگی وہی سوئی ہوئی کایا

اَن بوجھی سی اِک جوت جگائے ہے نین میں
مَل مَل کے نہائی ہوئی دھوئی ہوئی کایا

اے ہوش قلم تھام کہ پھر تیری غزل سے
اُبھرے ہے وہ مدراہیں ڈبوئی ہوئی کایا

# جال

ہرچرن چاولہ بی۔ اے

48/115 ?, Student Byen Kringsjå OSLO-8 (Norway)

محترم و کرم فرما خوشتر گرامی صاحب! آداب و نیاز

اسی سال مارچ کے شمارے میں میرا افسانہ "ایک زخم اور" شائع کرکے آپ نے مجھے دس سال بعد پھر قارئین "بیسویں صدی" سے رُوشناس کرا دیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ ——— پچھلے سال Constitution Club نئی دہلی میں میری لڑکی نیرجا کی شادی میں شریک ہوکر آپ نے میرا سر اُونچا کر دیا۔ "شمع" نئی دہلی کے جناب یونس دہلوی اور ادریس دہلوی، "روبی" دہلی کے جناب رحمٰن نیّر اور میرے دوسرے دوستوں بلراج کومل، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ستیش بترہ، راج نرائن رازؔ اور رانیل کمار بترہ وغیرہ نے آکر میری حوصلہ افزائی کی۔ خدا جانتا ہے آپ اور ان مہربان دوستوں کی آمد نے مجھے شادی سے بھی زیادہ مسرت بخشی۔ میں نے اپنی زندگی میں کچھ افسانوں اور چند مخلص، اچھے اور پیارے دوستوں کے سوا اور کمایا ہی کیا ہے۔ اُن کا خلوص ہی میری زندگی کا سرمایہ ہے۔ رام لعل، فکر تونسوی، زبیر رضوی، محمود ہاشمی، م۔ک۔ مہتاب، جگدیش مہندرو، نادان اور کچھ دوسرے دوست اپنی مجبوریوں کی وجہ سے نہ آسکے۔ لیکن اُنھوں نے بہت ہی پیارے اور محبت بھرے تار اور خطوط بھیج کر یا بعد میں خود آکر اپنی مجبوریاں واضح طور پر بیان کیں۔ کچھ لوگوں کے نہ آسکنے کی وجہ میں خود ہی بن گیا۔ میں جرمنی سے اتنا لیٹ گھر پہنچا یعنی صرف تین دن پہلے کہ ذاتی طور پر ملنا اور بلانا تو کجا انھیں خطوط لکھنا اور وقت سے پہنچانا میرے لئے ایک مسئلہ بن گیا اس لئے مجھے اُن سے گلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ——— یہاں "بیسویں صدی" کبھی کبھی آجاتا ہے۔ مارچ کا شمارہ ابھی تک نہ مل سکا۔ نہ یہاں، نہ انگلینڈ ہی میں۔ اِس لئے "بیسویں صدی" میں اپنا افسانہ ابھی تک نہ دیکھ سکا۔ اب گھر سے خط آیا ہے کہ میرا لڑکا شیکھر ستیش بترہ صاحب کے گھر سے پرچہ لے آیا ہے جو مجھے بھیجا جا رہا ہے ——— مئی کے "بیسویں صدی" میں آپ کے طنز و مزاح کے مجموعہ "انتخاب تیر و نشتر" کے بارے میں اعلان پڑھ چکا ہوں۔ اب اِس پر اُتر پردیش سرکار سے دو ہزار کے ایوارڈ نے میرا دل باغ باغ کر دیا ہے۔ آپ کا تو بہت کچھ حق ہوتا ہے۔ یہ تو ابھی پہلی قسط ہی نہیں۔ آپ کو تو کم از کم پدم شری کا خطاب ملنا چاہیئے۔ اُردو ادب کے لئے آپ کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا بہت بڑے گناہ سے کم نہیں ——— ! لیجئے ایک افسانہ "جال" ارسالِ خدمت ہے۔ اِس میں عورت کی نفسیات کو

خاص زاویہ سے سامنے لایا ہوں۔ عورت مشرقی ہو یا مغربی، جب پیار کرتی ہے تو دل کی گہرائیوں سے ٹوٹ کر پیار کرتی ہے اور نبھاتی ہے ــــ افسانے کی حقیقت پرکھ تو آپ اور قارئین ہی کرسکتے ہیں ــــ اب آپ کی صحت کا کیا حال ہے؟ آپ نے اپنے لئے نہیں تو ہمارے لئے اور اُردو کے لئے اپنی صحت کا خاص خیال رکھا کریں۔ میرے لائق کوئی خدمت!

آپ کا اپنا

ہرچرن چاولہ

ہیلگا نے برش سے اپنے بال آوارہ کئے۔ ایک دو زُلفیں ماتھے پر بکھر آئیں۔ پرس سے آئینہ نکال کر چہرہ دیکھا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک کی نئی تہہ جمائی۔ کوٹ اُتار کر بازو پر ڈال لیا اور ایک ادائے مستانہ کے ساتھ اوسلو سے سلنے فیور جانے والی سڑک کے کنارے ادائے دلبری سے کھڑی ہوگئی۔ سُریندر نے خوبصورت مونگیہ رنگ کا کارڈرائے سوٹ پہن رکھا تھا۔ اُس سے میچ کرتی ٹائی باندھ رکھی تھی جس پر سُرخ دائروں سے خوبصورت رنگین پروں والے پرندے گُزر رہے تھے جیسے آگ کے دائروں کو کراس کر رہے ہوں۔ وہ بہت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا اپنی عمر سے کم اور دلکش کسی زاویے سے ہپّی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہیلگا نے اُسے خاص طور سے ہدایت کر دی تھی کہ وہ اُس کے قریب بالکل نہ کھڑا ہو۔ کم سے کم چالیس پچاس گز دُور دوسرے کونے پر کھڑا رہے۔ وہ خود بھی دُور اُس کونے میں کھڑی تھی۔ ایک نوجوان نے چیں ایں ایں کی آواز کے ساتھ بریک لگائی اور کار عین اُس کے پاس روک کر اگلا دروازہ کھول دیا۔ سُریندر نے کنکھیوں سے دیکھا وہ اُس سے کچھ کہتی ہوئی اِدھر ہی اشارہ کر رہی تھی۔ لیکن شاید اُس کی درخواست منظور نہ ہوئی۔ کار چلی اور اُڑ گئی۔ دوسری اور تیسری بار بھی یہی ہوا۔ سُریندر کو اپنی قسمت پر غصّہ آنے لگا۔ اُس نے ہیلگا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اُسی کی طرف دیکھ رہی تھی اور مُسکرا رہی تھی۔ اُس کی مُسکراہٹ کے معنی تھے ــــ صبر سے کام لو۔ ابھی کوئی نہ کوئی لفٹ مِل جائے گی۔

ایک کار سریندر کے قریب سے نکلی۔ آہستہ ہوئی اور ہیلگا کے پاس رُک گئی۔ ہیلگا نے سر کھڑکی کے پاس لے جاکر پھر کچھ کہا۔ دروازہ کھلا۔ "ہیلو۔ ہیلو!"

سریندر نے اُدھر دیکھا۔ ہیلگا اُسی کو بُلا رہی تھی۔ وہ بھاگ کر قریب پہنچا۔ پچھلا دروازہ اُس کے لئے کھول دیا گیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور ہیلگا کار مالک کے ساتھ آگے۔ وہ نارویجن زبان میں باتیں کرنے لگی اور سُریندر اپنے خیالوں میں ڈوب گیا۔

آج سے کچھ دن پہلے وہ جرمنی کے شہروں فرینکفرٹ، کولون، ہیمبرگ اور ڈنمارک کی راجدھانی کوپن ہاگن سے ہوتا ہوا Seaways کے جہاز سے اوسلو پہنچا تھا۔ بزنس کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہ جرمنی یا ڈنمارک سے بہت بڑے آرڈر تو نہ لا سکا تھا پھر بھی گزارے کے لئے اُسے کچھ نہ کچھ مِل ہی گیا تھا۔ لیکن اوسلو کی سب فرموں نے تو جیسے اُسے کچھ بھی نہ دینے کی قسم کھائی تھی۔ خیر یہ کوئی فکر کرنے کی بات نہ تھی لیکن ایک بات جو اچانک ہو گئی تھی اُس نے یقیناً اُسے دو دن سے پریشان کر دیا تھا۔ اُس کے بٹوے میں سے ڈالر، مارک اور کراؤن کے نوٹ نہ جانے کہاں گِر گئے تھے۔ اور وہ اچانک خالی جیب ہوکر رہ گیا تھا۔ گھر اور وطن سے اِتنی دُور وہ کِس کے آگے ہاتھ پھیلاتے۔ کیا کہے۔ کوئی اُس کی بات پر یقین بھی کرے گا ــــ اچانک ٹیریک (لوکل ٹرین) میں اُسے ایک ہندوستانی لڑکا نظر آیا۔ وہ حوصلہ کرکے اُس کے پاس جا بیٹھا۔ اپنی مشکل بیان کی۔ غیر متوقع وہ بہت ہی مہربان اور حلیم ثابت ہوا۔ بولا "آپ کہاں ٹھہرے ہیں؟"

"ریڈ پرانس (Red nnice) ہوٹل میں۔"

"تو پہلا کام یہ کیجئے کہ وہاں سے میرے ہاں آجایئے۔ میں یہاں یونیورسٹی میں میڈیکل سٹوڈنٹ ہوں۔ میرا نام ترپاٹھی ہے۔ کرنیگشا سٹوڈنٹس ہوسٹل میں میرا ایک کمرہ ہے۔ ساتھ ہی میرے دوست جوگندر کا کمرہ ہے۔ میرے ساتھ تو میری گرل فرینڈ رہتی ہے۔

آپ جوگندر کے ساتھ شیئر (share) کر لینا۔ ہوٹل کا کرایہ تو بچے گا۔"

ہوسٹل میں سٹوڈنٹس کے ساتھ کسی کو رہنے کی اجازت نہیں۔ ہاں مخالف جنس کے دوست ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ پھر کبھی چوری چھپے کچھ روز کے لئے لوگ اپنے دوستوں یا ہم جماعتوں کو اپنے ساتھ ٹھہرا ہی لیتے ہیں۔ بس اُن کی یہی بے اصولی سُریندر کی مددگار بن گئی۔

سُریندر نے انھیں بتایا کہ وہ کسی طرح کوپن ہاگن پہنچ جائے۔ وہاں وہ اپنے ایک دوست سے اُدھار مانگ لے گا۔ تین سٹوڈنٹس جو خود اُن دنوں تنگ دستی کے دَور سے گزر رہے تھے، تین گھنٹے سر جوڑ کر بیٹھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ سب لوگ بطورِ مدد پانچ پانچ دس دس کراؤن چندہ کر کے سُریندر کو دیں۔ لیکن سُریندر کو یہ تجویز پسند نہ آئی کہ اُس کے نام پر چندہ اکٹھا کیا جائے۔ وہ خود بھی اُن کے ساتھ تین گھنٹے سوچتا رہا تھا۔ اُس کے شولڈر بیگ میں سیمپل کے کریپ کے خوبصورت رنگ برنگی بُوٹیوں والے دو بلاؤز تھے اور مور کے پنکھوں کی طرح ہرے اور نیلے رنگ کی چمکیلی جھلک مارنے والی دو ساڑیاں تھیں۔ اُس نے دوسرے دن ایک بلاؤز، ایک موتیوں کی مالا اور دو انگوٹھیاں ترپاٹھی کی گرل فرینڈ ہیلگا کو بطور تحفہ دے دیں اور کہا۔ اگر اُس کی ساڑیاں اور بلاؤز کوئی خرید لے تو اُس کا کام چل جائے گا۔ تینوں پھر سوچوں میں ڈوب گئے۔ اچانک ہیلگا نے زور سے چٹکی بجائی۔ اُس کے مُنہ سے نکلا: "سونے فیور!"

ترپاٹھی نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ پھر اُس کی نظریں اُس کے ماتھے پر آ گری آوارہ زُلف پر رُک گئیں۔ اُس نے سوالیہ انداز میں ہیلگا کی آنکھوں میں دیکھا۔

"سونے فیور میں میری سہیلی اپنی ساڑیوں، ہندوستانی کپڑوں اور زیورات کی دیوانی ہے۔ وہ بہت بڑے گرل (Grill) کی مالک ہے۔ یہاں ہر قسم کی شرابوں کی ندیاں بہتی ہیں۔ اگر وہ خود بھی نشے میں ہوئی تو تمھارے پَو بارہ ہیں۔"

"سونے فیور یہاں سے کتنی دُور ہے؟" سُریندر نے پُوچھا۔

"ایک سو بیس کلو میٹر۔" ہیلگا نے بتایا۔ "لیکن تم فکر نہ کرو۔ ہم ٹرین سے نہیں ہچ ہائیکنگ سے جائیں گے۔ بس تم مجھ سے دُور کھڑے رہنا۔ میں ہی . . ."

اب وہ ہچ ہائیکنگ کے لئے سڑک کے کنارے کھڑی ہر آنے والی کار کو دیکھ رہی تھی ــــ انھیں دوسری لفٹ آسکر اور تیسری ٹونس برگ ملی۔ سٹوکیہ میں چوتھی لفٹ سُریندر کی وجہ سے کوئی بھی دینے کو تیار نہ ہُوا اور مجبوراً چار چار کراؤن بس پہ خرچ کر کے وہ رات کے ساڑھے گیارہ بجے اینی کے ریسٹورنٹ (گرل) "ڈانے بو میبنی کرد" پہنچ گئے۔ اینی اپنے گاہکوں کے ساتھ پینے پلانے اور سروس کرنے میں انتہائی مصروف تھی۔ اُس نے ہیلگا کی طرف دیکھا اور کہا: "ہائے!"

"ہائے!" ہیلگا نے جواباً کہا۔ "ہم تم سے . . ."

اُس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا: "ذرا رُکو۔"

کوئی پندرہ منٹ بعد وہ لڑکھڑاتی ہوئی اُن کے قریب آئی۔ دونوں میں نارویجن زبان میں کچھ باتیں ہوئیں۔ اُس کی آنکھیں نشے میں بند ہوئی جاتی تھیں۔ بات ختم کر کے جب وہ پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئی تو ہیلگا نے بے حد خوبصورت انداز میں سُریندر کو آنکھ ماری: "کہہ رہی ہے کچھ دیر رُک جاؤ۔ ابھی کام بند ہونے والا ہے۔ پھر دیکھوں گی۔"

ساڑھے بارہ بجے وہ دونوں اینی کی کار میں بیٹھے تھے۔ اور ہیلگا سُریندر کو انگریزی میں سمجھا رہی تھی کہ اب وہ اُسے اپنے گھر لے جائے گی۔ ساری رات اس سے ساڑی باندھنے کے طریقے سیکھے گی اور . . ."

کچھ دیر رُک کر ہیلگا نے کہا: "مجھے تو راستے میں وہ میرے گھر پر ہی ڈراپ کر دے گی لیکن تم آگے اُس کے ساتھ جاؤ گے ــــ تمھیں ساڑی باندھنا آتا ہے نا؟"

"ہُوں ــــ ساڑی!" سُریندر چونکا۔

وہ شرارت سے مُسکرا دی: "تم اُس سے اپنی ساڑیوں کی کتنی قیمت وصول کر سکتے ہو، یہ تم پر منحصر ہے۔"

راستے میں کار ایک بلڈنگ کے پاس رُکی۔ ہیلگا ہاتھ لہراتی اُتر گئی: "صُبح آن ملوں گی۔ گڈ نائٹ!"

---

دوسرے دن ناروے کا نیشنل ڈے تھا۔ سترہ مئی۔

بینڈ باجوں، بانسریوں، جھانکیوں، پریڈ کرتی تنگی رانوں والی چست و چوبند اپنے اپنے اسکول کی رنگین ڈریسز پہنے لڑکیوں، ناچتے رنگاتے، جھومتے اور گاتے مدہوش اور خوش باش لوگوں کے ہجوم سے گزرتے ہیلگا اور سُریندر ایک پہاڑی بنگلے میں داخل ہوئے جس کے خوبصورت لان پر دھوپ میں اُس کی سہیلی لنڈا کے دوست لڑکے لڑکیاں وائن اور سگریٹوں کے مرغولوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہیلگا نے سب سے سُریندر کا تعارف کرایا۔ شراب کی مستی میں ڈوبی لڑکیوں نے اُس کے گلے میں اپنی گوری گوری باہیں ڈال کر رسماً اُسے چوما۔ اپنے اپنے گلاس اُس کے ہونٹوں سے لگائے اور پی گئیں۔ نئی بوتلوں کے کاگ پھر اُڑے۔ دَور پھر چلے۔ گرمی چڑھی تو لڑکے کپڑوں سمیت پاس والے سوئمنگ پول میں کُود کُود گئے۔ پھر لڑکیوں کو باہوں پر اٹھا اٹھا کر اُن کی انکار کرتی زبانوں، شعلے بنے جسموں اور زور زور سے ہلتی اور سرزنش کرتی ٹانگوں کے سمیت تالاب میں ڈالنے لگے۔ وہ زور زور سے ہنستی پانی سے نکلیں تو اُن کے بھیگے کپڑے اُنھیں شیشے کی الماریوں میں جڑی گڑیاں بنا چکے تھے لیکن وہ کچھ ہی دیر بعد کپڑے اُتار کر انگیہ اور چست انڈرویر پہنے دھوپ میں آ کر گھاس پر لیٹتی گئیں۔ اُن کے ننگے چمکیلے سُرخ و سپید جسم دھوپ میں ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے آگ اور پانی کھیل میں مصروف ہوں۔

سُریندر شام کو اوسلو لوٹنا چاہتا تھا۔ ہیلگا ایک رات اور ماں باپ کے پاس رہنا چاہتی تھی اِس لئے وہ رُک گیا۔ رات کا کھانا اُس نے ہیلگا کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ کھایا اور رات وہ گزری رات کے خوابوں میں ڈوبا سو گیا۔ صبح ہیلگا نے اُسے بیڈ ٹی دے کر جگایا۔ وہ چائے پیتا رہا اور ہیلگا سامنے کھڑی آئینہ دیکھتی رہی۔ پھر وہ "ابھی آئی!" کہتی اُوپر چلی گئی۔

سُریندر، ترپاٹھی کی کتاب پڑھنے لگا۔ سفرنامہ تھا۔ ترپاٹھی الہ آباد سے بی۔ ایس سی کرنے کے بعد Explorers Club of India کے چیرمین اور اپنے گورو کا آشیرواد لے کر سائیکل پر دُنیا کے دَورے پر روانہ ہوا تھا۔ الہ آباد سے بمبئی، پھر سمندری جہاز سے ایران۔ وہاں سے پھر سائیکل سے عراق، لبنان، ٹرکی، یوگوسلاویہ،

جرمنی، فرانس، ڈنمارک، سویڈن ہوتا ہوا ناروے پہنچا تھا۔ کہیں کہیں ایسے لوگوں اور کسٹم والوں نے بہت پریشان کیا تھا اور کہیں کہیں ایسے مارنے اور لوٹنے کی بھی کوششیں کی گئی تھیں۔ لیکن وہ بچتا بچاتا اور دوسرے اچھے مخلص اور ہمدرد لوگوں کے تعاون سے اوسلو تک آ پہنچا تھا۔ اُس کے سامنے ابھی اور بھی لمبے چوڑے پروگرام تھے۔ وہ کوئی بہت ہی بڑا کارنامہ پیش کرنا چاہتا تھا جس سے وہ دُنیا کا ایک فِگر ہو کے رہ جائے۔ اُس نے English Channel تیر کر پار کرنے کا اعلان بھی کرنا چاہا تھا لیکن وہ ہیلگا کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ عورت کی زُلفوں کے جال میں کیسے کیسے دلاور پھنس کر رہ گئے۔ تاریخ کے صفحات اِس بات کے شاہد ہیں۔ ترپاٹھی کی کیا بساط تھی۔ وہ بانسری بہت اچھی بجاتا تھا۔ جب وہ خوبصورت سی بانسری ہونٹوں پر رکھ کر نے نکالتا تو ہیلگا دیوانی ہو کر اُس کی بانہوں میں آجاتی۔ وہ رادھا کرشن کی جوڑی معلوم ہوتے تھے۔ خود سُریندر نے ترپاٹھی کے لئے ہیلگا کی دیوانگیاں دیکھی تھیں۔ وہ نہا رہا ہوتا تو وہ بھی بے اختیار اُس کے پیچھے غُسل خانے میں گھُس جاتی۔ وہ پڑھ رہا ہوتا تو وہ بھی بے اختیار اُس کے پیچھے غسل خانے میں گھُس جاتی۔ وہ پڑھ رہا ہوتا تو وہ اُس کی گود میں بیٹھتی۔ دن میں کتنی بار دیوانہ وار اُسے چُوم لینا چاہتی۔

"کہاں ہو؟" ہیلگا نے سُریندر کی آنکھوں کے سامنے اپنی خوبصورت اُنگلیاں نچائیں۔ وہ چونک اُٹھا۔ ہیلگا نے ناک کی ایک لونگ اُس کی ہتھیلی پر رکھ دی "کیسی ہے؟"

سُریندر نے لونگ دیکھی۔ سونے کی تھی۔ اُوپر سُرخ رنگ کا چھوٹا سا نگینہ لگا ہُوا تھا جو بہت ہی دلکش جھلک مارتا تھا۔

تیری لونگ دا پیا لشکارہ
تے ہالیاں دے ہل رُک گئے

(تیری لونگ کی چمک پڑی تو کسانوں کے ہاتھ ہل چلاتے چلاتے رُک گئے)

سُریندر ہندوستان میں کسی عورت کو ناک کی لونگ پہنے دیکھ لیتا تو دیوانہ ہو جاتا تھا۔ لونگ کی چمک اُسی کی نہیں سارے ہندوستان کے ہر نوجوان کی کمزوری تھی۔

"اچھی ہے۔ بہت ہی خوبصورت!" اُس نے کہا۔

"مجھے کیسی لگے گی؟" ہیلگا نے پُوچھا۔

"بہت اچھی! بہت ہی اچھی!" سُریندر کی آنکھوں میں پنجاب کی کنواریوں کی لونگوں کے لشکارے چمکے۔

"لیکن تمھاری ناک میں سُوراخ کہاں ہے؟"

"ہو جائے گا۔" ہیلگا نے بہت بے پروائی سے جواب دیا۔ سُریندر کو حیران اور پریشان چھوڑ کر وہ الماری میں سے ایک موٹی سی سُوئی اور ماچس نکال لائی۔ ماچس سُریندر کو دیتی ہوئی بولی: "جلاؤ۔"

سُریندر نے ماچس جلائی۔ ہیلگا نے سُوئی شعلے پر رکھ دی۔ پھر دوسری، تیسری اور چوتھی تیلی جلائی گئی۔ ہیلگا سُوئی گرم کرتی رہی۔ جب وہ جل جل کر لال سُرخ ہو گئی تو اُس نے رُومال دائیں نتھنے میں رکھ کر اُوپر ناک میں گرم گرم سُوئی چُبھو دی۔ لبوں سے ایک کراہ نکلی۔ لیکن یہ کراہ ہیلگا کے ہونٹوں سے نہیں سُریندر کے ہونٹوں سے نکلی تھی۔ وہ کئی بار سُوئی کو گرم کر کے ناک میں سُوراخ کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ ہندوستان میں لڑکیاں کس طرح سُوئی میں کالا دھاگہ ڈال کر ناک سیتی ہیں اور پھر کئی دن سے رکھتی ہیں۔ تب کہیں جا کر سُوراخ پکا ہوتا ہے۔ سُریندر نے اُسے بتایا، لیکن یہ لمبا طریقہ تھا۔ ہیلگا آج شام اوسلو ترپاٹھی کے پاس لونگ پہن کر پہنچنا چاہتی تھی۔ سارا دن وہ ناک میں سُوراخ بنانے کی کوشش کرتی رہی۔ ناک سے بار بار نکل آنے والے خون کو ماں سے چُھپاتی پھری۔ شام کو سُریندر کے ساتھ جب وہ ٹرین میں اوسلو کے لئے بیٹھی تو اُس کی ناک کی دائیں طرف دمکتی ہوئی لونگ سُریندر کی آنکھوں میں خیرہ کن لشکارے مار رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا —— محبت کے جال میں ہیلگا نے ترپاٹھی کو پھانسا تھا یا خود بُری طرح اُلجھ کر رہ گئی!!



پھولوں جیسی تازگی والا
حسن و جمال کا احساس جگانے والا۔ جے
Jai
BEAUTY SOAP
حسن و جمال کی بہار جے
چنبیلی کی دلفریب مہک سے بھرپور دلکشی بخش صابن۔
ٹاٹا کا تیار کردہ
OBM 2067

# غزل

قیس رام پوری

شاید کسی سائے کی لطافت میں لٹا ہے
وہ شخص جو تپتے ہوئے صحرا میں کھڑا ہے

حالات بدل دیتے ہیں ہاتھوں کی لکیریں
کیوں دست شناسوں کا پتہ پوچھ رہا ہے

پیراہنِ زریں سے بدن ڈھانپنے والے!
عریاں ہے شعور اور تجھے کوس رہا ہے

خوابوں کے دریچے بھی تو ویران پڑے ہیں
جب سے مری راتوں کا خدا روٹھ گیا ہے

کس درجہ غم و درد کا مارا ہوا ہو گا
وہ جس نے کہ جینے کے لئے زہر پیا ہے

ممکن ہے کہ میخانے کے آداب بدل دے
یہ تشنہ لبی حد سے جو گزرے تو مزا ہے

اب ہے مرے سینے میں وہی شورِ قیامت
وہ خواب جو میں نے تری آنکھوں سے سنا ہے

ہوں جیسے اُجالوں کے تعاقب میں اندھیرے
ہر جسم کسی جسم کو یوں ڈھونڈ رہا ہے

کیا دیں گے مجھے وقت کے تاریک اُجالے
دل میں تری یادوں کے چراغوں کی ضیا ہے

نادان ہے دل کتنے مہ و سال کے بعد آج
مجھ سے مرے مٹنے کا سبب پوچھ رہا ہے

اس عہد کے فن کار کو کیا ہو گیا اے قیس
خود تشنہ ہے اور سب کو لہو بانٹ رہا ہے

# غزل

سید حباب ترمذی (کراچی)

آج ممکن نہیں تو کل ہو گا
وقت کا فیصلہ اٹل ہو گا

آہ خاموش بھی نہ کر اے دل
اُن کے آرام میں خلل ہو گا

زندگی کے نئے مسائل کا
کچھ نہ کچھ تو ضرور حل ہو گا

دل کے دو ٹوک فیصلے کے بعد
جو قدم ہو گا بر محل ہو گا

اِک شبِ ہجر، ایک یومِ وصال
اِک صدی ہو گی، ایک پل ہو گا

پہلے کس سے ہوئی ہے کوتاہی
یہ سوال اُن سے بے محل ہو گا

جس نے میرا سکون لوٹا ہے
اُس کا کیا حال آج کل ہو گا

آپ جب خود مثال ہیں اپنی
آپ کا کیا کوئی بدل ہو گا

زندگی کی جو ترجمانی کرے
شعر وہ حاصلِ غزل ہو گا

اے حباب اُن کے دستِ نازک میں
دل شاعر نہیں کنول ہو گا



دنیا کا اولین ڈٹرجنٹ دھلائی کا صابن
سپر ۷۷۷
پیسہ بچاؤ، سفیدی بڑھاؤ
نیا!
SUPER 777
سوپر ۷۷۷ دھلائی کی دنیا میں ایک اعجوبہ ہے۔ یہ ایک نیا فارمولا ہے۔ کھارے پانی میں بھی بہت زیادہ کپڑے کہیں زیادہ صاف، کہیں زیادہ سفید دھونے کی قوت رکھتا ہے اور قیمت؟ عام بار صابنوں کے مقابلے میں کم!
آج ہی استعمال کیجئے اپنے کپڑوں کیلئے ایک نئے قسم کا بار، سوپر ۷۷۷ ڈٹرجنٹ دھلائی کا بار!

# زخموں کی ہریالی

منہاج ایف شیخ۔ ایم۔ ایس۔ سی

ایم۔ ایچ۔ صابو صدیق پالی ٹیکنک
روڈ بمبئی ۸

محترمی خوشتر صاحب! آداب و نیاز

میرا افسانہ " سگنل " آپ شائع کر رہے ہیں اس حوصلہ افزائی کے لئے شکریہ۔ ایک اور افسانہ حاضر خدمت ہے۔ یہ کہانی مجھے بے حد پسند ہے۔ کیونکہ یہ میرے احساسات کی مجمل ہوئی تصویر ہے۔ ہم بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں پاتے، کر نہیں سکتے! خالی معدے زنگ آلود آرزوئیں! لیجئے پڑھیے " زخموں کی ہریالی " ____ کہانی کی خوبصورتی اور مرکزی خیال اس کے آخری جملہ میں پنہاں ہے۔ میں اس کی تشریح کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ یقین ہے کہ افسانہ پسند خاطر ہوگا اور بلند ذوق قارئین سے خراج قبولیت حاصل کرے گا ____

چندی گڑھ جانے سے پہلے ایک روز دہلی رکا تھا۔ لیکن یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ میں ایک خط آپ کے نام چھوڑ آیا تھا۔ بمبئی آنے کا اتفاق ہوا تو ضرور ہم سے ملئے گا۔ قوی امید ہے کہ آپ ہمیں خدمت کا موقع دیں گے۔ افسانہ کی رسید اور آپ کی گرانقدر رائے کا انتظار رہے گا......

احقر العباد
منہاج

★

میں فری سن پوائنٹ پر کھڑی اُس اونچی عمارت کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ بمبئی کا مشہور سٹار ہوٹل " اوبرائی شیرٹین " ہے۔ یوں تو یہ میرا روز کا معمول ہے، روزانہ ہی میں یہاں چلا آتا ہوں۔ لیکن پہلی بار آج اوبرائی کو غور سے دیکھ رہا ہوں۔ مگر باہر سے! میں بہت نیچے ہوں اور وہ بہت اونچی عمارت ہے میری ... تیس منزلہ عمارت ہے کتنی اونچی تو کیے! ہاں، میں تو بھول گیا ... فٹ پاتھ کا راہی اور تیس منزلہ عمارت! بلی کے خواب میں چھیچھڑے! میں سوچ رہا ہوں اس کا مالک کتنا امیر ہوگا! مگر ... کیے؟ کوئی پیدائشی امیر تو نہیں ہوتا؟ ہو بھی تو کیا لینا مجھے اس سے۔ میں جو کچھ بھی ہوں سو وہ سامنے ہے۔

میں پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا ہوں، کیوں نہیں بھلا اس پیٹ کو کہاں چھوڑ تا؟ میں آتے جاتے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہا ہوں...... ہلکی نیلی، سبز رنگ، سرمئی، گلابی، لال رنگ کی مہین ساڑیاں اور اُن ساڑیوں میں سے جھلکتے ہوئے گداز جسم اُن سے نکلی ہوئی مہکتی خوشبوئیں نتھنوں کو پار کرتی ہوئی میرے پھیپھڑوں میں جگہ ڈھونڈ رہی ہے۔ سامنے سمندر کی موجیں جوانی کا جوش لئے بڑھ رہی ہیں اور آخری سرے تک پہنچ کر ختم ہونے سے پہلے واپس لوٹ رہی ہیں۔ ایک عجیب مدہوش کن کیفیت

# عید

عجب یاس میں عید کا دن گزرا
خدا کی قسم غم بہت یاد آئے ——— جگر

نصیب جن کو ترے رخ کی عید ہوتی ہے
وہ خوش نصیب ہیں جب ان کی عید ہوتی ہے ——— اکبر

سب نے دیکھا ہے ہلالِ عید کو
ہم ترستے ہیں تمہاری دید کو ——— پریم [illegible]

گر میکدے میں عید منائی تو کیا ہوا
ایسا ہے شیخ میرا دوگانہ ادا ہوا ——— داغ

پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے
ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے ——— اقبال

مرسلہ: نور الصباح بیگم قدرت۔ [illegible]

[illegible] ایک [illegible]!

میں جب بھی [illegible] ہوں [illegible]
میری مصیبتوں اور پریشانیوں کو جاننے [illegible]! میرے
ارمانوں، میری الجھنوں کا [illegible]
میں جانتا ہوں وہ کبھی [illegible] ایک
روٹی کا ٹکڑا [illegible] مجھے بھیک میں [illegible] ہوں۔ [illegible]
سہا سہا بیٹھا ہے میرے پہلو میں (کیا ان پہلوؤں [illegible]
کو سہلانے کی جگہ نہیں) کون جانے ایسا کیوں!

میں دیکھ رہا ہوں انسانوں کی ریل پیل اب بھی جاری ہے۔ میں نے پانچ پیسے کے چنے خریدے۔ ہاں آن پائی پیسہ سے جو ابھی ابھی ایک ننھی منی بچی نے مجھے دیئے ہیں۔ میں چنے چبا رہا ہوں۔ چنوں کے چھلکے حلق میں پھنس رہے ہیں۔ پھر بھی میں چبائے جا رہا ہوں۔ ہاں اپنے اس پاپی پیٹ کی خاطر! اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ پہلے پاپی نہ تھا، پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے ایک نوکیلا خول میرے حلق میں پھانس کی طرح چبھ رہا ہے۔

آہ! کتنی تکلیف ہو رہی ہے!

میں بے تحاشہ بھاگ رہا ہوں..... کدھر؟.....

پانی کی تلاش میں..... پانی تو میرے سامنے ہے، لاکھوں، کروڑوں میل دور تک پھیلا ہوا ——— پھر بھی مجھے تلاش ہے۔ ——— میں دوڑ رہا ہوں ——— میں پیاسا ہوں ——— سنا ہوٹل کی طرف جا رہا ہوں۔ ویٹر سے پانی مانگ رہا ہوں۔

کاش مانگنے سے پہلے میں نے سوچا ہوتا! یہاں تو کاروں، موٹروں میں لوگ آتے ہیں، چیتھڑوں میں نہیں۔ ہاں سبھی پیاسے ہیں۔ سبھی الجھنوں، پریشانیوں میں الجھے ہوئے۔ ایسی الجھنیں جو سلجھائی نہیں جا سکتیں! مجھے تلاش ہے.. کس کی؟ کیا چاہیئے مجھے؟

کچھ نہیں!

دو بوند پانی..... ہاں صرف دو بوند پانی!.....

کتنے رنگوں میں بسی ہوئی ہے یہ دنیا۔ لیکن جب سب رنگ ایک ساتھ محور کے گرد گھومتے ہیں تو صرف ایک رنگ باقی رہ جاتا ہے وہ ہے سفید..... سنگ مرمر کی طرح سفید! مجھے کفن [illegible]

کا گماں ہوتا ہے

وہ دیکھو دور ——— قدرت کا عجیب شاہکار ——— مغرب کے دامن میں چھپ جانے کو ہے، جس کی آگ میں آج سارا دن تپتا رہا ہوں۔ آج ہی کیوں، روزانہ ہی تپتا ہوں۔

کتنی آرزوئیں، کتنے ارمان، کتنے تقاضے! ہم بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ لیکن کہہ نہیں پاتے، کتنے حصار کھینچ رکھے ہیں ہم نے اپنے آس پاس۔ کتنی دیواریں حائل ہیں! کاش میں بھی کسی سے کھل کر کہہ سکتا! کہنے سے بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ لیکن کوئی بھی تو نہیں جو میری سنے۔ کیا میرے سینے میں احساس کا مارا دھڑکتا دل نہیں؟ کیا میری سانسیں رواں دواں نہیں! کیا میں اشرف المخلوقات کہلائے جانے کا حقدار نہیں! مخلوق کا کرب تو وہی جانتا ہے جو میرا ہی نہیں ہم سب کا خالق ہے۔ مگر یہ فرق کیوں؟

میرا کوئی دوست ہے؟

نہیں!

کیوں نہیں؟

ہے محبت بھی ایک رنگ، شک، نفرت، محبت! یہ رنگ جذبات ہیں، یہ رنگ احساس ہیں، جنہیں ہم سب ان رنگوں کو جانتے ہیں، محسوس کرتے ہیں۔ لیکن چھو نہیں پاتے، قید نہیں کر پاتے۔ کیوں نہ ہم ایک دوسرے کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں!

میں سوچ رہا ہوں اور دوڑ رہا ہوں ......... مجھے دو گلاس کرنا ہے۔ موٹریں اپنا راستہ ناپتی ہوئی گزر رہی ہیں۔ انسانوں کے چلتے پھرتے، اُن کی جانوں کا کوئی حساب نہیں، وہ صرف راستہ ناپنا جانتی ہیں۔ کتنی عزیز اور پیاری ہے یہ زندگی! میں کیوں اسے ضرر پہنچاؤں! مجھے کوئی حق نہیں مارنے کا۔ اپنے آپ کو اُس نے زندگی بخشی ہے اور صرف اُسی کو حق ہے ..... ہاں صرف اُسی کو۔

میں "چرچ گیٹ" اسٹیشن میں داخل ہو رہا ہوں۔ ایک اسٹال پر پہنچ کر پانی پی رہا ہوں۔ کیا میری پیاس بجھ گئی؟ ہاں بجھ تو گئی، مگر لمحہ لمحہ زنجیر میرے گلے میں بندھی ہوئی ہے۔ میں کس کا اسیر ہو کر رہ گیا ہوں .... کب ٹوٹیں گی یہ زنجیریں؟

'بوری ولی' جانے والی لوکل ٹرین کھڑی ہے۔ کتنے انسان باقی ہیں میرے پاؤں کے اِس پلیٹ فارم پر! ایک طوفان بپا ہے۔ تھکا ماندا انسان دوڑ رہا ہے۔ بے بس مجبور۔ زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے! ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے چیونٹیوں کی فوج منتشر ہو گئی ہے جو حملہ آور ہے۔ ہاں یہ وہی چیونٹیاں ہیں جو ایک قطار میں سیدھی لائن میں چلتی تو ہرگز منتشر نہ ہوتیں! لیکن ذرا سے چھیڑنے پر منتشر ہو گئی ہیں۔ اِسی طوفان میں میری نظریں ایک چیونٹی پر اٹک گئی ہیں۔ ہاں یہ وہی چیونٹی ہے جس نے اپنے جسم کا سارا فارمک ایسڈ میرے اندر داخل کر دیا ہے۔ میں کل بھی تڑپا تھا، آج بھی تڑپ رہا ہوں۔ وہ وہی ہے۔ کاش اُس کے بھی پَر نکل آتے، کاش وہ بھی اِس اذیت اور تڑپ سے محظوظ ہوتی، لذت اُٹھاتی۔!

ہلکی نیلی رنگ کی ساڑی میں ملبوس وہ لیڈیز کمپارٹمنٹ کی طرف دوڑ رہی ہے۔ وہ پریشان ہے۔ میں بھی تو پریشان ہوں۔ اپنے سینے میں ان گنت خواب بسائے زندگی کے طویل صحرا میں بھٹک رہا ہوں، میں ماضی کے نقوش مٹانا چاہتا ہوں .... لیکن

# میخانہ

جتنی ہم چھوڑ دیا کرتے تھے پیمانہ میں
آب تو اتنی بھی نہیں ہے ترے میخانہ میں ——— نامعلوم

ہماری زندگی کا حسن میخانہ میں ہے ساقی
یہیں آ کر یہ دیوانی حسیں معلوم ہوتی ہے ——— زلیش کمار شاد

جہاں کچھ سوچنے کا وقت ملتا ہے فراغت میں
اُسے مکتب نہیں کہتے اُسے میخانہ کہتے ہیں ——— عدم

رقص مے تیز کرو ساز کی لے تیز کرو
سوئے میخانہ سفیران سفر آتے ہیں ——— فیض

کس جگہ واقع ہوا ہے حضرتِ زاہد کا گھر
دُور مسجد بھی نہیں نزدیک میخانہ بھی ہے ——— نامعلوم

مُرسلہ:۔ وہاب احمد سیفی بی۔ایس۔سی علیگڑھ

وہ تو نقش ہو چکے ہیں میرے دل و جگر پر اور وہاں تک میری رسائی نہیں۔ وہ مجھے دیکھ نہیں پائی ہے۔ لیکن میں اُسے دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنا راستہ صاف کرتی اندر داخل ہو رہی ہے۔ میں اُسے دیکھ رہا ہوں۔ کیا آج بھی اُس کے دل میں جگہ ہے؟ ہاں دل کے تو چار خانے ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تین فل ہوں اور ایک میں ویکنسی ہو!

میں کوشش کر رہا ہوں اُس کے نزدیک پہنچنے کی۔ اُس سے بات کرنے کی۔ ماضی کو پھر رنگین بنانے کی!

اوہ! ٹرین چلنے لگی ہے۔ میں اُس سے آگے کے کمپارٹمنٹ میں باہر کی طرف لٹکا ہوا ہوں۔ ٹرین دندناتی سرپٹ گھوڑے کی طرح دوڑ رہی ہے۔ الیکٹرک پولس سے بچنے کے لئے میں ٹرین کی آہنی دیواروں سے چپکا ہوا ہوں۔ ٹرین فاسٹ ہے۔ صرف بمبئی سینٹرل رُکے گی۔ میرے ارمانوں کی کشتی ذرا سے فاصلے پر ڈوبی ہوئی ہے۔

میں سوچ رہا ہوں ———

بھی سگنل قریب ہے۔ ٹرین دھیمی دھیمی سرک رہی ہے۔۔۔۔ لوگوں کے دھکوں نے وقت سے پہلے مجھے پلیٹ فارم پر اُتار دیا ہے۔

میں لیڈیز کمپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہا ہوں، کچھ آس کچھ تمنا لئے۔ اپنے سراپا حسن کا جائزہ لینے!

آہ کسی نے میرے پاؤں پر اپنا آہنی پاؤں رکھ دیا ہے ٹرین آگے بڑھ رہی ہے۔ لیڈیز کمپارٹمنٹ کے نقوش نظروں سے ہٹتے جا رہے ہیں۔

اور میں سگنل کے سبز رنگ کو لال رنگ میں تبدیل ہوتے دیکھ رہا ہوں۔۔۔ !!

---

**ہست و بود** ادبی شخصیتوں پر جناب عرش ملسیانی کے دلچسپ مضامین کا مجموعہ۔ قاضی نذر الاسلام، جگر مرادآبادی، چندر بھان برہمن، شہید سرمد، شکیل بدایونی، امتیاز علی تاج، ہری چند اختر، شفیق جونپوری اور متعدد شعراء و ادبا پر مضامین کی تعداد سترہ ہے۔ قیمت دس روپے محصولڈاک علاوہ۔

**شرارِ سنگ** عرش ملسیانی کے دلچسپ آفریں کلام کا حسین و جمیل مجموعہ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے اس کی بہت داد دی تھی۔ خواجہ غلام السیدین۔ فراق۔ ڈاکٹر مسعود حسین اور اُردو کے اکابر نے اِس کی بہت تعریف کی۔ قیمت آٹھ روپے۔

**فریدہ موہنی (ناول)** حقیقت اور طنز سے بھرپور عورتوں کے اُس دیش کی کہانی جہاں مرد کا تصور بھی ایک جُرم تھا۔ صدیوں بعد کی فضاؤں میں لکھی ہوئی عجیب و غریب داستان جو اوّل سے آخر تک دلچسپیوں اور حیرت آفرینیوں سے لبریز ہے۔ جناب کوثر چاندپوری کا لکھا ہوا بیحد شوخ دلچسپ ناول جو قاری کو کئی صدی آگے کی فضا میں پرواز کراتا ہے۔ اور نئی زندگی کا سنگِ بنیاد رکھتا ہے۔ انتہائی دلکش اور شگفتہ اندازِ نگارش۔ جاذبِ نظر کتابت و طباعت، بہترین کاغذ، دیدہ زیب سہ رنگا گردپوش۔ قیمت فی جلد محض تین روپے۔

**رُوحِ افکار** جناب واجد سحری نے ہند و پاک کے جدید شعراء کے کلام میں سے سینکڑوں مختلف موضوعات پر بہت حُسن و خوبی سے منتخب افکار کا یہ مجموعہ کئی سال کی کاوش سے مرتب کیا ہے جس میں ایک ہزار سے زائد اشعار ہیں۔ سائز بڑا، کتابت عمدہ، طباعت نفیس، سرورق دیدہ زیب۔ قیمت چھ روپے۔ محصولڈاک علاوہ۔

**پتھر کا گلاب** جس میں نفسیاتی، رومانی اور سماجی حقیقتوں کی بڑی فنکاری کے ساتھ عکاسی کی گئی ہے۔ جناب کوثر چاندپوری کا ایسا ناول ہے جو ایک مثالی عورت کے کردار کا نہایت تابناک رُخ پیش کرتا ہے۔ بہترین طباعت و کتابت۔ اعلیٰ کاغذ۔ قیمت سات روپے۔

**ایک عورت ہزار دیوانے** جناب کرشن چندر کا لافانی شاہکار ناول جس میں جادو نگار و سحر طراز فنکار نے فن کی ساری بلندیوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ یہ ناول شاخِ گل کی سی نازک اور تتھری ہوئی ایک حسین خانہ بدوش لڑکی کی ایسی حسین کہانی ہے جس میں پھول بھی ہیں اور انگارے بھی ہیں شعلے بھی ہیں اور شبنم بھی۔ قیمت صرف تین روپے پچاس پیسے۔ محصولڈاک علاوہ۔

**ریگِ رواں** جناب رشی پٹیالوی کا مجموعۂ کلام۔ مطلع تا مقطع مرصّع غزلوں کے ہر شعر میں تغزل کی شان جلوہ گر ہے اور ہر شعر آئینہ دارِ معراجِ فکر و فن ہے۔ اعلیٰ پایہ کی کتابت، دیدہ زیب طباعت نیز منقش گردپوش سے آراستہ یہ غزل دستہ ہر لائبریری کی زینت بننے کے قابل ہے۔ قیمت صرف چھ روپے۔

**زنجیر** ایک گناہ گار لڑکی کی حسین و جمیل داستان، جس کے گناہ دیکھ کر وہ غریب تھی۔ وہ حُسن و جمال کا مجسمہ تھی۔ وہ رقص کے ایک اسکول میں کام کرتی تھی وہ تنہا تھی اُس کا دُنیا میں کوئی نہ تھا۔ عشق و محبت کی ایک ایسی پُرپیچ رومان پرور داستان، جسے پڑھ کر آپ عش عش کر اُٹھیں گے، جسے زکی انور نے لکھا اور ادارہ "بیسویں صدی" دہلی نے شائع کیا ہے۔ قیمت فی جلد دو روپے۔

**پیاسے بادل** جنم جنم کی پیاسی ایک پہاڑی دوشیزہ کے پیار کی کہانی جو اپنی محبت اور محبوب کی تلاش میں بار بار پہاڑی وادیوں میں جنم لیتی رہی۔ ایک حساس نوجوان کی داستانِ محبت دیدہ زیب کتابت و طباعت۔ قیمت فی جلد صرف دو روپے ۵۰ پیسے۔

**شعاعوں کی صلیب** صالح اور صحت مند جدیدیت کو نیا موڑ عطا کرنے والے مشہور و معروف شاعر و تنقید نگار جناب کرامت علی کرامت کا پہلا حسین و جمیل شعری مجموعہ۔ قیمت چھ روپے۔

**گردِ راہ** جناب ضیا فتح آبادی کا چوتھا مجموعۂ کلام۔۔۔ ضیا ایک صاحبِ طرز شاعر ہیں۔ آپ کے اندازِ بیان اور لب و لہجہ میں انفرادیت و ندرت ہے۔ قیمت تین روپے ۵۰ پیسے۔

پتہ:- رسالہ بیسویں صدی، دریا گنج، دہلی نمبر ۶

# چوٹ

جلیل احمد ایم۔ ایس سی

گھر نمبر ۳۱۵، کھڑکی باڑہ، نزد کانگریس بھون، دھولیہ (مہاراشٹر)

مکرمی خوشتر صاحب! اسلام و خلوص

... مدت کے بعد ایک افسانہ "چوٹ" لے کر آپ کی بزم میں شرکت کی جسارت کر رہا ہوں۔ اسے کسی قریبی شمارے میں جگہ دے کر ممنون فرمائیں ——— نئی نسل کی سرکش ذہنیتوں کو Expose کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، یہ آپ کی دور رس نگاہ ہی بتا سکتی ہے۔ آپ کے گرانقدر مشوروں اور "بیسویں صدی" کے بالغ نظر قارئین کی قیمتی آراء کا منتظر رہوں گا۔

خلوص کیش

جلیل احمد

★

## دو خطوط ———

بنگلور

۱۵ جولائی ۷۵ء

شوکت ——— میرے محبوب! تسلیم

دیکھو تمہاری طویل خاموشی نے مجھے کس طرح مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔ کہتی نہ تھی کہ ابو جان ہماری محبت کے درمیان پہاڑ بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔ ابھی کل ہی میں نے اُن سے شادی کے متعلق بات کی تھی۔ میری تو جان ہی نکل گئی جب ابو نے مجھے یہ بتایا کہ میرا رشتہ بچپن ہی سے اُن کے کسی دوست کے صاحبزادے سے طے ہو چکا ہے اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ میں نے کبھی اُن صاحب کو دیکھا تک نہیں ہے۔ شاید ایک بار جب میں نے نو برس کی رہی ہوں گی، میں نے جمال (منگیتر صاحب کا اسم مبارک یہی بتایا جاتا ہے) کو بنگلور میں کہیں دیکھا تھا ——— توبہ، توبہ اتنا اسٹرونگ اور بے ہنگم لڑکا میں نے بنگلور میں تو کبھی نہ دیکھا تھا۔ بالکل ڈبل روٹی جیسا!

آج میں ابو جان سے دو ٹوک بات کر لوں گی۔ وہ چاہے مجھے گولی مار دیں۔ لیکن میں اُس لافانی لڑکے کی شریکِ زندگی بننے سے قطعی انکار کر دوں گی!

شوکی ڈارلنگ! میرے والدین دو دن کے اندر راہِ راست پر آ گئے تو ٹھیک ورنہ میں دوسرے ہی دن تمہارے پاس بمبئی چلی آؤں گی۔ وہاں ہم کورٹ میرج کر لیں گے یا جیسا تم مناسب سمجھو گے۔ اُمید ہے تم میرے علاوہ کسی اور شے کی خواہش نہ کرو گے۔ میں صرف ایک سُرخ ساری، ایک اپنا خاندانی جوڑا اور کچھ پُرانے خطوط لے کر آؤں گی۔

اگلی ہدایتوں کی منتظر

محل

---

بمبئی ——— ۱۸ جولائی ۷۵ء

ڈوبتِ شوکی، میری اپنی محل! تسلیم

تمہارا خط ملا۔ اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔ بغیر

انتظار کے پل آئیں میرا سب کچھ تمھارا ہی ہے!

میں ۲۳ تاریخ کو بادر اسٹیشن پر تمھارا انتظار کروں گا۔ تم ۲۲ تاریخ کو صبح دکن ایکسپریس میں سوار ہونا تب وقت پر پہنچو گی۔ ہاں اس بات کا خاص طور سے خیال رکھنا کہ جب تک میں تمھیں تلاش نہ کر لوں تم کمپارٹمنٹ سے اُترنے کی کوشش نہ کرو گی۔ خوش قسمتی سے میرا فلیٹ پارٹنر دو روز سے ہسپتال میں پڑا ہوا ہے۔ ہم دو چار دن تک فلیٹ میں ٹھہر سکتے ہیں۔ تب تک تمھیں عروس البلاد کی خوب خوب سیر کرا دوں گا۔ اُس کے بعد ہم یہیں سے اورنگ آباد چلے جائیں گے۔ جہاں میرے والدین رہتے ہیں۔ وہ لوگ بھی اِس شادی کے لئے تیار ہوئے تو ٹھیک ورنہ اورنگ آباد سِول کورٹ زندہ باد!

تمھارا منتظر

شوکت

---

رات بھر میں اُس نے ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ اٹیچی کیس میں ایک سُرخ ساری، غرارہ سیٹ اور کچھ روپے رکھ لئے تھے۔ بسم اللہ پڑھ دیا ہوا اپنی امّاں کا جڑاؤ ہار بھی گلے میں ڈال لیا۔ پھر صبح کے پانچ بجتے ہی وہ گھر سے نکل پڑی۔

دو دن اور ایک رات کی مسلسل مسافت کے بعد ٹرین بمبئی کے سبرب میں داخل ہو گئی۔ ٹرین کے دوسرے مسافر اپنا اپنا سامان سمیٹنے میں مصروف ہو گئے لیکن وہ ابھی تک کھڑکی سے سر ٹیکے گم صم بیٹھی تھی۔ ٹرین جیسے جیسے منزل کے قریب ہو رہی تھی اُس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ ذہن میں طرح طرح کے اُلٹے سیدھے شکوک سر اُبھار رہے تھے کہ نہ جانے یہ شوکت کیسا لڑکا (یا مرد) ہوگا... وہ مجھے رسیو کرنے آئے گا بھی یا نہیں... یا کہیں وہ شادی شُدہ تو نہیں!

اُس کے شکوک کچھ حد تک دُرست بھی تھے کیونکہ شوکت سے اُس کی شناسائی کچھ زیادہ دنوں کی نہ تھی۔ بس کسی ادبی رسالے میں اُس نے ایک بار شوکت کی تصویر دیکھی تھی۔ اُس کے بعد خط و کتابت کا سلسلہ چلتا رہا تھا اور پھر محبت کی انجانی ڈور نے دونوں کو اِس طرح جکڑا کہ وہ آج ساری زندگی کے لئے جیون ساتھی بننے جا رہے تھے۔ شوکت کے متعلق وہ بس اتنا ہی جانتی تھی کہ وہ ایک متوسط گھرانے کا لڑکا ہے اور بمبئی کے کسی کالج میں زیرِ تعلیم ہے۔

شام کا دُھندلکا پھیل چکا تھا۔ ٹرین دادر اسٹیشن میں داخل ہو رہی تھی۔ اُس کی نظریں بے تابی سے پلیٹ فارم کا جائزہ لینے لگیں۔ لیکن شوکت کا ابھی تک کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ ایک خیال سے لرز گئی۔ کہیں وہ... نہیں نہیں! شوکت کبھی ایسا نہیں کر سکتا! اُس نے سر جھٹک کر اپنے بہکتے ہوئے ذہن کو مجتمع کرنے کی کوشش کی۔ پھر یکایک اُس نے دیکھا کا زوے پر کھڑا ایک تنومند اور بلند قامت نوجوان اُسے دیکھ کر تیزی سے اُس کی طرف لپکا۔ وہ سفید نکٹائی پر خوبصورت سیاہ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ چند ثانیوں تک تو وہ اُس کی بھاری بھر کم شخصیت سے خوفزدہ سی رہی۔ لیکن پھر یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی کہ یہی اِس کا شوکت ہے!

ٹرین رُکتے ہی نوجوان نے اُسے آلیا۔

"شوکی ——!" وہ تقریباً دوڑ کر اُس کے شانوں سے جا لگی۔

شوکت نے قریب ہی سے ایک ٹیکسی رُکوائی اور ڈرائیور کو باندرہ میں واقع اپنے فلیٹ کا پتہ بتا دیا۔ راستے میں گُل نے اُس سے کوئی بات نہ کی۔ شوکت بھی نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہی رہا۔ فلیٹ پہنچ کر اُس نے گل کے لئے الگ بیڈ لگا دیا اور بازو کے کمرے میں جا کر شاور آن کر دیا۔

"ہوٹل چلو گی یا کھانا یہیں منگوا لوں؟" اُس نے پُوچھا۔

"نہیں۔ رہنے دو۔ مجھے بھوک نہیں!"

"کیا بات ہے؟ کچھ اُداس سی ہو؟" شوکت سے رہا نہیں گیا۔

یکلخت وہ اُٹھ کر شوکت کے قریب چلی آئی اور دوپٹے کا کونہ اپنی نازک اُنگلیوں میں لپیٹتے ہوئے بولی "شوکی! میں کشتی چھوڑ کر طوفان میں کود آئی ہوں، تمھارے ساتھ! مجھے سہارا دوگے نا؟" اُس کی آواز جذبات کی شدّت سے رُندھ گئی تھی شوکت کے چہرے پر فکر کی گہری لکیریں اُبھر آئیں۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر ہمت کر کے بولا "بڑی مصیبت ہے گل! تمھارے خط کا جواب دینے کے بعد میں نے ڈیڈی کو بھی ایک خط لکھ کر اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر..."

"...مگر؟"

"انھوں نے جواب دیا کہ وہ کسی دوسری لڑکی سے میرا رشتہ طے کر چکے ہیں۔"

محل کے دل و دماغ پر ایک جھٹکا سا لگا۔ اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"سنگدل... فریبی!" وہ تڑپ کر صوفے پر گر پڑی۔

جواب میں شوکت نے ہونٹوں کو سکوڑ کر مُسکرانے کی کوشش کی پھر اُس نے کوٹ کی جیب سے ایک لفافہ نکال کر محل کی طرف اُچھال دیا۔

"سُنو!" اچانک اُسے جیسے کوئی بات یاد آ گئی۔ "اپنے ابّو جان کا کیا نام بتایا تھا تم نے؟" اُس نے پوچھا۔

"خان عاصم جاہ ___" محل نے بے اعتنائی سے جواب دیا اور لفافہ کھول کر خط پڑھنے لگی۔

وہ شوکت کے والد کا خط تھا۔ لکھا تھا ___

عزیزمن شوکت جمال! جیتے رہو

میں کسی اچھے سے موقع کا منتظر تھا کہ تم سے شادی کا ذکر چھیڑوں۔ اب جب کہ تم خود اس معاملے میں دلچسپی لے رہے ہو تو یہ مسئلہ بڑی حد تک حل ہی ہو گیا۔ لیکن بیٹے! تمھیں لڑکی تلاش کرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ میں نے تمھارے لئے ایک لڑکی دیکھ رکھی ہے۔ بنگلور کے میرے ایک پُرانے دوست عاصم جاہ کی اکلوتی صاحبزادی ہے۔ بہت سلیقہ مند، خوش وضع ہے۔ بہرحال تم جلدی سے چھٹی لے کر یہاں آجاؤ..."

اِس سے آگے وہ کچھ اور نہ پڑھ سکی۔ ندامت اور مسّرت کے ملے جُلے احساس سے اُس کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں جبھی اچانک فلیٹ شوکت کے فلک شگاف قہقہوں سے گونجنے لگا اور محل کو ایسا محسوس ہوا جیسے سامنے شوکت نہیں، ابّو جان بیٹھے اُس کی نادانی پر قہقہے لگا رہے ہوں!!

---

جواب طلب امور کے لئے ہمیشہ اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ یا پوسٹ کارڈ بھیجئے ورنہ ہم جواب دینے سے قاصر رہیں گے ___ منیجر بیسویں صدی"



# غزل

پرکاش ناتھ پرویز ایم۔ اے

آدمی چہرۂ احساس نکھر جاتا ہے
جب حادثۂ عشق گزر جاتا ہے

شام آتی ہے تو بڑھتی ہے اداسی دل کی
درد سا درد فضاؤں میں بکھر جاتا ہے

اہلِ دل شوخیٔ رفتار اسے کہتے ہیں
آپ چلتے ہیں تو پھر وقت ٹھہر جاتا ہے

حسن تو خیر، اگر عشق بھی ہمدم سازنہ ہو
آدمی اپنی نگاہوں سے اُتر جاتا ہے

وہی سے تابیٔ جاں ہے وہی نظروں کی تڑپ
دل سے کب تیری محبت کا اثر جاتا ہے

غم کے ماروں کا نہیں ٹھور ٹھکانا کوئی
جذبۂ شوق ہمیں لے کے کدھر جاتا ہے

یاد رہ جاتا ہے احباب کا اندازِ ستم
وقت کی بات ہی کیا، وقت گزر جاتا ہے

اُن کی آنکھوں کا فسوں کارِ تبسم پرویز
مجھ کو بیگانہ مری زیست سے کر جاتا ہے

[illegible]

# غزل

جمال آرچو لسی

وقت کے ہاتھوں بلائیں ہو گئیں نازل کیا کیا
خاک میں مل گئے ہیں جو ہر قابل کیا کیا

مجھکو ساحل بھی نظر آئے ہیں طوفاں بکنار
مجھکو طوفاں میں بھی ہاتھ آئے ہیں ساحل کیا کیا

رنج و غم میں بھی ہنسی آئی ہے اکثر مجھ کو
عیش و عشرت میں بھی تڑپا ہے مرا دل کیا کیا

خود غرض، اہلِ ہوس بھی یہ کبھی غور کریں
آج درپیش ہیں دُنیا کو مسائل کیا کیا

اُس طرف جام چھلکتے ہیں چراغاں کی ہے دھوم
اِس طرف تشنہ لبی ہے سرِ ساحل کیا کیا

ہم پاتے ہی گلستاں میں زباں بندی کا
سربسجدہ نظر آتے ہیں عنادل کیا کیا

ذرہ ذرہ میں ستاروں کی چمک پیدا ہے
مل گئے خاک کے اندر مہ کامل کیا کیا

ڈھل گئی رات، چھپا چاند، ستارے ڈوبے
شبِ فرقت مجھے بہلاتا رہا دل کیا کیا

# غم کی سوغات

حسن محبوب ایم۔ اے (علیگ)
سپلائی انسپکٹر، رام نگر، نینی تال

محترم چچا جان! آداب

پچھلے دن علی گڑھ گیا تو کئی یادیں تازہ ہو گئیں اور ایک افسانہ "غم کی سوغات" کی تخلیق ہوئی۔ افسانہ کے ذریعہ میں علی گڑھ کے شب و روز کو تفصیل سے بیان کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کاغذی بحران کے اِس دَور میں اِسے مختصر ترین بنانے کی کوشش کی ہے۔
... علی گڑھ کی ایک محفل میں آپ کی شاہکار تخلیق "انتخاب تیر و نشتر" کا ذکرِ خاص رہا... درحقیقت آپ نے اپنی پچیس سالہ کاوشوں کو کتابی شکل ہی نہیں دی ہے بلکہ اِس دَوران میں ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی تاریخ کو کمال خوب سے یکجا کر کے وطنِ عزیز کو ایک گرانقدر تحفہ دیا ہے ___ حکومتِ یو۔پی کی جانب سے آپ کو ایوارڈ ملنے پر بہت مُبارکباد! اِس سلسلے میں آپ کا سب سے زیادہ قابلِ تحسین قدم یہ ہے کہ آپ نے اِس ضخیم کتاب کا منافع اور انعام کی رقم شہیدوں کی بیواؤں کے لئے مخصوص کر دی ہے!

نیک تمنّاؤں کے ساتھ
آپ کا ___ حسن محبوب

★

"آخر تمھیں کیا ہو گیا ہے؟"
"کچھ بھی تو نہیں!" وہ میرے غیر متوقع سوال پر چونک پڑا تھا۔
"کچھ تو ضرور ہے۔ تمھارے اندر حیرت انگیز تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے تمھیں کسی سے محبت ہو گئی ہے۔"
"کیا حماقت ہے؟" وہ جھنجھلا اُٹھا۔
"اچھا... خیر چلو یہ تو بتا دو کہ تم پر کس کا جادو چل گیا ہے۔ نرگسی آنکھوں والی غزالہ کا... پھولوں سے نازک شبنم کا...! یا تم کالی گھٹاؤں جیسی زلف والی سروج میں کھو گئے ہو؟" میں ہار ماننے کے مُوڈ میں نہ تھا۔ لیکن میری بات پر وہ خاموشی سے اپنے غصّہ کو دباتے ہوئے کمرہ سے باہر نکل گیا اور میں سنجیدگی سے اُس کے بارے میں سوچنے لگا۔

یہ... آیاز تھا... میرا عزیز ترین دوست! جس کی زندہ دلی کا پُورا کالج گرویدہ تھا۔ وہ جس محفل میں بیٹھتا اُسے اپنی دلچسپ گفتگو سے خوشگوار بنا دیتا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں، زندگی دشوار ہو جائے

لیکن کئی دنوں سے ایاز کے چہرے پر ویرانی سی چھائی تھی

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔ اُس نے ہر موقع پر مجھے اپنا راز دار بنایا اور میں نے بھی ہمیشہ اُس کے غم کا بار اپنے کاندھوں پر لے لیا تھا۔ لیکن آج مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اب ایاز کسی ایسی منزل پر ہے جہاں تک شاید میرے خلوص کی رسائی نہیں۔ اِس کے باوجود میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے عزیز دوست کے غم کا راز معلوم کر کے رہوں گا! میں جلد ہی اُس حسین سراپے کا سُراغ لگا لوں گا، ایاز جس کی زُلفوں کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔

---

دوسرے دن جب کلاسز آف ہو گئے تو میں حسبِ معمول گُنگُناتا ہوا کینٹین کی طرف بڑھنے لگا۔ یہاں کا ماحول قبرستان کی طرح خاموش تھا۔ ایاز کے ایک درجن مصاحب اُس کے انتظار میں بے قراری سے بار بار کینٹین کا دروازہ تک رہے تھے۔ ساتھ ہی اُن کی نگاہیں کسی نئے شکار کی تلاش میں تھیں جو اُن کا میزبان بن سکتا۔ کینٹین سے نکل کر میں کامن رُوم میں آ گیا۔ ریڈیو گرام سے ثریّا کی نغمہ ریز آواز آ رہی تھی ———

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا

کامن رُوم میں بھی ایاز کا پتہ نہ تھا۔ میں اُلٹے پاؤں واپس ہُوا۔ سامنے مولانا آزاد لائبریری کی پُر شکوہ عمارت اپنے دامن میں علم و ادب کے بیش قیمت خزانے محفوظ کئے خاموش کھڑی تھی۔ لائبریری کا پُرسکون اور پُربہار ماحول مجھے بے حد پسند تھا۔ لیکن ایاز کا یہاں دَم گھُٹتا تھا۔ اُس کا شمار اُن بے فکروں میں ہوتا تھا جو علم و ادب کے گرانقدر سرمائے سے محروم رہتے ہیں۔ جن کا ہر لمحہ نئی نئی ایکٹی وِٹی کے غور و فکر کی نذر ہو جاتا تھا۔ میرے قدم بے اختیار "میگزین سیکشن" کی طرف بڑھنے لگے۔ سرحد پر جنگ جاری تھی اور ہر لمحہ آنے والی ہندوستان کی کامیابی کی خبروں پر ہر شخص کے چہرے پر ایک نیا نُور بیدار ہو جاتا تھا۔ لوگ میزوں پر جھکے اخبار میں کھوئے ہوئے تھے۔ اچانک میرے اُوپر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سامنے کی میز پر ایاز اخبار پھیلائے بہت سنجیدگی سے مطالعہ کر رہا تھا۔ ایاز کی غیر متوقع موجودگی پر حیرت ہوئی۔ لیکن دوسرے لمحے میرا ماتھا ٹھنکا۔ اُس کی میز کے سامنے لڑکیوں کا ایک مجلّہ "بیسویں صدی" میں شائع "تیرِ نشتر" پر بحث کر رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اخبار کی جگہ شوخ و شنگ لڑکیوں میں دلچسپی لے رہا ہو۔۔ خیالوں کے فردوس میں کھویا ہو۔ میں نے آگے بڑھ کر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اُچھل پڑا۔

"اوہ ۔۔۔ تم ۔۔۔؟"

"ہاں ۔۔۔ میں! لیکن حضور نے آج اِدھر کا کیسے رُخ کیا؟"

"کچھ نہیں ۔۔۔ ذرا خبریں دیکھ رہا تھا ۔۔۔!" وہ پھر اخبار میں گُم ہو گیا۔

اخبار دیکھ رہے ہو یا کسی حسین سراپے میں کھوئے ہوئے ہو ۔۔۔؟"

"تم میری ہر بات کو غلط ثابت کرنے پر آمادہ ہو!" وہ اخبار چھوڑ کر خاموشی سے اُٹھ گیا۔ میں بھی اُس کے ساتھ اُٹھ گیا۔ کئی دنوں کے بعد شیو کرنے پر اُس کی رنگت نکھر گئی تھی۔ گہرے رنگ کے سُوٹ پر گہرے نیلے رنگ کی ٹائی میں اُس کی شخصیت اور نمایاں ہو گئی تھی۔ لیکن چہرے پر اب بھی اجنبی اُداسی کے بادل چھائے تھے۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ چلتا رہا۔ پاس ہی سے کئی حسین لڑکیاں گزر گئیں، لیکن اُس کی سنجیدگی میں فرق نہ آیا۔ آج اُس کی اِس بے نیازی پر بے حد حیرت ہوئی۔ آج ایاز نے اُن پر فقرے کسے نہ اُن کی اداؤں پر کوئی شعر پڑھنے کی جسارت کی۔ میں نے خاموشی کا طلسم توڑتے ہوئے اُسے مخاطب کیا۔

"حبیب ہال چلتے ہو ۔۔۔؟ شکیل نے ایک شکار کیا ہے جس کی شاندار ریگنگ کرنی ہے!"

"میرے پاس اِن لغویات کے لئے وقت نہیں!" اُس کے جواب پر مجھے شدید جھنجھلاہٹ ہوئی لیکن میں نے ضبط سے کام لیا۔

"اچھا تو ۔۔۔ بلال قدوائی کے ہاں چلو ۔۔ فیض کی غزلوں کا نیا ٹیپ آ گیا ہے!"

"پھر کبھی سہی ۔۔۔ ابھی نہیں ۔۔۔!"

"معلوم ہوتا ہے کوئی بہت خطرناک اسکیم بنانے کا ارادہ ہے جبھی تو اتنی خاموشی اور سنجیدگی سے پلان بنایا جا رہا ہے" میری بات پر ایاز تڑپ اُٹھا۔

"تم مجھے غلط سمجھتے رہے ہو... زندگی میں حُسن و عشق، کیف و سُرور، ناز و انداز اور عیش و عشرت کے علاوہ اور بہت کچھ ہے۔ اپنی اِس محدود دُنیا سے باہر نکل کر دیکھو زندگی کی حقیقت کیا ہے!" ایاز بے حد جذباتی ہو گیا تھا اور میرے اندر اضطراب کا ایک عالم بیدار ہو گیا۔

"ایاز! کون سا غم ہے جس نے تمہارے وجود میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے!"

"وقت آنے پر تم ساری حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ گے!" ایاز اِتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ باقی راستہ ہم نے خاموشی سے طے کیا تھا۔

---

ہوسٹل پہنچ کر میں نے فیصلہ کر لیا کہ جلد ہی اُس ہستی کو تلاش کر کے دم لوں گا جس نے ایاز کی زندگی میں ہیجان برپا کر دیا ہے۔ جس نے اُس کی زندگی کی رنگین شام کو اُداسی کے عمیق اندھیروں میں گُم کر دیا ہے۔ وہ کون ہے جس کی معطر زُلفوں میں کھو کر وہ مجھ سے بیگانہ سا ہو گیا۔ یہاں تک کہ خود کو بھی فراموش کر چکا ہے۔ بہت دیر تک میرے خیالات کے دریچوں میں کئی دلنواز چہرے اپنے ساتھ رنگ و نُور اور کیف و سرور لئے ایک کے بعد ایک آتے اور جاتے رہے اور میں ہر ایک کے ساتھ ایاز کو منسوب کرتا رہا۔

دوسرے دن صُبح میں دیر سے بیدار ہُوا۔ بیرا چائے کا سامان رکھ کر جا چکا تھا۔ ایک انگڑائی لے کر میں اُٹھ بیٹھا۔ لیکن دوسرے لمحے چونک پڑا اور نگاہیں سامنے میز پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ نیلے لفافے پر ایاز کی مخصوص تحریر صاف عیاں تھی۔ میں نے بے قراری کے عالم میں لفافہ کھولا اور خط نکال کر پڑھنے لگا ——

"میرے محبوب!

کچھ غم ایسے ہوتے ہیں جن سے انسان کا ابدی رشتہ ہوتا ہے۔ غم کا یہ مقدس رُوپ دُنیا کے ہزاروں غم سے برتر ہے۔ ایسا ہی ایک غم میرے وجود میں انقلاب برپا کئے ہے۔ آج ہندوستان پر جارحانہ عزائم کا ناپاک حملہ ہُوا ہے اور مُلک کی حفاظت کے لئے جواں خون کی ضرورت ہے۔ میں حُسن و عشق اور کیف و سرور کی رنگین دُنیا سے قُربانی اور ایثار کی بستی کی طرف جا رہا ہوں... تم اِسے کچھ بھی کہہ لو۔ لیکن مجھے اپنے غم کی اِس سوغات پر فخر ہے!

ایاز"

خط پڑھ کر میں نے جھرجھری سی لی اور مجھے ایسا محسوس ہُوا۔ ہمیشہ دُوسروں کو مذاق کا نشانہ بنانے والے ایاز نے آج ایک نئی ٹریجڈی کر ڈالی ہو!!

---

## غزل

مختار ٹونکی

چار سُو حُسن کا طوفان بپا ہو جیسے
سارے عالم میں تُو ہی جلوہ نُما ہو جیسے

گفتگو کا مجھے ارمان رہا کرتا ہے
میرے سینے میں کوئی راز چھپا ہو جیسے

راہِ دشوار میں سرگرمِ سفر ہوں تنہا
ذوقِ منزل ہی مرا راہ نُما ہو جیسے

بے خبر ایسے ہیں وہ حالِ پریشاں سے مرے
حُسن کا عشق سے عالم ہی جُدا ہو جیسے

یُوں سیہ خانۂ دل میں ہے ترا عکسِ جمال
جھیل میں چاند کہیں تیر رہا ہو جیسے

مرمریں پا ہیں یہ شاداب و شگفتہ چہرہ
جسم یہ نور کے سانچے میں ڈھلا ہو جیسے

کیف۔۔ سبرات میں رقصاں ہے مرا ذوقِ نظر
کہکشاں تیرا ہی نقشِ کفِ پا ہو جیسے

# غزلیں

## رفیعہ شبنم عابدی ایم۔ اے۔ بی ایڈ

خرد نے ٹھوکریں کھائیں، جنوں ہی اپنے کام آیا
گزرگاہِ محبت میں اک ایسا بھی مقام آیا

بڑے کھوئے ہوئے انداز میں وہ سنتے آئے تھے
بیک یک چونک اُٹھے جب داستاں میں میرا نام آیا

وہ مجھ سے ملنے آئیں گے، مگر خوابوں میں آئیں گے
پیام آیا مگر کتنا انوکھا سا پیام آیا

اُنھیں بھیجا تھا خط مُدت ہوئی لیکن نہ جانے کیوں
نہ اب تک نامہ بر لوٹا، نہ کچھ اُن کا پیام آیا

ترے اشکوں نے شبنم غنچہ و گل کو نمو بخشی
خوشا بختے! کہ رونا بھی ترا اوروں کے کام آیا

## کرشن مراری ایم۔ اے

ہر منظرِ حیات کو دیکھا کئے ہیں ہم
اِک حُسنِ لازوال کو ڈھونڈا کئے ہیں ہم

ہم بندگی میں اپنے ہی آگے ہیں سجدہ ریز
یُوں خود سے چل کے خود کو ہی پہنچا کئے ہیں ہم

بڑھتی رہی ہے درد کی شدت شبِ فراق
پل پل کسی کی یاد میں تڑپا کئے ہیں ہم

تصویر اِک حسین سی دِل میں اُتار کر
معبودِ کائنات کو پُوجا کئے ہیں ہم

رہ کر ہر ایک ربط و تعلق سے بے نیاز
ہر جادۂ حیات سے گُذرا کئے ہیں ہم

تیرا وِصال زیست ہے تیرا فراق مرگ
یُوں موت اور حیات کو دیکھا کئے ہیں ہم

## رضواں بارہ بنکوی

جس نے ادھورے خواب دکھائے تمام رات
یارب اُسے بھی نیند نہ آئے تمام رات

تیرے بغیر پھر بھی چراغاں نہ ہو سکا
لاکھوں چراغ دِل نے جلائے تمام رات

ہم نے تڑپ تڑپ کے شبِ غم گذار دی
اِک لمحہ تجھکو بھول نہ پائے تمام رات

دِل بن گیا ہجومِ تمنا کی رہگذر
آنا تھا جنکو وہ نہیں آئے تمام رات

رضواں افق پہ دل کے نہ ابھرا خوشی کا چاند
بیٹھے رہے ہم آس لگائے تمام رات

## چندر پرکاش جوہر بجنوری

تمام حسن مکمل شباب بن جاؤں
یہ آرزو ہے کہ تیرا جواب بن جاؤں

ہو چاندنی کی طرح میرے پیار کی خوشبو
کبھی میں پھول کبھی ماہتاب بن جاؤں

کبھی میں صاف نظر آؤں آئینے کی طرح
کبھی میں آپ ہی خود اپنا حجاب بن جاؤں

سجا کے ذہن میں کچھ زخمِ آرزو جوہر
خود اپنے خواب کی تعبیرِ خواب بن جاؤں

# تاریکیوں کے صحرا

ڈاکٹر یوسف گوہر شاہجہانپوری

ایمن زئی، جلال نگر، نزد چوپال، شاہجہانپور (یو۔پی)

محترمی خوشتر گرامی صاحب! آداب

اُمید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔ لیجئے ایک نازک سی بات کو کہانی کا روپ دے کر آپ کے بے پایاں خلوص کی نذر کر رہا ہوں ——— "رشتے کی دیوار" کو قارئینِ "بیسویں صدی" نے بے حد پسند فرمایا۔ یہ بات میرے لئے باعثِ مسرت ہے۔ محترم حامد مینائی صاحب آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں . . .

خلوص کیش
یوسف گوہر

★

وہ آج بھی ہر روز کی طرح تبسّم کی چاندنی بکھیر رہی تھی۔ آج پھر مجھے دیکھ کر اُس کا چہرہ کھل اُٹھا، شاداب گلابی ہونٹ اور شفق گوں ہو گئے اور میں آج پھر اُس کے حسین پیکر میں کھو گیا۔ صندل اور میدہ میں گندھا ہوا پُرکشش جسم، جسم کا ہر زاویہ دلکش، ہر انداز دلفریب، وہ حُسن و شباب کا درخشندہ آفتاب معلوم ہوتی تھی۔

میں ایک ہفتے سے اُسے      کر رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھل اُٹھتی تھی، اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگتی تھی۔ وہ ٹھیک میرے آفس جانے کے ٹائم پر اپنی کوٹھی کے لان میں ٹہلنے لگتی اور جب تک میں اُس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جاتا تھا وہ برابر میری طرف دیکھتی رہتی تھی۔ یہ بس ایک ہفتے سے ہو رہا تھا اور میں حیران ہوں، متفکر ہوں۔ اکثر تنہائی میں بیٹھ کر اُس کے بارے میں سوچا کرتا ہوں۔ لیکن کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتا ہوں۔ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے، وہ میری طرف کیوں اس طرح دیکھتی ہے۔ میں تو ایک معمولی کلرک ہوں۔ بالکل سادہ سا میرا لباس ہے۔ میرے ہپّی کٹ بال ہیں۔ نہ جسم پر بیل باٹم پتلون اور نہ پیر میں اُونچی ہیل کا جُوتا ہے۔ نہ میں اُسے جانتا ہوں اور نہ شاید وہ مجھے جانتی ہے۔ ہاں میرے آفس جانے کے راستہ میں اُس کی کوٹھی ضرور پڑتی ہے۔ ایک ہفتہ پہلے تو وہ میرے لئے اجنبی تھی، غیر تھی، نا آشنا تھی اور اب . . . اب نہ جانے وہ میرے لئے کیا ہے اور میں اُس کے لئے کیا ہوں۔ میں اب تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ اُس کے لبوں پر تبسّم دیکھ کر میرے دل میں بھی آرزوئیں کروٹیں لینے لگی ہیں۔ کئی بار میں نے چاہا ہے کہ اُس سے کچھ بات کروں۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا لیکن آج . . .

آج میں ضرور سکوت کا طلسم توڑ دوں گا۔ اس کے خیالات معلوم کروں گا۔ یہ سوچ کر میں اُس کے بالکل قریب پہنچ جاتا ہوں۔ لیکن ——— لیکن میرا دل! میرا دل ایک انجانے خوف سے گھبرانے لگتا ہے، زبان گنگ ہو جاتی ہے اور میں فوراً آگے بڑھ جاتا ہوں۔ وہ مجھے دیکھتی رہ جاتی ہے۔ اُس کے ہونٹ تھرتھراتے تو ہیں لیکن کھلتے نہیں۔ میں پیچھے مُڑ مُڑ کر اُسے دیکھتا

جاتا ہوں یہاں تک کہ میں دوسری موڑ پر پہنچ جاتا ہوں جہاں سے میرا آفس نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن آج نہ جانے کیوں آفس میں میرا دل نہیں لگتا۔ طرح طرح کے خیالات میرا پیچھا کرنے لگتے ہیں۔ میں سارا دن آفس میں کوئی کام نہیں کر پاتا ہوں۔ پھر پھر میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے۔ کیوں نہ اُسے ایک خط لکھا جائے۔ یہ خیال آتے ہی میں اُسے خط لکھنے لگتا ہوں لیکن... لیکن اُس کا نام تو معلوم نہیں ہے۔ اُسے خط کس طرح لکھوں ؟ میں نے تو آج تک کبھی اِس نوعیت کا نامہ لکھا نہیں ہے۔ میں بہت دیر تک سوچوں کے سمندر میں غرق رہتا ہوں۔ پھر ہمت کر کے تھوڑا سا خط لکھتا ہوں۔ پھر اُسے خود پڑھتا ہوں۔ لیکن یہ خط مجھے جچتا نہیں۔ میں خط چاک کر کے پھینک دیتا ہوں۔ پھر دوسرا کاغذ لیتا ہوں اور بہت دیر تک خط کی ابتدا کرنے کے لئے سوچتا رہتا ہوں۔ القاب میری سمجھ میں نہیں آتے ہیں۔ خط کا کوئی مضمون نہیں جچتا۔ میں سوچتا ہوں کسی سے مشورہ کر لوں لیکن نہیں، اِس سے تو اُس کی بدنامی ہو سکتی ہے۔ میرا مذاق بھی بنایا جا سکتا ہے۔ پھر میں خود ہی بہت سوچ سمجھ کر خط شروع کرتا ہوں۔

جانِ من

ہمیشہ تمھارے گلابی ہونٹ ہمکنارِ مسرت رہیں

میں تمھارا نام نہیں جانتا اور شاید تم بھی میرے نام سے ناواقف ہو۔ لیکن تم ایک ہفتہ سے میری جانب متوجہ ہو۔ یہ میں اچھی طرح محسوس کر رہا ہوں۔ یقیناً تمھارے دل میں محبت کی چنگاری بھڑک اُٹھی ہے اور تمھاری نظرِ انتخاب مجھ پر پڑی ہے۔ میں اپنے کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں۔ تم ہر روز میرے انتظار میں اپنی کوٹھی کے لان میں ٹہلا کرتی ہو اور جب میں تمھیں آتے ہوئے دکھائی دیتا ہوں تو تم خوشی سے جھوم اُٹھتی ہو۔ تمھارے لبوں پر تبسّم کی چاندنی بکھر جاتی ہے، تمھارے گلابی ہونٹ اور سُرخ ہو جاتے ہیں۔ لیکن تمھارے اور میرے درمیان ابھی تک ایک خلیج ہے۔ خاموشی کی خلیج! آج میں اِس خلیج کو مٹا رہا ہوں، سکوت کا طلسم توڑ رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ تم اِسے میری گستاخی نہ سمجھو گی۔ میرے اِس محبت نامہ کو آنکھوں سے لگاؤ گی۔ سینہ میں چھپا کر رکھو گی۔ دن میں کئی کئی بار پڑھو گی

اور رات کو اپنے تکیہ کے نیچے رکھ کر سو جایا کرو گی۔ اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ کل پھر ملاقات ہوگی۔

جواب کا منتظر
شکیب

خط لکھ کر میں اُسے کئی کئی بار خود بھی پڑھتا ہوں اور جب مجھے اطمینان ہو جاتا ہے کہ خط میرے دلی جذبات کی صحیح عکّاسی کر رہا ہے تو اُسے ایک خوبصورت سے لفافہ میں بند کر کے حفاظت سے رکھ لیتا ہوں۔

شام کو لوٹتے وقت میں پھر اُسی راستہ سے گزرتا ہوں۔ لیکن وہ اِس وقت وہاں موجود نہیں ہے۔ میں دوسرے دن کے لئے تیاری کرنے لگتا ہوں اور دوسرے دن بھی نیا سوٹ پہن کر، بالوں کو نئے اسٹائل سے سنوار کر، سگریٹ کا دھواں ہوا میں اُڑاتا ہوا اُس کی کوٹھی کے پاس سے آہستہ آہستہ گزرتا ہوں۔ وہ آج بھی اِسی طرح لان میں کھڑی مسکراہٹیں بکھیر رہی ہے۔ میں اُس کے بالکل قریب جاتا ہوں اور لفافہ اُسے دے دینا چاہتا

ہوں۔ لیکن ایک انجانے خوف سے آج پھر میرا دل گھبرانے لگتا ہے اور میں کوٹھی سے آگے بڑھ جاتا ہوں۔ تھوڑی دُور آگے بڑھ کر میں پیچھے کی طرف مُڑ کر دیکھتا ہوں۔ وہ اب بھی مُسکرا رہی تھی۔ میری ہمت بندھ جاتی ہے۔ میں واپس لوٹ آتا ہوں اور اس بار لفافہ اُس کی طرف بڑھا دیتا ہوں۔ وہ کچھ پس و پیش کے بعد لفافہ لے لیتی ہے اور میں بہت تیزی سے اپنے آفس کی طرف چل دیتا ہوں۔ شام کو جب آفس سے واپس آتا ہوں تو وہ لان میں کھڑی مُسکرا رہی ہوتی ہے اور جب میں اُس کے قریب سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے مخاطب کرتی ہے اور میرے ہاتھ میں ایک لفافہ تھما دیتی ہے۔ میں لفافہ کو لے کر جلدی سے قریب کے ایک ہوٹل میں گھس جاتا ہوں اور بہت بیتابی سے لفافہ کو چاک کر کے خط پڑھنے لگتا ہوں ــــــ

محترم شکیب بھائی! آداب

مجھے آپ کے سوئیٹر کا ڈیزائن بہت پسند ہے اور آج کل میں اپنے شوہر کا بھی اِسی نمونہ کا سوئیٹر بُننا چاہتی ہوں۔ آپ سے جان پہچان نہیں ہے اس لئے آپ کے آفس کے وقت یہاں آکر کھڑی ہو جاتی ہوں اور ڈیزائن اُتارنے کی کوشش کرتی ہوں۔ مُسکرانا میری عادت ہے۔ اگر آپ دو چار دن کے لئے اپنا سوئیٹر عنایت کر دیں تو آپ کی ممنون ہوں گی۔

آپ کی بہن

عشرت جہاں

خط پڑھ کر میں تاریکیوں کے صحرا میں بھٹکنے لگتا ہوں۔ میں خط کو توڑ مروڑ کر کھڑکی سے باہر پھینک دیتا ہوں اور تھکے تھکے قدموں سے گھر کی طرف چل دیتا ہوں !!

---

## رسالہ نہ ملنے کی شکایت

دو مرتبہ پتے چیک کرنے کے بعد "بیسویں صدی" ہر ماہ باقاعدگی سے سُپردِ ڈاک کیا جاتا ہے۔

اِس کے باوجود شکایتی خطوط موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔

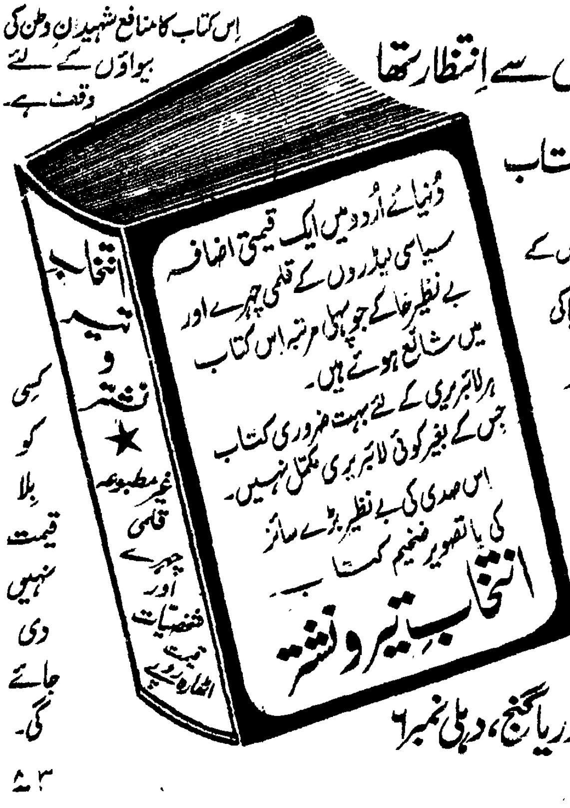
۱۵ تاریخ کے بعد شکایتی خطوط موصول ہونے پر دوبارہ پرچہ بھیجنے سے ہم معذور رہتے ہیں۔ رسالہ نہ ملنے کی شکایت محکمۂ ڈاک سے بھی کیجئے ــــــ منیجر

---

# وہ عظیم الشّان باتصویر کتاب جِس کا آپ کو برسوں سے اِنتظار تھا

## اُردو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی منفرد کتاب

اِس کتاب کا منافع شہیدانِ وطن کی بیواؤں کے لئے وقف ہے۔




کسی کو بلا قیمت نہیں دی جائے گی۔

"بیسویں صدی" کے تیر و نشتر کا پچیس سالہ انتخاب ــ اس کے علاوہ لیڈرانِ کرام کو تیر و نشتر کے انداز میں اس دلیری اور بے باکی سے بے نقاب کیا گیا ہے کہ آپ انہیں اُن کے اصلی رُوپ میں دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے۔ مصنّف کی خود نوشت دردناک داستانِ حیات بھی اِس کتاب میں شامل ہے۔

ہر صاحب ذوق کے لئے اس کا مطالعہ ایک نعمت سے کم نہیں۔ خود خریدئے اور اپنے عزیزوں کو بطور تحفہ پیش کیجئے۔

**پتہ:۔ رسالہ بیسویں صدی، پوسٹ بکس نمبر ۱۳۴۲، دریا گنج، دہلی نمبر ۶**

# غزلیں

**محمد سلیمن شیدائی۔ اے**

پھر اوج پہ رندوں کی قسمت کا ستارا ہے
پیالہ بکف ہو کر ساقی نے پکارا ہے

اوروں کو عبادت پہ ہے ناز تو ہو یارب
مجھ کو تو فقط تیری رحمت کا سہارا ہے

خاکِ درِ جاناں کی اللہ رے تابانی
ہر ذرہ جبیں پر اک تابندہ ستارا ہے

دیکھیں نہ مری جانب دزدیدہ نگاہوں سے
رسوا ہوں سرِ محفل کب مجھکو گوارا ہے

وعدوں کا بھلا دینا وعدوں کا وفا کرنا
یہ کام ہمارا ہے وہ کام تمہارا ہے

اک عمرِ وفا گذری تب جا کے کہیں شیدا
ہم نے بتِ خود بیں کو شیشے میں اتارا ہے

**مختار ٹونکی**

بزمِ انجم دلہن سی لگتی ہے
یہ تری انجمن سی لگتی ہے

جان لیوا ہے کتنی تنہائی
چاندنی بھی کفن سی لگتی ہے

جب بھی آتے ہیں وہ خیالوں میں
ساری دنیا دلہن سی لگتی ہے

زخم کیا ہیں حسین کلیاں ہیں
دل کی نگری چمن سی لگتی ہے

زندگی کی حلاوتیں تو بہ
میٹھی میٹھی جلن سی لگتی ہے

شہرِ طیبہ کی ہر گلی مختار
مجھ کو باغِ عدن سی لگتی ہے

**رئیس رامپوری**

جگر پارے سے کھو کر رہ گیا ہوں
کئی یادوں کو رو کر رہ گیا ہوں

مجھے بھیجا گیا مختار کر کے
مگر مجبور ہو کر رہ گیا ہوں

یہ بیٹھے بیٹھے کس کی یاد آئی
کہ میں پلکیں بھگو کر رہ گیا ہوں

کہاں ہوں میں کہاں ہے میری منزل
یہ کن راہوں میں کھو کر رہ گیا ہوں

رئیس اتنا ہوا بس شاعری سے
ذرا بدنام ہو کر رہ گیا ہوں

**جمال بھارتی**

بہاروں کا چمن میں دور اتنا مختصر آیا
جو گل اک بار دیکھا پھر نہ ڈالی پر نظر آیا

اسی سے جادۂ منزل کی دشواری سمجھ لیجے
لرزتا کانپتا ہمراہ میرے راہبر آیا

مجھے روکا کئے رخسار و کاکل بادہ و مینا
مگر منہ پھیر میں ان کی راہوں سے گذر آیا

کوئی صورت نہ تھی بچنے کی لیکن اس کو کیا کہئے
تمہارا نام لے کر ڈوبنے والا ابھر آیا

جمالِ زار گر کر خاک پر شبنم نے کیا پایا
بنا جانِ گلستاں وہ جو قطرہ پھول پر آیا

# پانچ بجکر پندرہ منٹ

ایس۔ ایس۔ پرویز

میننجنگ ڈائرکٹر گےوریٹہ پبلیشنز پرائیویٹ لمٹیڈ
۱۷ اگست ۱۹۷۵ء

خوشتر بھائی! محبت!!

میری کبھی یہ عمر دل پر چوٹ کھانے کی تھی۔ چھ ماہ میں یہ دوسرا ہارٹ اٹیک ہے۔ اب تو حالت کچھ ایسی ہے کہ کھانا کھاؤ تو سینے میں درد، نہ کھاؤ تو سینے میں درد۔ سیر کو نکلو تو سینے میں درد۔ لیٹ جاؤ تو سینے میں درد۔ ڈاکٹر اِسے انجائنا کہتے ہیں۔ میں اِسے انجانی آفت سمجھتا ہوں۔ یہ خدا جانے کب چھاتی کو دبوچ لے۔ طبیعت میں ایک طرح کی بیزاری سی پیدا ہو گئی۔ شاید یہ بیزاری آپ کو اِس افسانہ میں بھی شدت سے محسوس ہو۔

آپ کا اپنا
پرویز

شیلا کے گھر سے نکلتے ہوئے سُریندر کا دماغ کھَول رہا تھا۔ اُس نے کبھی خواب میں بھی یہ نہ سوچا تھا کہ شیلا اُسے ٹھکرا دے گی۔ اُسے تو خیال تھا کہ شادی کا ذکر آتے ہی وہ دونوں بازو اُس کے گلے میں ڈال دے گی اور کہے گی۔

"سُریندر ڈارلنگ! تم آج تک خاموش کیوں رہے۔ میں تو مدت سے اِس دن کا انتظار کر رہی تھی!"

لیکن ہُوا اِس کے بالکل برعکس۔ شادی کا ذکر آتے ہی شیلا چونک سی اُٹھی۔ اُس نے حیرت سے سُریندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سُریندر ڈیر! یہ تم کہہ رہے ہو! میں نے تو ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔"

"تو پھر اب سوچ لو۔" سُریندر نے ترغیب دی تھی۔

"اب سوچنے سے کیا ہو سکتا ہے۔ میری شادی تو چار سال پہلے ہی سیٹھ ہرجس رائے کے لڑکے ونود بہاری رائے سے طے ہو چکی ہے اور اب بی۔ اے کا نتیجہ نکلتے ہی شادی ہونے والی ہے۔"

"اوہ! لیکن تم نے مجھ سے کبھی پہلے تو اِس کا ذکر نہیں کیا؟"

"اِس میں ذکر کی بات ہی کیا تھی۔ ہم دو اچھے دوستوں کی طرح ملتے تھے، بیٹھتے تھے، ہنستے تھے۔ مجھے تو خیال بھی نہ تھا کہ تم اِن ملاقاتوں کو اور رنگ میں لے جاؤ گے۔"

"اور وہ جو تم کہتی تھیں کہ سُریندر اگر کبھی تم مجھ سے جدا ہو گئے تو میرا کیا ہو گا؟"

"وہ تو میں اب بھی کہتی ہوں۔ جتنی مدد تم نے مجھے بی۔ اے کی تیاری میں دی تھی اور کون دے سکتا ہے۔ یہ تمہاری ہی وجہ سے ہے کہ مجھے فرسٹ ڈویژن میں پاس ہونے کی اُمید ہے۔"

"اوہ! لیکن آگے تو تمھیں کوئی امتحان نہیں دینا ہے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ زندگی میں سینکڑوں مرحلے آتے ہیں۔ جب ایک سچے دوست کی ضرورت پڑتی ہے۔"

"دوست! دوست! دوست!" سُریندر نے جھنجلا کر کہا۔ "شیلا! کیا تم نے مجھے مٹی کا ٹکڑا سمجھ رکھا ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ میرے دل میں بھی جذبات ہیں اور میں اِن جذبات کو کچل نہیں سکتا۔"

"جذباتی مت بنو سُریندر! میں نے ہمیشہ تمھیں جذباتی جوکروں سے بلند سمجھا ہے۔ تم کیوں اِس پست ذہنیت کا مظاہرہ کرکے اپنے آپ کو اُن کی سطح پر لاتے ہو۔"

"میری بلندیاں خاک میں مل گئی ہیں شیلا! اور تم مجھ سے کہتی ہو کہ میں پست ذہنیت کا اظہار کر رہا ہوں۔ میری قوتِ فکر مرگئی ہے۔ میرے خیالات کی پرواز مرگئی ہے۔ میرے زندہ رہنے کا سہارا ٹوٹ گیا ہے اور تم مجھے اخلاق کا درس دے رہی ہو؟"

"اوہ! سُریندر! تم اِتنے جذباتی ہو۔ میں نے کبھی زندگی میں سوچا بھی نہ تھا!" کہتے کہتے شیلا نے اپنے دونوں ہاتھ سُریندر کے کاندھوں پر رکھ دیئے۔

"مت چھوؤ مجھے!" سُریندر نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "میرے دل میں آگ لگا کر اب تم اُسے لفظوں کی شیتل دھارا سے ٹھنڈی کرنا چاہتی ہو۔ میرے سینے میں خنجر بھونک کر اب تم میرا حوصلہ بلند کرنا چاہتی ہو۔ مت بھولو شیلا! جو محبت کرنا جانتے ہیں وہ محبت کی آگ میں جلنا بھی جانتے ہیں۔ تمھیں میٹھی میٹھی باتوں سے لوگوں کا دل بہلانا خوب آتا ہے۔ لیکن یہ فریب ساری زندگی نہیں چل سکتا۔ وہ سُریندر اب مر چکا ہے جو تمھارے لئے جان بھی دے سکتا تھا۔ اب تم اُسے دوبارہ کبھی حاصل نہیں کرسکتیں!" کہتے کہتے سریندر تیزی سے شیلا کے کمرے سے باہر ہوگیا۔

سڑک پر پہنچ کر سُریندر سوچ رہا تھا۔ اگر شیلا اِتنی بے وفا ہوسکتی ہے تو پھر کسی اور لڑکی سے کیا توقع کی جاسکتی ہے۔ یہ صنفِ نازک کی سنپولیاں قابو میں آتے ہوئے ہر مرد کو ڈس لینا اپنا دھرم سمجھتی ہیں۔ اِن کے خمیر ہی میں دھوکا ہے۔ اِن کے جسم کی ملائمیت دھوکا ہے۔ اِن کی معصوم مسکراہٹ دھوکا ہے۔ اِن کے ناز و عشوے دھوکا ہیں۔ جب تک اِنھیں ایک مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ پیار سے، محبت سے، ناز سے، ادا سے اُس کا خون چوستی ہیں۔ جب کام نکل جاتا ہے تو اِس طرح آنکھیں پھیر لیتی ہیں جیسے کبھی اُس سے واسطہ تک نہ تھا۔ جبھی تو ہمارے شاستروں میں عورت کو میٹھی چھری کہا گیا ہے۔ جبھی تو کبیر داس کہہ گئے ہیں ——

نارِی پرائی، آپنی، بھوگے نرکے جائے
آگ آگ سب ایک ہیں، ہاتھ دیتے جل جائے

آج تک لاکھوں کروڑوں مرد اِس آگ سے جلے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ عورت آگ ہے۔ لوگ بے تاب ہوکر اِس آگ میں جلنے کے لئے بڑھے چلے آتے ہیں۔ مُسکراتے مُسکراتے جلتے ہیں اور مُنہ سے آہ تک نہیں نکالتے —— یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟ کب تک مرد اِن لپکتے ہوئے شعلوں میں بھسم ہوتے رہیں گے۔ اِن عورتوں کا تو نام و نشان تک مِٹ جانا چاہیئے تاکہ یہ زہریلی ناگنیں پھر کسی مرد کو ڈس نہ سکیں، تاکہ پھر کوئی مرد اِن کے فریب کی سُلگتی ہوئی آگ کی لپیٹ میں نہ آسکے۔

اب اِس شیلا ہی کو دیکھو۔ کس طرح میرے آگے پیچھے منڈلاتی تھی۔ جب میں اُسے پڑھانے اُس کے گھر پہنچتا تھا تو اِس طرح کھِل اُٹھتی تھی جیسے دونوں جہاں کی دولت اُسے مِل گئی ہو۔ وہ میرا کتنا خیال کرتی تھی۔

"سُریندر جی! آپ نے چائے تو پی ہی نہیں۔ یہ گاجر کا حلوہ تو ویسے ہی پڑا ہے! اِسے تو میں نے آپ ہی کے لئے بہت ... سے بنایا ہے۔ سُریندر جی! آپ اپنے بالوں سے اِتنے بے پرواکیوں ہیں۔ لایئے، میں آپ کے بالوں میں کنگھی کردوں۔ سُریندر جی! بھلا بتایئے اِس لفافہ میں کیا ہے؟ جی نہیں میں نہیں بتاؤں گی! اچھا کہیئے کہ ہار گئے! لیجئے دیکھئے۔ یہ سوئیٹر میں نے پورے ایک مہینے میں بُنا ہے۔ آپ سے چھُپا چھُپا کر! پسند آیا آپ کو؟ داد دیجئے میری پسند کی! مجھے معلوم ہے۔ آپ کو کریم رنگ پسند ہے۔ میرا بھی پسندیدہ رنگ کریم ہے۔ سُریندر جی! ہماری پسند کتنی یکساں ہے۔ ہمارے خیالات کتنے ملتے ہیں۔ جیسے ہمارا ...

ہمیں ایک دوسرے کے لئے ہی بنایا ہو!

اور اب یہی شیلا کہتی ہے یہ سب ایک دوست کا پیار تھا۔ تو کیا ایک دوسرے سے کبھی جُدا نہ ہونے کے ارمان اِسی دوستی کے پرتو تھے؟ اور اُسے ایسا محسوس ہُوا جیسے اُس کے سینے میں آگ لگ گئی ہو۔ بھڑکتی ہے، اِتنا جھوٹ صرف ایک عورت ہی بول سکتی ہے۔ اُسے حیرت ہوئی کہ وہ اِتنا جھُوٹ سُن کر کیسے چُپ چاپ اُس کے گھر سے چلا آیا۔ اُسے تو وہیں اُس کا گلا گھونٹ دینا چاہئے تھا تاکہ اِس دُنیا سے فریب کی ایک پُتلی تو کم ہوتی اور اُس کا جی چاہا وہ ابھی واپس چلا جائے اور شیلا جہاں بھی ہو اُسے دبوچ کر اُس کا گلا گھونٹ دے۔

لیکن نہ جانے کیوں واپس شیلا کے گھر جانے کو اُس کی طبیعت نے اِنکار کر دیا۔ شاید وہ اُس مقام کے قریب بھی نہ جانا چاہتا تھا جہاں اُس کے ارمانوں کی لاشیں بے گور و کفن پڑی تھیں۔ جہاں اُس کی محبت کے سُہانے سپنوں نے کراہ کراہ کر دَم توڑ دیا تھا۔ اب تو اُس کے سینہ میں نفرت کے زہریلے ناگ پھنکار رہے تھے۔ اُس کا سینہ کھَول رہا تھا اور اُس کے جسم کا ایک ایک رُواں پُکار رہا تھا۔ انتقام۔ انتقام —— ہاں وہ اِس صنفِ نازک سے انتقام لے گا۔ اِس کا بس چلا تو وہ اُن کی ہستی تک مِٹا ڈالے گا جہاں بھی اُسے موقع مِلا وہ کسی نہ کسی لڑکی کا گلا گھونٹ ڈالے گا اور اُس کے تڑپنے اور تلملانے کا نظارہ کرے گا۔ یہ لڑکیاں اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہیں۔ یہ مَردوں کو فریب پہ فریب دیتی آ رہی ہیں اور کوئی اِن سے پُوچھتا تک نہیں۔ جنّت سے آدم کو نِکالنے سے لے کر شیلا کے گھر سے سُریندر کو نِکالنے تک اِن کی ساری تاریخ فریب سے بھری ہے۔ یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے اور سنگلاخ چٹان کی طرح سخت دل رکھنے والیاں اپنے آپ کو صنفِ نازک کہتی ہیں، اور اِسی نام کے فریب سے سادہ لوح مَردوں کا سینہ چیر کر رکھ دیتی ہیں۔ یہ بھُول رہی ہیں کہ مَردوں میں کبھی کبھی کوئی سُریندر بھی پیدا ہو جاتا ہے جو اُن کی ہستی تک کو مِٹا دینے کا عزم رکھتا ہے!

اور اُس نے سوچا۔ اِس صنف سے انتقام لینا ہی ہے تو پھر تاخیر کیوں کروں؟ کسی نہ کسی عورت کو اُسے آج ہی قتل کر دینا چاہئے۔ اِس عظیم کام کی ابتدا آج ہی ہونی چاہئے!



”ملک کے نامور افسانہ نگار جناب شیام سندر [illegible] مرحوم لکھتے ہوئے ہمارا کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ ہمیں ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئے ہیں“

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہُوا

وہ ہمارے عزیز دوست، مخلص کرم فرما اور صاحبِ طرز افسانہ نگار تھے۔ انھوں نے اپنی محنت، مشقّت اور نیک ذرائع کی بدولت عزّت، دَولت اور شہرت پائی۔ وہ حُسنِ صُورت اور حُسنِ سیرت سے بھی مالا مال تھے۔ لاکھوں پیدا کئے اور لاکھوں ہی خُدا کی نیک راہ میں خرچ کیے۔ افسوس صد افسوس! وہ ہمیں ہمیشہ یاد آئیں گے۔ لیکن مِل نہیں سکیں گے۔ ہم کن الفاظ میں اُن کے عزیز و اقارب سے اظہارِ ہمدردی کریں۔

سوگوار —— خوشتر گرامی

وہ ایک لمحہ کے لئے فٹ پاتھ پر رُک گیا۔ اُس نے اپنی کلائی پر بندھی رِسٹ واچ پر نِگاہ ڈالی۔ پانچ بج کر پندرہ منٹ تھے۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے قُدرت نے اُسے اشارہ کیا ہے۔ پانچ بجکر پندرہ منٹ!

نے دل میں فیصلہ کیا وہ یہاں سے پانچویں گلی میں مڑ جائے گا اور پندرہ نمبر کے مکان کا کھٹکھٹائے گا۔ پھر جو کچھ ہوگا۔ دیکھا جائے گا!

---

پانچویں گلی کے پندرہ نمبر پر ایک چھوٹا سا خوبصورت یک منزلہ مکان تھا۔ باہر دروازہ پر نیم پلیٹ (Name plate) لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا

"(مسز) شیلا سچدیو"

وہ قدرت کے اس عجیب فراق پر دل ہی دل میں مسکرا اُٹھا۔ سوچنے لگا ـــــ شاید قدرت کا یہی منشاء ہے کہ ایک شیلا کی

---

- یہ سب سے بڑی حماقت ہے کہ کام دوزخ کے کرو اور اُمید بہشت کی رکھو۔ (حضرت یحییٰ معاذؒ)
- جواں مرد وہ ہے جو اپنی ذات سے زیادہ خلق اللہ کی بہتری کا طالب ہو۔ (حضرت شیخ ابو بکر شبلیؒ)
- ہر انسان کی قیمت اُس کی خوبیاں ہیں۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
- سب سے اچھی زندگی اُس کی ہے جس کی زندگی میں دوسرے شریک ہوں۔ بری ہے وہ زندگی جس کے ساتھ دوسرے بسر نہ کر سکیں۔ (حضرت امام حسینؓ)

---

بے وفائی کی سزا دوسری شیلا کو بھگتنی پڑے۔ پھر جیسے کسی غیبی طاقت نے اُسے مجبور کر دیا ہو۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر گھنٹی بجادی۔

اندر پاؤں کی دھیمی دھیمی آواز آئی اور کسی نے آہستہ سے سنبھلا سا دروازہ کھولا۔ سریندر نے دیکھا دروازہ میں بیس بائیس سال کی ایک خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔ اُس کے ریشمیں بالوں کی لہروں میں اماوس کی رات جیسی سیاہی تھی۔ وہ سراپا بہار، مجسم شعر و نغمہ تھی۔ اُس کے چہرے پر اُداسی کی نقاب پڑی تھی۔ حُسن کی پژمردگی اتنی پُر اسرار ہو سکتی ہے یا اُس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ مبہوت ہو کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ صندل اور میدہ میں گندھا ہوا اُس کا پُرکشش جسم، جسم کا ہر زاویہ دلکش، ہر انداز دلفریب تھا۔

"فرمائیے۔ کیا آپ کو مجھ سے کچھ کام ہے؟" اُس لڑکی نے نہایت مدھم آواز میں پوچھا۔

"جی ہاں،" اُس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "آپ کا نام کیا مسز شیلا سچدیو ہے؟"

"جی۔ یہ میرا ہی نام ہے۔"

"مسز سچدیو! میں نے سنا ہے آپ کے پاس کوئی کمرہ کرائے کے لئے خالی ہے۔"

"جی" شیلا نے آگے سے بھی مدھم آواز میں کہا۔ "میرے پاس ایک کمرہ ضرور ہے۔ لیکن میں اُسے کسی لڑکی کو کرایہ پر دینا چاہتی ہوں۔"

"دیکھئے محترمہ۔ آپ کو مجھ سے ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی۔" اور اپنے اس جھوٹ پر وہ دل ہی دل میں مسکرا اُٹھا۔ وہ سوچنے لگا جی ہاں آپ کو بالکل تکلیف نہ ہوگی۔ صرف میں آپ کا گلا دبا دوں گا اور آپ زندگی کی تکلیفوں سے نجات پا جائیں گی۔

"ہو سکتا ہے۔ آپ نہایت شریف آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آپ شاید جانتے نہیں۔ میں یہاں تنہا رہتی ہوں اور کسی غیر مرد کا یہاں رات کو میرے مکان میں رہنا طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کر سکتا ہے۔"

"آپ بالکل بجا فرما رہی ہیں۔ لیکن مجھے یہاں کبھی رات کو رہنا نہیں ہے۔ ہماری سول لائنز میں کوٹھی ہے۔ جہاں میں اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہوں۔ مجھے پینٹنگ کا شوق ہے اور میں چاہتا ہوں شام کو تین چار گھنٹے تنہائی میں پینٹنگ کر سکوں۔ اگر آپ کے کمرے کا دروازہ پیچھے سے کھلتا ہو تو میں باہر ہی سے آجایا کروں گا اور اُدھر ہی سے لوٹ جایا کروں گا۔"

"اوہ! یہ بات ہے تو کچھ سوچا جا سکتا ہے۔" شیلا نے معصومیت سے کہا۔ "آئیے اندر تشریف لے آئیے۔ پہلے آپ کمرہ تو دیکھ لیجئے۔"

شیلا کمرہ دکھانے کے لئے مڑی تو سریندر کا جی چاہا یہیں پیچھے سے اُس کی گردن دبوچ کر اُس کا گلا گھونٹ دے۔ یہی سوچ کر وہ اپنے ہاتھ آہستہ آہستہ اُٹھانے لگا۔ یکایک شیلا

نے پلٹ کر دیکھا۔ سُریندر نے اِس خوف سے کہ شیلا کو شک نہ ہو جائے، جلدی سے دونوں ہاتھوں سے اپنی پیشانی پکڑ لی۔

شیلا نے سُریندر کو پیشانی پکڑتے ہوئے دیکھ کر گھبرا کر پُوچھا: "کیوں کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں" سُریندر نے چہرے پر مصنوعی مُسکراہٹ لاتے ہوئے کہا: "ذرا سر چکرا گیا تھا"

"آپ اِسے معمولی بات سمجھتے ہیں" شیلا نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا: "مَردوں کی یہی بے پروائیاں تو عورتوں کی زندگیاں تباہ کر دیتی ہیں"

"میں سمجھا نہیں"

"آپ کچھ سمجھیں گے بھی نہیں۔ اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیجئے۔ اِدھر آیئے میں آپ کو سہارا دے کر پلنگ پر لٹا دوں" یہ کہتے کہتے شیلا نے سُریندر کا ایک ہاتھ تھام کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور پھر اُسے آہستہ آہستہ سہارا دے کر پلنگ تک لے آئی۔ جہاں اُسے پلنگ پر لٹاتے ہوئے اُس نے جلدی جلدی سُریندر کے بُوٹ کے تسمے کھولے، بُوٹ اُتارے، جُرابیں اُتاریں، ٹائی ڈھیلی کی، گلے کا بٹن کھولا اور پھر آہستہ آہستہ اُس کی پیشانی دبانے لگی۔ سُریندر نہ چاہتے ہوئے بھی حُسن کے اِس التفات سے لُطف اندوز ہونے لگا۔ پھر ایکا ایکی اُسے خیال آیا وہ تو یہاں اِسے قتل کرنے کے ارادہ سے آیا تھا۔ رُومان کا ڈرامہ کرنے نہیں آیا تھا اور اِس خیال ہی سے اُسے جھنجھلاہٹ سی محسوس ہوئی۔ اُس نے آہستہ سے شیلا کا ہاتھ اپنی پیشانی سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"آپ اِتنی کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ مجھے کچھ بھی تو نہیں ہوا ہے"

"سبھی مرد ایسا ہی کہتے ہیں" شیلا نے پھر اپنا ہاتھ سُریندر کی پیشانی پر رکھتے ہوئے کہا: "وہ بھی ایسا ہی کہتے تھے اور شادی کے تیسرے ہی ماہ مجھے کہیں کا نہ چھوڑ کر پرلوک سِدھار گئے"

"کیا ہو گیا تھا اُنھیں؟" سُریندر نے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی نہیں۔ یہی کبھی کبھی سر چکراتا تھا اور پھر چند لمحوں بعد ٹھیک ہو جاتا تھا۔ میں نے بارہا کہا۔ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھایئے۔ لیکن وہ ہر بار یہی کہہ کر ٹال دیتے تھے۔ مجھے کیا ہے شیلی! بالکل ٹھیک تو ہوں! اُن کی ضد کے آگے میری ایک نہ چلتی تھی۔ پھر ایک دن ایسا سر چکرایا کہ بستر پر گر پڑے اور ایسے گرے کہ چند ہی لمحوں میں کھیل ختم ہو گیا!" کہتے کہتے شیلا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔

"مت روئیے شیلا جی!" سُریندر نے شیلا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا: "رونے سے بھی کبھی کوئی مشکل آسان ہوتی ہے"

• • • ~~~~~ • • • ~~~~~ • • •

- زندگی کا ہر پل سونے سے قیمتی ہے۔ وقت کو کھونے والا سب سے بڑا نادان ہے۔ (گُورو نانک جی)
- بانٹنے سے خوشی اِس طرح بڑھتی ہے جس طرح دھرتی میں بویا ہوا بیج فصل بنتا ہے۔ (گُورو گرنتھ صاحب)
- کسی کو بُرا نہ کہو، یہی علم کا نچوڑ ہے۔ بے وقوف کے ساتھ بحث نہ کرو۔ (گُورو نانک جی)
- انسان کا سب سے بڑا دُشمن گُناہ ہے۔ (سوامی سارشبدانند جی)
- اچھا اور پاکیزہ دل اچھے دماغوں سے بہتر ہے۔ (سوامی وِویکا نند جی)

• • • ~~~~~ • • • ~~~~~ • • •

"یہ تو میں بھی سمجھتی ہوں" شیلا نے رُکتے رُکتے کہا۔ "لیکن جب بھی اُن کی یاد آتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے کلیجہ مسوس دیا ہو" اور شیلا اور بھی پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

"شیلا جی! مت روئیے" سُریندر نے بے قرار ہو کر شیلا کے دونوں ہاتھوں کو پیار سے دباتے ہوئے کہا: "آپ کو میری قسم مت روئیے!"

شیلا کے آنسو پلکوں پر رُک گئے۔ اُس نے حیرت سے سُریندر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ پھر جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ جھٹکے سے اُس کے ہاتھوں سے چھُڑا لیے۔

"معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کو ناحق پریشان کیا۔ نہ جانے کیوں میں جذبات کی رَو میں بہہ گئی۔ آیئے آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں" کہتے کہتے شیلا پلنگ کے کنارے سے اٹھ کر دروازہ کی طرف بڑھی۔

"شیلا جی! کیا میرے ہاتھ تھامنے سے آپ خفا ہو گئیں"
سُریندر نے وہیں پلنگ پر بیٹھے بیٹھے کہا۔ "دیکھئے اس میں میرا ذرا بھی قصور نہ تھا۔ آپ رونے لگیں تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں آپ کو جنم جنم سے جانتا ہوں اور بے اختیار ہو کر میں نے آپ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے"

"میں نے بُرا تو نہیں مانا"
"بُرا نہیں مانا تو پھر آپ ہاتھ چھڑا کر الگ کیوں ہو گئیں؟"
"اس لئے کہ مجھے ڈر تھا میں جذبات کی رَو میں بہہ جاؤں گی"

"اوہ!" سُریندر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "اچھا چلئے پہلے کمرہ دیکھ لیں!!"

---

منی آرڈر بھیجتے وقت کوپن منی آرڈر پر ضرور تحریر فرمایئے کہ رقم کس سلسلے میں بھیجی گئی ہے تاکہ تعمیل ارشاد میں دیر نہ ہو۔ خط و کتابت کرنے اور منی آرڈر بھیجنے کے لئے پتہ "رسالہ بیسویں صدی دہلی" لکھنا کافی ہے۔ —— منیجر

---

# غزلیں

## شاہد لکھنوی

کبھی بھی گر یہ بجھی شمعِ ہستی نور رونقِ انجمن رہے گی
کلی جو ٹوٹے گی شاخِ گل سے شریکِ خاکِ چمن رہے گی

ہماری بالیں پر آئیں گے، وہ یقیناً آئیں گے، ہاں مگر کب؟
نہ جب اِن آنکھوں میں دم رہیگا نہ جب یہ تابِ سخن رہے گی

حقیقتِ نعرۂ انا الحق کسی نے سمجھی، کوئی نہ سمجھا
مگر ہمیشہ زباں زباں پر حدیثِ دار و رسن رہے گی

یہ میں نے مانا آپ مجھکو مٹا بھی دینگے تو کچھ نہ ہوگا
مگر یہ دُنیا مری تباہی پہ مدّتوں نوحہ زن رہے گی

کیا ہے تو نے جو ذبح اُس کو تو اپنے دامن میں ہی چھپا لے
زمانہ پوچھے گا نامِ قاتل جو لاش یہ بے کفن رہے گی

بہت سے غم ہیں مگر میں شاہد یہ سوچ کر مسکرا رہا ہوں
کھلی رہی جو کلی خزاں میں وہ پردہ دارِ چمن رہے گی

## مینا ناز صدیقی مینا بی۔ اے

اُمید کا سایہ ہے نہ رستہ ہے نہ منزل
ہم کتنے اکیلے ہیں محبت کے سفر میں

پھُولوں کے تصور سے ہی جل جاتا ہے احساس
غم ہو تو بدل جاتے ہیں غنچے بھی شرر میں

کیا فکر جو خالی مرا کشکولِ نظر ہے
کچھ دیر تو جنبش تو ہوئی پردۂ در میں

اب دَورِ غلامی کا فسوں ٹوٹ چکا ہے
ہیں قصر نشیں خاک نشینوں کے اثر میں

میں بھی تو گلستاں میں اُجالوں کی ہوں حقدار
میرا بھی ہے خوں سُرخیٔ رُخسارِ سحر میں

اُس خُلد بداماں کا خیال آیا ہے مینا
خُوشبو کے جزیرے ہیں مری راہگذر میں

## محمد نعیم صبا

چہار سمت مسرت تھی شادمانی تھی
تصورات کی دُنیا بڑی سُہانی تھی

نظر اُٹھا کے کسے دیکھتے مصیبت میں
صلیب اپنی ہمیں آپ ہی اُٹھانی تھی

تمام شہر میں کردار قتل ہوتے تھے
ہر ایک فرد کی عادت غلط بیانی تھی

زمانے بھر کو خطا وار ہم سمجھتے تھے
مگر خود اپنے تئیں ہم کو خوش گمانی تھی

سنبھل سنبھل کے کہاں تک میں راستہ چلتا
قدم قدم پہ گناہوں کی حکمرانی تھی

کوئی تھا مجھ میں جو رہ رہ کے آہ بھرتا تھا
کسی صدا کی مرے خون میں روانی تھی

---

## اختر بستوی ایم۔ اے

ہوگئی دہر میں وفا نایاب — پھر بھی ہے نخلِ آرزو شاداب
غمِ دل نے اثر کیا شاید — ہوگئی چشمِ ناز بھی پُر آب
حُسن کو محوِ خواب جب دیکھا — جاگ اُٹھے ذہن میں ہزاروں خواب
جانے کیوں دل اُداس رہتا ہے — ظاہراً غم کے کچھ نہیں اسباب
آئیں گی جب مصیبتیں اختر
رہ نہ جائے گا حلقۂ احباب


افغان
کولڈ کریم
کسی موسم میں ....
ہر موسم میں استعمال کی جا سکتی ہے
گرم، نم دار، خشک یا سردی کے موسم میں افغان کولڈ کریم آپ کیلئے لاجواب ہے۔ سرما جب کبھی آپ افغان کولڈ کریم کا استعمال کریں گے یہ آپ کی جلد کو بکثرت قدرتی تیلوں سے جو آپ کے لئے ضروری ہیں نشو و نما دے گی۔ جلد میں ملائمت کے علاوہ جوانی اور شباب کی جھلک نمایاں ہوگی بلکہ سردی اور خشک موسم میں یہ آپ کی جلد کو خشک ہونے اور پھٹنے سے محفوظ رکھے گی۔ افغان کولڈ کریم میں میک اپ کو آسانی کے ساتھ دور کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔
AFGHAN
COLD CREAM
FROM THE MAKERS
AFGHAN SNOW
BEAUTY AIDS

# جواہر پارے

## ڈاکٹر محمد سلیم قدوائی ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی (علیگ)

۲۹۔ ... بنگلہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

برادرِ محترم گرامی صاحب تسلیمات!

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔ "جواہر پارے" کی اشاعت کا شکریہ۔ جواہر پاروں کے لیے کچھ جواہر پارے "بیسویں صدی" کے باذوق قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔ جنگِ آزادی کے نامور شعلہ بیاں رہنما رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر، مادرِ ہند کے ان عظیم اور مایہ ناز فرزندوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی ہمہ گیر شخصیت کی چھاپ زندگی کے مختلف شعبوں خصوصاً ادب، سیاست، مذہب اور صحافت پر ایسی گہری چھوڑی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور نہ مستقبل کا غیر جانبدار مورخ ان کے عہد آفریں کارناموں اور لازوال قربانیوں کا اعتراف کیے بغیر رہ سکتا ہے۔ ان کی رنگا رنگ شخصیت گوناگوں خصوصیات کا مجموعہ تھی۔ وہ صحیح معنوں میں حضرت ... کہلانے کے مستحق تھے۔ زندہ دلی اور برجستگی محمد علی کی فطرت میں رچی ہوئی تھی۔ اُن کی ذہانت اور بذلہ سنجی ضرب المثل تھی۔ "جواہر پارے" محمد علی کی ذہانت، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے انہیں "بیسویں صدی" کی قریبی اشاعت میں جگہ دے کر قارئین کو محظوظ ہونے کا موقع دیں گے۔ — بہترین خواہشات کے ساتھ۔

جواب کا منتظر مخلص — محمد سلیم قدوائی

★

### باپ، بیٹا، رُوح القدس

مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسے میں کوئی تجویز پیش ہوئی۔ بہت گرما گرم بحث کے بعد صدر (مولانا آزاد) نے ووٹ لینے کا حکم دیا۔ ووٹنگ کے نتیجے میں کچھ لوگوں نے ناراض ہو کر "واک آؤٹ" کرنا چاہا۔ سب سے پہلے مشہور صحافی مولانا ظفر علی خاں اُٹھے، پھر ان کے صاحبزادے — اختر علی خاں اور ... کے اخبار "زمیندار" کے ایڈیٹر مولانا غلام رسول مہر۔ اُدھر ان تینوں صاحبوں کا اُٹھنا تھا کہ اِدھر بیمار اور صاحبِ فراش محمد علی جھٹ اپنے کوچ پر اٹھ بیٹھے اور برجستہ بولے: "غضب ہوا! باپ، بیٹے، روح القدس تینوں کے تینوں خفا ہوگئے!"

### بلندی سے پستی کا نظارہ

جب کانگریس میں "چینجرز" اور "نو چینجرز" کے درمیان رسّہ کشی ہو رہی تھی اور کونسل میں جانے یا نہ جانے کی بحث چل رہی تھی۔ مولانا محمد علی جو کونسل میں داخلہ کے مخالفین میں سے تھے۔ ایک دن کونسل کے

اجلاس دیکھنے گئے۔ محمد علی وزیٹر گیلری میں بیٹھے تھے کہ پنڈت مدن موہن مالویہ جو نیچے ایوان میں تھے اور کونسل میں جانے کے حامیوں میں سے تھے، آنکھیں چار ہوئیں۔ مالویہ جی نے کہا "مولانا! یہاں تک تو آگئے اب آپ نیچے بھی آجائیے" محمد علی نے برجستہ جواب دیا ——

"میں اِس بلندی سے آپ کی پستی کا نظارہ کر رہا ہوں اور یہیں ٹھیک ہوں"

## نمک اور شکر —— ●

مہاتما گاندھی نے جب نمک سازی کی تحریک شروع کی تو مولانا محمد علی کو بھی اُس میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ محمد علی

---

- صلح وسلام میں خوبی ہی خوبی ہے۔ (قرآن مجید)
- عدل وانصاف پر عمل پیرا رہو۔ یہی تقویٰ کے قریب ہے۔ (قرآن مجید)
- زبان کو شکوہ وشکایت سے بچاؤ۔ دل کو طمانیت حاصل ہوگی۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)
- انسان کی زبان دل کی ترجمان اور اُس کا چہرہ دل کا آئینہ ہے۔ (حضرت سری سقطیؒ)
- سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت الفردوس کی طرف لے جاتی ہے۔ (حضرت امام غزالیؒ)

---

فوراً بولے "مہاتما جی میں نمک کیسے بنا سکتا ہوں۔ میں تو دس سال سے قوم کے غم میں شکر بنا رہا ہوں"۔ (محمد علی ذیابطیس کے مریض تھے)

## آکسفرڈ —— ●

مولانا محمد علی کو انگریزی زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ وہ کسی اہلِ زبان کی طرح انگریزی لکھتے اور بولتے تھے۔ ایک موقع پر شملہ کی ایک پارٹی میں ایک معزز لیڈی نے اُن کی انگریزی سے متاثر ہوکر حیرت آمیز لہجہ میں سوال کیا ——

"آپ نے اِتنی اچھی انگریزی کہاں سے سیکھی؟"

محمد علی نے جواب دیا ——

"میں نے انگریزی کی تحصیل ایک معمولی قصبہ میں کی ہے!"

خاتون نے اشتیاق سے بیتاب ہوکر پوچھا ——

"کیا نام ہے اُس قصبہ کا؟"

محمد علی نے نہایت سادگی سے جواب دیا ——

"آکسفرڈ!"

ساری محفل کشت زار زعفران بن گئی۔

## شوہر —— ●

محمد علی شاعر بھی تھے شاعری کی دُنیا میں اُن کا نام جوہر تھا۔ اُن کے بڑے بھائی کا تخلص گوہر تھا۔ کسی محفل میں کسی نے اُن کے منجھلے بھائی شوکت علی سے جو بے تخلص تھے اُن کا تخلص دریافت کیا۔ اُن کے جواب دینے سے پہلے محمد علی نے فوراً جوہر اور گوہر کے وزن میں ان کا تخلص تجویز کیا "شوہر!"

## وحشی اور مولانا

مہاراجہ الور محمد علی کے شیدا ؤں اور قدر دانوں میں سے تھے۔ شاعر تھے اور وحشی تخلص کرتے تھے۔ پہلی ملاقات میں اپنا دیوان محمد علی کی نذر کیا اور اُس پر اپنے قلم سے یہ دلچسپ فقرہ لکھا "وحشی کا نذرانہ اپنے مولانا کی خدمت میں"۔ محمد علی کب چوکنے والے تھے۔ اُن کی جیب میں جامعہ ملیہ کا نصاب اپنا ہی مرتب کیا ہوا موجود تھا۔ جھٹ اُسے نکال کر پیش کر دیا اس چٹ پٹے فقرہ کے ساتھ "ایک بنے ہوئے مولانا کا نذرانہ ایک اصلی مہاراجہ کی خدمت میں"

## ترجمانی

۱۹۲۰ء میں محمد علی خلافت کا وفد لے کر یورپ گئے۔ لندن میں ایک جلسہ میں تقریر کا موقع ڈھونڈ نکالا۔ بڑی مشکلوں سے پانچ منٹ بولنے کی اجازت ملی۔ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے کہ "حضرات! یہ نوٹ کیجئے کہ میں آرہا ہوں چھ ہزار میل کے فاصلہ سے اور ترجمانی کرنا ہے مجھے ۳۰ کروڑ انسانوں کے خیالات کی۔ اب آپ خود ہی حساب لگا لیجئے کہ فی منٹ نہیں، فی سکنڈ بھی نہیں۔ ہر سکنڈ کی کسر میں کتنوں کے خیالات و جذبات آپ تک پہونچاؤں گا؟" آوازیں آنے لگیں "آپ کہے جائیے، کہے جائیے!" اور پھر پانچ منٹ کے بعد پانچ ہی پانچ منٹ اور بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ پورے ۲۰ منٹ ہو گئے!

---

اِسی سفر یورپ کے دوران لندن میں مخالفین کے مجمع میں تقریر کر رہے تھے کہ "صلح کے وقت ہم استنبول کس طرح چھوڑ سکتے ہیں۔ ...استنبول سے ہماری تاریخ وابستہ ہے"... یہیں تک پہونچے تھے کہ ایک گوشہ سے آواز آئی "یعنی یعنی؟ استنبول آخر کب سے آپ کے قبضہ میں ہے"؟۔ برجستہ ارشاد ہوا "کوئی فاضل تاریخ مجھ سے سنہ دریافت کر رہے ہیں؟ اس وقت تو اتنا یاد ہے کہ جب سے آپ کے پاس ہندوستان ہے اُس کے تگنے زمانہ سے ہمارے پاس استنبول ہے!" جلسہ لوٹ پوٹ گیا اور فاضل انگریز تاریخ داں کی آنکھیں پھر اونچی نہ ہوئیں۔

## بیرسٹری

محمد علی کے انگریزی ہفتہ وار "کامریڈ" کی ضبطی ضمانت کے سلسلہ میں محمد علی نے دہلی کی عدالت میں خود بحث کی۔ دوران بحث ہر شخص ہمہ تن گوش بیٹھا تقریر کا حرف حرف دل کے کانوں سے سُن رہا تھا۔ بحث ختم ہونے پر ایک اونچے بیرسٹر کے مُنہ سے بیساختہ یہ جملہ نکلا "محمد علی کاش آپ بیرسٹر ہوتے!" محمد علی نے برجستہ جواب دیا کہ "اب بھی میں جو کچھ ہوں اُس کی کتنی قدر ہو رہی ہے جو بیرسٹری میں ہوتی"

---

- انسان کا دل فکر مندی سے دب جاتا ہے۔ (بائبل)
- ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ ترقی کئے جاؤ۔ (انجیل مقدس)
- ہماری اصل دشمن ہماری مصنوعی عادتیں ہیں۔ (شیکسپیر)
- اگر تم کچھ بننا چاہتے ہو، کچھ بن کر دکھانا چاہتے ہو تو عادت کے غلام نہ بنو۔ (ڈاکٹر مارڈن)
- غصہ کبھی کبھی قابل سے قابل انسان کو بھی بیوقوف بنا دیتا ہے۔ (لارڈ سے نو کالڈ)
- زندگی کی مصیبتیں ہلکی کرنا چاہتے ہو تو زیادہ سے زیادہ معروف رہو۔ (وانبیٹر)

---

# غزلیں

## آزاد گورداسپوری بی۔ اے

رہبرِ راہِ وفا کو بے وفا کہتے ہیں آپ
سُننے والے محوِ حیرت ہیں یہ کیا کہتے ہیں آپ

سوچیے انصاف سے کہیے یہ کیا کہتے ہیں آپ
آشنائے خاص کو نا آشنا کہتے ہیں آپ

اس کو مجبوری کہوں ماحول کی یا مصلحت
رہزنِ راہِ طلب کو رہنما کہتے ہیں آپ

اِس قدر بھی سادگی اچھی نہیں اے مہرباں
ہر کس و ناکس سے دل کا مدعا کہتے ہیں آپ

ہم نے کی تھی دلربائی ہم نے چھیڑا آپ کو
ہم گنہگارِ محبت ہیں بجا کہتے ہیں آپ

دعویٔ چارہ گری سے باز بھی آتے نہیں
اور دردِ عاشقی کو لادوا کہتے ہیں آپ

جو نہ کرنا چاہیے وہ جور بھی کرتے رہے
جو نہ کہنا چاہیے وہ برملا کہتے ہیں آپ

آپ کی ناز آفرینی کے تصدق جائیے
خامشی کو بھی ہماری التجا کہتے ہیں آپ

داد دینی چاہیے آزاد کے اِس شوق کی
داغِ ناکامی کو اُلفت کا صلا کہتے ہیں آپ

## اخلاق سہسوانی

یوں نگاہیں اُٹھائیں کسی نے
جیسے چھلکا دیئے آبگینے

پھیر لیں جب نگاہیں خوشی نے
غم کو اپنا لیا زندگی نے

چھوڑو اِن ناخداؤں کو چھوڑو
ڈوبتے ہیں تو ڈوبیں سفینے

رہزنی کو بھی شرما دیا ہے
میرے رہبر تری رہبری نے

تُم نگاہیں اُٹھا کر تو دیکھو
خود چھلک جائیں گے آبگینے

ناخداؤں کی یہ مہربانی
ڈوبے ساحل پر آکر سفینے

مجھ سے اخلاق شکووں کی جرأت
چھین لی اُن کی شرمندگی نے

## نصر قریشی

ہر نفس شعلہ بجاں، گرمِ فغاں ہے یارو
زِندگی آگ کے دریا کا سماں ہے یارو

تم نے وہ زخم دیئے نامِ وفا پر مجھ کو
اب تو ہر سائے پہ قاتل کا گماں ہے یارو

پھول بننے کو ترستے ہیں وہ نورس غنچے
فصلِ گل جن کے لئے فصلِ خزاں ہے یارو

ہو نہ ہو پھر کوئی برباد ہوا میری طرح
اُن کے کوچے کی فضا گریہ کناں ہے یارو

قافلہ درد کا جویائے سکونِ منزل
ریگزاروں میں شب و روز رواں ہے یارو

خواہ رسماً ہی سہی، پوچھو کبھی نصر کا حال
اُس پہ تنہائی بھی اب اشک فشاں ہے یارو

افسانہ

# انتظار کی صلیب

شاکر کریمی

گنج مبارک، بتیا، مغربی چمپارن (بہار)

برادرم! سلام نیاز

"بیسویں صدی" کی بزم میں اس بار "انتظار کی صلیب" لے کر حاضر ہوا ہوں۔ اس یقین کے ساتھ کہ آپ اور میرے بلند ذوق قارئین اسے ضرور پسند کریں گے۔ یوں تو محبت اور ہجر و فراق کے موضوع پر بے شمار کہانیاں لکھی گئی ہیں لیکن شبانہ کی خواہش نے محبت اور ہجر و فراق ہی کے موضوع پر لکھی گئی اس کہانی کو عام کہانیوں سے الگ کر لیا ہے اور ذہن کی بے بسی بھی ملاحظہ فرمائیے ۔۔۔ اگر یہ کہانی میرے قارئین کو متاثر نہ کر سکی تو میں اسے اپنی ناکامی سمجھوں گا....

آپ کا اپنا ------ شاکر کریمی

★

شبانہ ...

انتظار --- اور طویل انتظار کے بعد مجھے آج تمہارا خط مل ہی گیا۔ میرے گرد کسی ہوئی انتظار کی آہنی زنجیر کی ساری کڑیاں ٹوٹ کر بکھر گئی ہیں اور میں خود کو ہلکا محسوس کرنے لگا ہوں۔ اتنا ہلکا جیسے پگھل کر، ریزہ ریزہ ہو کر اپنے آپ میں تحلیل ہو جاؤں گا۔ میرا وجود ماضی اور حال کے درمیان بیکراں وسعتوں میں کھو کر قصۂ پارینہ بن جائے گا۔ اب میں اپنے ریزہ ریزہ وجود کو نہ سمیٹ سکوں گا اور نہ تم ان منتشر ریزوں کو سمیٹ کر میرا پیکر تراش سکو گی اور نہ مجھے میرا 'میں' لوٹا سکو گی۔ وہ 'میں' جو کبھی تمہارے رسیلے ہونٹوں پر کیف زا نغمہ بن کر مچلتا تھا، آنکھوں سے الفانی پیار بن کر چھلکتا تھا۔ اُف یہ خیال، یہ تصور ------!"

شبانہ! حالات مجھے فریب دیتے رہے۔ گزرتے ہوئے روز و شب مجھے بہکاتے رہے۔ میرے گرد مایوسیوں کا حصار تنگ ہوتا رہا۔ لیکن میں اپنی جگہ اٹل رہا۔ ہمالیہ کی طرح! مجھے یقین تھا تم مجھے خط لکھو گی۔ ضرور لکھو گی۔ مجھے تمہارا خط ملے گا اور ضرور ملے گا۔ میں کیسے یقین نہ کرتا۔ تم نے ہمیشہ اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔ میری خواہشوں کا خیال رکھا تھا۔ مجھے تو وہ شام بالکل کل کی گزری ہوئی شام کی طرح یاد ہے جس شام تم نے گنگا کے کنارے بانس گھاٹ پر مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

میں بانس گھاٹ کے سنسان اور ویران ماحول میں تنہا تنہا انتظار کر رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان بادلوں سے ڈھک گیا۔ تیز اور سرد ہوائیں چلنے لگیں۔ پھر کچھ ہی دیر بعد تیز ہواؤں نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔ ریت کے بگولے آسمان چھونے لگے۔ گنگا کی مٹیالی زرد لہریں بپھر گئیں۔ تیز آندھی اور گنگا کی بپھری ہوئی لہروں کے ہیبتناک شور کے درمیان میرا تنہا وجود حقیر تنکے کی طرح کانپ ہی رہا تھا کہ موسلا دھار بارش بھی شروع ہو گئی۔ میں محسوس کرنے لگا اب خود کو محفوظ رکھ سکوں گا۔ پانی میں بھیگ کر کانپتے ہوئے میرے وجود کو طوفانی ہوائیں اڑا کر گنگا میں ڈال دیں گی اور گنگا کی بپھری ہوئی موجیں مجھے کہاں لے جائیں گی، تم سے دور، اس دنیا سے دور ------ بہت دور۔ میں اپنے آپ سے مایوس ہو چلا تھا کہ

# ساقی

میری نگاہ میں وہ رند ہی نہیں ساقی
جو ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے —— اقبالؔ

کیوں میرے ترکِ بادہ پہ تجھ کو یقیں نہیں
ساقی ترے لبوں کی قسم کھا رہا ہوں میں —— سیمابؔ

یہ کیسی بزم ہے اور کیسے اس کے ساقی ہیں
شراب ہاتھ میں ہے اور پلا نہیں سکتے —— چکبستؔ

ہماری زندگی کا حسن میخانہ میں ہے ساقی
یہیں آکر یہ دیوانی حسیں معلوم ہوتی ہے —— نریش کمار شادؔ

غرورِ میکشی کی کونسی منزل ہے یہ ساقی
کھنک ساغر کی آوازِ خدا معلوم ہوتی ہے —— عدمؔ

مرسلہ: ارباب احمد سیفی بی۔ایس۔سی علیگڑھ

چاروں طرف سہارا تلاش کرتی ہوئی میری نظریں تم پر پڑیں اور مجھے محسوس ہوا تم بادو باراں سے لڑتی ہوئی میری طرف دوڑ رہی ہو، طوفانی ہوائیں تمہیں اڑاتی ہوئی میرے قریب لا رہی ہیں۔ میرے اندر ایک نئی توانائی سی، زندگی کی ایک نئی لہر سی دوڑ گئی۔ میں بھی تمہاری طرف دوڑنے لگا اور پھر —— ایک دوسرے کی طرف دوڑتے ہوئے ہمارے وجود مل کر ایک ہو گئے۔ ہم ایک دوسرے کی باہوں میں اس طرح جکڑ گئے کہ طوفانی ہواؤں کے جھونکے ہی ہمیں الگ کر سکے اور نہ تیز بارش کا زور!

اور جب طوفان تھما تھا، بارش رکی تھی تو تم نے میری باہوں میں سمٹتے ہوئے کہا تھا۔

"کیسے ساتی۔ آنے کا وعدہ جو کیا تھا۔ پیار کرنے والوں کا راستہ طوفان کب روک سکا ہے جو اب روک لیتا!"

تمہیں بتاؤں شبانہ! میں تمہارے وعدے پر یقین کیوں نہ کرتا۔ مجھ سے رخصت ہوتے وقت میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پیار سے دباتے ہوئے، نمناک پلکوں اور شدتِ جذبات سے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے جو آخری بات تم نے کہی تھی وہ یہی تو تھی۔

"دنیاز! میں گھر پہنچتے ہی خط لکھوں گی۔ جواب میں دیر نہ کرنا!"

اور تم سے رخصت ہو کر دل پر جدائی کا کوہِ گراں اور سینہ پر الم اٹھائے اسٹیشن سے اپنے گھر آتے ہوئے میں سوچ رہا تھا۔ چوبیس گھنٹوں کا یہ سفر طے کر کے تم کل صبح اپنے گھر پہنچ جاؤ گی۔ کچھ وقت تمہیں تازہ دم ہونے اور سفر کی تکان دور کرنے میں لگے گا اور پھر دن کا ایک طویل حصہ اپنوں سے ملنے میں صرف ہوگا جب تم رات کو سونے کے لئے اپنے کمرہ میں جاؤ گی تو تنہائی میں بستر پر لیٹ کر ٹیبل لیمپ کی محدود روشنی میں مجھے پیار کی خوشبو میں ڈوبا ہوا خط لکھو گی۔ جب رات آدھی سے زیادہ گزر جائیگی تو خط ختم کر کے تکیہ کے نیچے رکھ کر میری یاد سے لپٹ کر سو جاؤ گی۔ میرے خیالوں اور سپنوں میں کھو جاؤ گی اور صبح بیدار ہوتے ہی مجھے لکھا ہوا خط پوسٹ کر دو گی۔ تمہارا پوسٹ کیا ہوا معطر خط دو روز کا سفر طے کر کے تیسرے دن مجھے مل جائے گا۔ میں نے تمہارے رخصت ہونے سے خط ملنے تک کا حساب لگایا تو معلوم ہوا یہ پانچ دن میرے لئے پانچ صدیوں سے کم نہ ہوں گے۔ میں نے فیصلہ کیا خواہ مجھے خود پر جبر ہی کیوں نہ کرنا پڑے میں تمہارے خط کا انتظار کروں گا —— انتظار کروں گا —— انتظار کروں گا! —— اور میں تمہارے خط کا انتظار کرنے لگا۔ ایک —— دو —— تین —— دن گزرتے رہے —— گزرتے رہے —— گزرتے رہے —— اور پھر اس پانچویں دن کے انتظار میں نہ جانے کتنے ہی دن گزر گئے۔ بھاگتے ہوئے لمحے مجھے مایوسیوں میں مبتلا کرنے کی سعی کرتے رہے، گزرتے ہوئے روز و شب مجھے فریب دیتے رہے، میرے عزم و ارادے کو متزلزل کرتے رہے لیکن میں اپنی جگہ اٹل رہا۔ اس طرح جیسے وہ پانچواں دن ابھی نہیں آیا جس پانچویں دن مجھے تمہارا خط ملنا ہے —— اور آج وہ دن آ ہی گیا۔ مجھے تمہارا خط مل ہی گیا۔

شبانہ! تم نے خط شروع کرتے ہوئے لکھا ہے ——

"اگر مجھے بھول گئے ہو تو یاد کرو۔ میں شبانہ ہوں۔ وہی شبانہ جو کبھی تمہاری ——!"

جس کی ہر سانس میں تم بسی ہو، جس کا اک اک پل تمہارا نام لیتے گزرا ہو، جس کے دل کی دھڑکنوں سے صرف تمہارے نام کی صدا آتی رہی ہو، جس نے تمہارے تصور کے سہارے ہی زندگی گزارنے کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لیا ہو، جو ایک پل بھی تمہاری یاد سے غافل نہ رہا ہو وہ تمہیں کیسے بھول سکتا ہے۔ کیسے؟ شبانہ! تم نے یہ لکھ کر میں

شبانہ ہوں۔ وہی شبانہ جو کبھی تمہاری ــــــــ ! " ایک لمبی لکیر کھینچ دی ہے۔ جیسے بہت کچھ لکھنا چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ لکھ کر بہت کچھ لکھ گئی ہو اور مجھے سب کچھ یاد دلانا چاہتی ہو۔ ہاں شبانہ، مجھے سب کچھ یاد ہے۔ تمہارے ساتھ گذرا ہوا ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ، تمہاری ایک ایک بات ــــــــ میں تو اُس دن کو بھی نہیں بھولا ہوں جس دن ہم پہلی بار ملے تھے۔ کتنی حسین تھی وہ شام! میں رین بو ہوٹل کے بالائی ہال کی بالکونی میں تنہا بیٹھا تھا کہ تم اپنی کسی سہیلی کو ڈھونڈتی ہوئی وہاں چلی آئی تھیں۔ مجھ پر نظر پڑی تھی تو تم نے کالج کا سینئر اسٹوڈینٹ سمجھ کر مجھے نہایت ہی ادب سے آداب کیا تھا۔ میں نے تمہاری اِس تعظیم اور آداب کا سہارا لے کر تمہیں اپنے قریب بیٹھنے کی پیش کش کی تھی اور تم میری پیش کش قبول کر کے سجاتی، شرماتی، اپنے آپ میں سمٹی میرے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔ تمہاری پلکیں جھکی ہوئی تھیں، رخساروں پر حیا کی سُرخی اِس طرح غالب آگئی تھی کہ رُخسار شفق گوں ہو گئے تھے۔ ویٹر آیا تو میں نے تمہاری طرف غور سے دیکھتے ہوئے تم سے پوچھا تھا۔

"کیا منگاؤں آپ کے لئے؟"

تم نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن ہونٹ لرز کر رہ گئے تھے۔ میں نے تم پر غالب شرم و حیا اور جھجک کو محسوس کر کے ویٹر کو تلے ہوئے کاجو، کاجو کی برفی اور کافی لانے کو کہا تھا ــــــــ اور پھر ہم ایک ساتھ کھاتے پیتے رہے تھے۔ ایک ساتھ ہوٹل سے باہر آئے تھے۔ اور اُس شام ہم نے ایک ساتھ لبرٹی میں فلم دیکھی تھی ــــــــ اور پھر ہم ملنے لگے تھے۔ ہر روز، ہر شام۔ رفتہ رفتہ ہماری ملاقاتوں نے ہمیں ایک دوسرے کے اِتنا قریب کر دیا کہ جُدائی کا تصور بھی شاق گذرنے لگا۔ ہم پیار کے لطیف جذبوں سے اِس قدر آشنا ہوئے کہ ہمیں ایک دوسرے کے سوا کچھ بھی یاد نہ رہا۔ ایک دوسرے کے اِتنا قریب ہوئے کہ ہمارے دلوں کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو گئیں اور اُس دن تو جیسے ہماری محبّت کو معراج حاصل ہو گئی تھی جس دن تم نے میرے شانے پر سر رکھ کر کہا تھا۔

"دل نیاز! جب میں تمہارے پاس ہوتی ہوں تو معلوم ہوتا ہے میرا سب کچھ میرے پاس ہے اور تم سے الگ ہوتی ہوں تو مجھ پر بے چینی کی سی کیفیت طاری رہتی ہے۔ راتوں کو نیند بھی نہیں آتی۔ صرف سوچتی رہتی ہوں!"

"کیا؟" میں نے تمہاری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تھا۔

## دوست

تو دوست کسی کا بھی ستم گر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا ــــــــ غالبؔ

برہم نگاہِ دوست میں دیکھا جو التفات
مایوس دل میں کیف کے چشمے اُبل پڑے ــــــــ عاصمؔ بریلوی

شبِ فراق میں اے دوست اک نئی دُنیا
بسا رہا ہوں محبّت کی زندگی کے لئے ــــــــ بدلؔ نعمانی

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا ــــــــ غالبؔ

ہو گیا غرق سفینہ مرا شاید اے دوست
سر پڑتا ہوا طوفاں نظر آتا ہے مجھے ــــــــ مجیب صدیقی

مُرسلہ: تحسین احمد لکڑ گنج کامٹی۔ ناگپور

تم کچھ کہتے کہتے شرما کر چپ ہو گئی تھیں۔ تمہاری معنی خیز خاموشی نے مجھے اصرار پر آمادہ کر دیا تھا۔ میں بضد ہو گیا۔

"کیا سوچتی رہتی ہو، بولو نا؟"

تم نے بارِ حیا سے جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ کہا تھا۔

"سوچتی ہوں، ہماری چھوٹی سی دُنیا ہو گی، اُس چھوٹی سی دنیا میں ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہو گا اور اُس چھوٹے سے گھر میں ہمارے چھوٹے چھوٹے ......!" تم نے اپنی بات اُدھوری چھوڑ دی تھی اور شرما کر چہرہ ہتھیلیوں میں چھپا لیا تھا اور میں نے تمہارے گرد اپنی باہوں کا گھیرا تنگ کرتے ہوئے تمہاری بات پوری کر دی تھی۔

"بچے ہوں گے!"

ہم گھنٹوں کیف و سُرور کی گہرائیوں میں ڈوبتے رہے تھے، ڈوب ڈوب کر اُبھرتے رہے تھے۔

مجھے وہ شب بھی یاد ہے جس شب کالج میں ہونے والے مشاعرے کے اختتام پر تمہیں میری تجویز پسند آئی تھی اور ہم پیدل ہی گھر کی طرف چل پڑے تھے۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے۔ آگے پیچھے دُور تک سُنسان سڑک، نکھری ہوئی چاندنی، مشک رو فرحت بخش ہوائیں۔ ہم مشاعرے میں

شریک ہونے و[illegible] اور شاعروں کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے راستہ طے کر رہے تھے کہ مجاز لکھنوی کی بات چل پڑی اور پھر مجاز کی نظموں پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے ہم مجاز کی نظم "نوراں" پر آکر ٹھہر گئے۔ میں نے تمہیں چھیڑنے اور لُطف اندوز ہونے کے لئے تم سے پوچھا۔

"جس وقت مجاز نے نوراں کے لبِ لعلیں سے وہ اک شے چُرالی ہوگی اُس وقت نوراں کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی؟ جبکہ وہ بگڑی تھی، نہ خفا ہوئی تھی اور خُود مجاز نے کیا محسوس کیا ہوگا؟"

تُم نے شوخ نظروں سے مجھے دیکھا تھا اور لبوں پر آئی ہوئی مُسکراہٹ چُراتی ہوئی شوخی سے بولی تھیں۔

"میں کیا جانوں!"

اور میں نے تمہارے اور قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

"کیوں نہ تجربہ کر لیا جائے؟"

"نہیں!" تم نے میرا ہاتھ جھٹک دیا تھا، مجھ سے الگ ہٹ گئی تھیں۔

یوں میرا ہاتھ جھٹک دینے اور مجھ سے الگ ہٹ جانے میں تُمہاری خفگی کو دخل نہ تھا۔ میں نے بھرپور چاندنی میں تمہاری آنکھوں کی شوخ چمک اور ہونٹوں پر مچلتی ہوئی حیا بار مُسکراہٹ کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر تمہیں اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ تُم نے مزاحمت نہیں کی تھی۔ میں نے تمہاری ٹھوڑی اُوپر اُٹھائی تھی تو تُم نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میں جُھکنے لگا تھا تو تُمہارے لبِ لعلیں تھرتھرانے لگے تھے

اور پھر تُمہاری جو کیفیت ہوئی تھی اُس سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ نوراں کی کیفیت تمہاری اِس کیفیت سے مختلف نہ رہی ہوگی۔ شرم و حیا میں ڈوبی ہوئی کیفیت۔ محبت کے جذبوں سے سرشار کیفیت! کچھ دُور تک ہمارے قدم ڈگمگاتے تھے۔ اِس طرح جیسے ہم نشے میں ہوں، جیسے ہوائیں نشہ آور ہو گئی ہوں، جیسے یہ رات نشے میں ڈوب گئی ہو۔

شبانہ! تُم نے اپنے خط میں ماضی کا تذکرہ کرتے ہوئے حال کا ذِکر کچھ اِس انداز سے کیا ہے کہ میں بے چین ہو گیا ہوں، مضطرب ہو گیا ہوں۔ میرے گرد تاریکیاں ہی تاریکیاں پھیل گئی ہیں۔ میرے آگے مستقبل کی طرف جانے والا راستہ مسدود ہو گیا ہے۔ ہمارے درمیان آسمان اور زمین کے درمیان جیسا خلاء حائل ہو گیا ہے۔ اب میں اس منزل تک نہ پہنچ سکوں گا جسے پانے کیلئے انتظار کی طویل اور سنگلاخ راستے پر چلتے چلتے نڈھال ہو گیا ہوں اور پیچھے بھی نہیں لَوٹ سکتا۔ اِس لئے کہ تُم نے حال کا احساس دِلا کر میرے ماضی کو مجھ سے بہت پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اِتنا پیچھے کہ اب ماضی کے تصوّر کے سِوا کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ شبانہ! کاش تُم نے حال کا تذکرہ نہ کیا ہوتا اور مجھے خوش گوار ماضی کی حسین یادوں کے سہارے ہی زندگی گزارنے دیا ہوتا۔ مجھے اُس پانچویں دن کے طلسم میں مبتلا رہنے دیا ہوتا جس پانچویں دن تُمہارا خط آنا تھا اور وہ پانچواں دن کبھی نہ آتا۔ مجھے احساس نہ ہونے دیا ہوتا کہ میں انتظار کی راہ پر چلتا ہوا دُور، بہت دُور نکل آیا ہوں۔ اتنی دُور کہ تم ایک خیال، ایک خواب ہو کر رہ گئی ہو۔

دُور اُفتادہ شبانہ اِنجُم نے لکھا ہے "ہزار چاہنے کے باوجود میں تمہیں نہ پا سکی، تمہاری نہ ہو سکی، ہم خُود کو ایک اٹوٹ رشتے میں نہ باندھ سکے۔ پھر بھی میں چاہتی ہوں ہمارے درمیان ایک رشتہ قائم ہو جائے۔ تاکہ ہم ایک دوسرے کے لئے غیر نہ رہیں، خواہ اِس رشتے کا نام کچھ اور ہی کیوں نہ ہو!"

اور پھر تُم لکھتی ہو — "شہزادہ بائیس سال کا خوبرو، ہونہار نوجوان ہے۔ شہزادی سترہ سال کی خوبصورت شرمیلی لڑکی ہے اور شوخ و چنچل بارہ سال کی رانی.....!"

شبانہ! تم نے جس رشتے کی بات کی ہے اُس رشتے تک پہنچنے کیلئے ایک وسیلے کی، ایک معاون کی ضرورت ہوتی ہے جو ایسے رشتوں تک پہنچنے کے لئے ذرائع کو جنم دے سکے اور — میں تو زندگی کے اُس موڑ پر تنہا کھڑا اب تک تُمہاری واپسی کا انتظار کر رہا تھا جس موڑ پر تُم مجھے پچیس سال پہلے چھوڑ کر گئی تھیں۔ پھر تم ہی بتاؤ، میں تمہارے بائیس سالہ خوبرو شہزادہ کے لئے سترہ سالہ خوبصورت شہزادی، تمہارے سترہ سالہ خوبصورت شہزادی کے لئے بائیس سالہ خوبرو شہزادہ اور تمہاری بارہ سالہ شوخ و چنچل رانی کے لئے کوئی نٹ کھٹ راجہ کہاں سے لاؤں — ؟ کہاں سے؟؟

شبانہ! کاش تُم نے مجھے ماضی کی حسین یادوں کے طلسم سے نکال کر حال کی کربناک اور سُلگتی ہوئی حقیقت سے آشنا نہ کیا ہوتا، کاش تُم نے مجھے انتظار کی صلیب پر ہی لٹکا رہنے دیا ہوتا، کاش تم نے اِس رشتے کی بات نہ لکھی ہوتی اور مجھے اُسی رشتے کے سہارے زندگی کے باقی دن گزار لینے دیئیں جس رشتے کا کوئی نام نہ تھا!!

---

# صحت و زندگی

## ۱— اگر آپ صحتمند رہنا چاہتے ہیں

اگر آپ صحت مند رہنا چاہتے ہیں تو اُن عادتوں کو ترک کر دیجئے جو صحت کو تباہ کرتی ہیں اور اُن عادتوں کو اپنا معمول بنا لیجئے جن سے صحت کی تعمیر ہوتی ہے۔

صبح پھلوں اور کچی سبزیوں سے ناشتہ بہت اچھی عادت ہے۔ ماہرینِ صحت کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ عادت صحت کے لئے بہت مفید ہے۔ صبح کے وقت پیٹ خالی ہوتا ہے، اِس لئے پھلوں اور سبزیوں کا حیات بخش رس معدہ بہت تیزی سے قبول کرتا ہے۔ پھل جراثیم کش بھی ہوتے ہیں۔ پھل کے استعمال سے آنتیں صاف رہتی ہیں۔

سو کر اُٹھتے ہی یا کسی سخت دماغی یا جسمانی کام کرنے کے بعد فوراً ہی کھانا صحت کے لئے بے حد مُضر ہے۔

تیز بخار یا غم و غصّہ کی حالت میں کھانا نہ کھانا چاہیئے۔ ایسی حالت میں جسم کی حرارتِ غریزی بڑھ جاتی ہے اور فاسد مادّہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ ایسی حالت میں جو غذا کھائی جاتی ہے، فاسد مادّہ سے مِل کر سڑ جاتی ہے اور نظامِ جسمانی میں زہر پیدا کر دیتی ہے۔

کھانا کھانے کے دَوران میں مطالعہ یا کسی خاص مسئلہ پر انہماک کے ساتھ غور کرنا بہت مُضر ہے۔

صبح نہار مُنہ رات کا باسی پانی پینا صحت کے لئے بہت فائدہ بخش عادت ہے۔ اِس سے نظامِ ہضم پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

کھانے میں کچی سبزیاں کھانا اپنا معمول بنا لیجئے۔ اِس سے جسم کو ضروری نمکیات وافر مقدار میں مِلتے ہیں، جس سے جسم میں توازن برقرار رہتا ہے۔ ماہرینِ غذا کی تو یہ رائے ہے کہ کچی سبزیوں میں پھلوں سے زیادہ قوتِ حیات ہوتی ہے۔

برسات کے موسم میں دوسری سبزیوں کے ساتھ لیموں ضرور استعمال کیا کیجئے۔ کچی پیاز اور لیموں بطور سلاد ہر کھانے کے ساتھ استعمال کیجئے۔

صبح نیم گرم پانی کے ایک گلاس میں ایک لیموں کا عرق نچوڑ کر پی لینا بے حد فائدہ بخش ہے۔ اِس سے جگر اور معدے کی اصلاح ہوتی ہے اور پیٹ کی ہر شکایت کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

ماہرینِ صحت کی رائے ہے کہ کھانا کھانے کے بعد کم از کم نصف گھنٹہ آرام اور تفریح صحت بخش عادت ہے۔ پہلے دائیں پہلو لیٹنا چاہیئے اور پھر بائیں۔ غذا کے بعد جسمانی یا دماغی کام میں فوراً مصروف ہو جانے سے ہاضمہ پر مضرِ صحت اثر پڑتا ہے۔

ماہرینِ صحت نے لکھا ہے—— معدہ کو ضرورت سے زیادہ غذا سے نہ بھرنے اور پُوری نیند لینے میں صحت کا راز مضمر ہے۔

حکیم جالینوس نے لکھا ہے —— خوشی، غذا کو خوب ہضم کرتی اور اُسے جُزوِ بدن بناتی ہے۔ غم اور وہم غذا کو فاسد کرتے ہیں۔ رنج و غم کی حالت میں کھائی ہوئی غذا ہضم نہیں ہوتی۔

## ۲— ہڑ یا ہلیلہ —— ایک اکسیر

ہڑ کو ہلیلہ بھی کہتے ہیں۔ اِس ارزاں ترین دوا کو اکسیر کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ ہڑ دماغ اور آنکھوں کو طاقت دیتی ہے۔ ذہن اور حافظہ کو تیز کرتی اور قبض کو رفع کر کے معدے اور آنتوں کو تقویت پہنچاتی ہے۔ ہڑ کے استعمال سے معدے اور آنتوں کا فعل

اعتدال پر آجاتا ہے، اس لئے سارے نظامِ جسمانی پر اِس کا نہایت خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

کچھ عرصہ تک برابر ہڑ استعمال کی جاتے تو بالوں کو وقت سے پہلے ہی سفید ہونے سے روک دیتی ہے۔

ہڑ کا چھلکا باریک پیس چھان کر اُس میں حسبِ ذائقہ نمک مِلا کر تین ماشہ سے پانچ ماشہ تک کھانے سے قبض کی شکایت دُور ہوجاتی ہے۔ آنکھوں کی بینائی تیز ہوتی ہے۔ دماغ، معدہ اور آنتوں کو تقویت پہنچتی ہے۔

بڑی ہڑ کو پانی میں گھس کر سلائی سے آنکھوں میں لگانے سے آنکھوں میں ٹھنڈک پڑتی اور بینائی تیز ہوتی ہے۔ آنکھوں سے پانی بہتا ہو یا آنکھوں میں سُرخی ہو تو وہ بھی دور ہوجاتی ہے۔

جو لوگ ہڑ کے استعمال کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں اِس کے بیش از بیش فوائد دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

## ۳ — آپ کے بچّے

آپ کے بچّے آپ کی سب سے زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔ اُن کی تربیت کی طرف سے بے توجّہی اور غفلت برتنا بہت بڑی مُجرمانہ کوتاہی ہے۔

بچّوں کو مطلق العنان چھوڑ دینا اچھا نہیں اور اُن کی تربیت میں اِتنی سختی برتنا کہ وہ آپ کو والدین کے بجائے سخت گیر حاکم سمجھیں اور بھی بُرا ہے۔ بچّوں کی تربیت نرمی سے کرنی چاہیئے۔ بے مہر تربیت اور تشدّد آمیز تعلیم سے بچّے احساسِ کمتری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ایسے بچّے جو محبت اور شفقت سے محروم ہوتے ہیں، انسانیت پر اپنے اعتماد کو کھو بیٹھتے ہیں، اُن کا علاج بے حد دُشوار ہوتا ہے، اِس لئے کہ وہ انسانیت کے مفہوم ہی سے آشنا نہیں ہوتے۔ ایسے بچّے اپنے مزاج کی تلخی اور بے راہ روی کی وجہ سے دوسروں کے لئے سخت ایذا رسانی اور آزار کا باعث بن جاتے ہیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی بگاڑتے ہیں۔ حد سے زیادہ ناز برداری سے بھی بچّے خراب ہوجاتے ہیں اور جب بڑے ہوجانے کے بعد ماں کی نگہداشت کم ہونے لگتی ہے تو وہ اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کر کے احساسِ کمتری کا شکار ہوجاتے ہیں۔ بچّوں کے احساسِ کمتری کا علاج والدین کی نفسیاتی توجہ سے ہوسکتا ہے۔ بچّوں کی حوصلہ شکنی کبھی نہ کرنی چاہیئے — "تم بالکل نکمّے ہو! تم بڑے بے وقوف ہو — تم سے کچھ نہ ہوسکے گا!" ایسے جُملے بے حد خطرناک ہیں۔ ایسے جملے بچّے کے دل میں بیٹھ جاتے ہیں اور گھر کر لیتے ہیں اور پھر بچّہ ویسا ہی ہوجاتا ہے جیسا والدین اُسے باور کراتے رہتے ہیں۔ دوسروں کے سامنے بچّوں کو حقیر اور ذلیل نہ کرنا چاہیئے۔ ہمدردانہ نصائح سے انھیں زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے کی ترغیب دلانی چاہیئے۔

لوگ بچّوں کے لباس اور پوشاک پر بہت خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اُن کی ذہنی تربیت پر بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے قابلِ رشک صلاحیت رکھنے والے بچّے بھی آہستہ آہستہ اپنی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔

مشہور مفکّر ڈاکٹر مارڈن نے لکھا ہے — "دو میٹھے بولوں سے، صرف زبان کی طاقت سے بچّوں میں ایسی قابلیتیں پیدا کی جاسکتی ہیں جن پر صحت، کامیابی اور شادمانی کا دار و مدار ہے۔

بچّے کی تعلیم و تربیت میں سب سے ضروری اور اہم بات اُس کے قُدرتی حقیقی اور مسرّت افزا اظہارِ خیال کا نمو ہے۔ جب بچّوں سے اُن کی طبیعت کے خلاف جبر سے کام لیا جاتا ہے تو اُن کے ذہنی قویٰ خمیدہ اور کمزور ہوجاتے ہیں۔ جب دیکھو کہ بچّہ اپنے کام یا مطالعہ میں دلچسپی نہیں لیتا تو سمجھ لیں کہ کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے۔ کیونکہ ہر معاملے میں شوق اور دلچسپی لینا بچّے کے لئے ایسا ہی قُدرتی اور ضروری ہے جیسا کہ پرندوں کے لئے چہچہانا۔ تمھیں چاہیئے کہ بچّے کے دل سے مطالعہ یا کام کو مصیبت سمجھنے کا خیال نکال دو۔ کسی سے بہ جبر کام نہیں لیا جاسکتا۔ جبر سے نہایت بُرے اور جذب و کشش سے نہایت اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ دُنیا کے بڑے بڑے کام، ایجادیں، دریافتیں اِسی طرح رُونما ہوئی ہیں۔ اگرچہ سخت افلاس کی حالت میں ظاہر ہوئی ہوں۔ پھر بھی یہ خوش باش لوگوں کے دماغوں کی رہینِ منّت ہیں۔"

## ۴ — کیا آپ جانتے ہیں؟

- گگّا، ببول اور مصری دونوں ہموزن باریک کر کے روزانہ

ایک ہفتہ تک چھ ماشہ صبح وشام کھانے سے یرقان کا مرض جاتا رہتا ہے۔

◆ تھوڑے پانی میں ذرا سا لاہوری نمک گھول کر دو چار قطرے آنکھوں میں ڈالنے سے بچھو کا زہر اُتر جاتا ہے۔

◆ خشک آملہ رات کو پانی میں بھگو رکھیں۔ صبح اُس پانی سے سر دھونا معمول بنا لیں۔ اِس عمل سے بال سیاہ رہیں گے۔

◆ چھان (گیہوں کے اُوپر کا چھلکا) کو پانی میں اچھی طرح اُبال کر کپڑے میں چھان لیں۔ اُس میں دودھ اور میٹھا ملا کر صبح و شام چائے کی طرح پینے سے جسم مضبوط ہوتا ہے۔ اُس میں بادام رگڑ کر ملائے جائیں تو اِسے استعمال کرنے والا ساری زندگی بُوڑھا نہیں ہوتا۔ دماغ کی تقویت کے لئے بھی یہ آزمودہ عمل ہے۔ نزلہ، زکام اور سر کے درد کے لئے بھی یہ اکسیر ہے۔

◆ چھان کو پانی میں اُبال کر اُس میں مونگ پھلی کو خوب رگڑ کر کپڑ چھان کر کے آگ پر گرم کریں۔ اُس میں گُڑ ملا کر صبح وشام پینے سے تھوڑے ہی عرصہ میں جسم کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ یہ ایک مکمل غذا ہے جو جسم کو نشو ونما دیتی ہے۔

◆ پھٹکری بریاں اور قلمی شورہ تین تین ماشہ پانچ تولہ عرقِ گُلاب میں ملا کر رکھ لیں۔ چند قطرے صبح وشام آنکھوں میں ڈالنے سے آشوبِ چشم کی شکایت دُور ہو جاتی ہے۔

◆ لیموں گرم کرکے چینی لگا کر چُوسنا جی متلانے اور ہیضہ میں بے حد مفید ہے۔ سیاہ مرچ کے ساتھ لیموں چُوسنا کھانسی اور بخار کو دُور کرتا ہے۔

◆ لہسن مقوی جسم اور مقوی باہ ہے۔ جسم میں طاقت بخش حرارت پیدا کرتا ہے۔ معدے اور آنتوں کی بلغمی رطوبتوں کو خشک کرکے انھیں قوت بخشتا ہے اِس کے استعمال سے دل و دماغ اور جسم کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

◆ لہسن دل کی کمزوری، پھیپھڑے کے زخم، تپ دق اور پُرانے بخاروں میں بہت مفید ہے۔ اِس کے استعمال سے خون میں سُرخی پیدا ہوتی ہے، چہرے کا رنگ نکھر جاتا ہے۔

◆ سانپ اور بچھو کے کاٹے کے لئے لہسن بہت مفید ہے۔ اِسے پیس کر مقام ماؤف پر لگانا اور رس نکال کر چاٹنا فوراً سکون بخشتا ہے۔

◆ مناسب مقدار میں پیاز کھانے سے قوتِ ہضم میں اضافہ ہوتا ہے۔

## مودود علی صدیقی منیجر "بیسویں صدی"

حساب کتاب کی جملہ اکاونٹس بُکیں، ووچرز، چیک بُکیں، انکم ٹیکس کے حسابات کی جملہ کُتب کے علاوہ ستر ہزار روپیہ کی کُتب اور نقدی ہمارے مکان نظام الدین ایسٹ نئی دلّی سے چوری کرکے مفرور ہے۔ اِس کی اپنی قلمی تحریر کے مطابق "اس نے ۲۳ ہزار کی چوری کی ہے" اور ہمارے حساب کے مطابق اِس مردود نے ستر ہزار سے بھی زائد مال پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ اِس کے وارنٹ گرفتاری نکل چکے ہیں۔ کوئی صاحب "بیسویں صدی" کی طرف سے اِس شیطان صفت درندے سے لین دین نہ کریں۔ ورنہ اِس کی اخلاقی یا قانونی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوگی — قارئین "بیسویں صدی" کی سرپرستی اور خُدا کے فضل وکرم سے "بیسویں صدی" مضبوط ترین بنیادوں پر قائم ہے۔ ہم نے سخت ترین حالات میں بھی مردانہ وار مشکلات کا مقابلہ ہمیشہ کامیابی سے کیا ہے اور موجودہ پریشان کُن حالات پر بھی ہم نے قابُو پا لیا ہے —— آپ کا "بیسویں صدی" چالیس سال کا پُرانا، اپنے انداز کا واحد حق گو جریدہ ہے جس نے ہمیشہ بے خوفی سے مُلک وقوم اور اُردو علم وادب کی بے لاگ، دلیری سے خدمت کی ہے اور بڑی سے بڑی شخصیت کی پروا کئے بغیر ہم نے ہمیشہ حق وصداقت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا —— "بیسویں صدی" باقاعدگی اور پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ محکمہ ڈاک کی خرابی سے کسی ماہ آپ کو رسالہ نہ ملے تو آپ خط لکھ کر دوبارہ منگوا سکتے ہیں۔

آپ کا قدیمی خدمتگار

خوشتر گرامی

---

مدیر "بیسویں صدی" کے نام خطوط لکھتے وقت ہمیشہ اختصار سے کام لیا کریں تاکہ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہو سکے۔ طویل خطوط مصروفیت کے باعث فوراً نہیں پڑھے جاتے۔

# 2 اکتوبر کو

# آج سے 106 سال پہلے

ایک دُبلے پتلے آدمی، موہن داس کرم چند گاندھی، کا جنم ہوا جس نے ایک سامراج کی جڑیں ہلا دیں۔ اُس کی طاقت کا راز کیا تھا؟ سچائی اور عدم تشدّد۔

بھارت کی رُوحانیت اور مغرب کے نظریہ عقلیت کے امتزاج کی اس مورتی نے بھارت کی قسمت کو جگا دیا۔ وُہ اَمن کے لئے زندہ رہا اور اَمن کے لئے ہی اس نے اپنی جان قُربان کر دی۔

وُہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ بھارت تنگدلی کی رَاہ اپنائے۔ اس نے ہمیشہ غریبوں کے کاز کی حمایت کی۔ وُہ اس بات کے حق میں تھا کہ عورتوں کو بھی ان کے حقوق ملیں۔ اس نے ہمیشہ بین الاقوامی بھائی چارے کو مضبُوط بنانے کے لئے جدّوجہد کی۔

## ایسے تھے مہاتما گاندھی، ہمارے راشٹر پتا

## بھارت انہیں بار بار سلام کرتا ہے

davp 75/304

# سرگوشیاں

## سوال و جواب

اِس عنوان کے تحت قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی معاشی تمدنی علمی ادبی سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ فلمی اخلاق و تہذیب سے گرے ہوئے اور فحش و عریاں سوالات شامل اشاعت نہیں کئے جاتے۔ ہر شخص خواہ وہ "بیسویں صدی" کا خریدار ہو یا نہ ہو زیادہ سے زیادہ تین سوال بھیج سکتا ہے۔ سوالات مختصر اور خوشخط لکھئے۔ ہر سوال کے بعد جواب کیلئے جگہ چھوڑنی لازمی ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ سوالات بھیجتے وقت یہ خیال رکھئے کہ اس عنوان سے ہمارا مقصد قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے ——— (ایڈیٹر "بیسویں صدی" دلی)

---

**محمد امتیاز علی نصرت، اسد قریشی۔ پڈاپی**

س۔ خوشتر چچا! زندگی خواب ہے یا حقیقت؟

ج۔ زندگی روشن و تابندہ حقیقت ہے۔

س۔ حالات انسان کے غلام ہوتے ہیں یا انسان حالات کا غلام ہوتا ہے؟

ج۔ پست حوصلہ انسان حالات کا غلام ہوتا ہے۔

س۔ بہار آنے سے پہلے خزاں آجائے تو کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ اِس یقین کے ساتھ بہار آنے کا انتظار کرنا چاہیے کہ خزاں کے بعد بہار ضرور آتی ہے۔

---

**رخسانہ جمیل۔ بحرین**

س۔ سیب کے متعلق کچھ بتائیں۔

ج۔ سیب بہترین پھلوں میں ہے۔ دل و دماغ اور جگر کو قوت بخشتا ہے۔ خون کی مقدار بڑھاتا ہے۔ معدے اور ہاضمے کو تقویت دیتا ہے۔ دماغی پریشانی اور ضعفِ قلب کے لئے سیب کا استعمال بہت مفید ہے۔ اِس کے متواتر استعمال سے خون صالح پیدا ہوتا ہے۔ رنگت نکھرتی اور رخساروں میں سرخی پیدا ہوتی ہے۔ گردے اور دانتوں کے لئے بھی فائدہ بخش ہے۔ عورتوں کو خصوصیت سے سیب زیادہ مقدار میں کھانا چاہیئے۔ بچہ پیدا ہونے سے پہلے سیب کا بکثرت استعمال عورت کو بہت سی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

---

**رُوحی۔ بحرین**

س۔ علامہ اقبال کی تصنیف "ارمغانِ حجاز" میں علامہ کا اُردو کلام ہے یا فارسی؟ اُس میں کتنے اشعار ہیں؟

ج۔ یہ تصنیف دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ فارسی ہے۔ دوسرا حصہ اُردو نظموں پر مشتمل ہے۔ اِس کتاب میں ایک ہزار اشعار ہیں۔

س۔ علامہ موصوف کی مشہور تصنیف "جاوید نامہ" کے متعلق کچھ بتائیں۔

ج۔ "جاوید نامہ" علامہ اقبال کی زندۂ جاوید تصنیف ہے۔ علامہ کی اِس فارسی منظوم کو اٹلی کے مشہور شاعر ڈانٹے کی "ڈیوائن کامیڈی" کا جواب سمجھا جاتا ہے۔ اِس کتاب میں تقریباً دو ہزار اشعار ہیں۔

---

**فاروق بہاری۔ دھنباد**

س۔ عورت آپ کی نظر میں کیا ہے؟

ج۔ ایک قابلِ احترام ہستی! گوئٹے نے کہا ہے "انسان کے لئے خدا کی سب سے گرانقدر بخشش عورت ہے۔" ارسطو نے کہا ہے "عورت کی ترقی یا تنزّلی پر قوم کی ترقی یا تنزّلی کا انحصار ہے۔"

---

**محمد جمیل اُجالا۔ دھنباد**

س۔ خواب حقیقت کب بنتے ہیں؟

ج۔ جب انھیں حقیقت بنانے کے لئے جدّوجہد کی جاتی ہے۔

س۔ انسان کی زندگی میں کتنی بار بہار آتی ہے؟

ج۔ یہ انسان کے حالات پر موقوف ہے۔ جو لوگ زندگی کو پُربہار بنانے کے لئے جدّوجہد کرتے ہیں اُن کی زندگی ہمیشہ بہار بکنار رہتی ہے۔

س۔ غم کو بھلانے کے لئے کس کا سہارا لینا چاہیئے؟

ج۔ غم کو بھلانے کے لئے خود کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھنا چاہیئے۔

---

**ظفر احمد۔ سمستی پور**

س۔ دشمن کو دوست کس طرح بنایا جا سکتا ہے؟

ج۔ اُس کے ساتھ دوست کا سا سلوک کرکے۔

س۔ زر، زمین، زن — تینوں جھگڑے کا گھر ہیں، پھر بھی لوگ ان کے لئے دیوانے کیوں رہتے ہیں؟

ج۔ اس لئے کہ ان تینوں میں بڑی کشش ہے۔

س۔ ایک حیات افروز شعر سنایئے۔

ج۔ موت کی ہار ہے انساں کی تمنائے حیات
دل دھڑکتا ہے اسی نام سے طوفانوں کا

---

**عائشہ ساحل۔ جھمری تلیا**

س۔ گھریلو زندگی کب کامیاب و خوشگوار ہوتی ہے؟

ج۔ جب شوہر بیوی کو برابری کا درجہ دیتا ہے، بیوی شوہر پر جان چھڑکتی ہے۔

س۔ شوہر کو خوش رکھنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟

ج۔ شوہر کی ہر جا و بے جا بات کو بیوی بجا سمجھے۔

س۔ آج کے سماج میں عورت کا مقام؟

ج۔ اتنا بلند نہیں جتنا بلند ہونا چاہیئے۔ حالانکہ آج ملک کی سب سے بڑی سربراہ عورت ہے۔

---

**مشتاق احمد تمنّا۔ کریم نگر**

س۔ زندگی کس طرح گزارنی چاہیئے؟

ج۔ جو ننگ زندگی نہ ہو۔

س۔ سب سے گہری نیند آپ کو کب آتی ہے؟

ج۔ جب "بیسویں صدی" ڈسپیچ ہو جاتا ہے!

---

**احسان المظفر۔ گیا**

س۔ انصاف اور عقل کے دشمن کون لوگ ہوتے ہیں؟

ج۔ جن کے باطن کی آنکھیں بصارت سے محروم ہوتی ہیں۔

س۔ دنیا کی حسین ترین شے؟

ج۔ اپنی صورت، اپنا چہرہ!

س۔ کیا زندگی غم اور خوشی کے سُروں سے بنا ہوا حسین نغمہ ہے؟

ج۔ جی ہاں۔

---

**سید ثروت حسین۔ سیتا پور**

س۔ زندگی کا دوسرا نام کیا ہے؟

ج۔ زندگی زندہ دلی کا نام ہے۔

س۔ اپنی پسند کا ایک شعر سنایئے۔

ج۔ چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

س۔ کچھ اچھی باتیں بتایئے۔

ج۔
- بُرائی کا جواب حُسنِ سلوک سے دو۔
- اُس میں ایمان نہیں جو عہد کا پابند نہیں۔
- میانہ روی نصف روزی ہے اور حُسنِ اخلاق نیم دین ہے۔
- خود اعتمادی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔
- اگر آپ صحیح معنوں میں زندگی بسر کرنا سیکھ جائیں تو زندگی نہایت دلچسپ مہم ہے۔

---

**مبین انصاری۔ حیدرآباد**

س۔ زندگی؟

ج۔ زندگی موجِ رواں، نکہتِ گل، رقصِ شرر۔

س۔ موت؟

ج۔ موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے۔

س۔ کشمکش؟

ج۔ کشمکش عظمتِ کردار عطا کرتی ہے۔

---

**زوار حسین۔ بریلی**

س۔ سکندرِ اعظم نے فارس پر کب حملہ کیا تھا اور کس سے نبرد آزما ہوا تھا؟

ج۔ ۳۳۱ قبل مسیح۔ دارا سے نبرد آزما ہوا تھا۔

### سیع انجم سوا۔ اعظم گڈھ

س۔ یہ شعر کس کا ہے ؎

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہیں ہیں سو آپ کریں ہیں مفت ہمیں بدنام کیا

ج۔ یہ شعر میر کا ہے۔

س۔ اِس موضوع پر کوئی دوسرا شعر سنایئے۔

ج۔ اللہ رے تیرے خامہ کی دشوار نگاری
مختار لکھا ہے ہمیں مجبور بنا کر

---

### فخرل اور پینگی۔ گورکھپور

س۔ کیا بڑھاپے میں عقل کمزور ہو جاتی ہے؟

ج۔ ایک بڑے مفکر نے کہا ہے۔ انسان جوں جوں بوڑھا ہوتا جاتا ہے اُس کی عقل جوان ہوتی جاتی ہے۔

س۔ اِس دور میں اُردو کا مشہور شاعر اور مصنّف کون ہے؟

ج۔ بہت سے مشہور شاعر اور مصنّف ہیں۔ نام کس کس کا بتایا جائے۔

---

### یاسمین۔ علی گڑھ

س۔ پُورے مُلک میں اُردو بولنے والوں کی تعداد کتنی ہے؟

ج۔ سرکاری اعداد شمار کے مطابق پُورے مُلک میں اُردو بولنے والوں کی تعداد دو کروڑ، ۲۳ لاکھ، ۲۳ ہزار ہے۔

س۔ یو۔پی میں اُردو بولنے والوں کی تعداد کتنی ہے؟

ج۔ ۸۰ لاکھ۔

س۔ بہار میں کتنے لوگ اُردو بولتے ہیں؟

ج۔ ۴۱ لاکھ۔ یہ سرکاری اعداد و شمار ہیں۔ ورنہ درحقیقت اِس سے کہیں زیادہ لوگ اُردو بولتے ہیں۔

---

### کرشن موہن۔ امراؤتی

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ہمارے مُلک میں ریلوے ملازمین کی تعداد کتنی ہے؟

ج۔ ۲۰ لاکھ۔

س۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ہندوستان کی آبادی کس اوسط سے بڑھ رہی ہے؟

ج۔ ہندوستان کی آبادی میں ایک کروڑ ۳۰ لاکھ سالانہ کا اضافہ ہو رہا ہے۔

---

### کلام احمد آرزو۔ ہزاری باغ

س۔ نیم کے شربت کے کیا کیا فائدے ہیں؟

ج۔ نیم کے شربت سے خون صاف ہوتا ہے۔ خون کی ہر طرح کی خرابی دُور ہو جاتی ہے۔

س۔ خوشتر بھیا! کچھ دین کی باتیں بتایئے۔

ج۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات آویزۂ گوش بنا لیجیے:۔

- نیکی سے عمر بڑھتی ہے۔
- مومن کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔
- سب سے اچھا انسان وہ ہے جس سے انسانوں کو فائدہ پہنچے۔
- بُرائی کا جواب بھلائی سے دو۔ نیکی کی قوت سے بدی پر غلبہ حاصل کرو۔
- شرم و حیا میں نیکی ہی نیکی ہے

---

## پنجابی یونیورسٹی سینٹ میں خوشتر گرامی

پنجابی یونیورسٹی کے اربابِ حل وعقد لائقِ مُبارکباد ہیں کہ اُنھوں نے یونیورسٹی سینٹ کے لئے دانشوروں اور اہلِ قلم کا انتخاب کرتے وقت جنابِ خوشتر گرامی کو بھی یاد رکھا۔ خوشتر صاحب کو سینٹ کا رُکن بنانا اُن کے لئے موجبِ اعزاز نہیں ہے بلکہ اُن کی صلاحیتوں اور خدمات سے استفادہ کا ایک موقع ہے۔ خوشتر صاحب کم و بیش پچاس برس سے "بیسویں صدی" کے ذریعہ اُردو زبان و ادب کی بے لوث خدمت انجام دے رہے ہیں۔ وہ اُردو کے صاحبِ طرز انشا پرداز و طنز نگار ہیں۔ اُن کی صلاحیتوں سے بہت پہلے استفادہ کیا جانا چاہئے تھا، لیکن بہرحال دیر آید دُرست آید۔ ہمیں اُمید ہے کہ خوشتر صاحب وہاں نہ صرف پنجابی زبان و کلچر اور پنجابی یونیورسٹی کی خدمت کریں گے بلکہ اُردو کے لئے بھی وہاں ایک بہتر ماحول اور فضا پیدا ہوگی۔ ہمیں اِس نامزدگی پر اِس لئے اور بھی خوشی ہے کہ ہماری یہ آرزو رہی ہے کہ ہمارے تعلیمی اِداروں کی باگ ڈور سیکولر ذہن رکھنے والے لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہئے تاکہ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلنے والے نوجوان ہندوستان میں سیکولرزم کی بقاء و استحکام کا موجب ہوں۔

(روزنامہ "الجمعیۃ" دِلّی مورخہ ۱۳ اکتوبر ۷۵ء)

# اپنے سٹیشن کو صاف ستھرا رکھیں

اِس بات سے کوئی اِنکار نہیں کر سکتا کہ صاف ستھرا ماحول ایک شخص کے کردار کو ظاہر کرتا ہے اور ہمارے کردار کو نمایاں کرتا ہے۔ ایسے ماحول میں ہمیں راحت ہی ملتی ہے۔

ہم اپنے گھروں کو صاف ستھرا اور ہوادار رکھتے ہیں۔ پھر اس بات کو پبلک جگہوں کے لئے کیوں نہ لاگو کیا جائے۔

ریلوے پلیٹ فارموں، مسافر خانوں، ریلوے ڈبّوں اور دوسری جگہوں جہاں پر لوگ عموماً اکٹھا ہوتے ہیں، یہ بہت ہی ضروری ہے کہ اس کے آس پاس کے ماحول کو صاف ستھرا رکھا جائے۔

ہم نے ریلوں کے لئے صفائی آندولن چلایا ہے جس کے نتائج بہت ہی اچھے نکلے ہیں۔ ریلیں اب پہلے سے زیادہ اچھی لگنے لگی ہیں۔ پھر بھی اِس صورتِ حال میں مزید سُدھار کی بہت ضرورت ہے۔ ہم اِس میں سُدھار لانے کے لئے لگاتار کوششیں کرتے رہیں گے۔

آپ بھی ریلوے کی مدد کر سکتے ہیں۔ اِس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہ آپ کے آس پاس کے علاقوں میں کوئی گندگی نہیں ہے۔ آپ اسٹیشن اور اُس کے گردونواح کو صاف ستھرا رکھیں۔ اِس کارروائی کے لئے ریلوے کے صفائی کرمچاریوں کی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ وہ آپ کی خدمت کے لئے ہمیشہ تیّار رہیں گے۔

آپ کو کوڑا دان کے علاوہ کوڑا وغیرہ اِدھر اُدھر نہیں ڈالنا چاہئے۔ آپ کی طرف سے دی ہوئی تھوڑی سی مدد سے بھی ہم آپ کی بہتر خدمت کر سکتے ہیں۔

## ریلوے آپ ہی کی جائداد ہے
## اِسے صاف رکھئے

**ناردرن ریلوے**

**آنند سروپ - نئی دہلی**

س۔ کیا ہندوستان کی چینی دوسرے ملکوں کو بھی بھیجی جاتی ہے؟

ج۔ ۷۲-۱۹۷۳ء میں ایک لاکھ ٹن چینی دوسرے ملکوں کو بھیجی گئی تھی —— ۷۳-۱۹۷۴ء میں ۳ لاکھ ٹن سے بھی زیادہ چینی دوسرے ملکوں کو بھیجی گئی۔

---

**فاروق علی ذاکر - کریم نگر**

س۔ مایوسی کی انتہا؟

ج۔ خودکشی۔

س۔ کیا بچوں کے لیے جنسی تعلیم ضروری ہے؟

ج۔ بچوں کے ذہن پر جنسی معلومات کا عکس بھی نہ پڑنے دینا چاہیے۔ لیکن سنِ شعور کو پہنچ جانے والے لڑکوں کو جنسی معلومات سے آشنا کرانا ضروری ہے، تاکہ گمراہ نہ ہو جائیں۔

---

**ایم۔ اے۔ یاس - سیوان**

س۔ دنیا کہاں جا رہی ہے؟

ج۔ تباہی کے دہانے کی طرف!

س۔ کیا ہندوستان انقلاب کے دہانے پر پہنچ گیا ہے؟

ج۔ آثار و قرائن تو یہی بتاتے ہیں۔

---

**آواز نرملی**

س۔ آج کل کی محبت ——؟

ج۔ اب نام ہوس کا محبت ہے۔

س۔ عظمت و رفعت کی بلندی پر پہنچنے کے لئے انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

ج۔ جو لوگ عظمت و رفعت کی بلندی پر پہنچ گئے اُن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے۔

---

**افتخار احمد شاہی - ہزاری باغ**

س۔ آپ کی تعریف؟

ج۔ احقر و کمتر خوشتر!

س۔ دوست دشمن کب بن جاتا ہے؟

ج۔ کبھی غلط فہمی دوست کو دشمن بنا دیتی ہے۔ کبھی خود غرضی اور کبھی رشک و حسد۔

---

**ہدایت علی ساحل - جھمری تلیا**

س۔ دماغ کی تقویت کے لئے کیسی غذا استعمال کرنی چاہیے؟

ج۔ جس میں فاسفورس زیادہ ہو۔ مچھلی، انڈے، چقندر، دودھ، کلیجی خصوصیت سے بادام بہت مفید ہیں۔ چنے، مٹر، سویابین، مغزیات، کشمش، پستہ، اخروٹ اور پنیر بھی دماغ کی تقویت کے لئے اچھی غذائیں ہیں۔

س۔ جو لوگ جسمانی اعتبار سے کمزور ہوں انھیں کیا کرنا چاہیے؟

ج۔ مقوی غذائیں کھانی چاہئیں، مناسب ورزش کرنی چاہیے۔

---

**قریشی جلال خاں بھٹر گانوی**

س۔ "ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی" اس مصرعے کے لفظ "لحظہ" میں نقطہ "ح" پر ہے یا "ط" پر؟ اگر ح پر ہے تو کیا معنی، ط پر ہے تو کیا معنی ہوں گے؟

ج۔ ط پر نقطہ ہے۔ لحظہ کے معنی ہیں پل، دم بھر۔ لحظ کوئی لفظ نہیں ہے۔

س۔ فیض کا کوئی شعر سُنایئے۔

ج۔ پھر نظر میں پھول مہکے دل میں پھر شمعیں جلیں
پھر تصور نے لیا اُس بزم میں جانے کا نام

---

**محمد صدیق - پربھنی**

س۔ ازراہِ کرم فکر تونسوی کا پتہ تحریر کریں۔

ج۔ جناب فکر تونسوی۔ دفتر اخبار "ملاپ"۔ بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی —— آپ "بیسویں صدی" کی معرفت بھی فکر صاحب کو خط لکھ سکتے ہیں۔

---

**نواب اصغر علی، بیگم اصغر علی - دھنباد**

س۔ موت کیا ہے؟

ج۔ فنا کا ہوش آنا، زندگی کا دردِ سر جانا
اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا

س۔ انسان کو ذلت کا سامنا کب کرنا پڑتا ہے؟

ج۔ جب کوئی ذلیل کام کرتا ہے، یا اُسے کسی ذلیل آدمی سے واسطہ پڑ جاتا ہے۔

س۔ دوستی میں عداوت کب پیدا ہوتی ہے؟

ج۔ جب خلوص ناپید ہو جاتا ہے۔

---

**مس زرینہ - رامپور**

س۔ غالب کا پورا نام کیا ہے؟

ج۔ اسد اللہ خاں۔ اُن کا ایک مصرع ہے کہ
مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں

---

س- جب کوئی [illegible] چوٹ لگتی ہے؟

ج- دل پر۔

س- [illegible] آرزوئیں نہ روکی جاسکیں تو؟

ج- زندگی سے مسرت کم ہوجاتی ہے۔ ایک بڑے مفکر نے کہا ہے ــــ خوش رہنا چاہتے ہو تو آرزوؤں کا دامن دراز نہ ہونے دو۔

---

**پرویز اختر پرویز۔ آسنسول**

س- ایک خاص عنوان کے تحت شعراء کے جو اشعار "بیسویں صدی" میں ہر ماہ شائع کئے جاتے ہیں ان کے عنوان آپ تجویز کرتے ہیں یا اشعار مرتب کرنے والے؟

ج- اشعار مرتب کرنے والے۔

س- میں نے سنا تھا آپ ہر قاری کے سوالات کے جواب دیتے ہیں۔ لیکن آپ میرے سوالات کے جواب کیوں نہیں دیتے جبکہ میں ہر مہینہ سوالات بھیجتا ہوں۔

ج- قارئین کے منتخب اور دلچسپ سیاسی، معاشی، تمدنی، علمی، ادبی سوالات کے جواب دئے جاتے ہیں۔ آپ کے بھی ایسے ہی سوالات کے جواب یقیناً دئے جائیں گے۔

---

**ریاض احمد۔ امراؤتی**

س- کچھ ایسی باتیں بتائیں جن سے ذہن روشن ہوجائے۔

ج- ● اچھی کتابوں کا مطالعہ دماغ کو روشن کرتا ہے۔

● اہلِ ہمت کے پاس مقاصد ہوتے ہیں اور عام لوگوں کے پاس خواہشیں۔

● کائنات کے مقدس اور مستقل نظام میں ہر کوشش کا صلہ ملتا ہے۔ کوئی سعی رائیگاں نہیں جاتی۔

● اگر لوحِ جہاں سے دو لفظ "میرا" "تیرا" مٹا دئے جائیں تو دنیا کو بہت سکون حاصل ہوجائے۔

● موسم کی ناخوشگواری کا شکوہ نہ کرو۔ بہار کی رعنائیاں محبوب ہیں تو خزاں کا سامنا کرنا ہی ہوگا۔

س- یہ شعر کس کا ہے؟

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ج- یہ شعر مولانا محمد علی جوہر کا ہے۔

---

**کمال احمد۔ ڈیسر گڑھ**

س- انسان کو اپنے کارنامے کب بڑے معلوم ہوتے ہیں؟

ج- جب وہ اپنی خوش فہمی سے اپنے چھوٹے کاموں کو بڑا کارنامہ سمجھتا ہے۔

س- کیا شادی بہشتی زندگی کا دروازہ ہے؟

ج- شادی بہشتی زندگی کا دروازہ نہیں ہے تو خوشگوار زندگی کی ضامن یقیناً ہے۔

---

**خواجہ محمد [illegible]**

س- ہماری [illegible] ہر ماہ دو صفحات [illegible] خبریں خصوصاً عالم اسلام کے بارے میں پڑھنے کو ملیں۔ کیا آپ ایسا کرسکتے ہیں؟

ج- ہر پرچے کا ایک خاص انداز ہے۔ آپ کو عالمی خبریں خصوصاً عالم اسلام کی خبریں پڑھنے کا شوق ہے تو [illegible] اخبار "الجمعیۃ" پڑھا کیجئے۔

س- علم و عمل کے بارے میں [illegible] کے ارشادات تحریر فرمائیں۔

ج- سرورِ کائنات نے ارشاد فرمایا ہے

● سارے کاموں میں افضل طلب علم ہے۔

● گود سے لے کر گور تک علم سیکھو۔

---

**عبدالمنان سرحدی۔ برہنڈہ**

س- میرے پاس کچھ نہیں، لیکن دنیا کا درد اپنے دل میں سمو لینا چاہتا ہوں، کیا یہ ممکن ہے؟

ج- کیوں نہیں۔ دردمند دل میں بے حد و بے پایاں وسعت ہوتی ہے۔

---

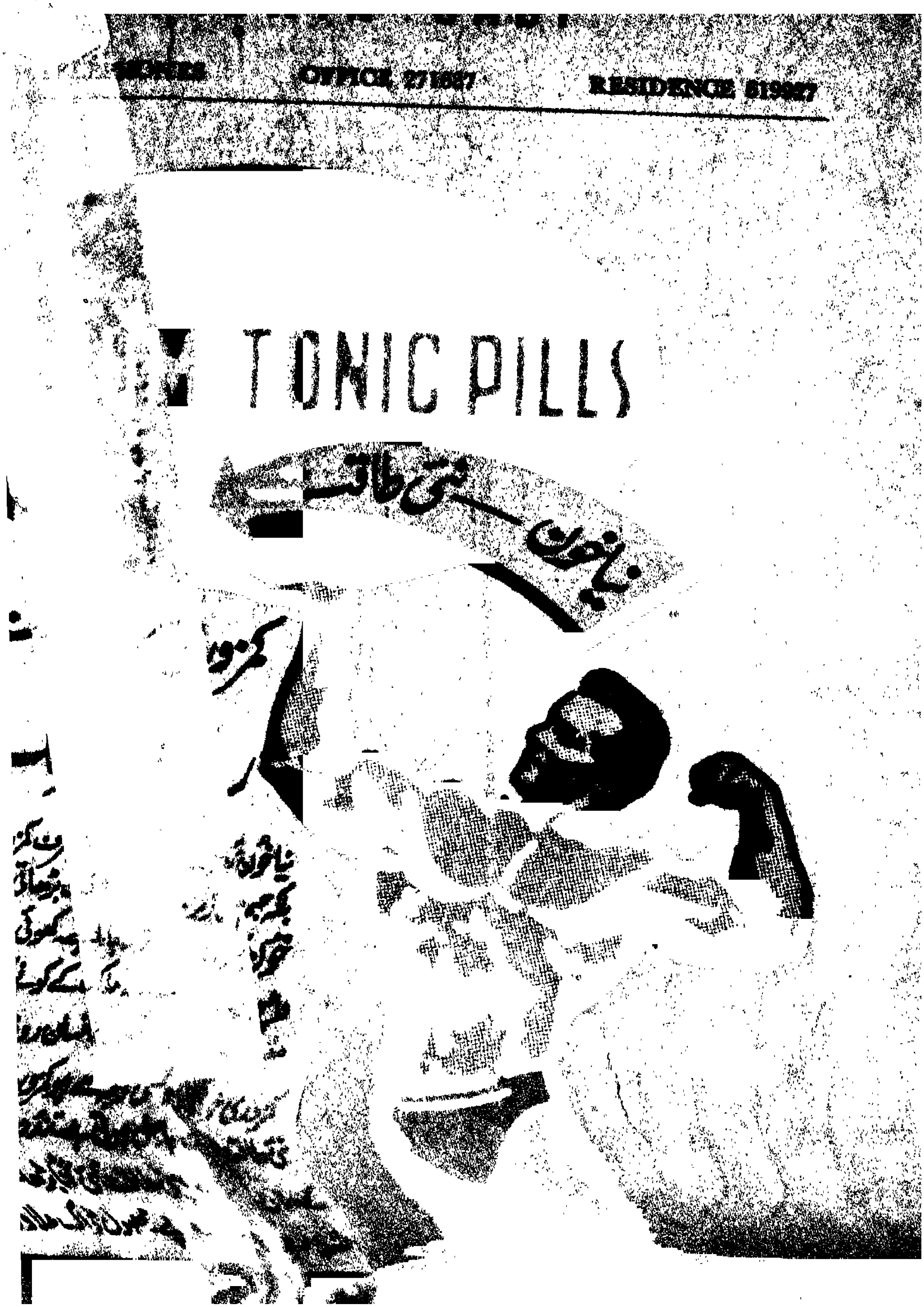
**صوفی محمد نعیم نیازی۔ آرہ**

س- برہم چرج کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟

ج- تجرد۔

---

پبلشر [illegible] گرامی نے پربھات آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر بیسویں صدی پبلیکیشنز دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ سے شائع کیا۔


TONIC PILLS
نیا خون ـــ نئی طاقت